بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتاویٰ رضویہ

جلد ہشتم

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب

دار العلوم امجدیہ
مکتبہ رضویہ
آرام باغ روڈ، کراچی
پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ

فتاویٰ رضویہ

جلد ہشتم

مصنفہ

حضور پُر نور عظیم البرکۃ امام اہلِ سنّت قامع بدعت مجدّد دین وملت

اعلیٰحضرت شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

طابع وناشر

المجدّد احمد رضا اکیڈمی

ملنے کا پتہ:

دار العلوم امجدیہ، کراچی ۱

نیو روز شاہ اسٹریٹ، آرام باغ

باہتمام، قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی

خطیب نیومیمن مسجد، بولٹن مارکیٹ، کراچی ۲

فون ۲۶۲۲۸۹۷، ۲۲۱۶۴۶۴

نام کتاب ـــــــ فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم
مصنف ـــــــ اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ
سالِ طباعت بار دوم ـــــــ جمادی الاول ۱۴۲۱ھ مطابق اگست ۲۰۰۰ء
تعداد ـــــــ (۱۰۰۰) ایک ہزار
تعدادِ صفحات ـــــــ ۶۷۶
باہتمام ـــــــ حضرت مولانا قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی خطیب نیو میمن مسجد بولٹن مارکیٹ
مطبع ـــــــ شادمان پریس کراچی
نگرانِ طباعت ـــــــ حافظ مصطفیٰ سرور اعظمی / محمود اختر آرز / محمد حمزہ قادری
ناشر ـــــــ دار العلوم امجدیہ، مکتبۂ رضویہ، آرام باغ روڈ کراچی
قیمت ـــــــ

لاھور میں ملنے کے پتے

شبیر برادرز ۴۰۔ بی، اردو بازار، فون: ۷۲۴۶۰۰۶
عظیم اینڈ سنز پبلشرز الکریم مارکیٹ، اردو بازار۔ فون: ۷۲۳۱۸۰۶
شمع بک ایجنسی اولمپک پلازہ، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، فون: ۷۱۲۴۹۴۶-۹۹

کراچی میں ملنے کے پتے

ضیاء الدین پبلی کیشنز شہید مسجد، کھارادر، فون: ۲۳۱۶۸۳۸
مکتبۂ غوثیہ مین سبزی منڈی، فون: ۴۹۴۳۲۶۸
مکتبۃ المدینہ شہید مسجد، کھارادر، فون: ۲۲۰۳۳۱۱
حنفیہ پاک پبلی کیشنز نزد بسم اللہ مسجد، کھارادر، فون: ۲۳۱۳۲۳۳-۹۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

شکر الٰہی و یاد رفتگاں

شکر کہ جمازہ بمنزل رسید ٭ زورق امید بہ ساحل رسید

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مکمل چونتیس سال قبل سنی دارالاشاعت کا جو کارواں شوق فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کو منزل بنا کر سرگرم سفر ہوا تھا۔ آج منزل پر پہنچ گیا۔ جلد ہشتم تک مسودہ بریلی شریف سے دستیاب ہوا۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ آج آٹھویں جلد برادران اہلسنت کے ہاتھوں میں ہے۔ اور ہم اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہورہے ہیں۔ فالحمد للہ تعالیٰ والشکر لہ وعلیٰ حبیبہ الصلوٰۃ والسلام۔

آج اختتام سفر پر ہم جب پیچھے پلٹ کر دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آرہا ہے کہ اس طویل جدوجہد میں ہم اپنے قافلہ کا نصف[1] بہتر کھو چکے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب نائب شیخ الحدیث سابق دارالعلوم اشرفیہ حال الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور جنکی وفات حسرت آیات کا ذکر ہم انہیں صفحات میں کر چکے ہیں۔ آپ کی رحلت کی تاریخ ۱۳ر شوال ۹۱ھ ہے۔ نور اللہ مرقدہ واجزاہ عنا وعن سائر المسلمین۔

دوسرے بنیادی رکن حضرت قاضی شریعت مولانا محمد شفیع صاحب اعظمی قدس سرہ العزیز ہیں۔ ۷ر جمادی الاخریٰ ۱۴۱۰ھ روز چہارشنبہ دن گذار کر ۱۲ بجے شب میں آپ واصل بحق ہوئے۔

آپ رہنے والے مبارکپور ہی کے ایک محلہ پورہ رانی کے تھے۔ والد کا نام ولی محمد مرحوم تھا۔ ولادت آپکی اوائل ۱۹۲۰ء کی کوئی تاریخ ہے۔ ابتدائی تعلیم مبارکپور کے دیوبندی مدرسہ احیاء العلوم میں حاصل کی اور ۲ر جمادی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ میں دارالعلوم اہلسنت میں داخل ہوئے۔ جس کا نام اس وقت صرف مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم تھا۔ فارسی اور ابتدائی عربی کے بعد شوال ۱۳۵۹ھ میں دارالعلوم مظہر الاسلام مسجد بی بی جی بریلی شریف میں داخل ہوئے۔ اس وقت وہاں صدر المدرسین اور شیخ الحدیث

---

[1] نصف بہتر میں نے اپنی ناقص و ناکارہ ذات کے لحاظ سے کہا ہے۔ ورنہ باقی رہنے والوں میں تیسرے فرو عالیجناب قاری محمد یحییٰ صاحب زید مجدہم بھی خیر السابق لاحق بالاولین میں ہیں ۱۲

محدث پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اور بقیہ مدرسین میں حضرت علامہ عبدالمصطفٰے صاحب ازہری رحمۃ اللہ علیہ و حضرت مولانا وقارالدین صاحب حال مفتی جامعہ امجدیہ کراچی کے نام مجھے معلوم ہیں۔ مولانا محمد شفیع صاحب نے مؤخر الذکر سے تعلیم پڑھی تھی۔

سال بھر بعد ۱۳۶۴ھ میں پھر اشرفیہ واپس ہو گئے۔ اور وہیں ۱۳۶۵ھ میں درس نظامیہ سے آپ کی فراغت ہوئی۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں حضور حافظ ملت۔ حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری۔ مولانا عبدالمصطفٰے صاحب ازہری، مولانا عبدالمصطفٰے صاحب اعظمی، مولانا ثناء اللہ صاحب امجدی، مولانا شمس الحق صاحب علیہم الرحمۃ والرضوان تھے۔

فراغت کے بعد ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۳ء تک مدرسہ انوارالعلوم تلسی پور میں مدرس رہے۔ اور اس کو ابتدائی ع۔ بی سے درس نظامیہ کے متوسطات تک پہونچایا۔ یکم مارچ ۱۹۵۲ء سے ۵ راپریل ۱۹۵۸ء تک مدرسہ شمس العلوم گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں رہے۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۷۱ء تک آپ دارالعلوم اشرفیہ میں مدرس رہے۔ ۲ رجون ۱۹۷۱ء کو انتظامیہ میں لے گئے۔ اور ناظم تعلیم اور نائب ناظم بنادیئے گئے۔

اس کے چند سال قبل ۳ ذوالقعدہ ۱۳۷۰ھ کو حضور مفتی اعظم مولانا مصطفٰے رضا خاں صاحب بریلوی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلعت خلافت سے نوازے گئے۔

اگست ۱۹۷۸ء تک نائب ناظم رہے۔ اور ایک ماہ بعد ہی انھیں ناظم اعلیٰ کے عہدہ پر ترقی ملی اور ۱۹۸۶ء تک اسی عہدہ پر رہے۔ اسی سال اشرفیہ سے آپ کی علیٰحدگی ہوئی۔ اور ۱۳ر فروری ۱۹۸۶ء کو مبارکپور کے ایک محلہ نوادہ میں قائم شدہ دارالقضاء کے قاضی بنادیئے گئے۔

تعلیم کا سلسلہ آپ نے کبھی ترک نہیں کیا۔ اخیر تک کچھ نہ کچھ پڑھاتے ہی رہے۔ اسی لئے آپ کو پورے درس نظامیہ پر عبور تھا اور اچھی تعلیمی مہارت حاصل تھی۔ اور علم میراث و فرائض آپ کا خاص فن تھا۔ پورے ہندوستان میں ہزارہا کی تعداد میں آپ کے شاگرد پھیلے ہوئے ہیں۔

تحریری لیاقت بھی آپ میں خاصی تھی۔ خطیب مشرق مولانا مشتاق احمد صاحب الٰہ آبادی نے جب شروع شروع الٰہ آباد سے پاسبان نکالا تو آپ بھی پابندی کے ساتھ اسمیں مضمون لکھنے والوں میں تھے۔ ایک اچھی کتاب الوسیلۃ السنیہ آپکی یادگار ہے۔ تقریر کے معاملہ میں اپنی آواز اور گلے سے وہ مجبور تھے۔ ورنہ زبان پر قدرت اور مضامین کے ہجوم میں کوئی کمی نہ تھی۔ ضرورت کے وقت تقریر بھی کرلیا کرتے تھے۔ ہجوم معانی کا یہ حال تھا کہ بسا اوقات ۳،۲ اور ۴ گھنٹے تک بھی آپ نے تقریر کی ہے۔ جس زمانہ میں تلسی پور میں تھے۔ وہاں لوگوں نے ایک مشاعرہ قائم کیا۔ اس میں مولانا نے کچھ دنوں پابندی سے غزلیں بھی کہیں۔

ان کے تنظیمی جواہر جب کھلے کہ انکو دارالعلوم اشرفیہ کی نظامت میں لیا گیا۔ الجامعۃ الاشرفیہ کی پوری جدوجہد میں

حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے دست و باز و بنے رہے ۔ میں نے ان کے بارے میں حافظ ملت کو فرماتے ہوئے خود سنا کہ مولوی عبد الرؤف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد مجھے سخت خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ کہ اشرفیہ کا اب کیا ہوگا ؟ لیکن مولوی محمد شفیع صاحب نے مجھے انکی کمی بالکل محسوس ہونے نہیں دی ۔

الجامعۃ الاشرفیہ کی سنٹرل بلڈنگ ، دارالاقامہ کی لق و دق عمارت ، قصبہ میں نسواں اسکول کی تعمیر جدید۔ دارالاقامہ کی دوسری عظیم الشان عمارت ، قصبہ میں اشرفیہ مارکٹ کی شاندار دو منزلہ تعمیر ، اور شعبہ تعلیم میں جدید کاری سب انھیں کے عہد کی پیداوار ہے ۔

دار القضاء میں آئے تو اس کی مرکزی عمارت اور قصبہ میں اس کے پرشکوہ آفس کی تعمیر میں بھی رات دن مصروف رہ کر اس کو پایہ تکمیل تک پہونچایا ۔

تجارت کی وجہ سے معاشی اعتبار سے فارغ البال تھے ، اس لئے اپنے آخری عہد نظامت میں کئی سال سے وہ کوئی معاوضہ بھی نہیں لیتے تھے ۔ خدمت خلق اور عوام کی ہمہ جہت مدد بھی ان کے محبوب مشاغل میں سے تھی ۔ الغرض

ع خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں سنی دارالاشاعت کے یہ بنیادی رکن اور سرگرم مجاہد تھے ۔ اور پورے سفر میں قدم بہ قدم ساتھ رہے ۔ لیکن افسوس کہ جب کشتی کنارے پر لگی ، تو انھوں نے خشکی پر اترنے کی بھی پرواہ نہیں کی کشتی میں ہی چادر تان کر ابدی نیند سو گئے ۔ گویا

نہ کی کچھ لذت افتادگی میں اعتنا میں نے مجھے دیکھا کیا اٹھ کر غبار کارواں برسوں

یا یوں کہئے کہ جہد مسلسل ہی ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ ایک سفر ختم ہوتے دیکھا۔ تو درمیان سے ہی دوسرا سفر شروع کر دیا۔

ع منزل سے زیادہ کیف جہاد سفر میں ہے ۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ وافاض علینا من فیوضہ وبرکاتہ۔

کسی بھی ملک کی فتح میں نام تو کرنلوں ، جرنلوں ، سپہ سالاروں اور بادشاہوں کا ہوتا ہے ۔ لیکن اس فتح کی نیو میں خون دراصل ان گمنام سرفروشوں کا ہوتا ہے جنھوں نے سینوں پر زخم اٹھایا ہوتا ہے ۔ اور گولیوں کی بوچھار میں دم توڑا ہوتا ہے۔ لیکن تاریخ میں ان کا نام جاننے والا بھی کوئی نہیں ہوتا ۔

ایک ایسے ہی فرد ہمارے اس قافلے میں بھی تھے ۔ جو ادارہ کے کسی قسم کے رکن تو نہیں تھے ، لیکن انکی جد و جہد کسی اہم سے اہم رکن سے بھی کسی طرح کم نہیں تھی ۔ میری مراد ضلع بنارس کے قصبہ سید راجہ کے فاضل مولانا سبحان اللہ امجدی سے ہے ۔ مرحوم صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خادموں میں سے تھے ۔ اور آپ کی اخیر عمر میں عرصہ دراز تک سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہے ۔ فارسی اور ابتدائی عربی آپ سے ہی پڑھی فراغت اشرفیہ سے حاصل کی ۔ مدت العمر شہر بلیا کی جامع مسجد کے خطیب اور اسی میں قائم مدرسہ رشیدیہ کے صدر مدرس رہے ۔ اور مسجد کی عمارت کو زمین سے آسمان پر پہونچایا ۔ اخیر میں وہاں سے

الگ ہوکر دو تین مدرسوں میں رہے۔ کئی کتابوں کے مصنف، ذی استعداد عالم، اور فقہ کی جزئیات پر اچھی بصیرت رکھتے تھے۔ مدرسہ کی خدمت کے سلسلے میں ہی وطن سے دور بلیا میں مصروف جدو جہد تھے۔ وہیں علیل ہوئے۔ وہاں سے لاکر مئو کے مشنری ہسپتال میں بھرتی کئے گئے۔ اور مسافرت میں ہی انتہائی بےکسی کے عالم میں چپ چاپ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ نہ تو ملک کے سنی پرچوں میں ہی ان کی وفات کا اعلان ہوا۔ نہ ان پر آرٹیکل لکھے گئے۔ نہ جلسوں میں تعزیت کی قرار دادیں پاس ہوئیں۔ نہ اداروں نے ان کے لئے ایصال ثواب اور فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا۔ بقول شاعر۔

مارا دیارِ غیر میں اپنے وطن سے دور — رکھ لی میرے خدا نے میری بیکسی کی لاج

حالانکہ فتاویٰ رضویہ کی تبییض کی وجہ سے پوری سنی جماعت کے سر پر ان کا احسان ہے۔ مرحوم صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے تو خادم خاص تھے ہی۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے عاشق زار تھے۔ اور انکی تحریر پڑھنے اور سمجھنے میں مہارت تامہ کا درجہ رکھتے تھے۔

فتاویٰ رضویہ کتاب الحظر والاباحۃ کی ترتیب و تہذیب اور کئی مسودوں کی تبییض ان کے ذمہ تھی انھوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور جملہ اہلسنت کی طرف سے انکو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور کل دار آخرت میں حضور حافظ ملت، سیدی صدر الشریعہ اور اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کے صف نعال میں بیٹھنے والوں میں ہم کو اور ان کو جمع فرمائے۔ آمین

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں — بہت کچھ جا چکے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم

اس جلد میں کتاب الکفالۃ سے کتاب الاکراہ تک مولانا سبحان اللہ صاحب مرحوم کا بیضہ ہے اور کتاب الحجر سے کتاب العقیقہ تک مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی کا، کتابت مولوی نظام الدین کو پا گنج ضلع مئو کی ہے۔ جو اپنے مذہب میں اسد رجہ سخت واقع ہوئے ہیں کہ پوری کتاب میں جہاں بھی وہابی یا دیوبندی کا لفظ آیا یا ان کے عقیدہ اور مسلک کی تردید ہوئی اس کو انھوں نے چھوڑ دیا اور دوسرے کاتب سے ہمیں اس کو لکھوانا پڑا۔ مبیضہ کا اصل سے اور کاپی کا مبیضہ سے مقابلہ فقیر نے کیا۔ جس میں اور دو حضرات شریک ہوئے۔ مولوی رفیع احمد کٹھیاری فاضل شمس العلوم گھوسی، اور مولوی محمد اسلم گھوسوی فاضل شمس العلوم۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جزائے خیر دے، اور علم و عمل کی دولت سے مالا مال کرے آمین۔

گذشتہ جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی بہت سی جگہ الفاظ بلکہ عبارت اندازہ سے درست کی گئی ہے اور جہاں کوئی حوالہ کی عبارت تھی اصل کتاب سے مقابلہ کرکے اس کی تصحیح کی گئی۔ جہاں کتابت کی غلطی معلوم ہوئی اسے بھی درست کیا گیا۔ چند جگہیں ایسی بھی ہیں کہ وہاں ہم کوئی فیصلہ نہ کر پائے۔ سارے ہی مواقع پر حاشیہ میں صورت حال کی تشریح کر دی گئی ہے۔ سوائے ایک جگہ کے جس کو ہم مقدمہ میں ذکر کرنا چاہتے تھے۔

ص ۱۲۴ پر ایک حدیث بشیر ابن خصاصیہ کی روایت سے نقل کی گئی ہے۔ خصاصیہ انکے جد اعلیٰ کی ماں ہیں۔ یہ انھیں کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہوئے۔ ان کے والد کا نام یا تو معبد ہے یا زید ابن معبد، یا شرجیل ابن سبع۔ یہ قبیلہ سدوس سے تعلق رکھنے والے تھے۔ جاہلیت میں ان کا نام زحم تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام بدل کر بشیر رکھا۔

لیکن جو حدیث نقل کی گئی ہے وہ نعمان ابن بشیر کا واقعہ ہے۔ ابن بشیر کے والد کا نام سعد ابن ثعلبہ ہے۔ اور یہ قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان بشیر سے صرف یہی حدیث مروی ہے جو یہاں تحریر کی گئی ہے۔ یہ ساری تفصیل تہذیب التہذیب، جلد اول میں ہے۔

پس بشیر ابن سعد کے بجائے بشیر ابن خصاصیہ کیسے لکھ گیا۔ جب کہ دونوں دو شخصیتیں ہیں اور دو قبیلوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور حدیث اصل میں ابن خصاصیہ کے بجائے ابن سعد سے مروی ہے۔ یہ معمہ میں حل نہ کر سکا۔ الا العلم امانۃ فی اعناق العلماء ممکن ہے کوئی بندۂ خدا اس کو حل کر دے۔

اصل کتاب ۵۴۸ صفحوں پر آئی، اور فہرست ۷۷ صفحوں پر فہرست حسب سابق فقیر کی تیار کردہ ہے۔ اور سابقہ تجربات کی روشنی میں کچھ زیادہ مفصل ہے۔ کتاب میں کل ۵۲۱ فتوے ہیں اور ۱۸ کتابیں۔ اور ۷ رسالے ہیں۔ تین رسالے ایسے ہیں جنھیں اس جلد میں شامل ہونا چاہئے تھا۔ مگر ہماری تمام جد و جہد کے بعد بھی دستیاب نہ ہو سکے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ افقہ المجادبہ عن الحلف الطالب علی طلب المراتبہ،، اجود القریٰ لطالب الصحۃ فی اجارۃ القریٰ،، المنح الملجیہ فیما نھی عن اجزاء الذبیحہ،،

اب ہم فرداً فرداً مختصر طور پر ہر عنوان کے تحت کچھ عرض کرتے ہیں۔

بابُ الوکالۃ

یہ عنوان انسانی زندگی کے شعبہ معاملات کی ایک شاخ کے طور پر اسلامی فقہ اور فتاویٰ کی ہر کتاب کا جزء ہوتا ہے۔ جس کا موضوع یہ ہے کہ انسان اپنے معاملات کو کسی وجہ سے اگر خود نہ کر سکے تو وہ اپنی طرف سے کسی آدمی کو اس کا مجاز اور مختار کر سکتا ہے۔ کتب فقہ میں اس عنوان کے تحت متعدد ابواب آتے ہیں مثلاً (۱) عقد وکالت ہے کیا؟ (۲) توکیل کے الفاظ کیا کیا ہیں؟ اور کس لفظ سے کس قسم کی وکالت ثابت ہوگی (۳) وکالت کی کیا کیا شرطیں ہیں؟ (۴) وکالت کے طرفین پر کیا کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ (۵) وکیل بنانے کا اہل کون ہے؟ (۶) کون کون آدمی وکیل ہو سکتا ہے؟ (۷) کن کن معاملات میں وکالت ہو سکتی ہے۔ پھر ان سب معاملات کے تفصیلی احکام کہ بیع میں وکیل کیا تو کیا مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور نکاح میں وکیل بنایا تو اس کی تفاصیل کیا ہیں؟ طلاق، عتاق، خلع، صلح، اعارہ، ہبہ، صدقہ وغیرہ معاملات میں توکیل کے مسائل جزئیہ کی تفصیل۔

فتاویٰ رضویہ میں کتاب وکالت میں صرف ۳ مسئلے درج ہیں۔ (۱) وکالت بالخصومۃ کی ایک خاص شکل (جسے آجکل لفظ وکالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور بہت سے لوگوں نے اسے اپنا پیشہ بنا رکھا ہے) کے جواز و عدم جواز سے

سوال (۲) وکیل کے اختیارات سے متعلق سوال کہ وکیل کو کچھ مطالبات معاف کرنے کا حق ہے یا نہیں (۳) وکیل بالشراء اپنی کسی چیز کو موکل کی طرف سے خرید سکتا ہے یا نہیں۔

کتاب الاقرار

بادی النظر میں ابواب فقہ کا یہ عنوان نہایت مختصر اور سادہ نظر آتا ہے۔ کہ "مدعی علیہ کا اقرار بھی ثبوت دعوی کے لئے کافی ہے" لیکن علمائے اسلام و فقہائے کرام نے اپنی باریک بینی اور ژرف نگاہی سے اس سادہ سے موضوع میں بھی نہایت دقیق پہلو نکالے ہیں۔ مثلاً میاں بیوی نے مدت کے بعد ناچاقی کی وجہ سے طلاق کے ذریعہ جدائی اختیار کرلی۔ عورت نے مہر اور نفقہ عدت کا سوال کیا، تو شوہر کی نیت خراب ہوگئی، اور اس نے انکار کر دیا کہ نہ مجھ سے تیرا نکاح ہوا۔ نہ تو میری عورت میں تجھے مہر اور نفقہ عدت کیوں دوں۔ نکاح کو زیادہ دن گذرے تھے اس کے گواہ فراہم نہیں ہوسکتے۔ طلاق کا معاملہ تازہ تھا۔ اس لئے اس کے گواہ موجود ہیں اس صورت میں عورت کے حق کی وصولیابی کی کیا صورت ہو۔ فقہاء فرماتے ہیں عورت سے طلاق کے گواہ قبول کرلئے جائیں گے۔ اور شوہر کا یہ طلاق دینا اس بات کا اقرار ہوگا۔ کہ اس نے اس عورت سے نکاح کیا ہے۔ اور اس ضمنی اقرار کی بنیاد پر عورت کو مہر و نفقہ دلادیا جائیگا۔

یہ ایک مثال ہے۔ اسی طرح کے کثیر التعداد مسائل ہیں جو اس سادہ سے عنوان کے تحت آتے ہیں۔ عالمگیری میں ان سب مسائل کو ۲۳ ابواب میں بیان کیا گیا ہے۔

فتاوی رضویہ کی اس کتاب میں کل دس سوالات ہیں۔

(۱) قاضی کے حضور اقرار کر کے کوئی شخص اپنے اقرار سے پھرے تو کیا حکم ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ پلٹنا معتبر نہیں ہوگا۔

(۲) شوہر نے مرض الموت میں عورت کے مہر کا اقرار کیا۔ اس نے مہر کے عوض پوری جائداد پر قبضہ کر لیا۔ ورثہ کا مقدار مہر پر اختلاف ہوا۔ جواب یہ ہے کہ مہر مثل تک مرض الموت کا اقرار ثابت ہے۔ زائد کے لئے ورثہ کی رضا یا شہادت عادلہ درکار ہے۔ اور خود عورت مہر کے بدلے میں جائداد پر قبضہ نہیں کرسکتی۔ بلکہ شوہر نے کوئی وصی مقرر کیا ہو تو وہ جائداد بیچ کر مہر ادا کرے گا۔ یا ورثہ مہر اپنے پاس سے ادا کر کے جائداد پر قبضہ کریں۔ چونکہ اس مسئلہ میں امام اخصب کا یہ فتوی تھا کہ عورت مہر کے بدلے جائداد پر قبضہ کرسکتی ہے۔ اس لئے اس کا محمل بتایا کہ وہ حکم حقیر و قلیل اشیاء میں ہے اور اصل مسئلہ کے ثبوت میں ائمہ فقہ کی کثیر شہادتیں پیش کیں۔ اسی ضمن میں خلاصۃ الفتاوی کی ایک عبارت کی قرائن سے تصحیح کی کہ اس میں "ناخذ" کے بجائے "لاناخذ" ہونا چاہیئے۔

(۳) ایک ایسے اقرار کا سوال جس میں مقر لہ مجہول ہے، آپ جواب میں فرماتے ہیں یہ جہالت فاحشہ نہیں۔ اس لئے اقرار تو صحیح ہے لیکن مقر لہ نے جب اس کو رد کر دیا تو رد ہوگیا۔

(۴) اس میں ایک ایسی جائداد کا سوال ہے۔ جو کسی عورت کے نام تھی۔ اس نے مرنے سے ایک روز قبل شوہر کے لئے اس کا اقرار کیا۔ آپ فرماتے ہیں۔ اگر عورت نے حالت صحت میں یہ اقرار کیا تو صحیح ہے۔ اور عورت کے ورثہ کا اس جائداد میں کوئی حق

ودعویٰ نہیں۔ شوہر البتہ اصل حقیقت سے آگاہ ہے۔ یہ اقرار صحیح ہو تو فبہا ورنہ اپنے حق سے زیادہ نہ لے۔

(۵) زمین کے ایک ایسے ٹکڑے کا سوال ہے جسے زید نے عاریۃً لیا اور عندالطلب واپسی کا اقرار نامہ لکھا۔ اب مقر کے ورثا اس اقرار نامہ کے پابند ہیں یا نہیں۔ جواب یہ ہے کہ پابند ہیں۔ اور عندالطلب واپس کرنا ضروری ہے۔

(۶) اقرار کرکے پلٹنے کا سوال وجواب۔

(۷،۸) بیعنامہ میں کسی بات کے اقرار کے سوال کے جواب میں آپ فرماتے ہیں۔ تحریر بیع نامہ عاقدین پر حجت ہے۔

(۹) ایک ایسے اقرار کا سوال ہے جو لغو ہے۔

(۱۰) اس سوال کا تعلق کتاب القضاء سے براہ راست ہے، جس میں پوچھا گیا ہے کہ اقرار سے پھرنے والے کے خلاف مقرلہٗ سے قسم کھلائی جا سکتی ہے یا نہیں۔

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ کتاب الوکالۃ کی طرح کتاب الاقرار بھی اقرار کے چند مسائل تک محدود ہے۔

کتاب الصلح

صلح کا تعلق بھی چونکہ زندگی کے سارے ہی معاملات سے ہے اس لئے کتب فقہ میں یہ بھی کافی طویل الذیل باب ہے عالمگیری میں اس کے مسائل کو ۲۱ بابوں میں پھیلایا ہے۔ مگر اس فتاویٰ میں اس کے صرف ۴ سوال درج ہیں۔

(۱) تخارج کا مسئلہ ہے۔ یعنی بعض ورثہ ترکہ کی ایک متعین مقدار لیکر الگ ہو گئے۔ اب تم لوگ بقیہ رقم آپس میں حسب حصۂ شرعی بانٹ لو۔ آپ فرماتے ہیں صورت مسئولہ میں ایسی صلح دو وجہوں سے ناجائز ہے۔ میت پر قرضہ ہے اس کو صلح سے علٰحدہ نہیں کیا گیا۔ اور علٰحدہ ہونے والے نے اپنے حصہ شرعی سے کم لیکر علٰحدگی اختیار کی اس میں سود کا شبہ ہے۔ مسئلہ سے متعلق جو عبارتیں آپ نے نقل فرمائیں اس میں تنویر الابصار اور شامی کی عبارت ناصاف تھی۔ اس کی وضاحت فرمائی۔ تنویر میں ہے۔ صلح اس وقت ناجائز ہوگی جب صلح میں یہ شرط لگائے کہ قرضہ کی ذمہ داری بقیہ ورثہ پر ہوگی۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ شرط نہ ہو تو صلح صحیح ہوگی۔ آپ فرماتے ہیں شرط لگائے نہ لگائے ہر حال میں صلح فاسد ہوگی صحت کی صرف یہی صورت ہے کہ یہ شرط لگائے کہ قرض صلح سے خارج ہے اور اپنے دعویٰ پر عالمگیری سے دلیل پیش کیا ہے۔

اسی طرح علامہ شامی نے اس قرض کو مبطل صلح قرار دیا تھا۔ رب الدین جس کا مطالبہ کرے۔ آپ نے اس سے اختلاف کیا اور عالمگیری سے اپنے موقف کی تائید نقل کی، اس کی پوری بحث جد الممتار میں ہے۔

(۲) دوسرا مسئلہ بھی تخارج سے ہی متعلق ہے۔ اس میں قرضہ عورت کا مہر ہے جو خود صلح میں داخل ہے۔ اس لئے ورثہ کی یہ صلح صحیح ہے۔

(۳) یہ مسئلہ بھی صلح بین الورثہ کا ہے۔ جس میں اقرار وابرار کی بھی شمولیت ہو گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عورت نے پہلے مہر کی ڈگری کرائی۔ پھر اجرائے ڈگری سے قبل ہی سب ورثہ میں صلح ہو گئی۔ اب صلح سے پلٹ کر پھر اجرائے ڈگری چاہ رہی ہے۔

سوال میں یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ ترکہ میں مہر کے علاوہ بھی کوئی قرضہ ہے۔ اس لئے جواب یہ ہوا کہ عورت کو صلح سے پھرنے کا حق نہیں دوبارہ جب دوسرے قرضہ کا سوال میں اضافہ کیا تو حکم یہ ہوا کہ اس دین کی وجہ سے صلح فاسد ہے۔

اسی میں ایک ضمنی سوال تھا کہ ورثاء میں صلح کے ساتھ اقرار نامہ بھی ہوا کہ ہر فریق دوسرے کو اپنے حقوق سے بری کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا بصورت موجودہ یہ اقرار نامہ کچھ موثر نہ ہوگا۔ عورت کو اجراء ڈگری کا حق ہے۔

اقرار نامہ کے کالعدم ہونے کی تین وجہیں ممکن ہیں۔

(۱) یہ اقرار نامہ صلح کی ضمن میں تھا، جب صلح فاسد تو اقرار نامہ فاسد۔

(۲) یہ اقرار نامہ صلح پر موقوف تھا۔ جب موقوف علیہ فاسد ہو گیا تو یہ بھی فاسد ہوگا۔

(۳) یہ اقرار نامہ اس گمان فاسد پر مبنی تھا کہ صلح صحیح ہے، حالانکہ یہ بات غلط تھی۔ اور جو چیز کسی غلط گمان پر مبنی ہو وہ خود غلط ہوتی ہے۔ لہٰذا شروع سے ہی یہ اقرار نامہ غلط اور بے بنیاد ہے۔

پہلی وجہ پر یہ اعتراض ہے کہ جب صلح اور اقرار دونوں ایک ہی معاہدہ میں ہوں تب صلح کے فساد سے اقرار کا فساد ہوگا اور یہاں اقرار صلح سے علیحٰدہ ہے۔ کیونکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دستاویزات کے اخیر میں جو اقرار یا ابراء تحریر ہوتا ہے وہ اصل معاہدہ سے الگ ہوتا ہے۔ اور یہاں ایسا ہی ہے، تو یہ اقرار نامہ فاسد نہ ہونا چاہیئے۔

دوسری وجہ کی تفصیل یہ ہے کہ اقرار معاہدہ سے الگ ہو تب بھی اس کو فاسد ہونا چاہیئے۔ کیونکہ صلح اس کی موقوف علیہ ہے جب وہ فاسد تو یہ موقوف (اقرار) بھی فاسد خواہ دونوں ایک ہی عقد میں ہو یا علیحٰدہ علیحدہ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ موقوف علیہ کے فساد سے موقوف اس وقت فاسد ہوگا کہ موقوف وجودی ہو۔ تو اقرار چونکہ وجودی ہے اس لئے وہ تو معاہدے سے الگ ہو کر بھی فاسد رہے گا۔ مگر ابراء چونکہ عدمی ہے اس لئے یہ مقرر ہونے کے بعد فاسد نہ ہوگا۔ کہ یہ فساد کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور صورت مسئولہ میں ابراء ہی ہوا ہے۔

آپ فرماتے ہیں فساد ابراء کی وجہ نہ فساد صلح ہے، نہ صلح فاسد کا موقوف علیہ ہونا ہے بلکہ ایک گمان فاسد کا مبنیٰ علیہ ہونا ہے۔ اور جب وہ گمان ہی فاسد تھا تو یہ ابراء راساً متحقق ہی نہیں ہوا۔ یہ آپ کی ایک غیر معمولی باریک بینی ہے جس سے مسئلہ کا حکم ایک ہی رہا۔ اور اس باب میں علماء کے متعارض اقوال میں تطبیق بھی ہو گئی۔

(۴) یہ اس امر کے بیان میں ہے کہ صلح کا تعلق حق اللہ اور حق العباد دونوں سے ہے۔

کتاب المضاربۃ یہ شرکت کے کاروبار کی وہ قسم ہے۔ جس میں ایک طرف سے سرمایہ، اور دوسری طرف سے محنت ہوتی ہے اور منافع میں فریقین حسب قرار داد کسی بھی جز شائع اور مشترک کے اعتبار سے شریک ہو سکتے ہیں۔

عالمگیری میں اس کو بھی ۲۲ ابواب پر پھیلایا ہے۔ مگر بنیادی سوالات کی تعداد اتنی زیادہ نہیں۔ فتاوی رضویہ میں

اس باب میں کل نو سوال ہیں۔ جن میں پانچ سوال نفع سے متعلق ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ صورت ممنوع ہے۔ جسمیں نفع متعین ہو۔ مثلاً ماہوار یا سال، بسال پانچ سو روپے۔ یا کل مال پر بحساب ایک آنہ فی روپے۔ اور جس صورت میں منافع کا نصف تہائی یا ربع مقرر کیا جائے۔ یا یہ کیا جائے کہ منافع میں سے اتنا فی صد یہ سب جزو شائع کی مثال ہے۔ اور اس صورت میں معاملہ جائز ہو گا۔ اگر کسی نے نفع مبہم پر معاملہ کیا کہ نفع میں سے کچھ دیدینا یا جو جی میں آئے دیدینا تو یہ معاملہ بھی فاسد ہو گا۔

ایک سوال میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ مضاربت میں نقصان کے اندر مضارب کی کسی قسم کی شرکت معاملہ کو فاسد کر دیگی ہر قسم کے جائز مصارف اور نقصان کو مال مضاربت پر ہی ڈالا جائے گا۔ اس کے بعد نفع کی صورت میں حسب قرار داد منافع کی تقسیم ہو گی۔

چند فتاویٰ میں اس کا بیان ہے کہ کون کون سے مصارف جائز ہیں جن کو مال مضاربت پر ڈالا جائے گا۔ اور کون کون سے مصارف ناجائز ہیں جن کی کوئی ذمہ داری مال مضاربت پر نہیں۔

ایک فتویٰ اس مسئلہ پر ہے کہ معاملہ مضاربت مسلم و کافر سبھی کے ساتھ ہو سکتا ہے، انھیں مسائل میں ایک جگہ اس بنیادی مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کہ عقد مضاربت کو کسی محدود دائرے میں محدود و مقید کرنے کا اختیار رب المال کو ہے۔ اور یہ حق اسے وقت عقد سے مال خریدنے کے پہلے پہلے تک حاصل رہے گا۔ اس کے بعد نہیں۔ ہاں مقید کو مطلق کرنے کا اختیار اس کو ہمہ دم ہے۔

کتاب الامانات والعاریہ

یہ دونوں عنوان معاملات زندگی کے تبرعاتی پہلو سے متعلق ہیں۔ اس میں کسی قسم کا مبادلہ یا معاوضہ نہیں ہوتا۔ امانت کا مطلب یہ ہے آپ نے اپنی کوئی رقم یا کوئی چیز حفاظت کے لئے کسی اور کے پاس رکھدی، تو یہ اس کا آپ پر ایک قسم کا احسان ہوا کہ اس نے آپ کے سامان یا رقم کی ذمہ داری لے لی۔

امین امانت کو اگر دانستہ ضائع کر دے۔ یا خود صرف کر ڈالے تو خائن یا غاصب ہوا۔ اور اسے امانت کا تاوان ادا کرنا پڑے گا۔ اور ضیاع میں اس کا کوئی قصور نہ ہو اس پر کوئی تاوان نہیں۔ یونہی امین کو امانت میں کسی قسم کے تصرف کا حق نہیں۔ اور وہی رقم یا سامان کسی نے آپ سے اس طور پر مانگا، کہ میں اپنی ضرورت پوری کر کے اسے واپس کروں گا۔ تو یہ قرض اور عاریت ہے۔ جس کی اصل یا مثل کا واپس کرنا ضروری ہے اور یہ معاملہ بھی عاریت دینے والے کا ایک احسان ہے۔ کہ اس نے وقت پر آپ کا کام چلا دیا۔

عالمگیری میں ودیعت کے مسائل دس ابواب میں اور عاریت کے مسائل نو ابواب میں بیان کئے گئے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ میں ودیعت کے سولہ اور عاریت کے دو فتوے ہیں۔ اور تمام کے تمام، اس مسئلہ سے متعلق کہ عاریت یا ودیعت

کہ اگر چیز ضائع ہوگئی تو کب تاوان دینا ہوگا اور کب نہیں۔

کتاب الھبة

یہ عنوان اسلامی معاملات میں خالص تبرع اور احسان کا باب ہے۔ اسی لئے کتب فقہ میں اسکی تعریف اس طرح کی گئی۔ کہ بلا معاوضہ کسی کو کسی چیز کا مالک بنا دینے کا نام ہبہ ہے۔ یہ معاملہ محتاج اور صاحب ثروت ہر قسم کے انسان کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ مالدار کو دیا تو ہبہ اور تحفہ ہوا۔ اور محتاج کو دیا تو بعض باتوں میں صدقہ کا حکم جاری ہوگا کہ ایسے ہبہ میں واہب کو رجوع کا حق نہیں رہتا۔ اور اسی میں عوض کی شرط لگادی تو بیع و شراء کے ہم معنی ہو گیا۔

کتاب الہبہ میں سب سے مقدم سوال ان الفاظ کا ہے جن سے عقد ہبہ منعقد ہوتا ہے۔ عام کتب فقہ میں وھبتُ، و نحلتُ۔ ملکتُہا۔ جعلتہ لک، اعطیتُ، نحلتُ، کسوتُک، اعمرتُک، اور بعض حضرات نے ان میں سے بعض کو عاریت، ہبہ، اقرار میں مشترک قرار دیا ہے۔

صاحب فتاوی رضویہ نے اپنے زمانہ کے حالات پر نظر کر کے بیع کے دستاویز کو کسی دوسرے کے نام لکھانے اور دوسرے کے نام جائداد کا خارج داخل کرادینے کو عرفاً ہبہ قرار دیا ہے۔ آپ نے شامی سے یہ جزیہ بھی نقل کیا کہ دست بدست لین دین سے بھی ہبہ متحقق ہو جاتا ہے۔ اس کیلئے الفاظ ایجاب و قبول ہی ضروری نہیں۔

خاص لفظ تملیک کے سلسلہ میں ایک مستقل رسالہ بنام۔ فتح الملیک، کتاب الہبہ میں شامل ہے۔

اس رسالہ کا خاص موضوع کلمات علماء سے دفع تعارض ہے۔ ہوا یہ کہ بعض علماء نے لفظ تملیک کو لفظ ہبہ کا ہم معنی و مرادف قرار دیا۔ اور بعض حضرات اس کو معنی ہبہ میں متعین کرنے کیلئے قرینہ ضروری قرار دیتے ہیں۔ جس کا صاف مطلب یہی کہ لفظ تملیک ہبہ کے علاوہ دیگر معانی کیلئے بھی موضوع ہے۔ یہ لفظ ہبہ کا مرادف اور ہم معنی نہیں۔

آپ فرماتے ہیں اصل وضع میں لفظ تملیک ہبہ سے عام ہے۔ لیکن عرف اور محاورہ میں یہ لفظ ہبہ کیلئے متعین ہو گیا۔ اس لئے ہر دو طبقہ علماء کی بات اپنی اپنی جگہ صحیح ہے۔ اور دونوں میں کوئی تعارض نہیں کہ جو لوگ قرینہ ضروری قرار دیتے ہیں، قرینہ مقالیہ پر ان کا اصرار نہیں۔ اور جو لوگ ہبہ میں متعین مانتے ہیں۔ مطلقاً قرینہ سے ان کو انکار نہیں۔ یہاں عرف و محاورہ قرینہ حالیہ ہے۔

عبارات علماء سے آپ نے یہ ضابطہ اخذ کیا کہ مواقع اخبار میں تملیک اپنے معنی عام پر ہوتا ہے۔ اور بیع وغیرہ تصرفات پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور مقام انشاء عقد میں ہبہ کے لئے متعین ہے۔

یہ اعلیٰ حضرت کا ایک امتیازی وصف ہے۔ کہ آپ نے بہت سارے مسائل میں ائمہ و علمائے متقدمین کے بہت سارے اقوال کی جو بادی النظر میں متعارض نظر آرہے تھے۔ ایسی توجیہ اور تطبیق فرمائی جس سے ان کا اختلاف و تعارض دور ہو گیا۔ و ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اس مسئلہ میں علامہ شیخ احمد طحطاوی مصری رحمۃ اللہ نے حموی کے حوالہ سے اور انھوں نے مفتاح کی سند سے یہ تصریح کی کہ تملیک ایک علٰحدہ عقد بے عوض ہے۔ جس میں شئی مملوک پر قبضہ ضروری نہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

الف۔ یہ نقل مجہول ہے کہ مفتاح اور اس کے مصنف دونوں غیر معروف ہیں۔ اور یہ کتاب کتب مذہب میں شمار نہیں ہوتی۔

ب۔ خود یہ بات بھی غیر معقول ہے۔ اس لئے کہ تملیک جس کو ہبہ سے الگ مستقل عقد قرار دیا گیا ہے۔ عین کی تملیک ہے یا منافع کی، اور بہر تقدیر با عوض ہوگی یا بلا عوض۔ اور بلا شبہ جس تملیک میں یہاں بحث ہے۔ یہ تملیک عین بلا عوض ہے۔ جس کو بالاتفاق تمام کتب فقہ میں ہبہ بتایا گیا ہے۔ اور اگر یہ ہبہ سے الگ کوئی عقد ہوتا جس میں قبضہ ضروری نہ ہوتا۔ تو کسی کتاب میں تو اس کا ذکر ہوتا۔ اور جب ساری کتابیں اس کے بیان سے خالی ہیں۔ تو ماننا پڑے گا کہ یہ ہبہ سے الگ کوئی عقد نہیں۔ اس سے بھی ہبہ کا ہی اظہار ہوتا ہے۔ اور اس میں بھی قبضہ ضروری ہے۔ اسکو ہبہ سے علٰحدہ کہنا غلطی ہے۔

آپ فرماتے ہیں۔ اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ علٰحدہ عقد قرار دینے والوں نے۔ اس مسئلہ پر اقرار سے استدلال کیا ہے۔ کہ اگر کسی نے یہ اقرار کیا کہ میں نے اپنے درخت کے پھل کا فلاں کو مالک بنا دیا تھا، تو گو مقر لہ کا اس پھل پر قبضہ نہ ہو پھل اسی کو دلا دیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ تملیک سے قبضہ کے بغیر ملک ثابت ہو جاتی ہے۔

اعلٰحضرت فرماتے ہیں۔ صورت اقرار میں مقر لہ کی ملکیت کا سبب لفظ تملیک نہیں۔ اقرار مقر ہے کیونکہ آدمی اپنے اقرار میں ماخوذ ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں یہ پھل مقر لہ کو اسلئے دیا جاتا ہے کہ اس کے اقرار کو حتی الامکان سچ کرنے کے لئے یہ مان لیا جاتا ہے۔ کہ مقر نے مقر لہ کو وہ پھل بیچا یا ہبہ صحیح تام کیا ہوگا۔ اس لئے نہیں کہ لفظ تملیک نے کوئی نیا عقد پیدا کیا۔

آپ ترقی کر کے فرماتے ہیں۔ اگر کسی نے قاضی کے یہاں دعویٰ کیا کہ فلاں کے پاس جو فلاں چیز ہے میری ہے۔ مدعا علیہ نے آکر قاضی کے سامنے اقرار کر لیا کہ میں نے یہ چیز مدعی کے ہاتھ بیچی ہے۔ اور قاضی نے وہ چیز مدعی کو دلا دی۔ تو کیا اس بات سے یہ استدلال صحیح ہوگا کہ بیع صرف ایجاب سے منعقد ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے قبول ضروری نہیں۔ دیکھو بائع نے صرف یہ کہا کہ میں نے اس کے ہاتھ بیچی ہے۔ اور قاضی نے وہ چیز دلا دی، مدعی سے قبول نہیں کرایا۔ یا یہ کہا جائے گا کہ یہاں وہ چیز مدعا علیہ کے اس اقرار کی وجہ سے دلائی کہ میں اس کو مدعی کے ہاتھ بیع کر چکا ہوں۔

آپ فرماتے ہیں۔ پھر یہاں یہ کیوں نہیں کہا جاتا ہے۔ کہ مدعی کو پھل مدعی علیہ کے اقرار کی وجہ سے دلایا ہے اس وجہ سے نہیں کہ اقرار کے لفظ، مالک بنا دیا تھا، سے کوئی نیا عقد تملیک متحقق ہو گیا۔

اعلٰحضرت رضی اللہ عنہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ قوت استدلال عطا فرمائی ہے۔ کہ آپ بحث کو اس منزل تک بلند فرما دیتے ہیں، کہ ان کا دعویٰ بدیہی معلوم ہونے لگتا ہے۔

اخیر میں آپ فرماتے ہیں۔ اصل مسئلہ ایسا متفق علیہ ہے۔ کہ اگر صاحب مفتاح کا یہ استدلال سامنے نہ ہوتا تو ہم کہتے

کہ اس نقل کا مشائخ کی طرف انتساب ان پہ افترا ہے۔ مگر استدلال نے بتا دیا کہ یہ انتساب سوء فہم کی وجہ سے ہے۔

صحت ہبہ کے لیئے یہ ضروری ہے۔ کہ شے موہوب معدوم نہ ہو۔ اور ہبہ کی اضافت کسی وقت خاص کی طرف نہ ہو جیسے فلاں وقت تک کے لیئے ہبہ کیا۔ اور واہب ہبہ کا اہل بھی ہو۔

کتاب الہبہ میں ان سارے ہی سوالات سے متعلق بھرپور احکام بیان ہوئے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں۔ گورنمنٹ سے آئندہ ملنے والا وظیفہ۔ میراث کے ذریعہ آئندہ ملنے والی جائداد خود اپنی موجودہ جائداد کی آئندہ ہونے والی آمدنی۔ سب معدومات سے ہیں۔ اور ان کا ہبہ جائز نہیں۔ اس طرح اپنے عہد میں آپ نے معدومات کی نوعیں معین فرمائی ہیں۔

اہلیت واہب کے سلسلہ میں آپ نے بے حد تفصیلی مسائل تحریر فرمائے ہیں۔ اور ان سب عوارض کا استقصار فرمایا جو اہلیت میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں نابالغ نہ خود کسی کو ہبہ کر سکتا ہے۔ نہ اس کا ولی اس کی طرف سے کسی کو کچھ ہبہ کر سکتا۔ حد یہ کہ اس کا بھرا ہوا پانی بھی دوسرے کو استعمال کرنا جائز نہیں۔ نہ غیر اس سے وضو کر سکتا ہے۔ اس موضوع پر آپ کا ایک بے حد مکمل رسالہ "اعطاء النبی لافاضۃ ماء الصبی" ہے، جو فتاوی جلد اول باب الوضوء میں شائع ہو چکا ہے۔

اور اسی ضمن میں آپ نے مرض الموت کے ہبہ پر بھی نہایت مفید بحثیں ارقام فرمائی ہیں۔ مرض الموت کا ہبہ وصیت کے حکم میں ہے۔ تو اس کے نفاذ کے سلسلہ میں کیا ضابطہ ہے ایک جامع نقشہ تحریر فرمایا ہے۔

تکمیل ہبہ کے شرائط میں دو نہایت اہم اور ضروری شرطیں ہیں۔ اگر ان کی رعایت نہ ہو تو ہبہ ہی نامکمل اور ناقابل نفاذ ہو (۱) شے موہوب کا غیر مشاع اور منقسم ہونا (۲) موہوب لہ کا شی موہوب پر قبضہ ہونا۔ اس کتاب کا بڑا حصہ انہی شرطوں سے متعلق مسائل پر مشتمل ہے۔

اولاً ہبہ مشاع کے ابطال پر آپ نے ۲۱ کتب فقہ کے نصوص پیش کیئے ہیں۔ پھر مشاع کی اقسام سہ گانہ اور مسئلہ ہبہ مشاع میں ائمہ ثلاثہ کے اختلاف کی تشریح، الغرض کوئی گوشہ آپ نے تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔

قبضہ کے موضوع پر اس کتاب میں انیس فتوے ہیں۔ جس میں قبضہ صحیحہ اور غیر صحیحہ کی تفصیل اور احکام ہیں، تخلیہ جو قبضہ کے قائم مقام ہے۔ اس کی تعریف اور تحقیق۔ اسی طرح نابالغ کے قبضہ کیلئے اس کے ولی کا قبضہ کافی ہے۔ جو چیز پہلے ہی سے موہوب لہ کے قبضہ میں ہو اس کے ہبہ کے لیئے جدید قبضہ ضروری نہیں۔

فساد ہبہ کی صورت میں قبضہ کے بعد موہوب لہ شی موہوب کا مالک ہوتا ہے یا نہیں۔ اور اس میں اس کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں یا نہیں۔

ہبہ کر کے واپس لینا شوافع اور احناف میں مختلف فیہ ہے۔ اس کتاب میں موانع رجوع کا تفصیلی بیان اور مواقع رجوع

کی جامع تفصیل ہے ۔

موت کے بعد جائداد کی تقسیم میں لڑکی اور لڑکے کے حصہ میں کمی زیادتی ہے لیکن زندگی میں باپ سب میں مساوات کرے گا۔ اس حکم کی کیا نوعیت ہے ۔ اور اس مسئلہ میں کسی قسم کا استثنا رہے یا نہیں ۔

اس کتاب میں ان سارے مسائل پر حقیقت افروز بحثیں ہیں جس سے اعلیحضرت کے وقت نظر اور عمیق فقہی بصیرت کا پتہ چلتا ہے ۔ الغرض کتاب الہبہ بیشتر مباحث ہبہ پر حاوی ایک مبسوط تحریر ہے ۔ جس کے مطالعہ کے بعد قلب و دماغ روشن ہو جاتے ہیں ۔ دیگر ضمنی مسائل اس پر مستزاد ہیں ۔ جس سے آپ کی وسعت نظر اور عبقریت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

کتاب الاجارہ

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جس طرح جسم انسانی کی بیع و شرار ناجائز ہے، اسی طرح اس کے جسم کی منفعت کی بیع و شرار بھی ممنوع ہو ۔ لیکن طرفین کی کچھ ایسی انسانی مجبوریاں ہیں، کہ آج کی اس آزادی اور ترقی کے دور میں بھی انسانوں نے جسم انسانی کے منافع کی بیع و شرار نہ صرف یہ کہ جائز رکھی، بلکہ روز بروز اس کی رنگا رنگی اور تنوع میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے ۔ اور دن بہ دن دنیا کے استحصال پسندوں کے استحصال اور مزدوروں پر ظلم و ستم کی راہیں کشادہ ہوتی جا رہی ہیں ۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس سارے ظلم و ستم کا ذریعہ بچولئے ہوتے ہیں ۔ جو صارف اور مزدور کے درمیان واسطہ بنے ہوئے ہیں ۔ اور طرح طرح سے اس کاروبار کی منفعت کا بیشتر حصہ خود ہی حاصل کر لیتے ہیں ۔

اسلام نے بھی ضرورت انسانی کی خاطر نہ صرف یہ کہ اس کار و بار کو جاری رکھا ۔ بلکہ اس کے لئے ایسے اصول وضوابط مقرر کئے جس کی پابندی آج بھی انسانی صلاح و فلاح کی ضامن، اور ظلم و استبداد کو نابود کرنے والی ہے ۔ اور اس معاملہ کا نام اجارہ رکھا ۔ جس میں مزدور کو اپنی محنت کا معاوضہ وصول کرنے کے ساتھ یہ بھی اجازت دی گئی کہ کوئی شخص اپنی جائداد منقولہ و غیر منقولہ کو بھی اجارہ پر دے سکتا ہے ۔ اس طرح اجارہ کی دو بنیادی قسمیں ہوئیں ۔

بیع و شرار کی طرح اجارہ کے بھی مسائل کثیر النوع اور مباحث طویل الذیل ہیں ۔ اس لئے کتب فقہ میں ان پر بسیط بحثیں کی گئی ہیں ۔ خود عالمگیری میں ان کو بتیس عنوانوں کے تحت بیان کیا گیا ہے ۔ ہم یہاں انھیں عنوانوں سے بحث کریں گے ۔ جنکا ذکر فتاوی رضویہ کی اس جلد میں ہے ۔

جیسا کہ اوپر بتا چکے ہیں ۔ اجارہ کا جواز عقل و انصاف کی بنیاد پر نہیں ۔ انسانی مجبوری اور ضرورت کی بنیاد پر ہے ۔ اس لئے جواز و عدم جواز میں ان ساری قیود و شرائط کا لحاظ ضروری ہوا ۔ جو اس کی اصل غرض کا مدار ہیں مثلاً

(۱) بیع و شرار کی طرح یہ بھی معاوضہ کا ایک معاملہ ہے ۔ تو کسی ایسی چیز پر اجارہ نہیں ہو سکتا جو آپ کی ملک نہ ہو بلکہ مباح الاصل ہو جیسے قدرتی جنگل سے لکڑی کاٹ لانے کا اجارہ ۔ قدرتی تالابوں کی مچھلی، پانی یا قدرتی چراگاہوں کی گھاس کا اجارہ یا جنگل کے جانور کے شکار کا اجارہ ۔ یہ سب ممنوع ناجائز ہیں ۔ یہ جو حاصل کرے اسی کے ہیں اس موضوع پر ص ۱۲۲ پر ایک تفصیلی فتوی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے ۔

(۲) اجارہ دراصل منافع کا معاملہ ہے۔ تو جس صورت میں منافع کے بجائے عین کے استہلاک پر اجارہ ہو۔ ناجائز ہوگا۔ جیسے مذکورہ بالا صورت میں جبکہ تالاب، ذاتی ہو یا جس میں گھیری ہوئی مچھلیوں، یا اپنے کھیت کی گھاس اس طرح اجارہ پر دیا کہ اتنے روپے پر سال بھر مچھلی کا شکار کرو، یا گھاس چراؤ جتنا تم حاصل کر سکے تمہارا۔

ہاں جہاں مجبوری ہو تو ضرورۃً یہ اجارہ بھی جائز ہوگا۔ جیسے عہد قدیم میں بچوں کو دودھ پلانے کیلئے دائیوں کو اجارہ پر رکھتے تھے یہ ابتلائے عام تھا۔ اس لئے فقہائے عموم بلوا کے تحت اس اجارہ کو جائز رکھا۔

صاحب جامع مضمرات اور علامہ بزازی نے تالاب وغیرہ کے اجارہ کو بھی اس عموم بلویٰ کے تحت جائز رکھا۔

امام بزازی نے اس اجارہ کے جائز ہونے کی ایک ترکیب یہ بتائی کہ جو کھیت اس تالاب کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اس کو اجارہ پر لے لو تو اسی کی تبعیت میں تالاب کے پانی کا اجارہ بھی جائز ہو جائے گا۔ مگر ان کی یہ بات واضح نہ تھی۔ علامہ شامی نے اس سے یہ سمجھا کہ تالاب کی اس زمین کو اجارہ پر لے لیا جائے جو پانی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ تو اس کے تابع ہو کر اس پانی کا اجارہ جائز ہوگا۔

اعلیٰحضرت فرماتے ہیں علامہ شامی کا یہ سمجھنا صحیح نہیں۔ پانی میں ڈوبی ہوئی زمین کا اجارہ تو خود صحیح نہیں۔ کہ اجارہ ایسے منافع پر ہوتا ہے، جو فی الحال مقصود و متعاد ہو۔ اور پانی میں ڈوبی ہوئی زمین فی الحال قابل انتفاع نہیں۔ تو جب خود اس زمین کا اجارہ جائز نہیں، تو اس کے ساتھ تبعاً پانی کا اجارہ کیسے صحیح ہوگا۔

اس تحقیق سے ایک طرف علامہ شامی کی لغزش کی تصحیح ہوئی دوسری طرف علامہ بزازی کی عبارت کی توضیح ہوئی۔ (ص ۱۵۶/۱۵۸ رسالہ اجود القری) اور تیسری طرف ایک اور مسئلہ کا فیصلہ بھی ہوا۔ جو یہ ہے۔

(۳) منافع میں بھی اس منافع کا اجارہ پر دینا جائز ہے جس کا اجارہ پر دینا معروف و مروج ہو۔ غیر مروج منافع کو کرایہ پر دینا ناجائز ہے۔ اس لئے کسی آدمی کا اپنی چھت کو کپڑا سکھانے کیلئے کرایہ پر دینا جائز ہے اور درخت کو اس مقصد کیلئے کرایہ پر دینا منع ہے۔

اجارہ نفس میں اجیر کے لحاظ سے اجارہ کی دو قسمیں ہیں الف۔ اجیر خاص، ب۔ اجیر مشترک۔ آپ فرماتے ہیں۔

اجیر خاص کو اردو میں نوکر اور ملازم کہتے ہیں، یعنی جو کسی ایک شخص (یا ایک ادارے کا پابند ہو) اور اجیر مشترک پیشہ ور، کہ اجرت پر ہر شخص کا کام کرے۔ ملازم کا اگر روزانہ وقت متعین کیا جائے تو وہ ہر روز اتنے ہی گھنٹوں کا لازم ہے۔ اور کوئی کار خاص مقرر ہو، تو اس سے صرف وہی کام لیا جائے گا۔

اور مقید نہ ہونا صرف "اجیر مشترک" میں ہے۔ ان کا کام بکتا ہے۔ وقت نہیں۔ بخلاف "اجیر خاص" کے کہ اس کا وقت بکا ہوا ہے۔ وقت پر اس کی حاضری ضروری ہے۔ (ص ۱۷۵/۱۶۹)

دوسرے فتوے میں جو ص ۱۶۹/۱۶۷ پر ہیں۔ "اجیر خاص" کے تسلیم نفس کی تفاصیل تسلیم میں تقصیر کی تشریح۔ کب تنخواہ کا مستحق ہوگا

اور کب نہیں ہوگا۔ ساری تفصیلات مذکور رہیں۔

اور دوسرے دو فتووں میں جو صفحہ ۱۴۲-۱۴۱ اور صفحہ ۱۸۱ پر ہیں۔ ایام تعطیل کا بیان اور یہ تصریح کہ ایام تعطیل میں بے تسلیم نفس بھی تنخواہ کا مستحق ہے۔ اور یہ کہ رائج قوانین ملازمت میں ملازم کس نوع کے قوانین کا شرعًا پابند ہے۔ اور کس کا نہیں۔ آپ اس قاعدے کے سخت خلاف ہیں کہ ملازم علحدگی سے ایک ماہ قبل اطلاع نہ دے تو ایک ماہ کی تنخواہ ضبط ہوگی فرماتے ہیں اگر معاملہ کرتے وقت عقد اجارہ میں یہ شرط لگائی تو سرے سے اجارہ ہی فاسد ہوگیا۔

آجکل "اجیر خاص" کیلئے ایک اہم مسئلہ پراویڈنٹ فنڈ کا ہے۔ آپ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے، کہ یہ معاملہ گو ابتداءً اجارہ فاسدہ کا ہے۔ لیکن انتہائے ملازمت کے بعد وہ پیسے اجیر کیلئے حلال ہوجاتے ہیں۔ (صفحہ ۱۸۳)

ایک لمبی فہرست ان فتاوی کی ہے۔ جن میں مختلف نوکریوں کے بارے میں نام بنام سوال کیا گیا ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں۔ جیسے وکیلوں کے محرری کی ملازمت، قانون گوئی اور سب رجسٹراری، غیر مسلموں کی نوکری، بنک کی نوکری، مندر کی تعمیر کی ملازمت، ان مسائل پر آپ کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ جس ملازمت میں ارتکاب حرام سے چارہ نہ ہو وہ حرام ہے (اور اسی طرح عبادت پر بھی اجارہ ناجائز ہے) اور جن نوکریوں میں خلاف شرع فعل کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔ یا جس فعل پر اجارہ ہو وہ خود ہی معصیت نہ ہو جیسے مندر کی تعمیر کہ دراصل یہ ایک مکان بنانا ہے معصیت تو اس میں تب ہوگی کہ بت نصب ہو اور اس کی پوجا ہو۔ تو ایسی ملازمت جائز ہے۔

دلالی اور کمیشن اجنٹی میں اگر دلال نے کچھ دوادوش کی تب تو اس کی محنت کا مناسب معاوضہ ملیگا۔ اور اگر صرف بیٹھے بیٹھے زبان سے کہہ دیا خرید لو بڑا اچھا ہے۔ تو کوئی معاوضہ نہیں۔

عبادات کے اجارہ میں علمائے متاخرین نے چار چیزوں کا صراحۃً استثنار کیا ہے (۱) تعلیم دین (۲) اذان اقامت (۳) امامت (۴) وعظ، ان کے علاوہ کسی قسم کی عبادت کا معاوضہ جائز نہیں۔ تو ایصال ثواب ختم تراویح، میلاد خوانی، وغیرہ پر اجارہ جائز نہیں۔ دعا میں تفصیل ہے۔ اگر کوئی عمل پڑھا، اور چلہ وغیرہ کیا تو اجرت جائز ہے کہ از قبیل علاج ہے۔ اور اگر صرف اتنا کہا کہ اے اللہ فلاں کا یہ کام ہوجائے تو کچھ معاوضہ نہیں "اجیر مشترک" کے مسائل میں ایک معرکۃ الآرا مسئلہ چیز کے ضائع ہونے کی صورت میں تاوان کا ہے۔ اس مسئلہ پر آپ نے دو جگہ تفصیلی روشنی ڈالی ہے صفحہ ۱۲۸ تا صفحہ ۱۳۴ اور رسالہ المنی والدرر۔

آپ فرماتے ہیں۔ ضمان "اجیر مشترک" کے بارے میں علماء کے چار اقوال ہیں۔ اور سب راجح و مقبول و مفتیٰ بہ۔ (۱) عدم ضمان مطلقًا (۲) ضمان مطلقًا (۳) صلح علی النصف (۴) تفصیل، اجیر صالح ہو تو برأت، غیر صالح ہو تو تاوان، مستور الحال ہو تو نصف پر صلح کیجائے۔

پہلا قول امام کا ہے اس کی تائید میں آپ نے چودہ اماموں کا نام شمار کرایا۔ اور انتیس ۲۹ کتب فقہ کا حوالہ دیا،

اور سات طرح سے اس کی ترجیح ثابت کی۔ اور اخیر والے تفصیلی قول کیلئے بھی بڑی پسندیدگی ظاہر کی۔ اور علماء کا قول نقل کر اگر امام یہ زمانہ پاتے تو یہی قول فرماتے۔

دیگر اشیائے منقولہ و غیر منقولہ کے منافع کے اجارہ میں سوالات زمین و مکان، دوکان و کلاہ آہنی اور کوطوں سے متعلق ہیں۔ مگر ان میں جو استفسارات ہیں وہ اجارات کے عمومی مسائل بلکہ دیگر ابواب سے متعلق بھی ہیں۔ مثلاً۔

(۱) اجارہ میں مدت کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی نے مطلقاً مہینہ کہا تو شمسی یا قمری کون مراد ہوگا۔ آپ نے اصولی جواب دیا کہ جس کا رواج زیادہ ہوگا۔ لیکن مسلمانوں کو قمری مہینہ ہی استعمال کرنا چاہیئے۔ اور اس سلسلہ میں دیگر متعلقہ معلومات سے لبریز یہ فتویٰ قابل مطالعہ ہے۔

(۲) اہل معصیت کو مکان دوکان وغیرہ کرایہ پر دینے کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: مسلمان نے مکان کو ان کے رہنے کی نیت سے دیا۔ وہ اہل معصیت ہیں تو اس میں معصیت بھی کریں گے۔ اہل کفر ہیں تو اس میں کفر و شرک بھی کریں گے۔ مگر ہم کو اس سے کیا غرض اس طرح اجارہ جائز ہے۔ مگر دیانت کا حکم یہ ہے کہ جہاں اس سے آس پاس کے اہل اسلام کو ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہو۔ وہاں ایسے لوگوں کو مکان وغیرہ کرایہ پر نہ دیا جائے۔

(۳) اجارہ میں اجرت بھی معلوم ہونا چاہیئے۔ تو جہاں اجرت مجہول ہو یا اجیر کی محنت میں سے ہی اجرت دی جا رہی ہو۔ ایسی تمام صورتوں میں اجارہ ناجائز ہے۔ اور یہ آخری مسئلہ قفیز طحان کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے افراد بے شمار ہیں۔ جانوروں کے ادھیا بٹائی کا معاملہ بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔

(۴) دو مبسوط فتوے اس موضوع پر ہیں کہ شروط فاسدہ سے بیع و اجارہ دونوں ہی فاسد ہو جاتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں اپنی عادتِ کریمہ کے مطابق بہت ساری کتابوں کے حوالے، اجارہ فاسدہ کے احکام، سب کو تفصیل سے بتایا ہے۔

(۵) غدر اور دھوکہ کی صورت میں بھی اجارہ فاسد ہوتا ہے، تو اس قسم کے سارے معاملے کہ اس کی آمدنی سے متعینہ حصہ یا تم مجھے دینا بقیہ کے تم ذمہ دار ہو۔ فائدہ ہو یا نہ ہو تم جانو۔ ناجائز ہیں۔

(۶) کب اجرت واجب ہوگی اور کب نہیں۔ مثلاً ایک سامان کرایہ پر لے گئے اسے رکھے رہ گئے مدت اجارہ گذر گئی اجرت کا کیا حکم ہے۔ مدت اجارہ کے تمام ہونے سے پہلے فسخ اجارہ کے کیا شرعی اعذار ہیں۔ ٹھیکہ پر علاج کرنے کا کیا حکم ہے مطالبہ کی وصولی کے صرفہ کا تاوان کس پر ہے اہل صلاح و تقویٰ کو انکی نیکی پر نذر کرنا۔ خاص کر اس صورت میں کہ وہ بھی فی سبیل اللہ ہمارا کچھ کام کر دیں۔ ان تمام مسائل پر اس کتاب میں روشنی ڈالی گئی ہے، اور اسی تفصیل و تحقیق کے ساتھ جو مصنف کا خاصہ ہے۔

اخیر میں دو رسالے بھی کتاب الاجارہ کا حصہ ہیں۔ "اجود القری" اور "المنی والدرر" پہلے رسالہ کا موضوع گاؤں کے ٹھیکہ کا معاملہ ہے۔ زمیندار حضرات اپنے علاقہ کی آمدنی کو ٹھیکہ پر دیدیتے ہیں۔ مثلاً

دس ہزار سالانہ آمدنی کا یہ علاقہ ہے۔ آپ کو ہم اس کی توفیر (زرحاصل یا بٹائی کا غلہ) اجارہ پر دیدیتے ہیں آپ ہم کو مثلاً آٹھ ہزار سالانہ دیدینا۔ جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ ناجائز ہے۔ کیونکہ اس میں علاقہ کی آمدنی جو جنس غلہ یا رقم ہے اس کو آٹھ ہزار کے بدلہ دیا جارہا ہے اور اس سے انتفاع کی بغیر ان چیزوں کے صرف کئے اور کوئی سبیل نہیں۔ تو یہ استہلاک عین پر اجارہ ہوا۔ اس لئے ناجائز ہے۔

اصولی دلیل کے بعد خاص مسئلہ کا جزیہ بھی فقہ کی کتابوں سے پیش فرمایا۔ اس ناجائز اجارہ پر جو عملدرآمد ہوا اسکے تدارک کی کیا سبیل ہے؟ اور آئندہ اس معاملہ میں کیا ترمیم کرنا ضروری ہے تاکہ یہ معاملہ حدود شرع میں ہو اور متعاقدین کا مقصد بھی حاصل ہو۔ یہ ساری تفصیل اس رسالہ میں ہے۔

ہم نے اس مقدمہ میں "رسالہ اجود القری" کی گمشدگی کی خبر دی ہے۔ اور اب اس کی اشاعت اور اس کے مندرجات کی تفصیل دے رہے ہیں۔ اس معمہ کا حل یہ ہے کہ اعلیٰحضرت کے پاس اس مسئلہ سے متعلق متعدد سوالات آئے آپ نے اس موضوع پر ایک پرمغز رسالہ بھی لکھا۔ اور دیگر سوالوں کا جواب بھی دیا۔ کسی میں اصولی دلیل اور مسئلہ کے جزیات پر اکتفا کی۔ کسی میں گذشتہ فاسد اجارہ پر عملدرآمد کی ترکیب بتائی۔ کسی میں صرف حکم بتادیا۔ کسی میں حکم کے ساتھ ساتھ اس کے اصلاح کی متعدد تدبیریں بھی ذکر کیں۔

ہم کو رسالہ تو ملا نہیں یہ متفرق جوابات ملے جن کے ساتھ حاشیہ پر نوٹ لگا ہوا تھا۔ "اس کو رسالہ اجود القری میں شامل کیا جائے" ہم نے انھیں پر صبر کیا اور رسالہ کے ان متفرق مشتملات کو رسالہ کا نام دیدیا۔

مذکورہ رسالہ میں مسئلہ "اجارہ قری" کے مذکورہ بالا پہلوؤں کی تفصیل اور تحقیق تو ضرور رہی رہی ہوگی مزید کن کن مسائل متعلقہ کا بیان ہوگا، اعلیٰحضرت کی تحریروں میں اپنی طرف سے اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ اعلیٰحضرت کی جان کاہیوں کے ساتھ یہ ایک بڑا ظلم ہوا ہے کہ انکی بہت ساری تحقیقات کو اشاعت سے قبل ضائع کردیا گیا ہے۔

"دوسرا رسالہ المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر" یہ رسالہ اس جلد کے کتاب المداینات میں شائع ہوچکا ہے۔ جو بریلی شریف ادارہ اشاعت تصنیفات رضا کی طرف سے گیارہویں جلد کے نام سے شائع ہوئی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ رسالہ اصلاً کتاب الاجارہ کا حصہ ہے۔

اس کی وجہ تصنیف یہ ہے۔ کہ مولوی رشید احمد گنگوہی نے منی آرڈر کے ذریعہ کہیں روپیہ بھیجنے کو ناجائز قرار دیا۔ اور فیس منی آرڈر کو سود کہا، ان کی دلیل یہ تھی کہ ڈاکخانہ سے جو روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجا جاتا ہے۔ وہ ڈاکخانہ کو بطور قرض دیا جاتا ہے۔ اور فیس منی آرڈر کہہ کر جو پیسے دیئے جاتے ہیں وہ سود ہوئے، اجارہ نہ ہونے کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ اجارہ میں

؎ جلد دہم کی طرح ہم کو اس جلد کے یازدہم ہونے میں بھی کلام ہے جسے موقع ملا تو ہم پھر کبھی ذکر کریں گے۔ عبدالمنان اعظمی

چیز ضائع ہوجائے تو اجیر پر تاوان واجب نہیں ہوتا۔ تاوان تو قرض میں واجب ہوتا ہے۔ اس لیئے یہ معاملہ اجارہ نہیں قرض ہے۔ اور قرض پر منافع سود ہے۔

دوسری دلیل یہ کہ اجارہ میں بعینہ اسی روپیہ کا پہونچانا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہاں طرفین کی طرف سے اسی روپیہ کے پہونچانے کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ پابندی ہوتی ہے کہ اس کے بجائے دوسرا روپیہ پہونچایا جائے گا۔ اس طرح بھی یہ معاملہ اجارہ نہ ہوا بلکہ سود ہوا اور سود کا حکم معلوم ہے۔

میرٹھ سے مولانا عبدالسمیع صاحب بے دل مصنف انوار ساطعہ نے اس مسئلہ پر مصنف کی رائے پوچھی کہ یہاں کچھ مسکینوں کی ماہانہ ڈور روپیہ تنخواہ مقرر ہے۔ وہ کہتے ہیں اس کی وصولی کیلئے ہر ماہ آنے جانے میں ہمارا دو روپیہ کرایہ صرف ہو جاتا ہے۔ اسلیئے بذریعہ منی آرڈر بھیج دیا جائے۔ اس معاملہ کو اجارہ سمجھ کر روپیہ اس طرح بھیجا جاتا رہا۔ اب گنگوہی صاحب کے فتوے کے بعد ان مسکینوں کا بڑا حرج ہے۔

آپ نے اس کے جواب میں لکھا۔ ان کا یہ فتویٰ غلط ہے۔ اور اصلاً یہ معاملہ اجارہ ہی ہے، ڈاکخانہ کی وضع ہی اجارہ کیلئے ہے، کہ اجرت پر لوگوں کے پیسے خط لفافے رجسٹری اور بیمے منی آرڈر اور پارسل مرسل الیہ تک پہونچاتے جائیں اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ البتہ اس میں تاوان کی شرط ہوتی ہے۔ اسلیئے قرض ہونے کا بھی ایک پہلو ہے۔ لیکن اس سے اس عقد کے اجارہ ہونے میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔

تو اعلحضرت کا موقف یہی ہوا کہ اصلاً یہ معاملہ عقد اجارہ ہے قرض اگر ہے تو اس کا ضمنی پہلو ہے۔ خالص قرض تو گنگوہی صاحب نے قرار دیا ہے۔ اس لیئے اس کو ہم نے کتاب الاجارہ میں شامل کرنا مناسب سمجھا۔

مانعین کی دلیل کو آپ نے یوں رد کیا کہ یہ غلط ہے کہ اجارہ میں مطلقاً ضمان واجب نہیں۔ اجارہ میں بھی بعض صورتوں اور بعض کے نزدیک تمام صورتوں میں ضمان واجب ہوتی ہے۔ اسلیئے یہ معاملہ ضمان واجب ہونے کی وجہ سے اجارہ ہونے سے نہیں نکلے گا۔ اور جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ آپ نے ضمان اجیر کے سلسلہ میں چار اقوال اور انکے احکام کی تحقیق فرمائی ہے۔

آپ فرماتے ہیں بالفرض اجارہ میں ضمان واجب نہ ہو۔ اور منی آرڈر میں طرفین ضمان لیتے دیتے ہوں تو زیادہ سے زیادہ ان کا ضمان لینے دینے کا یہ فعل ناجائز ہوگا۔ یہ معاملہ عقد اجارہ ہی نہ رہ جائے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس کو بجائے اجارہ سود قرار دینے میں تو بہت سارے اہل اسلام کو جو یہ کرتے ہیں سود خوار بنانا ہوگا۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے۔ کہ عقد تو عقد اجارہ ہی ہے۔ اس لئے فیس کا لینا دینا جائز ہوگا۔ اور چونکہ اس میں قرض کا بھی ایک پہلو ہے اسلئے عین پہونچانا ضروری نہ ہوگا۔ اور قرض و اجارہ میں کوئی منافات نہیں یہ دونوں ایک ساتھ متحقق ہو سکتے ہیں۔

اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا تھا۔ کہ اگر یہ عقد اجارہ ہو تب بھی اس میں عین نہ پہونچانے کی شرط لگا کر اسکو فاسد کر دیا گیا۔

کہ اجارہ عقود فاسدہ سے فاسد ہوجاتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں اس کی شرط لگانا تب اجارہ کو فاسد کرے گا کہ یہ شرط معروف و مشہور نہ ہو اور منی آرڈر کے سلسلہ میں تو تمام ملکوں کا یہی عرف ہوگیا ہے، کہ اصل کے بجائے بدل پہونچایا جائے۔ تو ایسی شرط لگانے کے بعد بھی اجارہ فاسد نہ ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے عرف پر ایک جامع بحث فرمائی ہے۔ جو آپ ہی کا حصہ ہے۔ متقدمین کی کتابوں میں بہت سے مسائل کے سلسلہ میں فرمایا گیا کہ عرف بدل لینے سے یہ حکم بدل گیا۔ لیکن اس کا کوئی ضابطہ نہیں بنایا گیا۔ متاخرین میں علامہ شامی نے تو اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ ہی تصنیف فرمایا۔ اور اس کا جگہ جگہ حوالہ بھی دیا۔ آپ فرماتے ہیں شامی نے بھی اس بارے میں کوئی فیصلہ کن بات نہ کہی۔ مگر ان کے اسی رسالہ کو مطالعہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر راہ روشن کی اور میں نے وہ ضابطہ ڈھونڈ نکالا پھر آپ نے عرف کی چار قسمیں اور ان کے تفصیلی احکام اور انکی مبسوط دلیلیں ارقام فرمائیں۔ افسوس کہ یہ رسالہ بھی نا تمام ہے۔

کتاب الاکراہ و کتاب الحجر

ان دونوں ابواب میں اتنی بات میں اشتراک ہے کہ دونوں میں زور اور شوکت سے دوسرے پر اپنا حکم نافذ کرنا، اور اس سے بجبر اپنی مرضی کے موافق عملدرآمد کرانا ہوتا ہے۔ ایسا جبر کبھی محمود بھی ہوتا ہے اور کبھی نامحمود بھی۔

قاضی مختلف اسباب کی بنا پر اگر کسی شخص کو اپنی املاک میں تصرف کرنے سے روک دے۔ یا شرعًا اس کے تصرفات نافذ ہی نہ ہوں تو اس کو حجر کہا جاتا ہے۔ اور زبردستی کسی کو مجبور کر کے کچھ کرا لیا جائے۔ یا کسی امر سے روک دیا جائے تو اس کو اکراہ کہتے ہیں۔ اکراہ کی دو قسمیں ہیں اکراہ ملجی اور اکراہ غیر ملجی۔ پھر کچھ تصرفات ایسے بھی ہیں جو اکراہ کے باوجود صحیح ہوجاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو اکراہ کی حالت میں صحیح نہیں۔ پھر یہ کہ مکرہ کو اکراہ کی صورت میں کیا کرنے کی اجازت ہے۔ اور کیا کرنے کی نہیں۔ کتاب اکراہ کے یہ چند موٹے موٹے عنوان ہیں، اور کتب فقہ میں انھیں چند ہی ابواب میں بیان کیا گیا ہے۔ فتاویٰ رضویہ کی اس جلد میں کتاب الاکراہ کے ضمن میں صرف ایک فتویٰ ہے جس میں بیع مکرہ کا بیان ہے کہ یہ نافذ نہ ہوگی:

"آپ فرماتے ہیں، اکراہ کیلئے یہ ضروری نہیں کہ جس وقت مکرہ وہ فعل کرے، گلے پر چھری یا قید و ضرب فی الحال موجود ہو، بلکہ اکراہ کنندہ کیطرف سے وعید و تہدید سابق، اس کے وقوع کا صحیح اندیشہ اور مکرَہ کا مکرِہ کے قابو میں ہونا تحقق اکراہ کے لئے بس ہے۔ ہاں قابو سے نکل گیا تو اکراہ ختم آئندہ قابو میں آنے کے خطرہ کا لحاظ نہیں"

حجر کے سلسلہ میں گذشتہ کتاب الہبہ میں ایک جگہ آپ نے تفصیل سے موانع تصرف کا بیان کیا ہے، یہاں خاص کتاب الحجر میں چند موانع کی تحقیق فرمائی ہے مثلاً۔

جنون مانع تصرف ہے۔ جنوں کی حد کیا ہے۔ جنون مطبق مطلقاً مانع تصرف ہے۔ جنون غیر مطبق میں حالت

افاقہ کے تصرفات نافذ و صحیح ہیں۔ فالج میں بسا اوقات دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ لیکن جس صورت میں دماغ متاثر نہ ہو اس کے تصرفات نافذ ہوں گے۔

یہ چند مسائل مراتب جنون مثلاً معتوہ و بوہرے وغیرہ سے متعلق ہیں۔ کئی فتاوے مجنون کی ولایت کے بارے میں ہیں۔ ایک فتوے میں اس امر کا بیان ہے کہ مقروض مفلس کو اپنی املاک میں تصرفات بیع و شرار کرنے سے قرض کی وجہ سے روکا نہیں جا سکتا۔

کتاب الغصب

کسی دوسرے کی جائداد منقولہ و غیر منقولہ کو اس کی اجازت کے بغیر قبضہ کر لینا غصب ہے۔ امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف منقولات میں غصب کے قائل ہیں۔ غصب ظلم و زیادتی ہے۔ اسلام نے جو ہر ظلم و زیادتی کے خلاف ہے۔ اس کی روک تھام اور تدارک کیلئے بھی احکام اور قوانین صادر فرمائے۔ عالمگیری میں ان احکام کو چودہ ابواب میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں بھی اس عنوان کے بنیادی مسائل کی اہم اور مفید تفصیل ہے۔ جن کا آج کے معاشرہ میں جاننا بے حد ضروری ہے۔ مثلاً

غصب کی وعید یں، حیلہ اور چالاکی سے لوگوں کا مال حاصل کرنے کی برائی، اور غصب کی بعض چونکا دینے والی صورتوں کا بیان۔ آپ فرماتے ہیں (۱) باپ نے اولاد کی کمائی ان کی اجازت کے بغیر اپنے مصارف میں صرف کر ڈالی غصب ہوا (۲) دھوبی نے کپڑا بدل دیا۔ آپ نے جان کر لیا غصب ہوا۔ اور دھوکے میں لیا تو اس کا استعمال حرام ہے۔ (۳) ورثہ میں سے کسی ایک وارث نے دیگر ورثہ کی اجازت کے بغیر ترکہ پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنے تصرف میں لایا۔ تو غصب ہوا۔ اور اجازت کے بعد قبضہ کیا اور صرف بھی اجازت سے کر رہا تھا۔ لیکن اب مطالبہ کے بعد بھی انھیں نہیں دیتا۔ تو اب یہ غصب ہو گیا (۴) بعض جگہ مسجد کی چٹائی مردہ دفنانے، یا کفن پہنانے میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ بھی غصب میں داخل ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ملک خاص کا غصب کرنا ہے۔ (۵) وقف کا مال مصرف کے خلاف خرچ کرنا بھی غصب ہے جبکہ آج کل منتظمین اسے اپنے جیب کی آمدنی تصور کرتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بعض ایسی صورتیں جو اصطلاحاً غصب نہیں کہلاتیں۔ مگر ان کا حکم غصب ہی کا ہے۔ اس کتاب میں انکی تفصیل بھی مرقوم ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ سود، چوری، جوئے۔ اور حرام کی نوکری سب حرام ہیں اور حکم وہی ہے جو غصب کا ہے کہ اس کی اصل یا مثل مالک کو واپس کر دے۔ اس کو اپنے صرف میں لانا حرام ہے اس سے کوئی کار خیر ادا کرنا مثلاً زکوٰۃ، فطرہ، کفارہ، نیاز، فاتحہ، حج وغیرہ امور خیر بجالانا ممنوع و حرام ہے۔ مالک نہ ہو تو اس کے ورثہ کو دیا جائے۔ وہ بھی نہ ہوں تو بلا نیت ثواب فقرار کو دیا جائے۔ فقرار کو دیتے وقت کونسی نیت باعث اجر و ثواب اور کس نیت سے دینا گناہ و حرام بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے۔؟

عام کتب فقہ میں صرف اجمالی حکم ملتا ہے۔ ثواب کی نیت سے دیا تو حرام و گناہ اور بسم اللہ پڑھ کر کھایا تو کفر یہ تفصیل

مرتکب کفر اور کب گناہ اور کب ثواب ہے اس کتاب کی خصوصیت ہے۔ اور اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کی دیدہ وری ہے۔

اسی سے متعلق ایک ضمنی سوال یہ اٹھتا ہے۔ کہ ایسے اموال کو کسی دوسری چیز سے بدلا تو بدلی ہوئی چیز اور اس کے منافع سے انتفاع کا کیا حکم ہے۔ آپ نے اس کی چھ صورتیں تحریر فرمائیں اور سب کا تفصیلی حکم بیان فرمایا۔ آخرت میں مال مغصوب کے مطالبہ کا وارث حقدار ہے یا مالک اور مورث۔ آپ فرماتے ہیں غاصب پر دو مطالبے ہیں۔ ایک ظلم کا دوسرا مال کا۔ اگر مالک کی زندگی میں ہی مغصوب کی وصولی سے نا امیدی ہو گئی۔ تو آخرت میں دونوں مطالبہ کا حق مورث کو ہی ہے۔ ورنہ اول کا مورث اور ثانی کا وارث کو۔

ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ کا آپ نے انتہائی محققانہ جواب دیا ہے۔ چندہ وصولی کرنے والے کی سستی سے چیک کیش نہ ہو سکا کہ بنک دیوالیہ ہو گیا۔ پیسہ کا مطالبہ کس سے ہو گا۔ چندہ دینے والے سے یا وصولی کرنیوالے سے؟ آپ نے اصول فقہ کے متعدد قاعدوں سے اس کا حکم منقح فرمایا۔ ظالم دراصل بنک ہے۔ مطالبہ ان دونوں میں سے کسی سے نہیں ــــــ المختصر اس جلد کا یہ حصہ آج بھی مسلمانوں کی اصلاح اعمال کیلئے نہایت مفید اور ضروری ہے۔

شفعہ

حق شفعہ کا مطلب یہ ہے کہ مشترکہ جائداد میں سے اپنا حصہ ایک شریک فروخت کرے۔ یا جن دو پڑوسیوں کا راستہ اور مسیل ایک ہو ان میں سے ایک اپنا مکان بیچے، یا دو چار ملاصق میں سے ایک ایسا کرے۔ تو دوسرا شریک اور پڑوسی اسے قانوناً اتنے ہی دام پر حاصل کر سکتا ہے۔ ہمارے ہندوستان میں تو اب یہ قانون ہی اٹھ گیا ہے۔ کیونکہ اس معاشرہ سے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک بالکل ناپید ہو گیا ہے۔ لیکن جس معاشرہ کو اسلام برپا کرنا چاہتا ہے اس میں پڑوسیوں کیساتھ حسن سلوک، ان کے حقوق کی رعایت اور عدم اضرار ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اسلئے ایک شریک یا پڑوسی کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اپنا پڑوسی یا شریک جس زمین کو چھوڑ رہا ہے اس کا مناسب دام دے کر یہ خود حاصل کرے، اور اپنے پڑوس میں کسی ایسے آدمی کو نہ بسنے دے جس سے آئندہ اذیت یا معاشرتی برائی کا خطرہ ہو۔ یا اس زمین کا حاجت مند ہو تو اسکا حق مقدم ہے۔ کہ اتنے ہی دام پر یہ خود لے لے۔

شفعہ میں سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ کس چیز میں شفعہ ہو سکتا ہے اور کس میں نہیں۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ شفعہ کے مختلف حقداروں میں کس کو ترجیح حاصل ہے، اور کب سب برابر ہیں۔ تیسرا سب سے اہم اور بنیادی سوال شفعہ کی شرائط اور قیود کا ہے۔ اس کتاب میں ان سارے ہی مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

آپ فرماتے ہیں جائداد منقولہ میں شفعہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں جائداد غیر منقولہ کے تابع ہو جیسے مکان کا عملہ تو اس میں بھی تبعاً شفعہ جاری ہو گا۔

آپ فرماتے ہیں۔ شریک خلیط پر اور خلیط جار پر مقدم ہے۔ اور درجہ میں سب برابر ہوں تو سب کو برابر حق پہنچتا ہے۔ شرکت قلیل میں ہو یا کثیر میں۔ اور مکان کا اتصال کم حصہ سے ہو یا زیادہ حصہ سے۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حق شفعہ بیع کی صورت میں ہے۔ ہبہ سادہ کی صورت میں نہیں۔ بیع کی خبر پاکر شفیع نے

بلا تاخیر طلب مواثبت اور طلب اشہاد کیا تو شفعہ جاری ہو سکے گا۔ ورنہ نہیں۔ بیٹھا تھا خبر پاکر کھڑا ہو گیا مجلس بدل گئی۔ اس تاخیر سے حق شفعہ جاتا رہا۔ بیع کی خبر سن کر اس پر رضامندی ظاہر کی پھر طلب شفعہ کیا۔ یا یہ کہنے کے بجائے کہ میں اس مکان کو شفعہ میں لیتا ہوں۔ یہ کہدیا کہ میں اس مکان کو خریدتا ہوں۔ یا شفعہ کروں گا یا خریدوں گا تب بھی شفعہ کا حق جاتا رہا۔

شفیع مدعی ہے۔ اس کو گواہ پیش کرنا ہوتا ہے۔ لیکن بعض صورتیں ایسی در پیش آتی ہیں۔ کہ مدعیٰ علیہ ہو جاتا ہے تب اس سے قسم کھلائی جائے گی۔ اس سلسلہ میں اقوال علماء میں بڑا اختلاف ہے۔ آپ نے اس موضوع پر ایک رسالہ مسمیٰ بہ ۔ انفقہ المحاویہ عن الحلف الطالف علی طلب المواثبہ۔ تحریر فرمایا۔ جس میں ان تمام اقوال مختلفہ کے مناشی کی تحریر کے ساتھ ساتھ ان سب میں باہم تطبیق اور توفیق کا کام کیا۔ افسوس کہ آپ کی یہ شاہکار تحریر بھی فی الحال ناپید ہے۔

کئی ایک فتوے ایسے مقدمات کے جو شفعہ سے متعلق ہیں۔ آپ نے ان میں کچہریوں کے فیصلوں کی تصویب یا تنقید کی ہے اور ان کا صحیح حکم بتایا ہے۔ ایک جگہ علامہ سائحانی جیسے فاضل جلیل کی ایک الجھن دور فرمائی ہے۔ آپ کی ژرف نگاہی اور خدا داد تحقیقی صلاحیت ہے جسے دیکھ کر علمائے حرم کو کہنا پڑا۔

لو وجدہ ابو حنیفۃ لاعدہ من اصحابہ ۔ اگر ابو حنیفہ انھیں پاتے تو اپنے اصحاب میں داخل فرماتے۔

کتاب القسمۃ وکتاب المضارعۃ

کتاب القسمۃ کے صرف دو فتاوے اس جلد میں شامل ہیں۔ اور دو ہی مسئلوں پر مشتمل ہیں۔ ایک صحیح اور غلط تقسیم کے حکم سے متعلق اگر کوئی تقسیم غلط ہوئی ہو تو قاضی نے یہ تقسیم کی ہو۔ توڑ دی جائے گی۔ اور دوسرا یہ مسئلہ ہے کہ اگر ترکہ میں چند مکان ہوں اور ہر مکان میں ہر شریک کا قابل انتفاع حصہ نکل سکتا ہو۔ تو ہر مکان سب شرکا پر تقسیم ہو گا۔

کتاب المضارعۃ کے ۱۲ فتاوے ہیں۔ وہ بھی صرف ایک مسئلہ سے متعلق اور وہ مسئلہ بھی خالص مزارعت کا نہیں بلکہ اس کا تعلق کتاب الاجارہ سے ہے۔ یعنی کرایہ کی دوکان، مکان، یا کاشتکار کو کھیت پر حق استقرار حاصل ہے یا نہیں؟ آج کل یہ مسئلہ نہایت گمبھیر ہو رہا ہے، گورنمنٹ کے حق استقرار تسلیم کر لینے کی وجہ سے مالکان مکان کا استحصال ممکن ہے کچھ کم ہو گیا ہو۔ لیکن طرفین میں پیچیدگیاں بے حد بڑھ گئی ہیں۔ ایک طرف مالکان نے ظلم کے نئے نئے ہتھکنڈے نکالے ہیں۔ تو دوسری طرف اجیروں نے بھی متعدد نئے راستے پیدا کئے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں۔ کاشتکار یا اجیر کو سرکاری املاک یا وقف کی جائداد میں جبکہ اجیر و کاشتکار نے اپنی محنت و پیسے سے اس زمین یا جائداد میں ایسا تصرف کر لیا ہو، جس سے شی مستاجرہ کی قیمت وافادیت میں اضافہ ہو گیا ہو۔ جسکو کردار، کدک، اور مشد مسکہ وغیرہ مختلف اصطلاحی نام ہیں۔ تو اس کو حق استقرار حاصل ہے بلکہ اس کے بعد اس کے ورثہ کو بھی بلا وجہ شرعی اس سے بے دخل نہ کیا جائے گا۔ جب کہ وہ واجبی لگان یا کرایہ ادا کر رہے ہوں۔ اور نجی زمین میں کرداری زمین میں بھی کاشتکار یا اجیر کو

استقرار کا کوئی حق نہیں۔

حاوی زاہدی کی ایک عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ایسی جائداد میں حق استقرار نجی اور پبلک دونوں قسم کی زمینوں کو عام ہے۔ آپ نے اس سے اختلاف فرمایا ہے۔ اور مختلف عقلی اور نقلی دلیلوں سے ثابت کیا ہے۔ کہ نجی جائداد میں حق استقرار ہرگز متحقق نہیں۔

اس سے جڑا ہوا ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب اجیر یا کاشتکار نے زمین میں درخت لگا دیا۔ یا مکان بنا دیا۔ اور اس کو بے دخل کرنا ہے تو کیا حکم ہے۔ آپ نے اس کی پوری تفصیل بیان فرمائی، کہ کب مالک اسے ملبے یا درخت کا معاوضہ دلایا جائے گا۔ اور کب مالک کو زمین کا معاوضہ دلایا جائے گا، کس کے ساتھ یہ عمل جبری ہوگا، اور کس کے ساتھ رضا رے وغیرہ وغیرہ۔ مغصوبہ جائداد میں تصرفات کے بعد واپسی میں بھی اسی تفصیل کے ساتھ عملدرآمد ہوگا، یہ دونوں مسئلے پوری تفصیل کے ساتھ کئی فتاویٰ میں بیان کئے گئے ہیں۔

ایک مسئلہ مشترکہ زمین میں کسی ایک شریک کے کاشت کرنے کا بھی ہے۔ آپ نے جواب میں تفصیل فرمائی ہے کہ کب جائز ہے اور کب تاوان دینا اور لگان ادا کرنا ہے۔ کاشت سے زمین کو فائدہ پہونچے تو کیا حکم ہے اور نقصان ہو تو کیا حکم ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ جس صورت میں نفع اور نقصان کسی کا پتہ نہ چلے، فقہا اس کا صریح حکم نہیں لکھتے۔ لیکن میرے نزدیک یہ حکم مضرت میں داخل ہے۔ اور اس بات کو متعدد نصوص فقہیہ سے مستند کیا ہے۔

ایک مسئلہ اجیر کے شے مستاجرہ کے دوسرے کو اجارہ پر دینے کا ہے۔ جواب یہ ہے کہ جس اجرت پر لیا اس سے زائد پر دینا ناجائز ہے۔ ہاں اپنے تصرف سے اگر اس میں کچھ مفید اضافہ کیا ہو تو ایسا کر سکتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی اصلاً کتاب الاجارہ سے متعلق ہے۔

ایک مسئلہ خاص کاشتکاری کا ہے۔ کہ مضارعت میں کھیت مالک نے اپنا متعینہ حصہ مقرر کیا مثلاً دس من سالانہ تو یہ معاملہ ناجائز ہوگا۔ دیگر چند متفرق مسئلے، وصولی لگان کے مقدمہ کے اخراجات، کارندہ کے مصارف، یا ان چیزوں کو کسی دوسرے نام سے وصول کرنے سے متعلق بھی اس کتاب میں درج ہیں، جس کا ذکر گذشتہ متفرق ابواب میں بھی آچکا ہے۔

کتاب الذبائح

یہاں یہ بحث بے فائدہ ہے کہ گوشت خوری جائز و مناسب ہے یا نہیں، کیونکہ اہل اسلام کے نزدیک یہ حقیقت مسلم ہے کہ گوشت انسان کی طبعی، پاک اور صحت بخش غذا ہے۔ بلکہ تمام آسمانی مذاہب اس امر پر متفق ہیں، کہ گوشت ایک عمدہ انسانی غذا ہے۔ اب یہ سوال البتہ ایک ضروری سوال ہے کہ بلا استثنا تمام جانوروں کا گوشت جائز ہوگا، یا کچھ کا جائز اور کچھ کا ناجائز۔ اس کے لئے چند اصول متعین کئے گئے۔

(۱) ایسے تمام جانور حرام اور منع ہیں۔ جن کے گوشت سے انسانی جسم کو ضرر پہونچے، یا ان کی غذا غلاظت اور گندگی ہو۔ اور شریف طبائع کو ان کے کھانے سے انقباض ہو، اس اصول کے تحت حشرات الارض، زہریلے جانور، غلاظت اور مردار خور

پرندہوں چاہے پرند، اور گھناؤنے جیسے مینڈک یا گھونس وغیرہ سب ممنوع وحرام ہیں۔

(۱) دوسرے وہ جانور جو جسم میں کسی حسی خرابی کا سبب تو نہیں بنتے، مگر وہ خبیث النفس اور موذی صفت ہیں۔ ان کے کھانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اور اس دائرے میں تمام درندے اور شکاری پرندے آتے ہیں۔ اسی جلد کے ص ۲۲ پر ہے "اس میں راز یہ ہے، کہ ان چیزوں کی خصلت شر غالب ہے۔ تو اندیشہ ہے کہ ان کا گوشت کھانے سے کچھ خصلت ان کی سی آدمی میں بھی پیدا ہوجائے، لہذا انسان کی عزت کیلئے ان کا کھانا حرام ہوا۔"

دوسرا سوال یہ ہوا۔ کہ جن جانوروں کا گوشت حلال ہوا۔ ان میں سے بعض حصہ جسم کا استثنار بھی ہے۔ یا بالکلیہ سب حلال ہیں تو حدیث شریف میں حلال جانوروں کے جسم کے سات اجزار کی ممانعت آئی ہے۔ ان احادیث میں غور کرنے سے صاف ظاہر ہے، کہ ان سات چیزوں کا بیان بطور حصر نہیں۔ اسی لئے علمار نے علت مشترکہ کی بنا پر ان پر کچھ اور کا اضافہ بھی کیا۔ جن کی تفصیل ہم آگے لکھ رہے ہیں۔

جب غلاظت خوری کی بنیاد پر کچھ جانوروں کا گوشت ممنوع ہوا۔ تو حلال جانوروں کے گوشت میں اگر کچھ گندگی کی آمیزش ہو تو کھانے سے قبل اسے پاک کر لینا ضروری ہوا۔ اس کیلئے شریعت نے ذبح کا طریقہ مقرر فرمایا۔ تاکہ دم مسفوح جو گندہ اور ناپاک ہے۔ بالکلیہ سارے جسم سے علٰحدہ ہوجائے۔

ذبح کی دو قسمیں ہیں۔ ذبح اختیاری یہ نحر اور ذبح ہے۔ اونٹ کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا کر دیا جاتا ہے اور ایک نیزہ سینہ کے پاس سے گلے میں بھونک کر پوری گردن کو لمبے لمبے چیر دیا جاتا ہے۔ جس سے سارا خون تیزی کے ساتھ جسم سے نکل جاتا ہے۔ اسکو نحر کہتے ہیں۔ جو صرف اونٹ میں ہوتا ہے۔ اور تیز چھری سے گردن کی چار بنیادی رگوں میں سے کم سے کم تین کو کاٹ دیا جائے۔ کہ جلدی سے اخراج خون ہوجائے۔ اسکو ذبح کہتے ہیں۔

اور ذبح اضطراری یہ ہے۔ کہ جانور بدک گیا ہو۔ اور قابو میں نہ آرہا ہو۔ تو بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر کوئی بھی آلہ دھاردار اس کے جسم کے کسی حصہ میں اتار دیا جائے۔ اور زخم کاری ہو کر اس سے سارا خون نکل جائے۔

ذبح کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان یا اہل کتاب ہو۔ غیر مسلم اور مرتد وغیرہ کا ذبیحہ جائز نہیں۔ حد یہ کہ ذبح مسلمان نے کیا۔ اور اسلامی طریقہ سے ذبح کیا۔ لیکن ذبح کے بعد جانور غیر مسلموں کے قبضہ میں چلا گیا۔ اسے صاف کر کے اور بنا کے وہ لوگ لائیں۔ اور یہ کہیں کہ یہ اسی جانور کا گوشت ہے۔ تو مسلمانوں کو اس کا کھانا حلال نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت ذابح اللہ تعالیٰ کا نام لے۔ اگر قصداً بے نام لئے یا غیر خدا کے نام پر ذبح ہوا۔ تو ذبیحہ جائز نہ ہوگا۔

اس کے بعد ذبح کیلئے کچھ آداب ہیں جن کو وقت ذبح ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

آجکل دو ضمنی بحثیں بھی کافی اہمیت اختیار کرگئی ہیں۔ آجکل کے نصاریٰ اہل کتاب میں داخل ہیں یا نہیں، اور بہر تقدیر

ان کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے۔ اسی طرح وہ کلمہ گو بھی جو بہت سارے اسلامی اعمال و عقائد کے پیرو ہیں اور اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن کسی غیر اسلامی فعل یا قول کی بنیاد پر ان پر کفر کا فتویٰ ہوا۔ ان کے ذبیحہ کا کیا حکم ہوگا۔ اس مسئلہ کو حقیقۃً الجھن کا باعث نہ ہونا چاہئے تھا لیکن عملاً یہ بھی آجکل بے حد الجھا ہوا اور سخت باعثِ تشویش ہے۔

دوسرا مسئلہ ایسے جانور دں کا ہے۔ جنھیں بزرگوں یا بتوں کے نام پہ چھوڑا گیا ہو۔ (اگرچہ اہل کفر کے بتوں کے نام پر چھوڑنے، اور اہل اسلام کے بزرگوں کے نام پر مشہور کرنے میں زمین وآسمان کا فرق ہے) ایسے جانوروں کو کوئی اہل اسلام اگر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کردے تو اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟

کتاب الذبائح کے مسائل کا یہ ایک اجمالی خاکہ ہے۔ آجکل فتاویٰ کی کتابیں جس طرح تالیف ہوتی ہیں۔ ان میں ان تمام مسائل پر تفصیلی بحث ہونا مشکل ہے۔ کیونکہ سائل عموماً وہی باتیں پوچھتا ہے جس میں اسے الجھن ہو یا خاص اس مسئلہ میں اسے شرع کا حکم نہ معلوم ہو۔ اور مجیب اپنے جواب میں مسئولہ مسائل کا ہی پابند ہوتا ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں بھی سارے مسائل سے بحث نہیں۔ ہاں جتنا کچھ اس میں مذکور ہے اسکا خلاصہ ہم پیش کرتے ہیں

(۱) حلال و حرام جانوروں کے سلسلہ میں کتا اور آدمی کے دودھ پر پرورش پائے ہوئے، بکری کے بچے۔ گھوڑا۔ گدھا اور خچر، کھُر والا خرگوش، اور خنثیٰ جانور۔ پرندوں میں اُلّو چمگادڑ اور کوے، دریائی جانوروں میں ایک عجیب الخصلت دریائی جانور، سوکھی مچھلی، بہت چھوٹی مچھلیوں اور جھینگے سے متعلق فتاویٰ میں سوالات ہیں۔ اول الذکر کا جواب یہ ہے کہ اسی حالت میں اسکو ذبح کیا تو گوشت مکروہ ہے۔ اور چند دنوں دودھ چھڑا کر یا بالکلیہ دودھ چھوڑ چکا ہو تب ذبح کیا تو حلال ہے۔ آدمی کے دودھ پر پرورش پایا ہوا بکری کا بچہ بھی حلال ہے۔

گھوڑے کے گوشت کا مسئلہ صاحبین اور امام صاحب رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اختلافی ہے۔ بعد کے علماء میں بھی اختلاف عظیم ہے۔ اعلیٰحضرت کی تحقیق یہ ہے کہ اس کے مکروہ ہونے کو ہی ترجیح ہے جس کی تین بڑی وجہیں ہیں۔ (الف) یہ امام صاحب کا قول ہے۔ اور فتویٰ مطلقاً قول امام پر ہوتا ہے۔ (ب) یہی تمام متون کا متفقہ قول ہے جن کی وضع نقل مذہب کیلئے ہے (ج) خلاصہ، ہدایہ، محیط اور قاضی خان سے اس کی تصحیح منقول ہے (قاضی خان فقیہ النفس ہیں فتوی انکی تصحیح پر ہوگا۔

گدھا بالاتفاق حرام ہے۔ خچر جس کی ماں گھوڑی ہو وہ حلال ہے۔ کہ جانوروں میں ماں کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اور جس کی ماں گدھی ہو وہ حرام ہے۔ باپ اس کا اگرچہ گھوڑا ہو۔

خرگوش کے بارے میں آپ فرماتے ہیں۔ وہ پنجہ والا ہی ہوتا ہے۔ اور وہی حلال ہے۔ اور کھُر والا خرگوش دنیا کے پردے پر نہیں

حلال جانور جو خنثیٰ ہو ذبح سے حلال ہوگا۔ مگر اس کا گوشت پکائے سے پکتا نہیں۔

ایک تاریخی سوال تھا کہ گدھے کا گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا یا نہیں۔ اعلیٰحضرت نے اس سے لاعلمی ظاہر کی ہے۔

لیکن آپ کے صاحبزادے حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم شریف کے حوالے سے حاشیہ میں اسکا ثبوت پیش فرمایا ہے۔

اُلّو کے بارے میں سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ بوم کو عالمگیری میں حلال لکھا ہے؟ جواب میں آپ فرماتے ہیں:

(الف) عالمگیری میں یہ روایت قیل سے بیان کی گئی ہے۔ جو اس کے ضعف پر دال ہے۔

(ب) تمام کتب فقہ میں پنجہ دار شکاری پرندہ کو حرام لکھا ہے۔ اور یہ امام مالک کے علاوہ تینوں اماموں کا متفقہ فیصلہ ہے اور اُلّو کے شکاری جانور ہونے میں شبہ نہیں۔ اس امر کی عینی شہادت ہے نیز مختلف کتابوں سے اس کے شکاری ہونیکا ثبوت ہے۔ لہذا یہ ضعیف روایت اس اصل کلی کے خلاف قابل تسلیم نہ ہوگی۔

(ج) پھر زبان عرب میں بوم کا اطلاق رات میں اڑنے والے پرندے پر ہوتا ہے۔ اسلئے یہ لفظ اُلّو کیلئے مخصوص نہیں چمگادڑ کی حلت و حرمت میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور کوّا تین قسم کا ہوتا ہے۔ دانہ خور اس کو غراب الزرع کہتے ہیں۔ یہ جائز ہے۔ غلاظت خور اس کو ابقع کہتے ہیں۔ یہی زاغ معروف ہے۔ یہ حرام ہے اور غلاظت و دوسری چیزوں سے ملا کے کھانے والا اسکو عقعق کہتے ہیں۔ یہ مکروہ ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے زاغ معروفہ کو حلال قرار دیا ہے۔ اس پر طرفین سے بڑی رسالہ بازی ہوئی تھی۔ اعلیحضرت کا بھی ایک رسالہ دفع زیغ زاغ ہے۔ ہم نے اسے اسلئے شریک اشاعت نہ کیا کہ وہ کسی استفتاء کے جواب میں نہیں بلکہ مناظرانہ سوالات پر مشتمل تحریر ہے۔

ایک صاحب نے کبوتر کے گوشت کے بارے میں سوال کیا جواب یہ ہے کہ حلال ہے۔ پیلو مرغ اور اس کے انڈے کی حلت کا بھی آپ نے حکم دیا ہے۔

عجیب الخلقت دریائی جانور کے بارے میں آپ نے تحریر فرمایا کہ یا تو ناپید ہے، یا ایسا نادر ہے جو عوام کی دسترس سے باہر کبھی کبھار کسی مسافر کو نظر آجاتا ہے۔ بعض علماء نے اسے جری اور مارماہی یعنی بام کہا ہے آپ نے اس کی تردید کی اور جری جریث انکلیس، صلور، مارماہی وغیرہ کی تحقیق میں حدیث، فقہ، لغت اور علم حیوان کی پندرہ کتابوں سے ایسی تحقیق فرمائی ہے۔ کہ آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ جاتی ہیں۔ کہ یہ کوئی علم فقہ کا ماہر ہے یا علم حیوانات بحری کا کوئی بحر زخار لہریں لے رہا ہے۔

سوکھی مچھلی کو جائز فرماتے ہیں۔ مگر پکانے کے بعد بھی جس میں بو ہو اس کو مکروہ اور نظافت طبع کے خلاف قرار دیتے ہیں۔

جھینگے کے سلسلہ میں آپ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء کے دونوں طرح کے اقوال ہیں۔ آپ نے محاکمہ فرمایا کہ ہمارے مذہب میں مچھلی کے علاوہ دریائی جانور حرام ہیں۔ تو جو اسے مچھلی کہتا ہے وہ حلال سمجھتا ہے۔ اور جو کوئی دوسرا جانور سمجھتا ہے حرام کہتا ہے اس کی صورت مچھلی سے زیادہ جانوروں کے مشابہ ہے۔ اور مچھلی کے لفظ کا اطلاق مچھلی کے علاوہ پر بھی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا کھانا مکروہ ہونا چاہیئے۔ ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ جواہر اخلاطی میں چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو جن کی آلائش دور نہ کی جائے مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ تو جھینگے کو اسی کے حکم میں ہونا چاہیئے۔

کیچوے وغیرہ حشرات الارض کو جلانے کے بعد بھی کھانا حرام ہوگا۔ انڈے کے چھلکے کا کھانا جائز ہے۔ مکڑی کے جالے

کا کھانا ممنوع ہونا چاہئے۔

حلال ذبیحہ کے اجزا ر سبعہ ممنوعہ کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ قاضی بدیع الدین خوارزمی اور احمد مصری و شمس الدین قہستانی نے مزید پانچ چیزوں کا اضافہ کیا۔ مصنف نے اپنے تفحص اور تلاش سے مزید دس چیزوں کا اور اضافہ فرمایا۔ اس طرح کل ۲۲ اشیاء کا مدلل اور مفصل بیان آپ نے اپنے رسالہ المنح الملیحہ میں کیا ہے۔ آپ کے کمالات علیہ میں سے یہ علمی ہے کہ بہت سارے غیر منقح مسائل کی تنقیح فرماکر متعلقہ جزئیات کا استقصاء فرما یا ہے۔ افسوس کہ یہ رسالہ بھی فی الوقت ناپید ہے۔ اور اس جلد میں شامل نہ ہوسکا۔

زندہ جانور سے کوئی حصہ علٰحدہ کر لیا جائے۔ تو ٹیڑی اور مچھلی کے علاوہ جائز نہیں کہ صرف ان دو میں ذبح کی ضرورت نہیں۔ حلال جانور کی کھال حلال ہے۔ لیکن ہر کھال کھانے کی چیز نہیں۔

احکام ذبح اختیاری میں مقام ذبح کی تعیین، مقدار ذبح، آلات ذبح، احکام ذابح، اور احکام ذبیحہ سے اس کتاب میں بحث کی گئی ہے۔

ایک سوال ہے درندہ نے رگ گلو چھید دی اور جانور ابھی زندہ ہے اس کو ذبح کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ آپ کی تحقیق یہ ہے کہ مقام ذبح باقی ہے۔ اور اسکو ذبح کیا جا سکتا ہے۔ اس موقعہ پر و جیز کردری کی ایک ایسی عبارت میں تین متضاد فرعوں کی ایسی توجیہ اور تشریح فرمائی ہے۔ اور مسئلہ کے مناط کی ایسی تحقیق فرمائی جو فی زمانا صرف آپ کا حصہ ہے۔

دوسوال ذبح فوق العقدہ کے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں ذبح میں فوق العقدہ اور تحت العقدہ کی کوئی تخصیص نہیں اگر ضروری رگیں دونوں صورتوں میں کٹ گئیں تو ہر طرح ذبح جائز ہے۔ اور یہ امر صرف مشاہدہ سے متحقق ہوسکتا ہے۔

آداب ذبح کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔ جانور کو کچھ کھلا پلاکر دائیں کروٹ پر قبلہ رو لٹائیں۔ ذابح دایاں پاؤں گردن کے کنارے رکھ کر تیز چھری سے ذبح کرے۔ ان میں بعض آداب کی مخالفت مکروہ ہے۔ بلکہ بعض ائمہ کے نزدیک ذبیحہ ہی جائز نہیں ہوتا۔

ہر اس دھار دار آلہ سے ذبح جائز ہے کہ خون بہادے۔ درانتی آلہ ذبح سے ہے۔ اور بے دستہ کی دھار دار چھری بھی آلہ ذبح سے ہے۔ بندوق کی گولی آلات ذبح سے نہیں۔ اس سے مارا ہوا جانور موقوذہ ہے۔

ذابح کا مسلمان یا اہل کتاب ہونا ضروری ہے۔ آپ نے آجکل کے تمام بدمذہبوں کے ذبیحہ کا حکم بتایا ہے۔ نصاریٰ کے ذبیحہ میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر نا جائز بتاتے ہیں بعض علماء نے جائز لکھا ہے۔ آپ فرماتے ان کے ذبیحہ سے پرہیز ہی چاہئے۔ اور اپنا مشاہدہ بتاتے ہیں کہ یہ شرعی طور پر ذبح بھی نہیں کرتے۔

عورت اور سمجھ دار بچہ کا ذبیحہ جائز ہے۔ فاسق معلن اور جسے غسل کی حاجت ہو ان کا ذبیحہ بھی جائز ہے۔ ایک سوال معین ذابح کا بھی ہے۔ کہ ذبح کے وقت ذبیحہ کا ہاتھ پاؤں پکڑنے والا معین ذابح ہے یا ذبح کرنے والے کے ساتھ چھری پر

ہاتھ رکھ کر ذبح میں مدد کرنیوالا۔ آپ نے ثانی الذکر کو معین قرار دیا ہے۔ اور خانیہ سے اس کی تائید فراہم کی ہے۔ اور اس پر تسمیہ ضروری قرار دیا ہے۔ اور علمائے دیوبند کی تغلیط فرمائی ہے۔ جنھوں نے اول الذکر کو معین قرار دیا ہے۔

ذبیحہ سے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ جس میں جان ہونا بالیقین معلوم ہو۔ اس کا ذبیحہ ہو گیا اگرچہ بوقت ذبح نہ خون دے نہ تڑپے۔ اور جس کے مرنے کا یقین ہو۔ وہ ذبح سے حلال نہ ہوگا۔ اگرچہ ذبح کے بعد خون نکلے۔ اور جس کے جان ہونے نہ ہونے کے بارے میں شبہ ہو۔ اس کا فیصلہ زندگی کی علامات سے ہوگا۔ جس میں خون دینا، تڑپنا، اور بالوں کا کھڑا ہو جانا وغیرہ ہے۔

ذبح کی بنیادی شرائط میں سے تسمیہ بھی ہے۔ اور یہ مسئلہ تمام اہل اسلام میں اتفاقی ہے۔ کہ ذبح کے وقت جس جانور پر اللہ کا نام لیا جائے۔ وہ حلال ہے۔ اور جس پر غیر خدا کا نام لیا جائے۔ یا اس کو خدا کے نام کے ساتھ شریک کیا جائے تو ذبیحہ مردار اور حرام ہے۔ لیکن غیر خدا کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور جیسے سانڈ وغیرہ اگر انھیں کوئی بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرے تو حلال ہوا یا نہیں۔ اسی طرح بزرگوں کے نام پر جو جانور منسوب کر دیئے جاتے ہیں۔ مگر ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر انھیں ذبح کرتے ہیں ان کا کیا حکم ہے۔ یا شیخ سدو وغیرہ خبیث روحوں کے لئے شہرت دئے ہوئے جانور کو تسمیہ کے ساتھ ذبح کریں تو کیا حکم ہے؟

ان تمام سوالوں کے جواب میں آپ ایک اصل کلی بتاتے ہیں:

کہ مسلمان ذابح کی نیت اور وقت ذبح اس کے تسمیہ کا اعتبار ہے۔ اس کے سوا کسی بات کا لحاظ نہیں۔ اگر مالک نے خالص اللہ عز وجل کیلئے نیت کی اور ذابح نے بسم اللہ کی جگہ باسم فلاں کہا۔ یا ارادۃً دم سے غیر خدا کی عبادت کا قصد کیا ذبیحہ مردار ہو گیا۔ اور مالک نے کسی غیر خدا مثلاً بت یا شیطان ہی کیلئے نیت کیوں نہ کی ہو۔ اسی کے نام پر شہرت دی اور اسی کیلئے ذبح کرنے کو دیا۔ مگر مسلمان ذابح نے خالص اللہ عز وجل کیلئے اس کا نام پاک لیکر ذبح کر دیا۔ جانور بنص قطعی حلال ہو گیا۔ (ص ۲۴)

اسی سے ایسے تمام جانوروں کا حکم ظاہر ہو گیا۔ جو بتوں یا خبیث روحوں کے نام پر چھوڑے گئے۔ یا بزرگوں کے نام پر انھیں شہرت دی گئی، قرآن عظیم نے بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کے بارے میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جن جانوروں کو حلال کیا انکو تم حرام کرنے والے کون؟ مگر ایسے جانوروں کو مسلمانوں کو اپنے تصرف میں لانے میں دو قباحتیں ہیں۔ اول فتنہ و فساد اور اس سے بچنا ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں کبھی کبھی بظاہر اس کافر کی مراد پوری کرنی ہے۔ اس لئے مسلمان کا ایسے جانوروں کو بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کرنا اور کھانا مکروہ ہے۔ مگر مسلمان بزرگوں کے نام پر جو جانور مشہور کرتے ہیں۔ اس میں نہ تو وہ ناپاک قصد (عبادتِ غیر خدا) نہ ذبح باسم غیر اللہ بلکہ ان کا مقصود بزرگوں کیلئے ایصال ثواب اور اللہ کے لئے ذبح ہوتا ہے اس لئے اس کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کو اس مسئلہ میں تمام علماء اسلام کے فتووں سے اختلاف ہے۔ لیکن وہ بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ اگر بزرگوں کی نسبت منقطع کر کے اللہ تعالیٰ کیلئے مشہور کر دیا جائے۔ اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا جائے تو وہی جانور اب حلال ہو جائیگا۔

اس خاص مسئلہ میں آپ کا ایک رسالہ "سبل الاصفیاء لذبائح الاولیاء" بھی ہے۔ جو شریک اشاعت ہے جس میں آپ نے مختلف نیتوں کی تفصیل ان کے احکام۔ اور علمائے اسلام کی یہ تصریحات نقل کی ہیں۔ کہ بدگمانی مطلقاً حرام ہے۔ بالخصوص بدگمانی کہ ان جانوروں سے وہ بزرگوں کی عبادت کی نیت کرتے ہیں۔ اس کے باوجود حکم یہی ہے۔ کہ اگر کوئی مسلمان ان جانوروں سے غیر خدا کی عبادت کا قصد کرے، تو وہ ضرور مرتد ہوگا۔ اور اس کا یہ ذبیحہ مردار ہوگا۔ لیکن دوسرے مسلمان جو ایسا عقیدہ نہیں رکھتے ان کے بارے میں یہ بدگمانی بڑی زیادتی ہے اور بدگمانی کرنے والوں کی دلیل کا آپ نے تفصیلی جواب دیا ہے۔ اور اس مسئلہ میں حضرت شاہ صاحب دہلوی کا تخطئہ فرمایا ہے ایک فتویٰ میں حدیث ذبح بقر اور قطع شجر کی بھی تحقیق فرمائی ہے۔

کتاب الصید

اس عنوان میں چند فتاویٰ اس موضوع پر ہیں کہ شکار اگر تفریح کیلئے ہو تو نا جائز ہے۔ اور دوا یا غذا کی غرض سے ہو تو جائز ہے۔ ساتھ ہی ان علامتوں کا بھی بیان ہے جن سے پتہ چلے کہ یہ شکار بغرض تفریح ہے یا بضرورت۔

مچھلی کے کانٹے میں زندہ جانور پرونے کی ممانعت کا بھی ایک فتویٰ ہے۔ اسے مار کر پرونا چاہیے۔

اور متعدد سوال و جواب اس موضوع پر ہیں، کہ بندوق کی گولی کا مارا ہوا شکار، ذبیحہ نہیں قرار دیا جاسکتا اور اس کا حکم تیر کا نہیں، شامی سے اس مسئلہ کا تجزیہ بھی آپ نے پیش فرمایا ہے۔

سدھائے ہوئے کتوں کو بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑا جائے تو شرعاً اس کا مارا ہوا جانور حلال ہے اور یہ ذبح اضطراری کی صورت ہے۔ آپ نے اس کی چودہ شرطوں کا بیان فرمایا ہے۔ اور اس شبہ کا جواب بھی دیا ہے کہ کتا ناپاک جانور ہے۔ اس کے دانت لگنے سے گوشت ناپاک ہو جاتا ہے۔

کتاب الاضحیہ

کسی جانور کا خون بہا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو، یہ بات انسانوں کے فہم و ادراک سے وراء ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب بندوں کی ادا بھی محبوب اور پیاری ہوتی ہے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے بچے کو خدا کی راہ میں قربان کرنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے دُنبہ کی قربانی قبول فرمائی۔ اور حضرت خلیل علیہ السلام کو بشارت دی قد صدقت الرؤیا انا کذٰلک نجزی المحسنین۔ میرے خلیل تم امتحان کی راہ میں ثابت قدم نکلے۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ اور اپنے تمام صاحب مال بندوں پر انھیں کی اتباع میں ہر سال اپنی راہ میں جانور کی قربانی فرض فرمادی حدیث شریف میں ہے۔ ما ھٰذہ الاضاحی یارسول اللہ قال سنۃ ابیکم ابراھیم۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم یہ قربانیاں کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ ایک لکھنوی شاعر نے لکھا

یہ عجیب رسم دیکھی کہ بروز عید قرباں ۔۔۔ وہی قتل بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا۔

قربانی کے لئے سب سے مقدم سوال وقت کا ہے کہ مہینہ ذوالحجہ کا اور تاریخیں ۱۰ / ۱۱ / ۱۲ رہوں تیرہویں تاریخ کو ایام قربانی میں شمار کرنا غلط ہے۔ اور اپنی طرف سے ان ایام میں کمی یا ردوبدل شریعت پر زیادتی ہے۔

مہینہ سے جڑا ہوا مسئلہ رویت ہلال کا ہے۔ اس سے متعلق زیادہ مسائل کتاب الصوم میں ذکر ہوئے کیونکہ اس کا بھی براہ راست ہلال سے خصوصی تعلق ہے۔ یہاں قربانی کے وہ چند مسائل جن پر رویت کی تقدیم و تاخیر سے اثر پڑے ان کا ذکر کیا گیا ہے، مثلاً کہیں رویت انتیس کو ہوئی۔ اور کہیں تیس کے حساب سے دن پورے گئے تو تیس کے حساب سے بارہویں کی قربانی کا کیا حکم ہے۔ قربانی میں مطلع قمر کا اعتبار ہے مطلع شمس کا نہیں۔ کتاب الاضحیہ میں مصنف نے ان سبھی مسائل سے تعرض کیا ہے۔

دوسرا سوال جگہ کا ہے۔ آپ فرماتے ہیں قربانی شہری کی ہو خواہ دیہاتی کی شہر میں کیجائے تو بعد نماز عید اور دیہات میں کیجائے تو صبح سے ہی قربانی جائز ہے۔ اس میں قربانی کرنے والے کا لحاظ نہیں قربانی کہاں ہوتی ہے اس کا لحاظ ہے۔

تیسرا مسئلہ ہے قربانی کس پر واجب ہے؟ قربانی مالک نصاب پر واجب۔ اور مالک نصاب وہ ہے جس کے پاس عیدالاضحیٰ کے دن حاجتِ اصلیہ کے علاوہ چھپن روپے بھر چاندی یا اس کی قیمت کا مال ہے۔ حاجتِ اصلیہ کی تفصیل میں ایک اختلافی مسئلہ کا بھی آپ نے فیصلہ کیا ہے۔ جس کے پاس ضرورت سے زائد مکان یا زراعت کی زمین اتنی ہو کہ اس کی قیمت مقدار نصاب کو پہونچ جائے۔ ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں، بلکہ اس کو کوئی زکوٰۃ دے تو لے سکتا ہے۔ لیکن قربانی اس پر واجب ہے اور نقد پاس نہ ہو تو قرض لیکر یا جائداد بیچکر قربانی کرے۔ یہ صورت بظاہر حیرتناک تھی کہ ایک طرف زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے۔ دوسری طرف اس پر قربانی واجب۔ آپ فرماتے ہیں۔ ان دونوں حکموں میں کوئی تعارض نہیں۔ کہ دونوں دو صورت حال سے متعلق ہیں۔

نابالغ پر قربانی نہیں گو مالک نصاب ہو۔ اسی طرح جس کا قرض مردہ دوسروں پر ہو اس پر قربانی نہیں گھر میں چند آدمی ہوں تو قربانی اسی پر ہے جو مالک نصاب ہو۔ اور سب شریک ہوں تو سب کے حصہ میں اگر مقدار نصاب مال آتا ہو تو سب پر قربانی ہے۔ ورنہ کسی پر نہیں۔ آپ نے مسئلہ شرکت کی پانچوں قسموں کا مفصل بیان فرمایا ہے۔ ایک بکری چند آدمیوں کی طرف سے نہیں ہو سکتی واجب اور نفل دونوں قسم کی قربانیوں کا یہی حکم ہے ان سب مسائل پر آپ نے ص ۳۸۵ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

چوتھا مسئلہ قربانی کے جانور کا ہے۔

(۱) قربانی کے صرف چار جانور ہیں جنھیں بہیمۃ الانعام کہا جاتا ہے۔ اور سب اہلی ہیں، اونٹ، بیل، بکری، اور بھیڑ۔ جنگلی جانور گو حلال ہو اور گھر میں پالا گیا ہو اس کی قربانی نہیں ہو سکتی۔

(۲) فقیر کا قربانی کی نیت سے خریدا ہوا جانور، اور قربانی کی منت کا جانور متعین ہو جاتا ہے۔ اور مالدار پر جو قربانی واجب ہے، اس کی نیت سے جانور خریدنے سے بھی متعین نہیں ہوتا، ہاں بہتر یہی ہے کہ نیت کے بعد اسی کی قربانی کیجائے۔

(۳) قربانی کے جانور کی عمر بھی متعین ہوتی ہے۔ البتہ بھیڑ کا چھ ماہا یہ بچہ جو دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو اس کی قربانی

جائز ہے۔ اس مسئلہ میں حضرت مولانا عبدالحی صاحب کا تخیلہ جو چھ ماہ دنبہ کی قربانی تو جائز فرماتے ہیں لیکن چھ ماہ بھیڑ کی نہیں

(۴) قربانی کے جانور میں بعض عیوب قربانی کی صحت کے مانع ہوتے ہیں۔ مثلاً سینگ گودے کی جڑ تک ٹوٹ گئی ہو تو قربانی نہیں۔ اسی طرح جسم کا کوئی عضو ایک تہائی ضائع ہو جائے تو قربانی نہ ہوگی۔ مگر قدرۃً سینگ نہ جمے تو قربانی میں کوئی حرج نہیں جس کے قدرۃً کان اور دم نہ ہوں تو امام صاحب کے نزدیک قربانی جائز اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے وہاں ناجائز ہے۔ جانور کی عمر قربانی کے لائق ہوگئی تو دانتا اور دانتا نہ ہونے کا کوئی اعتبار نہیں قربانی صحیح ہے۔ ایسا لاغر جانور جو قربان گاہ تک چل نہ سکے اس کی قربانی بھی منع ہے۔ گابھن جانور کی قربانی ہو تو جائے گی لیکن مکروہ ہے۔ خصی ہونا جانور میں عیب نہیں اس لئے اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

قربانی کے جانور کی بحث میں ایک عربی رسالہ "ھادی الاضحیۃ" بھی شامل اشاعت ہے۔ افادۂ عام کیلئے اسکا اردو خلاصہ بھی فقیر کے قلم سے ہے اسی کے ساتھ ہے۔ جو نہ بالکل ترجمہ ہے۔ نہ خلاصہ نہ شرح حسب ضرورت کہیں اختصار کہیں تفصیل اور کہیں مساوات سے کام لیا ہے۔ منشا صرف یہ ہے کہ مصنف کے کلام کی پوری ترجمانی عام فہم انداز میں کر دی جائے۔ اس کی کتابت میں بھی کوشش کی گئی ہے۔ کہ پیرا بندی، ڈیش اور کوما اور جملوں کے اختتام کا لحاظ رکھا جائے۔ حوالہ کی عبارتیں مصنف کے کلام سے ممتاز تحریر کرائی جائیں۔

میرا خیال ہے کہ اعلیحضرت کی تصنیفات کی کتابت ہی جدید اصولوں پر کرائی جائے تو آپ کی ہر تصنیف کے تفہیم میں آدھی آسانی ہو جائے۔ اگر میں اس مقصد میں کامیاب ہوا ہوں تو برادران اہلسنت دعائے خیر میں یاد رکھیں اور اگر کہیں غلطی ہو گئی ہو تو مطلع فرما کر احسانمند بنائیں۔

قصہ یہ ہوا کہ حضرت مولانا مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی مرحوم نے بھیڑ کے چھ ماہ بچے کی قربانی منع فرمائی اور دنبہ کی جائز شرقپور پنجاب کے ایک مولوی صاحب نے انہیں کی اتباع میں یا از خود بھیڑ کو ہی قربانی کے جانور سے خارج قرار دیا۔ اور اپنے مدعا کے ثبوت میں ایک الزامی اور ایک حقیقی دلیل تحریر کی۔

الزامی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ حسب تشریح ائمہ اعلام قربانی کے جانور کی پانچ نوعیں ہیں، گائے، بھینس، بکری، دنبہ اور اونٹ اگر بھیڑ کو بھی قربانی کا جانور مان لیا جائے۔ تو قربانی کے جانور پانچ کے بجائے چھ ہو جائیں گے۔ اور یہ متفقہ تصریحات علماء بلکہ نص قرآنی کے خلاف ہے۔ اس لئے صحیح یہی ہے اس کو قربانی کے جانور میں شمار ہی نہ کیا جائے۔

اس پر یہ اعتراض ہو سکتا تھا کہ قرآن میں تو صرف چار جانوروں کا بیان ہے۔ اونٹ، گائے۔ بکری اور دنبہ پانچویں قسم بھینس جو آپ نے شمار کی اور علماء نے بھی بیان کیا۔ نص قرآنی میں تو ہے نہیں علماء نے عقل وقیاس سے اس کو گائے میں شمار کیا۔ تو اسی طرح بھیڑ کو بھی دنبہ میں ہی کیوں نہ شمار کیا جائے۔ اس طرح قرآن کی تصریح اور نصوص علماء کسی کی مخالفت لازم نہ آئے گی۔

اس کا جواب مولوی صاحب موصوف نے یہ دیا کہ گائے میں بھینس کو شمار کیا گیا۔ اور بھیڑ کو دنبہ میں شمار کیا جائے تو بطور لحوق ہی شمار کیا جاسکتا ہے۔ تو بھینس کہ فوائد و منافع میں گائے سے زائد ہے، یہ گائے سے اکمل ہوئی اور گائے کامل تو اس کا الحاق گائے کے ساتھ ممکن ہے۔ اور بھیڑ میں دنبہ کی طرح چکتی نہیں ہوتی تو بھیڑ خلقت میں دنبہ سے ناقص ہوئی۔ اور ناقص کو کامل کے ساتھ لاحق نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے بھینس تو گائے کے ساتھ لاحق ہوکر قربانی کے جانور میں شامل ہوگی بھیڑ نہیں۔

اس دلیل کی بنیاد یہ ہے کہ یہ بلا دلیل پہلے ہی طے کر دیا گیا ہے۔ کہ بھیڑ کسی طرح دنبہ میں شامل نہیں۔ بالکل ایک علاحدہ نوع ہے اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا۔ کہ بھیڑ کو قربانی کا جانور نہ مانا جائے۔

تحقیق دلیل کی تقریر یہ کی ہے علمائے لغت نے دنبہ کی تعریف میں فرمایا ماله الیۃ جسکے چکتی ہو۔ اور بھیڑ چکتی والا جانور ہی نہیں۔ اس لئے یہ دنبہ ہو ہی نہیں سکتا اور بکری میں تو بالاتفاق یہ داخل نہیں۔ کہ بکری بال والا جانور ہے اور یہ اون والا جانور ہے۔ اس لئے یہ قربانی کا جانور نہیں۔ اور اس کی قربانی جائز نہیں۔

اس دلیل پر اعتراض پڑتا ہے کہ جس کو ہم اور آپ دنبہ کہہ رہے ہیں۔ قرآن عظیم نے اس کو ضان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اہل لغت ضان، کا ترجمہ لفظ میش سے کرتے ہیں۔ جو بھیڑ اور دنبہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اسلئے یہ دنبہ سے الگ کوئی قسم نہیں ہوئی۔

اس کا جواب مولوی صاحب موصوف نے یہ دیا کہ اہل لغت نے لفظ ضان کی توضیح ایک ایسے لفظ سے کی جو عام ہے۔ جیسے دُوب کی تعریف یا ترجمہ کوئی لفظ گھاس سے کرے۔ تو گھاس ایک ایسا لفظ ہے جو دُوب اور دوسری گھاسوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ لیکن اس لفظ کے بول دینے سے دوب، اور غیر دوب سب ایک نہیں ہو جائیں گے۔ ایسا ہی یہاں میش کا لفظ ہے اور اگر تم کو اصرار ہو کہ فارسی میں لفظ میش کا اطلاق اس لئے کیا گیا کہ بھیڑ اور دنبہ دونوں ان کے نزدیک ایک ہی ہیں۔ تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ یہ اہل لغت، کا بیان ہوا اور ہم پر اہل لغت، سے حجت قائم نہیں کی جاسکتی۔ اہل لغت اور اہل فقہ کے مفاہیم میں اکثر اختلاف ہوتا ہے۔ تو اگر اہل فقہ یہی بات، کہتے تو ہم مان لیتے۔

مگر چونکہ خود شیخ محقق جو ہندوستان میں حنفیہ کے ایک اہم ستون ہیں۔ ضان کا ترجمہ میش کر چکے تھے۔ اس لئے مجیب کو اپنے اس جواب کی کمزوری خود محسوس ہوئی۔ اس لئے انھوں نے اصول فقہ اور منطق کی آمیزش سے شیخ کے اس ترجمہ کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس دلیل کی بنیاد بھی اسی امر پر ہے کہ وہ بھیڑ کو ایک الگ قسم مان کر چلے ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ واقع ہوتا ہے کہ جس طرح چند فقہاء نے ضان کی تفسیر ماله الیہ کیا ہے۔ اسی طرح بہت سے فقہائے ماله صوف بھی تعریف کی ہے۔ اور بھیڑ بلاشبہ اون والا جانور ہے اسلئے وہ بھی دنبہ میں شامل ہوا۔

اس کا جواب بھی انھوں نے یہی دیا کہ ماله صوف، والی تعریف بھی اعم ہے۔ بکری سے تمیز دینے کے لئے یہ تعریف کی گئی ہے۔ ورنہ حقیقی تعریف ماله الیہ ہی ہے۔

حضرت مولانا احمد حسین صاحب کانپوری علیہ الرحمہ جو اس وقت اعلام علمائے اہلسنت میں سے تھے۔ اس فتویٰ سے

بہت متأثر ہوئے مگر جمہور علماء و عوام اہل اسلام کے عمل کے خلاف ہونے کی وجہ سے پریشانی بھی تھی۔ انھوں نے اس مسئلہ میں اعلیحضرت سے استصواب کیا۔ کہ یہ فتویٰ خلاف حکم شرع ہو تو اس کو بھی دلائل سے روشن کریں۔ اور اگر آپ اس کی تائید میں ہوں تو مزید ایسے دلائل پیش کریں کہ جمہور کی بے قراری دور ہو اور مسئلہ میں اطمینان حاصل ہو۔

اس سے اعلیحضرت کے علمی مرتبہ کا پتہ چلتا ہے کہ اعاظم علماء ہند گو الجھے ہوئے مسائل شرعیہ کی تحقیق میں آپ پر کس درجہ اعتماد تھا اور یہ صرف ایک مولانا احمد حسن صاحب علیہ الرحمہ کا ہی معاملہ نہیں ہے۔ مرحوم حضرت مفتی مولانا اجمل شاہ صاحب سنبھلی نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علی گڈھی جو اپنے عہد میں استاذ الکل شمار کئے جاتے تھے۔ اور ہر طبقہ اور مسلک کے لوگ ان سے شرف تلمذ حاصل کرتے ان سے کسی نے کسی الجھے ہوئے شرعی مسئلہ میں رجوع کیا۔ تو فرمایا اب ہمارے قویٰ ضعیف ہو گئے ہیں۔ اس مسئلہ میں مولانا احمد رضا صاحب سے رجوع کیا جائے، کہ ہندوستان میں اس وقت وہ اس فن کے اکیلے ماہر ہیں۔

الغرض اعلیحضرت نے ۲۵ تنبیہوں اور ایک ذیل میں اس کا جواب لکھا۔ آپ کی تحقیقات سولہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں. جن میں ۷۰ کتابوں کے حوالے ہیں۔

سوال اخیر رمضان ۱۳۱۴ھ میں کانپور سے بھیجا گیا ہے۔ اور رسالہ کا سنہ تالیف بھی ۱۳۱۴ھ ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ ماہ ذی الحجہ سے قبل ہی مکمل ہو گیا ہو گا۔ اس طرح صرف دو ماہ کے اندر یہ علمی رسالہ مکمل ہو گیا۔ وہ بھی اس شان کا کہ مجھ سے کسی صاحب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مفتی شاہ محمد مظہر اللہ صاحب دہلوی والد گرامی جناب ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد صاحب نے مولانا احمد رضا خاں صاحب کی وسعت علمی کے سلسلہ میں فرمایا صاحب اس شخص کے علم کی وسعتیں غیر معمولی ہیں۔ بھیڑ کے قربانی کے مسئلہ پر ایک رسالہ لکھ دیا وہ بھی ایسا بلند پایہ اور تحقیقی کہ پڑھ کر ان کے وسعت معلومات پر حیرت ہوتی ہے جب میں نے یہ روایت سنی تو اس کے دیکھنے کا بے حد اشتیاق پیدا ہوا۔ اور اب اشاعت کے سلسلہ میں نگاہ سے گذرا تو نور و سرور قلب حاصل ہوا۔

اس کو دیکھا ہو گیا ٹھنڈا کلیجہ علم کا

اعلیحضرت نے اس مدعا پر سب سے پہلے قرآن و تفسیر سے دلیل قائم کی کہ بھیڑ قربانی کا جانور ہے۔ آپ فرماتے ہیں سورۂ مائدہ اور سورۂ حج کی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بہیمۃ الانعام قربانی کے لئے ہے۔ امام بغوی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ غیر انعام کی قربانی نہیں قربانی صرف انعام کی ہے۔ اور یہ امر بدیہی ہے کہ بھیڑ انعام میں سے ہے۔ مصباح المنیر جو فقہ کا لغت ہے۔ اس میں انعام میں اونٹ، گائے اور بکری کو شمار کیا۔ اور بھیڑ سب کے نزدیک بکری کی ایک قسم ہے۔ اس لئے اسے قربانی کا جانور ہونا نص قرآنی سے ثابت ہوا۔

بھیڑ کے انعام میں ہونے کی مزید دلیل آپ نے یہ دی کہ انعام کی دو قسمیں ہیں۔ کچھ لادنے والے اور کچھ دبنے ہوئے۔ شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں لادنے والے بیل اور اونٹ اور دبے ہوئے بکری اور بھیڑ۔ تو بھیڑ یقیناً انعام میں سے ہوئی۔ نیز غنم یقیناً قربانی کا جانور ہے۔ اور شاہ رفیع الدین صاحب نے غنم کا ترجمہ بھیڑ اور بکری دونوں کیا۔ تو دونوں کی ہی قربانی

جائز ہوگی۔

آپ فرماتے ہیں اس قسم کے مسائل میں علمائے لسان کی بات ہی معتبر ہوتی ہے۔ اور علمائے لسان کا حال یہ ہے کہ سب کا کہنا یہی ہے کہ فارسی لفظ گوسفند اور اسی کے ہم معنی عربی لفظ شاۃ وغنم کی دو قسمیں ہیں ایک کو اردو میں بکری فارسی میں بز، اور عربی میں معز کہتے ہیں۔ اور دوسری کو اردو میں بھیڑ، فارسی میں میش، اور عربی میں ضان کہتے ہیں۔ اسی بات کو قرآن موضح القرآن۔ ترجمہ رفیہ ترجمہ شاہ ولی اللہ، ذخیرۂ عقبیٰ، صحاح جوہری، نفائس، تحفۃ المومنین، منتخب، رشیدی، صراح سے مجموعی طور پر ثابت کیا ہے۔

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں اگر اس پر بھی کسی کو شبہ ہو تو ایک بھیڑ لیکر تمام ملکوں میں گھوم گھوم کر دریافت کرے کہ اس کو آپ کی زبان میں کیا کہتے ہیں۔ صاف فیصلہ ہو جائے گا کہ ضان، بھیڑ اور میش ایک ہی چیز ہے، بدیہیات میں اختلاف کرنے والوں کی تفہیم کا یہی طریقہ ہے اور بس۔

پھر آپ ان پنجابی مولوی صاحب کے شبہات کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ بھینس گائے کے ساتھ ملحق ہے۔ اور بھیڑ دنبہ کے ساتھ ملحق نہیں ہو سکتی۔

اولاً قربانی کا مسئلہ عقلی ہے ہی نہیں کہ الحاق کا سوال پیدا ہو، الحاق تو قیاسی مسائل میں ہوتا ہے۔ اور یہ مسئلہ تو سراسر تعبدی اور غیر قیاسی ہے

اور مسئلہ قربانی کے غیر قیاسی ہونے پر آپ نے ۲۱ کتب فقہ سے نصوص پیش فرمائے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ ان سب نصوص کے ہوتے ہوئے بھینس کو قربانی کے جانور کی ایک علٰحدہ قسم قرار دینا۔ اور قربانی کے جانوروں کی پانچ قسمیں بنانا کس قدر غلط اور کیسی زیادتی ہے۔

ثانیاً۔ سب اگر الحاق دمشابہت کا ہوتا۔ تو بھینس اور گائے میں وضع اور ہیئت، طبیعت اور مزاج، گوشت اور دودھ حمل اور مزا، آثار دانسال، رنگ اور دخن، بال اور کھال میں اسقدر اختلاف ہے کہ عقل دونوں کے دو متبائن نوع ہونیکا فیصلہ کرتی ہے۔ اور اگر صرف چند اعضاء میں مشابہت الحاق کی بنیاد ہو۔ تو گھوڑے کو بھی گائے کے ساتھ ملحق کر کے اس کی قربانی جائز کر دینا چاہیے۔ بخلاف اس کے بھیڑ اور دنبہ میں ہر چیز میں اتفاق ہوتے ہوئے۔ وضع قطع میں اس درجہ مشابہت ہے۔ کہ اگر ایک عمر اور ایک جسم و جثہ اور ایک رنگ کے بھیڑ اور دنبہ کو ایک ساتھ کھڑا کر دیا جائے۔ تو چہرہ کی طرف اسے شناخت مشکل ہو جائے دم اور چکتی میں اختلاف ضرور ہوگا۔ لیکن ایسے جزوی اور غیر عرضی اختلاف ایک ہی نوع کے دو افراد میں بے شمار پائے جاتے ہیں۔ پھر آپ نے ایسے اختلافات کی تیرہ مثالیں شمار کر کے فرمایا، ان کی بنیاد پر ان جانوروں کے افراد میں نوعی اختلاف کی بات کرنا بے عقلی ہوگی

پھر دس بارہ کتابوں میں خصوصیت سے ایسی کتابیں لکھی ہیں۔ جن سے مولوی صاحب موصوف نے اپنے فتویٰ میں عبارتیں نقل کی ہیں) سے ایسے حوالے پیش کئے ہیں کہ اردو کا بھیڑ اور فارسی کا میش اور عربی کا ضان تینوں ایک ہی چیز ہیں۔ اور مولوی صاحب موصوف کے اس قول کی حقیقت واضح کی ہے۔ کہ جن لوگوں نے ضان کا ترجمہ لفظ میش سے۔ یا اس کی تعریف میں مالہ صوف،

فرمایا۔ وہ تعریف اور ترجمہ لفظ عام سے کیا ہے۔ اور لفظ عام سے تعریف اور ترجمہ جائز ہے۔ جیساکہ علامہ لاہوری نے کافیہ کے حاشیہ میں تحریر کیا ہے۔ اس لئے ان الفاظ سے ضان اور میش کے اتحاد پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

آپ فرماتے ہیں کہ یہ بات تو ٹھیک ہے۔ کہ بعض مواقع پر لفظ عام سے بھی تعریف کر دیجاتی ہے۔ لیکن یہ بات کہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ اور لفظ ضان کی تعریف میں یہ لفظ بولنے والوں نے عام ہی مراد لیا ہے۔ آپکا دعویٰ بلا دلیل۔ جب تک اسکو قرائن اور شواہد سے ثابت نہ کیا جائے۔ اس دعویٰ کی کوئی حقیقت نہیں۔

جب کہ شواہد و قرائن اس امر پر دال ہیں کہ استعمال کرنے والوں نے یہ لفظ معنی عام کیلئے نہیں مساوی کیلئے استعمال کیا ہے۔

اولاً۔ شیخ محقق نے جو ایک بلند پایہ فقیہ بھی ہیں۔ ضان کے چھ ماہہ بچہ کی قربانی جائز ہونے کا حکم بیان کرتے ہوئے لفظ ضان کا ترجمہ میش سے کیا۔ اور یہ حکم مخصوص صرف ضان کا ہی ہے۔ تو اس کا ترجمہ ایک ایسے لفظ سے کیسے کریں گے کہ جسمیں وہ جانور بھی شامل ہو جس کا یہ حکم نہیں۔ لامحالہ ان کی مراد لفظ میش سے وہی جانور ہوگا جسکے چھ ماہہ بچہ کی قربانی ہوسکے۔

ثانیاً۔ قرآن عظیم اور کتب شرعیہ میں غنم کی دو قسمیں یعنی ضان اور معز بیان کی گئیں۔ اور کتب معتبرہ میں ضان کی تین تعریفیں مذکور ہوئیں۔ مالہ الیہ (چکی والا) مالہ صوف (اون والا) خلاف الماعز (ماعز کے علاوہ) یہ آخری تفسیر یقیناً ضان کے مساوی ہے کیونکہ اس تفسیر پر غنم کی تقسیم ثنائی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا کہ قسم اول ماعز کو اس تعریف بھی ماعز سے تعبیر کیا ہے۔ اور قسم ثانی ضان کو خلاف ماعز سے۔ اس کے مقابلے میں مالہ الیہ والی تعریف یقیناً ضان سے خاص ہے کیونکہ اس کی بنیاد پر غنم کی تقسیم ثنائی ٹوٹ جاتی ہے۔ اور اس کی تین قسمیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ مالہ الیہ۔ مالہ صوف، ماعز۔ اس صورت میں مالہ الیہ سے مراد ضان ہو۔ اور ماعز سے مراد ماعز ہی تو مالہ صوف نہ ماعز میں داخل ہوگی نہ ضان میں حالانکہ یہ غنم ہے تو ماننا پڑے گا کہ مالہ الیہ والی تعریف خاص ہے اب مالہ صوف والی تعریف کا مسئلہ صاف ہوگیا کہ یہ ضان کے مساوی ہے اور اس سے بھی غنم کی تقسیم ثنائی میں فرق نہیں پڑتا۔ اسلئے مالہ صوف کو اعم اور مالہ الیہ کو مساوی کہنا غلط ہوا۔

ثالثاً۔ تعریف بالاعم جائز ضرور ہے، پر جید اور عمدہ نہیں۔ عمدہ تعریف بالمساوی ہے۔ اور تعریفات میں جب تک اس کے خلاف پر کوئی قرینہ نہ ہو۔ علماء کے کلام کو مساوی پر ہی محمول کرنا ضروری ہے۔ پس آپ جب مالہ صوف والی تعریف کے عموم کے قائل ہیں۔ تو اس امر پر آپ کو الگ سے دلیل قائم کرنی ہوگی کہ تعریف کے عام ہونے کے یہ دلائل ہیں۔ خالی خولی عموم کے دعویٰ سے کام نہ چلے گا۔ اپنی تحقیق آپ نے یہ ظاہر فرمائی ہے کہ عام سے تعریف تبھی جائز ہے کہ مقصود کلام میں خلل واقع نہ ہو، اور عموم کے لئے قرینہ واضحہ موجود ہو۔

رابعاً۔ حد عام لفظ کے ساتھ ہو۔ یا خاص۔ یا مساوی کے ساتھ۔ یہ مسئلہ تقلیدی ہے ہی نہیں کہ فاضل لاہوری کا حوالہ دیا جائے۔ اور اگر تقلیدی ہی مان لیا جائے تو بجائے علامہ لاہوری کے امام رازی، صدر الشریعہ، قاضی عضد الدین، قاضی بیضاوی قطب الدین رازی کی اتباع کرنی چاہیئے۔ جو تصریح کرتے ہیں کہ تعریف کو مساوی ہونا ضروری ہے۔ نہ کہ علامہ لاہوری کی وہ بھی

ان کی اس کتاب کی تحریر کا اتباع جو فن نحو میں ہے جبکہ ان مسائل میں ایسی کتابوں کا اعتبار ہوتا ہے۔ جو اس فن کی ہو جن کا یہ مسئلہ ہے۔

اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ کسی موضوع پر جب قلم اٹھاتے ہیں تو بحث کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑتے ہیں۔ اب آپ اس پہلو کی طرف رخ فرماتے ہیں چکتی والی تعریف کی کیا حقیقت ہے فرماتے ہیں۔ اعم سے تعریف کے جواز کا قول علمائے متقدمین کا ہے۔ تو علمائے متقدمین جس طرح لفظ عام سے تعریف کے جواز کے قائل ہیں۔ اسی طرح خاص بلکہ مباین سے تعریف کے بھی قائل ہیں۔ کیونکہ تعریف سے انکی غرض جمیع ما عداسے امتیاز نہیں۔ بلکہ صرف بعض مغایرات سے تمیز مقصود ہوتی ہے، تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ چند بزرگوں نے جو ضان کی تعریف مالہ الیہ کی اس کو آپ خاص ہونے پر محمول نہ کریں۔ اور تمام مترجمین کے اجتماعی ترجمہ اور کثیر علمائے محققین کی تفسیر کو آپ عموم پر محمول کریں۔ ایسا کیوں ممکن نہیں کہ مالہ الیہ والی تعریف خاص ہو اور مالہ صوف اور غیرہ والی تعریف مساوی۔

آپ ایک درجہ اور ترقی کر کے فرماتے ہیں۔ کہ یہاں ان میں کسی تعریف کے عام ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ کیونکہ علماء نے اس امر کی بھی تصریح کی ہے کہ صوف صرف ضان کے ہی ہوتا ہے (قاضی بیضاوی) اب سوال یہ ہے کہ صوف ضان کے تمام افراد کو ہوگا یا بعض کو اگر تمام افراد کو ہو تو مالہ صوف والی تعریف ضان کے مساوی ہوگی اور بعض افراد کے ہو تو یہ تعریف ضان سے خاص ہوگی۔ ان تعریفوں کے ضان سے عام ہونے کی کوئی سبیل ہی نہیں۔

آپ ایک درجہ اور ترقی کرتے ہیں۔ کہ چکتی ہونا ضان کی کوئی بنیادی خصوصیت نہیں کہ اس کے ساتھ تعریف کو حقیقی تعریف کہا جائے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ و امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک بے چکتی کی غنم (ضان) کی قربانی جائز ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناجائز۔ تو دونوں قولوں سے مشترکہ طور پر یہ ثابت ہوا کہ غنم (ضان) ہونے کیلئے چکتی ضروری نہیں۔ امام صاحب کے نزدیک تو وہ نہ صرف یہ کہ وہ بکری ہے اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسی بکری ہے جس کی قربانی ناجائز ہے جیسے وہ بکری جس کے تھن نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں، لیکن وہ بکری ہی ہے، تو ثابت ہوا کہ چکتی غنم (ضان) کی حقیقت میں داخل نہیں۔

تائید مزید کے طور پر آپ فرماتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل فقہ نے حیوان کے ہاتھ، پیر، کان وغیرہ اعضاء کو اوصاف زائدہ کے مرتبہ میں قرار دیا ہے۔ جن کی کمی بیشی سے شے کی حقیقت پر اثر نہیں پڑتا۔ جیسے کسی انسان کے ایک پیر نہ ہو یا اس کی ایک آنکھ نہ ہو۔ تو وہ انسانیت سے خارج نہ ہوگا۔ اسی طرح چکتی نہ ہونے سے بھیڑ ضان ہونے سے نہ نکلے گی۔ پس معلوم ہوا کہ مالہ الیہ ضان کی حقیقت کا بیان نہیں۔ بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ ضان میں ہی چکتی ہوگی۔ یہ نہیں بتانا ہے کہ چکتی نہ ہو تو ضان ہی نہیں۔

اخیر میں آپ نے بطور تنزل فرمایا۔ بالفرض ہم مان لیں کہ ضان کیلئے الیہ ضروری ہے۔ تو ہم پوچھنا چاہیں گے کہ وہ الیہ کتنی لمبی کتنی چوڑی، اور کس ذبازت اور حجم کی ہونی چاہیئے۔ اگر اس کی ہیئت و مقدار کہیں تحریر ہو تو بتائے۔ لغت میں تو چکتی کی تعریف میں صرف یہ لکھا ہے۔ طرف الشاۃ بکری کی دم قاموس میں ہے۔ ما ہی ترکب من شحم و لحم دم جو گوشت اور چربی والی ہو۔ تو کیا یہ تعریف بھیڑ کی دم پر صادق نہیں آتی؟ اس تعریف پر بھیڑ کی دم بلا شبہ الیہ ہے، آپ نے غلط فہمی سے یہ سمجھا کہ جب تک

خوب زیادہ چربی اور گوشت نہ ہو الیہ ہی نہیں۔ یہ غلط ہے اور اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

بس جب بھیڑ کی دم پر بھی الیہ کی تعریف صادق آرہی ہے۔ تو وہ بھی مالہ الیہ میں داخل ہے۔ اور اس بنیاد پر اس کو قربانی کے جانور سے نکالنا غلط ہوگا۔ ہاں اب یہ الیہ ہوگا کہ تینوں تعریفیں مساوی ہوجائیں گی۔

مصنف کی تحریر کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا قلم من جانب اللہ موید ہے، ہر مسئلہ میں انھوں نے فطرۃ وہی رخ اختیار کیا ہے۔ جو حق اور حقیقت کے موافق ہے۔ بھیڑ کی قربانی کے مسئلہ کو آپ نے آج سے اٹھانوے سال قبل طے فرمایا۔ اب عالم یہ ہے کہ پوری دنیا میں ایک آواز بھی اس کے خلاف نہیں۔ سارا عالم اسلام بالاتفاق اسکا قائل اور اس پر عمل پیرا ہے۔

اسی جلد کی کتاب الاجارہ میں فیس منی آرڈر کے بارے میں آپ نے تحقیق فرمائی۔ اس مسئلہ پر بھی ایک سو ایک سال بیت گئے آج عالم یہ ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے متبعین میں بھی شاید ہی کوئی ایسا ہو۔ جو انکو اتباع میں فیس منی آرڈر کو سود اور اس طرح روپیہ پیسہ کے ارسال کو حرام سمجھتا ہو۔ آج سب کے سب یکطرفہ منی آرڈر کے ذریعہ روپیہ بھیجنے اور منگانے کا عمل جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اسی جلد اور اسی باب میں ایک رسالہ چرم قربانی کے مصارف کے سلسلہ میں آرہا ہے اس کا حال بھی یہی ہے کہ بلا اختلاف فرقہ و مکتبۂ فکر تمام کلمہ گو اعلیٰحضرت کے فتویٰ پر عمل کرتے ہیں۔ اور چرم قربانی کی قیمت ان مصارف میں صرف کرتے ہیں جن میں تملیک نہیں ہوتی۔ جب کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسی رقم کا تقرار و مساکین کو مالک بنانا ضروری ہے۔ اور اسکا حکم صدقات واجبہ کا ہے۔

یہاں ہمارا مقصود مصنف کے ایسے تمام مسائل کا احاطہ کرنا نہیں۔ بلکہ انکی تحقیقات انیقہ کے قبول عام بلکہ مقبول الٰہی ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، کہ وہ اپنے گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر غور و تامل کے بعد ایک بات لکھدیتے ہیں۔ پھر دیر سویر خواہی نخواہی دنیا اسکو ماننے پر مجبور ہوتی ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس جلد کے کتاب الاضحیہ میں ہی ایک معرکۃ الآرا بحث قربانی کے جانور سے متعلق ہے۔ جس کے متعلق مصنف کے عہد میں بڑا ہنگامہ تھا اور داخلی اور خارجی دونوں محاذ پر مسلسل حملے ہو رہے تھے۔ یہ اور متعلقہ مسئلوں پر ایک مستقل "رسالہ" اور لگ بھگ پندرہ فتاوے اس جلد میں شامل ہیں۔

اس قسم کا ایک مسئلہ مصارف قربانی سے متعلق بھی اس وقت اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ خاص اسی مسئلہ سے متعلق ۲۵ فتاوے اور ایک عربی رسالہ اس جلد میں شامل ہے۔ رسالہ کا نام ہے "الصافیہ الموحیہ لحکم جلود الاضحیہ" اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) قربانی کرنے والا اگر اپنے چرم قربانی کو باقی رکھ کر، یا باقی رہنے والی چیز سے بدلکر اسکو اپنے استعمال میں لائے تو جائز ہے۔

(۲) اور اگر اس کھال کو پیسے کے عوض بیع کرے، یا ایسی چیز سے بدلے جو استعمال میں خرچ ہو جانے والی ہے جیسے غلہ اور اس قیمت یا بدل سے خود انتفاع حاصل کرنا ہو۔ تو یہ بیع ناجائز اور رقم یا بدل کو صدقہ کرنا واجب ہے۔

(۳) فقیروں کو خیرات کرنے کی نیت سے چرم قربانی درہم کے بدلے فروخت کیا تو جائز۔ یہ تینوں مسائل منصوص طور پر مختلف کتب فقہ میں مرقوم ہیں۔

(۴) فقیروں کو دینے کے بجائے دوسرے امور خیر (مثلاً مسجد، قبرستان وغیرہ ایسے امور جن میں کسی کو روپیہ کا مالک بنانا نہیں ہوتا) کے لئے چرم قربانی بیچا تو کیا حکم ہے؟

مصنف کا کہنا یہ ہے کہ یہ تیسرے مسئلہ کے ضمن میں آتا ہے اس لئے جائز ہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی نے فتویٰ دیا یہ مسئلہ دوسرے مسئلہ کی صف کا ہے۔ ایسی بیع ناجائز اور ایسے مال کا فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔

مولوی رشید احمد صاحب نے دعویٰ کے ثبوت میں "عینی شرح ہدایہ" کی عبارت انه تصرف علی قصد التمول وهو قد خرج عن التمول فاذا تموله بالبيع وجب التصدق۔ قربانی کا جانور سرمایہ ہونے سے نکل گیا ہے، اور اب جب اسے بیچکر اس سے سرمایہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ اور کافی کی عبارت فاذا تمولها بالبيع انتقل القربة الى بدله فيجب التصدق۔ ان دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ کھال کو بیچکر جب سرمایہ فراہم کرنا چاہا۔ تو صدقہ واجب ہے۔

یہاں یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ جب چرم قربانی کے بیع کی چار صورتیں ہیں۔ جن میں بعض جائز، بعض ممنوع اور بعض مسکوت عنہ، تو عینی اور کافی کی ان عبارتوں میں کھال کی ان چاروں قسم کی بیعوں کو تو تمول قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ اس کی بعض قسموں کو ہی بیع تمول کہا جائیگا۔ تو یہاں گنگوہی صاحب، کو اپنا مدعا ثابت کرنے کیلئے یہ ضروری تھا۔ کہ اس بیع کو متعین کرتے اور کھال کی اس بیع کو اس پر منطبق کرتے۔ اور کہتے کہ دونوں ایک تو دونوں کا حکم بھی ایک۔ تب استدلال صحیح ہوتا۔ لیکن انھوں نے نہ یہ دیکھا نہ وہ۔ صرف لفظ بیع اور تمول پر نگاہ ڈالی اور کہہ دیا کھال کی بیع ممنوع اور یہ بھی کھال کی ہی بیع ہے تو یہ بھی ممنوع ہے۔ اور اس رقم کا بھی فقیر کو مالک کرنا ضروری ہے۔
گنگوہی صاحب کے متبعین نے اور دو عبارتوں کو دلیل میں پیش کیا۔ لو باع الجلد او اللحم بالدراهم او بما لا ينتفع به الا بعد استهلاكه تصدق بثمنه (هدایه) فان بيع الجلد او اللحم به (ای بمستهلك) او بدراهم تصدق بثمنه (تنویر) ان دونوں عبارتوں کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ اگر گوشت یا کھال بدلہ درہم یا خرچ ہونے والی چیز کے بدلہ بیچا تو دام صدقہ کریں۔ ان عبارتوں کے مستدلین کو بھی تحقیق کرنا ضروری تھا کہ ان عبارتوں میں بھی جس بیع کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس سے مراد بیع کی کونسی صورت ہے، کیونکہ چرم قربانی کی ہر قسم کی بیع تو ہرگز ممنوع نہیں۔ مگر ان صاحبوں نے بھی اس کی زحمت گوارہ نہیں کی مطلقاً لفظ بیع دیکھ لیا۔ اور حکم لگا دیا کہ اس مسئلہ میں بھی بیع ممنوع اور تصدق واجب ہے۔

ہمارے مصنف کا کہنا ہے کہ نہ مطلقاً کھال کی ہر قسم کی بیع ممنوع ہے۔ نہ ہر بیع تمول میں داخل ہے۔ اور ممنوع صرف وہی بیع ہے جو تمول کیلئے ہو۔ اسلئے ان کتابوں کی مذکورہ بالا عبارتوں کا مفہوم متعین کرنے کیلئے تدقیق ضروری ہے۔ چنانچہ چرم قربانی کا دام فقیر کو

دینے کیلئے کھال چاہے درم و دینار سے بیچی جائے چاہے باقی رہنے والی اشیاء چاہے خرچ ہونے والی سے، ہر طرح جائز ہے، اور یہ بیع تمول میں داخل نہیں۔ کیونکہ یہ بیع تو تقرب کیلئے ہے (تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق) اسی طرح باقی رہنے والی چیز سے اپنے انتفاع کیلئے بدلا تو بھی یہ بیع ممنوع نہیں۔ نہ تمول میں داخل ہے۔ اگرچہ یہ بیع تقرب کیلئے بھی نہیں (ہدایہ) ہاں اسی کو پیسے اور اہل عیال پر خرچ کرنے کیلئے رقم (یا خرچ ہونے والی چیز) کے بدلے بیچنا ممنوع ہے اور یہی بیع تمول ہے (مجمع الانہر) اب مسئلہ بالکل صاف ہوگیا۔ کہ جو کھال امور خیر میں صرف کرنے کیلئے بیچی گئی۔ چاہے رقم سے چاہے عین سے یہ تو تقرب کیلئے ہے۔ تمول کیلئے نہیں اس لئے یہ بیع جائز ہونی چاہیئے۔ تمول تو جب ہوتا کہ اپنی ذات پر خرچ کرنے کیلئے فانی چیز سے بدلتے۔

اور مولوی رشید احمد صاحب اور انکے متبعین نے ہدایہ وغیرہ کی جو عبارتیں پیش کی ہیں وہ بے موقع ہیں اور ان سے استدلال ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ نماز کی ممانعت قرآن سے ثابت ہے کیونکہ قرآن میں لا اعبد ما تعبدون میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کروں گا۔

پھر مانعین کا شبہہ دور کرنے کیلئے آپ نے کتب اربعہ کی عبارتیں ماسبق اور مالحق کے ساتھ، انکی متعدد شرحیں اور کتب فقہ کی متعدد عبارتیں پیش کیں۔ اور روز روشن کی طرح واضح کر دیا کہ ان چاروں عبارتوں میں خاص اسی بیع کی ممانعت ہے جو اپنے انتفاع کیلئے رقم یا فانی اشیاء کے بدلے ہو۔

آپ فرماتے ہیں اس میں رمز یہ ہے۔ کہ قربانی تقرب الٰہی کیلئے ہے۔ تو جب اسکو اپنے نفس کیلئے بیچا جائے۔ اور اس بیع سے بائع کی غرض مال کمانا ہو۔ تو یہ فعل قربانی کے بیچے ہوئے حصہ کو تقرب کیلئے ہونے سے نکال دیگا۔ اور اس طرح جو دام حاصل ہوگا۔ وہ مال خبیث ہوگا۔ کہ بلا نیت اجر و ثواب اس کا صدقہ واجب ہوتا ہے۔ اور جب اسکو کسی کار ثواب کیلئے۔ بیچا تو یہ دام اپنے تمول کے لئے نہ ہوا، بلکہ اسی تقرب کیلئے ہوا جو قربانی کی اصل غرض ہے۔ تو یہ کیوں خبیث ہوگا؟ اور اس کا صدقہ کیوں واجب ہوگا؟

آپ نے اپنے دعویٰ پر الگ سے بھی ایک دلیل قائم کی۔ فرماتے ہیں۔ حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے۔ "قربانی سے کھاؤ"۔ "جمع کرو" اور کار ثواب میں خرچ کرو"۔ اور تعمیر مسجد وغیرہ خیرات و مبرات ضرور کار ثواب ہیں۔ تو چرم قربانی کی رقم کا ان پر صرف کرنا۔ ضرور اس حدیث کے منطوق میں داخل ہوگا۔

اس دلیل پر ایک اعتراض وارد ہوا کہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس بارے میں ایک حدیث مروی ہے جس میں لفظ "کار ثواب" کے بجائے "صدقہ کرو" ہے۔ اور فن اصول فقہ کا یہ قانون ہے کہ جب ایک ہی حادثہ میں عام اور خاص دونوں قسم کے احکام وارد ہوں تو عام کو خاص پر محمول کرنا چاہیئے۔ پس یہاں لفظ ایتجروا سے جو عام ہے صدقہ ہی مراد ہوگا۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ صدقہ کرو۔ اس لئے تملیک ضروری ہے۔

آپ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا۔ اولاً عام کو خاص پر حمل کرنے کا اصول احکام مستحبہ اور مباحہ میں نہیں احکام واجبہ میں ہے،

اور قربانی میں صدقہ کا حکم قطعاً وجوبی نہیں۔ کہ پورا گوشت آدمی خود ہی کھا جائے۔ چرم قربانی کو اپنے ذاتی استعمال میں رکھے، ایک ذرہ صدقہ نہ کرے تب بھی کوئی حرج نہیں۔ پس اس مسئلہ میں اصول فقہ کا وہ قانون اسلئے لاگو نہیں ہو سکتا کہ یہ حکم صدقہ وجوبی نہیں۔ ثانیاً۔ عام خاص پر جب حمل کیا جاتا ہے کہ ان دونوں حکموں میں تعارض ہو۔ اور جب تعارض نہ ہو تو عام کو خاص پر حمل کرنیکی کوئی ضرورت نہیں۔ حادثہ اگرچہ ایک ہی ہو، حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں حادثہ کے اتحاد کو دخل نہیں۔ اور یہاں چونکہان دونوں حکموں میں کوئی تعارض نہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے صدقہ کرنے کا حکم بھی دیا۔ اور عام طور سے دیگر کار خیر کا بھی۔ اس لئے لفظ ایتجار سے صدقہ مراد لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان میں سے ہر ہر مقدمہ کو آپ نے متعدد شواہد سے مدلل فرمایا۔ تائید مزید کے طور پر آپ فرماتے ہیں۔ یہ حدیث مبارک اور بھی متعدد طریقوں سے مروی ہے جن میں صدقہ اور کار ثواب کے لفظ کے بجائے، اطعموا، کا لفظ ہے۔ تو کیا لفظ اطعام کو بھی صدقہ پر ہی محمول کیا جائیگا۔ اور قربانی کا گوشت دسترخوان پر بٹھا کر کھلانے کے بجائے، کھانے والے کو دینا اور مالک بنانا ضروری ہوگا۔ حالانکہ بالاتفاق سب کہتے ہیں کہ اطعام کیلئے تملیک ضروری نہیں۔

آپ فرماتے ہیں۔

ان سب حدیثوں کے باہم ملانے سے ہر دیکھنے والا یہی فیصلہ کریگا۔ اصل میں چرم قربانی یا اس کا گوشت صرف فقراء کو دینا ہی ضروری نہیں اسکو ہر کار خیر میں صرف کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے متعدد روایتوں میں متعدد مصارف کا ذکر ہوا۔

اطعام کا لفظ جو قرآن و حدیث دونوں میں وارد ہوا۔ اور اس سے جمہور اہل اسلام نے جو اباحت مراد لی اس سے گنگوہی صاحب کے موقف پر سخت زد پڑتی ہے۔ جو تصدق کے وجوب کے قائل اور اس کیلئے تملیک ضروری قرار دیتے تھے۔ اسلئے آپ نے ایک بالکل بے بنیاد بات کا دعویٰ کر دیا کہ "اباحت بھی تملیک کی ہی ایک صورت ہے"

اس آپ نے گنگوہی صاحب کو بڑی غیرت دلائی اور "شرح وقایہ" "فتح القدیر" "درمختار" "مجمع الانہر" "امام غزی" "محقق علائی" "صدر الشریعہ" "علامہ شمس محمد" "صاحب بحر الرائق" "شامی" "طحطاوی" وغیرہ کے حوالوں سے ثابت کیا کہ اباحت اور تملیک دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

اس موضوع پر کہ مسئلہ دائرہ میں چرم قربانی کی بیع مطلقاً منع نہیں۔ خاص بیع کی وہی صورت مراد ہے۔ جس میں کھال کو ذاتی انتفاع کیلئے رقم یا غیر باقی چیز کے بدلہ بیچا ہو) آپ نے ایک اور دلیل پیش فرمائی۔

آپ تحریر کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من باع جلد الاضحية فلا اضحية له اس حدیث کے الفاظ گو عام ہیں۔ کہ مطلقاً کھال بیچنے والے کیلئے فرمایا کہ اس کی قربانی نہیں۔ لیکن یہ بات فریقین کیا جملہ اہل اسلام کے نزدیک مسلم ہے۔ کہ یہاں مطلقاً کھال کی بیع منع نہیں ہے۔ بلکہ صرف وہی بیع منع ہے جس پر لا اضحية له کا حکم صادق آئے۔

تو ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت نے قربانی میں تین چیزوں کی اجازت دی ہے۔ کھانا، جمع کرنا، کار ثواب کرنا۔ تو ممنوع وہی بیع ہوگی جو ان تینوں چیزوں سے خالی ہو۔ اور جس میں ان تینوں میں سے ایک بات بھی پائی جائے وہ بیع ممنوع نہ ہوگی۔ اب کھال اگر صدقہ کی

نیت سے بیچی جائے تو منع نہیں ہونا چاہئے۔ کہ اس میں گو کھانا اور جمع کرنا نہ پایا گیا ہو۔ کار ثواب تو پایا گیا، اور اگر اپنے لئے باقی رہنے والی چیز سے بیچا تو یہ بھی منع نہ ہوگا۔ کہ اس میں گو کھانا اور کار ثواب نہ پایا گیا۔ مگر جمع کرنا تو پایا گیا۔ اب لے دے کے وہی صورت بچ رہی کہ اپنے لئے رقم یا باقی نہ رہنے والی چیز کے بدلے بیچا، کہ اس میں وہ تینوں امور منتفع ہیں۔ جن کی قربانی میں اجازت دی گئی تھی کھانا تو بیچتے ہی ختم ہو گیا۔ اور اپنے لئے بیچنے کی وجہ سے کار ثواب بھی نہ رہا۔ اور صرف ہونیوالی چیز کی وجہ سے جمع کرنا بھی نہ پایا گیا۔ تو حدیث لا اضحیۃ لہ کی صحیح مصداق یہی صورت ہوئی۔ اور یہی بیع ممنوع ہونا چاہئے اور اس طرح حاصل شدہ رقم مال خبیث ہونے کی وجہ سے فقیر کو مالک بنانا ضروری ہوگا۔

الغرض ان مباحث سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو گیا۔ کہ امور خیر کیلئے چرم قربانی کی بیع جائز ہے، رقم کے بدلے ہو یا عین کے بدلے۔ اور اس کا صدقہ نہ واجب، نہ اس کی تملیک فقیر کو ضروری۔

علمائے اہلسنت میں سے غالبًا مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی علیہ الرحمہ کا فتویٰ بھی یہی تھا۔ کہ کھال کو رقم کے عوض بیچا تو صدقہ واجب ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"قربانی کی کھال کا حکم یہ ہے۔ کہ یا تو اس کو صدقہ کیا جائے، یا باقی رکھ کر خود اس سے نفع اٹھایا جائے یا باقی رہنے والی چیز سے بدل کر اپنے کام میں لایا جائے۔ اسکے علاوہ تمام صورتوں میں اس کا صدقہ واجب اور تملیک لابدی ہے"

گذشتہ بحثیں پڑھنے کے بعد جو بھی مولانا کے اس بیان کو پڑھیگا۔ کہدیگا کہ مولانا کا قربانی کے مصرف کو صرف صدقہ انتفاع بالجلد اور انتفاع بالبدل الباقی میں منحصر کردینا صحیح نہیں۔ ہم کو خوب معلوم ہے کہ حدیث میں مطلقًا کار ثواب کا بھی ذکر ہے۔ لیکن اعلیٰحضرت کا قلم جس کا نطاق بیان کسی میدان میں بھی تنگ نہیں۔ جو ہر موضوع پر ہر دم نئے نئے دلائل پیش کرنیکی منجانب اللہ قدرت رکھتے ہیں۔ انھوں نے مولانا کی اس تقریر کو عجب انوکھے پیرایہ میں حل کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

مولانا کو ائمہ کی اس عبارت سے دھوکہ ہوا کہ انھوں نے مصارف کی تین نوعیں بتائیں اور تیسری کا ذکر صدقہ کے لفظ سے کیا۔ لیکن لفظ صدقہ صرف صدقہ واجبہ ہی کیلئے خاص نہیں ہے۔ قرآن وحدیث، اور ائمہ فقہ کے یہاں یہ لفظ چھ معانی پر بولا جاتا ہے۔ پھر آپنے تفصیل کے ساتھ وہ سارے اطلاقات اور انکی مثالیں بیان کر کے فرمایا " انتقن هذا العلك بيان تلك الاطلاقات لا تجد الا فى هذا الوريقات " اور حق یہ ہے کہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ کو یہ کہنے کا حق پہونچتا ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ ان اطلاقات کا اس خوبی کے ساتھ یکجائی بیان کہیں نظر سے نہیں گذرا۔

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں، ان اطلاقات میں صرف ایک واجب ہے۔ اور اسی کیلئے تملیک ضروری ہے، بقیہ پانچ اطلاقات کیلئے تملیک ضروری نہیں۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ کتب فقہ میں قربانی کے لئے جو تصدق کا لفظ آیا ہے۔ اس سے صدقہ واجبہ مراد نہیں کیونکہ قرآن عظیم میں اطعام کا لفظ بھی ہے۔ اور کھلانے کی صورت میں بالاتفاق صرف اباحت کافی ہے، تملیک ضروری نہیں۔ پھر خواہی نہ خواہی بلا دلیل اس کو صدقہ واجبہ قرار دینا غلط ہوگا۔

آپ فرماتے ہیں۔ اگر قربانی کی کھال کا ڈول بنا کر مسجد کے کویں پر رکھدیا جائے۔ تو یہ قطعاً جائز ہے۔ حالانکہ اس میں تملیک نہیں۔ تو صدقہ سے واجبی صدقہ مراد لینا کہاں درست ہوا!

آپ مزید فرماتے ہیں۔ پھر یہ بھی صحیح نہیں کہ مصارف صرف تین ہی میں منحصر ہیں۔ عدم بیان۔ بیان عدم نہیں۔ کچھ اور صورتیں بھی ہیں جن کا ذکر مصنفین نے نہیں کیا، حالانکہ وہ بھی ملحوظ ہیں، تو یہ کہنا صحیح نہیں ہوا کہ چیزیں صرف تین ہیں۔ اور آپ کی دلیل کی ساری جان اسی انحصار میں تھی۔

الغرض آپ نے بیان کی ایسی شوکت، اور دلیل کی ایسی قوت، اور ایسی اعلیٰ درجہ کی تحقیقات عالیہ کے ساتھ اس بحث کو طے فرمایا ہے۔ کہ پڑھنے والا آپ کے خداداد علم پر عش عش کرنے لگتا ہے۔ اور عین اسی عالم میں کہ قاری آپ کی غزارۂ علمی پر سر دھنتا ہو۔ اور صاحبِ تحریر پر مجتہد ہونے کے وہم میں مبتلا ہو رہا ہو ایک دل آویز صدا اس کے کانوں میں آتی ہے۔

هذا ما ظهر لفهمي القاصر وفكري الفاتر۔ ومعاذ الله ان ابرأ نفسي من الخطأ والزلل واصر على رائي بعد وضوح الخلل۔ سبحٰن الله ليس انا وليس رائي۔ انما النقص بضاعتي والخطاء صناعتي والجهل صفتي والعجز سمتي فان اصبت فبتوفيق ربي۔ وله الحمد في حين وآن وان اخطأت فبشؤم ذنبي واسائل التوبة ارحم الراحمين۔

میری عقل ناقص اور فکر ضعیف میں تو یہی آیا ہے۔ اور پناہ بخدا میں اپنی ذات کو غلطی اور لغزش سے پاک نہیں سمجھتا۔ کمزوری ظاہر ہونے کے بعد میں اپنی رائے پر نہیں اڑتا۔ اللہ کیلئے پاکی۔ میں کیا اور میری رائے کیا! نقصان میری پونجی ہے۔ خطا میری کمائی ہے۔ جہل میری صفت اور عاجزی میری خصلت ہے۔ اگر میں صحیح فیصلہ پر پہونچا تو میرے رب کی توفیق سے ہے اور اسی کیلئے ہر دم اور ہر آن حمد و شکر ہے۔ اور خطا کی ہو تو میری بد اعمالی کی نحوست ہے۔ اور میں اللہ ارحم الراحمین سے توبہ کی درخواست کرتا ہوں۔

تب پتہ چلا کہ یہ تو وقت کے مجدد اعظم امام احمد رضا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنہیں علم بھی بے پناہ دیا ہے اور تواضع بھی بے مثال بخشی ہے۔

ہے بلبل رنگیں رضا یا طوطی نغمہ سرا
حق یہ کہ واصف ہے ترا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

چونکہ یہ رسالہ بھی عربی میں تھا اسلئے فقیر بے بضاعت نے اسکو بھی اردو زبان کا جامہ پہنا دیا۔ اور اصل کے ساتھ ہی اسے شامل اشاعت کیا۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی کو قبول فرمائے۔ اور مصنف کی علمی برکتوں کو پوری امت پر عام فرمائے آمین۔ یا رب العالمین۔

کتاب الاضحیہ کے اخیر میں ایک معرکۃ الآرا فتویٰ قربانی کے جانور کی رسی اور جھول کے صدقہ کے موضوع پر ہے۔ جس میں آپ نے موضوع کی وضاحت کے ساتھ ساتھ علم لغت اور علم توقیت کے جواہر زواہر پیش فرمائے ہیں جو مطالعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اسی پر یہ بات ختم ہے

وللہ الحمد اولاً و آخراً

کتاب العقیقہ ۔ چند صفحات مسائل عقیقہ سے متعلق بھی ہیں۔ کتب فقہ میں عموماً یہ عنوان کتاب الاضحیہ کے ضمیمہ کے

طور پر شامل رہتا ہے۔ اس میں مصنف نے چند ایسے مسائل کی وضاحت فرمائی ہے، جو اور کتابوں میں نظر نہیں آئے۔ مثلاً

(۱) جو بچہ بے عقیقہ انتقال کر گیا اب اس کا عقیقہ نہیں۔ کہ عقیقہ شکر نعمت ہے۔ اور جب نعمت نہیں تو شکر کس کا۔

(۲) جو بچہ بے عقیقہ انتقال کر گیا۔ وہ قیامت میں اپنے والدین کی شفاعت نہ کر سکے گا۔

(۳) زنا سے پیدا ہونے والے بچہ کا عقیقہ زانی نہیں کر سکتا کہ وہ بچہ زانی کیلئے نعمت نہیں۔ ہاں اس کی ماں عقیقہ کر سکتی ہے۔ وغیرہ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ اجمعین

ہدیۂ تشکر

یہ جلد بھی حسب دستور سنی دارالاشاعت کی جانب سے شائع ہو رہی ہے۔ لیکن ساتویں جلد کی طرح اس جلد میں بھی ادارہ شمس العلوم گھوسی پوری طرح شریک ہے۔ کیونکہ ادارہ کی جانب سے بطور فریضہ ملازمت جو کام مجھے سپرد کئے گئے ہیں۔ ان میں فتاویٰ رضویہ کے جمع ترتیب کا کام بھی ہے۔ اور روزانہ اوقات مدرسہ میں اس کام کی مد مجھے سہولت دی گئی ہے۔

کتابت کے آخری مرحلہ میں تعویق پڑ گئی تھی۔ ناظم اعلیٰ جناب ممتاز احمد صاحب نے اپنے ذاتی اثر رسوخ کو کام میں لا کر کتابت مکمل کرائی۔ یونہی بقیہ ذمہ داران شمس العلوم بھی ہمارے عظیم شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس عمل خیر کی دارین میں بہتر جزا عطا فرمائے۔ آمین

آئندہ پروگرام

جیسا کہ میں نے ساتویں جلد کے پیش لفظ میں اعلان کیا تھا۔ کہ خیال ہے کہ اب ادارہ سنی دارالاشاعت کو تصنیفی ادارہ بنا دیا جائے۔ اس سلسلہ میں ابھی کسی نے کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں دیا ہے۔ پھر بھی میں اپنے ارادہ پر قائم ہوں۔ زندگی نے وفا کی تو میں خود اس کو پھلتے پھولتے دیکھوں گا ورنہ بعد میں آنے والے لوگ اسے مکمل کریں گے فی الحال ایک ناشر دری کام یہ سامنے ہے۔ کہ فتاویٰ رضویہ کتاب الحظر والاباحہ، جو مکتبہ رضا بیلی بھیت سے دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ ناشر نے اپنے جوش محبت وعقیدت میں شائع کر دی۔ اپنے اس کارنامہ پر بھی وہ ہم سب سنیوں کے شکریے کے مستحق ہیں۔ مگر اس جلد کے مسائل بالکل بے ترتیب ہیں۔ ابواب و فصول کا کوئی امتیاز نہیں۔ جگہ جگہ بیاض بھی ہے۔ جس کے بارے میں کوئی تفصیل مذکور نہیں۔ اسلئے اس کو از سر نو مرتب کرنا شروع کر دیا ہے۔ عمر نے وفا کی تو اس جلد کو بھی مہذب کر کے سنی دارالاشاعت سے ہی شائع کرنے کا خیال ہے۔ والحمد منی والاتمام من اللہ۔ فقط

عبدالمنان اعظمی
شمس العلوم گھوسی۔ ضلع مئو۔ ۲۴ر شعبان ۱۴۱۲ھ
۲۹ر فروری ۱۹۹۲ء

فہرست فتاوی رضویہ — جلد ہشتم

صفحہ	مضمون	فن
۹۰	نہ لیا جائے۔ تو کلام لغو ہوگا۔	
،،	صحت اقرار کیلئے مطلقاً کسی سبب کا وجود ضروری ہے۔ کسی خاص سبب کا نہیں۔	اقرار
،،	مقر کیلئے اس کا بیان بھی ضروری نہیں۔	،،
،،	ان استثنائی صورتوں کا بیان جہاں صحت اقرار کیلئے سبب صالح پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر مقر نے اس کا بیان نہ کیا ہو۔	،،
،،	اقرار کیلئے یہ بھی ضروری نہیں کہ مقر لہ کی ملک مقر کی جانب سے ہو۔	،،
،،	اقرار کو اثبات، اور انشا ماننے کی صورت میں دور لازم آئیگا۔	منطق
،،	تخلیہ کی شرط ثالث کا مفاد	
۹۱	کتب فقہ سے مسئلہ کے جزئیات	
،،	مسئلہ مسئولہ میں تخلیہ مکمل نہ ہونے کی تصریح اور بطلان ہبہ کا حکم۔	
،،	القول بموجب العلۃ	اصول فقہ
،،	عدم تخلیہ کی تین دلیلیں	
۹۲	اصل مسئلہ اور اسکے متعلقات کا حکم اور مسائل کے جزئیات	
۹۳	ہبہ بالعوض کے حیلہ کا "سوال"	
،،	"جواب" سورت مسئولہ میں ہبہ بالعوض باطل اور جائداد ترکہ ہے۔	
،،	اپنی اولاد کے نام مرض الموت میں ہبہ بالعوض بیع ہے اور ایسی بیع بے اجازت، ورثہ باطل ہے۔	
،،	در مختار سے مرض الموت کی تشریح۔ اور عالمگیری سے مرض الموت کی بیع بدست ورثہ کا جزیہ	
۹۴	زر ثمن کے ابراء یا ہبہ کا "سوال"	
،،	"جواب" ابراء اور ہبہ کا فرق اشباہ سے اسکا جزیہ	
،،	نابالغ اولاد کے نام جائداد خریدنے کا "سوال"	
،،	نابالغ کے نام سے ایجاب وقبول ہوا۔ تو بیع اسکے نام واقع ہوئی۔ والد کا زر ثمن دینا تبرع ہے۔	
،،	اگر معاملہ بیع میں بچوں کا نام نہ تھا، تو بیع والد کے نام ہوئی۔ اور لڑکوں کا نام لکھوانا انکے نام ہبہ ہوا۔	
،،	نابالغ اولاد کیلئے ہبہ میں قبول یا قبضہ اولاد کی ضرورت نہیں	

صفحہ	مضمون	فن
	اور اس صورت میں شیوع بھی مضر نہیں (در مختار، شامی)	
۹۵	تنخواہ کے ہبہ، قبول ہبہ، ہبہ و وصیت مشترکاً ایک ساتھ تنخواہ اور جائداد کا ہبہ ہبہ کی ہوئی شے کا دوسرے کو ہبہ، ان امور سے "سوال"	
،،	"جواب" تنخواہ کا ہبہ باطل ہے	
	(۲) تمام وارثوں کا قبول ضروری نہیں، اپنا قبضہ ہٹا کر موہوب لہ کا قبضہ دلانا ضروری ہے۔	
	(۳) ہبہ اور وصیت دونوں ساتھ ساتھ ہو سکتے ہیں۔	
	(۴) تنخواہ کا ہبہ باطل ملک خاص کا ہبہ صحیح۔	
۹۶	(۵) رجوع ہبہ کیلئے تراضی طرفین یا حکم قاضی ضروری ہے،	
،،	ایک ایسی صورت کا "سوال" جس میں ہبہ بالعوض اور بیع دونوں کا احتمال ہے۔	
،،	"جواب" لڑکے کے نام مکان بیع کیا تو باپ کو فسخ کا اختیار نہیں۔	
،،	لڑکے کو مکان ہبہ کرکے، قبضہ تام دلا دیا، تو باپ کو رجوع کا حق نہیں۔ محرمیت موانع رجوع سے ہے۔	
،،	اور دھوکہ سے رجوع کر لیا تو معاوضہ واپس کرنا ہوگا۔	
،،	لڑکے کو مکان ہبہ کیا، سرکاری کاغذات میں نام درج کرایا۔ کرایا نامہ لڑکے کے نام سے بنا تا رہا۔ جب ضرورت پڑی اس مکان کو اپنی جائداد سے خارج دکھایا۔ البتہ مکان کی آمدنی کا جز حصہ لڑکے سے لیکر گھر خرچ میں صرف کرتا رہا۔ بعد وفات واہب لڑکوں کا بیان ہے کہ والد نے مصلحتاً یہ مکان اس لڑکے کے نام لکھا تھا۔ مکان کس کا ہوا "سوال"	
۹۷	لڑکے کے نام رجسٹری کرا کر داخل خارج کرا دینا۔ اور لڑکے کا تصرف دلیل تملیک ہے۔	
،،	حدیث مبارک "لو یعطی الناس بدعو ٰہم" کی تقریر	حدیث
،،	تمامی ہبہ کے بعد والد کو رجوع کا حق نہیں	
،،	دعویٰ بلا بینہ مقبول نہیں۔	دعویٰ
،،	بلا تقسیم جائداد دو لڑکوں کے نام ہبہ کرنے کا "سوال"	
،،	"جواب" والد اپنی زندگی میں بعض اولاد کو ہبہ صحیح کر دے	

صفحہ	مضمون	عنوان
۱۰۴	زندگی میں اولاد کے درمیان ہبہ میں تفریق سے "سوال"	
"	"جواب" جسکو ترجیح دی گئی اگر کوئی فضل دینی رکھتا ہو تو حرج نہیں ورنہ ظلم ہے۔	
"	یہ حکم دیانۃً ہے قضاءً بقیہ اولاد کو مطالبہ کا حق نہیں،	
.	ترکہ مشترکہ کے ہبہ سے "سوال"	
"	"جواب" غیر قابل قسمت چیز میں اگر کسی شریک نے اپنا حصہ ہبہ کر دیا تو ہبہ صحیح ہے۔	
"	غیر قابل قسمت چیز کسی شریک نے پوری ہبہ کر دی، اور شرکاء عاقل، بالغ ہوں تو اپنے حصہ کا ہبہ ہوگیا۔ اور بقیہ کا اجازت پر موقوف رہا، اور نابالغ ہوں تو ہبہ باطل ہے۔	
"	قابل قسمت شئ کسی شریک نے پوری ہبہ کر دی۔ تو ہبہ فضولی کا حکم ہوگا۔ (اور کوئی نابالغ ہو تو کل ہبہ باطل)	
"	کوئی وارث کسی وارث کو اپنے اختیار سے محروم نہیں کر سکتا	ترکہ
۱۰۵	شوہر جو زیور یا لباس عورت کو دیتا ہے، اس کا کیا حکم ہے "سوال"	
"	"جواب" جو استعمال کیلئے دیا وہ شوہر کی ملک ہے۔ اور جسمیں تملیک ہو وہ ہبہ ہے۔ اور عورت کے قبضہ کے بعد اس کی ملک ہے۔	
"	زوجیت بھی موانع رجوع سے ہے۔	
"	شوہر نے عورت کے جہیز کے زیور میں فاضل سونا شامل کیا۔ یہ دلیل تملیک ہے۔	
"	جہیز عورت کی ملک ہے۔	نکاح
"	مشاع کی تعریف اور اسکی مختلف صورتیں "سوال" جواب"	
"	زوجہ کو تحفہ دینے سے متعلق "سوال"	
۱۰۶	جو چیز تملیکاً دی اور موہوب لہ نے قبضہ کر لیا۔ وہ اسکی ملک ہے۔ تملیک کا ثبوت صراحۃً اور دلالۃً ہر طرح ہو سکتا ہے۔ "جواب"	
"	ہبہ بلا قبضہ اور بعد قبضہ نیز ہبہ مشاع سے "سوال" جواب"	
"	متبنّیٰ بنانا شرعاً کچھ نہیں۔ (قرآن عظیم)	متفرق
"	ہبہ کا ثبوت صرف تحریر سے ہی نہیں	
"	ہبہ مشاع بلا تقسیم و قبضہ تام نہیں۔	

صفحہ	مضمون	عنوان
۱۰۷	قبضہ سے پہلے احدالمتعاقدین کی موت ہبہ کو باطل کر دیتی ہے	
"	اولاد میں ترجیحی سلوک سے "سوال"	
"	بلا سبب شرعی ترجیح ظلم ہے۔ ہاں مالک کا تصرف قضاءً نافذ ہے۔ "جواب"	
"	بعد موت لڑکی کا نصف اور لڑکے کا پورا۔ لیکن زندگی میں دونوں کو برابر دینے کا حکم ہے۔	
۱۰۸	فاسق و فاجر لڑکے کو محروم الارث کیا جا سکتا ہے "سوال" جواب"	ترکہ
"	ہبہ مشاع کا "سوال" جواب"	
"	لاہور سے ایک شخص کا اعلیٰحضرت کے حضور اظہار عقیدت و نیاز مندی	متفرق
۱۰۹	رجوع عن الہبہ کا ایک "سوال"	
"	ہبہ میں قبضہ صحیحہ کی تفصیل۔ "جواب"	
"	بعد قبضہ موانع رجوع کا بیان۔	
۱۱۰	نابالغ کے ہبہ کیلئے اس کا قبضہ ضروری نہیں	
"	مسائل کے جزئیے۔ درمختار، شامی اور جدالممتار سے	
"	ہبہ سے رجوع، براءت عن العین، اور تمادی کا "سوال"	
"	"جواب" بہاولپور	
۱۱۲	"جواب" دیوبند	
۱۱۳	سوال سے متعلق تفصیلات کہ اس علاقہ کے علماء حکم مسئلہ میں مختلف۔ دیوبند کا جواب مختصر اور مہمل ہے۔ مقدمہ کچہری میں پیش ہے۔ اور مرجع جواب آپ ہیں۔	
"	"جواب" مشاع قابل قسمت میں ہبہ باجماع علماء غیر نافذ ہے صرف امام شافعی کو اس سے اختلاف ہے (بدائع)	
"	البتہ امام صاحب کے نزدیک وقت قبضہ شیوع مانع عقد ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک وقت عقد اور قبضہ دونوں ہو تب۔ (بدائع)	
"	اگر صرف وقت عقد شیوع ہو تو بالاتفاق عقد جائز ہے۔ (تنویر)	
"	عقد کے وقت شیوع نہ ہو قبضہ کے وقت ہو یہ امام کے نزدیک ناجائز، اور صاحبین کے نزدیک جائز اس کی مثال (تبیین)	متفرق

صفحہ	مضمون	متفرق
۴۰۶	بعض علاقوں کے انسانوں، اونٹوں، دنبوں کے درمیان بعض اعضاء میں اختلاف کا بیان	علم التشریح
۴۰۷	جب ایک نوع کے دو افراد میں ان اعضاء میں عدم وجود میں یہ اختلاف ہے۔ تو پھر بھیڑ اور دنبہ کی دم چوڑی اور گول ہونے کی بنیاد پر انہیں دو نوعیں شمار کرنا سخت غلطی ہے۔	اصول فقہ
"	تنبیہ ۷ جملہ اہل تفسیر، المحدیث، اہل فقہ، اہل لغت کیا عربی، کیا عجمی، غنم کی دو نوعیں مانتے ہیں۔ ضان اور معز	زبان وبیان
"	کفایۃ الراضی۔ مجمع بحار الانوار۔ مرقاۃ۔ شرح الکنز قاموس، مختار الصحاح، ذخیرۃ العقبیٰ، غیاث، کی عبارت سے اسکا ثبوت کہ عربی حضرات جس کو معز کہتے ہیں فارسی اسی کو بز اور عربی جسکو ضان کہتے ہیں فارسی اسی کو میش	"
"	شیخ محقق اور علامہ شامی کے قول سے تائید مزید	"
"	جب غنم کی دو ہی قسمیں ہیں تو جو (بز) بکری نہ ہو۔ لامحالہ (ضأن) دنبہ میں داخل ہے	زبان وبیان
"	اس جانور کا انعام میں ہونا متفق علیہ ہے۔ اور انعام صرف چار ہی ہیں۔ (بغوی، رازی، رومی، قاری، طاہر پٹنی)	"
"	یہ جانور ابل اور بقر میں سے تو ہے نہیں۔ لامحالہ یہ ضأن ہوگا۔ یہ معز نہیں کہ وہ بال والا ہے۔ اور یہ اون والا تو لامحالہ ضأن ہی ہوگا۔	"
۴۰۸	اس شبہ کا جواب کہ دنبہ اور بھیڑ میں چکتی کا فرق ہے	مناظرہ
"	تنبیہ ۸ مجیب کی تدقیق کا مدار اس پر ہے۔ کہ فرق کی بنیاد چکتی ہونے اور نہ ہونے پر ہے۔	"
"	اگر اس کو بنیادی فرق مانا جائے تو غنم کی دو کے بجائے تین نوعیں ہونگی	"
"	تنبیہ ۹ ضأن کی تعریف میں لفظ میش وارد ہونے پر اس شبہ کا جواب کہ جب بعض مشارکات میں تمیز منظور ہو تو لفظ اعم کے ساتھ تعریف ہو سکتی ہے۔	منطق
"	یہ سوچنا غلط ہے کہ مسئلہ پیش نظر میں بھی بعض مشارکات سے ہی تمیز مطلوب ہے	مناظرہ
"	شیخ کی عبارت میں ایسے حکم کا بیان نہیں۔ جو ضأن کے ساتھ خاص ہے۔ تو لفظ میش سے اسکی تفسیر تفسیر بالاعم ہو	"

صفحہ	مضمون	متفرق
۴۰۸	ہی نہیں سکتی۔	
"	تنبیہ ۱۰ جو استدلال اطلاقات لغت کی بنیاد پر ہو اسکو احتمال کی بنیاد پر رد نہیں کیا جا سکتا۔	اصول فقہ
"	امام ابن ہمام نے بنت زنا کی حرمت کی دلیل یہی دی کہ وہ لغۃً بنت ہے۔ اور اس لفظ کا اس معنی میں منقول ہونا ثابت نہیں۔	"
"	تنبیہ ۱۱ علمائے تفسیر و حدیث وفقہ ولغت متفق ہیں کہ ضان اور معز میں صوف اور شعر کا فرق ہے۔	لغت
"	مذکورہ بالا علوم کی کتابوں سے مسئلہ بالا پر حوالے۔	
۴۰۹	امام احمد کی روایت کردہ ایک حدیث اور مرقاۃ کی اسکی تشریح سے استدلال کہ فرق صرف شعر و صوف کا ہے۔	
"	تنبیہ سابع میں گذری ہوئی نو نصوص کا مآل بھی یہی ہے کہ ان دونوں میں صرف شعر و صوف کا فرق ہے۔	"
"	یہاں تک کی ام نصوص کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ضأن کی تفسیر میش اور ذوات الصوف ہے۔	"
"	متقدمین عام کے ساتھ تعریف کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن اس کو عمدہ نہیں کہتے۔	منطق
"	شرح مواقف اور حاشیہ تلویح سے مذکورہ بالا امر کا ثبوت	"
"	علماء جسکو غیر جید بتا رہے ہیں۔ انکی عبارتوں کو ان پر حمل کرنا عمدہ بات نہیں۔	مناظرہ
"	تنبیہ ۱۲ تعریف میں مساواۃ کی شرط ظاہر ہے۔ اور بلا دلیل ظاہر کے خلاف پر حمل جائز نہیں۔	اصول فقہ
"	امام تفتازانی اور علامہ سید شریف کے قول سے مضمون بالا کی سند	"
"	حمد و مدح میں ترادف ہے۔	لغت
۴۱۰	کسی چیز کا فی نفسہ جائز ہونا اور بات ہے۔ اور کسی کلام کا اس پر محمول ہونا اور بات ہے	زبان وبیان
"	تنبیہ ۱۳ ہمارے نزدیک عام سے تفسیر اسی وقت جائز ہے جب مراد واضح اور اس پر قرینہ قائم ہو ورنہ تلبیس کی وجہ سے ایسی تعریف ممنوع ہے۔	منطق
"	اہل لغت کا مشہور قاعدہ ہے کہ نکرہ بولکر شے معین مراد لیتے ہیں۔ اور معرفہ بولکر غیر معین	لغت

صفحہ	مضمون	متفرق
	پر موقوف رہتی ہے۔	بیوع
۴۷۷	پتھری کے نیلام کا بھی یہی حکم ہے۔ جبکہ مطالبہ کے برابر نیلام ہوا۔ اگر زائد پر نیلام ہوا اور زائد مالک کو دیا۔ اور اس نے لیا تو اجازت ہوگئی۔ اور خریدار جانور کا مالک ہوگیا۔ اور قربانی جائز ہوگئی۔	،،
،،	بلا استحقاق ازراہ اعانت صاحب نصاب، یا فقراء کو قربانی کی کھال دینا۔ یا سید کو دینا اور اسے صرفہ میں لانا۔	
،،	جواب، کھال کو بعینہ باقی رکھ کر یا باقی رہنے والی چیزوں سے بدل کر اپنے تصرف میں لاسکتا ہے۔	
۴۷۸	سادات کو دے سکتا ہے۔ مالدار کو دے سکتا ہے۔ امام کو بھی دے سکتا ہے۔	
،،	اس مسئلہ کی تفصیل کیلئے ''الصافیہ الموحیہ'' کا حوالہ اور سید کو زکوٰۃ دینے کیلئے ''النھی الاکید'' کا سوال	
،،	کھال کے مصارف کا سوال، اور اسکا اجمالی جواب	
۴۷۹	مسئلہ بالا کا سوال و جواب	
،،	،، ،،	
۴۸۰	قربانی کی کھال اپنا حق سمجھ کر زبردستی وصول کرنے والے امام، اس کی امداد کرنیوالے عوام، اسکے موافق فیصلہ کرنیوالے، اور حشر کی بازپرس کا ذمہ لینے والے مولویوں سے متعلق سوال	
،،	جواب، قربانی کی کھال کے جائز مصارف کا بیان۔	
،،	یہ کہنا غلط ہے کہ ایک کھال یا اس کی قیمت دو فقیروں کو نہیں دیجا سکتی۔	
۴۸۱	جو امام جبراً وصول کرے تو جائز کہے یا جو اسکی مدد کرے، دونوں ظالم اور گنہگار ہیں۔ اور حشر کی بازپرس کو ہلکا سمجھنا کفر ہے۔	سیر
،،	ایسے امام کو نہ دینے والے کو جس نے بددعا دی وہ خود ہی مستحق غضب الٰہی ہوا۔	،،
،،	قربانی کی کھال کے مصارف کا سوال و جواب	،،
	،، ،،	
۴۸۲	،، فارسی سوال و جواب	
	،، ،،	

صفحہ	مضمون	متفرق
۴۸۳	اسی مسئلہ کے متعلق دو صاحبوں کے اختلاف کا منصفانہ فیصلہ مزید سینگ کا سوال	
۴۸۴	جواب، سینگ کے اوپری حصہ کو قرن کہتے ہیں۔ کل ٹوٹ جائے تب بھی قربانی جائز ہے۔ گودا ٹوٹے تو قربانی منع ہے	
،،	قربانی کی کھال مسجد و مدرسہ میں صرف کرنے کا سوال و جواب	
۴۸۵	قربانی کی کھال مسلم کی خواہ مدرسہ کی تعمیر، اور طلبہ کی کتاب ایسی تعمیر کی سود سے بچوں کی تعلیم کا سوال	
،،	جواب، قربانی کی کھال کے احکام۔ (۱) باقی رکھ کر اپنے مصرف میں لاسکتا ہے۔ حدیث شریف کے لفظ ادخروا سے استدلال۔ (۲) ایسی چیزوں سے بدل سکتا ہے جو باقی رہنے والی ہوں (در مختار) (۳) اپنے لئے داموں سے نہیں بیچ سکتے اگر بیچی تو تصدق کریں۔ (طحطاوی علی الدر)	
،،	اس دام سے باقی رہنے والی چیز بھی خریدنا جائز نہیں تصدق ہی ضروری ہے	
۴۸۶	(۴) خرچ ہونے والی چیزوں سے اپنے لئے بدلنا جائز نہیں۔ اسکی قیمت صدقہ کریں۔ (در مختار)	
،،	(۵) باقی رکھ کر یا باقی رہنے والی چیز سے بدل کر اسکو کرایہ پر نہیں دے سکتے۔ (در مختار، حاوی القدسی، فتاوی ظہیریہ، در منتقی، شامی)	
،،	(۶) اپنے اوپر آتے ہوئے مطالبہ میں نہیں دے سکتے۔ (در مختار، کفایہ، شامی)	
،،	(۷) اپنی زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کو نہیں دے سکتے۔ (قنیہ، شرح نقایہ، قہستانی، شامی)	
،،	(۸) فقیر کو دینے کیلئے داموں سے بیچ سکتے ہیں۔ (تبیین الحقائق، عالمگیری)	
،،	(۹) غنی کو ہبہ کر سکتے ہیں۔ (شامی)	
،،	(۱۰) مسجد میں دے سکتے ہیں (حدیث شریف حضرت نبیشہ ہذلی)	
۴۸۷	(۱۱) ہر قربت کے کام میں صرف کر سکتے ہیں (حدیث مذکور)	
،،	(۱۲) کار قربت میں دینے کی نیت سے بیچنا بھی جائز ہے (امام زیلعی)	

صفحہ	مضمون	متفرق
۴۹۵	تمول کے طور پر خرچ کرنا جائز نہ ہوگا کہ یہ کار نفس ہے۔	
″	قربانی ہلاک ہونے والی چیز سے بدلنا مطلقاً تمول ہے۔	
″	دراہم بھی تو خرچ ہونیوالے ہیں۔ ان سے خیرات کی نیت سے بدلنا جائز ہے، تمول نہیں۔	
″	اپنے لئے بیچے تبھی تمول ہے۔ اور خبث ہے، اور اس کا صدقہ واجب ہے۔	
″	تمول کے طور پر حاصل کی ہوئی رقم کا تصدق ازالہ خبث کے لئے واجب ہے۔ حصول ثواب کیلئے نہیں۔	
″	کسی نے ایسے صدقہ سے امید ثواب کی تو ڈبل گناہ ہوا۔	سیر
″	خلاصہ یہ کہ جس طرح تصدق کی نیت سے چرم قربانی فروخت کرنا جائز اسی طرح دیگر امور خیر کی نیت سے بھی۔	
″	ایک سوال اور اس کا جواب	مناظرہ
″	ایک دوسرا عنوان بیان	
″	قربانی میں مصرف کی تین جہتیں ہیں۔ کھانا، جمع کرنا، کار ثواب کرنا۔	
″	ابوداؤد سے نبیشہ ہذلی کی حدیث کی تخریج۔	حدیث
۴۹۶	"ایتجار" کا لفظ تمام کار ثواب کو عام ہے۔ تو سب کے لئے بیچنا جائز ہوا۔	″
″	بخاری شریف میں۔ ایتجروا" کے بجائے لفظ تصدقوا آیا ہے تو ایتجار سے مراد تصدق ہی ہے "سوال"	″
″	جواب " بہ اتفاق علماء امر یہاں وجوب کیلئے نہیں۔ تو صدقہ مراد لینے پر بھی صدقہ نافلہ ہی مراد ہوگا۔	″
″	اس اصول فقہی کی بحث کی حادثہ اور حکم ایک ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔	اصول فقہ
″	یہ حکم مطلقاً ضروری نہیں، جہاں دونوں میں تنافی ہو وہاں ایسا کیا جائے گا۔ اور تنافی نہ ہو تو مطلق کو مطلق ہی رکھا جائے گا۔	″
″	دونوں کلیے اگر حکم منفی میں واقع ہوں یا اسباب متعددہ میں واقع ہوں، تو ان میں تنافی نہیں اور حمل ضروری نہیں۔	″
″	امتناع جمع بین المطلق والمقید میں وجوب حمل المطلق علی المقید کی مثال۔	″
۴۹۷	جمیع کا حکم حکم وجوبی میں ہے۔ جواز و استحباب میں نہیں۔ (بحر العلوم، علامہ سغناقی)	
″	علامہ شامی کے ایک اعتراض کی تضعیف اور جد الممتار کا حوالہ	مناظرہ
″	ایک معارضہ، اگر حدیث نبیشہ میں ایتجار کو تصدق پر محمول کریں۔ تو حدیث عائشہ میں لفظ اطعموا کو بھی تصدق پر ہی محمول کرنا ہوتا۔ کہ اس میں ایتجروا کی جگہ اطعموا آیا ہے۔ حالانکہ بہ اتفاق علماء یہ اپنے اطلاق پر ہے۔ اور کھلانے میں اباحۃ کافی ہے۔	″
″	صاحب بصیرت جملہ احادیث متعلقہ کو دیکھ کر فیصلہ کریگا کہ حدیث تمام انواع قربات کو عام ہے۔	..
″	ہدایہ سے تائید۔	
۴۹۸	علامہ اتقانی کے کلام سے تائید۔	
″	حاکم کی روایت من باع جلد الاضحیۃ فلا اضحیۃ لہ کی معنوی تصحیح۔	حدیث
″	یہ حدیث گو سنداً ضعیف ہے۔ مگر علماء نے تلقی بالقبول فرمائی تو حدیث مقبول ہوئی۔	اصول ″
″	اس حدیث میں مطلقاً بیع کی ممانعت نہیں ہو سکتی کہ باتفاق علماء صدقہ کیلئے بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ بدل کیلئے مبدل منہ کا حکم ہے۔ جب زکوٰۃ و فطرہ اور کفارہ وغیرہ صدقات واجبہ میں قیمت دینا جائز ہے۔ تو یہ تو صدقہ نفلی ہے اس میں کیوں جائز نہ ہوگا۔	حدیث
″	قربانی اور ہدی کے جانور میں دفع قیمت ناجائز ہونے کی علت کا بیان۔	اصول فقہ
″	حدیث کے لفظ فلا اضحیہ لہ سے خاص بیع ممنوع ہونے پر استدلال۔	حدیث
″	بیع للتصدق، بیع برائے دیگر امور خیر اکل، ادخار تو شرعاً مامور ہیں۔ تو ان پر فلا اضحیہ لہ مرتب نہ ہوگا۔ بلکہ اس سے مراد وہی بیع ہوگی جو بستہلک سے ہو۔ اور اپنی ذات کیلئے ہو۔	
۴۹۹	ایسی بیع میں اکل و ادخار مفقود ہے۔ اور اپنی ذات کیلئے ہونے سے ایتجار بھی مفقود ہے۔ بخلاف اسکے	

صفحہ	مضمون	متفرق
۵۰۶	تو اس میں اباحت، تملیک، اور مالدار و غریب سب شامل ہوتے ہیں۔	
"	حدیث شریف اور شامی سے اس کی تائید	
"	اس اطلاق ... سے غرض نہ اباحت ... نفع مسلمین کیلئے ہر تصرف مالی داخل ہے جیسے نہر اور کوئیں بنوانا۔	
"	حدیث مبارک، اقوال صدر الشریعہ، صاحب ہدایہ، خیر الدین رملی سے اس کی توضیح و تائید	فوائد فقہیہ
۵۰۷	خانیہ اور دیگر کتب فتاویٰ کے ایک جزئیہ سے تائید مزید	
۵۰۸	(۵) اس اطلاق میں مال کی قید سے بھی قطع نظر کر لی جاتی ہے اور مطلقاً نفع رسانی کا نام صدقہ ہوتا ہے۔	
"	حدیث مبارک سے اس اطلاق کا ثبوت	
"	(۶) اس اطلاق میں غیر سے بھی قطع نظر کر لی جاتی ہے۔ اور اپنے کو نفع پہونچانیکا نام بھی صدقہ ہوتا ہے۔	
"	حدیث مبارک سے اس اطلاق کا ثبوت۔	
"	فقہاء کے قول فی الاضاحی یتصدق بالثلث میں تصدق سے مراد معنی اول نہیں کہ تملیک ضروری ہو۔	
"	دلیل قرآن عظیم میں اس موقع پر اطعام کا لفظ ہے جس کے لئے اباحت کافی ہے۔	
۵۰۹	مصنف کی تحقیق کہ قربانی میں تین جہتیں بیان کی گئیں، اکل، ادخار، اور تصدق، اسی کو کہیں "ایتجروا" کے لفظ سے تعبیر کیا اور کہیں "اطعموا" کے لفظ سے تعبیر کیا، تو تصدق کے لئے یہی مراد لینے ہونگے جو ان سب کو عام ہو۔ اور وہ صدقہ غیر واجبہ غیر ضروری التملیک ہی ہوں گے۔ اور تملیک ضروری نہ ہوگی تو مسجد اور مدرسہ میں صرف ہو سکیں گے۔	
"	ایک سوال۔ اگر صدقہ واجبہ ضروری التملیک مراد نہ ہو تو کون سا صدقہ مراد ہے۔	مناظرہ
"	جواب۔ نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں لفظ ایتجار آیا ہے۔ جس کا مطلب تمام امور خیر ہی مراد ہیں۔ اور یہ ہمارے بیان کردہ اطلاقات میں چوتھا ہے۔	

صفحہ	مضمون	متفرق
۵۰۹	جواب دوم۔ اول کے علاوہ جو بھی مراد لیں ہم کو مضر نہیں کہ ان سب میں تملیک ضروری نہیں۔	
"	مولوی عبد الحی صاحب کے استدلال کا جواب، جن کو ان کے اس قول سے اختلاف ہے کہ قربانی میں جہتیں صرف تین ہیں۔	رد
"	قدوری، حلبی، شامی، ظہیریہ سے مزید جہتوں کا بیان۔	
۵۱۰	چند اور جہتوں کا اضافہ۔	
"	حاصل جواب۔ جب تین میں حصر پر کوئی دلیل نہیں۔ تو ان امور خیر میں صرف کرنے کی ممانعت کیلئے الگ سے دلیل ضروری۔ اور وہ مفقود تو ہمارا دعویٰ ثابت۔	
"	رسالہ کا نام اور سن تالیف۔	تاریخ
	خلاصة الصافية الموحية	
۵۳۰	دیہات میں نماز عید سے قبل مرغ کی قربانی، قصاب کی اجرت میں چرم دینے، اور طالب علم، موذن، ملاجی وغیرہ کو چرم قربانی دینے سے "سوال و جواب"	
"	جوابات۔ مرغ کی قربانی ناجائز ہے۔ دیہات والے جائز قربانی صبح صبح کر سکتے ہیں۔ اجرت میں کھال دینا جائز نہیں۔ مصارف چرم قربانی کا بیان۔	
۵۳۱	ایک مناظرہ کے فیصلہ کا سوال۔	
"	ہدایہ، شرح وقایہ، عمدۃ الرعایہ، درمختار، بدایہ، تنقیح ضروری کے حوالہ سے زید کہتا ہے کہ قربانی کی رسی اور جھول صدقہ کرنا چاہئے۔	
"	بکر کہتا ہے تمام حوالوں کا تعلق حج کے جانور ہدی سے ہے۔ اور یہ مسئلہ باب الاضحیہ کا ہے اس لئے استدلال صحیح نہیں۔	
"	خطام کے معنی کیا ہیں!	
"	جواب، زمام اور خطام کا فرق۔ اور خطام کے چار اطلاقات۔	لغت
۵۳۲	لغت، فقہ، حدیث کی ۱۲ کتابوں سے اطلاقات اربعہ کا ثبوت	"
۵۳۳	عمدۃ الرعایہ میں ذکر کی ہوئی خطام کی تعریف کلمات اہل فن کے مطابق نہیں۔	رد
"	عمدہ میں بخاری و مسلم کی طرح منسب حدیث میں لفظ خطام	

باب العقیقہ۔

Click For More Books

Scanned by CamScanner

فتاوی امجدیہ جلد اوّل

تصنیف :۔ صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ العزیز

تعلیق :۔ نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ العالی

فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت کی علمی جلالت و فقہی بصیرت محتاج تعارف نہیں موصوف نے فقہ حنفی کی معتبر و مستند انسائیکلو پیڈیا (بہار شریعت) تصنیف فرما کر عالم اسلام پر جو عظیم ترین احسان فرمایا ہے۔ رہتی دنیا تک اُسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اسی نابغۂ روز گار شخصیت کی ایک اہم فقہی تصنیف زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہے جو مسائل واحکام کے اعتبار سے ایک دوسری بہار شریعت اور دلائل وابحاث کی حیثیت سے فتاوی رضویہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ سلیس اور عام فہم زبان میں توضیح و تشریح کے اعتبار سے عوام و خواص اور علماء و فضلا کیلئے بے پناہ افادیت کی حامل ہے علاوہ ازیں اس کتاب پر نائب مفتی اعظم ہند و دیگر اکابر علماء اسلام کی عالمانہ و محققانہ تعلیق و تعارف نے کتاب کی اہمیت و افادیت میں غیر معمولی اضافہ فرمایا ہے۔ لہٰذا ارباب علم اور دینی ذوق رکھنے والے حضرات سے التماس ہے کہ خود بھی اس گرانقدر کتاب کے مطالعہ سے مستفید ہوں اور اپنے حلقۂ احباب میں بھی اسکے مطالعہ سے استفادہ کا شوق پیدا فرمائیں۔

صفحات ساڑھے چار سو۔ کاغذ اورینٹ۔ طباعت آفسیٹ۔ کور دیدہ زیب۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالم بنانے والی کتاب

ہر مسلمان جانتا ہے کہ انسانی زندگی کامیاب بنانے کے لئے مذہب کی پابندی لازمی ہے اسکے بغیر کوئی ترقی حاصل نہیں ہوسکتی اور جب تک احکام شریعت سے باخبر نہ ہو اور ان پر عمل نہ کرے ایمان کے مزے سے بے خبر ہے لہٰذا اگر آپ اپنے عقائد و اعمال، نماز، روزہ و دیگر عبادات و معاملات کو درست کرنا چاہتے ہیں تو **بہارِ شریعت** کو مطالعہ میں رکھیے، عورتوں، بچوں کو پڑھائیے، جو اس کتاب کو مطالعہ میں رکھتے ہیں ایک زبردست عالم سے کم نہیں رہتے، ہر مسلمان کے گھر میں اس کتاب کا ہونا از حد ضروری ہے، خصوصاً جہاں علماء نہ ہوں کہ ان سے مسائل دریافت کریں، وہاں اس کتاب کی بیحد ضرورت ہے اس کتاب کے اٹھارہ حصے شائع ہو چکے ہیں، جن کا خلاصہ مضمون درج ذیل ہے:۔

حصہ اوّل (۱) بیان عقائد، حصہ دوم (۲) مسائل طہارت، حصہ سوم (۳) مسائل نماز، حصہ چہارم (۴) بقیہ مسائل نماز، حصہ پنجم (۵) زکوٰۃ و روزہ، حصہ ششم (۶) مسائل حج و زیارت و ضروریات سفر، حصہ ہفتم (۷) مسائل نکاح، حصہ ہشتم (۸) مسائل طلاق، حصہ نہم (۹) عتق و قسم و نذر و حدود و دو سیر (عادات و اطوار)، حصہ دہم (۱۰) لقطہ (گمشدہ مال) مفقود، شرکت، اوقاف، حصہ یازدہم (۱۱) مسائل خرید و فروخت سود، حصہ دوازدہم (۱۲) کفالت و حوالہ و قضاء و وکالت و گواہی (شہادت)، حصہ سیزدہم (۱۳) دعویٰ، اقرار، مصالحت، حصہ چہاردہم (۱۴) امانت، عاریت، مضاربت (تجارت میں شرکت) ودیعت (امانت)، ہبہ، اجارات (کرایہ داری)، حصہ پانزدہم (۱۵) اکراہ (زبردستی)، غصب، شفعہ، تقسیم مزارعت، معاملہ ذبح، قربانی، عقیقہ، حصہ شانزدہم (۱۶) حظر و اباحت جائز و ناجائز، حصہ ہفدہم (۱۷) تحری (غور و خوض)، احیاء اموات (بنجر زمین کی آبادی)، شرب (آب پاشی) اشربہ (پینے کی چیزیں)، شکاری جانوروں کا شکار، رہن، حصہ ہژدہم (۱۸) جنایات، قصاص، دیت (خون بہا)، حادثات (ایکسیڈنٹ) وغیرہ، نوزدہم (۱۹) وصیت نامہ وغیرہ زیر تصنیف ہے، بستم (۲۰) میراث کا بیان:

ملنے کا پتہ: **المجدد احمد رضا اکیڈمی**

و مکتبہ رضویہ، آرام باغ روڈ، کراچی ۱، پاکستان فون نمبر ۲۱۶۴۶۴ / ۲۱۷۸۸۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوکالۃ

مسئلہ ازکیمپ میرٹھ لال کرتی بازار محلہ گھوسیاں مرسلہ شیخ غلام احمد صاحب ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

جناب مولنا! بعد تقدیم سلام عرض یہ ہے کہ اس مسئلہ کی ضرورت ہے جلد مشرف فرمادیں۔
بعض شخصوں نے کچھ روپے زید کو دیئے کہ ان کی کتابیں دینیہ لے کر طالب علموں کو دیدو، زید کے پاس خود وہ کتابیں دینیہ موجود تھیں اس نے اپنے پاس سے حسب نرخ بازار کتابیں لے کر طالب علموں کو تقسیم کردیں اور وہ روپے اپنی کتابوں کی قیمت میں آپ رکھ لئے اور یہ سمجھا کہ میں نے یہ بیع اصالۃً اور خرید وکالۃً کی ہے اور مقتضائے حال سے قطعاً معلوم ہے کہ مالکوں کو ہرگز کچھ غرض اس سے متعلق نہ تھی کہ بازار ہی سے کتابیں خریدی جائیں اسی واسطے انھوں نے معاملہ میں یہ قید نہیں لگائی ان کا اصل مقصد تقسیم کتب سے تھا وہ زید نے بخوبی کردیا، اب سوال یہ ہے کہ یہ تقسیم کتب مالکوں کی طرف سے ہوگئی یا نہیں اور اگر نہیں ہوئی تو اب کیا کیا جائے کتابیں واپس نہیں ہوسکتی بالکل یاد نہیں رہا کہ وہ طالب علم کون کون تھے زیادہ زمانہ گزرگیا اور مسئلہ میں شبہہ اب پڑا اور وہ روپے بھی باقی نہیں رہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب صورت مستفسرہ میں زید کو اصلاً یہ اختیار نہ تھا نہ وہ بیع ان روپیہ دینے والوں کے ہاتھ ہوئی فان الواحد لایتولی طرفی العقد فی البیع وامثالہ بخلاف النکاح تو یہ کتابیں اس کی اپنی گئیں روپے کے مالکوں کو ان کا روپیہ واپس کرے فی الدر المختار لایعقد وکیل البیع والشراء والاجارۃ ونحوھا مع من ترد شہادتہ لہ الا اذا اطلق لہ الموکل کبیع ممن شئت فیجوز بمثل القیمۃ وفی السراج لو صرح بھم جاز اجماعًا الا من نفسہ اھ مختصرًا وفی ردالمحتار عن منح الغفار عن السراج الوہاج لو امرہ بالبیع من ھؤلاء فانہ یجوز اجماعًا الا ان یبیعہ من نفسہ فلا یجوز قطعًا وان صرح بہ الموکل اھ باختصار واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲ ازدولت پور ضلع بلندشہر مرسلہ بشیر محمد خاں صاحب ۵ رشعبان ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں وکیل مطلق اگر کسی کو کچھ معاف کردے اور اُس کو اختیارات کامل معاف کردینے کے حاصل ہوں تو پھر وہ رقم معاف شدہ از روئے شرع شریف کے پانے کا مستحق ہے یا نہیں۔

الجواب اگر صراحۃً معاف کردینے کی اجازت موکّل نے دیدی تھی جب تو اُس کا معاف کیا ہوا بعینہ موکّل کا معاف کیا ہوا ہے جہاں خود اپنی معافی کو واپس نہیں لے سکتا وکیل کی معافی بھی واپس نہ ہوسکے گی اور شرعًا اس رقم کا مستحق نہ رہے گا۔ اگر صرف وکیل عام کیا یا کہدیا کہ ان کا جملہ ساختہ پرداختہ مثل میرے ذات کے ہے تو معاف کردینے کا وکیل کو اختیار نہ ہوگا موکّل اگر قبول نہ کرے تو رقم معاف کردہ لے سکتا

ہے، درمختار میں ہے اعلم ان الوکیل وکالۃ عامۃ مطلقۃ مفوضۃ انما یملک المعاوضات لا الطلاق والعتاق والتبرعات به یفتی زواہر الجواہر وتنویر الابصار وبزازیہ میں ہے انت وکیلی فی کل شیئ جائز امرك ملك الحفظ والبیع والشراء الاعتق والتبرع وعلیه الفتوی اھ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳ از دفتر محکمۂ زراعت پنجاب لاہور مسئولہ محمد نصر اللہ صاحب ۲۱ محرم ۱۳۳۹ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پیشۂ وکالت از روئے شرع شریف جائز ہے یانہیں؟

الجواب وکالت جس طرح رائج ہے کہ حق کو ناحق، ناحق کو حق کرنے کی کوشش کرتے ہیں اگر وہ سچ بولنا چاہے تو کہتے ہیں اگر سچ کہو گے تو تمہارا مقدمہ سرسبز نہ ہوگا جھوٹی گواہیاں دلواتے ہیں، جھوٹے حلف اٹھواتے ہیں، قطعی حرام ہے۔ اور ایسی ہی وکالت آجکل فروغ پاسکتی ہے، وہ جو کامل تحقیقات کے بعد جسے حق پر جانے صرف اس کی وکالت کرے محض بطور حق کرے جھوٹ بولنے یا بلوانے سے پرہیز کرے اس کی وکالت اس زمانے میں اصلاً نہیں چل سکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتاب الاقرار

مسئلہ (۴) - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک امر کا پیش قاضی اقرار کیا اور اُس اقرار کا معترف تھا، اب اُس امر سے انکار کرتا ہے، آیا یہ انکار اُس کا معتبر ہوگا یا نہیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب - صورت مسئولہ میں زید اپنے اقرار پر ماخوذ اور انکار اُس کا مردود ہوگا فی العالمگیریۃ ان کان الواھب اقر بذٰلک عند القاضی والعبد فی یدہ اخذ باقرارہ وفی الاشباہ والنظائر اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطأ لم تقبل کما فی الخانیۃ۔ واللہ اعلم

مسئلہ (۵) - از گورکھپور محلہ گھوسی پورہ، مرسلہ مولوی حکیم محمد عبداللہ صاحب ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مرض موت میں بحضور ایک جماعت معززین کے اپنی زوجہ کے مہر کا اقرار کیا اور کہا کہ میرے ذمہ پچاس ہزار روپیہ دین مہر میری زوجہ کا واجب الادا ہے وہ اب تک مجھ سے ادا نہیں ہوا۔ اب ادا ہونا اس کا ضروری ہے، لہٰذا میں اپنی زوجہ کو اختیار دیتا ہوں کہ وہ دین مہر اپنا میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ سے وصول کرلیوے بعدہ زوجہ نے بنابر ہدایت شوہر اپنے کل جائداد شوہری پر قبضہ اپنا کرلیا، بعدہ ورثہ مقر باہم مختلف ہوئے، اکثر نے اقرار اپنے مورث کا تسلیم کیا اور بعض کا بیان ہے کہ دعوی اقرار غلط ہے اور مہر زوجہ کا اس قدر نہیں بندھا تھا۔ اب استفسار یہ ہے کہ اقرار مورث جو کہ بشہادت معزز لوگوں کے ثابت ہے، شرعًا قابل اعتبار ہے یا نہیں۔ اور مقدار مہر مطابق اقرار مورث کے شرعًا واجب الثبوت ہے یا نہیں۔ اور قبضہ زوجہ مقر کا بعوض دین مہر اپنے کے جائداد شوہری پر شرعًا قابل نفاذ ہے یا نہیں، بیّنوا توجروا

الجواب - اصل یہ ہے کہ مرض موت میں وارث کے لئے اقرار بے تصدیق دیگر ورثہ معتبر نہیں کما نصوا علیہ قاطبۃ وعللوہ بان حقھم تعلق بمالہ ففی تخصیص البعض بہ ابطال حق الباقین مگر جبکہ نکاح معروف ہو تو عورت کے لئے مہر مثل تک اقرار صحیح ومقبول ہے وجہ اس کی یہ کہ مہر مثل موجب اصلی نکاح ہے کما صرح بہ فی الھدایۃ وغیرھا تو خود ثبوت نکاح اُس کے اثبات میں کافی فان الشیئ اذا ثبت ثبت باحکامہ ولہٰذا عورت بلا بینہ اس مقدار تک تصدیق کی جاتی ہے فی وصایا الخانیۃ رجل مات عن اولاد صغار وادعت المرأۃ مھرھا قالوا ان کان النکاح معروفا کان القول قول المرأۃ الی مھر مثلھا یدفع ذٰلک الیھا اھ ملخصًا تو اس قدر میں مریض کی تصدیق اُس کے اقرار سے کسی امر غیر ثابت کا ثابت کرنا نہیں، بنابراں واجب القبول ہو۔ فتاوٰی امام خیر الدین رملی میں ہے سئل فیما اذا اقر بحضرۃ بینۃ شرعیۃ فی مرضہ بان فی ذمتہ لزوجتہ خمسۃ وعشرین دینارا ذھبا مھرا مؤجلا وصدقتہ فیہ وصدق علی ذٰلک بعد موتہ بعض ورثتہ وکذب البعض فھل الاقرار المذکور صحیح ام لا اجاب الاقرار بالمھر صحیح حیث کانت ممن یؤجل لھا مثل المقربہ کما صرح بہ فی جامع الفصولین وغیرہ معللا بقولہ اذ یقبل قولھا الی تمام مھر مثلھا

بلا اقرار الزوج اھ بتلخیص پس اگر پچاس ہزار روپے عورت کے مہر مثل سے زائد نہیں تو اس پوری مقدار میں مریض کا اقرار مقبول ہوگا اور زائد ہیں تو صرف مقدار مہر مثل تک معتبر اور قدر زائد میں تصدیق ورثہ یا اقامت بینۂ عادلہ شرعیہ کی حاجت ہوگی فان البینۃ کالسمعاسینۃ والثابت بالشہادۃ کالثابت بالمشاھدۃ۔ خیریہ کے فتوٰی مذکور میں ہے والحاصل ان الاقرار لھا بالدنانیر المذکورۃ صحیح حیث لازیادۃ فیہ علٰی مایؤجل لمثلھا ولایحتاج الٰی تصدیق الورثۃ وان کان فیہ زیادۃ لایصح بھا الابہ ویصح بما ھو مھر مثلھا اس قدر سے سوال کے دو امر کا جواب منکشف ہوگیا۔ رہا امر ثالث یعنی زوجہ کا جائداد مورث پر بعوض مہر بے رضائے ورثہ قبضہ کرلینا۔ واضح ہو کہ دین ایک مال حکمی ہے کہ ذمہ پر ثابت ہوتا ہے کمافی الحاوی القدسی اور اُس کی ادا اُس کے مثل ہی سے ہوتی ہے فقد نصّوا ان الدیون تقضٰی بامثالھا کمافی الاشباہ وغیرھا اور دین وعین محض متبائن ہیں نہ مثلین ولہٰذا باجماع ائمہ حق دائن کا دین میں ہے نہ عین میں نص علیہ فی غیر موضع من الھدایۃ وغیرھا عامۃ کتب المذھب منھا فی اقرار المریض ان حق الغرماء تعلق بالمالیۃ لابالصورۃ اھ تو بطور خود اخذ عین بعوض دین تجارت بے تراضی ہے کہ بنص قطعی قرآن عظیم ممنوع وناجائز قال ربنا عزوجل یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ہدایہ میں بیع مال مدیون بے رضائے مدیون کی نسبت فرمایا انہ تجارۃ لاعن تراض فیکون باطلا بالنص اسی لئے ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دائن مال مدین[عہ] سے خلاف جنس دین بے رضائے مدین دین میں نہیں لے سکتا، ہدایہ میں ہے ان کان دینہ دراھم ولہ عروض لم یکن لصاحب الدین ان یاخذہ جبرا اھ ملتقطا، اور عبارت مذکورۂ خلاصہ (المرأۃ تاخذ مھرھا من الترکۃ من غیر رضا الورثۃ ان کانت الترکۃ دراھم او دنانیر وان کانت شیئا ممّا یحتاج الی البیع تبیع ما کان اصلح وتستوفی صداقتھا سواء کانت وصیۃ من جھۃ زوجھا او لم تکن وتاخذ من غیر رضا الورثۃ) کہ اس قبضہ کی تجویز میں مفید زوجہ خیال کی گئی ہرگز مفید نہیں بلکہ صاف خلاف پر نص ہے الا تری انہ رحمہ اللہ تعالٰی خص اخذ العین بما اذا کانت الترکۃ دراھم او دنانیر وفی غیرہ انما اجاز الاستیفاء بالبیع لا اخذ العین فی الدین ونص انہ لابد فیہ من البیع حیث قال وان کانت شیئا ما یحتاج الی البیع الخ فمعنی قولہ وتأخذ الثانی تأخذ المھر من الثمن وان لم یرض الورثۃ بل اظن وارجو ان اکون فی ظنی صادقا ان لاسقطت من تاخذ الثانی من قلم الناسخ وانما العبارۃ ولاتاخذ من غیر رضا الورثۃ اذ بہ یحسن المقابلۃ بین ھٰذا وبین ما تقدم من قولہ تاخذ من غیر رضا الورثۃ ان کانت دراھم او دنانیر فالمعنی تبیع وتستوفی قھرا علیھم ولا تاخذ العین الا برضاھم فلتراجع نسخ الخلاصۃ فان النسخۃ التی عندی قد تقطعت اوراقھا من ھٰذا المقام ومن المحال ان یکون المراد تاخذ العین من غیر رضاھم فانہ علٰی ھذا لا یبقی الفرق بین النقد وغیرہ وھو انما نظم الکلام علی التفرقۃ فلوکان مرادہ ھٰذا القال تاخذ الترکۃ فی مھرھا ولو عروضا وعقارا وان لم یرض الورثۃ وبالجملۃ فھٰذا ممالا یرضٰی بہ فقیہ ثم لاغرض لنا ھٰھنا یتعلق بنقد ما اطلق فی اجازۃ البیع وان لم تکن وصیۃ من قبل زوجھا والا ففیہ مجال نظر فانھا اذا لم تکن وصیۃ کان بیعھا بیع مال الغیر من دون اذن منہ ولا من الشرع بخلاف بیع الوصی فانہ مختار المالک وبیع القاضی عند الصاحبین فانہ ماذون لہ من جھۃ الشرع دفعا للظلم وایصالا للحق الٰی

[عہ] فی الاصل ھکذا ولعلّہ مدیون۔

المستحق واذا رأینا الامام الاجل فقیہ النفس استاذ صاحب الخلاصۃ مولٰنا القاضی الامام فخر الدین رحمہما اللہ تعالٰی فرض المسئلۃ فی الخانیۃ فیما اذا کانت المرأۃ وصیۃ حیث افاد واجاد رحمہ الجواد میت اوصی الی امرأتہ وترک مالا وللمرأۃ علیہ مہرھا ان ترک المیت صامتا[1] مثل مہرھا کان لہا ان تبیع ما کان اصلح للبیع وتستوفی صداقہا من الثمن اھ اور زید کا کہنا میں اپنی زوجہ کو اختیار دیتا ہوں کہ دین مہر اپنا میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ سے وصول کرلے ہرگز اس معنی میں نص نہ تھا جو زوجہ نے خواہی نخواہی قرار دے لئے کہاں جائداد سے وصول کرنا اور کہاں عین جائداد اپنے دین میں لینا آخر علماء یہی تو عامہ کتب میں فرماتے ہیں کہ ترکہ سے پہلے میت کے دیون ادا کئے جائیں پھر ثلث مابقی سے وصایا کیا اس کے یہ معنی کہ عین جائداد متروکہ دائنین وموصی لہم کو دیدی جائے جو معنی ادا کے کلام علماء میں ہیں بعینہٖ وہی معنی وصول کرلینے کے کلام زید میں۔ مع ہذا عین بعوض دین دینا، نہیں مگر بیع، لکونہ مبادلۃ مال بمال اور مریض نہ بالفعل وارث کے ہاتھ بیع کرسکتا ہے جبتک باقی ورثہ اجازت نہ دیں، جامع الفصولین میں ہے اعطاھا بیتا عوضا عن مہر مثلہا لم یجز اذ البیع من الوارث لم یجز فی المرض ولو بثمن المثل الا اذا اجاز وارثہ نہ وارث کے لئے وصیت کا اختیار رکھتا ہے کہ فلاں شے اس کے ہاتھ بیع کی جائے یا یہ خود اپنے ہاتھ بیع کرلے الا لا وصیۃ لوارث الا ان یجیزھا الورثۃ بہر حال زید کا کلام بھی کچھ بکار آمد نہیں۔ بالجملہ اگر دین ترکہ کو محیط نہیں جب تو امر نہایت ظاہر کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں ہوتا۔ اشباہ کے قول فی الدین میں ہے قدمنا انہ لا یمنع ملک الوارث للترکۃ ان لم یکن مستغرقا ویمنعہ ان کان مستغرقا تو زوجہ ملک ورثہ بے رضائے ورثہ کیونکر بطور خود بالجبر لے سکتی ہے اور اگر محیط ہے تاہم ورثہ شرعاً اختیار رکھتے ہیں کہ دین اپنے پاس سے ادا کرکے ترکہ کو خالص کرلیں، اشباہ کے قول فی الملک میں ہے للوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا تو ان کی بے رضا قبضہ کرلینے میں اُن کے اس حق کا ابطال ہے اور یہ جائز نہیں ولہٰذا علامہ حموی نے تصریح فرمائی کہ قاضی جب ترکہ کو دین محیط میں بیچے تو بیع بحضور ورثہ ہونا چاہئے کہ وہ حق استخلاص رکھتے ہیں قال فی الاشباہ لا ینفذ بیع الوارث الترکۃ المستغرقۃ بالدین وانما یبیعہ القاضی اھ فقال فی الغمز ینبغی ان یکون البیع بحضرۃ الورثۃ بما لہم من حق امساکہا وقضاء الدین من مالہم الخ پس روشن ہوگیا کہ قبضۂ زوجہ محض بیجا و بے معنی ہے وھٰہنا فتوی للاخصب ما انا بغافل عنہا ولا ناس لہا لکنہا محمولۃ عندی علی اموال خفیۃ یظفر بہا الدائن الآیس من الوصول الی حقہ دون الظاھرۃ والاسترسال فی تحقیقہ یطول فلنضرب عنہا الذکر صفحا اقتداء بجمیع ائمتنا الاقدمین وجماھیر الاجلۃ المتأخرین حیث لا تری لہا فی کلامہم عینا ولا اثرا ولا ذکرا ولا خبرا کیف وقد وقعت مخالفۃ للمذھب المجمع علیہ بین ائمتنا ومضادۃ لما اطبقت علیہ المتون قاطبۃ مع الشروح والفتاوٰی من کتب مذھبنا نعم لا باس بالمصیر الیہا عند الضرورۃ دفعا للحرج وذٰلک انما یکون عند الیأس مع القدرۃ علی الاستیفاء بالاخذ وقلما یجتمعان الا فی مال خفی کما لا یخفی علی ذی فہم ذکی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

[1] الصامت من المال الذھب والفضۃ والناطق ھو الحیوان (منجد)۔

مسئلہ (۶) ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ حسینی بیگم بریلوی نے بارادۂ حج بیت اللہ شریف کو جاتے وقت بیس روپیہ اور ایک جگنو طلائی اور ایک زنجیر نقرئی بمبئی میں پاس جمیل النساء کے باین شرط بطور امانت چھوڑا کہ جس وقت جو شئی میں طلب کروں تم بھیجدینا اور درصورت میرے مرجانے کے وہ بیت اللہ شریف میں خیرات کر دینا اس کے بعد مکہ معظمہ میں پہنچ کر بیس روپیہ حسینی بیگم نے جمیل النساء سے منگوائے اور جگنو اور زنجیر جمیل النساء کے پاس امانت رہا اور زنجیر کی نسبت کہا تھا کہ یہ میری ایک نواسی کی ہے جو میرے ساتھ چلی آئی ہے اب حسینی بیگم کا مکہ شریف میں انتقال ہوگیا لہٰذا از روئے شرع شریف کے جگنو اور زنجیر کا کیا کیا جائے گا اور یہ بھی کہا تھا کہ میرے وارث کو مت دینا۔ بینوا توجروا

الجواب - یہاں دو چیزیں ہیں زنجیر کا نواسی کے لئے اقرار اور جگنو کی نسبت خیرات کی وصیت سائل مظہر کی حسینی بیگم کی تین نواسیاں ہیں ان سے کہا گیا تو سب نے انکار کیا کہ وہ زنجیر ہماری نہیں پس صورت مستفسرہ میں اگرچہ بربنائے قول اصح کہ مقرلہ کی جہالت غیر فاحشہ مانع صحت اقرار نہیں کما نص علیہ فی الھندیۃ عن التبیین اقرار مذکور صحیح واقع ہوا مگر جبکہ نواسیوں نے انکار کر دیا، رد ہوگیا یہاں تک کہ اب نواسیاں تصدیق بھی کریں تاہم معتبر نہ ہوگی فی الدر المختار المقرلہ اذا کذب المقر بطل اقرارہ لما تقرر انہ یرتد بالرد الا فی ست الخ وفیہ لو رد المقرلہ اقرارہ ثم قبل لا یصح الخ پس وہ زنجیر تو بشرائط فرائض وارث حسینی بیگم کو ملے گی، رہا جگنو اگر حسینی بیگم پر کوئی دین نہیں تو یہ کل متروکہ کی تہائی، اور دین ہے تو بعد ادائے دین جس قدر بچے اس کی تہائی سے زائد نہیں یا زائد ہے اور ورثہ وصیت جائز رکھتے ہیں جب تو کل جگنو تصدق کر دیا جائے ورنہ اس کا اس قدر حصہ جو ثلث مال باقی بعد ادائے دین کے قدر ہو تصدق کریں باقی وارث کو دیں۔ واللہ اعلم

مسئلہ (۷) - از ریاست رامپور مرسلہ امیر احمد صاحب ۱۱ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس معاملہ میں کہ ایک مساۃ نے ایک مختار نامہ اس مضمون کا ایک شہر میں تصدیق کرایا کہ میں دوسرے شہر کو بوجہ پورے ہونے ایام حمل کے نہیں جاسکتی ہوں اور اس دوسرے شہر میں مجھکو ایک اقرار نامہ اس مضمون کا تصدیق کرانا منظور ہے کہ میرے شوہر نے جو زمینداری اس شہر کی اپنے روپیہ سے خرید کر بیعنامہ اس کا میرے نام اسم فرضی کرایا ہے میں اقرار کرتی ہوں اور لکھے دیتی ہوں کہ وہ زمینداری میرے شوہر کی ہے۔ میرا شوہر اس زمینداری کا اصلی مالک ہے، لہٰذا بدرستی جمیع حواس خمسہ برضا ورغبت خود اپنی جانب سے فلاں مختار کو مختار خاص اپنا قرار دے کر اقرار کرتی ہوں کہ مختار خاص میرا میری جانب سے اقرار نامہ مضمون مندرجہ بالا کی تصدیق کرا دے اور جملہ ساختہ وپرداختہ مختار مذکور کا مثل کردہ ذات خود قبول ومنظور ہے، پس بعد تصدیق ہونے مختار نامہ کے مختار نے دوسرے شہر میں جا کر اقرار نامہ تصدیق کرا دیا اور مضمون اس اقرار نامہ کا مساۃ کو دکھلا دیا اور پڑھ کر سنا دیا تھا، مساۃ نے سن کر ثبت مہر کی اجازت دی تھی اور مساۃ علیل نہیں تھی صحیح وسالم تھی بلکہ بہ سواری ڈولی محکمہ رجسٹری میں خود جا کر بزبان خود رجسٹرار صدر سے مختار نامہ تصدیق کرایا تھا۔ تکمیل ہونے مختار نامہ مذکور کے ایک روز بعد اولاد پیدا ہوئی تھی اور اولاد کے پیدا ہونے سے ایک ہفتہ بعد اولاد کے پیدا ہونے کی وجہ سے انتقال کیا کیونکہ بہت دشواری سے اولاد ہوئی تھی۔ ہرگاہ بعد فوت مساۃ مذکورہ وارثان مساۃ دعویٰ باوجود ہونے دستاویز مصدقہ کے بوراثت حقیت مذکورہ بالا کا کرتے ہیں، اس صورت میں وہ کلمات کہ جو اقرار نامہ میں اسم فرضی کے ساتھ ملکیت شوہر اپنے کی از روئے عدالت تصدیق کر چکی ہے، نسبت نہ ہونے دعویٰ کے تحریر ہیں واسطے بری

ہوئے شوہر مسماۃ کے دعویٰ وراثت سے کافی ہوں گے یا نہ ہوں گے، عنداللہ وعندالرسول نظرِ غور فرماکر عاجز مسکین امیر احمد پر بروایت صحیح جواب باصواب تحریر فرماویں کہ موجب ثواب اجر عظیم کا ہوگا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب - صورت مستفسرہ میں جبکہ ثبوت شرعی سے ثابت ہو کہ عورت نے یہ اقرار اپنی صحت میں کیا تو اب شرعاً کوئی دعویٰ وراثت وارثانِ زن کا اُس جائداد میں مسموع نہیں ہوسکتا اگرچہ تصدیق اقرارنامہ مختار نے دوسرے شہر میں بحالت مرض الموت زن کی ہو کہ شرعاً ملک شوہر ثابت ماننے کے لیے یہی لفظ کافی ووافی تھے جو عورت نے بحالت صحت اس مختارنامہ میں لکھے، عقود دریہ میں ہے سئل فیما اذا اقر فی صحتہ لدی بینۃ شرعیۃ انہ اشتری المبیع لاختہ والثمن من مالھا واسمہ فی الصك عاریۃ وصدقتہ اختہ علٰی ذٰلك فھل یُعمل باقرارہ المزبور الجواب نعم، سئل فی رجل اقر فی صحتہ ان المبلغ المکتتب باسمہ بذمۃ فلان بموجب صك لفلانۃ وراسمہ فی صك الدین عاریۃ فھل یکون اقرارہ المذکور صحیحا الجواب نعم اگر شوہر جانتا ہے کہ واقع میں بھی یہ اقرار زن سچا ہے فی الحقیقۃ اس کا نام فرضی تھا جب تو عنداللہ بھی وہ اس جائداد کا مالک ہے اور ورثہ زن کا دعویٰ باطل اور اگر اسے معلوم ہے کہ فی الواقع عورت ہی اس جائداد کی مالکہ تھی یہ اقرار اُس نے غلط لکھ دیا اگرچہ اپنی صحت ونفاذ تصرف کی حالت میں برضا ورغبت ہی لکھا تو عنداللہ اس کے لیے اپنے حصہ سے زیادہ حلال نہیں اُس پر فرض ہے کہ وارثان شرعی کا حصہ نہ روکے مگر بحالت اقرار مذکور قاضی وحاکم دعویٰ وارثان کو اصلاً نہ سنے گا واقع کا علم اللہ عزّوجل کو ہے، خانیہ وخلاصہ وبزازیہ وانقرویہ وہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے اقر فی صحتہ وکمال عقلہ ان جمیع ماھو داخل منزلہ لامرأتہ غیر ماعلیہ من الثیاب ثم مات، وترك ابنا فادعی الابن ان ذٰلك ترکۃ ابیہ قال ابوالقاسم الصفار ان علمت المرأۃ ان جمیع ما اقربہ الزوج کان لھا ببیع اوھبۃ کان لھا ان تمنع ذٰلك عن الابن بحکم اقرار الزوج وان علمت انہ لم یکن ببیع ولاھبۃ لایصیر ملکا لھا بھذا الاقرار۔ درمختار میں ہے لو اقر کاذبا لم یحل لہ لان الاقرار لیس سببا للملك۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۸) ازرام پور متصل شفاخانہ کلاں سرکاری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید وغیرہ نے کرایہ کی زمین میں مکان تعمیر کی اور زمین آبچک نہیں چھوڑی مسمی عمرو جاذ کہ جس کے مکان کی زمین میں اولتی ٹپکتی مزاحم ومانع ہوا تو زید نے بمعیت مالک زمین میر محلہ کہ جس کی زمین میں زید نے مکان تعمیر کیا تھا، سات گرہ زمین واسطے آبچک بجہت عاریت استدعا کی چونکہ عمرو کی زمین زرخرید تھی اور ایک اقرارنامہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ تعدادی ہفت گرہ زمین عمرو سے واسطے آبچک بجہت عاریت کے مستعار لی ہم نے۔ اور جس وقت عمرو یا وارثان عمرو چاہیں زمین آبچک مذکور رجوع کرکے بیدخل کردیں ہم مستعیران یا وارثان مستعیران دعوی ملکیت زمین ویا حق آبچک یا بیدخل ہونے میں کوئی عذر وحیلہ کریں تو عندالشرع نامسموع وباطل ہوگا اور اقرارنامہ مع گواہی دمواہیر اہل ثقہ ومیر محلہ یعنی مالک زمین مکان زید مذکور مثبت ہیں اور اقرارنامہ کو تخمیناً ساٹھ باسٹھ برس کا زمانہ گزرا ہوگا حتی معیر ومستعیران فوت ہوگئے زمین کرایہ مذکور کہ جس میں زید وغیرہ نے مکان تعمیر کیا تھا وارثان زید نے اب وہ زمین خرید لی باوصف ہمسائیگی وجار کے بیعنامہ پر گواہی وارثان عمرو معیر مذکور نہیں ہے فی الحال وارثان مستعیر نے جو مکان منہدم ہوگیا ہے ازسرنو تعمیر کرنا چاہا تو وارثان معیر نے کہا کہ زمین آبچک بجہت* چھوڑ کے

---

* فی الاصل ہکذا اظنہ بچھیت ای خلف الدار

تعمیر کر دیا اولتی ہمارے مکان کی طرف نہ ٹپکاؤ، تم کو خوب معلوم ہے کہ ہمارے مورث نے عاریت زمین آبچک تمہارے مورث کو دی تھی بنا اول ہے بھی ہم کو بہت ضرر تھا اب بنا نو سے نہایت ضرر ہوگا اور پاخانہ کا راستہ تمام گھر کے آدمیوں کا ہے اور اولتی پاخانہ میں بیٹھنے سے سر پر گرتی ہے ہم آبچک مذکور کو رجوع کرتے ہیں اور ہمارا اس طرف مکان بنانے کا بھی ارادہ ہے وارثان مستعیر نے بمعائنہ اقرارنامہ مذکور بالا کے چند اشخاص کے روبرو اقبال واقرار کیا کہ ہم بموجب اقرارنامہ یعنی مورث مستعیر کی اولتی وارثان معیر کے مکان کی طرف نہ ٹپکا دینگے اور اپنا مکان بالکل پختہ بنا دیں گے بعد تیاری مکان وارثان مستعیر بہ اغوائے بعض کسان اولتی طرف مکان وارثان معیر ٹپکانا چاہتے ہیں اور اپنے اقرار سے کہ چند آدمی اشخاص کے روبرو کیا تھا کہ اولتی طرف مکان وارثان معیر نہ ٹپکا دینگے اب منحرف ہوتے ہیں اقرار چند آدمیوں کے سامنے کرکے انکار کرنا مقبول ہے یا مردود۔ پس عند الشرع شریف دخل رجوع عاریت کا وارثان معیر کو حاصل ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ وارثان معیر کو بلاشبہہ عاریت میں رجوع کا اختیار ہے اور وارثان مستعیر پر واپس دینا فرض ہے جبکہ عاریت ثابت ہے قال اللہ تعالٰی اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں علی الید ما اخذت حتی تردھا باقی ان کا کہنا کہ اس طرف اولتی نہ ٹپکائیں گے اقرار نہیں وعدہ ہے اور وعدہ کے ایفا پر حکما جبر نہیں، اشباہ وعالمگیریہ وغیرہما میں ہے لاجبر علی الوفاء بالوعد ہاں اگر تسلیم کیا ہو کہ واقعی یہ زمین زمان مورث سے ہمارے اور ہمارے مورث کے ہاتھ میں عاریت ہے اس کا مالک عمرو ہے تو یہ اقرار ہے اور اس سے پھرنا کسی طرح جائز نہیں، اگر بشہادت شرعیہ اُن کا اقرار ثابت ہوگا وہ ضرور اُس کی پابندی پر مجبور کئے جائینگے۔ لان المرء مؤاخذ باقرارہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۹) ۔ از بریلی شہر کہنہ ـــــ مسئولہ صفدر علی خاں ومبارک علی خاں ـــــ ربیع الآخر ۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں :-

ع۱ زید نے ۱۶ اپریل ۱۸۹۸ء میں ایک ہبہ نامہ بحق اپنے بیٹے عمرو کے کیا اور دستاویز میں یہ اقرار کیا کہ وہ مالک ومختار جائداد ہے ہبہ پورا کا موہوب لہ کو کر دیا اور قابض ودخیل کرکے دخل اپنا مطلقاً اُٹھالیا، لہٰذا اقرار یہ ہے کہ بعد تحریر ہبہ ہٰذا کے کچھ حق میرا یا قائم مقامان میرے کا اس جائداد موہوبہ میں جزءً وکلاً باقی نہیں رہا بعدہٗ ۲۱ جون ۱۹۱۲ء میں بعد انتقال عمرو پسر مذکور زید واہب نے دوسرا ہبہ نامہ اُس ایک جزو جائداد موہوبہ کا اپنی مان کر اور ہبہ نامہ مذکور کو فرضی ٹھہرا کر بنام اپنے نبیرہ گاں پسران متوفی کے کیا اُس میں اقرار اول سے رجوع کیا کہ اس جزو جائداد کا میں مالک وقابض ہوں اور ہبہ نامہ اگرچہ بنام عمرو متوفی تحریر کیا تھا مگر قبضہ نہیں دیا اس لئے وہ انتقال شرعاً باطل وکالعدم ہے۔ آیا یہ رجوع زید صحیح ہے یا نہیں

ع۲ دوسرے ۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو عمرو نے ایک بیعنامہ چند مواضع کا بنام اپنے والد زید کے کیا جس کے متعلق ۱۱ جنوری ۱۹۰۵ء کو زید نے ایک اقرارنامہ بایں الفاظ تحریر کیا کہ بیعنامہ مذکور محض فرضی تھا اور اُس کے ذریعہ سے کوئی انتقال ملکیت بحق میرے وقوع میں نہیں آیا اور کل جائداد مندرجہ بیعنامہ مذکور کا مالک وقابض واقعی میرا لڑکا عمرو ہے مجھے کوئی دعوٰی ملکیت نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہوگا پھر بعد وفات عمرو زید نے ایک ہبہ نامہ بنام اپنے نبیرہ گاں کے بوجہ مساوی بالاشتراک کیا اور اس میں بیعنامہ عمرو مورخہ ۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو اصلی وواقعی مانا ہے، لہٰذا اس صورت میں بیعنامہ عمرو فرضی متصور ہوگا یا واقعی وہ جائداد ورثائے عمرو کی ملک ٹھہرے گی یا ورثائے زید متوفی کی، اور یہ ہبہ زید کا مشاع ہونے کے باعث باطل ہوگا یا نہیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب ۔ شریعت مطہرہ کا قاعدہ مقررہ ہے کہ کوئی مقر اقرار کرکے اپنے اقرار سے پھر نہیں سکتا نہ اُس کے خلاف اُس کی بات تسلیم ہو سکے، ہدایہ و اشباہ و درمختار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے لاعذر لمن اقر، دستاویز اول میں جبکہ صاف اقرار کیا تھا کہ میں نے موہوب لہٗ کو قابض و دخیل کرکے اپنا دخل مطلقاً اُٹھا لیا تو اب بعد موت موہوب لہٗ یہ کہنا کہ میں نے قبضہ نہیں دیا تھا محض باطل و نامسموع ہے اور پہلی دستاویز ہبہ تام و نافذ و ناقابل رجوع ہے، درمختار موانع رجوع میں ہے المیم موت احد العاقدین، اُسی میں ہے القاف قرابتہ یونہی جب اُس بیع کی نسبت زید صحیح اقرار کرچکا کہ وہ محض فرضی تھی اور اُس کے سبب مجھے کوئی ملک حاصل نہ ہوئی تو وہ بیعنامہ اُس کے اقرار سے باطل ہوگیا اب اُسے اُس سے رجوع کا کچھ اختیار نہیں اور یہ ہبہ کہ بنام نبیرگان کیا ہے محض باطل ہے کہ یہ جائداد بوجہ ظہور بطلان بیع ملک عمرو متوفی پسر زید ہے زید اُس میں سے صرف سُدس کا مالک ہے اور اُس نے کُل کا ہبہ کیا اور اُس کا سُدس منقسم المتاز نہ تھا تو یہ مشاع ہوا اور اس سدس میں بھی تام نہ ہوا اور انتقال زید بلاتقسیم و تسلیم سدس سے باطل ہوگیا درمختار میں ہے الاستحقاق شیوع مقارن لاطاری فیفسد الکل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس باب میں کہ محمد علی خاں و مظہر حسین خاں و سید ضیاء الحق و مسماۃ نجم النساء بیگم چار شخصوں نے[عہ] اولاً بتاریخ ۱۱ / مارچ ۱۹۰۸ء کو ایک جائداد کے دو سہام منجملہ سات سہام کے مسمّی امداد الرحمٰن بائع سے مشترکاً بحصہ مساوی خریدے، پھر ۱۶ / اگست ۱۹۰۸ء کو اشخاص مذکورہ نے چار سہام اسی جائداد کے منجملہ سات سہام کے مسمّی عباد الرحمٰن بائع سے بحصہ مساوی مول لئے اور ایک سہم منجملہ سات سہام کے سید سکندر علی نے بلقیس بیگم سے ۱۳ / اگست ۱۹۰۸ء کو خرید کیا پھر باہم ہر چہار مشتریان چھ سہام کے جو ذریعہ بیعنامہ ۱۱ / مارچ ۱۹۰۸ء ۱۶ / اگست ۱۹۰۸ء خریدی گئی تھی ایک تقسیم نامہ لکھا گیا جس میں ہر ایک شریک کا ڈیڑھ ڈیڑھ سہام قائم ہوکر چار قطعہ معین ہوگئے جو محمد علی خاں و مظہر حسین خاں و سید ضیاء الحق نے تو محکمہ رجسٹری میں تصدیق کرا دیا لیکن مسماۃ احد الشرکاء نے تقسیم نامہ مذکورہ کسی وجہ سے تصدیق نہیں کرایا جس کی وجہ سے ہر ایک شریک کا حصہ جُدا جُدا تقسیم نہ ہوسکا، بعدہٗ احمد علی خاں برادر محمد علی خاں نے بیعنامہ دو سہام کا منجملہ چار سہام فروخت شدہ ۱۶ / اگست ۱۹۰۸ء کے ایک شخص مسمّی فیض الرحمٰن سے بنام اپنے لکھا لیا بعدہٗ احمد علی خاں برادر محمد علی خاں مرگیا، اب محمد علی خاں یہ کہتا ہے کہ بیعنامہ ۱۶ / اگست ۱۹۰۸ء بابت چار سہام کے بنام چاروں مشتریان ناجائز ہوا۔ عباد الرحمٰن خاں نے ہم کو دھوکا دیکر چار سہام کا بیعنامہ کیا ہے درحقیقت وہ مالک دو سہام کا تھا اس لئے میں ایک سہام کا ذریعہ شرا اور دو سہام کا ذریعہ ارث برادری کے مالک ہوں اور باقی تینوں شرکاء بھی ایک ایک سہم کے مالک ہیں ڈیڑھ ڈیڑھ سہام کے مالک نہیں ہیں ہر سہ شرکاء بقیہ یہ کہتے ہیں کہ جب محمد علی خاں نے چار سہام بشرکت باقی تین مشتریان کے بحصہ مساوی خرید تو اس خرید کے ذریعہ سے عباد الرحمٰن بائع کی ملکیت محمد علی خاں نے تسلیم کرلی اور سب شرکاء کا مساوی حصہ بھی تسلیم کرلیا اور یہ اقرار نامہ بھی ڈیڑھ ڈیڑھ سہام ہر ایک شریک کا تسلیم کرلیا اور ہر ایک شریک کی ملکیت ڈیڑھ ڈیڑھ سہام کا اقرار کرلیا۔ اب ہر ایک شریک کے ڈیڑھ ڈیڑھ سہام سے محمد علی خاں کا انکار جائز نہیں ہے، مظہر حسین خاں احد الشرکاء نے جو نالش تقسیم ڈیڑھ سہام بنام بقیہ تین شریکوں کے عدالت دیوانی میں دائر کی تو محمد علی خاں احد الشریک نے وہی عذرات پیش کئے بالآخر عدالت دیوانی سے یہ تجویز فرمایا گیا۔ بیعنامہ مصدقہ ۱۶ / اگست ۱۹۰۸ء اقراری عباد الرحمٰن میں خود

[عہ] اصل میں قلم ناسخ سے نجم النساء کا لفظ چھوٹ گیا ہے ۱۲

محمد علی خاں مدعا علیہ زمرہ مشتریان میں داخل ہے اور شرعاً بیعنامہ عاقدین پر حجت ہے اس لئے وہ محمد علی خاں مذکور پر بھی حجت ہے پس جس طرح محمد علی خاں مدعا علیہ نے بذریعہ بیعنامہ عباد الرحمٰن خاں بائع کی چار سہام مملوک ہونا تسلیم کیا اسی طرح ان چار سہام میں سے ہر ایک کی ملک بقدر ایک ایک سہم تسلیم کر لیا اور اب اُس سے انحراف کا مدعا علیہ مذکور کو کوئی حق نہیں انکار بعد الاقرار شرعاً معتبر ہے[عـہ]، اسی کے ساتھ تقریر مصدقہ ۱۶ر اگست ۱۹۰۸ء مشمولہ مثل میں محمد علی خاں مذکور نے ہر ہر شریک کا ڈیڑھ ڈیڑھ سہام بالتصریح تسلیم کر لیا اب اس کا مدعی کو صرف ایک سہم کا مالک بتانا محض اتلاف حق پر مبنی ہے اس لئے دعوی مدعی نسبت دخل یابی ڈیڑھ سہام منجملہ سات سہام کے بذریعہ تقسیم وعلیحدگی حصہ مدعی از چار سہام مشترک بنام مدعا علیہم ڈگری ہو، خرچہ مدعی ذمہ محمد علی خاں مدعا علیہ عائد ہو۔ بعد قائم وثابت ہو جانے ڈیڑھ سہام ہر ایک شرکا از روئے عدالت دیوانی کے فیصلہ سے پونے دو سال بعد محمد علی خاں احد الشریک نے ہر ایک شرکاء ثلثہ کا ایک ایک سہم اور اپنے تین سہام قائم کرکے نالش تقسیم خلاف بیعنامہ جات واقرارنامہ وفیصلہ عدالت دیوانی دائر کی اس لئے استفسار امور ذیل کا مطلوب ہے :-

۱ـ انکار ملکیت کسی شخص کا بعد اقرار ملکیت شخص مذکور کے شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

۲ـ بیعنامہ عاقدین پر شرعاً حجت ہوتا ہے یا نہیں۔

۳ـ محمد علی خاں کو شرعاً یہ حق حاصل ہے یا نہیں کہ اُس بیعنامہ کو جس میں وہ خود ہی مشتری ہے اور اقرارنامہ تقسیم کو جو بحق ہر سہ مشتریان وہ تحریر وتکمیل وتصدیق کرا چکا ہے باطل وناجائز قرار دے کر ہر سہ مشتریان دیگر کی ملکیت ڈیڑھ ڈیڑھ سہام سے بعد اقرار کے انکار کر سکے۔

الجواب - مدت ہوئی کہ یہ سوال آیا تھا اور سائلوں سے دریافت کیا گیا تھا کہ جو فیاض الرحمٰن نے احمد علی خاں کے نام بیع کی ایا اس کا کوئی مقدمہ دار القضاء تک پہنچا اور بحکم قاضی وہ سہام ملک فیاض الرحمٰن قرار پاکر ملک احمد علی خاں ٹھہری یا یوہیں خانگی طور پر محمد علی خاں نے اس بیع کو مان لیا۔ مگر اس کا کوئی جواب نہ ملا۔ اب ملاحظہ تجویز وغیرہ سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ استحقاق احمد علی خاں بذریعہ قضا ثابت نہ کیا گیا کہ محمد علی خاں شرعاً مکذب ہو جاتا بلکہ اُس نے بطور خود اپنے نفع کے لئے یہ استحقاق تسلیم کر لیا اگر ایسا ہے تو تجویز کہ ذی علم مفتی صاحب نے دی بالکل حق وبجا ہے محمد علی خاں کو اپنے اقرار سے پھرنے کا کوئی اختیار نہیں لاعذ دلمن اقر من سعی فی نقض ماتم من جھتہ فسعیہ مردود علیہ۔ اشباہ میں ہے اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطأ لم تقبل۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ

۲ر ربیع الثانی ۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان بکر کے ہاتھ بیع کیا اور قبضہ مبیعہ پر مشتری کا کرا دیا اور بیعنامہ تصدیق ورجسٹری کرا دیا۔ بیعنامہ میں مبیعہ کی حد غربی مین زید نے دیوار عمرو تسلیم کی بعد بیع وقبضہ بکر مشتری نے جب عمرو کی دیوار مذکور میں تصرفات ناجائز شروع کئے اور عمرو مانع آیا تب بکر نے زید بائع سے ایک اقرارنامہ بطور تصحیح نامہ اس مضمون سے لکھا یا کہ (بیع کے وقت دیوار غربی کا مشترک ہونا تحریر سے رہ گیا تھا دیوار مذکور مکان مبیعہ ومکان عمرو میں مشترک ہے) سوال یہ ہے کہ بیعنامہ میں عمرو کی دیوار لکھنے سے اقرار نسبت ملکیت عمرو کی ثابت ہوتا ہے یا نہیں اور بیعنامہ مذکور شرعاً عاقدین پر حجت ہے یا نہیں اور اقرارنامہ مابعد جو بطور تصحیح نامہ کے مرتب ہوا ہے اس

[عـہ] یہاں بھی قلم ناسخ سے لفظ "معتبر نہیں" چھوٹ گیا ۱۲

ہے کل دیوار مذکور کی بابت عمرو کا زوالِ ملکیت لازم آتا ہے یا نہیں اور شرعاً یہ انکار بعد الاقرار ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ تحریر بیعنامہ عاقدین پر حجت ہے اور اُس سے پھرنے کا اُن کو کچھ اختیار نہیں جس سے وہ شخص ثالث کو ضرر پہنچا سکیں قاعدۂ شرعیہ ہے المرء مؤاخذ باقرارہ و لا عذر لمن اقر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۲) ۔ از شہر بریلی محلہ ملوکپور ــــــــ مسئولہ احمد حسین صاحب ــــــــ ۱۵ رشوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ نے ایک قطعہ جائداد خریدی اور مسماۃ کے چار بیٹے تھے کچھ دنوں کے بعد وہ مسماۃ انتقال کرگئیں اور اُن چاروں بھائیوں میں آپسیں مقدمہ دائر ہوئی اُسی جائداد پر جو کہ مسماۃ نے خریدی تھی، اُس میں کسی وجہ سے ایک بھائی نے کچہری کے روبرو یہ بیان کیا کہ میں اس جائداد میں حقدار نہیں ہوں میرا حق نہیں ہے تو شرعاً یہ بیان اُس کا لغو ہے یا جائز ہے وہ حقدار اس جائداد میں ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ وہ اُس میں حقدار نہ مانا جاتا کہ لا عذر لمن اقر اگر یہ قول کسی مدعی کے مقابل ہوتا، یہاں یہ صورت نہیں، سائل نے بیان کیا کہ چاروں بھائی اُس مکان پر قابض تھے، ایک نے صرف اپنا حصہ تقسیم کرانے کا دعویٰ کیا تھا نہ کہ اوروں کے حصوں کا، اُس کے جواب میں دوسرے نے کہا اس مکان میں ہمارا حق نہیں یعنی چاروں بھائیوں کا نہیں تاکہ وہ تقسیم نہ کرا سکے۔ اس صورت میں اس کا یہ کہنا محض لغو ہے اور اس کا حق بدستور باقی ہے، عالمگیریہ میں ہے اذا قال ذو الید لیس ھذا لی ولیس ملکی اولا حق لی او لیس لی فیہ حق او ما کان لی او نحو ذلک ولا منازع حین ما قال ثم ادعی ذلک احد فقال ذو الید ھو لی صح ذلک منہ والقول قولہ الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۳) ۔ از مراد آباد محلہ کٹھگر بیع ــــــــ مرسلہ سید شرافت حسین صاحب ــــــــ ۵ رذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بعوض مبلغ یکصد روپے کے اپنا حصہ واقعہ مکان بدست مسماۃ ہندہ رہن کیا رہن نامہ میں بوقت تصدیق روبرو رجسٹرار صاحب ؏ نقد وصول پاکر مبلغ ؏ کا رجسٹری سے پہلے وصول پانے کا اقرار کیا ہے اسی تفصیل سے وصول زررہن کی کیفیت عبارت تصدیق میں درج ہے، ہندہ نے واپسی زررہن کا دعویٰ کیا ہے زید مدعا علیہ نے جواب دخل کیا ہے کہ رہن نامہ فرضی ہے وجہ تحریر کی یہ ہے کہ مدعا علیہ کے خسرال والے مُصر تھے کہ زید اپنا حصہ واقعہ مکان مذکور بحق اپنی زوجہ کے تحریر کردیں، اس اندیشہ کی وجہ سے بمشورت باہمی فرضی رہن نامہ بنام ہندہ تحریر کردیا گیا تھا ؏ جو رجسٹری میں بذریعہ عمرو وصول پائے تھے وہ روپیہ بیرون رجسٹری عمرو کو مدعا علیہ نے واپس کردیئے تھے اور دستاویز مذکورہ کے فرضی ہونے کا مدعا علیہ کو بس بیرون کچہری اقرار ہے اس پر کچہری نے صرف ایک تنقیح قائم کی ہے آیا مبلغ ؏ منجملہ سو روپیہ زررہن کے جو مدعا علیہ کو ذریعہ عمرو روبرو رجسٹرار صاحب مدعیہ سے وصول ہوئے تھے وہ اُسی وقت بیرون رجسٹری عمرو مذکور کو واپس دیدیئے تھے، ثبوت ذمہ مدعا علیہ۔ تردید ذمہ مدعیہ۔ اور روبکار تنقیح مذکورہ میں یہ عبارت بھی درج ہے (مدعا علیہ بہ نسبت وصولیابی مبلغ ؏ منجملہ زررہن کے اقرار کا ذبہ کرنا بیان کرتا ہے اس کی نسبت مدعا علیہ چاہے تو مدعیہ سے حلف لے سکتا ہے) سوال یہ ہے کہ بحالت مذکورہ مدعیہ پر شرعاً حلف عائد ہوسکتا ہے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب ۔ ہاں ہوسکتا ہے کہ اب مدعا علیہ حقیقۃً مدعی اور مدعیہ مدعا علیہا ہے والیمین علی من انکر، درمختار میں ہے اقر ثم ادعی المقر انہ کاذب فی الاقرار یحلف المقر لہ ان المقر لم یکن کاذبا فی اقرارہ عند الثانی وبہ یفتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الصلح

مسئلہ (۱۴) ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلّو نے دو زوجہ رینا و منی اور بطن منی سے دختر صغریٰ اور دو بھائی چھٹن، عبداللہ اور تین بہنیں چھوٹی، ملوکی، سینا اور چودہ سو روپے نقد اور کچھ غلّہ اور پونے دو سو روپے ایک شخص پر قرض چھوڑ کر انتقال کیا، عبداللہ نے مال متروکہ میں سو روپے نقد لیکر باقی وارثوں سے فیصلہ کرلیا کہ اب مجھے ترکہ سے کچھ تعلق نہیں، پھر ملوکی نے دو پسر امام بخش و یار محمد اور دو دختر کہ ان کا نام بھی رینا و منی ہے چھوڑ کر وفات پائی۔ اس صورت میں ترکہ کلّو کا کس طرح منقسم ہوگا اور کلّو نے اپنا ایک بھتیجا بیٹا کرکے پالا تھا وہ بھی وارث ہوگا یا نہیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں وہ فیصلہ کہ عبداللہ نے کیا دو وجہ سے باطل ہے اما اولاً فلمکان الدین فی الترکۃ وقد صالح علی ان لایکون لہ حق فی شیئ مما بقی فینتظم العین والدین جمیعا والصلح عن دین باطل الا بین الدائن ومدیونہ فی الدرالمختار بطل الصلح ان اخرج احد الورثۃ وفی الترکۃ دیون بشرط ان تکون لبقیتھم لان تملیک الدین من غیر من علیہ الدین باطل اھ **اقول** ولایقتصر الفساد علی التصریح بھذا الشرط کما یوھمہ ظاھر تقیید التنویر بل ھو وما یؤدّی مؤداہ سواء فان المدار علی وقوع تملیک الدیون من غیر المدیون وھو حاصل فیما لو صالح لیشئ عن کل ما بقی من الترکۃ کما قررنا ویرشدک الیہ ما فی رد المحتار لوظھر فیھا دین ان کان الصلح وقع علی غیر الدین لایفسد وان وقع علی جمیع الترکۃ یفسد کما لوکان الدین ظاھرا وقت الصلح اھ ملخصا فقد جعل الصلح علی جمیع الترکۃ کالصلح بتصریح الشرط المذکور وبالجملہ فالفساد لایتوقف علی التنصیص بادخال الدین فی الصلح بل الجواز متوقف علی الافصاح باخراجہ ولھذا قال البزازی کما فی الشامی ان کان مخرجا من الصلح لایفسد والا یفسد اھ علق الصحۃ علی الاخراج وعمم فی الباقی الفساد ثم رأیت التصریح بہ فی الھندیۃ عن الظھیریۃ حیث قال ان کان فی الترکۃ دین علی الناس فصولحت (یعنی المرأۃ) علی الکل علی ان یکون نصیبھا من الدین للورثۃ اوصولحت علی الترکۃ ولم ینطقوا بشیئ اٰخر کان الصلح باطلا اھ واما ثانیا فلان نصیب عبداللہ من نقود الترکۃ اکثر مما صالح علیہ وذلک لان حصتہ من الف واربعمائۃ مثلا وھی سبعا الباقی بعد اخراج الفرضین مائۃ وخمسون درھما وانما اعطی مائۃ فکان البقیۃ شراء مائۃ وخمسین درھما وزیادۃ بمائۃ درھم وھذا ھو الربا المحرم قال فی الدرالمختار اخرجت الورثۃ احدھم عن نقدین وغیرھما باحد النقدین لایصح ان یکون اعطی لہ اکثر من حصتہ من ذلک الجنس تحرزا عن الربا اھ ملخصا وھذا ظاھر اذا لم یکن للازواج مھر علی المورث فان کان وکان بحیث یکون حصۃ عبداللہ مما یبقی بعد اداء الدین اقل من مائۃ

لکون الترکۃ مشغولۃ بالدین مانع بنفسہ عن صحۃ الصلح الا اذا عزل مقدار ما بقی بہ واجری الصلح فی ما بقی فی الشامیۃ عن البزازیۃ عن شمس الاسلام التخارج لا یصح اذا کان علی المیت دین ای یطلبہ رب الدین لان حکم الشرع ان یکون الدین علی جمیع الورثۃ اھ وقد کنت اوضحت معنی قولہ ای یطلبہ رب الدین فیما علقتہ علی ھوامش رد المحتار ثم رأیت التصریح بعینہ فی الھندیۃ عن الظھیریۃ ونصھا ان کان علیہ دین فصولحت المرأۃ عن ثمنھا علی شیئ لا یجوز ھذا الصلح لان الدین فی الترکۃ وان قل یمنع جواز التصرف فان طلبوا الجواز فطریق ذلک ان یضمن الوارث دین المیت بشرط ان لا یرجع فی الترکۃ او یضمن اجنبی بشرط براءۃ المیت او یؤدوا دین المیت من مال اٰخر ثم یصالحوھا عن ثمنھا اوصداقھا علی نحو ما قلنا وان لم یضمن الوارث ولکن عزلوا عیناً فیہ لدین المیت وفاء ثم تصالحوھا فی الباقی علی نحو ما قلنا جاز اھ پس صورت مستفسرہ میں بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات اگر زنان کلّو دونوں خواہ ایک کا مہر رہا اس کے سوا اور کچھ دین ذمہ کلّو ہو تو پہلے اُسے ادا کریں جو بچے اس کے تہائی سے کلّو کی وصیت اگر اُس نے کی ہو نافذ کرکے باقی کو ایک سو بارہ سہام پر تقسیم کریں سات سات کلّو کی ہر زوجہ اور چھپن صغریٰ اور بارہ بارہ چھٹن وعبد اللہ اور چھ چھ چھوٹی وسینا اور دو دو امام بخش ویار محمد اور ایک ایک دختران ملّوکو دیں اگر عبد اللہ کو اس تقسیم میں سو روپے سے زیادہ پہونچیں تو اس کا حصہ پورا کر دیں اور کم ملیں تو جتنا زیادہ پہنچ گیا ہے واپس لیں اور کلّو کا بھتیجا جسے اس نے بیٹا کرکے پالا اصلاً وارث نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۱۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زوجہ شہزادی بیگم اور نظام بیگم پدر حیدر علی دختر اعجاز فاطمہ وارث اور چار ہزار دو سو باون روپیہ نقد اور ایک مکان قیمتی ڈیڑھ ہزار روپیہ کا چھوڑ کر انتقال کیا، شہزادی بیگم کا مہر پانچ ہزار روپے تھا اس کے سوا کوئی قرضہ زید پر نہ تھا اور نہ کچھ متروکہ زید ہے باہم جملہ ورثا مذکورین میں یہ فیصلہ وقرار داد ہوا کہ نظام بیگم وحیدر علی ساڑھے سات سو روپیہ لے لیں اور بقیہ زر نقد ومکان دختر وزوجہ کے حصص شرعی اور زوجہ کے مہر میں کردیں زوجہ بھی اس پر راضی ہوئی اب دعوی مہر نہ رہا پس صورت مستفسرہ میں وہ مکان اور بقیہ روپیہ تین ہزار پانسو دو، زوجہ ودختر میں کس طرح تقسیم ہوگا۔ بیّنوا توجروا

الجواب ۔ زوجہ ودختر کا مہر وحصتین کے عوض مکان وبقیہ زر پر راضی ہونا تین احتمال رکھتا ہے :۔

(۱) زوجہ مہر سے دست بردار ہوئی اور اس بقیہ کو اپنی اور دختر پر حسب وراثت تقسیم ہونے پر رضا دی، اس صورت میں اس باقی کے ۵ سہام ہو کر ایک زوجہ اور چار دختر کو ملیں۔ (۲) یہ قرار پایا کہ اس بقیہ سے زوجہ اپنا کل مہر لے لے جو بچے زن ودختر میں وراثۃً تقسیم ہو اس صورت میں بقیہ سے پانچ ہزار مہر کے زوجہ لے گی اور دو ایک روپے کی جو مالیت بچی زن ودختر میں انھیں پانچ سہام پر تقسیم ہو جائے گی لیکن اس تقدیر پر دختر کا وقت فیصلہ بالغہ اور اس معنی پر راضی ہونا ضرور ہوگا۔ (۳) یہ ٹھہرا کہ باقی مذکور مہر وحصہ زوجہ وحصہ دختر سب پر حصہ رسد منقسم ہو، اس صورت میں مکان وزر بقیہ سب کے ۵۹۵ سہام ہو کر ۵۱۹ زوجہ کو ملیں اور ۷۶ دختر کو ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۱۶) از ریاست رامپور پیش کردہ مفتی عبدالقادر خاں صاحب حاکم ریاست ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوا اُس کی دو زوجہ ہندہ اور زبیدہ تھیں، زبیدہ کا انتقال اُس کی زندگی میں ہوگیا تھا مگر چند اولادیں اُس کے بطن سے تھیں اور ہندہ اُس کی بیوہ ابتک موجود ہے اور اُس سے بھی چند اولادیں ہیں: زبیدہ اور ہندہ کی اولادوں میں بعض بالغ ہیں اور بعض نابالغ، پس بعد فوت زید کے اُس کی بیوہ ہندہ نے بوجہ نااتفاقی جملہ وارثان کے اپنے دین مہر کی نالش دائر کرکے عدالت سے متروکہ زید پر ڈگری حاصل کرلی، لیکن ابھی تک ڈگری کا اجرا نہیں ہوا تھا کہ جملہ وارثان میں اتفاق ہوگیا اور ہندہ نے ایک اقرارنامہ متروکہ زید کے بابت رجسٹری میں تصدیق کرادیا جس کی نقل شامل سوال ہٰذا ہے۔ اُس کے بموجب عمل درآمد ہوگیا اور اپنے تین سہام میں سے ہندہ نے دو سہام بدست بکر کے بالعوض ڈھائی سو روپیہ کے رہن بھی کردیئے، اس کے ایک سال کے بعد اب ہندہ اُسی متروکہ پر جس کے بابت اقرارنامہ تصدیق کراکر رجسٹری کراچکی ہے اور عمل درآمد بھی ہوچکا ہے اپنی وہی ڈگری دین مہر کی جاری کرانا چاہتی ہے جس میں سراسر حق تلفی نابالغان متصور ہے اور خلاف اس اقرارنامہ کے اس متروکہ پر اس کا اثر پڑتا ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی حالت میں ہندہ کو یہ حق حاصل ہے کہ ڈگری جس کا تصفیہ کرچکی ہے جاری کراکر اسی متروکہ کو نیلام کراکے نابالغان کی جائداد کو نقصان پہنچائے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب۔ چند ہفتے ہوئے یہ سوال اور اُس پر مجتبٰا مولوی نواب سلطان احمد خاں صاحب کا لکھا ہوا جواب سائل نے پیش کیا اُس کے ساتھ کوئی نقل اقرارنامہ نہ تھی عبارت سوال سے کہ اُسی متروکہ کو نیلام کراکے نابالغان کی جائداد کو نقصان پہنچائے واضح تھا کہ متروکہ جائداد ہے سائل سے مقدار مہر ڈگری شدہ و مقدار جائداد متروکہ دریافت کی، اُس نے بیان کی اُسی کے بیان کے حوالہ سے یہ عبارت اُس جواب پر لکھدی گئی:۔

"بیان سائل سے معلوم ہوا کہ مہر کی ڈگری تین ہزار کی ہوئی اور جائداد تقریباً چار ہزار کی ہے لہٰذا ہندہ کا تین سہام پر فیصلہ کرلینا حق نابالغان پر کچھ بُرا اثر نہیں ڈالتا بلکہ اُن کو مفید ہے لہٰذا صلح نافذ ہے اور اب ہندہ کو اُس سے رجوع کرنے کا اختیار نہیں"۔ واللہ تعالٰی اعلم

کاغذ فتوٰی میں جگہ نہ تھی یہ عبارت حاشیہ لکھی گئی، سائل نے کہا یہ کچہری میں پیش ہوگا، حسب دستور لکھ کر مہر ہوجاتی، کہا گیا نقل کرلاؤ، نقل آئی جس میں سائل نے جواب نواب صاحب بھی باقی نہ رکھا سوال اور صرف یہاں کی تحریر نقل کردی مہر کردی گئی، اب یہ سوال مع نقل تقسیم نامہ پیش ہوا جس میں مقدار مہر کا کوئی ذکر نہیں اور جائداد متروکہ تین ہزار کی مالیت بتائی ہے اور اس کے دیکھنے سے واضح ہوا کہ متروکہ صرف جائداد نہیں بلکہ پانسو روپیہ متوفی کا یا متوفٰی ایک عورت کے ذمہ دین ہے وہ بھی شامل ترکہ ہے اور تقسیم نامہ میں یہ تحریر ہے کہ:۔

"باہم منمقرہ و دیگر وارثان اس طرح رضامندی ہوگئی کہ کُل متروکہ متوفی مالیتی تین ہزار پانچسو روپے کی تقسیم اس طور پر ہوئی کہ زرثمن پانسو روپے مذکور برائے صرف شادی وحیدن بیگم بنت متوفی بطنی زوجہ اولٰی کو دیئے گئے اور بقیہ تین ہزار دس سہام ہوکر تین سہام منمقرہ کے حصے میں آئے الٰی آخرہ"۔

باقی سات سہام میں دو سہام متوفی کے پسر کو دیئے ہیں اور ایک ایک اُس کی چار دختران موجودہ کو جن میں دو کہ بطن ہندہ مقرہ سے ہیں نابالغ ہیں اور ایک سہام متوفی کی پانچویں دختر متوفیہ کے وارثوں کو۔ ظاہر ہے کہ اس صلح سے ہر نابالغہ کو اپنے حق سے کئی حصّے زائد پہنچا تو صلح ان کے حق میں بہت نافع تھی، اس کا حکم وہی تھا کہ نافذ ہے اور ہندہ کو رجوع کا اختیار نہیں اس لئے سوال میں ذکرِ دَین نہ تھا بلکہ جائداد و نیلام کے الفاظ تھے کہ دین سے

علاقہ نہیں رکھتے، ایسی صورت میں مفتی عقد صحیح ہی پر حمل کرے گا، درمختار میں ہے لو لم یذکر فی صلح التخارج ان فی الترکۃ دینا ام لا فالصلح صحیح ولذا الو لم یذکرہ فی الفتوٰی فیفتی بالصحۃ ویحمل علی وجود شرائطھا مجمع الفتاوٰی[1] مگر اب ملاحظہ تقسیم نامہ سے ظاہر ہوا کہ ترکہ میں دین بھی ہے اور وہ صلح سے جُدا نہ کیا گیا بلکہ یوں داخل کیا گیا کہ احد الورثہ وحیدن بیگم کو اُس کا مالک ٹھہرایا، تو یہ غیر مدیون کو دین کا مالک کرنا ہوا اور وہ باطل ہے تو صلح کا یہ حصّہ باطل ہوا، اور جبکہ عقد واحد ہے تو اس کے بطلان نے بقیہ صلح کی طرف سرایت کی اور تمام صلح وتقسیم باطل ہوگئی، درمختار میں ہے بطل الصلح ان اخرج احد الورثۃ وفی الترکۃ دیون بشرط ان تکون الدیون لبقیتھم لان تملیک الدین من غیر من علیہ الدین باطل، ردالمحتار میں ہے ثم یتعدی البطلان الی الکل لان الصفقۃ واحدۃ اور جب صلح باطل ہوئی تو اُس کی بنا پر جو باہمی ابراء ٹھہرا تھا کہ "بعد تقسیم مذکور بالا ایک وارث کو دوسرے کے حصّے سے کوئی تعلق نہ رہا اگر بعد تقسیم ایک شخص دوسرے پر دعوٰی کرے تو ناجائز ہوگا" یہ بھی باطل ہوگیا لا لما فی الاشباہ اذا بطل الشیئ بطل ما فی ضمنہ وھو معنی قولھم اذا بطل المتضمن بالکسر بطل المتضمن بالفتح قالوا لو ابرأہ او اقرلہ ضمن عقد فاسد فسد الابراء کما فی البزازیۃ اھ لان ھذا الابراء یکتب فی الصلح عادۃ بعد ما جری بینھم الصلح فلم یثبت کونہ فی صلب عقد الصلح حتی یکون متضمّنا بالفتح ولا لما فی غمز العیون عن الزاھدی عن استاذ بدیع الدین انہ اختار ان الاقرار وان لم یکن فی صلب عقد الصلح لکنہ بناء علی الصلح الفاسد لایمنع الدعوٰی بعد ذلک اھ لان حکم الاقرار لایجب ان یکون حکم الابراء فان الاقرار تملیک من وجہ فیحتمل الارتفاع والابراء اسقاط والساقط لایعود بل لما فی الاشباہ من قولھم المبنی علی الفاسد فاسد اھ حتی لو اقر بطلاق زوجتہ ظانا الوقوع بافتاء المفتی فتبین عدمہ لم یقع کما فی الاشباہ والدر وغیرھما **اقول** ولا یرد علیہ ما فی الحموی عن القنیۃ ان ابراءہ بعد الصلح عن جمیع دعواہ وخصوماتہ صحیح وان لم یحکم بصحۃ الصلح اھ لان الابراء عن جمیع الدعاوی والخصومات شیئ زائد علی مفاد الصلح فانہ انما یقطع نزاعًا خاصًا لاکل خصومۃ بل اذا ادعی دارا ثم صالح مثلا علی نصفھا اوقیمتہ فانما تجاوز عن نصف دعواہ لا عن جمیعھا لوصول بعضھا الیہ عینا او بدلا واذا کان ھذا زائدًا علی قضیۃ الصلح کان کلاما مستقلا غیر مبتنٍ علی الصلح فلا یضرہ بطلان الصلح ونظیرہ اذا زاد فی الکلام علی قدر الجواب لم یجعل مجیبا بل صار مبتدئا فلا یعاد السوال فیہ کما نصوا علیہ لہٰذا صورت مستفسرہ میں ہندہ کو اجراء ڈگری سے کوئی مانع نہیں ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۱۴) ۔ از رامہ تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ تاج محمود صاحب ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ۔

جو کہ صلح ہے وہ واقع منازعہ حق انسان میں ہے یا حق خدائے تعالٰی میں بھی ہے۔

الجواب ۔ صلح اگر برضا ہے تو عنداللہ بھی ہوگئی اور دب کر ہے تو دنیا میں ہوئی آخرت میں مطالبہ باقی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتاب المضاربۃ

مسئلہ (۱۸) ۔ ازمیراں پور کٹرہ ضلع شاہجہانپور مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی اہل ہنود کو روپیہ تجارت کے لئے دیا جائے اور اس طرح پر کہ وہ کہے کہ جو نفع ہوا س میں سے نصف نصف تقسیم کرلیں گے، اکثر اس طریقہ سے روپیہ دیا بھی تھا۔

الجواب ۔ یہ طریقہ مضاربت کا ہے مسلمان کے ساتھ بھی جائز ہے مگر اس پر نقصان کی شرط حرام ہے اور ہندو کے ساتھ شرط نقصان بھی کرلینا جائز لانہ من عقد فاسد وھم لیسوا باھل ذمۃ ولا مستأمنین ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۱۹) ۔ ازموضع مخدوم پور ڈیہہ ڈاکخانہ مخدوم پور گیا ضلع گیا مرسلہ سید مخدوم بخش صاحب حنفی ۲۹ شوال ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص تجارت کرتا ہے دوسرے لوگوں کے روپے سے اس طریق پر کہ ہر سال بعد تمام اخراجات کے جو نفع ہوتا ہے اس میں سے ایک ربع خود اجر محنت لیتا ہے اور بقیہ تین ربع میں جن لوگوں کا روپیہ ہے انھیں دیتا ہے اگر یہ شخص شرکاء سے یہ معاہدہ کرے کہ اگر تم کو ہر سال ایک معین مقدار مثلاً بارہ روپے فیصدی سے کم نفع ہوگا تو اس کی کو ہم پورا کردیں گے اور اس سے زیادہ جو کچھ نفع ہو وہ بھی تمہارا ہے، آیا اس معاہدے کے سبب سے نفع تجارت داخل ربا ہو جائے گا یا نہیں، امید کہ جواب باصواب مسئلہ کے بحوالہ کتب فقہیہ بقید ابواب وفصول وصفحہ ومطبع سرفراز فرمائیں گے ۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ یہ معاہدہ حرام ہے مال والے اور یہ تاجر سب گنہگار ہوں گے اگرچہ کبھی کمی نہ واقع ہو اور کمی جو یہ پوری کرے گا اس کا پورا کرنا اسے حرام ہے اور اس زیادت کا لینا ان مال والوں کو حرام وربا ہے، درمختار صدر کتاب المضاربۃ جلد چہارم ردالمحتار مطبع قسطنطنیہ ص۶۳۲ ذکر شرائط مضاربت میں ہے وکون الربح بینھما شائعاً فلوعین قدرا فسدت وکون نصیب کل منھما معلوما عند العقد، ہندیہ کتاب المضاربۃ باب اول مطبع قاہرہ ملک مصر جلد چہارم ص۲۸۷ میں ہے فان قال علی ان لک من الربح مائۃ درھم اوشرط مع النصف او الثلث عشرۃ دراھم لاتصح المضاربۃ کذا فی محیط السرخسی، ہدایہ کتاب البیوع باب الربا مطبع مصطفائی جلد دوم ص۴۳ میں ہے الربا ھو الفضل المستحق لاحد المتعاقدین فی المعاوضۃ الخالی عن عوض شرط فیہ ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۲۰) ۔ ۷ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے تجارت بمضاربت بکر کے کی یعنی روپیہ زید کا تھا اور زید و بکر کے درمیان یہ قرار پایا تھا کہ تجارت مذکور میں جو نفع ونقصان ہوگا تو بکر تیسرے حصہ کا نفع ونقصان اپنے ذمہ لے گا اور زید دو حصہ، چنانچہ تجارت مذکورہ میں چونکہ قبل آنے مال کے روپیہ زیادہ مال سے ازروئے تخمینہ کے مال والوں کے پاس پہنچ گیا تھا وقت وصول ہونے مال کے روپیہ پہنچے ہوئے سے مال کم آیا اب

جو روپیہ کہ باقی مال والوں کے ذمّہ رہ گیا ہے تو اس صورت میں اگر وہ روپیہ وصول نہ ہو سکے تو زید بکر سے تیسرے حصّہ کے نقصان لینے کا از روئے شریعت کے مستحق ہے یا نہیں، دوسرے یہ کہ ایک عرصہ سے بکر بوجہ کوشش وصول کرنے روپیہ مذکور کے اپنی فکر معاش سے بھی معذور ہو رہا ہے، کچھ اس کا بدلہ زید پر ہے یا نہیں۔ تیسرے بکر نے باجازت زید ان اشخاص پر نالش وصول کرنے روپیہ کی کی، روپیہ وصول نہ ہوا تو خرچہ نالش میں صرف ہوگا تو زید بکر سے اُس خرچہ کے بھی تیسرے حصّہ کے نقصان لینے کا مستحق ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ مضارب کے ذمہ نقصان کی شرط باطل ہے وہ اپنی تعدّی و دست درازی و تضییع کے سوا کسی نقصان کا ذمہ دار نہیں جو نقصان واقع ہو سب صاحب مال کی طرف رہے گا نہ مضاربت صحیحہ میں مضارب اپنی محنت و کوشش کا کوئی بدلہ صاحب مال سے پانے کا مستحق ہے اُس کا بدلہ یہی ہے کہ نفع ہو تو حسب قرارداد اُس میں شریک ہوگا پس صورت مستفسرہ میں جو روپیہ وصول نہ ہو یا نالش میں جو خرچہ ہو زید اس کا کوئی حصّہ بکر سے نہیں لے سکتا اور جو محنت بکر پر پڑے وہ اُس کا بدلہ زید سے نہیں پا سکتا، ہندیہ میں ہے اما الشروط الفاسدۃ فمنہا ما تبطل المضاربۃ ومنہا ما لا تبطلہا وتبطل بنفسہا کذا فی النہایۃ قال القدوری فی کتابہ کل شرط یوجب جہالۃ الربح او قطع الشرکۃ فی الربح یوجب فساد المضاربۃ وما لا یوجب شیئا من ذلک لا یوجب فسادہا نحو ان یشترطا ان تکون الوضیعۃ علیہا کذا فی الذخیرۃ ہدایہ میں ہے کل شرط یوجب جہالۃ فی الربح یفسدہ لاختلاف مقصودہ وغیر ذلک من الشروط الفاسدۃ لا یفسدہا ویبطل الشرط کاشتراط الوضیعۃ علی المضارب عقود دریہ میں ہے سئل فیما اذا خسر المضارب فہل یکون الخسران علی رب المال الجواب نعم درمختار میں ہے المضاربۃ ایداع ابتداء وتوکیل مع العمل لتصرفہ بامرہ وشرکۃ ان ربح وغصب ان خالف وان اجاز رب المال بعدہ واجارۃ فاسدۃ ان فسدت فلا ربح للمضارب حینئذ بل لہ اجر مثل عملہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۰)۔ ۲۷ محرم الحرام ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک شخص کے کارخانہ تجارت میں تھوڑے روپے دیکر شریک ہونا چاہتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ چھتیس روپے سال مجھ کو اُس کے منافع میں سے دیا کرو اور اس سے زیادہ جو کچھ ہو تم لے لیا کرو بحق مضاربت اور اگر کم ہو تو اس کے بھی تم متحمل ہو، شرعاً یہ امر جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ ناجائز اور گناہ ہے لقطع الشرکۃ فی الربح و لالزام مانقص منہ علی المضارب وکل ذلک شرط فاسد والاول مفسد ایضا کما نصوا علیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۱)۔ ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مبلغ ایکسو پچاس روپیہ بکر کو بہ نیت تجارت دیئے کیونکہ بکر میز کرسی کا تاجر تھا، اُس نے مبلغان مذکورہ کا ساٹھ من بیٹ خریدا اور سال تمام پر ساٹھ روپے منافع ہوئے لیکن بکر زید کو بایں حساب پانچ روپے ماہوار دیتا رہا، اس عرصہ میں بیٹ بکر نے بھی خریدا اور کبھی نہیں خریدا لیکن ہمیشہ پانچ روپے ماہوار دیتا رہا، بعد ایک عرصہ کے بکر نے قضا کی، ایک وارث بکر نے وہ مبلغان مذکور اپنے ذمے لیکر موافق بکر کے پانچ روپے ماہوار دیئے، لیکن چند ماہ کے بعد وارث بکر نے یہ کہا کہ اس طرح روپیہ دینا ماہواری جائز نہیں لہذا

جو روپیہ ذمہ بکر کے تھا میں ادا کرتا ہوں، چونکہ زید ایک ضعیف شخص ہے اور طاقت تجارت وغیرہ کی خود نہیں رکھتا ہے، اس کی غرض یہ ہے کہ یہ روپیہ وارث بکر کے پاس باقی رہے یا شرع مطہر کوئی طریقہ اُس ایسا ارشاد فرمائے کہ ہم کو موافق سابق کے یا اس سے کم و بیش ملے۔ بینوا توجروا

الجواب۔ ایک رقم تعیین کر دینا کہ نفع ہو یا نہ ہو کم ہو یا زائد ہر طرح اس قدر ماہوار دیں گے ضرور حرام ہے بلکہ وارث بکر زر زید کو تجارت میں لگائے زید نفع نقصان دونوں کا متحمل رہے نفع ہو تو جس قدر ہو اتنا ہی زید کو دیا جائے اُس سے زیادہ اصلا نہ لے، یہ بھی اُس صورت میں جائز وارث بکر محض احساناً اُس کا روپیہ تجارت میں لگائے اور اُس کے نفع میں اپنا حصہ نہ چاہے ورنہ جو باہم قرار داد ہو جائے اتنا حصہ نفع میں اپنا لے کر باقی زید کو دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۔ - - - - - - - - - - - - - - -

کیا ارشاد ہے علمائے دین کا اس مسئلہ میں کہ ربُّ المال اور مضارب میں وقت دینے مال کے نفع کی تعیین ہو جانی چاہئے کہ مضارب نفع میں سے نصف لے گا یا ثلث وغیرہ، یا بعد حصول نفع کے دونوں باہم تراضی سے طے کر لیں اگر بوقت مال دینے کے طے کریں تو اسی جلسہ میں ہو، اگر جلسہ بدل جائے تو حرج تو نہیں، ربُّ المال نے مضارب کو ایک شہر معین میں بھیجا اُس نے وہاں جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہاں فروخت کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا تو اب اُس کو کیا کرنا چاہئے، ربُّ المال کے پاس واپس جائے یا دوسرے شہر میں جہاں مناسب جانے کام کرے، یا شہر معین میں فروخت کرتے کرتے مال بچ رہا تو مابقی کو لوٹا لائے، یا دوسری جگہ مناسب پر فروخت کر دے اگر ربُّ المال وقت عقد کے توسیع کر دے کہ جہاں مناسب سمجھے جو اور جو بات مفید دیکھے وہ کرے تو اس کے اختیارات وسیع ہو جائیں گے یا نہیں، ربّ المال کے ذمہ سفر خرچ خورد و نوش مضارب کا ہے اس سے مراد طعام بقدر ضرورت ہے یا دیگر اشیاء بھی مثلاً اس کا جی چاہا فصل کی کوئی شئے کھا لی یا روٹی سالن کافی تھا کہ اُس نے پلاؤ زردہ کھایا، یا کسی مسکین کو خیرات میں کچھ دیا، یا لباس کی ضرورت پر کپڑا خرید کر استعمال کیا مثلاً ٹوپی کافی ہو سکتی تھی کہ اُس نے عمامہ خریدا یا اس کی حیثیت کے موافق ایک آنہ کی ٹوپی مناسب تھی کہ اُس نے چار آنے کی خریدی۔

الجواب۔ نفع میں حصہ شائعہ مضارب کا تعین نفس عقد میں ضرور ہے اگر عقد بلا تعیین حصہ شائعہ کیا مثلاً تجھے مضارب کیا اس شرط پر کہ کچھ نفع مجھے دیدیا کرنا اس شرط پر کہ جتنا چاہوں اتنا نفع تجھے دیا کروں تو عقد فاسد و حرام ہے، بلکہ اگر یوں کہا کہ زید و عمرو میں باہم جتنے نفع پر مضاربت ہوئی ہے اسی قدر پر میں نے تجھ سے مضاربت کی اور عاقدین میں ایک کو اُس کی مقدار معلوم نہیں، عقد فاسد ہوگا اگرچہ دوسرے کو معلوم ہو، ہاں اسی جلسہ میں تعیین کر لیں یا علم ہو جائے تو جائز ہو جائے گا لان المجلس یجمع الکلمات تبدّل جلسہ ہوتے ہی فساد متقرر اور گناہ مستقر ہو جائے گا۔ والمسائل کلہا معلومۃ من الفقہ درمختار میں ہے شرطہا کون الربح بینہما شائعا فلو عین قدرا فسدت وکون نصیب کل منہما معلوما عند العقد۔ ہندیہ میں ہے وقع الی غیرہ الف درہم مضاربۃ علی مثل ما شرط فلان لفلان من الربح فان علم رب المال والمضارب بما شرط فلان لفلان تجوز وان لم یعلما لا تجوز وکذا اذا علم احدہما وجہل الاٰخر ہٰکذا فی المحیط ولو دفع الیہ مضاربۃ علی ان یعطی المضارب رب المال ما شاء من الربح فہٰذہ مضاربۃ فاسدۃ کذا فی المحیط مضارب جہاں مناسب جانے مال لے جا سکتا ہے اُس میں اذن ربّ المال کی حاجت نہیں جبکہ رب المال اُسے مقید نہ کر دے، ہاں مقید کر دیگا

کراچی شہر یا خاص فلاں شہر ہی میں خرید و فروخت کرے، یا صرف فلاں موسم میں یا خاص فلاں شخص یا اشخاص سے، یا خاص فلاں مال کی تجارت کرے، تو مضارب اس کے اتباع کا پابند ہو جائے گا مخالفت کرے گا تو تاوان دے گا، اگرچہ رب المال نے عقدِ مضاربت کے بعد یہ تقییدات کردی ہوں، جب تک روپیہ بدستور باقی ہے ابھی مضارب نے اُس سے مال نہ خریدا، خریداری کے بعد پھر رب المال مطلق مقید نہیں کر سکتا، درمختار میں ہے یملك المضارب فی المطلقة التی لم تقید بمکان او زمان او نوع (او شخص ش) البیع بنقد ونسیئة متعارفة والشراء والتوکیل بهما والسفر برا وبحرا لا تجاوز بلدا وسلعة او وقت او شخص عینه المالك لان المضاربة تقبل التقیید المفید ولو بعد العقد مالم یصر المال عرضا لانه حینئذ لایملك عزله فلا یملك تخصیصه فان فعل ضمن بالمخالفة اهملتقطا رب المال اگر مضارب کی رائے پر چھوڑ دے کہ جو مناسب جانے کرے تو ضرور اُس کے بعض اختیارات وسیع ہو جائیں گے مثلاً مطلق مضاربت میں اُسے یہ اختیار نہ ہو تا کہ دوسرے کو اپنی طرف سے یہ مال مضاربت دے یا راس المال اپنے روپے میں ملالے اور جب رب المال نے یہ کہا کہ تیری رائے پر چھوڑا تو ان امور کا بھی مختار ہو جائے گا ہاں کسی کو روپیہ قرض دینا یا کسی سے قرض لینا اب بھی جائز نہ ہو گا جب تک کہ مالک صراحۃً اس کا اذن نہ دے، درمختار میں ہے لایملك المضاربة والشرکة والخلط بمال نفسه الا باذن او اعمل برایك اذ الشیئ لایتضمن مثله ولا الاقراض والاستدانة ان قیل له اعمل برایك لانهما لیسا من صنیع التجار فلم یدخلا فی التعمیم مالم ینص المالك علیهما فیملکهما مضاربت صحیحہ میں جبکہ مضارب مالِ مضاربت لے کر بغرض مضاربت سفر کرے اگرچہ ایک ہی دن کا سفر ہو تو ایام سفر کا نفقہ، کھانا، پینا، پہننا، سواری، بچھونا، تکیہ، تیل، بتی، کپڑوں کی دُھلائی، خط بنوائی، خدمت گزاری کی اجرت، سواری کا دانہ چارہ، سرا کی کوٹھری، چارپائی کا کرایہ، اور ان کے مثل ہر معمولی و دوامی حاجت حسب عادت تجار بقدرِ معروف مضارب پر ہو گی یہ خرچ مال پر ڈالا جائیگا جو اُسے مجرا دے کر بچا وہ نفع سمجھا جائے گا، اور اگر نفع نہ ہوا تو یہ خرچ اصل مال پر پڑے گا اور مضارب اس کا کچھ عوض نہ دے گا، درمختار میں ہے واذا سافر ولو یوما فطعامه وشرابه وکسوته ورکوبه ولو بکراء وکل مایحتاج فی عادة التجار بالمعروف فی مالها لو صحیحة لافاسدة لانه اجیر فلا نفقة له وان عمل فی المصر فنفقته فی ماله کدوائه علی الظاهر اما اذا نوی الاقامة بمصر ولم یتخذه دارا فله النفقة (ابن ملك[1]) ویأخذ المالك قدر ما انفقه المضارب من راس المال ان کان ثمه ربح فلا شیئ علی المضارب مگر بقدرِ معروف کی قید لگی ہوئی ہے روٹی سالن معروف تھا تو پلاؤ زردہ کی اجازت نہیں، ٹوپی کی عادت ہے عمامہ نہیں لے سکتا ایک آنہ کی ٹوپی معتاد ہے دو آنہ کی نہ لے گا، فصل کے میوے برف کی قلفیاں مٹھائی کے دونے سوڈے کی بوتلیں یہ اپنی جیب خاص سے کھائے پیئے، مالِ مضاربت پر حوائج ڈالتے ہیں یہ حوائج نہیں۔ اسی طرح کنگھی سرمہ ہلیل دوا مالِ مضاربت سے نہ کرے گا، عالمگیری میں ہے النفقة هی مایصرف الی الحاجة الراتبة وهو الطعام والشراب والکسوة وفراش ماینام علیه والرکوب والف دابته، محیط السرخسی وغسل ثیابه والدهن فی موضع یحتاج الیه واجرة الحمام والحلاق و انما یطلق فی جمیع ذلك بالمعروف حتی یضمن الفضل ان جاوزه هکذا فی الکافی وعن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی انه سئل عن اللحم فقال کما کان یاکل" ذخیرة" واما الدواء والحجامة والکحل ونحو ذلك فی ماله خاصة دون مال المضاربة ولو استاجر اجیرا یخدمه فی سفره احتسب بذلك علی مال المضاربة "مبسوط" واللہ تعالٰی اعلم

[1] لعل المراد منه عبد اللطیف ابن عبد العزیز الشهیر بابن ملك۔

مسئلہ ۲۳ - - - - - - - - - - - - - از موضع سابق

جواب کے بعض عبارت کی تشریح مطلوب ھے

۱ے جبکہ مضارب کو اختیار دیدیا کہ جہاں چاہے کام کر، اور اُس نے شہر ہی میں فروخت کرنا شروع کیا اور مضارب فقیر ہے یعنی اپنے پاس سے خرچ نہیں کرسکتا تو اس صورت میں اس کا نفقہ رب المال کے ذمہ ہوگا یا نہیں **قال** یہ خرچ مال پر ڈالا جائے گا جو اسے مجرا دیکر بچا وہ نفع کہا جائے گا **اقول** اس کی دو صورتیں اس وقت خیال میں آتی ہیں ایک یہ کہ رب المال نے ایک مجمل رقم مضارب کو دی تھی اس نے اس میں سے اکثر کا مال خریدا اور قلیل اپنے خرچ کے واسطے رکھ لی، جب یہ خرچ ہوگئی مال کی آمدنی میں سے صرف میں لایا دوسرے یہ کہ رب المال نے ایک رقم معین مال خریدنے کے واسطے دی، مضارب نے اس سب کا مال خریدا اور سفر خرچ وغیرہ اپنے گھر سے کیا، ان دو صورتوں میں تو بیشک مضارب مصارف مجرا کرکے نفع کی تقسیم کرے۔ تیسری صورت یہ کہ رب المال نے ایک رقم خاص واسطے خرید اموال کے معین کردی اور ایک رقم خاص واسطے نفع وسفر خرچ وغیرہ کے دیدی تو اب یہ مصارف مال مضاربت پر کیوں پڑیں گے بلکہ اس رقم صرف میں سے بعد خرچ کے جتنا بچ رہے گا وہ واپس دینا ہوگا ہاں اگر رقم سب صرف میں آگئی اور کچھ زائد خرچ کرنے کی ضرورت ہوئی تو اب جو کچھ خرچ ہو وہ مال مضاربت پر پڑے روپیہ بدستور رہنے کی صورت میں جیسے اختیار مطلق کو مقید کرسکتا ہے یوہیں مقید کو مطلق بھی کرسکتا ہے یا نہیں ؟ افیدونا رحمکم اللہ۔

الجواب ۱ے جبتک اپنے وطن میں ہوگا نفقہ نہ پائے گا اگرچہ خرید وفروخت وکار مضاربت کرتا رہے اگرچہ رب المال دوسری جگہ کا ساکن ہو اور وہیں اس سے عقد مضاربت کیا ہو، اسے سفر خرچ دیا جاتا ہے اور یہ جبتک وطن میں ہے مسافر نہیں، اسی طرح اگر اس کے غیر وطن میں رب المال نے اسے روپیہ دیا یہ وہاں بطور مسافرت گیا ہوا تھا تو فی الحال جبتک اس شہر میں ہے نفقہ نہ پائے گا اگرچہ کار مضاربت انجام دے کہ اس بار اس کا یہ سفر مضاربت کے لئے نہ تھا بلکہ قبل عقد مضاربت تھا، ہاں جب وہاں سے چلا جائے گا اور پھر بغرض مضاربت وہاں آئے گا تو سفر خرچ پائے گا کہ اب یہ سفر بغرض مضاربت ہے، بخلاف وطن مضارب کہ اگر جائے مضاربت سے سفر ہی کرکے خاص کار مضاربت ہی کے لئے اپنے وطن کو آئے، جبتک وطن میں رہے گا نفقہ نہ ملے گا کہ وطن میں آدمی کسی طرح آئے مسافر نہیں رہ سکتا، بدائع ومحیط وفتاوی ظہیریہ وبحر الرائق وردالمحتار میں ہے لوأخذ مالا بالکوفۃ وھو من اھل البصرۃ وکان قدم الکوفۃ مسافرا فلا نفقۃ لہ فی المال مادام فی الکوفۃ فاذا خرج منھا مسافرا فلہ النفقۃ حتی یاتی البصرۃ لان خروجہ لاجل المال ولا ینفق من المال مادام بالبصرۃ لان البصرۃ وطن اصلی لہ فکانت اقامتہ فیہ لاجل الوطن لا لاجل المال فاذا خرج من البصرۃ لہ ان ینفق ایضا اما اقام بالکوفۃ حتی یعود الی البصرۃ لان وطنہ بالکوفۃ کان وطن اقامتہ وانہ یبطل بالسفر فاذا عاد الیھا ولیس لہ بھا وطن کانت اقامتہ فیھا لاجل المال۔ ۲ے مجمل رقم دینا بے معنی ہے مضاربت میں راس المال کا معلوم ہونا شرط ہے ورنہ عقد فاسد وگناہ ہوگا۔ عالمگیری میں ہے اما شرائطھا الصحیحۃ فمنھا ان یکون راس المال معلوما عند العقد حتی لا یقعا فی المنازعۃ فی الثانی الخ۔ ۳ے مضارب اگر اپنے پاس سے خرچ کرے گا جب بھی مال مضاربت سے مجرا پائے گا اگر رب المال سے مجرا لینے کا حق نہیں رکھتا یہانتک کہ اگر مال مضاربت تلف ہوجائے تو اس کا خرچ بھی گیا، رب المال سے اس کا مطالبہ نہ کرسکے گا۔ عالمگیری میں ہے ان انفق المضارب من مال نفسہ او استدان علی المضاربۃ رجع فی مال المضاربۃ بذلک ویبدأ

برأس المال ثم یثنی بالنفقۃ ثم یثلث بالربح و ان ھلک مال المضاربۃ لم یرجع علی رب المال بشیئ کذا فی الذخیرۃ ۔۔۔
ہاں رقم خاص جو سفر خرچ کے لئے اسی عقد مضاربت کی بناپر دی وہ مضاربت ہی میں شامل ہے، ہاں اگر جُدا رقم دیکر تصریح کردی کہ میں تیرا سفر خرچ تبرعاً اپنے پاس سے دیتا ہوں، جوکچھ راس المال پر بڑھے گا وہ تمام وکمال نفع سمجھا جائے گا اور تو اس سے جُدا پائے گا تو یہ اُس کا احسان ہے اُسے اختیار ہے پھر اگر وہ منع کردے تو اس پر جبر نہیں مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ مقید کو ہر وقت مطلق کرسکتا ہے کہ منع رب المال ہی کے حق کے لئے تھا، صاحبِ حق کو اپنے حق سے درگزر کرنے کا اختیار ہے یا حق یا صمنا کل حق بغناک وفقرنا بتجاوز عما لک من الحقوق علینا وبکرمک تحمل عنا ما لعبیدک فانک اکرم الاکرمین وصلی اللہ تعالٰی علی اکرم الخلق محمد و اٰلہ الکرماء اجمعین اٰمین والحمد للہ رب العلمین واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴ ۔ از الٰہ آباد محلہ حمام مرسلہ حکیم سید قنبر علی صاحب ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ۔

زید نے خالد کو جو کہ سوداگر ہے پانچ سو روپے بدیں معاہدہ قرض دیا کہ اس پانسو روپے سے خالد جو کاروبار تجارت مناسب جانے کرے اور جو منافعۂ تجارت ہو اُس میں سے صرف ایک آنہ فی روپیہ زید کو دے باقی کُل رقم منافع خالد اپنے حق المحنت میں لے اور جو نقصان تجارت میں ہو اس میں بعد فہمید حساب وکتاب زید صرف فی روپیہ کے حساب سے اصل میں مجرا دے گا، باقی کل تاوان خالد ادا کرے گا، ایسا معاہدہ داخلِ سود ناجائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ ایسا معاہدہ بلاشبہہ ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵ ۔ از پاٹن شمالی گجرات مرسلہ عبدالقادر محمد فضل صاحب ۲۳ ربیع الاوّل شریف ۱۳۳۸ھ۔

ما قولکم نفع الانام بکم فی زید وعمرو اتفقا علی ان یتجرا بان یکون راس المال من زید وان یکون عمرو مضاربا و شرع عمرو فی العمل فانتخب التجارۃ بالربح اولا عقب الحساب بینھما واقتسما علی موجب شرطھما ثم اضاف ما نابہ من الربح علی مال زید واخذ فی اسباب التصرف وسار ینفق من مال الشرکۃ علی نفسہ فی ماکلہ ومشربہ وکسوتہ ویھب یتصدق دیزور النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویحج کل ذٰلک بغیر اذن شریکہ ولم یظھر الربح بل لحق راس المال خسارۃ فھل یضمن عمرو ما انفق فی الوجوہ المذکورۃ حیث کان ذٰلک بغیر اذن الشریک یکون الضمان فی مالہ خاصۃ ام یکون دینا اذا بقی افتونا ماجورین۔

الجواب ۔ کل ما انفق فی الھبات والصدقات والحج والزیارۃ الشریفۃ یحسب علیہ من مال نفسہ لاشیئ منہ علی صاحبہ وکذا ما انفق علی نفسہ وھو مقیم بمصر المضاربۃ ای البلد الذی اخذ فیہ المال مضاربۃ اووطنہ سواء کان مولدہ او اتخذہ دارا وکذا ما انفق فی الخروج الی موضع یغدو الیہ ثم یروح ویبیت باھلہ وکذا جمیع النفقات علی الاطلاق ان کانت المضاربۃ فاسدۃ فانہ لیس فیھا للمضارب الا اجر مثل عملہ نعم اذا کانت صحیحۃ وخرج المضارب للتجارۃ الی حیث لایؤویہ اللیل بمنزلہ ان فعل فنفقتہ بالمعروف طعامہ وشرابہ ولباسہ وفراشہ و

رکوبه وخادمه ونفقة خادمه كل ذلك فى مال المضاربة حتى يؤب لا الزائد على المعروف فانه مضمون عليه غيران عمرا اضاف اليه شيئا من مال نفسه فيقتسم النفقات المعروفة على كلا المالين بحسبهما فما اصاب مال المضاربة فذاك وما اصاب مال عمرو حسب عليه من مال نفسه وكل ماذكرنا انه يحسب عليه ان كفاه ماله فبها وما فضل وتعدى الى مال المضاربة يضمنه وهو دين عليه يؤخذ منه حيث لا ربح۔ هذا كله لم يخلط او خلط وكان زيد قال له ان اعمل فيه كما ترى اوكان الخلط هناك معروفا بين التجار اما اذا عرى عن هذه الوجوه ضمن مال زيد تماما لانه استهلكه بالخلط بغير اذن ولا عرف فعاد غاصبا بعد ما كان مضاربا فعليه وضيعة وله ربحه ولا يطهر له ربح مال المضاربة عند الامام ومحمد رضى الله تعالٰى عنهما فيتصدق به الا اذا اختلف الجنس فان الربح لا يظهر الا عند اتحاده فى الدر المختار اذا سافر ولو يوما (المراد ان لايمكنه المبيت فى منزله فان امكن ان يعود اليه فى ليله فهو كالمصر لا نفقة له بحر اھ شامى) فطعامه وشرابه وكسوته وركوبه ولو بكراء وكل ما يحتاجه فى عادة التجار بالمعروف فى مالها لو صحيحة لا فاسدة لانه اجير فلا نفقة له وان عمل فى المصر سواء ولد فيه او اتخذه دارا فنفقته فى ماله كدوائه اما اذا نوى الاقامة بمصر ولم يتخذه دارا فله النفقة ما لم ياخذ مالا (يعنى اما اذا كان قد اخذ مال المضاربة فى ذلك المصر فلا نفقة له ما دام فيه ولا يخفٰى ما فيه من الايجاز الملحق بالالغاز اھ شامى اقول مثله ليس من الايجاز فى شیئ بل وقع من القلم اقتصارا مخلا) ولو سافر بماله ومالها او خلط باذن انفق بالحصة واذا قدم رد ما بقى "مجمع" ويضمن الزائد على المعروف وياخذ المالك قدر ما انفقه المضارب من راس المال (متعلق بانفق اھ ش) ان كان ثمه ربح فان استوفاه وفضل شیئ اقتسماه على الشرط لان ما انفقه يجعل كالهالك والهالك يصرف الى الربح وان لم يظهر ربح فلا شیئ على المضارب اھ وفيه لا يملك الخلط بمال نفسه الا باذن او اعمل برأيك اھ قال ش وهذا اذا لم يغلب التعارف بين التجار فى مثله كما فى التاتارخانيه اھ ثم ذكر عنها ما اذا دفع الى رجل الفا مضاربة بالنصف ثم الفا اخرى كذلك فخلط المضارب المالين وفصل صورها واحكامها وهى ستة عشر وجها قد بسطها فى الهنديه عن المحيط باوضح لما بيّنا[عـه] اقول واستخرجت لها ضابطة هى ان الخلط اذا وقع على مال له فيه اذن او عرفا او ربح فيه خاصة او لا ربح فى شیئ من مالى المضاربة لم يضمنه والا ضمن تمت الضابطة اى اذا وقع على ما ليس له فيه اذن ولا ربح يختص به ولا عدم ربح يعمهما بان ربح فى المال الاٰخر خاصة او فيهما معا فانه يضمنه فان كان كلا المالين على الوجه الاول لم يضمن شيئا منهما او على الثانى ضمنهما معا او احدهما على الاول والاٰخر على الثانى لم يضمن الاول وضمن الاٰخر۔ هذا اذا خلط احد مالى زيد بالاٰخر فكيف اذا خلط بمال نفسه وفى البحر ليس له ان يخلط مال المضاربة بماله ولا مال غيره الا ان يقول له اعمل برأيك اھ وقال بعد ثلثة اوراق انما لا يضمن لان رب المال قال له اعمل برأيك فيملك الخلط بخلاف ما اذا لم يقل فانه لا يكون شريكا بل يضمن كالغاصب اھ وفى الهداية ما يفعله المضارب

[عـه] فى الاصل هكذا العله مما بيناه

انواع، نوع لا یملکہ بمطلق العقد ویملکہ اذا قال لہ اعمل برأیک مثل خلط مال المضاربۃ بمالہ او مال غیرہ اھ وفیہا انتظم قولہ اعمل برأیک الخلطۃ فلا یضمنہ اھ وفی العنایۃ اعمل برأیک یتناول الخلط فصار شریکا فلم یکن غاصبا فلا یضمن اھ وتمامہ قال فی الخانیۃ لیس لہ ان یخلط مال المضاربۃ بمالہ او مال غیرہ ولو کان رب المال قال لہ اعمل فیہ برأیک کان لہ ان یخلط اھ وفیہا لو لم یقل اعمل برأیک الا ان معاملۃ التجار فی تلک البلاد ان المضاربین یخلطون المال ولا ینہاھم رب المال قالوا ان غلب التعارف بینہم فی مثلہ نرجوان لا یضمن وتکون المضاربۃ بینہما علی العرف اھ وفیہا وفی وجیز الکردری واللفظ لہا۔ رجل دفع الی غیرہ مالا مضاربۃ ثم ان المضارب شارک رجلا اخر بدراہم من غیر مال المضاربۃ ثم اشتری المضارب وشریکہ عصیرا من شرکتہما ثم جاء المضارب بدقیق من المضاربۃ فاتخذ منہ ومن العصیر فلالیج[ب] قالوا ان اتخذ الفلالیج باذن الشریک ینظر الی قیمۃ الدقیق قبل ان تتخذ منہ الفلالیج والی قیمۃ العصیر فما اصاب حصۃ الدقیق فھو علی المضاربۃ وما اصاب حصۃ العصیر فھو بین المضارب وبین الشریک لکن ھذا اذا کان رب المال قال لہ اعمل فیہ برأیک فان لم یکن قال ذلک وفعل المضارب ذلک بغیر اذن الشریک فالفلالیج تکون للمضارب وھو ضامن مثل الدقیق لرب المال ومثل حصۃ الشریک من العصیر للشریک فان کان رب المال اذن لہ فی ذلک والشریک لم یاذن فالفلالیج تکون للمضاربۃ والمضارب ضامن حصۃ شریکہ من العصیر وان کان الشریک اذن لہ بذلک ورب المال لم یاذن لہ فالفلالیج تکون بینہ وبین الشریک وھو ضامن لرب المال مثل الدقیق اھ فلا ادری ما فیہا من قولہ المضارب اذا سافر بمال المضاربۃ ومال نفسہ توزع النفقۃ علی المالین سواء خلط المالین او لم یخلط قال لہ رب المال اعمل فیہ برأیک او لم یقل والسفر ومادون السفر فی ذلک سواء اذا کان لا یبیت فی اھلہ اھ لانہ ھذا حکم المضاربۃ واذا خلط بغیر اذن ضمن والضمان والمضاربۃ لا یجتمعان کما فی البزازیۃ من نوع فی ھلاک مالہا فلیحرر وبقیۃ الاحکام واضحۃ دائرۃ فی الکتب کالخیریۃ والہندیۃ وغیرہما وذکرت غیر مرۃ فی فتاونا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶ ـ از بازار جام تحصیل بہیڑی ضلع بریلی، مسئولہ محمد سعید صاحب ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شرکت کرنا اس طرح سے روزگار میں کہ زید نے عمرو کو سو روپے دیئے اور کہا کہ اس سے جو چاہو روزگار، جو چاہو کر یا فلاں لیکن مجھ کو دس روپے تم فیصدی دینا یا یوں کہا کہ جو تیری طبیعت میں آئے وہ دینا یا آنہ

[ب] الذی فی البزازیہ فلانج بالتاء الفوقانیۃ وذکر فیہا ما نصہ اعطاہ الفا وقال اعمل برأیک ثم اشتری المضارب مع شریکہ عصیرا علی الشرکۃ فاتخذ المضارب من دقیق المضاربۃ والعصیر المشترک فلانج باذن الشریک فالفلانج علی المضاربۃ وضمن المضارب لشریکہ قیمۃ العصیر ما نصہ الخ وکتبت علیہ ما نصہ اقول ھذا اسبق قلم وانما ھو حکم ما اذا فعل باذن رب المال دون الشریک کما سیذکرہ بقولہ وان یاذن رب المال لا الشریک فالفلانج علی المضاربۃ ویضمن حصۃ العصیر لشریکہ الخ اما حکم ھذا فما ذکر فی الخانیۃ انہ ینظر الی قیمۃ الدقیق الخ ۱۲ منہ غفرلہ۔

روپیہ کا نفع تعین کر دیا، ایا عمرو کو بیشی ہو کہ کمی، خالد کہتا ہے کہ تعین کرنا سود ہے۔ فقط

الجواب ۔ یہ کہ جو طبیعت میں آئے دینا ناجائز ہے کہ تعین نہ ہوا اور یہ کہ دس فیصدی یا آنہ روپیہ دینا اگر اس سے مراد ہے کہ جو روپے اس کو تجارت کے لئے دیئے ہیں ان پر فیصدی دس یا فی روپیہ ایک آنہ مانگتا ہے تو حرام قطعی اور سود ہے اور اگر یہ مراد کہ جو نفع ہو اس سے دسواں یا سولھواں حصّہ دینا تو یہ حلال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الامانات

مسئلہ ۔ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محمد یعقوب خاں کے مبلغ چھ روپے نیاز احمد کے ذمہ عرصہ کے چاہیئے تھے، نیاز احمد کے پاس یعقوب خاں نے مبلغ بیس روپے دیکھ کر مبلغ چھ روپے اپنے لئے لئے، نیاز احمد نے کہا کہ یہ روپے میرے نہیں ہیں عنایت اللہ کے ہیں، یہ کہنا نیاز احمد کا یعقوب خاں نے کچھ نہ سنا روپے اپنے لے لئے پھر عنایت اللہ یعقوب خاں کے پاس آئے کہ روپے میرے تھے واپس کردو، یعقوب خاں نے جواب دیا کہ میں نے نیاز احمد سے روپے لئے ہیں تم نیاز احمد سے طلب کرو مجھ سے کیا واسطہ۔ پس موافق شرع شریف کے یعقوب خاں کو روپے لینا جائز ہوئے یا نہیں اور عنایت اللہ اپنے روپے کا نیاز احمد سے تقاضہ کریں یا یعقوب خاں سے۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ اگر یعقوب خاں کو معلوم تھا یا ثابت ہوگیا تھا کہ فی الواقع یہ روپے نیاز احمد کے نہیں دوسرے شخص کے ہیں تو لینا ناجائز وگناہ ہوا ورنہ قبض دلیل ملک ہے اور دائن جب مدیون کا مال اپنے حق کی جنس سے پائے اور وہ دین از قبیل قرض یا معجل یا اجل گزشتہ ہو تو بے طرح لے لینے کا اختیار رکھتا ہے وذلك بالاجماع وانما النزاع فی خلاف الجنس کما فی الدر المختار وغیرہ۔ رہا عنایت اللہ کا مطالبہ اگر نیاز احمد نے یعقوب خاں کو خود روپے نہ دیئے بلکہ یعقوب خاں نے بالجبر چھین لئے تو نیاز احمد سے مطالبہ نہیں یعقوب خاں سے ہے فانہ امین ولاضمان علی الامین الا بالتعدی ولا تعدی من المقهور المغلوب، اور اگر یعقوب خاں کے مانگنے یا زبانی اصرار پر دیدیئے اگرچہ کتنا ہی اصرار کیا ہو یعقوب خاں نے چھیننے چاہے یہ اگر چاہتا تو بچا لیتا مگر نہ بچائے بلکہ دیئیے تو نیاز احمد و یعقوب خاں دونوں ضامن ہیں عنایت اللہ جس سے چاہے مطالبہ کرے فان الثانی غاصب بالاخذ والاول بالدفع وترك الحفظ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸ ۔ از کٹھور ضلع سورت اسٹیشن سائن مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب ـــــــ ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

ما قولکم دام فضلکم ایها العلماء العظام والفقهاء الکرام زادکم اللہ تعالٰی تعظیماً وتکریماً لدیه۔ اس صورت میں کہ مثلاً زید کو ہندہ نے پانچ گنی فروخت کرنے کو دیں زید نے وہ گنی لیکر اپنے پیسے کی تھیلی میں کہ چار آنیاں اور دو آنیاں جس میں رکھی تھیں کپڑے میں باندھ کر رکھدیئے اور ہنوز اُن گنیوں کو فروخت کرنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ زید مذکور کہتا ہے کہ ایک شخص کو روپیہ دینے کو تھیلی مذکور میں نے صندوق سے نکال کر بالکل خالی کر دی اور اُلٹ دی اور شخص مذکور کو روپیہ دے کر اُس خالی تھیلی کو اُسی صندوق میں ڈالدی اور صندوق کو بند کرکے میرے دوسرے کام میں مشغول ہوگیا اور اُن گنیوں کا میں نے کچھ خیال نہ کیا اور میں باہر صندوق کے اُن کو بھول گیا۔ جب بعد چند روز کے ہندہ مجھ سے وہ گنیاں یا اُس کے روپے طلب کرنے کو آئی تو میں نے تلاش گنیوں کی کی لیکن اب وہ گنیاں مجھے نہیں پاتی ہیں اور مجھے نہیں یاد ہے کہ وہ گنیاں باہر رہ گئیں یا اور کوئی اُٹھالے گیا یا میرے کم خیالی سے اُس روپیہ طلب کرنے والے کو دیدی، یہ مقولہ زید مذکور وکیل کا ہے، لہٰذا صورت مذکور مسئولہ الصدر میں گنیاں مؤکلہ ہندہ

مذکورہ کی جاویں یا وکیل زید مذکور کے ذمہ ضمانت دینی لازم آئے گی۔ بَیِّنُوْا بَیَانًا شَافِیًا تُوْجَرُوْا اَجْرَکُمُ اللہُ اَجْرًا وَّافِیًا۔

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں زید پر ضمان لازم ہے کہ ضائع ہونا اُس کی تقصیر سے ہے فی الھندیۃ رجل دفع الی دلال ثوبا لیبیعہ ثم قال الدلال نسیت ولا ادری فی ای حانوت وضعت یکون ضامنا کذا فی فتاوی قاضیخان ولو قال وضعت بین یدی فی داری ثم قمت ونسیتھا فضاعت ینظر ان کانت الودیعۃ مما لا یحفظ فی عرصۃ الدار ولا تعد حرزا لہ کصرۃ الدراھم والذھب ونحوھا یضمن والا فلا کذا فی محیط السرخسی اھ ملخصا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۹ ۔ از کیپ بریلی لال کرتی ———— مرسلہ شیخ کریم بخش صاحب ۸ رمضان ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک نوٹ بکر کو اس غرض سے دیا کہ اس کا روپیہ اپنے آقا کے دکان سے لیکر بھیجدینا اور بکر سے کوئی اجرت کسی قسم کی نہیں ٹھہری تھی اور وہ نوٹ راستہ میں گر کر گم گیا ہے تو روپیہ اُس کا بکر کے ذمہ ہوگا یا نہیں اور نیز آقا سے اُس کا تعلق ہے یا نہیں، فقط

الجواب ۔ آقا سے اُس کا کچھ تعلق نہیں نہ بکر پر تاوان آسکتا ہے جبکہ اُس نے اپنی بے احتیاطی سے نہ گمایا ہو کما ھو معلوم من حکم الامین واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۰ ۔ مسئولہ کرامت خاں بریلی ———— غرہ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے زید سے کچھ زیور عاریت لئے اور وہ زیورات گم ہوگئے اب وہ اُس کے بدلے میں بخوشی نیا زیور بنا دینا چاہتے ہیں، وہ لینا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ جبکہ وہ زیور بغیر اُس شخص کے تقصیر کے گم ہوگئے تو اُس کے بدلے میں اُس سے کچھ لینا ہی ناجائز تاوان ہے اور ناجائز بات میں کسی کی خوشی وناخوشی کو دخل نہیں، بہت لوگ سود بخوشی دیتے ہیں، پھر کیا اُس کا لینا حلال ہوجائے گا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ۝ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۝ لہٰذا علماء فرماتے ہیں اگر باہم شرط قرار پائی ہو کہ جاتا رہے تو تاوان دیں گے تو یہ شرط بھی مردود وباطل ہے، درمختار میں ہے لا تضمن بالھلاک من غیر تعدٍّ وشرط الضمان باطل، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۱ ۔ ———— ۲۷ محرم الحرام ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ کسی شخص نے کسی شخص کو کہا کہ تم مجھ کو پچاس روپیہ کی ہُنڈی منگا دو انھوں نے اقرار کیا کہ میں منگا دوں گا، اُس نے جا کر اُن کے ملازم کو پچاس روپیہ دیدیا، اُن کے ملازم نے یہ کہا کہ ہُنڈی اس وقت نہیں ملی صبح کو لادونگا اگر اچھا روپیہ ہمارے پاس رہے، اُس نے کہا کہ میں نہیں رکھ سکتا ہوں کیونکہ دکان کا کچھ اعتبار نہیں، اُس نے جواب دیا کہ میں نہیں رکھ سکتا ہوں ہُنڈی منگاتا ہوں اُن کا نام دستخط لکھ چکا، اُس نے یعنی ملازم نے جا کر اپنے مالک کو روپیہ سپرد کردیا کہ میں صبح جا کر ہُنڈی منگا دوں گا، اُنھوں نے صندوقچہ میں وہ روپیہ بھی رکھ دیا اور اُس صندوقچی کو کھلا چھوڑ کر دکان بند کرکے چلا گیا، رات دکان قفل لگا کر رات کو پہرہ والا پھرتا تھا انھوں نے دیکھا کہ دکان کا قفل کھلا ہوا ہے، اُس نے چوکیدار سے

دریافت کیا کہ اس دکان کا مالک کون ہے اور اس کا گھر کہاں پر ہے، اُن کا گھر دور ہونے کی وجہ سے چوکیدار نے ملازم کا گھر بتادیا، پہرہ والا نے ملازم سے کہا کہ تمھاری دکان کا قفل کھُلا ہوا ہے، اُس نے کہا کہ میں تو دکان بند کرکے آیا تھا، غرض کہ وہ ملازم پہرہ والا کے ساتھ آیا اور پہرہ والا نے پوچھا کہ کچھ مال وغیرہ تو نہیں گیا پھر اُس نے دکان بند کرنا چاہا، پہرہ والا نے منع کیا کہ جبتک کوتوالی میں یہ احوال لکھا لو بند نہ کرو، اُس نے کوتوالی میں بھی لکھوا کے آیا کہ دکان بے نقصان کھلا ہوا پایا اور صبح انھوں نے کہا کہ روپیہ جاتا رہا اور اکثر دکان کا ایسا اتفاق ہوا کہ دکان بند رہا روپیہ جاتا رہا، اور اسی روز کی صبح کو مالک دکان نے دو ملازموں کو موقوف کیا، ایک ان میں روپیہ لے جانے والا تھا اور دوسرا اور کوئی تھا، بعد اس کے ہُنڈی کے روپیہ والی کو نہ ملازم نے اطلاع دی نہ مالک نے۔ کوئی بیس روز کے عرصہ کے بعد یہ عذر پیش کیا کہ روپیہ جاتا رہا، اب اِس صورت پر از روئے شرع شریف کے روپیہ اس سے لینا جائز ہے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب۔ صورت مستفسرہ میں وہ روپیہ ملازم پر عائد ہے اس سے تاوان لیا جاسکتا ہے کہ جب اس نے اُس شب صراحۃً کہا کہ کچھ نہیں گیا تو یہ اقرار ہوا کہ زرِ امانت موجود ہے پھر بعد کو یہ دعوٰی کہ اس وقت روپیہ جاچکا تھا اگلے قول کا صریح خلاف ہے جو ہرگز مسموع نہ ہوگا اور اگر اس کے بعد جانے کا دعوٰی کرے جب بھی اس پر تاوان لازم ہے کہ جب زرِ امانت اس وقت تک موجود تھا رات کے وقت ایسی حالت میں کہ بازار بند ہو، کھلی دکان چھوڑ کر کوتوالی کو چلا جانا حفاظت میں تقصیر ہے، ہاں اگر اس کا یہ بیان ہو کہ اس وقت تک روپیہ نہ گیا تھا اور وہ جب کوتوالی لکھوانے کیلئے گیا تو دکان کا مالک یا اور کوئی محافظ جو اُس کا اور ملازم کا اجنبی نہ ہو بیٹھا رہا حفاظت کرتا رہا پھر اس نے دکان بند کردی اور اس کے بعد صبح تک میں کسی وقت جاتا رہا تو تاوان نہ آنا فی الھندیۃ عن الفصول العمادیۃ اذا طلب الودیعۃ فقال اطلبھا غدًا ثم قال فی الغد ضاعت فانہ یسأل ان قال ضاعت قبل قول اطلبھا غدًا یضمن وان قال ضاعت بعدہ لا للتناقض فی الاول دون الثانی، وفیھا عن التاتارخانیۃ قال لفلان عندی الف درھم ودیعۃ ثم قال بعد ذلک قد ضاعت قبل اقراری فھو ضامن ولو قال کانت لہ عندی الف درھم وضاعت فالقول قولہ ولا ضمان وفی العقود الدریۃ عن الخلاصۃ والبزازیۃ یلزمہ الضمان للتناقض لان قولہ اطلبھا غدًا اقرار منہ انھا ما ضاعت فاذا قال ضاعت کان تناقضا وفی الھندیۃ عن الخانیہ اذا سرقت الودیعۃ من دار المودع وباب الدار مفتوح والمودع غائب عن الدار قال محمد بن سلمۃ رحمہ اللہ تعالٰی کان ضامنا وقال ابونصر رحمہ اللہ تعالٰی اذا لم یکن اغلق الباب فسرق منہ الودیعۃ لا یضمن یعنی اذا کان فی الدار حافظا، وفیھا عن التاتارخانیۃ عن النھایۃ استحفظ المودع الودیعۃ فی بیتہ بغیرہ بان ترک الودیعۃ والغیر فی بیتہ وخرج ھو بنفسہ ضمن اھ۔ واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلم وعلمہٗ جلّ مجدہٗ اتم واحکم۔

مسئلہ ـــــــــــــــ ۱۸ ربیع الثانی ۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بتقریب نیاز جناب پیران پیر غوث الاعظم دستگیر علیہ السلام عمرو سے دیگ کرایہ پر لی، وہ دیگ اُسی شب کو زید کے مکان سے چوری گئی، اب عمرو اس کی قیمت مانگتا ہے، بموجب حکم شرع شریف زید کو اس کی قیمت واجب الادا ہے یا نہیں، زید نے چوری جانے کے دیگ کی اطلاع سرکار میں کردی اور اس کی تحقیقات بھی ہوئی لیکن ابھی تک دیگ نہیں ملی، فقط

الجواب ۔ اگر زید نے دیگ حفاظت کے مکان میں رکھی ہے جہاں وہ اپنے برتن وغیرہ رکھتا ہے تو اس پر الزام نہیں اور اس سے جرم ہے ہاں اگر بے خیالی بے پروائی کی ہو غیر محفوظ مکان میں رکھی، باہر چھوڑ دی ہو تو اس صورت میں زید کو ضرور اُس کی قیمت دینی آئے گی، کا لفظ بالاستقلال حضرات انبیائے کرام و ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے خاص ہے ان کے غیر کے لئے استقلالاً جائز نہیں، حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا چاہیئے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

مسئلہ ۳۲ ۔ از بدایوں ________ مسئولہ سید حسین علی صاحب بدایونی ۵ ار شعبان ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کچھ فقیر سید حسین کا جمع کیا ہوا پاس حاجی ذاکر علی صاحب کے موجود ہے جو بغرض اخراجات حج بیت اللہ شریف و بصورت بقائے حیات بنا بر خورد و نوش بھائی مولوی سید اشفاق علی حقیقی چچا اہلیہ سید حسین مذکور با ایں بیان جمع کیا گیا ہے کہ بھائی صاحب کو کسی قسم کی تاحیات تکلیف نہ ہو اگر ضرورت ہوگی تو میں سید حسین اور بھیجوں گا اور حسب بیان حاجی ذاکر علی صاحب کے سید حسین نے حاجی صاحب سے کہا کہ اگر خدانخواستہ سید اشفاق علی ممدوح کا انتقال ہو جائے اور زر مجتمعہ مذکور سے کچھ بچ رہے تو بچا ہوا روپیہ محمد سید حسین مذکور کو دیا جائے، اس کے بعد سید اشفاق علی صاحب بہ ہمراہی حاجی ذاکر علی صاحب حج بیت اللہ شریف کو تشریف لے گئے اور تمامی اخراجات سید اشفاق علی صاحب موصوف کے حاجی ذاکر علی صاحب اُسی رقم مجتمعہ سے کرتے رہے بقضائے الٰہی بعد ادائے حج شریف بتاریخ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ بھائی سید اشفاق علی صاحب موصوف کا انتقال ہو گیا، مرحوم کی تجہیز و تکفین و تدفین میں بھی جو کچھ صرف ہوا وہ بھی رقم مجتمعہ مذکور سے ہوا اس کے بعد حبہ حبہ اخراجات سید اشفاق علی صاحب مرحوم از یوم روانگی ہندوستان تا یوم تدفین سید اشفاق علی صاحب مجرا ہو کر پاس حاجی ذاکر علی صاحب حسب تحریر و بیان حاجی صاحب موصوف مبلغ چار سو پچیس روپے دو آنے باقی بچے وہ بھائی سید لیاقت علی صاحب نے واسطے دینے سید حسین مذکور کے حاجی صاحب موصوف سے طلب کئے، حاجی ذاکر علی صاحب نے فرمایا کہ یہ روپیہ مجھ کو سوائے سید حسین کسی کو نہیں دینا چاہیئے وہ مجھ سے کہہ گئے ہیں سوائے میرے کسی کو نہ دینا، میں ذاکر علی سوائے سید حسین مذکور کے کسی کو نہیں دوں گا، اس گفتگو میں کچھ طول ہوا کہ مولوی عزیز بخش صاحب بدایونی جنھوں نے بذریعہ ہجرت سکونت متصل مکہ معظمہ میں کر لی ہے، فرمایا جھگڑا ہرگز مت کرو میں بھی بدایوں کا رہنے والا ہوں اور اب یہاں رہتا ہوں بدایوں کی سخت ذلت ہوگی، نزاع تو صرف اس بات پر ہے کہ روپیہ سید حسین نے جمع کیا ان کو ملنا چاہیئے سو آپ سید لیاقت علی صاحب اطمینان فرمائیے، ابھی حاجی ذاکر علی صاحب کا مال فروخت نہیں ہوا جو وقت حاجی صاحب ممدوح کا مال فروخت ہو گیا میں عزیز بخش ذمہ دار ہوتا ہوں اور آپ سید لیاقت علی صاحب سے وعدہ کرتا ہوں کہ یہ مبلغ چار سو پچیس روپے دو آنے سید حسین مذکور کے نام سے دہلی والوں کی دکان پر جو یہاں ہے جمع کرا دوں گا، ہندوستان میں یہ روپیہ سید حسین مذکور کو مل جائے گا، چنانچہ مطمئن ہو کر بھائی سید لیاقت علی صاحب مکہ معظمہ سے بشوق دیدار روضۂ مبارک حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات روانہ مدینہ منورہ ہو گئے اور جو تحریر حضور والا کے پاس مرسلۂ حاجی ذاکر علی صاحب موصوف معرفت حاجی عبدالرزاق صاحب آئی اُس میں تحریر تھا کہ سید حسین مذکور کے جمع کئے ہوئے روپے میں سے بعد تمامی اخراجات سید اشفاق علی صاحب ذمہ حاجی ذاکر علی کے پاس ۴۲۵/۲ بچا ہے اور جمع ہے تحریر ہٰذا کی صداقت میں حاجی لیاقت علی شہادت دیتا ہوں کہ میں نے اپنا نام شریک تحریر میں بھی لکھ دیا ہے فقط راقم سید حسین قادری ۔ دستخط گواہ بیان تحریر ہٰذا سید لیاقت علی ۱۰ ار شعبان ۱۳۲۰ھ ۔

الجواب ۔ اگر بیان مذکور واقعی ہے تو اس روپیہ کا مستحق سوائے سید حسین کے کوئی نہیں۔ بے وارثان سید اشفاق علی کا اُس میں کچھ حق نہیں۔ حاجی ذاکر علی امین پر فرض ہے کہ بقیہ چار سو پچیس روپیہ دو آنہ تمام وکمال سید حسین کو ادا کرے ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں یہ روپیہ سید حسین نے سید اشفاق علی کو قرض نہ دیا کہ بحال انتقال بقیہ کو واپسی کو کہا تھا، قرض ہوتا تو بہرحال تمام وکمال واپس ہونا لازم ہوتا لاجرم یہ روپیہ ایک امر خیر میں اعانت کے لئے دیا جس طرح مصارف خیر کے چندے ہوتے ہیں ایسی حالت میں وہ روپیہ ملک مالک پر رہتا ہے اور اُسکی اجازت سے اُسی مصرف خیر میں صرف ہوتا ہے یہانتک کہ اگر کچھ باقی بچے تو اسے واپس دینا یا اُس کی اجازت ورضا سے کسی اور مصرف میں صرف کرنا لازم ہوتا ہے فتاویٰ قاضی خاں پھر فتاویٰ عالمگیری میں ہے رجل مات فی مسجد قوم فقام احدھم وجمع الدراھم ففضل من ذلك شیٔ ان عرف صاحب الفضل ردہ علیه۔ درمختار میں ہے ان فضل شیٔ رد للمتصدق بالجملہ جو کچھ سید اشفاق علی کی موت وتجہیز وتکفین میں صرف کیا اُس کا بھی ضمان حاجی ذاکر علی پر لازم ہے کہ سید حسین نے صرف حیات سید اشفاق علی تک اجازت دی اور باقی کی واپسی کو کہا تھا بلکہ مولوی عزیز بخش کا جواب کہ حاجی ذاکر علی کا مال بک جائے تو دین دلالت کر رہا ہے کہ وہ مال حاجی مذکور نے خرچ کر دیا جس کی نسبت بیان سائل ہے کہ بمبئی میں اُس کا کُل مال حاجی ذاکر علی نے خرید لیا پھر اپنے پاس سے مصارف سید اشفاق علی میں صرف کیا اگر واقعہ یہ ہے جب تو سارا زر امانت جس قدر سپرد کیا تھا سب کا تاوان حاجی ذاکر علی پر سید حسین کے لئے لازم ہے پورا واپس دے اور جو کچھ مصارف حیات و وفات سید اشفاق علی میں اُٹھایا وہ حاجی ذاکر علی کا تبرع واحسان تھا جس کے عوض کا وہ کسی سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ عالمگیریہ میں ہے رجل جمع مالا من الناس لینفقه فی بناء المسجد فانفق من تلك الدراھم فی حاجته ثم رد بدلها فی نفقة المسجد لایسعه ان یفعل ذلك فان فعل فان عرف صاحب ذلك المال رد علیه اوسأله تجدید الاذن فیه (الی قوله) لکن ھذا یجب ان یکون فی رفع الوبال اما الضمان فواجب کذا فی الذخیرۃ۔ واللہ سبحانہٗ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۴ ۔ مستفسرہ مظہر حسین ـــــ بہاری پور ـــــ بریلی ـــــ روز دوشنبہ ـــــ ۲۲ رجب ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے اپنی بی بی منکوحہ کے پاس مبلغ پچیس عدد اشرفی بطور امانت کے رکھدی تھی، بعد چند روز کے جب اس سے وہ اشرفی طلب کی تو اُس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کے پاس رکھدی ہیں جا کر لادوں گی، یہ کہکر لینے کو گئی جب اپنی ماں کے مکان سے واپس آئی تو کہا کہ میری والدہ نے کہا کہ وہ اشرفیاں تیرے باپ نے مجھ سے لیکر تیرے بھائی کے مقدمہ میں صرف کردی ہیں اور یہ کہا ہے کہ بہت جلدی ان کی فکر کردی جائے گی اطمینان رکھو پھر دوبارہ چند روز کے بعد لینے کو گئی تو پندرہ یوم کے بعد واپس آئی تو جو زیور کہ خود پہنے ہوئے تھی اور اُس کے خاوند کا بنوایا ہوا تھا قریب دو سو روپے کے وہ ہیں پر۔ اپنے والدین میں چھوڑ آئی جب اس سے دریافت کیا کہ تو نے زیور کس کو دیا تو کہا کہ ایک عورت قرابت کی ہے اور وہ شادی میں گئی ہے مجھ سے مانگ کرلے گئی اس کے خاوند نے اس سے کہا کہ تو نے بلا اجازت میری اپنا زیور بھی دیدیا اور اشرفیاں بھی دیدیں اور اکثر کام تو میری بلا اجازت کرتی ہے تو میرے کام کی نہیں میں تم کو طلاق دیتا ہوں یہ کہہ کر طلاق دیدی اور وہ عورت اپنے والدین میں مع اپنے اسباب کے چلی گئی تو اب وہ اشرفی کا روپیہ اور وہ زیور خاوند اس کا کس سے پاسکتا ہے آیا اس عورت یا اُسکی ماں سے۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ زیور کا مطالبہ خاص عورت سے ہے اس کی ماں سے تعلق نہیں۔ اشرفیوں کے بارے میں سائل نے بیان کیا کہ جب عورت سے مانگی تو اُس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کے پاس رکھدی ہیں اس پر زید ناراض ہوا کہ کیوں بے اجازت اسے دیں اور ماں باپ کے پاس دوسرے کی امانت رکھنے میں اکثر علماء کا اختلاف ہے فتاویٰ قاضیخاں و فتاویٰ خلاصہ وغیرہا میں اس کا جواز اس شرط پر ہے کہ وہ اور یہ ایک ہی ساتھ رہتے ہوں ورنہ نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے الابوان کالاجنبی حتی یشترط کونہما فی عیالہ کذا فی الخلاصۃ۔ اسی میں ہے وتفسیر من فی عیالہ فی ھذا الحکم ان یسکن معہ سواء کان فی نفقتہ اولا کذا فی الفتاوی الصغری وھکذا فی فتاوی قاضیخان۔ اور علامہ مقدسی نے فتویٰ اس پر نقل کیا کہ اس کا ساتھ رہنا شرط نہیں۔ ردالمحتار میں ہے وفیہ ای فی المقدسی لایشترط فی الابوین کونہما فی عیالہ وبہ یفتی مگر حقیقت امر یہ ہے کہ یہ امین جس کے پاس امانت رکھی اس کا اس مال کی نسبت قابل اطمینان ہونا بھی ضروری ہے اور اس کے لئے فقط اس امین کے ذاتی مال پر امین ہونا کافی نہیں کہ یہ امر باختلاف مالک مال بدلتا ہے مثلاً اکثر زنانِ زمانہ اپنی دختر کے مال میں ضرور قابل وثوق ہیں مگر اس سے داماد کے مال پر اطمینان ہونا لازم نہیں آتا بلکہ بارہا ماں بیٹی دونوں اس کے تلف میں ہم زبان ہوجاتی ہیں، ہندیہ میں ہے للمودع ان یدفع الودیعۃ الی من کان فی عیالہ کان المدفوع الیہ زوجتہ او ولدہ او والدیہ اذا لم یکن منہما یخاف منہ علی الودیعۃ ھکذا فی فتاوی قاضیخان لہٰذا عورت کا یہ فعل کہ اشرفیاں اپنی ماں کو دے آنا باتفاق مسلّم نہ ہوگا عورت پر اشرفیوں کا تاوان ہے اگر معلوم ہو کہ واقعی اپنی ماں کو دے آئی تھی اور ماں نے اس کے باپ کو دیں اس نے مقدمہ میں صرف کیں تو زید کو اختیار ہے کہ عورت یا اس کی ماں یا اس کے باپ جس سے چاہے اس کا تاوان لے لانہما کناصب الغاصب فلسالک ان یضمن من شاء۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۵ ۔ مرسلہ عبدالرحیم وابوالفضل محمد مظہر از ضلع ہگلی ڈانمبارٹی ۶ شعبان ۱۳۳۳ھ روز شنبہ

ایک شخص نے زید کو دوسو روپے دیئے کہ اس کا سونا خرید کر زیور بنوا دینا، اس نے سونا خرید کر جیب میں رکھا، سُنار کو دینے جارہا تھا کہ جیب سے نکل گیا یا کسی نے جیب کترلی تو یہ نقصان کس کا ہوا۔؟

الجواب ۔ وہ شخص امین ہے جبکہ اس نے حفظ میں قصور نہ کیا اور جاتا رہا اس پر تاوان نہیں، ہاں اگر اس نے غفلت کی مثلاً جیب پھٹی ہوئی تھی اس میں سے نکل جانے کا احتمال تھا اس نے ڈال لیا اور وہ نکل گیا تو ضرور اس پر تاوان ہے لانہ متعد والمتعدی ضامن۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۶ ۔ از مقام چتوڑ گڑھ علاقہ اودے پور مسؤلہ مولوی عبدالکریم صاحب ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۳ھ روز شنبہ۔

کافر مرگیا اور کوئی وارث قریب و بعید نہ چھوڑا اور مسلمان اس کا مدیون قرض ادا کرنا چاہتا ہے اب وہ کس کو دے کیونکہ اگر اُس کی طرف صدقہ کرتا ہے تو اس کو آخرت میں ملنے کی امید نہیں اور اگر اس کے مذہب کے مطابق مندر میں اس کی طرف سے صرف کردے یا مندر کے پجاری کو دیدے تو کفر کی اعانت ہوتی ہے تو اب اس قرض سے کیونکر سبکدوش ہو۔؟

الجواب ۔ جبکہ اُس کی نیت ادا کی تھی اور اُس نے اپنی طرف سے کوئی عذر نہ کیا اور اُس مال کا کوئی مستحق نہ رہا تو فقرائے مسلمین اُس کے مستحق ہیں اور یہ ایں معنیٰ نہ ہوگا کہ کافر کی طرف سے تصدق کیا جائے یہ تو حرام ہے اور اگر اسے اجر و ثواب سمجھے تو کفر ہے بلکہ اس معنیٰ پر دیا جائے گا کہ کافر مرگیا اور وارث کوئی نہیں اور موت قاطع مِلک ہے اور خلافت نہیں کہ اُس کی طرف منتقل ہو تو اب یہ محض لاوارثی مال رہ گیا جو خالص مِلکِ خدا ہے لہٰذا فقراء کو دیا جائے گا یا مسلمانوں کے امدادی دینیہ میں صرف کیا جائے، اور اگر فقیر ہے تو آپ ہی[1] فیصل ہوگیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[1] اصل میں اسی طرح ہے۔ لیکن سیاق عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ عبارت یہ ہوگی کہ اگر وہ خود فقیر ہے تو اپنے مصرف میں لاسکتا ہے۔

مسئلہ ۳۷ ۔ مسئولہ حافظ تعین صاحب ملوک پور ـــــــ بریلی ـــــــ روز یکشنبہ ۳ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس اس کی بھاوج ہندہ نے دو ہزار روپیہ جمع کردیا ہے زید دس روپے ماہوار اپنی بھاوج ہندہ کو دیتا ہے، زید نے کئی مرتبہ ہندہ سے اجازت چاہی کہ روپیہ تجارت میں لگا دے مگر ہندہ نے اس وجہ سے کہ تجارت میں روپیہ لگا دینے سے ہر وقت نہیں مل سکتا ہے اجازت نہ دی، زید نے یہ روپیہ تجارت ہی میں لگا دیا ہے مگر ہندہ اپنا روپیہ جس وقت طلب کرے زید دے سکتا ہے نفع زیادہ ہونے کی حالت میں دس روپے کے علاوہ بھی زید دیتا رہتا ہے مگر کبھی حساب کرکے روپیہ نہیں دیا زید کا قصد ہے اگر اس کی بھاوج اپنا روپیہ لے لے تب بھی کچھ خدمت کرنیکا ہے ایسی حالت میں یہ دس روپیہ ماہوار کیا سود ہوگا اگر سود ہوگا تو بچنے کی کیا صورت ہے۔ فقط

الجواب ۔ جبکہ ہندہ نے تجارت کی اجازت نہ دی تو یہ مضاربت نہیں ہوسکتی ہندہ نے اپنا روپیہ اس کے پاس جمع کیا تھا تو یہ قرض نہ تھا ودیعت تھا اس وقت تک زید اگر بطور خود اسے کچھ دیتا رہا تو وہ نہ قرض کا نفع تھا نہ کسی عقد معاوضہ میں زیادتی لہٰذا سود نہیں ہوسکتا تھا بلکہ زید کی طرف سے ایک تبرع واحسان تھا اب کہ زید نے بلا اجازت ہندہ اسے تجارت میں لگا دیا تو زید غاصب ہوگیا اس پر تاوان آیا اب وہ ہندہ کا مدیون ہوا اگر اس دین کی وجہ سے دیتا ہے تو دینا اور لینا حرام اور سود ہے اور اگر تصریح کردے کہ اس کی وجہ سے نہیں بلکہ بطور خود ایک خدمت کرتا ہے اور اگر روپیہ ادا ہوجائے گا جب بھی کرتا رہے گا تو سود نہیں مگر احتیاط اولیٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۸ ۔ مرسلہ الف خاں صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ سانگود ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۶ صفر ۱۳۳۵ھ

روپیہ مدرسہ اسلامیہ کا اگر کسی مسلمان سیٹھ کے یہاں پر امانت اس کے کاغذان میں جمع کردیا جائے اور وہ رقم بشمول اسکے دیگر کے اس کے صرف میں آگئی مگر کاغذان میں امانت ہی جمع ہے اور جب اس کے محافظ اس رقم کو طلب کریں تو فوراً دے سکتا ہے تو ایسا استعمال رقم مذکورہ میں سیٹھ مذکور پر شریعت میں کوئی گناہ تو نہیں ہے یا کہ اس رقم کو وہ سیٹھ علیحدہ شمار کرکے رکھ چھوڑے۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ زر امانت میں اس کو تصرف حرام ہے، یہ اُن مواضع میں ہے جن میں دراہم ودنانیر متعین ہوتے ہیں اس کو جائز نہیں کہ اس روپے کے بدلے دوسرا روپیہ رکھدے اگرچہ بعینہٖ ویسا ہی ہو اگر کرے گا امین نہ رہے گا اور تاوان دینا آئے گا والمسئلۃ منصوص علیہ فی الدر المختار وکثیر من الاسفار مہتمان انجمن نے اگر صراحۃً بھی اجازت دیدی ہو کہ تم جب چاہنا صرف کرلینا پھر اس کا عوض دیدینا جب بھی نہ سیٹھ کو تصرف جائز نہ مہتموں کو اجازت دینے کی اجازت کہ مہتمم مالک نہیں اور قرض تبرع ہے اور غیر مالک کو تبرع کا اختیار نہیں ہاں چندہ دہندہ اجازت دے جائیں تو حرج نہیں اُس حالت میں جب سیٹھ تصرف کرے گا روپیہ امانت سے نکل کر اس پر قرض ہوجائے گا جو عند الطلب دینا آئے گا اگرچہ کوئی میعاد مقرر کردی ہو فان التأجیل فی القرض باطل کما فی الدر المختار وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۹ ۔ از جبلپور چھاؤنی مرسلہ عبدالوحید خاں صاحب اسسٹنٹ ماسٹر اسکول لیس نایک ۳۴۳ پلاٹون ۳ کمپنی بی پلٹن ۱/۹۱ ۶ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو چند قطعات نوٹ پانچ پانچ روپیہ کے و دس دس روپیہ کے بطور امانت کے رکھنے کو دیئے اور یہ بھی اجازت دیدی کہ تو اس امانت میں سے حسب ضرورت اپنی خرچ کرسکتا ہے لیکن آئندہ ماہ میں یہ سب امانت مجھکو واپس

رکھ لیئے حالانکہ سوائے اس امانت کے بکر کی جیب میں اور کچھ نوٹ یا نقدی بالکل نہیں تھی بکر کو
دینا ہوگی، بکر نے وہ سب نوٹ اپنی جیب میں رکھ لیئے حالانکہ سوائے اس امانت کے بکر کی جیب میں اور کچھ نوٹ یا نقدی بالکل نہیں تھی
اجازت زید کے ڈاکخانہ کو واسطے کرنے منی آرڈر اپنے مکان کو گیا اور اُسی امانتی نوٹوں میں سے منی آرڈر اپنے مکان کو کیا۔ وہاں پر آدمیوں
کا اژدحام زیادہ تھا یقیناً کسی چور نے ایک نوٹ دس روپیہ والا جیب سے نکال لیا کیونکہ اُسی وقت ڈاکخانہ پر ہی حساب کرنے سے معلوم ہوگیا
کہ نوٹ چوری گیا۔ ایسی حالت میں بکر نوٹ مسروقہ کا تاوان کا ذمہ دار ہے یا نہیں اور زید بکر سے لینے کا مستحق ہے یا نہیں حالانکہ زید کو بھی یقین
ہے کہ نوٹ ضرور چوری گیا۔

الجواب ۔ وہ روپیہ امانت تھا اور زید نے بکر کو وقت حاجت صرف کرنے کی اجازت دی تھی تو جس قدر کا اُس نے منی آرڈر اپنے
گھر کو بھیجا وہ امانت سے نکل کر قرض ہوگیا اور جتنے نوٹ باقی رہے وہ بدستور امانت رہے ان میں سے جو نوٹ جاتا رہا اگر بکر کی بے احتیاطی سے
گیا تو ضرور اُس پر تاوان ہے ورنہ ہرگز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۰ ـــــــــــ ۱۹ ربیع الاول شریف ۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو ایک ضرورت سے بانکی پور جانا ہے ۹ ربیع الاول شریف کو گیا سے اُس کے پاس
ایک شخص آیا اور ایک خط دیا جس کا مضمون یہ ہے کہ گریڈیہہ میں ۱۰ ۔ ۱۱ ربیع الاول کو وعظ و میلاد کا جلسہ ہے متعدد علماء کے پاس خطوط
گئے ہیں مگر کسی کے آنے کی امید نہیں، آپ ضرور تشریف لائیے ورنہ ہماری سخت ذلت ہوگی زید نے عذر کیا کہ مجھے مجبوری ہے میں جس کا نوکر ہوں وہ
یہاں نہیں ہیں بغیر اُن کی اجازت کے میں نہیں جاسکتا اس پر عمرو نے رائے دی کہ وہ تو کوئی دور جگہ نہیں ہے یہ صاحب وہاں جاکر اجازت
لا سکتے ہیں، چنانچہ وہ شخص وہاں گیا اور اجازت لے آیا عہ روہاں جانے آنے کا کرایہ یکہ کا ہوا، اس کے بعد ۹ بجے شب کی گاڑی سے روانہ
روانہ ہوکر گیا پہنچے عہ سہسرام سے گیا تک کرایہ ہوا۔ جب وہ شخص اجازت لینے کے لئے گیا تو زید نے ٹائم ٹیبل دیکھا معلوم ہوا کہ یہاں سے
گریڈیہہ جانے تین راستہ ہے ایک براہ کیول دوم براہ بانکی پور سوم براہ آسنسول۔ زید نے خیال کیا کہ اچھا موقع ہے اسی ضمن میں بانکی پور ہوتے
چلیں گے گیا سے ۹ بجے دن کو ایک گاڑی چھوٹتی ہے جو براہ کیول ۸ بجکر ۴۴ منٹ شب کو گریڈیہہ پہنچتی ہے، زید نے گیا میں یہ رائے قائم کی اگر
اس گاڑی سے جاتا ہوں تو ۹ بجے شب کو پہنچوں گا اس وقت میں تکان سفر کی وجہ سے آج کچھ تقریر نہ کرسکوں گا سوا اس کے کہ جو کچھ کہنا ہو کل کہوں
مجھے ضرورت بانکی پور کی بھی ہے بہتر ہے کہ اس وقت ۷ بجے روانہ ہو جاؤں اور بانکی پور پہنچ کر دن بھر ٹھہروں پھر شب کی گاڑی سے روانہ ہوکر
صبح گریڈیہہ پہنچوں پھر خیال کیا کہ شب کی گاڑی سے روانگی میں وہاں ۵ بجے صبح کو گاڑی پہنچے گی وہ وقت تکلیف کا ہے لوگ اسٹیشن تک آئیں یا نہ
آئیں بہتر ہے کہ بانکی پور سے صبح کی گاڑی سے روانہ ہوں تاکہ وہاں ایک بجے پہنچا ہو چنانچہ اسی مضمون کا تار ۱۲ کا وہاں دینے کو کہدیا کہ زید کل ایک بجے
پہنچے گا اس کے بعد صبح ۷ بجے زید بانکی پور روانہ ہوا عہ ۱۵/ اس کو سفر خرچ دیا گیا اُس کا مصمم قصد تھا کہ حسب قرار داد میں صبح کو ضرور روانہ ہو جاؤں گا
مگر ایک ضرورت کی وجہ سے نہ جاسکا پھر بھی قصد کیا کہ ۱۰ بجے دن کو ایک گاڑی جاتی ہے اس سے جائیں، جو وہاں ۸ بجکر ۴۴ منٹ کو پہنچے گی مگر جس کو یہاں
جانا تھا نہ اس کا محلہ معلوم نہ نام ہی معلوم ہے تار کے اعتماد اور استقبال کے خیال پر زید نے یہ دریافت نہ کیا تھا اب سخت پریشان ہوا کہ کیا کروں کہ اب
آگے جانا مفت میں پریشانی اٹھانا ہے یا اگر منزل مقصود تک رسائی ہوگی تو تھکا ہوا ہوں تقریر نہ کرسکوں گا مفت میں بلانے والے کا روپیہ صرف کرنا ہے

یہی بیچ میں اس گاڑی کا وقت بھی نکل گیا اس لئے وہ واپس سہسرام آگیا اس ۱۵/ میں سے پھر گیا سے بانکی پور اور بانکی پور سے سہسرام تک صرف ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں زید کو کس قدر روپیہ واپس کرنا ہوگا ۱۲/ جو بچا ہے یا پورے ۱۵/ یا ۴/ جس میں کل خرچ اجازت لینے والے کا کہ۔ تار و ٹکٹ تا سہسرام تانگیا و قلی کی اجرت ہے اور جو کچھ واپس دے گا اُس کی فیس منی آرڈر کس پر ہے۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ بانکی پور سے سہسرام تک، واپسی میں جو صرف ہوا وہ ضرور ذمۂ زید ہے کہ روپیہ اُسے جس سفر کے لئے دیا گیا یہ وہ سفر نہیں بلکہ اُس کا نقض ہے اور موضع مقصود کی راہ معہود میں اگر بانکی پور نہیں پڑتا بلکہ اس میں پھیر اور صرف زائد ہے جسے زید نے گیا سے اپنی حاجت کیلئے اختیار کیا تو قدر زیادت کا واپس دینا تو ہوگا ہی اور اظہر یہ ہے کہ گیا سے بانکی پور تک کا کل کرایہ واپس دے کہ یہ سفر اس کا اپنی غرض کیلئے تھا فی الدر المختار من متفرقات البیوع المرأۃ اذا کفنت بلا اذن الورثۃ کفن مثلہ رجعت فی الترکۃ ولو اکثر لا ترجع بشیئ قال رحمہ اللہ تعالٰی ولو قیل ترجع بقیمتہ کفن المثل لایبعد اھ وفی وجیز الکردری لا یرجع وان قیل یرجع بقدر کفن المثل فلہ وجہ اھ وفی الخلاصۃ لا ترجع بکفن المثل ایضا وان قال قائل ترجع بقدر کفن المثل فلہ وجہ اھ وفی وصایا التنویر والدر لو زاد الوصی علی کفن مثلہ فی العدد ضمن الزیادۃ وفی القیمۃ وقع الشراء لہ وحینئذ ضمن ما دفعہ عن مال الیتیم ولوالجیۃ اھ وفی العقود الدریۃ فی معین المفتی اذا زاد فی عدد الکفن ضمن الزیادۃ فان زاد فی قیمۃ الکفن ضمن الکل کذا فی السراجیۃ قلت وقد عللہ بانہ اذا زاد فی القیمۃ یکون مشتریا لنفسہ وھو ضامن لمال المیت اھ نہج النجاۃ من الوصایا و وجہ کونہ مشتریا لنفسہ ان الوصی اذا زاد فی القیمۃ صار متعدیا فی الزیادۃ وھی غیر متمیزۃ فیکون مشتریا لنفسہ متبرعا فی تکفینہ بخلاف ما اذا زاد فی عدد الکفن فانہ یضمن الزیادۃ فقط لانہا متمیزۃ واپسی کے یکوں اور قلیوں کا کرایہ زید پر ہے یوہیں گیا سے بانکی پور جانے میں جو یکہ اسٹیشن تک آیا اسٹیشن سے بانکی پور تک کیا یا قلی کو دیا ہو کہ یہ اس کا اپنا ذاتی سفر ہے سہسرام سے گیا تک جانا جبکہ موضع مقصود تک جانے میں بہرحال تھا اور اُس تک وہ موضع مقصود کے نیت سے گیا اور ضرورت جو مانع سفر و موجب رجوع ہوئی صحیح ضرورت و مجبوری تھی تو اتنا کرایہ واپس نہ دیگا ریل یکہ قلی کسی کا۔ کہ یہاں تک، ان کے اذن سے ان کے کام میں صرف ہوا، اور اگر اپنا کوئی کام پیش آیا جو قطع سفر کے لئے عذر شرعی نہ ہو سکتا اُس کے لئے چھوڑ دیا تو اس کے مناسب کوئی جزئیہ اس وقت خیال میں نہیں اور ظاہر یہ کہ اب بھی سہسرام سے گیا تک کا کرایہ واپس کرنا نہ ہوگا کہ جس وقت صرف ہوا جائز طور پر ہوا اور وہ اجیر نہ تھا کہ کام نہ ہونے سے اجرت نہ پائے کہ اتمام سفر اس پر واجب نہ تھا تو قطع جائز سے وہ صرف کہ جائز واقع ہوا ناجائز و مضمون نہ ہو جائے گا۔ یکہ جس پر بلانے والا اجازت لینے گیا اور تار کہ اس نے دیا اگرچہ زید کے کہنے سے دیا یہ زید پر نہیں۔ جتنا روپیہ واپس کرنا ہو اس کی فیس منی آرڈر اسی روپیہ سے دے کہ وہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے اور رد امانت کی مؤنت امین پر نہیں، عالمگیریہ میں ہے مؤنۃ رد الودیعۃ علی المالک لا علی المودع کذا فی السراجیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ خادم نعمت خاکی بوڑاہا از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کسی سے ہم نے کوئی چیز لیا کہ لاؤ ہم بطور امانت رکھیں گے اور پھر بعد کو دیدیں گے اس میں سے کچھ غائب ہوگئی اور وہ شخص دینے والا طلب بھی نہیں کرتا ہے اب اس کے لئے قیامت میں نہ دینے پر جوابدہ ہوں گے یا نہیں ہاں اس شے پر اس کا پتہ نشان مرقوم ہے۔

الجواب ۔ اگر اس کی بے احتیاطی سے اُس میں سے کچھ غائب ہوگیا تو اس پر اُس کا تاوان لازم ہے بے اُس کے معاف کئے معاف نہ ہوگا اور اگر اس نے پوری احتیاط کی اور وہ شے کل یا بعض جاتی رہی تو اس پر الزام نہیں بلکہ اُس کا تاوان لینا حرام ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۔ از شہر بانسمنڈی ــــــ مسؤلہ محمد صدیق بیگ ــــــ ۲۵ محرم ۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کی شے گم ہو جائے تو اُس چیز کے دام لینا چاہئے یا نہیں ۔

الجواب ۔ اگر وہ شے اس کے پاس امانت تھی اور اُس نے پوری احتیاط کی اور اتفاقاً گم ہوگئی تو اس کا تاوان لینا حرام ہے ۔ اور اُس کی بے احتیاطی سے گم ہوئی تو جائز ہے اور اگر امانت محض نہ تھی مثلاً کوئی چیز خریدنی چاہی اور مول چکا کر اُسے دکھانے کے لئے لے گیا اور وہ گم گئی اُسکے دام دے گا اگرچہ بے احتیاطی نہ کی ہو ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

كتاب العارية

مسئلہ :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زمین بکر سے مول لی اور اسی زمین سے کچھ بکر کی باقی رہی، بکر نے ایک مکان زید کی زمین میں برضامندی زید کے بکر نے بنالیا جو زمین باقی رہی وہ صحن بکر کا ہے جب زید نے اپنی زمین کو طلب کیا تو بکر قیمت دیتا ہے زمین نہیں دیتا ہے، زید اسکو مکان کی قیمت دینے پر بھی آمادہ ہے اور پنچ بھی چاہتے ہیں کہ زمین کی قیمت زید کو دلادی جائے، اس مسئلہ کی بابت عرض کیا جاتا ہے زید اپنی زمین لینا چاہتا ہے قیمت نہیں لینا چاہتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب - صورت مذکورہ میں زید پر جبر نہیں ہوسکتا کہ وہ خواہی نخواہی اپنی زمین بیچ ڈالے اور قیمت لے لے پنچ اگر اس کا جبر اس پر کریں گے خلاف شرع اور ظلم ہوگا بلکہ حکم یہی ہے کہ زید کی زمین زید کو دیدی جائے رہا وہ مکان کہ بکر نے برضائے زید زید زمین زید میں بنایا اگر اس کے عملہ اکھیڑ لینے میں زمین زید کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا تو بکر مجبور کیا جائے گا کہ اپنا عملہ اکھیڑلے اور زید کی زمین خالی کر دے یا زید راضی ہو تو اپنا عملہ اس کے ہاتھ بیچ ڈالے اور اگر عملہ اکھیڑنے میں زمین کو ضرر پہنچے گا تو زید کو اختیار ہے کہ چاہے تو اپنے نقصان پر راضی ہو کر بکر کو جبر کرے کہ اپنا عملہ اکھیڑ کر زمین خالی کر دے یا نہ چاہے تو عملہ خود لے لے اور اس کی جو قیمت بازار کے بھاؤ سے اکھڑنے کی حالت میں ہوتی ہو وہ بکر کو دیدے۔ جس حالت میں عملہ اکھڑوا دیا جائے جو نقصان اس اکھیڑنے سے عملے کو پہنچے زید پر اس کا کچھ تاوان نہیں مگر اس حالت میں کہ زید نے ایک مدت معین تک مکان بنانے کی اجازت دی ہو اور اس مدت کے گزرنے سے پہلے اکھڑوانا چاہے تو عملے کا نقصان دے گا۔ ہدایہ میں ہے اذا استعار ارضا لیبنی فیہا اولیغرس جاز وللمعیر ان یرجع فیہا ویکلفہ قلع البناء والغرس ثم ان لم یکن وقت العاریۃ فلا ضمان علیہ وان وقت ورجع قبل الوقت صح رجوعہ ویکرہ وضمن المعیر ما نقص البناء والغرس بالقلع وذکر الحاکم الشہید انہ یضمن رب الارض للمستعیر قیمۃ غرسہ وبنائہ ویکونان لہ الا ان یشاء المستعیر ان یرفعہما ولا یضمنہ قیمتہما فیکون لہ ذلک لانہ ملکہ قالوا اذا کان فی القلع ضرر بالارض فالخیار الی رب الارض لانہ صاحب الاصل اھ باختصار۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ - از شہر محلہ بہاری پور ـــــــ مرسلہ رضا علی صاحب ـــــــ ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک چادر جو منگنی لی تھی یعنی بطور عاریت چند روز کیلئے لی تھی اس کو زید نے بعد انقضائے مدت عاریت ایک امین آدمی کے ہاتھ چادر مذکور کو اصل مالک کے پاس بھجوادیا بعد کو معلوم ہوا کہ وہ چادر جو زید نے امین آدمی کے ہاتھ بھجوادی تھی اصل مالک کو نہیں ملی اس پر زید نے امین اول سے پوچھا کہ وہ چادر اصل مالک کو کیوں نہیں ملی امین نے جواب دیا کہ میں اصل مالک کے مکان پر دے آیا ہوں اصل مالک تو مجھکو ملا نہ تھا اُس کے مکان کے اندر سے ایک لڑکا چھوٹا نکلا تب میں نے اس سے اصل مالک کو پوچھ کر کہ گھر میں ہے؟ اُس کے ہاتھ وہ چادر بھجوادی ہے، اس بیان پر مالک نے اپنے لڑکوں کو امین کے روبرو پیش کیا کہ ان لڑکوں میں کس لڑکے کو دیا امین نے سب لڑکوں کو دیکھ کر یہ کہا کہ ان میں وہ لڑکا نہیں ہے جس کو میں نے چادر دی ہے اصل مالک تو کہتا ہے کہ

چادر میرے پاس نہیں پہنچی اور امین کہتا ہے کہ چادریں دے آیا اور امین کے پاس اس امر کا ثبوت محض ایک طالب علم بالغ کی شہادت ہے، اس صورت میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ چادر کا شرعی فیصلہ کیا ہے یعنی اس کا تاوان امین پر ہے یا زید پر جس نے چادر عاریت لی تھی یا کسی پر نہیں مالک کو صبر کرنا ہے۔

الجواب ۔ شخص متوسط جبکہ ایک چھوٹے لڑکے کو چادر دے آیا جسے یہ بھی نہ جانا کہ مالک چادر کا بیٹا ہے، نوکر ہے، اسی گھر میں رہتا بھی ہے یا دوسری جگہ سے آیا ہوا، یا راہ چلتا ہے، تو بیشک چادر ضائع کرنے کا اس پر الزام ہے اور اُس پر بہرحال تاوان لازم اگر وہ چادر اشیائے نفیسہ میں سے تھی جب تو ظاہر کہ ایسی چیز خاص مالک کے ہاتھ میں دینے سے صحیح واپسی ہوتی ہے، تنویر الابصار میں ہے ان رد المستعیر الدابۃ مع عبدہ او اجیرہ مشاھرۃ او مع عبد ربھا او اجیرہ بریٔ بخلاف نفیس اور اگر ایسی نہ بھی تھی تو غیر نفیس اشیاء کی واپسی بھی اس وقت معتبر ہے کہ اُس کے غلام یا نوکر یا اہل وعیال میں سے کسی کو دے یا اس کے گھر میں حفاظت کی جگہ رکھدے ناواقف انجان صغیر السن کو دیدینا کسی عاریت میں متعارف نہیں، غایۃ البیان میں ہے قال الحاکم الشہید فی الکافی رد المستعیر الدابۃ فلم یجد صاحبھا فربطھا فی دار صاحبھا الی معلفھا فضاعت قال ھو ضامن لھا قیاسا ولکن استحسن ان لا اضمنہ الی ھذا لفظ الحاکم وجہ القیاس انہ لم یوجد الرد الی المالک وجہ الاستحسان انہ اتی بالتسلیم المعتاد بہ بین الناس لان الناس یستعیرون الدواب فیردونھا الی اصطبل المالک والجیران یستعیرون اٰلۃ البیوت و یردونھا الی دار صاحبھا ویسلمونھا الی من فیہ دون صاحب الدار فلو رد الی المالک کان المالک ایضا یحفظھا بھذا المکان فقد اسقط عنہ المستعیر کلفۃ زائدۃ فترک القیاس بالعادۃ ولھذا قال مشائخنا لو کانت العاریۃ عقد الجوھر لم یجز ان یردھا الا الی المعیر لان العادۃ لم تجر بطرحہ فی الدار ولا دفعہ الی الغلام۔ اسی میں ہے وذلک لان العبد صالح للفظ کالمزلۃ اذا ردھا الی المربط لایضمن کذا ھذا بخلاف ما اذا ردھا الی ارض لان الارض لیست بصالحۃ للحفظ رہا زید اگر یہ متوسط اُس کا نوکر یا اس کی عیال میں تھا اور اس نے ایسی بے احتیاطی کو اس سے نہ کہدیا تھا کہ مالک یا اُس کا معتمد ملے نہ ملے کوئی بھی پاؤ پھینک کر چلے آنا بلکہ یہ بے احتیاطی اُس متوسط نے خود کی تو زید پر کوئی تاوان نہیں، اور اگر ختم مدت عاریت کے بعد اجنبی کے ہاتھ بھیجی تو بیشک یہ بھی زیر مطالبہ تاوان ہے یونہی اگر اس کے کہنے سے وہ بے احتیاطی ہوئی اگرچہ وہ متوسط اُس کا بیٹا یا نوکر ہی ہو، ان دونوں صورتوں میں مالک چادر کو اختیار ہے چاہے زید سے تاوان لے چاہے اس متوسط سے۔ تنویر الابصار میں بعد عبارت مذکورہ ہے بخلاف الرد مع الاجنبی بان کانت العاریۃ لوقتہ فمضت مدتھا ثم بعثھا مع الاجنبی، ہندیہ میں ہے ستورے عاریت خواست وکس فرستاد تا از نزد معیر بیارد مامور ستور را در راہ برنشست وھلک یضمن المأمور ولا یرجع علی الاٰمر اذا لم یکن مامورا من جہتہ وھذا اذا کانت تنقل من غیر رکوب فان کانت لاتنقل الا بالرکوب لایضمن کذا فی الفصول العمادیۃ ۔ واللہ تعالٰی اعلم

عہ فی الاصل ھٰکذا واظنہ عنہ ۔ عہ فی الاصل ھٰکذا واظنہ للحفظ ۔

کتاب الھبۃ

مسئلہ - از ریاست رامپور محلہ موتی خاں ـــــــ مرسلہ طوطا رام ـــــــ ۲۷ شوال ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی کل جائداد مملوکہ مقبوضہ اپنے بھتیجے کے نام تملیک کرا کر اُس کو مالک و قابض کرادیا اور دستاویز میں لکھ دیا کہ جائداد تملیک شدہ کو میں نے اپنی ملکیت سے خارج کر دیا اور مجھے اور میرے کسی وارث کو اُس میں دعویٰ نہ رہا جس وقت زید نے یہ دستاویز لکھی تھی اُس وقت سے اُس کے مرنے کے وقت تک زید کی کوئی اولاد ذکور یا اناث موجود نہیں تھی، بس چار بھتیجے اور ایک نواسہ تھا اب بعد وفات زید نواسہ دعویٰ کرتا ہے کہ دستاویز تملیک نامہ کے ذریعہ سے جو جائداد زید نے ایک بھتیجے کے نام منتقل کی تھی وہ قابل جواز و نفاذ کے نہیں ہے اور وہ جائداد مندرجہ دستاویز تملیک نامہ ملکیت زید قرار دی جائے اور متروکہ قائم ہو کر اُس میں وراثت جاری کی جائے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ جب زید اپنی زندگی میں اُس کو بذریعہ دستاویز تملیک منتقل کر گیا اور لکھ گیا کہ اُس میں میری ملکیت باقی نہیں رہی تو وہ زید کی ملکیت قرار پا کر اُس کا متروکہ قائم نہیں ہوگا نہ اسمیں وراثت جاری ہوگی۔ شریعت اسلام کے بموجب ایسی صورت میں کیا ہوگا۔

الجواب - تملیک عین بلاعوض ہبہ ہے اور ہبہ بعد قبضہ تام پھر بعد موت احد العاقدین مطلقاً لازم اگرچہ موہوب لہ اجنبی ہو اور بھتیجے کے نام تو فی الحال لازم، لہٰذا وہ جائداد بشرط قبضہ تامہ ملک موہوب لہ ہے، وارثان واہب کا اس پر دعویٰ باطل ہے ولنا رسالۃ فی تحقیق ھٰذا المرام سمیناھا فتح الملیک فی حکم التملیک من اختلج فی صدرہ شیئ فلیطالعھا تنویر الابصار میں ہے الھبۃ ھی تملیک العین مجانا اسی میں ہے وتتم بالقبض اسی میں ہے ویمنع الرجوع فیھا موت احد العاقدین والقرابۃ فلو وھب لذی رحم محرم منہ ولو ذمیا او مستامنا لا یرجع واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ - از مارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت سیدنا سید ابو الحسین احمد نوری میاں صاحب دامت برکاتہم ۱۲۹۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مالک اصلی نے اپنے پسر عمرو کو دو باغ دیئے پھر بعد چند روز کے عمرو سے واپس لیکر بکر اور خالد پسر عمرو کو دیئے یعنی پہلے خانہ ملکیت دفتر حاکم میں نام عمرو کا قائم کرایا اور عمرو باذن واہب اُس پر قابض ہوا اور محاصل اُس کا لیتا رہا اور احداث اشجار وغیرہا ہر طرح کا تصرف کرتا رہا پھر عمرو سے واپس کر کے یعنی نام عمرو کا خانہ ملکیت دفتر حاکم سے علیحدہ کرا کے بکر اور خالد کا نام اُس خانہ میں قائم کرایا اور وہ باغ ان دونوں کو عطا کیے اور عمرو نے جو یہ فعل اُس کی غیبت میں ہوا تھا وقت اپنی حاضری کے بطوع و رغبت جائز رکھا اور کچھ تعرض نہ کیا مگر اُس کے محاصل پر عمرو بدستور متصرف رہا اور تمتع ہر نوع کا اُن باغات سے اُٹھاتا رہا اور بکر و خالد نے بر بنا اس انبساط و اتحاد کے کہ انھیں عمرو کیساتھ تھا اس امر کا تعرض عمرو سے نہ کیا اور پٹہ جات اُن باغات کے بکر اور خالد کے نام سے ہوتے رہے گاہے بکر پٹہ کر دیتا گاہے خالد گاہے دونوں کی طرف سے عمرو بقلم خود لکھ دیتا گاہے عمرو خود اپنے نام سے لکھ دیتا تھا ان امور میں کبھی کوئی ایک دوسرے سے متعرض نہ ہوتا اور اسی طرح مختلف طور سے رسیدات پٹہ داران کو بابت زر اقساط محاصل ملا کرتے تھے اگرچہ زر اقساط صرف عمرو تحصیل کرتا اور اسی کے تصرف میں آتا پھر بعد چند روز وقت بندوبست حال جو منجانب حکام ہوا بدستور

خانۂ ملکیت دفتر حاکم میں نام بکر وخالد قائم رہا یعنی انھیں دونوں کے نام سے زید مالک اصلی نے وہ باغات دفتر بند وبست میں قائم کرائے اور اس امر کو عمرو نے بھی پھر بدستور جائز رکھا بلکہ خود تصدیق بھی دفتر میں اس امر کی کردی کہ بکر وخالد ان باغات کے مالک ہیں مگر پھر بھی محاصل باغات وہی عمرو بدستور قدیم پاتا رہا اور باغات اُسی کے زیر تصرف رہے اور بکر وخالد نے اُسی اتحاد ویکجہتی کے سبب سے کوئی اعتراض پھر بھی اس امر پر نہیں کیا اور نہ معترض ہوئے اور گاہے گاہے محاصل ایک باغ کا خالد بھی لیتا رہا اور گاہ گاہ ایک باغ میں خود بھی زراعت بطور شیر کرلیتا تھا مگر بکر نے کبھی نہ محاصل پایا اور نہ کبھی زراعت بطور خود کی بلکہ خود ہی کبھی قصد بھی نہ کیا اور اگر اس امر کا کبھی ذکر بھی آیا تو عمرو نے جواب دیا مالک تم ہو مگر تمھیں چنداں حاجت نہیں ہے اور میرا خرچ زائد ہے اور آمدنی کم یہ محاصل میری ہی تصرف میں رہنے دو بکر نے اسی یکجہتی کی بنا پر منظور رکھا پھر بعد چند مدت کے بکر نے محاصل نصفی ان باغات کا لینا چاہا اور عمرو سے تعرض کیا تو عمرو مانع آیا غرضکہ بعد گفتگوئے بسیار عمرو نے یہ استدعا کی کہ بکر نصف سے ثلث لے لیوے یعنی کل میں جو نصف اس کا ہے اُس میں وہ ثلث پر اقتصار کرے اور باقی اپنے طور پر خالد کے لئے چھوڑ دے، بکر نے بغرض قطع نزع اپنے حق سے اسقدر نقصان گوارا کیا اور عمرو سے کہا ہم دونوں یعنی بکر وخالد کہ مالک باغات ہیں آپس میں فیصلہ کرلیویں گے، چنانچہ اس امر پر باہم رضامند ہوکر تصفیہ ہوگیا یعنی درمیان بکر وخالد کے یہ صلح باستدعائے عمرو واقع ہوئی کہ ایک ثلث بکر لے اور دو ثلث خالد فرزند عمرو کو چھوڑ دے، چنانچہ اس صلح کا اقرار نامہ بکر وخالد کی طرف سے بہ ثبت گواہی عمرو بنام ایک حکم ثالث کے تحریر ہوا اور ثالث نے بموجب اقرار نامۂ فریقین فیصلہ لکھدیا کہ ایک ثلث بکر لے اور دو ثلث خالد اور اسے بموجب سوالات داخل خارج حکام وقت کے یہاں گذر گئے اور بربنا اس صلح کے فصل ربیع وخریف گذشتہ کا ایک ثلث بکر نے پایا۔ ہنوز معاملۂ داخل خارج ختم نہ ہوا تھا کہ پھر بعد چند روز کے عمرو مع خالد پسر اپنے کے اس سے اعراض کرکے بکر کو اخذ محاصل ثلث سے مانع آئے اور دربارہ داخل خارج کے عمرو نے سوال دیدیا کہ مالک اصل میں ہوں ہمیشہ سے محاصل میں پاتا رہا ہوں بکر کوئی چیز نہیں ہے اور نہ خالد نام میرا خانہ ملکیت میں بجائے دونوں کے داخل ہوجائے اور اپنے بیٹے خالد کو راضی کرکے اُس سے سوال دلادیا کہ واقع میں عمرو مالک ہے میں برائے نام ہوں چنانچہ حکام وقت نے نام دونوں کا خانہ ملکیت سے اپنے دفتر میں سے خارج کرکے نام عمرو کا قائم کردیا پس اس صورت میں بکر کا یہ سوال ہے کہ آیا حق میرا قائم رہا یا نہ رہا اور اگر رہا تو کس حساب سے آیا نصفی بموجب عطائے قدیم زید مورث اصلی یا ثلث بموجب صلح حال کے یا دونوں صورت کا حق نہ رہا۔ بینوا توجروا

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

جبکہ حضرت مالک اصلی نے وہ باغ عمرو کو عطا فرما دیئے تھے اور عمرو نے ان پر قبضۂ کامل پایا تھا کہ احداث واشجار وغیرہا ہر طرح کا تصرف کرتے اور اس کے تحصیل وتشخیص فرماتے تو وہ باغ ملک مالک اصلی سے نکل کر ملک عمرو میں آئے اور اب مالک حقیقی عمرو قرار پائے بعدہ جب غیبت عمرو میں مالک اول نے نام عمرو خانہ ملکیت سے خارج کرکے نام بکر وخالد داخل فرمایا اور وہ باغ انھیں عطا فرمادیئے تو یہ ہبہ ہبۂ ملک غیر ٹھہرا اور اجازت عمرو پر موقوف رہا پھر جب عمرو نے بعد حضور اس امر کو بطوع ورغبت جائز رکھا، ہبہ اگرچہ صحیح ہوگیا ہو مگر اس کے تمامی اور بکر وخالد کے لئے ثبوت ملک محل کلام ہے کہ اگر ہبہ ان دونوں حضرات کو مشاعًا تھا یعنی ہر باغ دونوں صاحبوں کو مشترکہ عطا فرمایا گیا جب تو ناتمامی ہبہ وعدم ثبوت ملک موہوب لہما ظاہر ہے کہ واہب حقیقی یعنی عمرو نے ابتک تقسیم کرکے محوزًا ممیزًا تسلیم نہ کی فی تنویر الابصار وتتم بالقبض فی یدہ محوز مقسوم ومشاع لایقسم لافیما یقسم فان قسمہ وسلمہ صح اھ ملخصا قلت وھبۃ المشاع قیل فاسدۃ فیثبت بھا الملک للموھوب لہ اذا قبضہ کذٰلک شائعا لکن ملکا خبیثا واجب الرد قائما والضمان ھالکا وبہ افتی البعض والحق انہ لایثبت بھا الملک اصلا مالم یسلم

مقسوما ھو الصحیح المعتمد کما حققہ فی ردالمحتار وبہ افتی الجم الغفیر وھو ظاھر الروایۃ عن ائمتنا الثلثۃ فعلیہ التعویل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ اور اگر ایک ایک باغ ہر موہوب لہ کو جداگانہ دیا گیا تھا تاہم اس قدر تقریر سوال سے ظاہر کہ جس طرح وہ باغ اس ہبہ سے پہلے قبض و تصرف عمرو میں تھے یونہی بعد ہبہ رہے اور آج تک عمرو نے اپنا ہاتھ اُن پر سے نہ اُٹھایا اور کسی دن بکر و خالد کے قبضہ میں تسلیم نہ کیا اگرچہ رسید دیتے جاتا ہے بکر و خالد بھی اپنی طرف سے تحریر فرمایا کرتے رہے ہوں کہ جب تک عمرو کا رفع ید اور قبضہ حضرات موہوب لہما میں تسلیم ثابت نہو ہبہ ہرگز تمام اور تملک موہوب لہما ثابت نہیں ہوسکتا فی الھندیۃ ومنھا ان یکون الموھوب مقبوضا حتی لایثبت الملک للموھوب لہ قبل القبض انتہی ومثلہ فی الھدایۃ وغیرھا تاآنکہ کسی وقت حضرات موہوب لہما یا اُن میں سے ایک کا وضع ید ثابت بھی ہوجائے مگر عمرو کا رفع ید ہرگز پایۂ ثبوت تک نہیں پہونچا اور یہ شرط اول ہے الاتری انہ لو وھب دارا وسلمھا حتی وضع الموھوب لہ یدہ علیھا وکانت الدار مشغولۃ بمتاع الواھب لم تتم الھبۃ لعدم ارتفاع ید الواھب فلم یکمل القبض وفی ردالمحتار ان کان الواھب مشغولا بحق الواھب لم یجز کما اذا وھب السرج علی الدابۃ لان استعمال السرج انما یکون للدابۃ فکانت للواھب علیہ ید مستعملۃ فتوجب نقصانا فی القبض بالجملہ عمرو جب تک اپنا قبضہ بالکلیہ اُٹھاکر موہوب لہما کو قبض کامل نہ کرادے ہبہ ہرگز تمام نہ ہوگا اور موہوب ملک عمرو سے باہر نہ آئے گا، اسی طرح عمرو کا متعدد دیبرایوں میں ملکیت بکر و خالد کا اقرار دیانۃً کچھ مفید نہیں کہ یہ اقرار صرف بربنائے ہبہ ہے کما لایخفٰی اور بہ سبب ناتمامی یہ ہبہ شرعاً مثبت ملک نہ ہوا تو عنداللہ اقرار غلط کہ شرعاً وجہ صحت نہیں رکھتا اثبات ملک کے لئے کافی نہ ہوگا، فی الدرالمختار لواقر کاذبا لم یحل لہ لان الاقرار لیس سببا للملک نعم لو سلمہ برضاہ کان ابتداء ھبۃ وھو الاوجہ، بزازیہ انتہی فی حاشیۃ الطحطاویۃ قولہ لم یحل لہ ای لایجوز لہ اخذہ جبرا دیانۃ کاقرارہ لامرأتہ بجمیع مافی منزلہ ولیس لہا علیہ شئ انتھی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ - از بڑودہ ——— مرسلہ جناب نواب سید نور الدین حسن خاں بہادر ——— ۱۳۰۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حمیدہ نے اپنے بیٹے محمود بن حمید کی شادی رشیدہ بنت سعید سے کی اور ۲۷ محرم الحرام ۱۲۷۸ھ کو محمود کی طرف سے بدعوی ولایت ایک دستاویز میں جائداد موروثی محمود کا تملیک نامہ بنام رشیدہ مع دیگر چند شروط لکھ دیا، جب محمود بالغ ہوا ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ کو اُس نے دستاویز نوشتہ حمیدہ کی تسلیم وقبول کے ساتھ ازسرنو ایک وثیقہ اُنھیں شروط پر متضمن تحریر کیا جس کے عنوان میں خلاصہ عبارت یہ ہے:۔

"اقرار صحیح شرعی می نمایم برین معنی کہ والدہ ماجدہ عفت من بار شیدہ بنت سعید بستہ ودستاویز از طرف منمقر وکالۃً نوشتہ داد دراں حین بحد بلوغ نہ رسیدہ بودم اکنوں دستاویز مذکور را مسلم وقبول داشتہ باز اصالۃً شروط چند نوشتہ می دہم"

پھر شرط سوم میں خلاصہ مضمون ان الفاظ سے ہے:۔

"از آمدنی موضع پونا گاؤں وغیرہ واقع بندر سورت بعد اخراج سہم شرعی والدہ صاحبہ کہ ثمن است باقی انچہ کہ حصہ جاگیر موروثیم باندازہ مبلغ پنج ہزار روپیہ بمن می رسد مالکش مسماۃ رشیدہ مع اولاد بطناً بعد بطنٍ است از روز عقد نکاح از آمدنی حصہ موروثیم مسماۃ مذکورہ درقبض وتصرف خود درآرد ودراں منمقر و وارثانم را دعوی وحقے نیست ونماندہ است"

بعدہٗ یکم جولائی ۱۸۹۹ء کو اسی شرط کی توثیق وتاکید کے لئے دوسری تحریر جداگانہ لکھی جس کی تلخیص ان کلمات سے ہے:۔

"از شرائط مذکورہ ایں یک شرط علیحدہ نوشتہ میدہم کہ در دیہات جاگیر موروثی محدودہ ذیل کہ شرعاً از ترکہ پدری خالصاً بہ منمقر رسیدہ منجملہ آں مبلغ چہار ہزار روپیہ منمقر اہل خانہ خود مسماۃ رشیدہ بنت سعید را بطوع ورغبت بلا اکراہ واجبار بطناً بعد بطنٍ ونسلاً بعد نسلٍ علی سبیل الدوام والاستمرار ملک گردانیدم چوں وہبوٹ ومختاری آں از قدیم الایام بقبضہ من است وحصہ داراں دیگر کہ دریں جاگیر شریک اند باوشاں زر نقد موافق حصہ ہائے مقسومہ آنہا ہموارہ می رسانم ہمیں طور از آمدنی مملوکہ اہل خانہ خود مثل دیگر حصہ داراں بہ اہل خانہ موصوفہ واولادش ہمیشہ بلا عذر وتکرار خواہم رسانید اگر از جانب منمقر مسماۃ مذکورہ در وصول حق خود کہ معین ومقرر کردہ شد فتورے وتہاونے بیند پس اوشاں را اختیار کلی ست بہ ہیچکہ خواہند از منمقر حق خود بگیرند ومسماۃ مذکورہ را در صرف زر مذکور اختیار کلی ست منمقر و وارثانم را دراں حقے ودخلے ودعوی ونزاعے نیست ونماندہ ایں چند کلمہ بطریق اقرار نامہ ووثیقہ وتملیک نامہ نوشتہ شد کہ عند الحاجۃ سند باشد۔"

اور یہ جائداد جس کا ان دستاویزوں میں تذکرہ ہے محمود ودیگر ورثائے حمیدہ میں مشترک وغیر منقسم ہے۔ اب شرع مطہر سے استفسار ہے کہ یہ تحریرات شرعاً مقبول وبکار آمد ہیں یا نہیں اور اُن کی رو سے رشیدہ اُس جائداد یا اُس کی آمدنی کی مالک ہوئی یا نہیں اور یہ عقد کہ محمود سے بہ تکرار واقع ہوا بدیں لحاظ کہ اُس کی والدہ نے جائداد موروثی کا تملیک نامہ لکھا تھا اور اُس نے اُسے منظور ومسلم رکھا اور خود اُس کی تحریر اول کے بعض الفاظ سے بھی رشیدہ کو خاص حصہ جاگیر کا مالک کرنا نکلتا ہے (اصل رقبہ دیہات کی تملیک ہے یا بلحاظ دیگر الفاظ تحریر اول وتصریحات تحریر دوم) صرف آمدنی وزر توفیر کا دینا اور عطا کرنا ہے اور اس عقد کو ہبہ کہا جائے گا اور اسی کے شرائط اس کی صحت میں درکار ہوں گے (یا اس خیال سے کہ محمود نے صرف رشیدہ ہی کو مالک نہ کیا بلکہ بطناً بعد بطنٍ ونسلاً بعد نسلٍ اس کی اولاد کے نام بھی تملیک کی) وصیت قرار پائے گا وبہر تقدیر شرعاً صحیح رہے گا یا باطل، اگر باطل ٹھہرے تو محمود کے یہ الفاظ (کہ منمقر و وارثانم را دراں دخلے وحقے ونزاعے نیست ونماندہ) اُس کے یا اس کے ورثہ کے حق کو زائل کریں گے یا نہیں اور ان تحریرات کا شرعاً کیا نام ہے۔ ہبہ نامہ یا اقرار نامہ یا تملیک نامہ یا کچھ اور۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب: اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَاب اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْوَھَّاب

یہ تو ظاہر ہے کہ ابتداءً حمیدہ والدۂ محمود کا بنام رشیدہ جائداد محمود نابالغ کا تملیک نامہ لکھ دینا کوئی شے نہ تھا کہ نہ ماں دربارہ مال ولی نہ خود ولی حتی کہ باپ کو مال صغیر سے ایک ذرہ کسی کو ڈالنے کا اختیار، فی الدر المختار ولیہ ابوہ دون الام فی المال اھ ملخصا وفیہ من الھبۃ لا یجوز ان یھب شیئا من مال طفلہ ولو بعوض لانھا تبرع ابتداءً اھ تو وہ عقد محض باطل واقع ہوا یہاں تک کہ خود محمود کے بعد بلوغ جائز ومسلم رکھنے سے بھی اسکی اصلاح ممکن نہیں لانہ عقد فضولی صدر ولا مجیز، فی حجر العقود الدریۃ عن جامع الفصولین لو طلق الصبی امرأتہ او وھب مالہ او عقد عقدا اما لو فعلہ ولیہ فی صباہ لم یجز علیہ فھذہ کلھا باطلۃ وان اجازھا الصبی بعد بلوغہ لم تجز لانہ لا مجیز لھا وقت العقد فلم تتوقف علی الاجازۃ الا اذا کان لفظ الاجازۃ بعد البلوغ مما یصلح الابتداء العقد فیصح ابتداء لا اجازۃ کقولہ اوقعت ذلک الطلاق فیقع لانہ یصلح الابتداء اھ ملتقطا اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ محمود کا بعد بلوغ دستاویز نوشتہ حمیدہ کو مسلم

مقبول رکھنا بھی محض مہمل و بے سود اور شرعاً نامقبول و مردود، اب اس نے جو خود ابتداءً دو بار تملیک نامہ لکھا وہ عبارتیں صراحۃً نص ہیں کہ محمود نے صرف زر آمدنی و توفیر رشیدہ کو دینا چاہا اصل رقبہ جائداد کی ہبہ و تملیک کا اُن میں کہیں ذکر نہیں، تحریر اول میں کہ ایک جگہ یہ لفظ واقع ہوا انچہ کہ حصہ جاگیر موروثیم بمن میرسد بالکل رشیدہ است، وہاں بھی حصہ سے مراد صرف حصۂ توفیر ہے کہ اُس سے پہلے تصریحاً لفظ آمدنی مذکور اور یہاں بھی باندازہ مبلغ پنجہزار روپیہ کا لفظ اسی طرف ناظر اور یہ عقد وصیت تو کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ وصیت میں فی الحال مالک نہیں کیا جاتا لانہا تملیک مضاف الی ما بعد الموت کما فی التنویر وغیرہا اور عبارات زید صریح ہیں کہ رشیدہ فی الحال مالک ٹھہرائی گئی کما لا یخفیٰ نہ یہ ممکن کہ بلحاظ لفظ نسلاً بعد نسلٍ جو لوگ نسل رشیدہ سے بعد کو پیدا ہوں اُن کے حق میں وصیت قرار دی جائے کہ وہ وقت عقد معدوم تھی اور معدوم کے لئے وصیت باطل فی الدر المختار شرائطہا کون الموصی اھلا للتملیک وکون الموصیٰ لہ حیا وقتہا اھ ملخصا تو لاجرم ہبہ ہی ہوگا اور یوں ہبہ کرنا کہ اس گاؤں کی آمدنی جو ہوا کرے گی میں نے تجھے ہبہ کی، شرعاً صحیح نہیں فی الفتاوی الخیریۃ بھذا عُلِمَ عدم صحۃ ھبۃ ما یستحصل من محصول القریتین بالاولیٰ لان الواھب نفسہ لم یقبضہ بعد فکیف یملکہ وھذا ظاھر اھ اور اگر بالفرض اصل جائداد ہی کا ہبہ ہوتا جب بھی نرا باطل تھا کہ وہ جائداد حسب بیان سائل مشاع وغیر منقسم ہے اور اسی طرح عہ مشیر ہے محمود کا ، بیان کہ چوں وہیوٹ ومختاری آں از قدیم الایام بقبضۂ من است اھ کہ بٹے بانٹ کے بعد تو ہر ایک شریک اپنے حصہ کا مختار ہوجاتا ہے اور ہبہ مشاع مذہب صحیح پر محض باطل فی الفتاوی الخیریۃ (سئل) فی رجل وھب ابنا لہ بالغا نصف ما یملک (اجاب) الھبۃ باطلۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ قال فی مشتمل الاحکام نقلا عن تتمۃ الفتاویٰ ان ھبۃ المشاع باطلۃ وھو الصحیح انتہیٰ اھ اسی لئے اگر موہوب لہ اسی حالت سے قبضہ بھی پالے تاہم وہ اس کا مالک نہیں ہوجاتا نہ اس کے تصرفات اس میں روا ہوں اور واہب کے تصرف سراسر نافذ رہتے ہیں کما صرح بہ فی تنویر الابصار ومغنی المستفتی والفتاوی التاجیۃ والمبتغی والجوھرۃ والبحر الرائق ونقلہ الامام الزیلعی عن الامام الھمام ابی جعفر الطحاوی والامام فخر الملۃ والدین قاضیخان والامام ابن رستم وفی نور العین عن الوجیز نص علیہ محمد فی المبسوط وھو قول ابی یوسف ومذھب ابی حنیفۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ فی القہستانی ھو الصحیح وعن المضمرات ھو المختار وکذا صححہ فی العمادیۃ قال فی رد المحتار فحیث علمت انہ ظاھر الروایۃ وانہ نص علیہ محمد رحمہ اللّٰہ تعالیٰ ورووہ عن ابی حنیفۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ظھر انہ الذی علیہ العمل الخ وتمامہ فیہ بلکہ اس قدر تو بالاجماع ثابت ہے کہ اس قسم کے ہبہ میں خود واہب اور اس کے بعد اس کے ورثہ کو اختیار رجوع رہتا ہے اگرچہ موہوب لہ کا قبضہ ہوگیا ہو اگرچہ ہبہ زوجہ یا ذو رحم محرم کے نام ہو باوجودیکہ زوجیت ورحم موانع رجوع سے ہیں فی الخیریۃ اجمع الکل علیٰ ان للواھب استردادھا من الموھوب لہ ولو کان ذا رحم محرم من الواھب وکما یکون للواھب الرجوع فیہا یکون لوارثہ بعد موتہ اھ ملتقطا اور اگر صورت مستفسرہ میں شیوع نہ بھی مانا جائے (جیسا کہ محمود کا لفظ خالصاً بمن مقرر شدہ اور لفظ موافق حصہ پائے مقسومہ آنہا اس کا ایہام کرتا ہے) تاہم ہبہ محض

عہ فی الاصل ہکذا واظنہ اسی طرف ۱۲ بدر

ناتمام ہے اور رشیدہ کی ملک اُس میں ہرگز ثابت نہ ہوگی کہ ان دستاویزوں کی عبارت خود صریح نص ہے کہ محمود نے رشیدہ کو جائداد پر قبضہ نہ دلایا بلکہ صراحۃً قبضہ دینے سے انکار کیا حیث قال چوں وہیوٹ ومختاری آں الی قولہ ہمیں طور از آمدنی مملوکہ اہل خانۂ خود الخ اور ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا فی درالمختار تتم الھبۃ بالقبض الکامل اھ یہاں تک کہ اگر ہبہ صحیحہ میں واہب بے قبضہ دیئے مرجائے تو ہبہ باطل ہوجاتا ہے اور فرائض اللہ پر تقسیم پاتی ہے فی موانع الرجوع من شرح التنویر والمیم[عہ] موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل۔ غرض جہاں تک نگاہ کی جائے اس عقد کے لئے کوئی وجہ صحت نہیں نہ جائداد کا ہبہ ٹھیک آتا ہے نہ توفیر کا نہ وصیت، کوئی صورت پھر محمود کے یہ الفاظ کہ منفرد و وارثانم را الخ کیا کام دے سکتے ہیں، آخر جس بنا پر اس نے یہ لفظ لکھے تھے جب وہ ہی منعدم ہے تو یہ جو اس پر مبنی تھے خود منعدم ہوگئے، بھلا یہ عقد تو شرعاً کچھ اصل ہی نہیں رکھتا خاص ہبہ صحیحہ میں شرع مطہر کا حکم ہے کہ جب تک موہوب لہ کا قبضہ نہ ہوجائے واہب کو ہر وقت نہ دینے کا اختیار ہے اور اُس پر قبضہ دلانے کا جبر نہیں ہوسکتا لانہ متبرع والمتبرع لاجبر علیہ فی الدرالمختار صح الرجوع فیھا بعد القبض اما قبلہ فلم تتم الھبۃ اھ ای والرجوع انما یکون عن شیئ وتم ولم وقبل[عہ] التمام دفع لا رفع اور کوئی شخص اپنی کسی تحریر خواہ تقریر سے احکام شرع مطہر کو نہیں بدل سکتا۔ صلی اللہ تعالٰی علٰی صاحبہ وبارک وسلم۔ دیکھو جہاں موانع نہ ہوں تو شرع نے واہب کو بعد قبضہ بھی رجوع کا اختیار دیا اگرچہ وہ ہزار بار کہے میں نے اپنا حق رجوع ساقط کیا مجھے رجوع کا اختیار نہ رہا اگر رجوع کروں تو نامقبول ہو کچھ مسموع نہیں اور حق رجوع بدستور باقی فی فتاوی الامام قاضیخاں رجل وھب لرجل شیئاً ثم قال الواھب اسقطت حقی فی الرجوع لایسقط حقہ اھ ومثلہ فی البزازیۃ وغیرھا اور جب اس کے کہنے سے خود اُس کا حق زائل نہیں ہوتا تو ورثہ کو نزاع ودعوٰی سے کون مانع ہوسکتا ہے فان الرجل اقدر علٰی نفسہ منہ علٰی غیرہٖ کما لا یخفٰی۔

بالجملہ صورتِ مستفسرہ میں خلاصۂ حکم یہ ہے کہ محمود وحمیدہ کی یہ سب دستاویزیں محض لغو ومہمل وبیکار ہیں اور اس کاغذ کا نام شرع میں کچھ نہیں کہ جب شرعاً یہ کوئی عقد ہی نہ ہوا تو اس کا نام کیا رکھا جائے اور رشیدہ اور اس کی اولاد کو ان تحریرات کی رو سے مطلق کسی طرح کا استحقاق نہ اصل جائداد میں حاصل ہوا نہ زرِ توفیر میں نہ اُنھیں دعوٰی کرنا شرعاً جائز بلکہ حرام وممنوع۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ

۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید نے بحالت نوکری سرکاری اپنے بیٹے بکر کے نام جو کہ اُس وقت محض نابالغ تھا اپنے روپیہ سے کچھ جائداد خریدی اور کچھ جائداد اپنی بی بی منکوحہ کے نام خریدی اور اُس وقت ایک بیٹی نابالغ بھی تھی اُس کے نام نہیں خریدی پھر زید کے ایک اور لڑکا پیدا ہوا اُس کے نام بھی کچھ جائداد خریدی مگر وہ لڑکا بحالت نابالغی ہی میں فوت ہوگیا جب اُس فوت شدہ لڑکے نابالغ کی جائداد کے کرایہ دار کو بیدخل عدالت سے زید نے کرایا تو عدالت میں زید نے بیان کیا کہ جائداد میری ہے اور میرے روپیہ سے خریدی گئی ہے لڑکے کا نام اسم فرضی تھا، جب زید نوکری سے علیحدہ ہوکر اپنے مکان پر رہا تو اس وقت زید کی دو اور لڑکیاں بھی محض نابالغ تھیں اُن کے نام بھی جائداد نہیں خریدی اُس وقت اپنے نام جائداد خریدی اور کچھ بیٹے بکر کے نام سے بھی (جو کہ اُس وقت قریب بلوغت کے تھا) خریدی مگر زید کل جائداد کی

عہ اشارۃ الی قول صاحب التنویر "دمع خزقہ" عبدالمنان۔ عہ لیس فی الاصل الواو وقبل قبل ولابد منہ ۱۲ عبدالمنان

آمدنی جو اپنے نام اور بکر کے نام اور بیٹے متوفی کے نام اور اپنی بی بی کے نام تھی از خود وصول کرتا تھا اور اپنے تحت اور اختیار میں رکھتا تھا کسی کو اُس میں مداخلت نہ تھی اور زید کی زندگی میں بکر کو جو کہ اس وقت بالغ تھا یہ اختیار نہ تھا کہ جائداد یا جائداد کی آمدنی سے کچھ کسی صرف روٹی کپڑے سے جیسا کہ دنیا میں باپ بیٹوں کو کھلاتے ہیں کھاوے اور پہنے گو زید نے بکر کی شادی بھی کردی تھی مگر اس حالت میں بھی بکر کو آمدنی جائداد سے کچھ سروکار نہ تھا جو جائداد بکر کے نام سے خریدی تھی اس کے نالشات کی پیروی میں بکر ہمراہ زید کے جایا کرتا تھا کہ بکر کے نام سے ہوتی تھی، چنانچہ زید کی زندگی میں حالت مذکورہ بالا رہی۔ جب زید نے وفات پائی تو اس وقت یہ کل جائداد اور اسباب اور نقدی بکر اور والدۂ بکر کے پاس رہی اور بکر تحصیل آمدنی کرنے لگا، جب والدۂ بکر نے بھی انتقال کیا تو سب جائداد وجنس ونقد بکر کے ہاتھ آئی اس وقت سے آج تک بکر قابض ومتصرف ہے۔ بکر نے اب کل جائداد کی آمدنی کی توفیر اور اُس روپیہ سے جو کہ زید چھوڑ کر مرا اور جائداد اپنے نام اور اپنے دو بیٹوں کے نام خریدی۔ اب اگر تقسیم جائداد کی ہوئے اور بہنیں اپنا حصہ طلب کریں تو از روئے شرع شریف آیا کل جائداد میں سے جو کہ بکر کے نام پہلے تھی اور اب بکر نے زید کے روپیہ اور کل جائداد کی آمدنی کی توفیر سے اپنے نام اور اپنے دو بیٹوں کے نام سے خریدی تھی حصہ مل سکتا ہے یا صرف اُس جائداد میں سے جو کہ زید کے نام اور زید کی بی بی کے نام اور عمرو متوفی کے نام تھی مل سکتا ہے لہٰذا التماس ہے کہ فتوٰی بموجب حکم خدا ورسول دیا جاوے تاکہ اس پر عمل درآمد کیا جائے

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

وہ جائداد کہ زید نے نابالغ بیٹے بکر کے نام بدفعات اپنے روپیہ سے خریدی خاص ملک بکر کی ہے جس میں دیگر وارثان زید کا اصلاً کچھ حق نہیں عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے فی الذخیرۃ والتجنیس امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لاتملک الشراء للولد وتکون الضیعۃ للولد لان الام تصیر واھبۃ اھ مافی العقود **اقول** فشراء الاب باسم الولد یقع رأسا للولد لان الاب یملک ذلک فالولد ملک العقار ابتداء والاب متبرع باداء الثمن حیث لم یظھر قصد الرجوع اور جائداد کا تاحیات زید قبضہ بکر میں نہ آنا کچھ مضر نہیں کہ اول تو زید کی ملک بر بنائے ہبہ نہیں بلکہ بر بنائے خرید پدر ہے کما علمت اٰنفا اور ملک بذریعہ شراء قبضہ پر موقوف نہیں اور بالفرض ہبہ ہی ٹھہرایئے تو قبضۂ پدر بعینہٖ قبضۂ پسر نابالغ ہے۔ مجمع الانہر میں ہے ھبۃ الاب لطفلہ تتم بالعقد لانہ فی قبض الاب فینوب عن قبضہ لانہ ولیہ اور آمدنی جائداد سے بکر کو سروکار نہ ہونا بھی ملک بکر کے منافی نہیں کہ نابالغ کی خود اپنی جائداد خاص غیر عطائے پدر ہوتی تو اس پر اور اس کی آمدنی پر بھی باپ ہی کا تصرف واختیار ہوتا نابالغ کو اس سے بھی کچھ سروکار نہ ہوتا اور بعد بلوغ بھی عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جو جائدادیں لوگ اپنے بیٹوں کو لکھ دیتے اور تکمیل ہبہ کے لئے قبضہ بھی کرادیتے بلکہ در پردہ بیع صحیح شرعی وہبہ بشرط تملیک بلاعوض کی تکمیل کرتے ہیں ان پر بھی تاحیات آباء ان مالکان واقعی کا کچھ اختیار اور باپ کی دست نگری کے ساتھ روٹی کپڑے کے سوا کسی چیز سے سروکار نہیں ہوتا اور اتفاقاً جو حیات پدر میں اپنا مستقل اختیار رکھنا چاہتا ہے بد وضع وآوارہ وناسعادتمند گنا جاتا ہے بلکہ اس کی اس کا عکس ہے کہ جب بیٹے لائق وہوشیار وقابل کار ہوتے اور باپ اپنا فارغ البال رہنا چاہتے ہیں تمام املاک پدر قبضہ وتصرف ابناء میں رہتے ہیں مالکوں کو روٹی کپڑے کے سوا کچھ تعلق نہیں ہوتا جبکہ اس سے بیٹوں کا مالک ہونا لازم نہیں آتا اس سے باپ کا مالک ہونا نہ

سمجھا جائے گا بلکہ بدرجہ اولیٰ کہ بیٹوں کا قبضہ نہ ہونا تو کراہت قلبی سے بھی ہوسکتا ہے کہ دل میں قبضۂ پدر سے راضی نہ ہوں مگر لحاظ کے باعث مانع نہیں آتے خصوصاً نابالغ کہ اس کی رضا بھی کوئی شے نہیں بخلاف آبا کہ ان کی املاک پر تصرفات ابنا ان کی رضا ہی سے ہوتے ہیں باوجود اس کے یہ قبضہ واختیار وتصرف واقتدار دلیل ملک نہیں ہوتا۔ کما فی الخیریۃ وفی القنیۃ فع (ای فتاوی العصر للامام علی السندی) عن (ای الامام عمر النسفی) امر اولادہ ان یقسموا ارضہ التی فی ناحیۃ کذا بینھم ففعلوا لا یثبت الملک لھم ظم (ای الامام ظھیر الدین المرغینانی) مثلہ بخ (ای الامام بکر خواھر زادہ) قال لولدہ لا تصرف ھذہ الارض فاخذ یتصرف فیھا لا تصیر ملکا لہ یونہیں زید کا جائداد عمرو پسر دوم کی نسبت اس کی مرگ کے بعد یہ ظاہر کرنا کہ جائداد میرے روپیہ سے خریدی گئی عمرو کا نام فرضی تھا کچھ مضرت نہیں کرتا کہ اول تو یہ صرف اس کا زبانی دعوی تھا ملک عمرو شرعاً ثابت ہوئی صرف اس کے اسم فرضی بتانے سے کیونکر زائل ہوسکتی تھی نہ اس کے روپیہ سے خریدا جانا اُس کے ملک پر دلیل تھا جبکہ صراحۃً اُس نے پسر نابالغ کے نام خریدی۔ فتاوی خیریہ میں ہے لا یلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب۔ اور بالفرض ہو بھی تو اس سے بکر کا نام بھی فرضی ہونا لازم نہیں تو بلا وجہ دلیل شرعی سے کیونکر عدول ہوسکتا ہے پس لا جرم یہ جائدادیں کہ زید نے بکر کے نام خریدیں ہرگز محل توریث نہیں۔ اسی طرح وہ بھی جو بکر نے اپنے یا اپنے نابالغ بیٹوں کے نام مول لیں اگرچہ قیمت زر مشترک سے ادا کی فان الشراء متی وجد نفاذاً علی عاقد نفذ کما فی الھدایۃ والدر المختار وغیرھما من الاسفار۔ خیریہ میں ہے لا تثبت الدار للاب بقول الابن اشتریتھا من مال ابی غایت یہ کہ اگر ثابت ہوجائے کہ زرثمن مال مشترک سے دیا گیا تو باقی ورثہ کا اسقدر روپیہ بقدر اپنے حصص کے بکر پر قرض رہے گا جس کے مطالبہ کے وہ مستحق ہیں نہ کہ جائداد کا کوئی پارہ ان کی ملک ٹھہرے، ردالمحتار میں ہے مااشتراہ احدھم لنفسہ یکون لہ ویضمن حقہ شرکائہ من ثمنہ اذا دفعہ من المال المشترک۔ پس ثابت ہوا کہ زید نے جو نقد روپیہ چھوڑا یا زید وعمرو وزوجۂ زید کے نام جو جائدادیں تھیں پس وہی متروکۂ زید وزوجۂ زید ہیں باقی جائدادیں کہ زید نے بکر کے نام یا بکر نے خود اپنے یا اپنے بیٹوں کے نام خریدیں ملک بکر وپسران بکر ہیں جن میں باقی ورثۂ زید کا کوئی حق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ

۶ صفر ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے منجملہ جائداد موروثی اور خود خرید مقبوضہ مملوکہ اپنے کے بنظر حق تلفی دیگر ورثاء شرعی کے نصف جائداد بطریق ساز اور مصلحت وقت اپنی زوجہ مدخولہ نوسلمہ شیعہ کے نام تاحین حیات اس کے ہبہ کر دی اور اختیار انتقال اور قبضہ جائداد موہوبہ پر موہوب الیہا کو نہ دیا اور تحصیل وتشخیص ومصارف ضروری وغیر ضروری اپنے اختیار میں رکھی اور یہ شرط ہبہ نامہ میں لکھی کہ بالعوض حق الخدمت یہ جائداد ہبہ کی جاتی ہے تاحین حیات اپنے موہوب الیہا مالک اس جائداد کی گزدانی جاوے اس کے بعد دختر متوفیہ کی اولاد کہ محجوب الارث ہے مالک ہوگی اور وہ شیعہ مذہب ہے بعد تملیک ہبہ نامہ کے زید نے ایک جز موہوبہ کا بیع کر ڈالا اور بقیہ موہوبہ کو بشمول جز منجملہ نصف جائداد غیر موہوبہ کے اپنی اور زوجہ مدخولہ کی طرف سے اس نواسہ شیعہ محجوب الارث کے نام بلا کسی استحقاق ہبہ مکرر کیا اور تاحین حیات اپنے خود قابض ومتصرف رہا اور مرگیا، ایسی صورت میں یہ ہبہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں وہ دونوں ہبہ محض باطل وبے اثر ہیں اور جائداد میں اُس عورت خواہ نواسے کا کوئی استحقاق بذریعہ ہبہ نہیں بلکہ تمام وکمال وہ جائداد خاص متروکہ زید قرار پاکر بحکم فرائض اُس کے وارثوں پر تقسیم کی جائے گی یہاں بطلان ہبہ کے لئے اگر اور کوئی وجہ نہ ہو تو اسی قدر بس ہے کہ حیات واہب میں قبضہ نہ ملا، عالمگیریہ میں ہے لا یثبت الملك للموهوب له قبل القبض درمختار میں ہے الیم موت احد المتخاقدین بعد التسلیم فلو قبله بطل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۔ ۳ ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ

جناب مولوی صاحب قبلہ بعد تسلیم نیاز کے گذارش ہے اگر زید نے عمرو کو کوئی چیز ہبہ بلاعوض کی اور اس کو دس بارہ برس کا عرصہ بھی گزر گیا کہ وہ جب سے قابض ودخیل ہے تو زید اس کو واپس کر سکتا ہے یا نہیں فقط راقم خاکسار عزیز اللہ۔

الجواب ۔ اگر وہ شخص اس کا ذی رحم محرم نہیں یعنی نسب کے رو سے ان میں باہم وہ رشتہ نہیں جو ہمیشہ ہمیشہ حرمتِ نکاح کا موجب ہوتا ہے جیسے ماں باپ دادا دادی، نانا، نانی، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی، بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی نیز واہب وموہوب لہ وقت ہبہ باہم زوج وزوجہ تھے نہ موہوب لہ وقت ہبہ فقیر تھا نہ ابتک موہوب لہ اس ہبہ کے عوض میں کوئی چیز یہ جتا کر واہب کو دے چکا ہے کہ یہ تیرے ہبہ کا معاوضہ ہے نہ اس عین شے موہوب میں کوئی ایسی زیادت موہوب لہ کے پاس حاصل ہوئی اور ابتک باقی ہے جس سے قیمت بڑھ جائے جیسے زمین میں عمارت یا پیڑ یا کپڑے میں رنگ یا جانداروں میں فربہی یا کنیز میں حُسن یا اسے کوئی صنعت یا علم آجانا تو ان سب شرائط کے ساتھ جبتک وہ شے موہوب اُس موہوب لہ کی ملک میں باقی وقائم اور واہب وموہوب لہ دونوں زندہ ہیں اگرچہ ہبہ کو سو برس گذر چکے ہوں واپس لینے کا اختیار ہے بایں معنیٰ کہ یا تو موہوب لہ خود واپسی پر راضی ہو جائے یا یہ بحکم حاکم شرع واپس کرالے ورنہ آپ جبراً لے لینے یا کسی غیر حاکم شرع کے حکم سے واپس کرانے کا اصلاً اختیار نہیں یونہیں اگر ان آٹھ شرطوں سے کوئی بھی کم ہے تو واہب کا مطلقاً اختیار نہ ہوگا پھر یہاں اختیار کا صرف اتنا حاصل کہ واپسی صحیح ہو جائے گی لیکن گناہ ہر طرح ہوگا کہ دے کر پھیرنا شرعاً منع ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی مثال ایسی فرمائی جیسے کتا قے کرکے چاٹ لیتا ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ والمسائل کلها مبسوطة فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لیس لنا مثل السوء العائد فی ھبته کالعائد یعود فی قیئه رویاہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما سنن اربعہ میں ہے حضور اقدس سید العلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں مثل الرجل یعطی العطیة ثم یرجع فیها کمثل الکلب اکل حتی اذا شبع قاء ثم رجع فی قیئه رووہ عن ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهم وصححه الترمذی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۴ ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ایک بھائی حقیقی اور تین حقیقی بھتیجوں کو ایک مکان ہبہ بلاعوض کیا اور ہبہ نامہ رجسٹری کرا کر اُن کے حوالہ کیا جس کو عرصہ دس بارہ برس کا گذر گیا کہ یوم ہبہ سے وہ ہر طرح ابتک اس پر قابض اور دخیل ہیں اور مرمت اور شکست ریخت وغیرہ سب انہیں کے اختیار اور ہاتھ سے ہوتے رہے اور اس درمیان تین بھتیجوں میں سے دو نے قضا کی اُن کی جگہ

اُن کی اولاد خوردسال اور اُن کی بیویاں قائم اور قابض ہوئیں اب زید ہبہ کو فسخ کیا چاہتا ہے تو اب اس کو واپس لینے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اگر زید نے وہ مکان تقسیم کرکے ہر موہوب لہ کو ایک محدود و معین و ممتاز ٹکڑے پر جدا جدا قبضہ کاملہ کرادیا تھا یا وہ مکان کوئی چھوٹی سی دکان یا کوٹھری تھا کہ قابلیت تقسیم نہ رکھتا تھا یا یہ چاروں موہوب لہم وقت ہبہ فقیر تھے (اور فقیر کے معنیٰ بالغوں کے لئے یہ ہیں کہ مال بقدر نصاب کے خود مالک نہ ہوں اگرچہ اُن کے والدین غنی یعنی مالک نصاب ہوں اور نابالغ کے فقیر میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کا غنی باپ زندہ موجود نہ ہو اگر ماں غنیہ ہو کہ بچہ اپنے باپ کی زندگی میں اُس کے غنا سے غنی قرار پاتا ہے یہاں تک کہ اُسے زکوٰۃ وصدقہ واجبہ دینا روا نہیں اور ماں کے غنا سے غنی نہیں ٹھہرتا) ان صورتوں میں وہ ہبہ قطعاً صحیح و تام و نافذ و لازم ہوگیا جس میں رجوع کا زید کو ہرگز اختیار نہیں کہ موہوب لہم فقیر ہیں تو ہبہ صدقہ ہے اور صدقہ میں رجوع نہیں ورنہ وہ سب واہب کے ذی رحم محرم ہیں اور ایسی قرابت میں ہبہ سے رجوع ناجائز خصوصاً بھتیجوں کے حصہ میں تو رجوع سے ایک اور مانع بھی پیش آیا یعنی موہوب لہم کا مرجانا کہ جواز رجوع کے لئے زندگی عاقدین بھی شرط ہے فی الدرالمختار تتم الھبۃ بالقبض الکامل فی محوز مقسوم ومشاع لایبقی منتفعا بہ بعد ان یقسم کبیت وحمام صغیرین لانھا لاتتم بالقبض فیما یقسم لعدم تصور القبض الکامل فان قسمہ وسلمہ صح لزوال المانع وھب اثنان داراً لواحد صح وبقلبہ لا للشیوع فیما یحتمل القسمۃ واذا تصدق بعشرۃ دراھم او وھبھا للفقیرین صح لان الھبۃ للفقیر صدقۃ والصدقۃ یراد بھا وجہ اللہ تعالٰی وھو واحد فلا شیوع ویمنع الرجوع فیھا موت احد العاقدین بعد التسلیم، والقرابۃ فلو وھب لذی رحم محرم منہ نسبا لایرجع اھ ملتقطا وفی ردالمحتار عن التاتارخانیۃ عن المضمرات لو قال وھبت منکما ھذہ الدار والموھوب لھما فقیران صحت الھبۃ بالاجماع اھ وفی مختصر القدوری لایصح الرجوع فی الصدقۃ بعد القبض اھ اور اگر وہ مکان بڑا یعنی قابل تقسیم تھا اور زید نے مشاعاً چاروں کو ہبہ کیا اور تقسیم کرکے خاص خاص معین حصوں پر جدا جدا قابض نہ کردیا اور موہوب لہم سب یا بعض اُس وقت غنی بمعنی مذکور تھے (یعنی اُن میں کوئی بذاتِ خود مالک نصاب تھا یا ان میں کسی نابالغ کا باپ مالک نصاب زندہ موجود تھا) تو رجوع وواپسی درکنار یہ ہبہ مذہب صحیح ومعتمد وظاہر الروایۃ پر سرے سے مفید ملک واقع نہ ہوا مکان بدستور ملک زید پر باقی ہے جس میں موہوب لہم خواہ اُن کے ورثہ کا کوئی حق نہیں اُن پر لازم ہے کہ سارا مکان زید کو واپس دیں اور زید قطعاً اختیار رکھتا ہے کہ جس وقت چاہے بے اُن کی رضامندی کے بطور خود قبضہ کرلے جس سے نہ اُن کی قرابت منع کرسکے نہ بعض عاقدین کا مرجانا کہ مکان اُن کی ملک میں آیا ہی نہ تھا جو شرائط رجوع دیکھے جائیں بلکہ بعض علماء کہ ہبہ مشاع کو فاسد اور بعد قبضہ ناقصہ مفید ملک خبیث مانتے ہیں اُن کے نزدیک بھی اُس کا رد واجب اور واہب کو ہمیشہ اختیار رجوع رہتا ہے جس سے قرابت خواہ موت احد العاقدین وغیرہما کوئی مانع اصلاً منع نہیں کرسکتا، بہرحال اس صورت میں ان لوگوں کا قبضہ اگرچہ سالہا سال سے ہے محض ناجائز وبے اثر کہ تقادم مدت سے حق ساقط نہیں ہوتا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے لاتعم ھبۃ المشاع الذی یحتمل القسمۃ کالدار والارض ولو صدق الوارث علی صدورھا من المورث ولا تفید الملک فی ظاھر الروایۃ قال الزیلعی ولو سلمہ شائعا لایملکہ حتی لاینفذ تصرفہ

فیہ فیکون مضمونا علیہ و ینفذ فیہ تصرف الواھب ذکرہ الطحاوی و قاضیخان و روی عن ابن رستم مثلہ وذکر عصام انھا تفید الملک و بہ اخذ بعض المشائخ انتھی ومع افادتھا للملک عند ھذا البعض اجمع الکل علی ان للواھب استردادھا من الموھوب لہ ولو کان ذا رحم محرم من الواھب وکما یکون للواھب الرجوع فیھا یکون لوارثہ بعد موتہ لکونھا مستحقۃ الرد وتضمن بعد الھلاک اھ ملخصا، قہستانی میں ہے وکما لایمنع الرجوع فی الھبۃ الفاسدۃ القرابۃ فکذا غیرھا من الموانع اھ **اقول** فقد ظھر الجواب اذا کانوا جمیعا اغنیاء وکذا اذا کان بعضھم غنیا والبعض فقیرا لان الشیوع انما لایعمل فی الصدقۃ اذا تصدق بالکل علی فقیرین اوفقراء لکون المراد بالکل ح ھو وجہ الواحد الاحد الفرد جل جلالہ کما مر عن الدر المختار اما اذا کان بعضہ ھبۃ لغنی فلم یکن المراد بکلہ وجھہ تعالٰی فتحقق المعنی المانع عن افادۃ الملک علی المذھب الصحیح الرجیح المعتمد الا تری الی ماصرح بہ فی تنویر الابصار وشرحہ الدر المختار من ان الصدقۃ کالھبۃ بجامع التبرع وح لاتصح غیر مقبوضۃ ولا فی مشاع یقسم اھ قال فی البحر فان قلت قدم ان الصدقۃ لفقیرین جائزۃ فیما یحتمل القسمۃ بقولہ وصح تصدق عشرۃ لفقیرین[1] قلت المراد ھھنا من المشاع ان یھب بعضہ لواحد فقط فح ھو مشاع یحتمل القسمۃ بخلاف الفقیرین فانہ لاشیوع کما تقدم اھ فما نحن فیہ علی تلک الصورۃ المصرح ببطلانھا اعنی التصدق بالبعض وابقاء البعض علی ملک نفسہ فان الھبۃ فی حصۃ الاغنیاء لما لم تفد شیئا للشیوع بقیت تلک الحصۃ علی ملک الواھب فلم یکن الا تصدقا بالبعض وابقاء للبعض الباقی فلم یصح ای لم یفد ملکا للفقیر ایضا وبہ تبین ان لیس ھذا رجوعا فی الصدقۃ حتی لایجوز بعد القبض فان الرجوع انما ھو بعد ثبوت الملک للفقیر وھھنا لا ملک فلا رجوع فلا منع ھکذا ینبغی التحقیق اذا ساعد التوفیق، واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ - ۲۵ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان خرید کر اپنی دختر ہندہ عاقلہ بالغہ کو ہبہ کامل مع قبضہ کر دیا زید خود دوسرے مکان میں رہتا تھا اُس مکان موہوب میں ہندہ بعد ہبہ سالہا سال سے رہا کی اور رہتی ہے مگر زید نے اس ہبہ کی کوئی دستاویز

---

[1] ثم رأیت بحمد اللہ تعالٰی نصا لجزئیۃ فی العقود الدریۃ حیث قال وجہ صحتھا اذا کان لفقیرین ماصرحوا بہ من ان الصدقۃ یراد بھا وجہ اللہ تعالٰی وھو واحد فلاشیوع والا فقد صرحوا فی المتون ایضا بان الصدقۃ کالھبۃ لاتصح فی مشاع یقسم ای بان یتصدق ببعضہ علی واحد والحاصل انہ لو وھب دارہ مثلا التی تحتمل القسمۃ من غنیین لایصح للشیوع خلافا لھما والتصدق بھا علی فقیرین یصح اتفاقا لما مر ولو وھب نصفھا لواحد وتصدق بہ علی فقیر واحد لم یصح لتحقق الشیوع اھ ھکذا ھو بالواو فی وتصدق فی النسخۃ المطبوعۃ ببولاق مصر سنۃ ۱۲۷۳ من الھجرۃ المطھرۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ

نہ لکھی ہاں کل عزیز اور چند ورثا اور تمام اہل محلہ اس ہبہ سے آگاہ ہیں اور گواہی دینے کو موجود ہیں اس صورت میں وہ ہبہ تمام وکمال ہوگیا یا نہیں اور مکان ملک ہندہ دختر زید ہے یا ملک زید قرار پاکر اُس کے ترکہ میں تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں وہ مکان خالص ملک ہندہ دختر زید ہے جس میں زید کا اصلاً کوئی استحقاق نہیں، نہ وہ زید کا ترکہ قرار پاسکے کہ شریعت مطہرہ میں ہبہ وغیرہ تمام عقود صرف زبان سے ہیں تحریر کوئی ایسی چیز نہیں کہ اُس کے بغیر کسی عقد کو ناتمام وغیر مکمل تصور کیا جائے فتاویٰ خیریہ لنفع البریہ میں ہے اما اشتراط کونہ یکتب فی حجۃ ویقید فی سجلات فلیس بلازم شرعا ومخالف للموضوع الشرعی فان اللفظ بانفرادہ کاف فی صحۃ ذلک شرعا والزیادۃ لایحتاج الیھا اھ ملخصا، واللّٰہ تعالٰی اعلم

مسئلہ

شعبان ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید نے ایک اراضی اپنے بیٹے کے نام خریدی بعد ایک مدت کے وہ زمین ایک طبیب کو ہبہ کی پسر زید اصل مالک زمین نے کہ عاقل بالغ تھا اس فعل کو جائز رکھا اور کہا کہ مجھے منظور ہے چنانچہ وہ طبیب ایک مدت تک برضائے واہب و مالک اُس زمین پر قابض ودخیل رہا اب بعد انتقال زید وپسر زید نبیرۂ زید اُس زمین کو واپس لینا چاہتا ہے آیا وہ اسے واپس لے سکتا ہے اور اس واپس لینے کا اسے شرعاً اختیار ہے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں اگرچہ زید کا ہبہ ہبہ فضولی تھا مگر جب اصل مالک نے اُس کی اجازت دی اور موہوب لہ نے برضائے مالک قبضہ پالیا تو وہ زمین اُس طبیب کی ملک تام ہوگئی اب کہ مالک نے انتقال کیا اصلاحق رجوع کسی کو نہ رہا نبیرۂ زید کا ارادہ واپسی محض مہمل ہے اُسے خواہ کسی کو اُس زمین کو واپس لینے کا اصلا اختیار نہیں درمختار میں ہے باب موانع الرجوع یجمعھا حروف دمع خزقہ المیم موت احد العاقدین اھ ملخصا، واللّٰہ تعالٰی اعلم

مسئلہ

۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بعد انتقال مورث اعلیٰ کے ترکہ مشترکہ سے جزو عمرو کو زبانی دیا یا بخشا یا کل حصہ خالد اور ولید کو بذریعہ تحریر ہبہ کیا اور جزو یا کل غیر منقسم پر قبضہ دیا بعد اس کے دیگر شرکاء اور زید میں بابت ترکہ مشترکہ غیر منقسم مورث اعلیٰ کے نزاع ہوکر تقسیم جائداد ہوئی زید مذکور نے از روئے تقسم اپنا وہ حصہ کہ جس کا جزو یا کل ہبہ کرچکا تھا پایا اُس کل کو بیع کردیا صورت مذکورہ بالا میں دہندگی اور بخشندگی اور ہبہ زبانی وتحریری جائز اور قابل نفاذ ہے یا نہیں۔ بیان کرو تم اجر پاؤ تم

الجواب ۔ شے مشترک صالح تقسیم کا ہبہ قبل تقسیم ہرگز صحیح نہیں اور اگر یونہیں مشاعاً یعنی بے تقسیم موہوب لہ کو قبضہ بھی دیدیا جائے تاہم وہ شے بدستور ملک واہب پر رہتی ہے موہوب لہ کا اصلاکوئی استحقاق اُس میں ثابت نہیں ہوتا نہ وہ ہرگز بذریعۂ ہبہ اس کا مالک ہوسکے جبتک واہب تقسیم کرکے خاص جزء موہوب معین محدود ممتاز جداگانہ پر قبضۂ کاملہ نہ دے یہاں تک کہ ایسے قبضۂ ناقصہ کے بعد بھی اگر موہوب لہ اُس شے میں بیع وغیرہ کوئی تصرف کرے محض باطل وناقابلِ نفاذ ہے اور واہب کے سب تصرفات جیسے قبل ہبہ نافذ تھے اب بھی بدستور تام ونافذ ہیں یہی حق وصحیح ومعتمد ہے اور اسی پر تعویل واعتماد لازم۔ پھر یہ شیوع چاہے یوں ہو کہ سرے سے خود واہب کے جائداد

میں ایک حصہ غیر منقسم کا مالک ہے یہی حصہ کل یا بعض قبل تقسیم ہبہ کیا یا یہ تو اُس کل چیز کا مالک تھا مگر ہبہ اس میں سے ایک جزو غیر منقسم کا کیا یا جبہ بھی کل کا کیا مگر دو شخصوں کو دیا اور ہر موہوب لہ کا حصہ جدا و ممتاز کرکے قبضہ نہ دلایا تینوں صورتوں کا وہی حکم ہے کہ ہبہ محض ناتمام اور ایسے قبضہ کے بعد بھی موہوب لہ کو اصلا ملک حاصل نہیں تنویر الابصار میں ہے الھبة تتم بالقبض فی محوز مقسوم ومشاع لایقسم لافیما یقسم ولو لشریکه فان قسمه وسلمه صح ولوسلمه مشاعا لایملکه فلاینفذ تصرفه فیه اھ ملتقطا اسی میں ہے وھب اثنان دارا لواحد صح وبقلبه لا، فتاوی خیریہ میں ہے قال فی مشتمل الاحکام نقلا عن تتمة الفتاوی وان ھبة المشاع باطله وھو الصحیح رد المحتار میں ہے ولوسلمه شائعا قال فی الخیریة لاتفید الملك فی ظاھر الروایة قال الزیلعی ولوسلمه شائعا لایملکه حتی لاینفذ تصرفه فیه فیکون مضمونا علیه وینفذ فیه تصرف الواھب ذکرہ الطحاوی وقاضیخان وروی عن ابن رستم مثله وافتی به فی الحامدیة والتاجیة وبه جزم فی الجوھرة والبحر ونقل عن المبتغی انه لوباعه الموھوب له لایصح وفی نور العین عن الوجیز الھبة الفاسدة مضمونة بالقبض ولا یثبت الملك فیھا الا عند اداء العوض نص علیه محمد فی المبسوط وھو قول ابی یوسف وذکر قبله ھبة المشاع فیما یقسم لاتفید الملك عند ابی حنیفة وفی القھستانی ھو المختار کما فی المضمرات وھو الصحیح فحیث علمت انه ظاھر الروایة وانه نص علیه محمد ورووه عن ابی حنیفة ظھر انه الذی علیه العمل ونص فی الاصل انه لو وھب نصف دارہ من اٰخر وسلمھا الیه فباعھا الموھوب له لم یجز دل انه لایملك حیث ابطل البیع بعد القبض ونص فی الفتاوی انه ھو المختار اھ ملخصا صورت مستفسرہ میں زید نے جو اپنے حصہ کا ایک جزء عمرو کو دیا یا خالد و ولید کو کل حصہ ہبہ کیا دونوں حالتوں میں یہ نہ صرف ایک وجہ سے مشاع بلکہ ہر طرح مشاع در مشاع تھا عمرو کو دینے میں یوں کہ اصل حصہ زید ہنوز مشاع تھا پھر اُس مشاع میں کا ایک جزء غیر منقسم عمرو کو بخشا اور خالد و ولید کے نام ہبہ میں یوں کہ ایک تو اصل حصہ مشاع دوسرے دو شخصوں کو بے تقسیم دینا پس بہر حال حکم یہی ہے کہ یہ سب ہبہ تحریری ہوں خواہ زبانی محض باطل و بے اثر ہوئے اور عمرو و خالد و ولید کو کوئی استحقاق اس موہوب میں نہ ملا اور بیع کہ زید نے کی بے تامل صحیح و نافذ و تام و کامل ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی نصف جائداد کا اپنے پسر متوفی کی زوجہ کو اپنی حیات و صحت میں مالک کردیا اور وہ جائداد جب ہی منقسم ہوگئی کہ بہو نے حیات زید میں اس پر قبضہ کاملہ پالیا اور بعد زید بھی بدستور پچاس برس بلکہ زائد تک اُس پر قابض رہی اب عورت نے اپنے بھائی چھوڑ کر انتقال کیا زید کے دوسرے پسر کی اولاد اس جائداد میں دعوٰی کرتے ہیں اس صورت میں دعوٰی ان کا قابلِ سماعت ہے یا وہ صرف حق وارثان عورت ہے اولاد پسر زید کا اُس میں کچھ حق نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں وہ نصف جائداد کہ زید نے اپنی بہو کو دی اُس کی مالک مستقل بہو ہوگئی وارثان زید کا اس میں کچھ حق نہ رہا نہ اُن کا دعوٰی مسموع ہوسکتا ہے وہ صرف حق وارثان عورت ہے فان التملیك ان کان بیعا فظاھر وان کان ھبة فقد

تمت بالتقسیم والقبض ولزمت بالموت ، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ۔ ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ چودہ برس کا ہوا مسماۃ ہندہ نے انتقال کیا اور بعد اپنے دو بیٹے نام کلاں کا زید اور نام ثانی کا بکر تھا اور بکر کے خالد نام ایک لڑکا بعمر دس سال تھا چھوڑا جائداد متروکہ ہندہ میں بموجب ادخال فوتی نامہ پٹواری دیہہ محکمۂ نظامت میں بجائے ہندہ زید پسر اور بجائے بکر خالد پوتا کا نام درج ہوگیا بکر نے بخیال مصلحت خاص بغرض حفظ جائداد کہ وہ مقروض تھا اور اپنا نام لکھوانے میں خوف تلف ہونے اس جائداد کا تھا اُس وقت سکوت اختیار کیا اور کوئی لفظ تملیک نہ کہا اور نہ تملیک منظور تھی نہ کوئی تحریر مثل ہبہ نامہ یا بیعنامہ (مثل دیگر جائداد کہ اپنے روپے سے خالد کو اور اُس کی ماں کو بذریعہ خرید ہبہ کے لکھ چکا) اس حقیت کی کی، اور نہ اُس وقت تک باوجود بالغ ہونے کے خالد کو اس جائداد پر قبضہ دیا بخلاف دیگر جائداد کے جو دینا منظور تھی اُس پر قابض و دخیل کر دیا اور اس حقیت میں بطور فرضی نام درج رہا بکر ہی کارکن اور قابض متصرف مالکانہ اس حقیت کا اس وقت تک ہے۔ اب خالد یعنی پسر بکر اُس پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے اور بکر چاہتا ہے کہ نام خالد کا محکمہ موصوف سے خارج ہوکر ترکہ مادری پر میرا نام درج ہو۔ لہٰذا بموجب شرع شریف بکر مستحق درج کرانے نام اپنے کا ہے یا نہیں اور بموجودگی پسر کے پوتا کو ترکہ دادی پہونچتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ محکمۂ مال میں نام خالد کا اندراج جس کی بنا تحریر پٹواری پر تھی کوئی چیز نہیں کہ پٹواری خواہ حکام مال ایک کے مال کا مالک دوسرے کو نہیں کرسکتے۔ جبکہ جائداد ترکۂ ہندہ والدۂ بکر تھی تو بلاشبہہ زید و بکر بحکم وراثت اُس کے مالک ہوئے اور خالد کو کوئی استحقاق ابتدائی نہ ملا کہ بیٹے کے ہوتے پوتے کا کچھ حق نہیں اب جو حصہ ملک بکر ہوا دوسرا بے اُس کے تملیک کے کیونکر اس کا مالک ہوسکتا ہے فی ردالمحتار عن الکرمانی ان ملك الانسان لاینتقل الی الغیر بدون تملیکه اور تملیک کی یہاں دو ہی صورتیں متصور یا تو مالک آپ انشار و ایجاب ہبہ کرے یا دوسرا شخص یعنی فضولی اس کی چیز کو ہبہ کرے اور یہ اس تصرف کو اپنی اجازت سے نافذ کردے یہاں جو کچھ بکر سے صادر ہوا وہ محض سکوت ہے اور پر ظاہر کہ سکوت خود تو کسی عقد کا ایجاب ہو نہیں سکتا کہ ایجاب کلام اول ہے اور سکوت ترک کلام اور یہاں اسے اجازت قرار دینے کی بھی کوئی سبیل نہیں کہ اجازت کے لئے کوئی عقد فضولی ہونا تو درکار ہے جسے جائز کیا جائے اور بداہۃً واضح کہ صیغۂ مال والوں کا خانۂ ملکیت میں کسی کا نام لکھنا کوئی انشائے ہبہ نہیں ہوتا وہ تو صرف ایک یادداشت مالکیت ثابتہ ہے نہ احداث ملک جدید تو یہاں سرے سے کوئی عقد فضولی پایا ہی نہ گیا کہ سکوت بکر کو اس کی اجازت قرار دیں قطع نظر اس سے کہ مجرد سکوت مطلقاً دلیل اجازت ہو بھی سکتا ہے یا نہیں خصوصاً وہ بھی ایسا کہ محض ایک مصلحت کے بنا پر ہو۔ پس ثابت ہوا کہ یہاں اصلاً کوئی صورت تملیک متحقق نہ ہوئی اور حقیت بدستور ملک بکر ہے خالد کا دعویٰ اصلاً قابل سماعت نہیں۔ پھر اس تقریر کی حاجت بھی اُس حالت میں ہے کہ وفات ہندہ کے بعد زید و بکر کا حصہ جدا جدا منقسم ہوگیا ہو اُس کے بعد بجائے بکر حصہ بکر میں نام خالد مندرج ہوا اور اگر قبل از تقسیم یونہی جائداد متروکہ غیر منقسمہ میں اندراج نام خالد ہوا (جیسا کہ ظاہر یہی ہے کہ فوتی نامہ بعد فوت معاً داخل ہوتا ہے نہ کہ جب جائداد کا ورثہ میں بٹے بانٹ ہوجائے)

جب تو خالد کے لئے ملک ثابت نہ ہوتا کسی بیان کا محتاج ہی نہیں اگرچہ نہ پٹواری بلکہ خود بکر نے نہ بلحاظ مصلحت بلکہ خاص بقصد تملیک ہی خالد کا نام درج کرایا ہو کہ اس حالت میں یہ اگر ہوگا تو غایت درجہ ہبۂ مشاع ہوگا اور ہبۂ مشاع اصلا مفید ملک نہیں اگرچہ اپنے بیٹے کے لئے ہو جبتک واہب تقسیم کرکے موہوب لہ کو قبضۂ کاملہ نہ دے یہاں کہ ابتک قبضہ نہ ہوا ملک خالد کے کوئی معنی نہیں فتاوی خیریہ وعقود الدریہ میں ہے المشاع فیما یحتمل القسمۃ وھو ما یجبر القاضی فیہ الأبی علی القسمہ عند طلب الشریک لہا لا تفید الملک للموھوب لہ فی المختار مطلقا شریکا کان او غیرہ ابنا او غیرہ الخ مجموعۂ علامہ الفروی میں ہے فی المنتقی وھب نصف بیتہ لابنہ الصغیر لم یجز مالم یقسمہ ویبین ما وھب لہ من فتاوی التمرتاشی فی اٰخر کتاب الھبۃ اھ، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۔ ۴ رجمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے حالت مرض الموت میں اپنی جائداد یعنی ایک دکان اور ایک مکان اپنے پسر عمرو کو اور اس کی زوجہ کو نصف نصف ہبہ بلا تقسیم کردی اس وجہ سے کہ زوجین میں نا اتفاقی رہتی تھی بعد کو عمرو مذکور تا مرگ پورا کرایہ دکان مذکور کا لیتا رہا اور تقسیم پر راضی نہ رہا اور اب عمرو نے وفات پائی ایک زوجہ اور ایک ہمشیرزادہ وارث چھوڑے اب ترکہ عمرو کا کیونکر تقسیم ہوگا یعنی دکان اور مکان پورا پورا عمرو کا سمجھا جائے گا یا نصف نصف، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ جبکہ زید نے مکان و دکان دو شخصوں کو نصف نصف ہبہ کئے اور تقسیم کرکے ہر ایک کو جدا جدا قبضہ نہ دلایا یہاں تک کہ مرگیا تو مکان کا ہبہ تو یقیناً باطل ہوا یوہیں دکان کا بھی اگر وہ بعد تقسیم قابل انتفاع ہو یعنی اتنی گنجائش رکھتی ہو کہ اس کے دو حصے جدا کردیئے جائیں تو ہر حصہ تنہا بکار آمد رہے اس صورت میں وہ مکان و دکان ترکہ زید رہے اور بعد زید اگر اس کا کوئی وارث سوا عمرو کے نہ تھا تو بشرط تقدیم دین و وصیت وہ دونوں صرف عمرو کے ملک ہوئے زوجۂ عمرو کا ان میں کچھ حق نہ تھا اب کہ عمرو مرا اگر اس کے وارث یہی دو شخص ہیں تو بعد ادائے مہر و دیگر دیون و انفاذ وصایا چار حصے کرکے ایک سہم زوجۂ عمرو اور تین سہم ہمشیرزادۂ عمرو کو دیں۔ اور اگر دکان ایسی کوتاہ و تنگ ہے کہ تقسیم کے بعد ہر حصہ جدا قابل انتفاع نہ رہے تو مکان کا ہبہ تو باطل تھا اس کی حالت تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی مگر دکان کا ہبہ ناجائز نہ ہوا۔ اب دیکھا جائے گا کہ زید نے اپنی حیات میں زوجۂ عمرو کو اس دکان پر قبضہ کرادیا تھا یا نہیں اگر نہیں تو ہبہ پھر باطل ہوگیا کما فی الدر المختار ان موت احد العاقدین قبل التسلیم مبطل للھبۃ اور اگر قبضہ کرادیا تھا تو اس نصف دکان کو اندازہ کیا جائے زید کا جس قدر ترکہ بعد ادائے دیون باقی رہا یہ نصف اس کل ترکہ کے ثلث سے زائد تو نہیں اگر زائد نہیں تو ہبۂ نصف بنام زوجۂ عمرو صحیح وتام ولازم ہوگیا یہ نصف دکان خاص ملک زوجہ ہے اور نصف باقی و مکان و دیگر متروکات کا وہی حال ہے جو اوپر گزرا اور اگر ثلث سے زائد ہے تو از انجا کہ عمرو اس تقسیم پر راضی نہ تھا ثلث سے زائد کی مقدار میں ہبہ رد ہوگیا فان الھبۃ فی مرض الموت فی حکم الوصیۃ من جھۃ التوقف علی اجازۃ الوارث فیما زاد علی الثلث وان لم تکن وصیۃ فی الحقیقۃ حتی بطلت فی المشاع وعند عدم القبض کما بینہ فی ردالمحتار اس تقدیر پر صرف بقدر ثلث متروکہ کے جتنا حصہ اس نصف دکان کا ہو وہی ملک زوجہ از روئے ہبہ ہے باقی دکان و مکان وغیرہ بدستور سابق تقسیم ہوں گے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ - از بنارس محلہ کندیگر ٹولہ شفاخانہ مسجد بی بی راجی مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب
ونیز از بنارس محلہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی محمد عبدالحمید صاحب ۱۴ رجب المرجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ابقاہم اللہ تعالٰی الٰی یوم الدین، اس مسئلہ میں کہ زید کے تین بیٹے تھے عمرو بکر خالد۔ زید نے عمرو کے نام سے ایک مکان خرید کیا اور قبالہ وغیرہ امور متعلقہ بیع بھی سب اُسی کے نام سے کئے بعد اُس کے عمرو اپنے باپ زید اور برادران خالد وبکر کی حیات میں قضا کر گیا تو اب عمرو کے بال بچے اس مکان میں سے حصہ پائیں گے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب - صورت مستفسرہ میں اگر عمرو اس وقت نابالغ تھا تو ہر طرح وہ مکان ملک عمرو ہوگیا عمرو کے ورثہ پر حسب فرائض شرعیہ منقسم ہوگا فانہ ان وجدت اضافۃ العقد الی عمرو وقع الشراء لہ والاب یملکہ فملکہ عمرو ابتداء والا وقع الشراء لزید ثم جعلہ باسم عمرو صار ھبۃ منہ بحکم العرف واستغنت عن القبض لان ھبۃ الاب لولدہ الصغیر تتم بمجرد الایجاب وفی الھندیۃ عن القنیہ اشتری ثوبا فقطعہ لولدہ الصغیر صار واھبا بالقطع مسلما الیہ قبل الخیاطۃ ولو قال اشتریت ھذا لہ صار ملکا لہ اھ ملخصا وفی احکام الصغار للعلامۃ الاستروشنی عن الذخیرۃ والتجنیس امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لاتملک الشراء للولد وتکون الضیعۃ للولد لانھا تصیر واھبۃ والام تملک ذلک ویقع قبضھا عنہ اور اگر بالغ تھا تو زید مشتری اور بائع مکان کے باہم عقد بیع وشرا میں جو لفظ زبان پر آئے اُن پر نظر کی جائے گی اگر اُن میں عمرو کی طرف اضافت عقد تھی مثلاً بائع نے کہا یہ مکان میں نے تیرے بیٹے عمرو کے ہاتھ بیچا زید نے کہا میں نے اُس کے لئے خریدا یا اس کے جواب میں اتنا ہی کہا کہ میں نے خریدا یا زید نے کہا یہ مکان میں نے اپنے بیٹے عمرو کے لئے خرید کیا بائع نے کہا میں نے عمرو کے ہاتھ بیچا یا اسی قدر کہا کہ میں نے بیچا فان الاضافۃ فی احد الکلامین کافیۃ اذا لم یوجد فی الاٰخر خلافہ کما صححہ فی وجیز الکردری وحققناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار خلافا لما فھم العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تعالٰی وصورۃ الخلاف ان تقع الاضافۃ فی احد الشطرین الی احد وفی الاٰخر الی اٰخر کان قال اشتریت لفلان فقال بعت منک حیث یبطل العقد فی الاصح لانہ خاطب المشتری فردہ لغیرہ فلا یکون جوابا فما بقی الا بشرط واحد افادہ فی فروق الکرابیسی کما نقلہ عنھا فی البحر تو اس صورت میں یہ شرائے فضولی ہوا اور اجازت عمرو پر موقوف رہا اگر اس نے اجازت دی مکان ابتداءً ملک عمرو ہوا اور اسی کے ورثہ پر تقسیم ہوگا اور اگر بیش از اجازت مرگیا بیع باطل ہوکر مکان ملک بائع پر رہا فی الدر المختار لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ اذا لم یضفہ الی غیرہ فلو اضافہ توقف بزازیہ وغیرہا اھ مختصرا وفی البزازیۃ والصحیح انہ اذا اضیف العقد فی احد الکلامین الی فلان یتوقف علی اجازتہ اھ وفی الدرر لاتجوز اجازۃ وارثہ لبطلانہ بموتہ اھ اور اگر لفظوں میں عمرو کی طرف اضافت نہ تھی اگرچہ قبالہ میں عمرو ہی کے ہاتھ بیچنا لکھا ہو فان العبرۃ بما تلفظا بہ لا بما کتباہ کما نص علیہ فی الخیریۃ تو یہ شرا زید کے لئے واقع اور زید ہی اس کا مالک ہوا اب بعد اس کے جبکہ تحریر قبالہ وغیرہا کارروائیاں بنام عمرو کرائیں تو یہ بحکم عرف شائع زید کی طرف سے عمرو کے لئے ہبہ ہوا فان مثل ھذا یدل دلالۃ واضحۃ

علی التملیک وھی المثبتۃ للھبۃ فی ردالمحتار التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیک الخ فی احکام الصغار ان المعتبر فی الباب التعارف وفی العرف یراد بہ البر والصلۃ الخ پس اگر عمرو نے بربنائے ہبہ قبضہ کاملہ پا لیا تھا تو مکان ملک عمرو ہوگیا اُس کے ورثہ پر تقسیم ہوگا ورنہ ملک زید پر باقی ہے وارثان عمرو کا اُس میں کچھ حق نہیں فی ردالمحتار عن البزازیۃ اتخذ لولدہ الصغیر ثوبا یملکہ وکذا الکبیر بالتسلیم اھ واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ از ٹڑو نج ملک مالوہ علاقہ دربار ٹونک مرسلہ سید محمد شاہ صاحب ۳۰ رشعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مساۃ کلو بی بی مورث اعلٰی نے بذریعہ ہبہ نامہ اپنی جائداد مملوکہ ومقبوضہ میر جعفر علی داماد خود کے قبضہ میں دیدی اور مساۃ بگو بی بی دختر کلو بی بی مورث اعلٰی سے مساۃ کنیز بانو ایک لڑکی از نطفہ میر جعفر علی پیدا ہوئی اور وہ مسمّی نجیب شاہ کے عقد میں دی گئی اور بحیات میر جعفر علی وکلو بی بی مورث اعلٰی کے بگو بی بی وکنیز بانو لاولد ہر دونوں کا انتقال ہوگیا میر جعفر علی حیات رہے ان کی دوسری زوجہ مساۃ حاکم بی بی سے دولڑکی کنیز فاطمہ وکنیز صغرٰی از نطفہ میر جعفر علی پیدا ہوئیں اور بذریعہ اس ہبہ نامہ کے کہ جو کلو بی بی نے بنام میر جعفر علی کیا تھا جائداد موہوبہ ومقبوضہ میر جعفر علی پر کہ جس کو عرصہ ۵۵ سال کا ہوا بلکہ زائد قابض ومتصرف ہیں اور بموجب اسی ہبہ نامہ کے احکام منظوری ریاست شرع شریف یعنی مفتی محکمہ قضا سے استخلاصہ صادر ہوئی کہ ہبہ نامہ نوشتہ کلو بی بی موسومہ میر جعفر علی صحیح ودرست ہے بموجب اُس کے قبضہ کنیز فاطمہ وکنیز صغرٰی دختران میر جعفر علی مرحوم کا رہے۔ اب بعد مرور عرصہ مذکور کے مسمّی امام شاہ برادر نجیب شاہ نے کہ نجیب شاہ شوہر کنیز بانو دختر میر جعفر علی مرحوم کا ہے عدالت شرع شریف میں دعوٰی دائر کیا کہ مساۃ کنیز بانو نواسی کلو بی بی مورث اعلٰی میرے بھائی نجیب شاہ کے عقد میں تھی اسی وجہ سے جائداد متروکہ میر جعفر علی کے جو کلو بی بی سے بذریعہ ہبہ نامہ اُن کے قبضہ میں ہے مجھکو ملنا چاہئے دختران میر جعفر علی کا قبضہ فسخ فرمایا جاوے۔ پس اندریں صورت جائداد موہوبہ کلو بی بی بنام میر جعفر علی عندالشرع کس کو پہنچ سکتی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ وہ جائداد بذریعہ ہبہ صحیحہ تامہ ملک جعفر علی ہوگئی کلو بی بی یا اس کے ورثہ کا اُس میں کچھ حق نہ رہا امام شاہ کا دعوٰی محض باطل ونامسموع ہے۔ عالمگیریہ میں ہے اما حکمھا فثبوت الملک للموھوب لہ اسی میں ہے اما العوارض المانعۃ من الرجوع فمنھا موت الواھب کذا فی البدائع آھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ از بیجا تھ پارہ ضلع رائے پور مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد بیجا تھ پارہ ۱۳ ر ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

ایک عورت نے انتقال کیا اور ایک لڑکا چھوڑا اُس کے خاوند نے جب دوسرے نکاح کا قصد کیا تو عورت متوفیہ کی ماں مانع ہوئی کہ پہلے میری بیٹی کا مہر دیدو بعد میں نکاح کرو چنانچہ اس شخص نے بروقت نکاح اپنے لڑکے کے نام جائداد لکھدی یا صرف اقرار ہی کیا اور بیان کیا کہ آئندہ جو کچھ از نقد یا جائداد حاصل کروں گا وہ اس عورت اور اس کے اولاد کا حق ہوگا۔ اُس شخص نے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہونے کے بعد انتقال کیا اور اس عورت ثانی نے بھی انتقال کیا اب ایک لڑکا پہلی بی بی کا ہے جس کے قبضہ میں کل جائداد ہے اور ایک لڑکا اور ایک لڑکی دوسری بی بی سے ہیں جن کے پاس کچھ نہیں ہے۔ یہ اولاد ثانی اس ورثہ سے جو پہلے لڑکے کے تصرف میں ہے کچھ پاسکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ تمامی ہبہ کے لئے واہب کا موہوب لہ کو شے موہوب پر قبضہ کاملہ دلانا شرط ہے قبضہ کاملہ کے یہ معنی کہ وہ جائداد یا تو وقت ہبہ ہی مشاع نہ ہو (یعنی کسی اور شخص کی ملک سے مخلوط نہ ہو جیسے دیہات میں بغیر پٹہ بانٹ کے کچھ بسوے یا مکانات میں بغیر تقسیم جدائی کے کچھ سہام) اور واہب اُس تمام کو موہوب لہ کو قبضہ میں دیدے یا مشاع ہو تو اس قابل نہ ہو کہ اُسے دوسرے کی ملک سے جدا امتیاز کرلیں تو قابل انتفاع رہے جیسے ایک چھوٹی سی دکان دو شخصوں میں مشترک کہ آدھی الگ کرتے ہیں تو بیکار ہوئی جاتی ہے ایسی چیز کا بلا تقسیم قبضہ دلا دینا بھی کافی و کامل سمجھا جاتا ہے یا مشاع قابل تقسیم بھی ہو تو واہب اپنی زندگی میں جدا و منقسم کرکے قبضہ دیدے کہ اب مشاع نہ رہی۔ یہ تینوں صورتیں قبضہ کاملہ کی ہیں اور پسر موہوب لہ اگر وقت ہبہ بالغ ہو تو خود اُس کا اپنا قبضہ شرط ہے ورنہ باپ کا قبضہ اُسی کا قبضہ ہے کل ذلک مصرح بہ فی الکتب الفقھیۃ عن اٰخرھا پس صورت مستفسرہ میں اگر شخص مذکور نے وہ جائداد اپنے پسر کو تحریری خواہ زبانی ہبہ کردی اور بشرائط و معانی مذکورہ پسر کو قبضہ کاملہ دلا دیا تو وہ جائداد خاص اُس پسر کی ملک ہوگئی دیگر ورثہ کا اُس میں استحقاق نہ رہا اور اگر ہبہ نہ تھا نرا اقرار ہی اقرار تھا کہ اُسے دیدوں گا یا ہبہ زبانی خواہ تحریری کیا مگر قبضہ نہ دیا تو وہ قبضہ کاملہ نہ تھا اگرچہ پسر نے بعد موت پدر قبضہ کاملہ کرلیا ہو تو ان صورتوں میں وہ جائداد بدستور ملک پدر پر باقی رہی تمام ورثہ حسب فرائض اُس سے حصہ پائیں گے فان موت الواھب قبل التسلیم یبطل الھبۃ کما فی درالمختار واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد قابل قسمت بشرکت اور تین شخصوں کے اپنے روپے سے خرید کرکے بلا تقسیم اپنی زوجہ کے نام لکھا دی اور اُس کی زندگی تک وہ جائداد منقسم نہ ہوئی اب بعد وفات اُس کی مالک اُس جائداد کی فقط زوجہ مذکورہ ہے یا مثل اس کے اور ترکہ کے سب ورثہ پر منقسم ہو جائے گی، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ صورت مسئولہ میں وہ جائداد مثل اُس کے اور ترکہ کے سب ورثہ پر منقسم ہو جائے گی اور صرف زوجہ مذکورہ اس کی مالک نہیں ہوسکتی کہ یہ نام لکھا دینا ہبہ ہے اور ہبہ جائداد صالح قسمت کا بلا تقسیم صحیح و نافذ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ملک دو بیٹوں پر منقسم تھی ایک بیٹی ہندہ اور ایک اُس کے پسر زید کی تھی ہندہ نے زید پسر اور اُس کے ایک بیٹا کہ سامنے فوت ہوا تھا دو پوتے اور دو پوتیاں چھوڑ کر انتقال کیا زید نے ہندہ کی پٹی میں صرف اپنے بھتیجے عمرو کے نام جس کی عمر قریب ۲۳۔ ۲۴ سال کے تھی لکھوا دیا مگر ابتک اُسے قبضہ نہ دیا دونوں پٹیاں زید کے قبضہ میں ہیں وہ پٹی بھتیجے کو دینا نہیں چاہتا اس صورت میں ترکہ ہندہ مکان و ملک وغیرہ کا مالک کون ہے اور پوتے پوتیوں کا بھی اُس میں کچھ حق ہے یا نہیں اور عمرو اس نام لکھوا دینے سے اُس پٹی کا مالک ہوگیا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں برتقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و وارث آخر و ادائے دیون و انفاذ وصایا کل متروکہ ہندہ کا مالک صرف اُس کا بیٹا زید ہے اور نام لکھا دینا اگرچہ دلیل تملیک ہے اور یہ تملیک ہبہ مگر ہبہ بے قبضہ کے تمام نہیں ہوتا نہ بغیر اس کے موہوب لہ کو ملک

حاصل ہوا[عـــہ] کہ زید نے اپنے بھتیجے کو قبضہ نہ دلایا وہ پٹی بھی بدستور زید کی ملک ہے عمرو اس سے جبراً نہیں لے سکتا ہدایہ میں ہے القبض لابد منه لثبوت الملك لانه عقد تبرع وفی اثبات الملك قبل القبض الزام المتبرع شیئا لم یتبرع به وھو التسلیم فلا یصح۔ ولان القبض تصرف فی ملك الواھب اذ ملکه قبل القبض باق اھ قلت ومن ھٰھنا ظھر ان امتناعه عن التسلیم[عـــہ] لیس فی شیئ من الرجوع فان الرجوع فیه بعد القبض اما قبله فلم تتم الھبة اور اب اگر عمرو بغیر اجازت زید کے خود قبضہ کرلے گا اصلا بکار آمد نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں زید وہندہ دونوں حیات اُن کے تین بیٹے احمد ومحمد وحامد۔ احمد مختار عام۔ محمد روزگار پیشہ حامد نابالغ۔ محمد سرمایہ روزگار اپنا معرفت زید وہندہ بالاشتراک صرف کرتا رہا زید نے منجملہ اپنی جائداد کے ایک اراضی افتادہ واسطے تعمیر مکان کے محمد کو دیدی اس نے منجملہ اپنے سرمایہ روزگار کے جو اس کے پاس جمع تھا اور اپنی زوجہ اور ماموں سے کچھ روپیہ اور چوب قرض لیکر مکان پختہ تعمیر کرایا اور یوم تعمیر سے آج تک اُس پر قابض ہے اور کسی قدر چوب متفرقہ تعمیر ہذا زید نے منجملہ تین باغات مملوکہ اپنے کے ایک قطعہ باغ از رُوئے تقسیم بلالحاظ کم وبیش محمد کو دیں کہ وہ صرف تعمیر ہوئے عندالضرورت واسطے انجام تعمیر مکان مذکور معرفت زید کسی قدر روپیہ قرض لیا گیا کہ محمد نے بعد تعمیر اپنے سرمایہ روزگار سے زید کو دیدیا اب زید چاہتا ہے کہ مکان مذکور احمد ومحمد وحامد سب کو تقسیم کردے یہ فعل اس کا جائز ہو یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ تعمیر مکان کے لئے زمین دینا ہبہ نہیں اگر زید نے زمین دیتے وقت کوئی لفظ ایسا جو شرعاً مفید ہبہ ہو نہ کہا تو صرف عاریت ہے اور زمین بدستور ملک زید ہے اُسے اختیار ہے جسے چاہے تقسیم کردے ہاں عمارت کسی پر تقسیم نہیں ہوسکتی کہ وہ خاص ملک محمد ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فاطمہ نے کہ زید کی خالہ ہے ایک باغ زید کو ہبہ کیا اور قابض کرادیا آیا یہ ہبہ صحیح اور وہ باغ زید کا قرار پائے گا یا نہیں اور فاطمہ اب اُسے واپس لے سکتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ برتقدیر وجود سائر شرائط ہبہ اگر فاطمہ نے باغ سے اپنا قبضہ بالکل اُٹھالیا اور زید کو قابض کرادیا تو ہبہ صحیح ہے اور وہ باغ زید کا قرار پائے گا اور فاطمہ کو اس وجہ سے کہ وہ زید کی خالہ ہے رجوع ہبہ سے صحیح نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گورنمنٹ انگریزی نے زید کے دیہات جاگیر ضبط کرکے، کچھ روپیہ سالانہ مقرر کردیا کہ بعد انتقال زید حسب فرائض منقسم ہوتا رہا۔ منجملہ اس کے ساٹھ روپیہ سالانہ ہندہ پاتی تھی، اُس نے اپنے انتقال سے ۲۵ دن پہلے ابنا روزینہ اپنے نواسے کو

عـــہ اصل میں اسی طرح ہے، شاید قلم ناسخ سے لفظ ایسی کے بعد "صورت میں" چھوٹ گیا۔ ۱۲ عـــہ فی الاصل بیاض بین لفظ التسلیم ولفظ فی شیئ ولفظ "کان" مرقوم بین فان الرجوع۔ ۱۲۔

ہبہ کیا اور بنام موہوب لہ اس کے منتقل ہوجانے کی درخواست دی۔ ہندہ کا بھتیجا یعنی اس کے چچازاد بھائی کا بیٹا کہ اس کے سوا اور کوئی وارث نہیں، اس روپیہ پر دعوٰی کررہا ہے، آیا اس صورت میں وہ ہبہ صحیح ونافذ اور بھتیجہ کا دعوٰی باطل وناجائز ہے یا نہیں، بیـنوا توجروا۔

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں وہ ہبہ محض باطل وبے اثر اور برادرزادہ ہندہ کا دعوٰی صحیح ومعتبر، اولاً۔ اس ہبہ کا یہ محصل کہ وہاں سے جو روزینہ جب جب آوے اس کا مالک موہوب لہ ہے، اور وہ روزینہ ہندہ بالفعل موجود نہیں۔ اور ہبہ معدوم باطل ہے (جواب نامکمل ملا)

مسئلہ :۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید کے تین بیٹے عمرو۔ بکر۔ خالد۔ بکر نے ایک اراضی افتادہ مقبوضہ مملوکہ زید میں حسب اجازت زید اپنے سرمایہ روزگار سے ایک مکان پختہ تعمیر کرایا اور کچھ روپیہ اپنی زوجہ اور ماموں سے قرض لیکر لگایا کسی قدر روپیہ بطور قرض زید نے بھی دیا کہ بکر نے اسے ادا کردیا۔ اگر زید مکان معمرہ بکر کو عمرو خالد پر بھی تقسیم کرنا چاہے تو بکر مستحق پانے اپنے سرمایہ ذاتی اور اس روپیہ کے جو اس نے اپنی زوجہ اور ماموں سے قرض لیکر لگایا ہے عمرو وخالد سے ہے یا نہیں اور وہ اراضی ہبہ ہوئی تھی یا نہیں اور اگر ہبہ تھی تو زید کا رجوع تعمیر مکان و قبضہ بکر کے بعد صحیح ہے یا نہیں۔ بیـنوا توجروا۔

الجواب ۔ باپ کا اپنے بیٹے کو ایک زمین افتادہ تعمیر مکان کے لئے بتادینا تنہا مثبت ہبہ نہیں تا وقتیکہ اس کے ساتھ الفاظ ہبہ سے کوئی لفظ نہ پایا جائے مثلاً یہ زمین میں نے تجھے دیدی یا ہبہ کی یا تجھیں اس کا مالک کیا یا یہ زمین تیری ہی ہے وامثال ذلک ممایدل علی تملیک العین بلاعوض، پس اگر ان الفاظ سے کوئی لفظ پایا گیا تو بیشک صورت مستفسرہ میں ہبہ صحیح وتام ولازم ہوگیا زید کو رجوع کا اختیار نہیں نہ وہ اس مکان کو عمرو وخالد پر تقسیم کرسکتا ہے ورنہ بعد اجازت تعمیر سے صرف عاریت ثابت ہوگی زمین بدستور مملوک زید ہے بکر کا اس میں کچھ حق نہیں اور جب وہ اسی کی مملوک ہے تو نفس زمین میں اسے ہر طرح کے تصرف مالکانہ کا اختیار ہے جسے چاہے دے سکتا ہے جو چاہے کرسکتا ہے اور جب کہ بکر کسب ومعاش مستقل رکھتا تھا تو جو عمارت اس نے اپنے زر خالص سے بنائی اس کا وہی مالک ہے زید کا اس میں کچھ حق ملک نہیں صورت سوال کہ زید کا کچھ روپیہ بغرض تعمیر بکر کو قرض دینا پھر اس سے وصول کرنا نص صریح ہے کہ زید بھی اس عمارت کے مملوک بکر ہونے پر متفق ہے فی العقود الدریۃ من کتاب العاریۃ سئل فی رجل بنی بمالہ لنفسہ قصرا فی دار ابیہ باذنہ ثم مات ابوہ عنہ وعن ورثۃ فہل یکون القصر لبانیہ ویکون کالمستعیر الجواب نعم کما صرح بذلک فی حاشیۃ الاشباہ من الوقف عند قولہ کل من بنی فی ارض غیرہ بامرہ فھو لمالکہا اھ و مسئلۃ العمارۃ کثیرۃ ذکر فی الفصول العمادیۃ والفصولین وغیرھا وعبارۃ المحشی بعد قولہ ویکون کالمستعیر فیکلف قلعہ متی شاء انتہی فتاوٰی علامہ خیرالدین رملی میں ہے سئل فی ابن کبیر ذی زوجۃ وعیال لہ کسب مستقل حصل بسببہ اموالا اجاب ھی للابن حیث کان لہ کسب مستقل بنفسہ واما قول علمائنا اب وابن یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لہما شیئ ثم اجتمع لہما مال یکون کلہ للاب اذا کان الابن فی عیالہ فھو مشروط کما یعلم من عباراتہم بشروط منہا اتحاد الصنعۃ الخ اھ ملتقطا پس اس صورت میں زمین زید کی اور عمارت بکر کی زید کو اختیار ہے جس وقت چاہے بکر پر جبر کرے کہ اپنا عملہ اکھیڑلے جائے اور زمین خالی کردے کما مر من العقود عن العلامۃ السید الحموی

من قوله يكلف قلعه متى شاء اور اگر قلع بنا سے زمین کو کوئی ضرر فاحش نہ پہونچے تو بکر خود بھی اپنا عملہ اکھیڑ لینے کا اختیار رکھتا ہے اگرچہ زید نہ کہے فی حاشیۃ الطحطاویہ عن شرح الکنز للزیلعی ایما طلب القلع اجیب اور ان دونوں صورتوں میں یعنی زید جبراً اکھڑوادے یا بکر خود اکھیڑلے جائے زید کو عملہ کی قیمت یا اکھیڑنے سے جو اس میں نقصان آئے اس کا تاوان کچھ نہ دینا پڑے گا فی الھندیۃ عن البدائع اذا استعار من اٰخر ارضا لیبنی فیھا او یغرس فیھا ثم بدا للمالك ان یخرجه فله ذلك سواء كانت العارية مطلقة او موقتة غيرانها ان كانت مطلقة له ان يجبر المستعير على قلع الغرس ونقض البناء وان قلع ونقض لا يضمن المعير شيئا من قيمه الغرس والبناء اھ طحطاوی میں ہے ولا يضمن مانقص من البناء والغرس لعدم القرار عند عدم التوقيت افادہ الزیلعی اور اگر بکر چاہے کہ میں عملہ برقرار رہنے دوں اور زید مجھے قیمت دیدے تو یہ امر رضامندی زید پر موقوف رہے گا اُس پر بکر کو جبر نہیں پہنچتا فی الھندیۃ فان طلب المستعیر ان یضمن المعیر قیمۃ البناء والغرس مقلوعا فانه لا یجبر علی ذلك ویکلفه علی القلع اور اگر قلع بنا سے زمین کو ضرر بیّن پہنچے تو بکر خود اختیار قلع نہیں رکھتا بلکہ اب اختیار زید کو ہے چاہے اپنے نقصان زمین پر راضی ہو اور بکر پر جبر کرے کہ عملہ اکھیڑ لیجائے یا عملہ کو اپنی ملک کرلے اور بکر کو بنائے مقلوعہ کی قیمت دے یعنی یہ عملہ اگر اکھیڑ کر بیچا جائے تو اس حالت میں خریدار اُس کے کیا دام لگائیں گے اسی قدر حوالہ زید کرے باقی زید کی لاگت کا کچھ اعتبار نہیں نہ وہ زوجہ اور ماموں کے اُس قرض کا مطالبہ زید خواہ عمرو و خالد سے کرسکتا ہے کہ مدیون یہ ہے نہ وہ فی تنویر الابصار لو اعار ارضا للبناء والغرس صح وله ان يرجع متى شاء ويكلفه قلعهما الا اذا كان فيه مضرة بالارض فيترك بالقيمة مقلوعين طحطاوی میں ہے وان رضی رب الارض بالنقص قلعھما ولا یجبر علی الضمان اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو عرصہ دس بارہ سال سے عارضہ دمہ کا تھا کبھی شدت ہوجاتی کبھی کم ہوجاتا سوا اس کے اور کوئی مرض نہ تھا نہ زید صاحب فراش ہوا بلکہ مثل تندرستوں کے چلتا پھرتا اسی حالت میں اُس نے کل جائداد اپنی مہندہ اپنی زوجہ کو بعوض اُس کے مہر کے بحالت ثبات ہوش وحواس کے ہبہ کی اور بغیر قابض کرائے دوسرے روز انتقال کیا، اس صورت میں یہ ہبہ صحیح و نافذ ہوگا یا نہیں اور ایسی ہبہ میں قبضہ مشروط ہے یا نہیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب - مرض موت کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک صاحب فراش ہونا ضرور، تجرید میں اسی مذہب کو معتمد قرار دیا اور مختار یہ ہے کہ اُس مرض کا قاتل ہونا چاہئے کہ مبتلا اس کا غالباً نہ بچتا ہو جب تک خوف موت غالب رہے مرض موت ہے اگرچہ مثل تندرستوں کے چلے پھرے فی الدر المختار قیل مرض الموت ان لا یخرج لحوائج نفسه وعليه اعتمد فی التجريد بزازيه والمختار انه ما كان غالب منه الموت وان لم يكن صاحب فراش قہستانی عن ھبۃ الذخیرۃ صورت مسئولہ میں جبکہ زید صاحب فراش نہ تھا اور دمہ امراض قاتلہ سے نہیں بلکہ غالب اُس میں سلامت ہے تو یہ مرض اس کا باتفاق تفسیرین مرض موت نہ قرار پائے گا علی الخصوص جبکہ اُسے عرصہ دس بارہ برس کا گزر چکا تھا

فی الدرالمختار وھبۃ مقعد ومفلوج واشل ومسلول من کل مالہ ان طالت مدتہ سنۃ ولم یخف موتہ منہ والا تطل وخیف موتہ فمن ثلثہ لانھا امراض مزمنۃ لاقاتلۃ اھ ملخصا پس یہ ہبہ بلا شبہہ صحیح ونافذ ہوگا اور قبضہ نہ ہونا کچھ مضر نہیں کہ ہبہ بالعوض حقیقۃ بیع ہے اور بیع میں قبضہ غیر مشروط فی الدرالمختار لو قال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداء وانتہاء اھ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان جو بلا شرکت غیرے اُس کا مملوک تھا اپنے پسر نابالغ کو ہبہ کیا اور شرط لگائی کہ اپنی زندگی تک اُس مکان میں بطور مالکانہ سکونت رکھوں گا اور بلوغ پسر تک اُس کی مرمت میرے ذمہ رہے گی اور اس مضمون کا ہبہ نامہ لکھدیا آیا اس صورت میں ہبہ تمام وکامل ہوگیا یا بوجہ اس کے کہ زید نے مکان خالی نہ کیا اور سکونت ومرمت کی شرطیں لگائیں فاسد وناجائز رہا، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں ہبہ صحیح ونافذ وتام وکامل ہوگیا زید کا اصلاً حق مالکانہ اُس میں نہ رہا پسر زید مالک مستقل ہوگیا یہاں تک کہ خود زید بھی اب اُس ہبہ کے نقض وابطال پر قادر نہیں فان البنوۃ من موانع الرجوع عہ اور زید کا مکان خالی نہ کرنا کچھ مضر نہیں کہ باپ اپنے پسر نابالغ کو جو ہبہ کرے وہ صرف ایجاب سے تمام ہوجاتا ہے باپ کا قبضہ بعینہ پسر کا قبضہ قرار پاتا ہے سکونت پدر تمامی ہبہ کے منافی نہیں ہوتی فی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار ھبۃ من لہ ولایۃ علی الطفل فی الجملۃ تتم بالعقد (ای الایجاب فقط) لان قبض الولی ینوب عنہ والاصل ان کل عقد یتولاہ الواحد یکتفی فیہ بالایجاب اھ ملتقطا درمختار میں اشباہ سے ہے ھبۃ المشغول لاتجوز الا اذا وھب الاب لطفلہ اور سکونت ومرمت کی شرطیں اگرچہ بیجا ہیں مگر ہبہ شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود وہ شرطیں فاسد وبے اثر ٹھہرتی ہیں درمختار میں ہے وحکمھا انھا لاتبطل بالشروط الفاسدۃ فھبۃ عبد علی ان یعتقہ تصح ویبطل الشرط اھ، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ :-

(نوٹ) اصل میں بیاض ہے، سوال دستیاب نہ ہوسکا۔

الجواب ۔ صورت مسئولہ میں اگر قبضہ مال موہوب پر قبل موت واہب کے ہوگیا تو ہبہ تمام ہے مگر ثلث مال میں صحیح ہوگا کہ ہبہ مرض موت میں ہوا پس ثلث مال موہوب لہا کو ملے گا اور دو ثلث ورثہ کو اور اگر قبضہ بعد موت واہب کے ہوا تو ہبہ باطل ہے کل مال ورثہ واہب کو ملیگا قال فی العالمگیریۃ قال فی الاصل ولا تجوز ھبۃ المریض ولاصدقتہ الا مقبوضۃ فاذا قبضت فجازت من الثلث و اذا مات الواہب قبل التسلیم بطلت پھر اگر زوجیت موہوب لہا کی ثابت ہوگئی تو وہ اور زوجہ اولٰی ثمن حق ورثہ میں خواہ دو ثلث ہو یا کل شریک ہیں ورنہ عہ ثمن بتمامہ زوجہ اولٰی کا ہے اور مابقی اُس کے اولاد کا اور موہوب لہا کو وارثوں کے حصہ میں سے کچھ نہ ملے گا البتہ برتقدیر ثبوت

عہ لفظ "رجوع" اندازہ سے بنایا گیا اصل میں بیاض ہے ۔ عہ فی الاصل "ورثہ" وہو زلۃ من قلم الناسخ ۱۲۔

ہبہ ثلث مال بوجہ ہبہ کے لے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ از مراد آباد ۱۸ رشعبان ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو دختر اور دو پسر ہیں وہ چاہتا ہے کہ اپنا مال اپنی زندگی میں بحالت صحت نفس ان چاروں کو عطا کرے آیا برابر تقسیم کرے یا بطور فرائض للذکر مثل حظ الانثیین، بینوا توجروا۔

الجواب۔ صورت مستفسرہ میں مذہب مفتی بہ پر افضل یہی ہے کہ بیٹوں بیٹیوں سب کو برابر دے یہی قول امام ابویوسف کا ہے اور للذکر مثل حظ الانثیین دینا بھی جیسا کہ قول امام محمد کا ہے ممنوع و ناجائز نہیں اگرچہ ترک اولٰی ہے ردالمحتار میں علامہ خیرالدین رملی سے ہے الفتوٰی علٰی قول ابی یوسف من ان التنصیف بین الذکر والانثی افضل من التثلیث الذی ھو قول محمد حاشیہ طحطاویہ میں فتاوٰی بزازیہ سے ہے الافضل فی ھبۃ البنت والابن التثلیث کالمیراث وعند الثانی التنصیف وھو المختار بالجملۃ خلاف افضلیت میں ہے اور مذہب مختار پر اولٰی تسویہ ہاں اگر بعض اولاد فضل دینی میں بعض سے زائد ہو تو اُس کی ترجیح میں اصلاً باک نہیں علامہ طحطاوی نے فرمایا یکرہ ذلک عند تساویھم فی الدرجۃ کما فی المنح والھندیۃ اما عند عدم التساوی کما اذا کان احدھم مشتغلا بالعلم لا بالکسب لاباس ان یفضلہ علی غیرہ کما فی الملتقط ای ولا یکرہ وفی المنح روی عن الامام انہ لاباس بہ اذا کان التفضیل لزیادۃ فضل لہ فی الدین الخ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔

چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ مساۃ ہندہ بحضور گواہان از زید زوج خود گفت کہ من تمام مہر خویش بشما بخشیدم زید قبول ساخت بعد ازاں زید از ہندہ زوجۂ خویش گفت کہ انچہ شے من است بشما بخشیدم و دادم ہندہ گفت کہ من گرفتم جملہ شاہدان کلام طرفین مذکورہ شنیدہ رفتند وکدام کاغذ از جانب ہندہ و زید تحریر نہ گشت بعدہ زید بگذاشتن عمرو برادر خود و ہندہ زوجہ و متروکہ مشترکہ فیمابین خواہرزادہ و برادر زادہ و بیوہ برادر خورد و برادر حقیقی مذکور فوت ساخت زاں بعد ہندہ فوت شد او پس مرگ خود دو خواہر و دو برادر گذاشت پس دادن زید شے خویش مشترکہ را بمساۃ ہندہ زوجہ عندالشرع صحیح است یا نہ و بخشیدن مہر ہندہ بسمی زید شوہر صحیح یا غیر صحیح و ترکہ زید برکدام کس بموجب فرائض بہ تقسیم خواہد شد و ترکہ ہندہ برکدام کدام تقسیم خواہد شد، بینوا توجروا۔

الجواب۔ شرع مطہر اسلامیان رزقنا اللہ اتباعہ بیع عقدے و فسخے راموقوف بر تحریر نداشتہ است پس ہندہ کہ مہر خود را بزید بخشید درصحت ونفاذ ایں ہبہ سخنے نیست تنہا ایجاب ہندہ اینجا بسندمی بود اگر زید رد نہ کردے فکیف کہ تنصیص برقبول نمود فی تنویر الابصار ھبۃ الدین ممن علیہ الدین وابراؤہ عنہ یتم من غیر قبول و ہبہ زید در املاک مشاعہ مشترکہ غیر منقسمہ کہ زید بے آنکہ آنہارا تقسیم و افراز کردہ بقبض ہندہ سپاردہ مرد، و ہندہ برآنہا دست نیافت باطل شد و بہیچ وجہ ہندہ را اختیار تملک آنہا نماند فی الدرالمختار فی ذکر موانع الرجوع والمیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل و در عالمگیریہ از کتاب الاصل می آرد اذا مات الواھب قبل التسلیم بطلت سائل ازیں قدر می پرسد اما تمام حکم وحق انصاف دریں جا آنست کہ زید ہبہ اش را برہمیں اشیائے مشاعہ مقصور نگذاشتہ بود بلکہ

ہرانچہ کہ ازاں وے باشد ہمہ را ہبہ نمود وایں چنیں ہبہ شرعًا رواست وبعد قبض تام ونافذ ومفید ملک فی الخانیۃ لوقال جمیع مالی اوجمیع ما املکہ لفلان فھو ھبۃ لایجوز الابالتسلیم وعادت آنچناں ست کہ چیزہا از املاک خالصہ شوہر مانند نقود وعروض لباس واثاث وزیور وظروف وغیرہا امتعہ وقمش ازجانب شوہر بدست زناں برسبیل ودیعت یا اباحت می باشد ودرہمچو مقام اگر ہبہ واقع شود حاجت بقبض جدید نمی افتد فان قبض الودیعۃ والاباحۃ کل واحد منھما قبض غیر مضمون وکذلک قبض الھبۃ فینوب احدھما عن الاٰخر من دون حاجۃ الی قبض جدید قال فی التنویر وشرحہ الدر وملک بالقبول بلاقبض جدید لوالموھوب فی ید الموھوب لہ ولو بغصب اوامانۃ لانہ ح عامل لنفسہ والاصل ان القبضین اذا تجانسا ناب احدھما عن الاٰخر واذا تغایرا ناب الاعلٰی عن الادنی پس ازیں قسم اشیاء ہرچہ کہ بدست ہندہ بود بمجرد ایجاب وقبول از دائرۂ ملک زید بحوزۂ تملک ہندہ انتقال نمود وہمچنیں اگر زید درحیات خودش چیزے بقبض کامل ہندہ داد یا ہندہ باذن او خواہ درمجلس ہبہ بلااذن وے بر چیزے قبضہ تامہ کرد آنہمہ مملوک ہندہ گردید وانچہ مطلقًا بے قبض مشاع باشد خواہ مفرز درانہا ہبہ باطل شد کما ثبت من انھا لاتفید الملک الابالقبض وتبطل بموت احدھما قبل التسلیم وگمان بزند کہ چوں عقد واحد در بعض معقود علیہ کہ اشیائے غیر مقبوضہ است بود بطلان گرفت درباقی نیز ازحلہ صحت عاری وعاطل باشد زیراکہ ہبہ ہمچو بیع نیست وبشرط فاسد فساد نمی پذیرد فی الاشباہ من قاعدۃ اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام ومنھا الھبۃ وھی لاتبطل بالشرط الفاسد فلایتعدی الی الجائز اھ متروکۂ زید برتقدیم عدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم مقدم کالدین والوصیۃ برچارسہم انقسام یافتہ سہمے بزن وسہ برادری رسد وترکہ ہندہ ازموہوبہ زید وحصہ ترکہ زید وغیرہا انچہ کہ شرعًا ملک ہندہ قرار یابد بشرائط مذکورہ شش پارہ شد پنج برادر[عہ] دو بخش وبہر خواہر بخشے خواہد رسید، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک دستاویز میں ابومحمد وفاطمہ کا اپنی ایک جائداد مشترکہ بنام اپنے تین بیٹوں احمد وحامد بالغان ومحمود نابالغ کے اس طور پر لکھا کہ نصف جائداد بنام احمد پسر کبیر کے جو فضل دینی میں اور اولاد سے زائد ہے اور نصف باقی بنام حامد ومحمود کے۔ ابومحمد نے وفات پائی فاطمہ زندہ ہے اُس کا ان امور میں شریک ہونا اور دستاویز لکھوانا اور اس تقسیم متفاوت پر راضی ہونا یقینًا ثابت ہے، اسی طرح حامد بالغ کا بھی اپنے برادر کلاں احمد کے ترجیح پر راضی ہونا یقینی، آیا ایسی صورت میں بعد انتقال ابومحمد کے صرف اس وجہ پر کہ بیٹوں کے دینے میں باہم فرق کیا گیا اگر وہ خود دیتا تو برابر دیتا یہ گمان ہوسکتا ہے کہ یہ فعل ابومحمد کا نہیں یا اُس نے دستاویز نہ لکھوائی یا وہ اس تفاوت پر راضی نہ تھا یا اُس کا فعل مانا بھی جائے تو اس بنا پر گمان کرسکیں کہ اس کی عقل میں اختلال تھا ورنہ تفاوت نہ کرتا یا ایسا نہیں ہے اور اولاد میں کسی کو بوجہ فضل دینی کے ترجیح دیجائے تو شرعًا جائز اور یہ تصرف نافذ ہے یا اس خیال سے کہ بعض اولاد نابالغ ہیں یا کیا معلوم بقیہ اولاد سے آئندہ کوئی اور شخص فضل میں زیادہ ہوجائے اجازت نہ دیں گے، بینوا توجروا۔

[عہ] قدزل قلم الناسخ الصواب ہر برادر دو بخش وہر خواہر بخشے خواہد رسید ۱۲ - عبدالمنان

الجواب ۔ نفاذ کے لئے تو اگر کوئی شخص غیر محجور اپنی ساری جائداد ایک ہی بیٹے کو دیدے اور باقی اولاد کو کچھ نہ دے تو یہ تصرف بھی قطعاً صحیح ونافذ ہے اگرچہ عنداللہ گنہگار ہوگا گنا ہگاری کو عدم نفاذ تصرف سے کچھ علاقہ نہیں درمختار میں ہے ولو وھب فی صحۃ کل المال للولد جاز واثم اور اگر فضل دینی کے سبب بعض اولاد کو ترجیح دیجائے تو یہ بلاکراہت جائز ہے اس میں عنداللہ بھی کچھ مواخذہ نہیں فی الخانیۃ روی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ لاباس بہ اذا کان التفضیل لزیادۃ فضل لہ فی الدین وان کانا سواء یکرہ عالمگیریہ میں ہے لوکان الولد مشتغلا بالعلم لا بالکسب فلاباس بہ ان یفضلہ علی غیرہ کذا فی الملتقط اور جب یہ تفاوت شرعاً جائز ہے اور صورت مسئولہ میں جس بیٹے کو ترجیح دی گئی حسب بیان سائل فضل دینی میں زیادہ ہے تو اس بنا پر کیونکر گمان ہوسکتا ہے کہ وہ فعل ابومحمد کا نہ تھا یا وہ اس تفاوت پر راضی نہ تھا یا تھا تو اس کی عقل میں کچھ اختلال تھا ہم بتصریح علماء نقل کر آئے کہ تمام اولاد کو محروم کرکے کل مال ایک کو دینا بھی صحیح ونافذ ہے پھر جب شرع ایسے مکروہ تصرف کو جس میں عنداللہ مواخذہ ہے صحیح وتمام مانتی ہے اور اس قسم کے خیالات کو گنجائش نہیں دیتی تو یہ تصرف جس میں کسی طرح حرج شرعی نہیں کیونکر مورد ان خیالات کا ہوسکتا ہے اسی طرح یہ احتمال بھی کہ ممکن ہے کہ آئندہ بعض اولاد باقین سے کوئی شخص فضل دینی میں اس پر بڑھ جائے تو اس وقت اس کے فضل پر خیال کرکے کیونکر اسے ترجیح دیں ہرگز ٹھیک نہیں کہ شرع مطہر حالت موجودہ پر حکم دیتی ہے آخر علم غیب خدا کو ہے ایسے ہی خطرات کو جگہ دی جائے تو علماء کے اس حکم کا کوئی محل نہ ملے کہ جب اس مسئلہ پر عمل کرکے ایک ولد کو زیادہ دینا چاہیں فوراً یہ احتمال قائم ہوسکتا ہے کہ کیا معلوم آئندہ باقین میں سے اس سے کوئی بڑھ جائے علماء نے کہ ترجیح افضل کی اجازت دی ہے حکم مطلق رکھا ہے کسی کے بلوغ وعدم بلوغ کی قید نہیں لگائی ہرگز کوئی شخص کسی ایک کتاب میں بھی نہیں دکھاسکتا کہ یہ حکم صرف اُس صورت میں ہے کہ جب بقیہ اولاد میں کوئی بالغ ہو اور وجہ اس کی نہایت ظاہر کہ حیات مورث میں ورثا اس کی جائداد کے مالک نہیں ہوجاتے جو ایک کو زیادہ دینا نابالغ کے تصرف ٹھہرے ہر شخص اپنی صحت میں اپنے مال کا مختار ہے اگر کسی اجنبی کو دیدے تو کون ہاتھ روک سکتا ہے علی الخصوص فاطمہ کا کہ زندہ وموجود ہے اس تفاوت پر راضی ہونا بالکل ایسے خیالات کو دفع کرتا ہے کہ یہی علت بعینہٖ وہاں موجود ہے، اب کیا یہ گمان کرسکتے ہیں کہ فاطمہ اس فعل پر راضی نہیں یا راضی ہے تو اس کے عقل میں کچھ اختلال ہے اور جب یہاں ایسا خیال نہیں کرسکتے اور باوجودیکہ ماؤں کو اولاد صغیر کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے وہ اس تفاوت پر بوجہ احمد کے فضل دینی کے صریح رضامند ہے تو ابومحمد کی رضامندی بدرجہ اولٰی قابل تسلیم ہوسکتی ہے اور حامد پسر بالغ کا اپنے برادر کلاں کے ترجیح پر رضامند ہونا اور زیادہ مؤید کہ وہ تو خاص معاملہ اس کی ذات کا تھا۔ جب اس نے اپنے بھائی کے فضل دینی کا خیال کیا، تو اگر باپ تفاوت کرے تو کونسا محل تعجب ہوسکتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ :۔

(نوٹ) اصل میں سوال منقول نہیں ۱۲۔

الجواب ۔ ہبہ مرض الموت میں جب غیر وارث کے نام ہو تو قطعاً صحیح وجائز ہے اور وہ حقیقۃً ہبہ ہی قرار پائے گا اور اُسی کے شرائط اُس میں معتبر ہوں گے نہ یہ کہ دراصل وصیت ٹھہر جائے فی ردالمحتار عن الطحطاوی عن المکی عن الامام قاضیخاں وغیرہ ھبۃ المریض ھبۃ حقیقۃ وان کانت وصیۃ حکماً اھ وفیہ ایضاً عن تبیین الامام الزیلعی حکمہ کحکم وصیۃ ای من حیث الاعتبار من الثلث لا حقیقۃ الوصیۃ لان الوصیۃ ایجاب بعد الموت وھذہ التصرفات منجزۃ فی الحال اھ اور ہبہ کے لئے حیات واہب میں موہوب لہ کا قبضہ ہونا

ضرور ہے ورنہ باطل ہوجاتا ہے فی الدر المختار انّ موت احد العاقدین قبل التسلیم مبطل للھبۃ مگر صورت مسئولہ میں جبکہ موہوب لہما نابالغ ہیں تو اُن کے باپ کا قبضہ بعینہٖ اُن کا قبضہ ہے فی الدر المختار ان وھب لہ اجنبی یتم بقبض ولیہ وھو احد اربعۃ الاب ثم وصیہ الخ اور پیش از ہبہ فرزند ہندہ جواز جانب ہندہ اُن دیہات و دکانات پر قبضہ رکھتا تھا اُسی قبضہ کا باقی ہونا اس قبضۂ ہبہ کے لئے کافی ہے لان کل واحد قبض امانۃ فکانا من جنس واحد وفی الدر المختار الاصل ان القبضین اذا تجانسا ناب احدھما عن الاٰخر اھ وفی رد المحتار قولہ عن الاٰخر کما اذا کان عندہ ودیعۃ فاعارصاحبہا لہ فان کلا منہما قبض امانۃ فناب احدھا عن الاٰخر اھ ازسرِ نو قبضہ جداگانہ حاصل کرنے کی حاجت نہیں فی تنویر الابصار ملک بلا قبض جدید لو الموھوب فی ید الموھوب لہ اھ البتہ یہ ہبہ مرض الموت میں ہونے کی وجہ سے اس بات میں حکم وصیت پیدا کرگیا کہ بلا اجازت ورثہ فقط ایک ثلث میں نافذ ہوگا فی تنویر الابصار ھبتہ کوصیتہ فیعتبر من الثلث اھ اور اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر موصی پر کوئی قرض نہیں تو اس کے کل اشیائے متروکہ منقولہ وغیر منقولہ کو ملاکر اُن سب کا ثلث نکالیں گے اور اگر کچھ قرض ہے قلیل خواہ کثیر کتنا ہی ہو تو اسے مجرا دیکر باقی تمام متروکہ کا ثلث نکالیں گے اس مقدار سے موصی کی ساری وصیتیں نافذ کریں گے پس اگر یہ مقدار اور وصایا برابر ہوں فبہا اور اگر یہ زائد اور وصایا کم ہوں جب بھی ہر موصٰی لہ کو پورا پورا بقدر ادائے وصیت کے دیں گے نہ یہ کہ[عہ] ثلث کامل انھیں دیدینگے اگرچہ ان کی وصیتیں کم سے ہی پوری ہوجائیں وہذا واضح جدًا، اور اگر وصیتیں زائد اور مقدار ثلث کم ہو تو بلا اجازت ورثہ تہائی سے زیادہ اُنھیں نہ دیا جائے گا بلکہ اُسی قدر کو تمام موصٰی لہم پر بحساب اُن کے وصایا کے حصہ رسد تقسیم کردیں گے فی تنویر الابصار ھبۃ کوصیۃ و یزاحم اصحاب الوصایا فی الضرب الخ ملخصا فی الحاشیۃ الطحطاویۃ علی الدر المختار ای الموھوب لہ یضرب فی الثلث مع اصحاب الوصایا فان وفی بالثلث بالجمیع والاتحاصوا فیہ و یعتبر فی القسمۃ قدر ما الکل من الثلث اھ ملخصا قلت و مما قررت ظھر لک المجیب الاول اخطأ فی ایجاب القبض الجدید للموصی لھما بثلث المال مطلقا واما المجیب الثانی فقد اخطأ اخطأ من وجوہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

عہ فی الاصل بیاض لکنا نقلنا ھذہ العبارۃ اعتمادًا علٰی داب المصنف فی نقل ھٰذہ العبارۃ فی مثل ھٰذا المقام۔

عـــہ خط کشیدہ عبارت اندازے سے درست کی گئی ۱۲ عبدالمنان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتح الملیک فی حکم التملیک

مسئلہ ۔ نزدیک علمائے حنیفہ ایدہم اللہ تعالٰی کے ہبہ و تملیک میں کیا فرق ہے اور جو احکام ہبہ مشاع اور ہبہ مرض الموت اور ہبہ غیر مقبوض کے ہیں وہی بحالت ہائے مذکورہ تملیک سے بھی متعلق ہیں یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ اصل وضع میں تملیک ہبہ سے عام ہے کہ وہ تملیک اعیان و منافع و بعوض و بے عوض و منجز و مضاف للموت سب کو شامل ہے جس کے روسے بیع و ہبہ و اجارہ و اعارہ و وصایا سب اُس کے تحت میں داخل ہیں اور ہبہ خاص تملیک عین بلا عوض کا نام ہے۔ فی الدرالمختار الھبۃ تملیك العین مجانا اھ ملخصا مگر عرف میں ان لفظوں سے کہ میں نے ایک شے کا تجھے مالک کیا، یا اس چیز کی تجھے تملیک کی ظاہرًا ہبہ ہی متبادر ہوتا ہے حتی کہ امام اجل شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالٰی نے محیط میں اُسے ان الفاظ سے گنا جو بحسب وضع افادۂ ہبہ کرتے ہیں فتاوٰی ہندیہ میں ہے اما الالفاظ التی تقع بھا الھبۃ فانواع ثلثۃ نوع تقع بہ الھبۃ وضعا ونوع تقع بہ الھبۃ کنایۃ وعرفا ونوع یحتمل الھبۃ والعاریۃ مستویا اما الاول فکقولہ وھبت ھذا الشیئ لك او ملکتہ منك الخ ولہذا کلمات علماء میں اکثر جگہ تملیک سے ہبہ پر استدلال پایا جاتا ہے مع ظھور ان الاستدلال بالعام علی الخاص باطل لجواز وجودہ فی ضمن فرد اٰخر امام علامہ فقیہ النفس قاضی خاں فرماتے ہیں رجل غرس کرما ولہ ابن صغیر فقال جعلتہ لابنی فلان یکون ھبۃ لان الجعل عبارۃ عن التملیك اسی میں ہے ان قال جعلتہ باسم ابنی یکون ھبۃ ظاھرًا لان الناس یریدون بھذا التملیك والھبۃ اور علامہ بیری شارح اشباہ والنظائر فرماتے ہیں فی خزانۃ الفتاوی ان دفع لابنہ مالا فتصرف فیہ الابن یکون للاب الا ان دلت دلالۃ التملیك محقق شامی فرماتے ہیں قلت فقد افاد ان التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل یکتفی القرائن الدالۃ علی التملیك اھ فقیہ علامہ نوازل میں تصریح فرماتے ہیں جو لفظ تملیک رقبہ پر دال ہو ہبہ ہے فی الدرالمختار اللفظ ان انبأ عن تملیك الرقبۃ فھبۃ او النافی فعاریۃ او احتمل اعتبر النیۃ "نوازل"۔ درباب افتا جا بجا علامہ خیر الملۃ والدین رملی وغیرہ علما رحمہم اللہ تعالٰی نے سوال تملیک پر ہبہ کا جواب عطا فرمایا اور اُسپر مشاع وغیرہ کے وہی احکام جاری کیے اور تملیک نامہ کو صریحًا ہبہ نامہ ٹھہرایا فتاوی خیریہ لنفع البریہ میں ہے **سئل** فیما اذا ملك زوجتہ نصف جمل ونصف بقرۃ ونصف غراس زیتون تملیکا شرعیا بایجاب منہ وقبول منھا وقبضت الزوجۃ وتسلمت ثمرات الزوج ویرید وارثہ ان یجعل المملکات میراثا بینہ وبین الزوجۃ **اجاب** ھی ملك الزوجۃ بالتملك علی الوجہ المذکور وھبۃ المشاع الذی لایحتمل القسمۃ صحیحۃ والجمل والبقرۃ مما لایمکن

قسمۃ الواحد منہا صحت فیہا الھبۃ المذکورۃ اھ ملتقطا اُسی میں ہے **سئل** فی رجل اشھد علی نفسہ انہ ملك اولاد ابنہ وسماھم فی حصۃ جمیع الستۃ قراریط فی الدارین الفلانیتین **اجاب** الحنفی لایری جواز الھبۃ المشاع اھ ملخصا عقود الدریہ میں ہے **سئل** فیما ان کان لزید ابنان واملاك تقبل القسمۃ وحصۃ فی مشاع تقبل القسمۃ فملك جمیع ذلك من ابنیہ المذکورین سویۃ بینہما من غیر قسمۃ وکتب بذلك صك ویرید زید الرجوع عن التملیك فھل لہ ذلك **الجواب** نعم ھبۃ واحد من اثنین لایصح اھ بالالتقاط لیکن محل غور اس قدر ہے کہ مسئلہ کے خاص جزئیں ظاہرا کلمات علماء مختلف سے نظر آتے ہیں بعض نے وہی تصریح فرمائی کہ عقد تملیک عین ہبہ ہے اور بعض بنظر عموم لفظ تعیین ہبہ کے لئے قرینہ کی حاجت اور درصورت انعدام قرینہ عقد تملیک کو ناجائز وغیر صحیح مانتے ہیں فی رد المحتار لو قال ملکتك ھذا الثوب مثلا فان قامت قرینۃ علی الھبۃ صحت والا فلا لان التملیك اعم منہا لصدقہ علی البیع والوصیۃ والاجارۃ وغیرھا انظر ماکتبناہ فی اٰخر الھبۃ الحامدیۃ وفی الکازرونی انہا ھبۃ اھ فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی لہ بتصریح علماء مہما اَمکَن دفع تخالف وتحصیل توفیق لازم اور وجہ تطبیق کی تقریر علی الخصوص جب بے تکلف ہو متعین ومتحتم۔ اصل وضع میں تملیک کا عموم کسے نہیں معلوم اور بے قیام قرینہ احد الافراد کی تعیین کسی کا قول نہیں اور جس طرح یہ باتیں متفق علیہ ہیں یوہیں یہ بھی متیقن کہ خاص جہت لفظ سے قرینہ کا ناشی ہونا ضروری نہیں بلکہ قرینہ حالیہ بھی کافی ہے وقد سمعت ما قال العلامۃ البیری والمحقق الشامی رحمہما اللہ تعالٰی اب جو ہم دیکھتے ہیں تو مقام اخبار میں بیشک لفظ تملیک بیع وہبہ ووصیت وغیرہا سب جگہ بولا جاتا ہے عام ازیں کہ وہ اخبار اپنے نفس سے ہو یا غیر سے مثلا زید نے ایک مکان عمرو کے ہاتھ بیع کیا تو اب وہ کہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں مکان عمرو کی ملک کردیا بکر وخالد کہہ سکتے ہیں زید نے خود کو اپنے مکان کا مالک کیا عمرو کہہ سکتا ہے کہ مکان زید بتملیک زید میری ملک میں آیا اور سامع ان لفظوں سے ہرگز سوا نقل ملک کے کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ امر بعوض واقع ہوا یا بلاعوض اور مکان ملک عمرو میں بیعاً آیا یا ہبۃً عموم تملیک کا یہ صاف اثر واضح ہے مگر خاص انشائے عقد وایجاب وقبول کے وقت جب ان لفظوں پر اقتصار ہوگا یعنی میں نے تجھے فلاں شے کا مالک کیا عمرو کہے میں نے قبول کیا تو بیشک متفاہم عرف میں اُس سے ہبہ ہی متبادر ہوگا جبتک کوئی قرینہ اس کے خلاف پر قائم نہ ہو اور فارق یہ ہے کہ عقد واقع سے خبر دینے میں اُس کے متعلقات کا استیفا واستقصا ضرور نہیں بخلاف ایقاع عقد کے کہ اگر اُسے بیع منظور ہوتی ثمن کا ذکر لاتا وصیت چاہتا تو بعد موت کے تصریح کرتا اجارہ اعارہ مقصود ہوتا تو عقد کو خاص اُس شے کی طرف اضافت نہ کرتا بلکہ منافع کا نام لیتا یا ایسی عبارت بولتا جس سے تملیک منافع مفہوم ہوتی آخر دیکھو اصل وضع کے اعتبار سے ان لفظوں میں بھی کہ یہ شے میں نے اپنے بیٹے کے لئے کردی یا بنام او کردم بعینہ وہی احتمالات پیدا ہیں جو لفظ تملیک میں نکلتے ہیں مگر ائمہ نے تصریح فرمائی کہ یہ ہبہ ہے کما اسلفنا من الخانیۃ وقد نقلہ عنہا العلامۃ الغزی فی المنح وغیرہ فی غیرھا مذعنین لہا بلکہ امام فقیہ النفس نے جعلتہ لابنی کے ہبہ ٹھہرانے کی وجہ ہی یہ ارشاد فرمائی کہ جعل بمعنی تملیک ہے تو جبتک باقتضائے مقام تمام احتمالات منقطع ہوکر ملکت بمعنٰی وھبت نہ رہے گا جعلت کا بمعنٰی ملکت ہونا کیا فائدہ بخشے گا کما لایخفی پس اُن بعض کا یہ فرمانا کہ ارادہ ہبہ کے لئے قرینہ درکار ہے نہایت بجا ودرست بیشک کوئی عام اپنے فرد میں بلا قرینہ معین نہیں ہوسکتا

مگر یہاں طرزِ گفتگو خود ہی ہبہ کا قرینہ ہے کَمَا بَیَّنَّا ہاں مثلاً ایسی صورت میں کہ زید و عمرو باہم کسی شے کے خرید و فروخت پر گفتگو کرتے ہوں اب زید کہے وہ شے میں نے تیری ملک میں دی یا تجھے اس کا مالک کیا ہبہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی باہمی حالت تملیک بلاعوض پر قرینہ نہیں ہوسکتی نہ بیع درست ہو کہ وہ مبادلہ مال بمال ہے اور یہاں مال دوم کا نام نہیں ناچار عقد کو غیر صحیح مانیں گے۔ اور وہ بعض جو تملیک کو ہبہ فرماتے ہیں اس صورت میں فرماتے ہیں جب کوئی ایسی حالت واقع نہ ہو پس تمام کلمات ایک ہی طرف راجع اور سارا اختلاف بحمداللہ مرتفع قلت ومن ھٰھنا ظھرانہ لا یتعلق بمانحن فیہ ما فی اٰخرالعقود الدریۃ ما نصہ قال المؤلف کتبت علی صورۃ دعوی ماصورتہ حیث بین اقرارہ انہ بجھۃ التملیک مثل دعوی التملک لا تسمع لما قالہ الخیر الرملی رحمہ اللہ تعالٰی ناقلا عن جامع الفصولین فی خلل المحاضر والسجلات برمز التتمہ عرض علیّ محضرکتب فیہ ملکہ تملیکا صحیحا ولم یبین انہ ملکہ بعوض او بلاعوض قال اجبت انہ لا یصح الدعوی ثم انہ بشروط الحاکم اکتفی فی مثل ھذا القول وھب لہ ھبۃ صحیحۃ وقبضھا ولکن ماافاد فی التتمۃ اجود واقرب الی الاحتیاط اھ فان ھذا نقل واخبار لاعقد وایجاب کما لایخفی ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق یہ ساری بحث تملیک زبانی میں ہے دستاویز تملیک نامہ تو قطعاً تمام اقوال پر ہبہ نامہ ہے جس میں کسی طرح نزاع کا احتمال نہیں کہ بالیقین اس کا لکھنے والا تملیک عین بلاعوض کا قصد کرتا ہے اور بالتعیین یہی اُس سے سمجھا جاتا ہے بیع و وصیت وغیرہا احتمالات کی بو بھی نہیں آتی یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ایسی دستاویز لکھ کر کہے میں نے تو اس سے عقدِ بیع کا قصد کیا ہے تو کوئی اس کی تصدیق نہ کرے گا اور سب کے نزدیک وہ بات بدلنے والا ٹھہرے گا تو اس کے ہبہ ہونے میں کوئی شبہہ نہیں تملیک زبانی میں مدار کار قرینہ پر ہے اگر کوئی قرینہ ایسا قائم ہو جو معنی ہبہ سے اباکرے تو اُسے ہبہ نہ ٹھہرائیں گے اور دستاویز تملیک نامہ قطعاً ہبہ اور جو عقد، عقدِ ہبہ ٹھہریگا تمام احکام ہبہ متعلقات شیوع و قبضہ و مرض وغیرہ سب بدستور اس میں جاری ہوں گے فان العبرۃ للمعنی کما فی الھدایۃ وغیرھا یہ جو کلمات علمائے کرام سے منقح ہوا اور وہ جو زعم کیا جاتا ہے کہ تملیک کوئی عقد خاص جداگانہ ہبہ سے مبائن اور اس کے احکام احکام ہبہ سے علیحدہ ہیں اصلاً قابلِ تسلیم نہیں کہ قواعد شرع مطہر اُس کی مساعدت ہرگز نہیں کرتے وما وقع ھھنا من العلامۃ ط رحمہ اللہ تعالٰی حیث قال قال السید الحموی اعلم ان التملیک یکون فی معنی الھبۃ ویتم بالقبض واذاعری عن القبض والتسلیم اختلف العلماء فیہ فقیل یجوز وقیل لایجوز قیاسا علی الھبۃ واکثر المشائخ علی انہ یجوز بدون التسلیم وانہ غیر الھبۃ لان التملیک والھبۃ شیئان اسما وحکما اما الاسم فظاھر واما حکما فلانہ لو وھب الثمار علی رؤس الاشجار لا تجوز ولو اقر بالتملیک یجوز فثبت ان التملیک یصح بدون التسلیم وانہ غیر الھبۃ وعلیہ الفتوی وعمل الناس وموت المقر بمنزلۃ التسلیم بالاتفاق کذا فی المفتاح انتھی **فاقول** نقل مجھول لامعقول ولامقبول اما الجھل فلان المفتاح لیس من الکتب المتداولۃ ولاالشھیرۃ ولااعلم من ھو مصنفہ ومادرجتہ فی کتب المذھب واما انہ غیر معقول فلان التملیک حالا اما للعین اوللمنافع وکل اما بعوض اومجانا ھذا تقسیم حاصر عقلی لاامکان لخروج قسم عنہ ومعلوم بداھۃ ان ھذا الشیئ الذی لیس تملیک المنافع وتملیک العین

بعوض فاذن لیس الا تملیک العین حالا مجانا وماھو الا الھبۃ وفسّرت فی المتون وقال قاضی زادہ فی نتائج الافکار الھبۃ فی الشریعۃ تملیک المال بلا عوض کذا فی عامۃ الشروح بل المتون وما عھد من الشرع المطھر وط عقد یکون تملیک العین فی الحال بلا عوض ولایکون ھبۃ ولوکان لوجب ان یعقد لہ کتاب او باب اوفصل اواقل شیئ فی کتب المذھب کما عقدت الکتب للبیع والھبۃ والعاریۃ والاجارۃ لکن نری کتب المذھب عن اٰخرھا خالیۃ عن ادنی ایماء الی ذلک فاذن ھو عقد غیر معھود من الشرع بل ولا معروف فی عرف الناس قاطبۃ فانک لواجزت احدا ان زیدا املک دارہ من عمرو مجانا فی الحال لم یفھم منہ احد الا الھبۃ ولایخطر ببال صبی عاقل ولاعالم فاضل شیئ غیرھا وقد علل فی الھدایۃ وغیرھا عامۃ الکتب المعللۃ اشتراط القبض فی الھبۃ بانہ عقد تبرع وفی اثبات الملک قبل القبض الزام المتبرع شیئا لم یتبرع بہ وھو التسلیم فلا یصح اھ والتمسک بمسئلۃ الاقرار اول دلیل علی ان ھذا الکلام لم یصدر عن فقہ فانہ انما لان المرء مؤاخذ باقرارہ الا تری ان لولم یملکہ اصلا واقراخذ باقرارہ فھل یستدل بہ علی ان التملیک یصح من دون ایجاب من المملک اصلا ثم لاشک ان لواقر بالبیع جاز فھل یستدل بہ علی ان البیع یتم من جانب البائع وحدہ لانہ لیس ھٰھنا شیئ من جانب المشتری بل السر الذی غفل عنہ ھٰذا المستدل ان الاقرار اخبار من وجہ کما انہ انشاء من وجہ فلشبہ الاخبار یواخذ بامثال الاقرار لا لانہ انشاء عقد لایحتاج الی القبض الا تری انہ لواقر لغیرہ بنصف دارہ مشاعا صح کما فی الدر وغیرہ وماذلک الا لشبہ الاخبار ولوکان انشاء لم یصح کما نصوا مع وجوب الصحۃ علی وھم ھذا الواھم وتقدم فی الاقرار متناوشرحا جمیع مالی اوما املکہ ھبۃ لا اقرار فلابد من التسلیم بخلاف الاقرار اھ فقد افاد ان لام التملیک یفید الھبۃ ویشترط التسلیم وان عدم اشتراطہ فی الاقرار جاء من جھۃ انہ اخبار من وجہ لا ان ھھنا عقدا لایحتاج الی التسلیم والنکتۃ فیہ ان التملیک یعم البیع والھبۃ فاذا اقر بانہ ملک الثمار وھی علی الاشجار صرف الامر الی البیع مؤاخذۃ لہ باقرارہ وتصحیحا للکلام مھما امکن بخلاف ما اقر بھبتھا فانہ قد صرح بما لایتم مشغولا فلم یفد وکذلک فی کل شیئ اذا اقر بانی قد ملکتہ من فلان قبل ولم یبحث عن القبض و الشغل وغیرھا لان الاقرار بالتملیک اقرار بخروجہ عن ملکہ الی ملک المقرلہ ولا یتم ذلک فی التبرعات الا بالقبض المقرر فالاقرار بہ اقرار بالھبۃ وبالاقباض معا بخلاف ما لواقر انی وھبتہ فان صدور الھبۃ من الواھب لایستلزم الاقباض فلا یکون اقرارا بحصول الملک للموھوب لہ ھذا ھو الفرق بین الاقرارین لاما زعم ان التملیک لایحتاج الی القبض ولولا ذکرہ من الدلیل لاَیْقَنَّا ان ھذا النقل والفتوٰی مکذوب علی المشائخ ولکن باستدلالہ تبین ان الخطأ فی الفھم وقد قدمنا نصوصا قاضیۃ بان التملیک ھٰھنا ھو الھبۃ وقد

اعترف بہ ھذا الناقل فی صدر کلامہ ان التملیک یکون فی معنی الھبۃ ویتم بالقبض فاذا کان تمامہ بالقبض فکیف یجوز بدون التسلیم ثم العجب اشد العجب ان الاختلاف کان فی انہ لو قال ملکتک ھذا الشیئ ھل یکون ھبۃ ام لا یصح اصلا لان التملیک اعم کما قدمنا عن رد المحتار والاٰن جاءتنا الفتوی بانہ صحیح مطلقا حتی بلا قبض ھل ھذا الا عجب عجاب وقد اسمعناک نص التتمۃ وجامع الفصولین والخیر الرملی والعقود الدریۃ ان المحضر المکتوب فیہ ملکہ تملیکا صحیحا فاسد غیر مقبول لان وجہہ التملیک فیہ مجہول ومن قبلہ قبلہ حملا لہ علی الھبۃ والاٰن صار مقبولا لانہ عقد جدید، مخترع لم یعھد فی شرع ولا عرف ومن ھھنا عرف ان قولہ موت المقر بمنزلۃ التسلیم بالاتفاق خرق للاجماع الناطق بان موت احد المتعاقدین قبل التسلیم مبطل فالحق ان ھذا النقل المجہول غیر المعقول مما لا یجل الاعتماد علیہ بل لایسوغ الالتفات الیہ وباللہ العصمۃ والتوفیق ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔

مسئلہ ۔ از بنارس مسجد چوک کہنہ مرسلہ محمد سلیمان و محمد صاجان ۲۰ رجادی الاولی ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ خالد کے پانچ پسر اور تین دختر ہیں پسروں میں زید سب سے بڑا ہے زید کی نابالغی اور حالت طالب علمی میں جس وقت کہ اس کو کسی قسم کی آمدنی نہ تھی خالد نے اپنے خاص روپے سے ایک زمین پرتی زید کے نام خریدا اور اپنے ہی خاص روپے سے ایک مکان اُس زمین پر تعمیر کرایا اور کرایہ پر دیا خالد کرایہ خود تحصیل کرتا تھا اور ضرورت کے وقت مکان کی مرمت کرتا تھا۔ ۱۴ برس بعد خرید مکان مذکور خالد نے کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ اپنی زوجہ ہندہ کے نام ہبہ کر دیا مگر وہ مکان جو زید کے نام خریدا تھا ہبہ نامہ میں مندرج نہیں کیا ہبہ نامہ سے حفاظت جائداد منظور تھی ہبہ نامہ کے لکھنے کے بعد تین برس تک خالد زندہ رہا مگر جائداد پر جس کو وہ ہندہ کے نام ہبہ کر چکا تھا خود اسی طرح پر قابض رہا جیسا کہ وہ تحریر ہبہ نامہ کے قبل تھا، خالد کے انتقال کے بعد سے زید کا قبضہ اُس مکان پر جو اس کے نام سے اُس کے پدر خالد نے خریدا تھا شروع ہوا خالد کی حیات میں گو زید بالغ تھا نوکر سرکار تھا اور صاحب اولاد تھا مگر اس کا قبضہ اُس مکان پر نہ تھا زید جبتک زندہ رہا اُس مکان کا کرایہ تحصیل کرتا رہا اور اس کی مرمت بھی کرتا تھا اور دوبار اُس کو رہن بھی رکھا تھا اُس کی بیوہ سلیمہ بعد زید کے انتقال کے اُسی طور سے جیسا کہ اُس کا شوہر تھا برابر ابتک قابض ہے۔ اب وارثانِ خالد وہندہ میں نزاع درپیش ہے موافق شرع شریف مکان مذکور زید کا ہے یا خالد کا تا ایندم جائداد خالد وہندہ کی تقسیم نہیں ہوئی ہے اور جو صورت زید وسلیمہ کے وقت تک تھی اُس وقت تک قائم ہے کوئی تغیر جدید نہیں ہوئی اگر مکان مذکور زید کا قرار نہ پایا تو جو آمدنی اُس کو اور اُس کی بیوہ سلیمہ کو اُس مکان سے آج تک ہوئی ہے واپس کیجائے گی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں وہ زمین کہ خالد نے اپنے پسر نابالغ زید کے نام خریدی فوراً ملک زید ہوگئی تاحیاتِ خالد اُس پر قبضہ زید نہ ہونا کچھ مضر نہیں کہ باپ جو چیز اپنے نابالغ بچّہ کو ہبہ کرے اُس میں موہوب لہ کو قبضہ دینا شرط نہیں باپ ہی کا قبضہ اُس کا قبضہ قرار پاتا ہے فی رد المحتار عن المنح عن الولوالجیۃ ان کان الاب اشتری لہا فی صغرہا وذلک فی صحتہ فلا سبیل للورثۃ علیہ ویکون للبنت خاصۃ درمختار میں ہے ھبۃ من لہ ولایۃ علی الطفل فی الجملۃ وھو کل من یعولہ فدخل الاخ والعم عند عدم الاب لو فی عیالھم تتم بالعقد

لوالموھوب معلوما وکان فی یدہ اوید مودعہ لان قبض الولی ینوب عنہ اسی طرح وہ عمارت کہ اُس زمین پر خالد نے اپنے روپے سے بنائی اگر ظاہر کر دیا تھا کہ یہ عمارت میں اپنے پسر نابالغ زید کے لئے بناتا ہوں یا بننے کے بعد کہہ دیا کہ یہ عمارت میں نے اُس کے لئے بنائی یا بنانے کے بعد مکان کا عقد اجارہ زید کی طرف سے کیا کرایہ دار سے کہا میں نے یہ مکان اپنے پسر زید کا تجھے اتنے کرایہ پر دیا یا کرایہ نامہ زید کے نام لکھوایا کہ یہ بھی عرفاً مرتفع تملیک اور قرینہ کافی ہے یا زید سمجھ دار تھا اُس نے درخواست کی کہ اس زمین میں میرا مکان بنا دو خالد نے قبول کیا اور اس بنا پر بنایا غرض کسی طرح دلیل تملیک ظاہر ہوئی تو وہ عمارت بھی ملک زید ہوگئی اور سارا مکان اُسی کا قرار پایا فی ردالمحتار التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیک الخ وفی جامع الصغار للاسترو شنی المعتبر فی الباب التعارف ہاں اگر کوئی دلیل تملیک نہ پائی گئی خالد نے اُس کا زید کے لئے ہونا اصلاً ظاہر نہ کیا تو نفس عمارت ملک خالد پر رہی کہ اپنے بچّہ کے لئے ہبہ بھی صرف نیت سے تمام نہیں ہوتا جبتک اُسے ظاہر نہ کرے نہ بے اظہار نیت پر علم کا کوئی ذریعہ ہے فی ردالمحتار تحت قول الدرالمار "تتم بالعقد" ھذا اذا اعلمہ او اشھد علیہ و الاشھاد للتحرز عن الجحود بعد موتہ والاعلام لازم لانہ بمنزلۃ القبض بزازیہ صرف اس قدر کہ یہ عمارت زمین مملوکۂ زید میں خالد نے بنائی دلیل تملیک ہونے کے لئے کافی نہیں جبکہ تعمیر زید نے خاص اپنے مال سے کی کما فی ردالمحتار عن جامع الفصولین عن العُدّۃ[1] کل من بنی فی دار غیرہ بامرہ فالبناء لأمرہ ولو لنفسہ بلا امرہ فھو لہ الخ اگر واقع یہ صورت ثانیہ ہے تو زمین ملک زید اور عمارت بعد انتقال خالد زید اور دیگر ورثہ میں مشترک ٹھہرے گی مگر آمدنی جو زید وسلیمہ نے حاصل کی باقی شرکاء اُس کے واپس لینے کا دعوٰی نہیں کر سکتے کہ عقد اجارہ میں جو شخص کسی شے کو کرایہ پر چلاتا ہے اجرت کا مالک وہی ہوتا ہے اگرچہ وہ شے ملک غیر ہی ہو ہاں اُس پر دو باتوں میں سے ایک واجب ہوتی ہے یا تو ملک غیر کی اجرت اُس مالک کو واپس دے اور یہی بہتر ہے یا محتاجوں پر تصدق کر دے کہ اس کے حق میں وہ ملک خبیث ہے مگر جبکہ شرعاً مالکِ شے مالکِ اجرت نہیں اور اس اجارہ دینے والے پر خاص مالک ہی کو واپس کرنا واجب نہیں بلکہ تصدق کا بھی اختیار رکھتا ہے تو مالک اُس پر واپسی کا دعوٰی نہیں کر سکتا فتاوٰی خیریہ میں ہے **سئل** فی رجل أجر محلا وذات مملوکۃ مشترکۃ وتناول اجرتھا مدۃ سنین والأن الشرکاء یطالبون بحصتھم منھا ھل یحکم القاضی علیہ بھا لھم ام لاحیث لم یکن ذلک لوکالۃ سابقۃ علی العقد والاجازۃ لاحقۃ بعدہ **اجاب** لایقضی علیہ لھم بحصتہ منھا لان المنافع لا تتقوم الا بالعقد وھو صادر منہ بلا وکالۃ سابقۃ ولا اجازۃ لاحقۃ فلکھا الشریک العاقد لکن ھلکہ فی غیر ملکہ ملک خبیث فیجب علیہ التصدق بہ او دفعہ لشرکائہ خروجا من الاثم والثانی افضل بخروجہ من الخلاف ایضا، واللہ تعالٰی اعلم اھ **قلت** وھھنا مزلۃ تنبھت علیھا بتوفیق المولٰی تبارک وتعالٰی فیما علقت علی العقود الدریۃ من کتاب الشرکۃ وللہ الحمد والمنۃ پھر یہ حکم وجوب بھی سلیمہ زندہ پر اُس آمدنی کے باب میں ہے جو اُس نے خود حاصل کی اور جسقدر زید حاصل کر گیا اُس کے بعد اُس کے وارثوں پر نہ دیگر شرکاء کو بقدر حصص واپس دینا لازم رہا نہ تصدق کرنا مگر یہ کہ زید اس کی وصیت کر گیا ہو فان کل دین علی المیت لامطالب بہ من جھۃ العباد لایلزم الورثۃ اداؤہ الا بالایصاء کما نص علیہ فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار ھکذا ینبغی ان یفھم ھذا المقام والحمد للہ ولی الانعام، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

[1] ھی رمز لتصنیف او مصنف ۱۲ عبدالمنان

مسئلہ - از بری پورہ پرگنہ بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ متا خاں ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۱ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں عرصہ پندرہ سولہ سال کا ہوا کہ زید نے بکر ایک پسر بالغ کے نام جائداد اپنے روپے سے خرید کردی بعد خریداری اور جملہ تکمیل داخل خارج وغیرہ کرادینے کے بکر نے دو تین سال بعد اپنی زوجہ کے نام بعوض دین مہر بیع کردی پانچ سال کے بعد زوجہ بکر نے ایک غیر کے ہاتھ بیچ ڈالی پھر اُسی زرثمن سے اپنے شوہر بکر کے معرفت کچھ حقیت خریدی یہ سب باتیں زید کی حیات تک رہیں اور ان جملہ انتقالات کے وقت وارثانِ زید سے کوئی مزاحم نہ ہوا اسی طرح زید نے بکر کو ایک مکان تعمیر کرا کر عطا کیا اور قبضہ وغیرہ دیگر علیحدہ کردیا ورثۂ زید آج تک نسبت جائداد و مکان مذکور مزاحم نہ ہوئے انتقال زید کو تین برس گزرے اب ورثائے زید خواستگار ترکہ جائداد و مکان ہیں اس صورت میں یہ دعوٰی ان کا صحیح ہے یا نامسموع، بینوا توجروا۔

الجواب - مکان بنا کر کسی کو عطا کردینا اور ماں باپ کا کوئی شے اپنے روپے سے اولاد کے نام خرید دینا دونوں ہبہ ہیں اول ظاہر ہے اور ثانی یوں کہ عرفاً اس سے تملیک ہی مقصود ہوتی ہے اور تملیک بلاعوض ہبہ ہے رد المحتار میں منح الغفار سے ہے ان کان الاب اشتری لھا فی صغرھا او بعد ما کبرت وسلم الیھا وذٰلک فی صحتہ فلا سبیل للورثۃ علیہ ویکون للبنت خاصۃ عقود الدریہ میں ذخیرہ وتجنیس سے ہے امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا تکون الضیعۃ للولد لان الام تصیر واھبۃ اور ہبہ بعد قبضہ تمام ہوجاتا ہے شے موہوب ملک واہب سے نکل کر ملک موہوب لہ میں داخل ہوجاتی ہے واہب و وارثان واہب کی ملک و وراثت اس میں نہیں رہتی خصوصاً جبکہ موہوب لہ واہب کا ذی رحم محرم مثلاً بیٹا بھائی بھتیجا ہو خصوصاً جبکہ شیئ موہوب موہوب لہ نے دوسرے کے نام منتقل کردی خصوصاً جبکہ واہب کا انتقال ہوچکا کہ ان میں سے ہر صورت ہبہ کو لازم کردیتی ہے جس کے سبب اسمیں رجوع کا کبھی امکان نہیں رہتا نہ کہ جہاں اتنے وجوہ جمع ہوں درمختار میں ہے یمنع الرجوع فیھا موت احد العاقدین بعد التسلیم وخروج الھبۃ عن ملک الموھوب لہ وقرابۃ ذی رحم محرم اھ ملتقطاً پس صورت مسئولہ میں اُس مکان و جائداد پر وارثان زید کا دعوٰی محض باطل و ناقابل سماعت ہے خصوصاً بعد اس کے کہ سالہا سال تصرفات انتقال دیکھتے اور سکوت کرتے رہے کما نصوا علیہ وبیناً فی فتاونا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ :- ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو بیٹے ایک زید سے علیحدہ کاروبار کرتا تھا اور ایک زید کے ساتھ بشرکت جب زید ضعیف ہوا کل کام اور اسباب تجارت اس شریک بیٹے کو حوالہ کیا اور کل اختیارات نیک و بد دے کر مالک کردیا اور تاحیات زید اس کا خورد و نوش اسی بیٹے کے متعلق رہا اور اسی نے تجہیز و تکفین کی اس صورت میں دوسرے بیٹے کا اس مال میں حق ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب - سائل خود مظہر کہ اس بیٹے کی شرکت ایسی نہ تھی کہ کچھ مال یا روپیہ اس کا ہو مال سب باپ کا تھا یہ اس کا کام کرتا اور اُس کے ساتھ رہتا تھا۔ اب زید کے وہ الفاظ قابل لحاظ ہیں جن سے اس نے اس پسر کو کل اختیارات دے کر مالک کردیا اگر خود اُن الفاظ یا دیگر قرائن واضحہ سے تملیک کل مال و اسباب تجارت مفہوم تھی تو ضرور یہی بیٹا اُس تمام مال کا مالک ہوگیا کہ ہبہ پایا گیا اور قبضہ خود ظاہر اور اگر تصرفات تاجرانہ کا مالک

کر دینا تھا کہ سب سیاہ سپید تیرے اختیار ہے خرید و فروخت لین دین کا تو مالک ہے اس سے زیادہ اصل مالک کی تملیک پر کوئی دلیل نہ تھی تو اس قدر سے صرف وکالت حاصل ہوگی مال کی ملک نہ ہوگی فی ردالمحتار عن حاشیۃ الاشباہ للعلامۃ بیری زادہ عن خزانۃ الفتاویٰ اذا دفع لابنہ مالا فتصرف فیہ الابن یکون للاب الا اذا دلت دلالۃ التملیك اھ قال الشامی قلت فقد افاد ان التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیك کمن دفع لفقیر شیئا وقبضہ ولم یتلفظ واحد منہما بشیئ وکذا یقع فی الھدیۃ ونحوہا فاحفظہ ومثلہ ما یدفعہ لزوجتہ اوغیرہا اھ اس تقدیر پر دوسرا بیٹا بھی اُس مال میں برابر کا حقدار ہے اس پسر نے جو کچھ تجہیز تکفین بقدر مسنون میں صرف کیا اتنا ترکہ سے لے سکتا ہے لکونہ وارثا والوارث لایجعل متبرعا فیہ کما فی الدرالمختار وغیرہ من الاسفار، واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از جالندھر محلہ راستہ مرسلہ منشی محمد احمد صاحب ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص ملازم جب عرصہ سہ سال میں مرشد سے سلوک باطنی نقشبندیہ مجددیہ طے کر چکا تو ایک روز مرشد نے اُس سے کہا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم ہوا ہے کہ اس سے کوئی ایسی چیز اللہ واسطے خرچ کرائی جائے کہ جو اس کے دل کو چبھے صبح کو مرشد نے اس ارشاد عالی کے بموجب اس سے کہا کہ تو ایک تنخواہ وغیرہ اللہ واسطے خرچ کر۔ وہ مرید گھر میں جاکر ایک زیور طلائی لے آیا جس کی قیمت مبلغ سعہ تھی اور اس کی تنخواہ مبلغ صہ روپیہ تھی اُس نے مرشد سے کہا کہ میں آپ کو یہ زیور اللہ واسطے دیتا ہوں آپ منظور فرمالیں تو مرشد نے کہا ایک تنخواہ کا حکم ہے زیور کا نہیں اُس نے کہا کہ اگر میں اس کو بازار میں فروخت کروں تو مجھ کو شرم آتی ہے اب میں لاچکا ہوں اب آپ اللہ واسطے ہی قبول فرمالیں مرشد نے وہ زیور بدیں اصرار منظور کرلیا اور وہ زیور مرشد نے اپنے گھر کے خرچ میں صرف کرلیا اور اُس میں سے کچھ اللہ واسطے خرچ نہ کیا کچھ عرصہ کے بعد اُس کو دستار خلافت بھی دیدی گئی تھوڑی مدّت کے بعد اُس نے مرشد سے کہا کہ مجھکو یقین نہیں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہو اور نیز آپ نے اُس میں سے کچھ اللہ واسطے خیرات نہیں کی اس واسطے میرا اعتقاد آپ سے فسخ ہوگیا ہے میرا زیور وہ آپ واپس کردو اس پر مرشد نے اُس کے بدلے کا زیور دوسرا زیور سیم و طلائی گھر سے اُس کو دیدیا اور مرید نے یہ عبارت ایک پرچہ کاغذ پر اپنے قلم سے لکھ دی جو کہ میں نے پیر کو یہ زیور اللہ واسطے دیا تھا مجھ کو اس کے دینے کی برداشت نہیں ہوئی اب میں ان سے واپس لے لیا اور اُس بزرگ نے اُس کو عاق بھی کر دیا ہے:۔

۱۔ آیا اب یہ مرید عاق ہوا بھی یا نہیں اور بصورتِ عقوق اس پر کوئی تنبیہ شرعی وارد ہوتی ہے یا نہیں۔ ۲۔ اللہ واسطے وہ زیور دے کر واپس لینا درست ہے یا نہیں۔ ۳۔ اگر وہ زیور ایک جگہ اللہ واسطے دیکر پھر وہاں سے واپس لے کر دوسری جگہ اللہ واسطے یا اپنے گھر میں صرف کرسکتا ہے یا نہیں اگر کرسکتا ہے تو پہلے سے واپس نے کے گناہ سے بری ہوسکتا ہے یا نہیں۔ ۴۔ مرشد نے اُس مال سے کچھ اللہ واسطے نہیں دیا آیا مرشد اسمیں خطاوار ہے یا نہیں۔ ۵۔ اگر مرشد کی اس میں خطا ہے تو مرید اُس مال کے واپس کرنے کا حقدار ہے یا نہیں۔ ۶۔ اگر بالفرض مرشد کو جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا اپنے طمع نفسانی کے واسطے جھوٹ کہہ دیا اور مرید وہ زیور اللہ واسطے دے چکا۔ آیا اس صورت میں وہ مرید اگر زیور واپس لیوے تو درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ پیر و مرید کے جو مکالمات سوال میں مذکور اُن میں کہیں نہیں کہ پیر نے اس سے کہا ہو کہ وہ چیز میں تجھ سے اجنبی مساکین پر تقسیم کرنے کو لیتا ہوں یا اجانب پر تقسیم کا مجھے حکم ہوا ہے نہ مرید کے کلام میں کہیں اس کی تصریح۔ پیر نے اتنا کہا کہ اللہ کے واسطے خرچ کرائی جائے یہ پیر و متعلقین پیر و اجانب سب کو شامل ہے پیر کی خدمت جو کچھ پیر ہونے کے سبب کی جائے وہ بھی اللہ ہی کے لئے خرچ ہے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم جو چیزیں بارگاہ عرش جاہ حضور پرنور سلطان دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نذر حاضر لاتے کیا اس سے بہتر کوئی خرچ اللہ عزّ وجل کے لئے متصور حالانکہ حضور غنی مغنی اغنی العلمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غلامان آزاد شدہ تک اصلاً محل صدقہ نہیں، بخلاف اغنیائے دنیا کہ من وجہ محل صدقہ ہیں، صحیحین کی حدیث تصدق اللیلۃ علی غنی مشہور و معروف ہے ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے الصدقۃ قد تکون علی الاغنیاء ایضا وان کانت مجازا عن الھبۃ عند بعضھم بحرالرائق میں ذخیرہ سے ہے فی التصدق علی الغنی نوع قربۃ دون قربۃ الفقیر۔ یہاں تک تو لفظ عام تھے آگے چیز دیتے وقت جو ایجاب و قبول پیر و مرید میں واقع ہوئے اُن کے صاف لفظ یہ ہیں کہ مرید نے پیر سے کہا میں آپ کو یہ زیور اللہ واسطے دیتا ہوں آپ منظور فرمائیں آپ اللہ واسطے ہی قبول فرمائیں پیر نے باصرار منظور کرلیا یہ صراحۃً پیر کو دینا ہوا اور پیر ہی اس کا مالک ہوگیا اور اس کا اپنے گھر میں خرچ کردینا جائز ہوا اگرچہ وہ اور اُس کے اہل اغنیاء ہی ہوں وہ اس میں کسی طرح خطاوار نہیں ٹھہر سکتا بالفرض اگر اس وقت مرید کے دل میں یہی تھا کہ میں اجانب کے بانٹنے کو دیتا اور پیر کو وکیل تقسیم کرتا ہوں تاہم جبکہ اُس نے صریح الفاظ ہبہ ایجاب کیا پیر سے اُسی کی منظوری پر مصر ہوا اُس نے منظور کیا تو انعقاد ہبہ میں کوئی شک نہیں ہوسکتا عقود میں نظر معانی مدلولہ پر ہے نہ مجرد خیالات باطنیہ پر وجیز امام کردری کتاب الاجارہ فصل ثانی میں ہے اراد استیجار بکرم او دار فدفع الذھب الی المالک ثم قال لہ گرو کردی ملکیت را بکذا فقال کردم فھذا رھن لا اجارۃ لان المعتبر اللفظ لا العزم یہاں تک کہ اگر زید اپنے بیٹے کے لئے عمرو کی بیٹی مانگنے آیا عمرو نے کہا میں نے اپنی دختر نکاح میں دی زید نے کہا میں نے قبول کی زید سے نکاح ہوگیا جبکہ اس سے نکاح ہوسکتا ہو کہ ایجاب و قبول میں پسر زید کا کوئی ذکر نہ آیا اگرچہ خیال یہی تھا کہ بیٹے کے لئے قبول کروں فتاوٰی ظہیریہ پھر ردالمحتار میں ہے لوقال ابوالصغیرۃ لابی الصغیر زوجت ابنتی ولم یزد علیہ شیئا فقال ابوالصغیر قبلت یقع النکاح للاب ھو الصحیح ویجب ان یحتاط فیہ فیقول قبلت لابنی التجنیس والمزید پھر فتح القدیر پھر شامیہ میں ہے رجل خطب لابنہ الصغیر امرأۃ فلما اجتمعا للعقد قال اب المرأۃ لاب الزوج دادم بزنی ایں دختر را بہزار درم فقال اب الزوج پذیرفتم یجوز النکاح علی الاب وان جری بینھما مقدمات النکاح للابن ھو المختار لان الاب اضافہ الی نفسہ وھذا امر یجب ان یحتاط فیہ یونہی اگر دوسرے کے لئے کوئی چیز خریدی مگر ایجاب و قبول میں اُس کی طرف اضافت نہ ہوئی شراسی عاقد پر نافذ ہوجائے گا اور یہی مالک مبیع قرار پائے گا جبکہ اس پر نفاذ کی گنجائش ہو درمختار میں ہے لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ الا اذا کان المشتری صبیا او محجورا علیہ ھذا اذا لم یضفہ الفضولی الی غیرہ فلو اضافہ بان قال بع ھذا العبد لفلان فقال البائع بعتہ لفلان توقف بزازیہ وغیرہا، اور جب پیر اُس زیور کا مالک ہوگیا اور صرف کرلیا تو اب اُس سے رجوع و واپسی کا اصلاً کوئی اختیار اس دینے والے کو نہ رہا فان ھلاک الموھوب من موانع الرجوع کما نصوا علیہ فی جمیع الکتب پیر کا اس کے مانگنے پر اُس کے معاوضہ میں اور زیور اپنے پاس سے دے دینا اگر اس بنا پر ہو کہ اُس نے سمجھا کہ جب دینے والا مجھ سے واپس مانگتا ہے تو

شرعاً اس کا عوض دینا مجھ پر لازم جب تو یہ دینا محض باطل ہوا مرید کو اس زیور کا لینا حرام ہے نہ اسے خیرات کرسکتا ہے نہ اپنے صرف میں لاسکتا ہے بلکہ اُس پر لازم کہ وہ زیور پیر کو واپس دے اور اگر خرچ کر لیا تو اس کا تاوان دے کہ اس تقدیر پر پیر کا یہ زیور دینا ایک غلط فہمی پر مبنی تھا کہ یہاں عوض دینا مجھ پر شرعاً لازم ہے حالانکہ شرعاً ہرگز لازم نہ تھا تو یہ زیور کسی عقد شرعی کے ذریعہ سے ملک مرید نہ ہوا اور بدستور پیر پر باقی رہا اُس کا ایسا فہم معتبر نہیں عقود الدریہ کتاب الشرکت میں ہے تبین ان ما دفعه من ذلك بناء انه واجب علیه ومن دفع شیئا لیس بواجب علیه فله استرداده الا اذا دفعه علی وجه الهبة واستهلکه القابض کما فی شرح النظم الوهبانی وغیرہ من المعتبرات خیریہ کتاب الوقف میں ہے یرجع به قائما ویضمن بدله مستهلکا لانه ماد فعه علی وجه الهبة و انما دفعه علی انه حق المدفوع الیه وهذا اصح الوجوہ ففی شرح النظم الوهبانی لشیخ الاسلام عبد البران من دفع شیئا لیس بواجب فله استرداده الا اذا دفعه علی وجه الهبة واستهلکه القابض اھ وقد صرحوا بان من ظن ان علیه دینا فبان خلافه یرجع بما ادی ولو کان قد استهلکه رجع ببدله اھ ہاں اگر اس گمان سے نہ دیا بلکہ دیدہ و دانستہ اپنی خوشی سے اپنا زیور اُس کے عوض میں ہبہ کر دیا اگرچہ یہ ہبہ اسی بنا پر واقع ہوا ہو کہ ایسے اوچھے کا احسان نہ رکھنا چاہئے تو اس صورت میں مرید اس زیور کا مالک ہوگیا درمختار میں ہے (اتفقا) الواهب والموهوب له (علی الرجوع فی موضع لا یصح) رجوعه من المواضع السبعة السابقة (کالهبة لقرابة جاز) هذا الاتفاق منهما جوہرہ حاشیۂ علامہ طحطاوی میں ہے ویکون الرجوع فی العوض بالتراد وفی الهلاك برد البدل اب اُسے اختیار ہوگا جو چاہے کرے فانه انما هلکه ملکه بهبة مبتدئة کما افادہ فی الدر عن المجتبی فلیس عین ما اتفق لله ولا بدل له حقیقة فیفعل به ما یشاء اور جہاں بیعت و ارادت بروجہ صحیح و معتبر واقع ہو وہاں ایسی صورت میں مرید کے لئے سعادت اسی میں ہے کہ وہ زیور شیخ کو واپس کرے اور اپنی تقصیرات شدیدہ و جرائم عدیدہ کا عفو چاہے اس کا یہ خیال کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا نہ فرمایا پیر نے دل سے بنا کر معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افترا کر دیا محض بدگمانی ہے جو ہر مسلمان پر حرام نہ کہ پیر و مرشد پر خصوصاً اگر لفظ اُسی قدر ہیں جو سوال میں مذکور تو اس کے انکار کا تو کوئی احتمال ہی نہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیروں کو مطابق شرع مطہر اپنے مریدوں کی تربیت کے لئے حکم دیا اور صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته اور بیشک شرع مطہر کا حکم ہے کہ ایسی چیز راہ خدا میں صرف کرو جو دل میں چھپے جسے عزیز رکھتے ہو قال اللہ عزوجل لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ جہاں ارادت صحیحہ معتبرہ ہو وہاں شک نہیں کہ مرید کا اتنا ہی کہنا کہ میرا اعتقاد آپ سے فسخ ہوگیا اُس کے فسخ بیعت اور عاق ہو جانے کے لئے بس ہے نہ کہ اور کلمات شدیدہ مزید براں اور اس صورت میں وہ ضرور تنبیہ شرعی کا مورد ہوگا کہ وہ سخت محسن کش و بے ادب ہوا عام مسلمانوں میں کسی متنفس کی ایذا بلا وجہ شرعی حرام ہے نہ کہ پیر کی ایذا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی والعیاذ باللہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از فرید پور مرسلہ شیخ نبی بخش صاحب جمع دار ۲۳ رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو دو بھائیوں نے اپنا مشترک روپیہ گیارہ سو ایک شخص کو قرض دیا اور اس کی ایک جائداد رہن دخلی لی دستاویز میں برادر زید نے بجائے زید زید کے نابالغ بیٹے بکر کا نام درج کرایا اور بعد رجسٹری دستاویز وہ کل روپیہ راہن کو دیدیا گیا بعدہ زمانہ نابالغی بکر میں ایک اور جائداد دونوں بھائیوں نے اپنے مشترک روپے سے رہن دخلی لی اور اس دستاویز میں بجائے عمرو اُس کے بیٹے کا اور بجائے زید اُس کے دو نابالغ بیٹوں بکر وخالد کا نام درج ہوا اور بعد رجسٹری کل زر قرض چار ہزار روپے راہن کو دیدیئے یہ جائداد رہن دخلی لیکر خود مالک کو بطور اجارہ دی اور فصل بفصل زر اجارہ یہ مرتہن پاتے رہے کئی برس کے بعد بکر تے ایک بیٹا نابالغ ولید اور ایک زوجہ چھوڑ کر انتقال کیا زید نے بعد انتقال پسر ایک باغ اپنے روپے سے خریدا اور بیعنامہ بنام اپنے نابالغ پوتے ولید کے لکھوایا پھر ولید نے بحال نابالغی ماں اور دادا کو وارث چھوڑ کر انتقال کیا زید نے اُس باغ کے داخل خارج میں صرف اپنی بہو کا نام درج کرایا اب دعویٰ کرتی ہے کہ وہ دونوں روپے جن سے وہ جائدادیں رہن لیں اُن میں سے زر اسمی بکر اور یہ باغ میرا ہے کہ ان دستاویزوں میں بکر کا نام لکھوا دینے سے اُن روپوں کی تملیک بکر کو ہوگئی اور اب بذریعہ دین مہر وہ میرے حق میں اور اس باغ کے داخل خارج میں میرا نام درج کرانے سے یہ مری ملک ہوگیا اس صورت میں حکم کیا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب - صورت واقعہ اگر یونہی ہے کہ وہ روپے زید وعمرو کے مشترک تھے اور یونہی یکجائی طور پر مدیون کو دیدیئے گئے تو اُن میں بہو کا دعویٰ اصلا مسموع نہیں جبکہ وہ روپے زید کی ملک تھی تو بکر کے نام ان کا انتقال یونہیں ہوسکتا ہے کہ زید بکر کو ہبہ کرکے مالک کردیتا دستاویز رہن دخلی میں اگر بکر کا نام خود زید ہی لکھاتا اور بالفرض اس سے تملیک وہبہ سمجھا جاتا جب بھی یہ ہبہ جائز نہیں بکر اگرچہ نابالغ تھا مگر زر مشترک کا ہبہ بے تقسیم نہیں ہوسکتا اور یہاں بے جدائی وتقسیم یکجائی طور پر مدیون کو دیدیئے گئے کہ وہ روپے اُن مدیونوں کی ملک میں داخل ہوگئے اور ہبہ باطل ہوکر بکر ومستحقان بکر کا کچھ حق نہ رہا۔ اور چار ہزار والے عقد میں ایک تو یہ دوسرا نقص اور ہے کہ یہ حصہ زید کا زید کے دو بیٹوں کے نام بلا تقسیم لکھا گیا تو مشاع در مشاع ہوا بہرحال اُن روپوں میں بہو کا کچھ حق نہیں فتاوی القرویہ میں ہے فی المنتقی وھب نصف بیتہ لابنہ الصغیر لم یجز مالم یقسمہ ویبین ما وھب لہ من فتاوی التمرتاشی فی اٰخر کتاب الھبۃ اسی میں ہے لو تصدق بدارہ علی ولدین لہ صغیرین او کبیرین او احدھما صغیر والاٰخر کبیر لم یجز وکذا لو تصدق علیھما بکیس فیہ الف درھم وقبضاہ لم یجز خزانۃ الاکمل فی الھبۃ نقلا عن المجرد بلکہ جس قدر روپیہ زید نے ان ایام میں راہن سے بنام اجارہ پایا ہے زید پر فرض ہے کہ اُسے اصل میں مجرا دے اگر کل آگیا تو اب یک پیسہ لینا حرام ہے اور اگر کچھ باقی ہے تو اُسی قدر زید کا حق رہا اور اگر زیادہ آگیا تو زید پر فرض ہے کہ اتنا مدیون کو واپس دے۔ اسی طرح دوسری جائداد جو رہن دخلی لی اُس سے بھی ابتک جو وصول ہوا زید کے لئے خیر اسی میں ہے کہ اُسے سب کو زر اصل میں محسوب جانے، رہا باغ جب وہ اپنے نابالغ پوتے کے لئے خریدا پوتے کی ملک ہوگیا اُس کے مرنے کے بعد ایک ثلث زید کی بہو کا ہوا اور دو ثلث باغ زید کا۔ زید نے جو کاغذ داخل خارج میں صرف بہو کا نام لکھا دیا یہ اگر دلیل ہبہ وتملیک بھی قرار دیں جب بھی معتبر وصحیح نہیں کہ ہبہ مشاع بے تقسیم باطل ہے درمختار میں ہے لاتتم بالقبض فیما یقسم ولو وھبہ لشریکہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ - از شہر کہنہ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک لڑکی اور تین لڑکے ہیں اُن میں ایک لڑکا زید کا خدمت گزار زیادہ تر ہے اور وہ دو لڑکے فراخی سے بسر کرتے ہیں تنگ دست نہیں ہیں اس صورت میں زید یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے خدمت گزار لڑکے کو نصف اپنی ملکیت کا دوں اور نصف بقیہ دونوں

لڑکوں اور لڑکی کو بحصہ مساوی دیدوں یہ بلا حق تلفی کے جائز ہوگا یانہیں، بینوا توجروا۔

الجواب - جبکہ یہ لڑکا باپ کا خدمت گزار زیادہ ہے تو اُن دو پر ایک طرح کا فضل دینی رکھتا ہے اگر اور کوئی وجہ اس کے منافی نہ ہو تو ایسی صورت میں باتفاق روایات اس کو ترجیح دینے میں مضائقہ نہیں جبکہ دوسروں کو ضرر پہنچانے کی نیت نہ ہو، بزازیہ میں ہے لوخص بعض اولادہ لزیادۃ رشدہ لاباس بہ وان کانا سواء لایفعلہ ہندیہ میں ہے لو وھب رجل شیئًا لاولادہ فی الصحۃ واراد تفضیل البعض علی البعض فی ذلك لارواية لهذا فی الاصل عن اصحابنا وروی عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی انہ لاباس بہ اذا کان التفضیل لزیادۃ فضلہ فی الدین وان کانا سواء یکرہ وروی المعلی عن ابی یوسف رحمہما اللہ تعالٰی انہ لاباس بہ اذا لم یقصد بہ الاضرار وان قصد بہ الاضرار سوّی بینہم یعطی الابنۃ مثل مایعطی للابن وعلیہ الفتوٰی ھکذا فی فتاوٰی قاضیخان وھوالمختار کذا فی الظہیریۃ اھ **اقول** وقع ھٰھنا فی النقل عن الخانیۃ اختصار مخل اوھم تعلق الافتاء بروایۃ ابی یوسف نظرا الی مامرعن الامام ولیس کذلك وانما ھولروایتہ بالنظر الی المروی عن محمد من التثلیث رضی اللہ تعالٰی عنہم جمیعا واصل عبارۃ الخانیۃ بعد قولہ مثل مایعطی للابن ھکذا وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی یعطی للذکر ضعف مایعطی للانثٰی والفتوٰی علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی اھ قال العلامۃ الشامی نقلا عن العلامۃ الخیرالرملی ماافضہ ای علی قول ابی یوسف من ان التنصیف بین الذکر والانثٰی افضل من التثلیث الذی ھو قول محمد اھ وقال فی البزازیۃ الافضل فی ھبۃ الابن والبنت التثلیث عند الثانی التنصیف وھوالمختار اھ وقال العلامۃ الطحطاوی فی حاشیۃ الدر یکرہ ذلك ای التفضیل عند تساویھم فی الدرجۃ کما فی المنح والھندیۃ الخ فانظر کیف عزا الکراھۃ الی الھندیۃ فقد علم ان الفتوی لیست ناظرۃ الی قول ابی یوسف بالنظر الی ماروی عن الامام والا لما ساغ ان یعزو الیھا ما نصت فیہ ان الفتوی علی خلافہ وھذا ھو الصواب فلیتنبہ **ثم اقول** وباللہ التوفیق یتراای لی ان لاخلف بین ماعن الامامین الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما فان تفضیل احد الولدین لایتحقق لہ الابتنقیص الاٰخر والتنقیص اضرار اذلیس المراد بہ ایصال سوءٍ الیہ فی دینہ اونفسہ اوبدنہ اوعرضہ اوملکہ ولا التنقیص من حق لہ ثابت فانہ لاحق للورثۃ فی صحۃ المورث فلم یرد بہ الا حجبہ حجب نقصان اوحرمان وھذا لازم التفضیل لاانفکاك لہ عنہ بید ان القصد اولا وبالذات قد یتعلق بتفضیل ھذا دون تنقیص ذلك وقد یکون بالعکس فانك اذا اعطیت احدھما ازید لانہ اطوع لك وابربك فانما مطمح نظرك فی ھذا صلتہ بمقابلۃ ماوقع منہ لاتنقیص غیرہ وان لزمہ لزوما کلیا واذا کنت غضبان علی احدھما فاعطیت الاٰخر ازید کیلا یصل الیہ الا القلیل فانما مطمح بصرك فی ھذا اضرارہ بما اساء الیك لاتفضیل غیرہ قصدا اولیا کما لایخفی ثم التفضیل لابدلہ من حامل علیہ وداع الیہ فان العاقل لایقصد الفعل الا لغرض صحیح فان رجح ولا مرجح لم یکن المقصود ترجیحہ لعدم مایدعوا الیہ بل تنقیص غیرہ وھو قصد الاضرار والداعی ان کان امرا دنیویا لااثر لہ فی الدین فالشرع

لا یعتبرہ ویجعلہ کلا داع واذا کان امراد ینیا فھو المقصد الصحیح المعتبر وبقصدہ لا یخرج الانسان عن قصد الاضرار کما قد تقرر فظھر ان مآل الکلامین واحد وان کلا منھما کالشرح لصاحبہ وانما لم یقید فیما رای عن الامام بان لا یقصد الاضرار لان الکلام فیہ مفروض فیما یقصد تفضیل بعض فبین ما یعم منہ وما لا بل یؤل قصد اضرار ثم الذی یظھر ان مسئلۃ التثلیث او التسویۃ بین الابن والبنت مسئلۃ علیحدۃ لا متفرعۃ علی قصد الاضرار الا تری الی ما اسمعناک عن نص البزازیۃ ولذا لما اوھم عبارۃ الدر ذالک التفریع عقبہ العلامۃ السید الطحطاوی لعبارۃ البزازیہ وقال فانت تری نص البزازیۃ خالیا عن قصد الاضرار اھ فتحرر مما تقرر ان العدل بین الابن و البنت فی حال الصحۃ عند الامام الثالث ھو التثلیث وعند الامام الثانی التنصیف وعلیہ الفتوی والکلام فی الافضلیۃ والکل جائز والعدل بین بنین او بنات ھو التسویۃ بالاجماع ولا یجوز العدول عنہ فی ابن لا فی بنت اصلا لو قصد الاضرار اولا وبالذات الا ان یکون فاسقا کما افادہ فی الخلاصۃ والبزازیۃ وخزانۃ المفتین و الھندیۃ وغیرھا وان قصد التفضیل فان لفضل دینی جاز ولم یکرہ والا کرہ لاؤلہ[1] الی قصد الاضرار ھذا ما ظھرلی والعلم بالحق عند عالم الغیوب والاسرار، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ از پیلی بھیت مرسلہ مولٰنا مولوی وصی احمد صاحب غرۂ رجب ۱۳۱۸ھ

ایک شخص نے اپنی جائداد مشترکہ برضامندی اپنے اور اپنے شرکاء کے اپنے عزیزوں کو تقسیم کردی، یہ تقسیم بموجب شرع شریف کے صحیح ہے یا نہیں اور بعد تقسیم کے وہ جائداد واپس کرنا چاہے تو واپس ہونا اس کا درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر شرکاء سے تقسیم کرا کر اپنا حصہ جدا نہ کرا لیا یا جن عزیزوں کو دی اُن کا حصہ جدا تقسیم نہ کردیا اور وہ شے اس قابل تھی کہ بعد تقسیم لائق انتفاع رہتی جب تو یہ تقسیم سرے سے باطل ہے اور اگر اپنا حصہ جدا کرکے حصص شرکاء بھی جدا جدا کردے یا وہ شئی صالح قسمت نہ تھی تو تقسیم میں خلل نہیں ہے اب اگر عزیزوں کا ہنوز قبضہ نہ ہوا تو اس تقسیم سے اُسے رجوع کا اختیار ہے کہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا اور اگر قبضہ ہوگیا اور وہ عزیز اس کے محارم ہیں جیسے بھائی، بہن، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، بھتیجے، بھانجے تو واپس لینا ممکن نہیں اور اگر غیر محارم ہیں اور موانع سبعہ رجوع سے اور کوئی مانع بھی متحقق نہیں تو اُن کی رضا یا قاضی کی قضا سے رجوع کرسکتا ہے مگر گنہگار ہوگا کہ دیکر پھیرنا مکروہ تحریمی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ از رچھا ضلع بریلی، تھانہ بہیڑی ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا حکم ہے اس صورت میں کہ باپ نے اپنے بیٹوں کو جدا کردیا اور جو کچھ جائداد تھی وہ سب کو تقسیم کردی اب بعد مدت کے باپ یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ مال لڑکوں کو دیا ہے وہ سب واپس لے لیوے اور لڑکوں کو تہیدست چھوڑ دیوے اب فرمائیے کہ روئے شرع یہ امر جائز ہے یا نہیں اور ابھی کسی لڑکے کا نکاح نہیں ہوا تو یہ حق ذمہ باپ کے ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر جائداد جدا جدا کرکے ہر لڑکے کو قبضہ دلادیا تو وہ اس کے مالک مستقل ہوگئے ان سے واپس لینے کا باپ کو اختیار

[1] الاؤل ہو الرجوع (م غفرلہ)

نہیں نہ اُن کا نکاح کرنا اس پر لازم اوّل تو لڑکوں کے نکاح میں شرعی مصارف کچھ نہیں اور جو ہوں تو جبکہ وہ مال رکھتے ہیں انھیں کے مال سے کیے جائیں اور اگر تقسیم جدا جدا کرکے قبضہ نہ دلایا گیا اور وہ مال قابلِ قسمت تھا تو بدستور باپ کے ملک پر باقی ہے اُسے لے لینے کا اختیار ہے، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:- ۲۵ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولوی محمد حسن صاحب نے اپنی زندگی میں بحیات اپنی بی بی منکوحہ مسماۃ منیر النساء کل جائداد ۱۸۷۵ء میں دو بیٹیوں اور ایک نواسہ اور ایک نواسی کو دی اور کاغذ لکھ دیئے صرف رجسٹری کرانی رہی زوجہ مولوی صاحب موصوف نے وقت قضا اپنا مہر معاف نہ کیا بعد لکھنے اور دینے جائداد کے بحیات زوجہ مذکورہ اور جائداد خریدی جو کسی کو نہ لکھی ۱۸۹۱ء میں مولوی صاحب نے قضا کی دو دختر جنکو جائداد تحریر کی اور وہی نواسہ نواسی اور حقیقی بہن چھوڑی ترکہ بموجب فرائض ہر سہ وارثان یعنی دو دختر اور ایک بہن کو کس طرح تقسیم ہوگا بموجب تحریر کاغذات ہوگا قبضہ مولوی صاحب مرحوم نے اپنی حیات میں کسی کو نہ دیا بعد کو وہ لوگ بموجب تحریر قابض رہے۔ بعد تحریر کاغذات سوا دو بسوے کسری زائد مولوی صاحب نے اور خریدی جو کسی کو نہ لکھے زوجہ مولوی صاحب کے دو بیٹیاں اور ایک بہن وقت وفات زندہ موجود ہیں۔

تفصیل تحریر جائداد از مولوی صاحب موصوف

مسماۃ بی بی جان دختر کلاں　　۵ بسوہ ۱۰ بسوانسی ۳ کچوانسی ۱/۲ تنوانسی کسری زائد زمینداری موضع نودیا۔ ایک مکان پختہ مشرق رویہ واقع محلہ خواجہ قطب و نصف قطعہ اراضی اڈا واقع بریلی کٹرہ مان رائے۔

مسماۃ غفور النساء دختر خورد　　۵ بسوہ ۱۰ بسوانسی ۳ کچوانسی ۱/۲ تنوانسی کسری زائد زمینداری موضع نودیا، ایک مکان پختہ واقع نالا و نصف قطعہ اراضی اڈا واقع بریلی کٹرہ مان رائے

یہ وحقیت مولوی صاحب نے پہلے ہی بنام غفور النساء خرید کی تھی وہ حصے میں مجرا کی۔ غفور النساء اس وقت ناکتخدا نابالغہ تھی۔

قمر الدین نواسہ　　یک بسوہ موضع راجپور و مکان مسکون واقع کٹرہ مان رائے۔

مسماۃ چھمن نواسی　　یک دکان واقع بازار کٹرہ مان رائے۔

الجواب:- یہ جس قدر ہبہ مولوی صاحب مرحوم نے اپنی صاحبزادیوں اور ایک صاحبزادی کی اولاد کو کئے ہیں سوا اُس مکان کے جو غفور النساء کے نام اُس کی نابالغی میں خریدا سب شرعاً باطل و بے اثر ہیں جو جائدادیں مشاع و مشترک بلاتقسیم ہبہ کیں اور انھیں میں وہ نصف قطعہ اراضی اڈا داخل ہے جو نصف مشاعاً بنام غفور النساء خریدا تھا یہ سب تو بوجہ مشاع ہونے کے باطل ہیں اور جو جداگانہ ومسلّم تھیں جیسے مکانات و دکان کہ بی بی جان و غفورن و چھمن کو ایک ایک پورا دیا گیا، اُن کا ہبہ یوں باطل ہوا کہ موہوب لہم نے حیات مولوی صاحب مرحوم میں قبضہ نہ پایا، بعد کا قبضہ شرعاً بکار آمد نہیں، درمختار موانع الرجوع میں ہے المیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل الھبۃ وہ مکان کہ غفور النساء کے نام اُس کی نابالغی میں خریدا از انجا کہ مسلم بھی تھا اور نابالغ کے ہبہ میں باپ کا قبضہ نابالغ ہی کا قبضہ قرار پاتا ہے اس کا ہبہ صحیح و تمام ہوگیا، پس صرف وہ ایک مکان بحق غفور النساء مسلم رہے گا اور باقی تمام جائداد مکتوبہ موہوبہ وغیر موہوبہ سب یکساں حالت میں ترکۂ مولوی صاحب مرحوم قرار پائے گی۔

اُس میں سے اولاً دین مہر ادا کیا جائے گا یوں کہ مہر سے ایک چہارم خود بحق مولوی صاحب ساقط ہو کر باقی تین ربع مہر کے ۹ نو حصوں پر تقسیم ہونگے چار چار حصّے ہر دختر اور ایک حصہ زوجہ کی بہن کو ملے گا، اس سے فارغ ہو کر جو جائداد بچے مولوی صاحب مرحوم کے دونوں بیٹوں اور ہمشیرۂ مولوی صاحب پر بحصۂ مساوی تقسیم ہوجائے گی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ: ۲۸ شعبان المعظم ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان بنام ہندہ اپنی دختر کے ہبہ کرکے قبضہ دلا دیا تھا کہ ابتک ہندہ قابض ہے اب زید نے بدست عمرو وہی مکان بیع کر دیا، کیا یہ بیع صحیح ونافذ وجائز ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: یہ بیع صحیح ونافذ نہیں بعد تکمیل ہبہ زید کو اپنی بیٹی سے رجوع کا اصلاً اختیار نہیں فان القرابۃ من موانع الرجوع علی ما نص علیہ فی جمیع الکتب ہندہ کو اختیار ہے کہ اس بیع کو رد کر دے تو محض باطل ہوجائے گی اور چاہے تو قبول کرے اُس وقت یہ بیع نافذ ہوجائیگی اور قیمت جو کچھ ٹھہری ہے خود ہندہ پائے گی زید کو اُس سے کچھ تعلق نہ ہوگا کہ ہبہ قبضہ دلانے سے کامل ہوگیا، اب مکان کا مالک زید نہیں ہندہ ہے، ہاں اگر زید محتاج حاجتمند ہو اپنی ضرورت کے لئے اُس مال کو بیچنا چاہے تو اس کا اختیار باپ کو اولاد کے خود اپنے ذاتی مال میں بھی ہے مگر بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہاں یہ صورت نہیں، زید کو کوئی ضرورت نہیں صرف دختر سے لیکر پسر کو دینا چاہتا ہے اس کا ہرگز اختیار نہیں، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ: از ٹھریا سوہن پور مرسلہ حافظ عبدالرب خاں یکم جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں کہ ایک شخص حافظ قرآن بالعوض پڑھنے قرآن کے کچھ جائداد مسماتوں زمیندار سے ہبہ کرائی ہے، واہبان نے ہبہ نامہ میں یہ یہ شرط درج کرائی ہے کہ موہوب لہ کو تاحیات ہماری قرآن مجید اب وجد مرحوم کو پڑھنا ہوگا، مگر یہ شرط نہیں ڈالی گئی کہ دو یا ایک پارہ یا دو یا ایک ختم پڑھے وہی حافظ امامت کرتا ہے تمام گاؤں کی، آیا اُس شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نادرست، ایک مسماۃ ان واہبان میں سے فوت ہوگئی ہے اور غیر شخص مردہ یا زندہ کو اگر حافظ قرآن پڑھ کر ثواب بخشیں پہونچ سکتا ہے یا نہیں اور واہبان کے مرنے پر حافظ قرآن پڑھا، اس شرط سے ہوسکتا ہے یا نہیں، نقل ہبہ نامہ کی اس خط میں ملفوف ہے، حضور ملاحظہ فرمائیں، فقط۔ پہلے اس مسئلہ کا سوال گنگوہ کو بھیجا تھا، وہاں سے جواب آیا تھا کہ اُس کی امامت نادرست ہے، دوبارہ پھر سوال کیا گیا کہ اب کس طرح پر حافظ مذکور کی امامت درست ہوسکتی ہے، اُس کا جواب یہ آیا، جسکی نقل بعینہ یہ ہے **الجواب**۔ اس امام کی توبہ یہی ہے کہ وہ زمین واہب کو واپس کر دے، واہب مرگیا ہو تو اُس کے وارثوں کو لوٹا دے پھر اس کو ایصالِ ثواب کا اختیار ہے، لوجہ اللہ ایصال ثواب روح میت کو کرے یا نہ کرے، اگر وہ زمین واپس کر دے اور اپنے فعل پر نادم ہو تو پھر اُس کی امامت میں مضائقہ نہیں ہے، فقط واللہ تعالٰی اعلم، بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

[رشید احمد ۱۳۰۱] اصل مسئلہ گنگوہ کا بھی مرسل خدمت ہے جو حکم ہو مطلع فرمائیں۔ فقط

الجواب: ملاحظۂ ہبہ نامہ سے ظاہر ہوا کہ یہ زمین جو ہیبت خاں زمیندار ٹھریا کی زوجہ و دختر نے کہ باہم اُس کی زمینداری میں شریک تھیں موہوب لہ کو ہبہ کی تین نمبر مستقل جداگانہ غیر مشاع ہے، دو نمبر تو خود ہی جدا تھے اور تیسرے کی نسبت بیانِ سائل سے معلوم ہوا کہ وہ ایک نمبر مملوک واہبات سے ایک ٹکڑا تھا جسے واہبات نے کھائی کھدوا کر علیحدہ کر دیا اور ہر سہ نمبر موہوب پر موہوب لہ کو قبضۂ کاملہ دیدیا، پس صورت مستفسرہ میں

وہ ہبہ صحیح وتام ونافذ ہوگیا کہ موہوب کا دو واہبوں میں مشترک ہونا مانع صحت ہبہ نہیں، درمختار میں ہے وھب اثنان دارا لواحد صح لعدم الشیوع۔ اور خلاصہ عبارت ہبہ نامہ یہ ہے "اراضی نمبران مندرجہ ذیل مع درختان بنام حافظ عبداللہ خاں بالعوض خواندن قرآن شریف عزیزخاں دادا وہیبت خاں والد کے ہبہ کی، اور بخشی ہم نے موہوب کو تاحیات ہماری قرآن شریف واسطے مورثان موصوفان کے پڑھنا ہوگا، لہذا یہ ہبہ نامہ لکھ دیا کہ سند ہو" ظاہر ہے کہ واہبات وموہوب لہ نے اُسے ہبہ ہی کہا اور یہی سمجھا اور ہبہ ہی کا ارادہ کیا بعوض قرآن خوانی کہدینے سے وہ عقد ہبہ سے نکل کر بیع نہیں ہوسکتا کہ باطل ٹھہرے اور موہوب لہ پر اس کا واپس دینا لازم ہو ورنہ اس کی امامت میں مضائقہ، قرآن خوانی کوئی مال نہیں ہبہ بالعوض اُس وقت بیع ہوتا ہے کہ بعوض کسی مال کے ہو، ولہذا قرۃ العیون میں زیر قول شارح اما لوقال وھبتك بكذا فھو بیع لکھا لان الباء للمقابلۃ والمال المتابل بالمال بیع، تبیین الحقائق وبحرالرائق واشباہ والنظائر وغایۃ البیان وغیرہا شروح ہدایہ وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ ہبہ بالعوض کا بیع ہونا بوجہ عبرت معانی ہے اور پر ظاہر کہ معنی بیع اُسی وقت متحقق ہوں گے کہ مقابلۂ مال بمال ہو تو بے تحقق معنیٰ خواہ مخواہ اُسے ابطال تصرف عاقد واہمال کلام عاقل کے لئے بیع کی طرف پھیر لیجانا اور لفظ کہ عاقد نے بولے اپنے صحیح سلیم سے بلا وجہ توڑ کر معنیٰ ناممکن کی طرف ڈھالنا محض مہمل وبے معنیٰ ہے، حالانکہ قاعدہ شرع اعمال الکلام اولی من اھمالہ ہے نہ کہ عکس وقد حققنا فیما علقنا علی ھامش قرۃ العیون وغمز العیون من ھذا المقام ان مثل الھبۃ ھبۃ صحیحۃ لا بیع باطل بما یتعین المراجعۃ الیہ فارجع الیہ ان شئت وباللہ التوفیق تو اس عوض کا حاصل نہ رہا مگر ایک شرط فاسد اور ظاہر ہے کہ ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی باطل ہوجاتی ہے تو ہرگز موہوب لہ پر لازم نہیں کہ وہ زمین واپس کرے نہ اس کی وجہ سے اس کی امامت میں کوئی نقصان ہے کہ اس نے مال حرام نہ لیا کوئی عقد ناجائز نہ کیا، ہاں اتنا ہوا کہ اُس احسان کے عوض یہ شرط قبول کرلی کہ تاحیات واہبات ان کے مورثوں کو ایصال ثواب کردوں گا، یہ کوئی محظور شرعی نہیں بلکہ احسان کے عوض احسان کرنا شرع پسند فرماتی ہے قال اللہ تعالٰی ہَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ ولئن فرض انہ ارتکب الاجارۃ علی التلاوۃ للمیت مع انہ لا عین لھا ھھنا ولا اثر ولا ذکر ولا خبر فالمحقق وان کان بطلانھا ولکن کثیر من العلماء صرحوا بجوازھا وبہ نص فی السراجیۃ والھندیۃ والدر المختار وغیرھا فمن اتبع امثال ھؤلاء کیف یحکم علیہ بمنع امامتہ لاسیما الحکم بنادرست الذی ھو بمعنی لا تصح فان غایتہ الاثم فان فرض فسقا فامامۃ الفاسق وان کرھت عند التحقیق تحریما صحیحۃ قطعا ولکن مفاسد الجھل اکثر واخنی نسأل اللہ العافیۃ مسلمان زندہ یا مردہ جسے چاہیں تلاوت قرآن وغیرہ جس نیک کام کا ثواب چاہیں پہنچا سکتے ہیں، بفضلہ تعالٰی پہنچتا ہے اور اُسے نفع دیتا ہے، حافظ قرآن پر اُس شرط کی پابندی نہ حیات واہبات میں واجب ہے نہ اُن کے بعد لما تقدم ان الشرط فی الھبۃ ھو الذی یبطل والباطل لا عمل لہ مگر ایفائے وعدہ واحسان بعوض احسان کے طور پر اُسے مناسب ہے کہ جب تک یہ دوسری واہبہ زندہ ہے اُن مورثوں کو جتنا چاہے پڑھ کر بخشتا رہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ :-

۷ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے مرض الموت میں اپنے شوہر زید کو اپنا دین مہر معاف کردیا، اب زید بری ہوگیا یا یہ معافی وصیت متصور ہوکر زید دو ثلث کے ادا کا عنداللہ مواخذہ دار رہے گا، اگرچہ ورثہ دنیا میں شرم سے نہ مانگیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ مرض الموت میں اپنا دین دائن کو ہبہ یا معاف کرنا حکم وصیت میں ہے اور زوج وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے کہ ثلث وغیرہ کسی حصے میں نافذ نہیں ہوسکتی، پس صورت مسئولہ میں اگر کل وارث عاقل بالغ ہوں اور اس معافی مہر کو جائز رکھیں معاف ہوجائے گا اور بعض اجازت دیں تو بقدر انھیں کے حصے کے ساقط ہوگا اور کوئی اجازت نہ دے تو دیگر ورثاء کا حصہ کہ نصف یا تین ربع مہر ہے تمام وکمال واجب الادا رہے گا، عورت کا معاف کرنا کچھ معتبر نہ ہوگا، خزانۃ المفتین وہندیہ میں ہے مریضۃ قالت لزوجہا ان مت من مرضی ھذا فمھری علیک صدقۃ اوانت فی حل من مھری فماتت من ذٰلک المرض فقولہا باطل والمھر علی الزوج، نہرالفائق وعقود الدریہ میں مسئلہ مذکورہ خانیہ سے نقل کرکے فرمایا وکان ینبغی ان یقال ان اجازت الورثۃ تصح لان انموانع من صحۃ الوصیۃ کونہ وارثا جامع المضمرات شرح قدوری وعالمگیریہ میں ہے مریضۃ وھبت صداقہا من زوجہا ان کانت مریضۃ مرض الموت لایصح الا باجازۃ الورثۃ ۱ھ مختصرا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱ رجادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مساۃ ظہورن نے اپنی ایک دکان کی تعمیر عملہ کے نسبت اپنے داماد عبدالوہاب خاں کو اجازت دی کہ اسے تم اپنے روپے سے درست کرلو جو کچھ کرایہ تمھارے عملے کی وجہ سے بڑھ جائے گا وہ تم لیا کرنا، عبدالوہاب خاں نے اس ایک دکان کو دو دکانیں کردیا بڑی اور چھوٹی۔ دوکان کا پہلا عملہ جو تھا اسمیں سے کڑیاں بیکار نکل گئیں، عبدالوہاب خاں نے کڑیاں اپنے ہی پاس سے ڈالیں مگر اینٹیں اگلی اور اپنے پاس سے اور نئی ملاکر دونوں دکانیں بنائیں، یہ تعیین نہیں ہوسکتی کہ کس دکان میں کتنی اینٹ پہلی اور کتنی نئی ہے، پھر عبدالوہاب خاں نے دونوں دکانوں پر خاص اپنے روپے سے بالاخانہ بنایا، اب اُن دکانوں کا کرایہ دس روپے ماہوار ہوگیا۔ پہلے پانچ روپے تھا، حسب قرارداد ظہورن اور عبدالوہاب خاں پانچ روپے ماہوار لیتے رہے، یہ تمام عملہ عبدالوہاب خاں نے ظہورن کی اجازت سے اپنے روپے سے اپنے لئے بنایا ۱۸۹۰ء میں اس دکان کا ہبہ نامہ ظہورن وعبدالوہاب خاں کی طرف سے اُس کی دختر اور اُس کی زوجہ آبادی کے نام بایں تفصیل لکھا گیا کہ بڑی دکان ظہورن کی طرف سے اور چھوٹی دکان اور بالاخانہ عبدالوہاب خاں کی طرف سے آبادی کے نام ہبہ ہوا، آبادی نے وصیت کی کہ جو کچھ میری ملک ہے اس کا مالک میرا خاوند ہے، پھر اُس نے انتقال کیا، شوہر اور ماں باپ اور دو بیٹیاں وارث چھوڑے، باپ نے اُس جائداد کو یوں تقسیم کیا کہ بڑی دکان نصف نصف دونوں نواسیوں کو دی اور چھوٹی دکان میں سے آدھی نواسی کے بیٹے کو اور آدھی اپنے دور کے رشتہ کے پوتے کو، اور بالاخانہ کی نسبت یہ لکھا کہ جیتے جی میں مالک اور میرے بعد میرا داماد مالک، اس کے بعد اُس کی لڑکیاں مالک۔ سوال یہ ہے کہ تقسیم مذکور بالا اور یہ تحریر ٹھیک ہوئی یا نہیں اور عبدالوہاب خاں نے اپنا روپیہ جو دکانوں اور بالاخانے کی تعمیر میں صرف کیا تو اُن میں عبدالوہاب خاں کا کوئی حق ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ صورت مسئولہ میں عبدالوہاب خاں نے جو عملہ اپنے روپے سے اپنے لئے بنایا خاص ملک عبدالوہاب خاں ہوا، بالاخانہ کہ تمام وکمال زرعبدالوہاب خاں سے بنا کل عبدالوہاب خاں کا ہے، اور دونوں دکانوں میں کڑیاں بھی انھیں کی ہیں اور چنائی کہ مشترک اینٹوں سے ہوئی ظہورن وعبدالوہاب خاں کی حصہ رسد مشترک ہے، اگر بیشی معلوم ہوسکے مثلاً دو تہائی اینٹیں ظہورن کی ہیں اور ایک تہائی عبدالوہاب خاں کی یا بالعکس جب تو اسی حساب سے ورنہ نصفا نصف مشترک رہے گی کما ھو الطریق حیث لاعلم بالتفاضل کما نصوا علیہ فی غیر ما مسئلۃ من الشرکۃ وغیرھا۔ درمختار میں ہے

لو عمر لنفسہ بلا اذنہا فالعمارۃ لہ ویکون غاصبا للعرصۃ، طحطاوی میں ہے فلو باذنہا تکون عاریۃ، ردالمحتار میں ہے قولہ فالعمارۃ لہ ھذا لو الاٰلۃ کلہا لہ فلو بعضہا لہ وبعضہا لہا فھی بینہما ط عن المقدسی ہبہ نامہ کہ ظہورن وعبدالوہاب خاں نے آبادی کے نام کیا محض باطل ہوگیا، دونوں دکانوں کے علمے تو یوں ہبہ نہ ہوئے کہ ہر علمہ ظہورن وعبدالوہاب خاں دونوں میں مشترک تھا، علمہ کا دونوں کی طرف سے ہبہ ہونا چاہئے تھا اور ہوا ایک ایک کی طرف سے تو ہر علمے میں دوسرے کا حصّہ بے ہبہ رہا، اور وہ مشاع قابل تقسیم ہے، اور ایسی شے کا ہبہ بلا تقسیم باطل ہے۔ اور زمینیں یوں ہبہ نہ ہوئیں کہ چھوٹی دکان کی زمین تو مالکۂ زمین یعنی ظہورن نے ہبہ ہی نہ کی، عبدالوہاب خاں جس کی طرف سے اس کا ہبہ لکھا گیا مالک زمین نہ تھا اور بڑی دکان کی زمین اگرچہ ظہورن نے ہبہ کی مگر اُس پر مشترک علمہ قائم ہے جبر، کا ہبہ صحیح نہ ہوا اور موہوب جب غیر موہوب سے یوں متصل ہو تو ہبہ مثل ہبۂ مشاع منقسم باطل ہو جاتا ہے، بعینہ اسی دلیل سے بالاخانے کا ہبہ بھی اگرچہ مالک یعنی عبدالوہاب خاں نے کیا باطل ہوا کہ وہ بھی باقی رکھنے کے لئے ہبہ ہوا تھا نہ یوں آبادی علمہ توڑ کر اینٹ کڑی تختے پر قبضہ کرلے، یوں ہوتا تو بالاخانے کا ہبہ صحیح ہو جاتا جبکہ آبادی باذن عبدالوہاب خاں اُسے توڑ کر علمے پر قبضہ کرلیتی مگر نہ وہ توڑا گیا نہ یہ مقصود تھا اور اُسے غیر موہوب سے اتصال تھا، لہٰذا وہ بھی باطل ہوگیا، عقود الدریہ میں ہے ھبۃ البناء دون الارض لاتصح الا اذا سلطہ الواھب علی نقضہ، ہندیہ میں ہے وھب زرعا فی ارض او ثمرا فی شجر او حلیۃ فی سیف او بناء فی دار او قفیزا من صبرۃ وامرہ بالحصاد والجزاز والنزع والنقض والکیل وفعل صح استحسانا ویجعل کانہ وھبہ بعد الجزاز والحصاد ونحوھما وان لم یأذن لہ بالقبض وفعل ضمن کذا فی الکافی، مغنی المستفتی میں ہے افتی جد جدی المرحوم عماد الدین عن سوال رفع الیہ وصورتہ فیما اذا کان لزید عمارۃ قائمۃ فی ارض الغیر فملک زید العمارۃ المزبورۃ لزوجتہ ولم یأذن لہا بنقض العمارۃ فھل یکون التملیک غیر صحیح ام لا **الجواب** نعم یکون التملیک غیر صحیح کتبہ الفقیر عماد الدین عفی عنہ۔ وجیز امام کردری میں ہے وھب ارضا فیہا زرع اوبقل او نخلا علیہ تمر او وھب الزرع بدون الارض او النخل بلا ارض او نخلا بدون التمر لایجوز لان الموھوب متصل بغیرہ اتصال خلقۃ مع امکان القطع فقبض احدھما غیر ممکن فی حالۃ الاتصال فیکون بمنزلۃ المشاع الذی یحتمل القسمۃ، عالمگیری میں سراج وہاج سے ہے لان کل واحد منہما متصل بصاحبہ اتصال جزء بجزء فصار بمنزلۃ ھبۃ المشاع فیما یحتمل القسمۃ، حاشیۃ العلامۃ الحامدیہ میں ہے والعمارۃ من ھذا القبیل اھ وتمامہ فیہ وقد افاد واجاد واوضح المرام وازاح الاوھام فان المسألۃ قد طغت فیہا اقلام وزلت فیہا اقدام والعبد الضعیف حرر فیہا الکلام علی ھامش التنقیح باحسن نظام وباللہ العصمۃ وبہ الاعتصام، پس صورت مستفسرہ میں وہ دونوں دکانیں بدستور ملک مالکان پر ہیں دونوں کی زمینیں پوری اور چناؤ میں کا حصہ ظہورن کا ہے اور کڑیاں اور چناؤ کا دوسرا حصہ اور سارا بالاخانہ عبدالوہاب خاں کا ہے آبادی کی وصیت یا اس کے باپ کی تقسیم کچھ قابل لحاظ نہیں سب مہمل و باطل ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

نثار احمد مکان مسکن درا بہ بیگان خورد سال ہبہ می کند الا یک دختر کلانے کہ نکاحش کردہ آمد نام او ہم شامل کردن لازم ست یا نہ ایں

سہ بچگاں از تمتع دنیاوی بہرہ نیافتہ اند واں کے متمتع شدہ۔

الجواب - ہرچہ یکے ازیں اطفال رسد اگر قیمتش براتچہ بجہیز دخت کلاں دادہ شد زیادت واضح ندارد نام احتمال کردن ضرور نیست لحصول ما ارشد الیہ قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکلّ بنیك نحلت مثل ھذا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ - از پٹنہ محلہ لودی کٹرہ مرسلہ قاضی عبدالوحید صاحب ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر شے موہوبہ کے ایک جز پر استحقاق ثابت ہو تو یہ نسبت شکل کے کیا حکم ہوگا، اور یہ ہبہ باطل ہوگا یا کیا؟

الجواب - استحقاق کے یہ معنی کہ ثابت ہو کہ شے موہوب تمام وکمال ملک واہب نہ تھی بلکہ اس کا ایک جز ملک مدعی نکلا، مدعی نے دعوٰی کیا اور ثبوت دیا اور وہ جز نکل گیا تو باقی میں بھی ہبہ باطل ہوجائے گا کہ ثابت ہوا کہ اول ہی سے ایک جز مشاع ہبہ ہوا تھا کہ ملک غیر کو ہبہ کردینے کا واہب کو کچھ اختیار نہ تھا، پھر یہ اسی حالت میں ہے کہ شے موہوب قابل قسمت ہے ورنہ بعد استحقاق باقی کا ہبہ تمام رہے گا کہ ناقابل قسمت کے ہبہ کو شیوع منع نہیں کرتا، اور اگر شے موہوب تمام وکمال بملک واہب تھی ہبہ میں ابتداءً شیوع نہ تھا بعد کو کسی عارض کے سبب اُس کا ایک جز ہبہ سے نکل گیا مثلاً واہب نے بتراضی یا قضائے قاضی نصف موہوب میں رجوع کرلی، یا ہبہ اجنبی کے ہاتھ تھا اور شے موہوب ثلث مال واہب سے زائد تھی ورثہ نے اجازت نہ دی، ثلث سے جس قدر زیادت تھی ہبہ سے خارج ہوگئی، یا موہوب لہ وارث تھا دیگر ورثہ سے بعض نے اجازت دی بعض نے نہ دی کہ نہ دینے والوں کے حصے کے قدر جز موہوب سے آزاد ہوگیا تو ان صورتوں میں باقی کا ہبہ باطل نہ ہوگا، عالمگیریہ میں ہے المفسد ھو الشیوع المقارن لا الشیوع الطاری اسی میں ہے لا یمنع الشیوع صحۃ لاجازتہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ - از لاہور مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ۲۴ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے دو منکوحہ میں ایک سے جب اس شخص نے نکاح کیا، اُس کو ایک قبالہ نکاح لکھ کر دیا جس میں چند مدّات ہیں، منجملہ اُن کے ایک مد یہ ہے جس کی عبارت (چھٹی یہ کہ جو کچھ مال واسباب میرا ... دک ہے اور ہوگا اُس سے بھی سوائے مضمون مرقومہ بالا کے نصف دختر عموی صاحب مرحوم کا اور نصف اہلیہ اول میری کا ہے) اور اس قبالہ پر حاکم وقت کے دستخط ثبت کرادئے ہیں اب بعد مرنے اُس شخص قبالہ نویس کے منکوحہ اس شخص کی باستدلال اس عبارت مندرجہ قبالہ کے جس پر دستخط حاکم ثبت ہیں اُس شخص ... کے تمام اموال وجائداد متوفی پر دعوٰی کرے اور تقسیم اس کی بنام ہر دو منکوحہ متوفی کے چاہے اور اولاد متوفی کو محروم الارث قرار دیوے تو شرعاً وہ جائداد ہر دو منکوحہ پر بموجب عبارت مذکورہ کے تقسیم ہوسکتی ہے یا نہیں، اور اولاد اس شخص متوفی کے محروم الارث رہ سکتے ہیں یا نہیں فقط بینوا توجروا۔

الجواب - تحریر قبالہ مذکورہ محض بے اثر ہے، وہ مال اس کے بنا پر تنہا دونوں زوجہ میں تقسیم نہیں ہوسکتا، نہ اولاد اس سے محروم ہوسکتی ہے لانہ لیس باقرار لاضافتہ الملك الی نفسہ ولا وصیۃ لعدم الاضافۃ الی بعد الموت مع کونہ فی الصحۃ فان کان فھبتہ ما یوجد وھی باطلۃ وھبۃ الموجود مشاعا وقد بطلت بموت الواھب قبل التسلیم ولئن کانت وصیتہ لما نفذت للمرأتین الا باجازۃ بقیۃ الورثاء کما لا یخفٰی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از مراد آباد محلہ کسرول متصل مسجد مولسری ، مرسلہ مولوی حفظ الرشید صاحب ۲۵ شعبان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ مقروض ہے، اُس نے بحالت قرضدار ہونے کے اپنی جائداد غیر منقولہ کا ہبہ نامہ اپنے پسر بکر کے نام لکھ کر قبض دخل جائداد موہوبہ پر موہوب لہ کا کرا دیا، کیا شرعاً ایسی حالت میں ہبہ مذکور جائز ہے یا ناجائز، اور دائن اپنے مطالبہ جائداد موہوبہ سے مواخذہ کرسکتا ہے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب ۔ جبتک دین کے عوض کوئی شے دائن کے پاس رہن نہ ہو دائن کا مطالبہ صرف ذات مدیون یعنی اُس کے ذمہ پر ہوتا ہے نہ کہ اُس کے کسی مال معین پر، تو ہبہ بوجہ قبضہ تام وکامل بلکہ محرمیت موہوب لہ لازم ہوگیا جس کا فسخ غیر ممکن ہے صرف تمامی ہبہ اس جائداد کو متعرضۂ دائن سے بری کرنے کے لئے بس تھی کہ ملک منتقل ہوگئی، اب وہ شے ملک مدیون نہیں جس سے دائن اپنا دین وصول کرسکے نہ کہ اس صورت میں کہ عقد بوجہ امتناع رجوع قابل فسخ نہ رہا۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے رکب الرجل دیون تستغرق امواله فطلب الغرماء من القاضی ان یحجر علیه حتی لایهب ماله ولایتصدق فالقاضی یحجر علیه عندهما ویعمل حجره حتی لا تصح هبته ولاصدقته بعد ذلک لکن یشترط علم المحجور علیه بعد الحجر حتی ان کل تصرف باشرہ قبل العلم به یکون صحیحًا، اسی میں ہے رجل له ضیعة تساوی عشرین الف درهم وعلیه دیون فوقف الضیعة وشرط صرف غلاتها الی نفسه قصدا منه الی المماطلة وشهد الشهود علی افلاسه جاز الوقف والشهادة فان فضل عن قوته شیئ من هذه الغلات فللغرماء ان یاخذوا ذلک منه کذا فی المضمرات۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از اندور ملک مالوہ بھاؤنی نواب غفور خاں ، مرسلہ حکیم محمد اکمل خاں صاحب ، یکم ربیع الاول شریف ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محمد اعظم خاں کو رئیس وقت نے ایک سند ملک بھوٹ کی تاحین حیات عطا کی، محمد اعظم خاں نے مصلحتًا بطور اسم فرضی کے ایک عرضی رئیس کی خدمت میں پیش کی کہ اس ملک کی سند میرے فرزند افضل خاں کے نام نسلًا بعد نسل عطا ہوجائے، چنانچہ حسب استدعا محمد اعظم خاں کے افضل خاں کے نام سند ملک بھوٹ کی نسلًا بعد عطا ہوئی لیکن قابض اور مالک محمد اعظم خاں رہے محمد افضل خاں کا قبضہ کبھی اور کسی وقت میں ایک آن واحد کے واسطے بھی نہیں ہوا اور ہمیشہ قبضہ اور تصرف وصول واصلات وٹھیکہ وغیرہ وغیرہ جملہ قسم کا نظم ونسق محمد اعظم خاں کرتے رہے اور سند میں بھی رئیس وقت نے یہ لفظ تحریر کئے کہ "بقبض وتصرف معزی الیہ واگذارند" اس سے مراد خاص محمد اعظم خاں ہیں نہ کہ افضل خاں، اسی عرصہ میں محمد افضل خاں کا انتقال ہوگیا۔ اور افضل خاں کی دو بیبیاں اور ایک لڑکی اور ایک لڑکا باقی ہے، محمد افضل خاں اپنے والد اعظم خاں کی حیات میں فوت ہوئے، اسی باعث ورثائے افضل خاں سب محروم الارث ہوگئے اور بدستور قدیم محمد اعظم خاں قابض اور مالک اور متصرف رہے۔ ایسی حالت میں اولاد افضل خاں مرحوم یا ان کی بیوی بچے مستحق ہوسکتے ہیں یا نہیں، افضل خاں کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کچھ بھی نہیں، اور افضل خاں کی اور ان کی بیوی بچّی کی پرورش محمد اعظم خاں پدر افضل خاں کرتے رہے، اور افضل خاں کا انتقال اپنے والد محمد اعظم خاں کی حیات میں ہوگیا، تو ایسی صورت میں اس ملک بھوٹ میں افضل خاں مرحوم کی بیوی بچے مستحق ہوسکتے ہیں یا نہیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب ۔ اس سوال کے ساتھ تحریر ونقول کہ سائل نے مرسل کیں اُن کے ملاحظہ سے واضح ہوا کہ زوجہ محمد افضل خاں نے بدعوٰی وراثت شوہر

اس بنا پر کہ تبدیل سند سے محمد افضل خاں اس زمین کا مالک ہوگیا تھا، اُس پر دعوٰی ملک کیا ہے، یہ دعوٰی شرعاً محض باطل و بیجا ہے، سند ثانی بنام محمد افضل خاں میں از جانب ریاست کوئی لفظ مفید معنی ہبہ و تملیک نہیں، نہ ہبہ کرنا نہ عطا ہونا، نہ مالک بنانا، نہ اور کوئی لفظ کہ اُن کا مرادف ہو صرف اتنے الفاظ ہیں کہ اراضی مذکورہ از حضور بہ محمد افضل خاں خلف معزی الیہ نسلاً بعد نسلٍ بشرط لوازم اطاعت و فرمانبرداری معاف شد لازم کہ اراضی مذکور را از حضور معاف و مرفوع القلم دانستہ بقبض و تصرف معزی الیہ واگذارند معاف ہونا کوئی لفظ الفاظ ہبہ سے نہیں، بلکہ عین سے اُس کا تعلق ہی صحیح نہیں، معافی مطالبہ و دیون سے متعلق ہوتی ہے کہ اُس کا حاصل ابراء ہے، اور اعیان سے ابرا باطل، درمختار میں ہے الابراء عن الاعیان باطل، اشباہ میں ہے اختص الدین باحکام منہا صحۃ الابراء عنہ فلا یصح الابراء عن الاعیان، وجیز کردری میں ہے لاتقبل لعدم صحۃ الابراء عن الاعیان بخلاف سند بنام حکیم محمد اعظم خاں کہ اُس میں لفظ عطا شد ہے اور یہ خاص ہبہ کے لئے موضوع ہے، عالمگیری میں ہے الفاظ الھبۃ انواع نوع تقع بہ الھبۃ وضعا کقولہ وھبت ھذا الشیئ لک او ملکتہ منک او اعطیتک فھذا کلہ ھبۃ اھ مختصراً، سند بنام محمد افضل خاں میں بھی بنام محمد اعظم خاں عطا کا ذکر ہے کہ سابق ازیں بحکم محمد اعظم خاں از حضور عطا شدہ بود اور افضل خاں کو عطا ہونے کی درخواست از جانب محمد اعظم خاں میں اگرچہ مذکور ہے کہ حالا عرضی معزی الیہ باستدعائے تبادل سند سابق و عطا شدن آن بنام محمد افضل خاں پسر خود موصول ملاحظہ گردید مگر حکم میں لفظ عطا نہیں اسی قدر ہے کہ چوں حضور را پرورش و پرداخت حکیم صاحب معزی الیہ منظور لہذا اراضی مذکور از حضور بہ محمد افضل خاں معاف شد اس کا حاصل اگر ٹھہرتا تو معافی محصول نہ کہ تملیک رقبہ کما ھو شان الاقطاع علی المعنی المشہور نہر الفائق پھر درمختار میں ہے الاقطاعات من اراضی بیت المال حاصلھا ان الرقبۃ لبیت المال والخراج لہ اور بالفرض یہ صورت یہاں ہوتی تو بعد انتقال نواب خلد آشیاں مرحوم مغفور ختم ہوجاتی خود افضل خاں کا کوئی حق نہ رہتا نہ کہ ان کے ورثہ کا، ردالمحتار میں ہے ھل یکون لاولاد المقطع لہ عملا بقول السلطان ولاولادہ فانہ بمعنی ان مات عن اولاد فلاولادہ من بعدہ فھو تعلیق معنی والجواب انھا لاتکون لاولادہ لبطلان التعلیق المذکور بموت السلطان المعلق قال فی الاشباہ لومات المعلق بطل التقریر اھ مختصرا اور بالفرض اولاد کا حق رہتا بھی جب بھی زوجہ محمد افضل خاں کے لئے کوئی حق نہ ہوتا کہ سند میں نسلاً بعد نسلٍ ہے اور زوجہ نسل شوہر سے نہیں، اور اگر فرض کیجئے کہ ایسی سند والیان ملک کے عرف حال میں مطلقاً تملیک رقبۂ زمین سمجھی جاتی ہے اگرچہ عطا شد کے عوض معاف شد ہی لکھا گیا ہو جس کی بنا پر سند ثانی کو محمد افضل خاں کے لئے ہبہ و تملیک زمین قرار دیا جائے کہ زوجہ و اولاد سب ورثہ کا استحقاق قائم کرسکیں تو اس صورت میں بھی تمام وارثان افضل خاں کا محض ناستحق ہونا واضح و روشن ہے کہ زمین پہلے حکیم محمد اعظم خاں کو ہبہ ہوچکی اور حین حیات تک ہونا کچھ منافی نہیں کہ جو چیز کسی کو اُس کی حیات تک ہبہ کی جائے وہ ہمیشہ کے لئے ہبہ ہوگئی، اور حین حیات کی شرط شرعاً باطل و بے اثر ہے، درمختار میں ہے جاز العمری للمعمر لہ ولورثتہ بعدہ لبطلان الشرط اور وہ ہبہ قبضۂ محمد اعظم خاں سے تام و کامل و نافذ ہولیا، اب ریاست کو کیا اختیار رہا کہ پرایا مال دوبارہ کسی اور کو ہبہ کردے، اُس کی تصحیح کی دو ہی صورتیں موہوم ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ محمد اعظم خاں کی عرضی کہ حسب استدعا تا بعدار کے اس ملک بھوق کی دوسری سند میرے فرزند محمد افضل خاں کے نام نسلاً بعد نسلٍ عطا فرمائی جائے اسے گویا محمد اعظم خاں کی طرف سے اس زمین کا رئیس کو واپس دینا اور اپنے بیٹے کے نام ہبۂ جدید کی درخواست کرنا قرار دیں، اور ہبہ جب باہمی تراضی یا قضائے قاضی سے واہب کو واپس ہو تو وہ دوسرے سے

فسخ ہبہ ہے نہ کہ موہوب لہ کی طرف سے واہب کو ہبہ، ولہذا واہب کا قبضہ اُس پر شرط نہیں، درمختار میں ہے اذا رجع بقضاء او رضاء کان فسخا لعقد الھبۃ من الاصل لاھبۃ للواھب فلھذا لایشترط فیہ قبض الواھب مگر عرضی مذکور کا ملاحظہ صراحۃً اس معنیٰ سے ابا کرتا ہے

اُس میں عبارت مذکورہ کے متصل ہے ورنہ میں سند عطیۂ سابقۂ حضور اپنے ہمراہ لایا ہوں، واپس پیش کردوں بدستور سابق ملک مذکور شریک خالصہ فرمائی جاوے اس سے صاف ظاہر کہ وہ اس وقت اپنا ہبہ واپس نہیں کرتا بلکہ اس درخواست کے قبول نہ ہونے پر واپسی ہبہ کہہ رہا ہے، دوسرے یہ کہ اس درخواست کو محمد اعظم خاں کی طرف سے توکیل بالہبہ قرار دیجئے گویا وہ اپنے پسر کو خود اپنی طرف سے ہبہ کرتا اور ریاست کو اس ہبہ کا اختیار دیتا ہے، یہ معنیٰ بھی نہ اس درخواست سے ظاہر نہ سند ثانی سے جس میں لفظ یہ ہیں کہ ازحضور بہ محمد افضل خاں معاف شد لازم کہ اراضی مذکور را از حضور معاف و مرفوع القلم دانند اور بالفرض ان دونوں میں سے کوئی صورت قرار ہی دیجئے، جبکہ محمد افضل خاں نے اس پر ایک آن کو قبضہ نہ پایا اس کے نام ہبہ خواہ جانب ریاست سے مانیں خواہ طرف پدر سے، بہرحال باطل محض ہوگیا۔ برتقدیر اول تو ظاہر ہے، اور برتقدیر ثانی یوں کہ سائل نے اپنے خط میں اظہار کیا کہ محمد افضل خاں اس تبدیل سند کے وقت بالغ وصاحب اولاد تھا تو قبضۂ پدر اُس کا قبضہ نہیں ہوسکتا، لاجرم اُس کے نام ہبہ باطل ہوگیا۔ درمختار میں ہے والمیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل، بالجملہ کسی صورت کسی پہلو محمد افضل خاں یا اس کے کسی وارث کا اس زمین پر دعویٰ نہیں پہنچ سکتا، وہ اس میں سے کسی ذرّہ کے مالک نہیں، یہاں بعض ابحاث فقیہ اور ہیں جن کو سوال سے تعلق نہیں، لہذا ان کا ذکر مطوی رہا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ مرسلہ مولوی عبداللہ خاں صاحب قصبہ بتیا ضلع چمپارن محلہ گنج اول ۲۴/ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی ہندہ بالغہ کی شادی کیا اور نکاح کے وقت میں بطور جہیز مع دیگر اثاث بیت ایک ہزار روپیہ بھی دیا، دینے کی صورت یہ تھی کہ زید نے مجلس نکاح میں اشیاء دادہ شدہ کو بنام ہندہ بحضور اصہار وشوہر ہندہ کے نام زد کیا، اور ایک فہرست اشیاء مذکورہ کے لکھ کر جو مشتمل بہ ایجاب بھی تھا، ہندہ کے حوالہ کیا، چونکہ ہندہ تاحین حیات زید مرحوم اپنے والد مرحوم کے ہم ماکل وہم مشرب؏ رہی، اور وہ اس کے کل مصارف کئے، اس لئے بوجہ عدم ضرورت ہندہ نے نقود مذکورہ کو قبض خاص میں نہیں لایا بلکہ تا زندگی زید مرحوم، زید مرحوم کے پاس رکھ چھوڑا، بعد انتقال زید ہندہ کو جب ضرورت پڑی اس کو خرچ کیا، زید مرحوم نے نقود مذکور کو الگ ایک تھیلی میں وقت نکاح سے رکھ لیا تھا، اور اس سے کوئی نفع ذاتی نہیں اُٹھایا تھا، جب کبھی کبھی الماری کھولتے تھے تو تھیلی مذکورہ کی طرف اشارہ کرکے فرماتے تھے ہندہ سے مخاطب ہوکر کہ یہ تیرا روپیہ ہے، اور بسا دفعہ یوں فرماتے تھے کہ تیرا روپیہ میرے پاس امانت ہے، اور بسا دفعہ روتے تھے اور کہتے تھے کہ ہندہ کا روپیہ میرے پاس بے فائدہ رکھا ہوا ہے امانت میں۔ ہم کو ڈر ہے کہ ضائع نہ ہو اور اُس کی وجہ سے میرا مواخذہ نہ ہو۔ یہ حقیقت حال ہے، اب ارشاد فرمائیے کہ تخلیہ مذکورہ سے یعنی قول زید مرحوم سے بعد کھولنے صندوق کے یہ تیرا روپیہ، ہبہ تمام ہوا یا نہیں، کیونکہ دینا بطور جہیز کے ہبہ ہی کا محتمل ہے، اگر اس تخلیہ سے ہبہ تمام ہوا اور یہ تخلیہ معتبرہ کی کیا تعریف ہے۔ حتی ینظر ان التعریف یصدق علی ھذہ الصورۃ اور اگر یہ ہبہ تمام نہیں اور تخلیہ مذکورہ، تخلیہ معتبرہ نہیں تو عدم اعتبار کا کیا دلیل ہے، اور یہاں کون شرط اعتبار کا منفی ہے وھکذا ارشدونی فی الاقرار من حین اعتبارہ و عدمہ اذ قول زید رحمہ اللہ تیرا روپیہ میرے پاس امانت ہے ظاہرہ اقرار بالامانۃ فھل یصح ھذا الاقرار ام ھو باطل وکان زید المقر عارفاً معنی الامانۃ عالماً فقیھاً ارجو منکم ان تنبھونی بجواب یروی العطشان ویذھب بالظمأن اذھی مسئلۃ

؏ اصل میں قلم ناسخ سے ایک لفظ چھوٹ گیا ہے۔ ۱۲

اختلف فیہا اراء الاقران وما اتی احد بشیئ یزیل الخلجان والاٰن ارید ان اسمعکم ما وقع بینہم حتی ترشدونی بسلیمہ من سقیمہ **اجاب بعضھم** بان الھبۃ لیست بصحیحۃ کما صرح بہ الکتب الفقہیۃ **واجاب بعضھم** بان الھبۃ قد تمت لوجود شرطہا وشرطہا اما الایجاب فظاہر واما القبول فلوجودہ من الاصہار فی مجلس النکاح واجازۃ الموھوب لہا فیصح کما فی الفضولی ولوجودہ من الموھوب لہا بنفسہا بعد بلوغ الکتاب الیہا ای الفہرست المذکور المشتمل علی الایجاب والموھوب وشرط العقد یتوقف علی الغائب اذا کان بکتابۃ او بارسال واما شرط تمامہا وھو القبض فھو قد یکون حقیقیا وقد یکون حکمیا و ھہنا وان لم یتحقق الاول لکن الثانی متحقق اذ الشرط فی اعتبار القبض الحکمی المعبر عنہ بالتخلیۃ ان یکون المخلی عنہ بحیث یتمکن عن قبضہ المخلی لہ بعد ان یصدر من المخلی بالکسر قول اوفعل یدل علی اجازۃ القبض وقد تحقق فی مانحن فیہ ھذان الامران اما الثانی ای القول والفعل الدال علی الاجازۃ فکما مر فی تحریر السوال من قول الواھب یہ تیرا روپیہ ہے بعد فتح الصندوق مشیرا الی الدراھم الموھوبۃ المشدودۃ فی خریطۃ منفردۃ ممتازۃ اذ ما کان مقصودہ بھذا القول الا اجازۃ القبض کما ھو المسلم عند الفریقین من المدعی والمدعا علیہ وکذا الاول ای التمکن وکون الموھوب بحیث یتمکن من قبضہ الموھوب لہ اذ لم الحائل وھو القفل وغیرہ من اللوح الذی ھو مدخل الصندوق وبابہ قد ارتفع وقت الاجازۃ ولان القائل الواھب ھہنا مما یمتنع ان یتوھم فی شانہ انہ قال ذلك ھاذلا بل یجب ان یتیقن بکونہ باذلا لما مر من انہ کان عالما تقیا مقتدا لاھل ھذہ الاطراف وایضا ھذان الامران مسلمان عند الفریقین فہما مستغنیان عن الدلیل والبیان یعنی جو ورثہ موجود تھے اور عاقل بالغ تھے وقت حیات زید مرحوم کے وے تسلیم کرتے ہیں اس امر کا کہ زید مرحوم بار بار کہا کرتے تھے مذکورہ کو اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر ہندہ نقد مذکورہ موہوب کو قبض کرتی تو اس کے والد زید مرحوم ہرگز منع نہ کرتے الا انہا لم تقبض قبل موتہ لعدم الحاجۃ بہا وقت حیاتہ وانما قبضت بعد موتہ ووقت القبض لم یزاحمہا احد من الورثۃ لتسلیمہم ذین الامرین وکون تلك النقود ملکا خاصا للھندۃ وانما شرعت المنازعۃ و المزاحمۃ وقت طلب الھندۃ حصتہا من الترکۃ معترضین علیہا بقیۃ الورثۃ بان ما قبضت من النقود ھو محسوب من حصتك من الترکۃ والھندۃ تقول فی جوابہم بان النقود قد جہزنی بہا ابی فہو لایحسب من حصتی من الترکۃ بل یجب ان تکون لی حصۃ غیرہا والدلیل الثانی علی تمام الھبۃ بالقبض الحکمی والتخلیۃ المذکورۃ اقرار زید بالامانۃ کما مر من انہ ربما یبکی ویقول ان دراھم الھندۃ امانۃ عندی واخاف من ضیاعہا وبیان دلالتہ ان المقر کان عارفا معنی الھبۃ واحکامہا ومعنی الامانۃ واحکامہا لما مر من فقاھتہ واتقانہ ولیس من اصطلاح الفقہاء ولا غیرھم الاطلاق علی مال نفسہ بانہ امانۃ لزید مثلا فدل الاقرار

بالامانة علی ان التخلیة المذکورة تخلیة معتبرة لاباعتبار المقر فقط بل باعتبار الشرع ایضا اذ الشرع ما حصر التخلیة فی امثلة معدودة محصورة حتی تنعدم بانعدامها بل مبناہ عند الشرع علی ان یکون المخلی عنه بحیث یتمکن من قبضة المخلی له بعد اجازة المخلی بالکسر وھو امر عام لایمکن انحصارہ نعم یختلف باختلاف المواد واختلاف المخلین وقد مران التمکن والاجازة ھھنا مسلم ومدلل تم ما قال البعض الاخر ومقولة السائل فی توجیه من قال بعدم التمام اقول وباللّٰه التوفیق قول من قال بعدم اعتبار التخلیة المذکورة من قول زید یہ تیرا روپیہ ہے بعد فتح الصند وق کما مر بتمامه اعتصم بقول القاضیخان حیث قال (و التخلیة ان یخلی بین الموھوب له ویقول له اقبضه) اذ فیه تصریح علی ان التخلیة انما تعتبر اذا ایدت بالامر بالقبض وقول زید یہ تیرا روپیہ ہے لیس امرا بالقبض بل فیه اخبار عن کون تلك النقود ملکا للھندة لکونه جملة خبریة فان استدل بھذا القول علی تمام الھبة وثبوت الملك فی النقود یلزم الدور کما لایخفی اذ لیس للملك وجه اخر غیر الھبة ولما بطل الاستدلال بقول زید یہ تیرا روپیہ ہے الخ لم یبق لتمام الھبة وجه اٰخر غیر الاقرار بالامانة مع کون زید عارفا معنی الامانة واحکامها ومعنی الھبة واحکامها وھذا الاقرار ایضا غیر صالح للاستدلال به علی تمام الھبة و ثبوت الملك فی النقود للھندة اما عدم صلاحیته للاول فظاھر اذ الامانة لاتقتضی کونها لھبة بخصوصها انما تقتضی کونها ملکا للمودع بالکسر فالدال عام والمدلول خاص واما الثانی فلان الاقرار اخبار وحکایة موقوف علی المحکی عنه والمخبر عنه وھو کون المقر به ملکا للمقر له قبل الاقرار فلو استدل به علی ثبوت الملك فیها قبله لزم الدور ولیس الاقرار سببا للملك حتی تثبت به الملك من غیر نظر الی الحکایة ولان الاقرار انما یعتبر اذا ادعی المقر له الاقرار وبین سببا للملك غیرہ اذ الدعوی الذی علی الاقرار من غیر بیان سبب الملك باطل کما لایخفی وھو معنی قول صاحب الدر المختار ولاتسمع دعواہ بشیئ بناء علی الاقرار والجواب علی ما ادی الیه نظری واللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب ان تعریف القاضیخان اکثری لاحصری ولا یشترط فی جمیع افراد التخلیة الامر بالقبض بل مدارھا علی ان یکون المخلی عنه بحیث یتمکن من قبضه بعد اجازة المخلی بالقول او بدلالة الحال ویدل علی ھذا اطلاقات القاضیخان ایضا جلد۲ صه۳۹۴ حیث قال البائع اذا خلی بین المبیع وبین المشتری بحیث یتمکن المشتری من قبضه یصیر المشتری قابضا للمبیع ففیه تصریح ان الامر بالقبض غیر مشروط فیها ولا قائل بالفرق بین التخلیة فی البیع والھبة حتی یقال بالاشتراط فیها دونه ولان عبارة القاضیخان قبیل ھذا صه۳۹۳ شاھدة بمساوات التخلیتین وایضا لایدل علی الاشتراط مفهوم التخلیة ولا اصطلاحهم والا لما ذھلوا عن ذکرہ وتصریحاتهم الخالیة عنه اکثر من ان یحصی و ایضا لایمکن الانکار لاحد عن التخلیة مع عدم الامر فیما اذ عد المشتری الثمن عند المبیع ولم یقل له

اقبضه وبهذا اندفع الدور ایضا اذ الاخبار یعنی قوله یہ تیرا روپیہ ہے لیس علی حقیقته حتی یقتضی ثبوت المخبر عنه وهو الملك والحال انه موقوف علی هذا القول اذ لیس له وجه اٰخر غیر الهبة اذ فی حمله علی الاخبار یلزم الغاء الکلام والواجب حمله اذا صدر عن عاقل بالغ علی معنی یصح فحمل علی الانشاء واجازة القبض وهو شائع فی محاورات الهند کقولهم پان حاضر ہے، حقہ حاضر ہے، کھانا حاضر ہے حین کون هذه الاشیاء موضوعة لدی المخاطب فهم لا یریدون بهذه الاخبارات حقیقتها ولا یلزم الالغاء بل مقصودهم اجازة التناول منها کما لا یخفی علی اللبیب فلو کان المراد من قول زید المرحوم یہ تیرا روپیہ ہے اجازة التناول والقبض لا یلزم المحذور ایضا وبه یصح الکلام ویتم المقصود من تمام الهبة بالتخلیة والقبض الحکمی و ظهر وجه الاستدلال بالقول الاول بقی الاقرار بالامانة هل هو صالح للاستدلال به ام لا ام الاستدلال مستلزم للدور کما قال المعترض اقول وبالله التوفیق مدار الاعتراض علی ان الاقرار باطل لانه یتوقف علی وجود المخبر عنه وهو ثبوت الملك فلو استدل به علی تمام الهبة وثبوت الملك یلزم الدور ومحصل الجواب ان اشتراط نفوذ الاقرار ببیان سبب الملك غیر الاقرار مسلم لکن لا یجب بیانه الا اذا رجع المقر عن اقراره واما اذا کان مُصرا علی اقراره فان بین فبها وان لم یبین حتی مات علی اقراره لا یبطل اقراره عند احد بل یجب ان یحمل علی سبب صالح حتی لا یلزم الالغاء والسبب الصالح للاقرار ههنا موجود وهو الهبة مع التخلیة و الهبة وتمامها لیستا موقوفین علی الاقرار حتی یلزم الدور کما زعم المعترض بل هما قد ثبتا بدلیل قد مرّ بیانه فالاقرار وان کان باعتبار ذاته موقوفا علی تمام الهبة لکن باعتبار لازمه وهو وجوب حمله علی سبب صالح یقتضی ان یحکم بتمام الهبة فی الصورة المذکورة بشرطها وشطرها المذکورین ولهذا حکمنا بان الاقرار ایضا دلیل علی تمام الهبة فقط ارجو منکم ان ترشدونی بصواب الجواب وتدقیق یؤمن به ویتیقن به اولوا الالباب (العبد عبداللہ خاں عفی عنہ از ضلع چمپارن قصبہ بتیا محلہ گنج اول)

الجواب اللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ صورت مشروحہ سوال سے ہندہ کے لئے اُن نقود میں ملک اصلاً ثابت نہیں، اوّلاً سائل نے زید کا مجلس عقد میں شوہر واصہار کے سامنے بعض اشیاء نامزد ہندہ کرنا بیان کیا مگر شوہر وغیرہ کے قبول کا کوئی ذکر نہیں کہ قبول فضولی سمجھ کر اجازت ہندہ پر موقوف رکھیں نہ بعدہٗ کوئی اجازت ہندہ مذکورہ فہرست مطلقاً تعریف ایجاب بالکتاب میں داخل خصوصاً جبکہ تذکرۂ ما وقع علیہ الانشا ہو نہ انشا، والاول هو المعهود المتعارف فی امثال الفهارس نہ وہ لفظ ہی سوال میں مسطور جو زید نے فہرست میں لکھے کہ ان پر نظر ہو نہ یہی معلوم کہ ہندہ خواندہ ہے، فہرست اس نے خود پڑھی یا کسی نے، اُس کے جملہ الفاظ مندرجہ پڑھ کر سُنائے یا یوہیں اجمالاً اُسے کاغذ دیدیا کہ یہ تمہارے جہیز کی فہرست ہے، نہ یہی مذکور کہ ہندہ سے کوئی قول یا فعل کہ قبول یا اجازت قبول فضولی پر دال ہو صادر ہوا یا نہیں واذلا اثر لبیان شیئ منها فی السؤال فکیف یسوغ الحمل فی الجواب علی احد الجوانب، من

دون علم ویحکم بتحقق الشطرین تحکما بوجود القبول من الحضار ثم اجازۃ من المرأۃ اووجودہ منہا بعد بلوغ الکتاب مع عدم العلم بما فی الکتاب ایضا بمجرد السکوت فلاینسب الی ساکت قول ام باختیار من عند انفسنا احد الشقوق ولیس ھذا شان الجواب انما قصارہ فی امثال الصور التردید بالجملہ قبول کو شطر عقد ماننا کہ مقدار ما فی السوال پر حکم انعقاد رجم بالغیب وخرط القتاد نعم ھو علی الاصح شرط ثبوت الملك واذن یقوم مقامہ القبض فی المجلس ولوبلا اذن الواھب اوبعدہ لوباذنہ کما حققناہ فی فتاوٰنا وحینئذٍ یرجع الامر الی المباحث الاٰتیۃ فی تحقق التخلیۃ ویلغو السعی فی تحقیقہ بقبضہ من فضولی فی المجلس او احالۃ الایجاب علی مافی الکتاب لیتوقف الشطر علی ماوراء المجلس۔ ثانیاً ہاں ہبہ صحیحہ میں مذہب صحیح پر تخلیہ مثل قبض بالبراجم ہے جزم بہ فی متن التنویر ونص فی الدر ثم الدر انہ المختار قلت وقد اشار فی بیوع الاشباہ الی ضعف خلافہ وقدمہ فی ھبۃ الخانیۃ علی قول الخلاف وھو انما یقدم الاظھر الاشھر وبہ جزم الامام شمس الائمۃ الحلوانی ولم یمل الی ذکر الخلاف کما فی بیوع الخاقانیۃ مگر یہاں اعتبار تخلیہ کیلئے جو تمکن قبض شرط ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ شیئ موہوب، موہوب لہ سے اس قدر قریب ہو کہ یہ ہاتھ بڑھائے تو اُس تک پہنچ جائے اٹھ کر اُس کے پاس جانے کی حاجت نہ ہو، فقط الماری اور صندوق کا کُھلا ہونا ہرگز کافی نہیں، بحر الرائق وردالمحتار میں ہے لواشتری ثوبًا فامرہ البائع بقبضہ فلم یقبضہ حتی اخذہ انسان ان کان حین امرہ بقبضہ امکنہ من غیر قیام صح التسلیم وان کان لایمکنہ الا بقیام لایصح فتاوٰی قاضیخان وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے ان کان حین امرہ البائع بالقبض امکنہ ان یمد یدہ ویقبض من غیر قیام صح التسلیم والا فلا یہاں سائل نے کچھ بیان نہ کیا کہ الماری کھولتے وقت ہندہ کتنے فاصلہ پر ہوتی تھی، نہ اُس نے کہا کہ کبھی زید نے اس وقت ہندہ کو بلاکر اتنا پاس بٹھا کر یہ الفاظ کہے کہ ہندہ ہاتھ بڑھاتی تو روپوں کی تھیلی ہاتھ میں آجاتی تو شرط تخلیہ کا تحقق سوال سے ظاہر نہیں بلکہ ظاہر عدم ہے کہ ایسا ہوا ہوتا تو اس کا بیان ترک نہ کرتا لما یتراای من کلامہ عن الاستقصاء فی بیان الواقعۃ وتفریغ الوسع فی الاتیان بکل ماظنہ مؤیدا لتمام الھبۃ نہ فریقین کا اتفاق کہ واہب ایسا کہا کرتا یا ہندہ قبضہ کرتی تو کہہ سکتے ہیں کہ نہ روکنا اس شرط تمکن کے وجود پر اتفاق ہے ایسا کہنا یا نہ روکنا واہب کے قول وحال ہیں اور جو تمکن کہ یہاں شرط ہے یعنی شے موہوب سے اس قدر قریب ہونا وہ موہوب لہ کا وصف ہے، تو نہ اس کا وجود اس کے وجود کو مستلزم نہ اُس کی تسلیم اس کی تسلیم، بہرحال قدر ما فی السوال پر ثبوت تخلیہ کا حکم صحیح نہیں فکان حقہ ان یردد اذ تردد وھھنا سھو فی بعض الصور وقع فی ش تبعا للبحر اوضحناہ وازحناہ فیما علقنا علیہ وباللہ التوفیق ثم ھو ایضا لایتعلق بما فی الباب فقد نص انہ یشترط فی نحو ثوب کونہ بحیث لومد یدہ لاتصل الیہ ولاشك ا[illegible] ھم فی ذلك مثل الثیاب۔ ثالثًا تحقق تخلیہ کے لئے صرف تمکن قبضہ فی الحال ہرگز کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ مخلی مخلی لہ کو قبضہ کا حکم [illegible] مثلاً "خذہ" یا "قبضہ" کہے یا خلیت لك عنہ یا اس کے مثل جو اس معنی کو ادا کرے۔

کلام یہاں طویل [illegible] محل اجمال میں چند جملے وافی واللہ الموفق (۱) امام اجل فقیہ النفس قاضیخان رحمہ اللہ تعالٰی نے تخلیہ کی تعریف ہی میں امر بالقبض [illegible] ما ھو منقول فی السؤال وجعل الحد اکثر یا لاحصر یا تحویل لاتاویل۔ (۲) امام [illegible]

ممدوح و دیگر اجلہ نے صراحۃً عدم امر مذکور کی حالت میں عدم صحت تخلیہ پر نص فرمایا، فتاوٰی قاضی خان و فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی ہندیہ و بحر الرائق و رد المحتار وغیرہا میں ہے واللفظ للخانیۃ ان دفع الیہ المفتاح ولم یقل خلیت بینك وبین الدار فاقبضہ لم یکن ذلك قبضا محیط، پھر عالمگیریہ میں ہے اذا لم یقل اقبضہ فانما القبض ان ینقلہ تو کلام امام قاضیخان عدم اشتراط پر حمل کرنا خود انکی تصریح صریح کے خلاف ہوگا۔ (۳) امام اجل موصوف و دیگر اکابر یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ مطلقاً امر بالقبض بھی کافی نہیں بلکہ خاص وہ امر بالقبض درکار ہے، جو اس شے کی طرف مضاف ہو، مثلاً ہبہ یا بیع کرکے کہا لے لے یا قبضہ کرلے تخلیہ نہ ہوا جبتک یوں نہ کہے کہ یہ چیز لے لو یا اس پر قبضہ کرلے، فتاوٰی قاضیخان و بحر الرائق و فتاوٰی ذخیرہ و فتاوٰی علمگیریہ میں ہے لو قال "خذ" لایکون قبضا ولو قال "خذہ" فھو قبض اذا کان یصل الی اخذہ ویراہ۔ (۴) امام اجل مذکور کے فتاوٰی اور کتاب الاجناس و شرح المجمع لابن ملک و غمز العیون والبصائر و بحر الرائق وغیرہا میں تخلیہ کی شرائط شمار کیں اور ان میں قول مذکور کو ایک مستقل شرط گنا، اور نہر الفائق و در مختار و فتاوٰی ہندیہ و حاشیہ طحطاویہ و رد المحتار وغیرہا میں اُسے مقرر رکھا، امام ناطفی و ابن فرشتہ و سید حموی کی عبارت یہ ہے التخلیۃ بین المبیع والمشتری یکون قبضا بشروط احدھا ان یقول البائع خلیت بینك وبین المبیع والثانی ان یکون المبیع بحضرۃ المشتری بحیث یتمکن من اخذہ بلامانع والثالث ان یکون مفرزا غیر مشغول بحق غیرہ اھ باختصار، شرط کا اکثری ہونا کیا معنی اور امام اجل موصوف نے تو صراحۃً اُسے ارشادات عالیہ امام الائمہ صاحب المذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا حیث قال قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ التخلیۃ بین المبیع والمشتری تکون قبضا بشرائط ثلثۃ احدھا ان یقول البائع خلیت بینك وبین المبیع فاقبضہ ویقول المشتری قد قبضت، والثانی ان یکون المبیع بحضرۃ المشتری بحیث یصل الی اخذہ من غیر مانع والثالث ان یکون المبیع مفرزا غیر مشغول بحق الغیر الخ، بحر الرائق میں ہے کان ابوحنیفۃ یقول القبض ان یقول خلیت بینك وبین المبیع فاقبضہ ویقول المشتری وھو عند البائع قبضتہ بالجملہ نقول اس مسئلہ میں متظافر ہیں اور سب سے اعظم یہ کہ وہ خود صاحب المذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منصوص ہے فایاك ان تتوھم مما فی الدر تبعا للنھر انھا من زیادات الناطفی (۵) یہیں سے ظاہر کہ عبارات علماء میں جہاں تخلیہ مذکور ہے یہ شرط منظور رہی فان الشیئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ ومن قال رجل صلی فلیس علیہ ان یقول بطاھر فی طاھر علی طاھر ناویا مستقبلا مکبرا فقد تضمن الکل قولہ صلی، فلا تظن امثال قول الخانیۃ البائع اذا خلی بحیث یتمکن المشتری من قبضہ یصیر قابضا انھا خالیۃ عن ھذا الشرط فضلا عن کونھا صرائح فی انہ لیس بشرط۔ (۶) نصوص صریحہ مذہب و خود صاحب مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے خلاف اگر کوئی روایت شاذہ پائی جاتی نامقبول ہوتی نہ کہ روایت مطلقہ کہ مخالف بھی نہ ٹھہرتی بلکہ اسی مقید پر محمول ہوتی لانہ متفق علیہ فی کلمات العلماء وانما الخلاف فی نصوص الشارع کما فی رد المحتار وغیرہ من المعتمدات، نہ کہ بے استناد روایت محض ذہنی حکایت کروہ کیا قابل التفات و عنایت فالمشتری ان عدد الثمن فی ید البائع او ذیلہ او حجرہ لم یحتج البتۃ الی قول خذہ ونحوہ لان الحقیقی غنی عن شرائط الحکمی وان عدہ

علی الارض بین یدی نفسہ فلایسلم انہ تخلیۃ مالم یقلہ اوینقلہ۔ (۷) زید کا کہنا یہ تیرا روپیہ ہے، صراحۃً اقرار ہے، فتاوٰی قاضیخان وفتاوٰی بزازیہ وفتاوٰی ہندیہ وغیرہا میں ہے لوقال لاٰخر"ایں چیز ترا" فھو ھبۃ یشترط فیھا القبض ولو قال "ترا ست" فاقرار تو اس سے انشائے اجازت قبض مراد لینا محض مجاز، اور مجاز بے ضرورت ممنوع وناجائز، اور ضرورت معدوم تو تخلیہ کی پہلی شرط تمکن قبض کا تو وجود معلوم نہ تھا، اس دوسری شرط یعنی امر بالقبض کا عدم معلوم وحدیث الالغاء لایستحق الاصغاء فان الاقرار لم یعرعن حکمہ من ان المقر مؤاخذ بہ قضاء ان لم یثبت بطلانہ حیث یصیر ممکن باشرعا فاین التعطیل حتی یجوز التجوز والتحویل اما انہ لایقوم بافادۃ الملك للمقرلہ فھذا عین حکمہ ولو کان فیہ الغاؤہ لانمحی الاقرار من صفحۃ الدنیا لان الالغاء اذن یلزم حکمہ وحکم الشیئ لازم لہ فالالغاء یلزم الاقرار وما کان الغاؤہ لازم وجودہ فوجودہ عدم وبعبارۃ اوضح لوجب حمل کل اقرار علی انشاء محض کی یفید الملك ولا یلغو والاقرار غیر الانشاء فتبطل راسا وانعدم۔ (۸) کفانا المؤنۃ مامر فی مباحث السؤال نفسھا ان اقرارہ یجب ان یحمل علی سبب صالح حتی لایلزم الالغاء فقد علم ان حملہ علی تقدم سبب ما مصحح للاقرار یکفی لاعمالہ وینلفع الالغاء ومعلوم انہ یبقی بہ علی حقیقتہ فالعدول الی المجاز فرارا عن الالغاء مما لاوجہ اصلا۔ (۹) بل الاقرار بشیئ انہ لفلان انما ینبئ عن ملك مطلق لہ فیہ قبل الاقرار فلا یحتاج الی ابانۃ سبب اصلا فضلا عن ان یُلزَم المقر فی حیاتہ ببیان سبب صالح ھذا لم یقل بہ احد وانما قالوا ان المرء مؤاخذ باقرارہ الاتری ان مدعی الملك المطلق وشاھدیہ لایکلفون بیان السبب فکیف المقر الا ما استثنی مما الظاھر فیہ بطلان الاقرار کالاقرار لحمل فمشی محمل علی الاصل ای یحمل علی سبب صالح من دون بیان والزما بیانہ کارث اووصیۃ بخلاف الرضیع وان لم یبین شیئا بل بین مالا یصلح لہ کاقراض وبیع الکل فی الاشباہ والتنویر وغیرھما۔ (۱۰) بل لادلالۃ للاقرار علی ان ملك المقرلہ المخبر عنہ فی الاقرار کان مستفادا من المقر الاتری ان المسلم یصح اقرارہ بخمر کما فی الدرر والبحر والتنویر وغیرھا حتی یؤمر بتسلیمھا کما فی ش ولا یصح کونہ ملکا لھا کما فی الھدایۃ۔ (۱۱) ولو تنزلنا فانما یکفی تصور سبب ما ولیس علی احد تعیینہ بل لیس لاحد غیر المقر لان المجمل لایبینہ الا من اجمل فظھران الاستدلال علی تمام الھبۃ المذکورۃ باقرارہ بالامانۃ لاتمام لہ اصلا۔ (۱۲) اذا الامر کما وصفنا ان الاقرار لیس دلیلا انّیاً علی تمام الھبۃ فلوکان دلیلا لکان لِمّیا والاقرار اظھار لااثبات فلوجعل اثباتا لدار ولامناص۔ رابعاً تخلیہ کی شرط ثالث سے مستفاد بلکہ حقیقۃً نفس لفظ تخلیہ کا مفاد یہ ہے کہ تخلیہ کرنے والا اسے اپنے قبضہ سے خالی کردے کہ شے جب تک خود اس کے قبضہ میں ہے تخلیہ کہاں ہوا، ولہذا البحر الرائق نے تصور تخلیہ میں اس شے کا زمین پر رکھا ہونا ماخوذ کیا ولہذا اگر گھوڑا بیچا اور بائع اس کی یال تھامے ہوئے مشتری سے کہہ رہا ہے کہ گھوڑے پر قبضہ کر میں اس کی یال تیرے ہی لئے تھامے ہوئے ہوں کہ بھاگ نہ جائے اور تو قابو میں کرلے اور مشتری پاس کھڑا ہے کہ قبضہ کرسکتا ہے مگر وہ اپنا ہاتھ نہ رکھنے پایا تھا کہ گھوڑا چھوٹ کر گم ہوگیا، بائع کے مال سے گیا کہ قبل قبض ہلاک ہوا تو باآنکہ مشتری

قبضہ پر فی الحال قادر تھا اور بائع صاف حکم قبضہ کر رہا تھا مگر تخلیہ صحیح نہ ہوا کہ گھوڑا دست بائع میں تھا، فی البحر الرائق وان کان غلاما اوجاریۃ فقال لہ المشتری تعال معی اوامش فخطی معہ فھو قبض وکذا لوارسلہ فی حاجتہ وفی الثوب ان اخذہ بیدہ اوخلی بینہ وبینہ وھو موضوع علی الارض فقال خلیت بینك وبینہ فاقبضہ فقال قبضتہ فھو قبض، وفی الذخیرۃ ثم الھندیۃ ان کانت الرمکۃ فی ید البائع ولم یصل الیھا ید المشتری فقال البائع للمشتری قد خلیت بینك وبینھا فاقبضھا فانی انما امسکھا لك فانفلتت من ید البائع قبل ان یقبض المشتری وھولیقدر علی اخذھا من البائع وضبطھا کان الھلاك علی البائع اھ ومثلہ فی الخانیۃ وتمام تحقیقہ فیما علقنا علی ردالمحتار۔ اور بداہۃً ظاہر ہے کہ جو چیز اپنے صندوق میں رکھی ہے اور صندوق اپنی الماری میں ہے اور مالک نے آپ انھیں کھولا اور صندوق بدستور الماری میں رکھا ہے اور وہ خود انھیں کھولے ہوئے بیٹھا ہے تو قطعاً اُسی کا قبضہ ہے، پھر تخلیہ کہاں متحقق ہوا کہ روپیہ اصل قبضہ مالک سے ایک وقت بھی خالی نہ ہوا، بخلاف اس کے کہ صندوق کھول کر صندوق ہندہ کے ہاتھ میں دیدیتا کما فی المحیط السرخسی والتنویر والھندیۃ وغیرھا کہ اب صندوق ومافیہ پر زید کا قبضہ نہ رہتا اور کھلے ہونے کے سبب ہندہ کو قبضۂ زر پر فی الحال تمکن ہوتا مگر یہاں ایسا نہ ہوا تو تخلیہ نہ ہوا تو قبضہ حقیقی یا حکمی اصلاً نہ ہوا تو ہبہ تمام نہ ہوا اور قبل قبضہ موت واہب باطل محض ہوگیا، فی الدرالمختار من موانع الرجوع والمیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل۔ اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ زید جبکہ حسب تحریر سوال عالم وعارف باحکام فقہیہ تھا تو اس کا علم ہی بتا رہا ہے کہ اُسے تکمیل ہبہ منظور نہ تھی وہ جانتا تھا کہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا اور قبضہ ایک آن کو نہ دیا، حسب تصریح سوال وقت نکاح سے ہی اس روپے کو اپنی گرہ اپنے صندوق اپنی الماری میں محبوس رکھا وہ جانتا تھا کہ اگر میں ہندہ کا قبضہ حقیقی نہیں کراتا تو کم از کم تخلیہ تو ضرور ہے اور وہ یوں ہی ہوگا کہ میں روپیہ صندوق سے نکال کر ہندہ کے نہایت قریب زمین پر رکھ کر اُسے حکم قبضہ دوں مگر اس نے کبھی روپے کو ہوا نہ دی، صندوق میں سے روپیہ درکنار الماری میں سے صندوق بھی نہ نکالا، یہ تو سو بار کہا کہ یہ روپیہ تیرا ہے تیری امانت ہے اور یہ ایک بار بھی نہ کہا کہ میں تخلیہ کرتا ہوں تو قبضہ کرلے، تو بحال علم وفقاہت شرائط لازمہ متحقق نہ ہونے دینا صریح دلیل ہے کہ وہ قصداً تکمیل ہبہ سے باز رہا فماذکرمن ان کونہ عالما فاضلا یقتضی کونہ باذلا لا ھاذلا لایعارضہ صریحا ان علمہ ذاك ھو القاضی بکونہ عاضلا مع ان الاول لیس الا تخمین ظن بتخمین وھذا علی تقدیر معرفتہ باحکام مثبت امتناعہ بیقین۔ اور اس پر دوسری روشن دلیل اس کا بار بار رونا اور خوف ضیاع بیان کرنا ہے، عاقل جس چیز سے ڈرتا ہے اُس سے پرہیز کرتا ہے نہ کہ اُس پر مُصر رہے، ہندہ نے اس سے کس دن کہا تھا کہ میرا روپیہ آپ امانت رکھیں اور کہا بھی تھا تو یہ اس کی تسلیم پر مجبور کیوں ہوا اور مجبور بھی تھا تو ہندہ کو ایک لمحہ کے لئے قبضہ دلا کر پھر اپنے پاس امانت رکھ لینا کیا دشوار تھا مگر اُس نے کبھی قبضہ نہ دیا تو یقیناً وہ کسی طرح قبضہ دینا نہ چاہتا تھا اور اُس پر کوئی ایسا اندیشہ رکھتا تھا جو اس خوف امانت پر غالب تھا جس سے بچنے کو وہ اندیشہ گوارا کیا خواہ وہ خوف یہ ہو کہ ہندہ پھر واپس نہ دیگی اور وہ یا اس کا شوہر روپیہ ضائع کردیں گے، بیجا خرچ کر ڈالیں گے خواہ کوئی اور وجہ ہو بہرحال قبضہ دینے سے امتناع واضح ہے، پھر تمامی ہبہ کیا معنی، تیسری اور واضح دلیل یہ ہے کہ اگر وہ واقعی جانتا کہ اس روپیہ پر ہندہ کی ملک تام ہوچکی ہے اور میرے پاس امانۃً ہے پھر اپنے پاس رہنے میں اندیشۂ مواخذہ تھا جسے خیال کرکے رو دیا کرتا تو قطعاً ہندہ کا روپیہ ہندہ کے حوالے کرتا کہ عالم تو عالم

ہر عاقل کو اپنے دین کی احتیاط پرائے مال کی احتیاط پر غالب ہوتی ہے، اپنی آخرت کا مواخذہ پرائی دنیا کے نقصان سے زیادہ گراں ہوتا ہے تو صاف ثابت ہے کہ کسی مصلحت خاصہ کے باعث جسے وہ خود ہی خوب جانتا ہوگا، اس کا اظہار ہبہ محض نمائش و دل دہی ہندہ کے لئے تھا، یہ کلام بضرورت جواب مذکور ہوا ورنہ شرعاً جب کسی عقد کی ناتمامی ثابت ہو تو حال عاقد پر مجرد حسن ظن باعث تبدیل احکام نہیں ہوسکتا، ہمارے نزدیک الزامات مذکورہ سے یہ آسان ہے کہ یہاں بعض احکام سے زید کا ذہول مان لیجئے کہ یہ چنداں دشوار نہیں وہ اپنے گمان میں یہی جانتا تھا کہ صرف فتح صندوق سے تخلیہ ہولیا اور ہبہ تمام ہوگیا، جیسا کہ اُس کے بعد بعض ذی علم مجیبوں کو عارض ہوا مگر وہ گمان خلاف تحقیق تھا تو حجت نہ رہا اذلا عبرۃ بالظن البین خطؤہ۔ **بالجملہ ہبہ مذکورہ محض باطل ہے**، البتہ زید کا اقرار بار بار حاصل ہے مگر اقرار مفید ملک نہیں، ولہٰذا اگر مقر غلط اقرار کرے مقرلہ کو شے مقربہ لینا حرام ہے، ولہٰذا اگر محض بربنائے اقرار دعوٰی ملک کرے قضاءً بھی مردود و ناکام ہے، اور یہاں جبکہ فریقین متفق ہیں کہ مالک زر زید ہی تھا اور ہندہ کی طرف انتقال ملک کا کوئی سبب سوا اس ہبۂ باطلہ کے نہ ہوا تو یقیناً وہ اقرار باطل تھا اور اقرار باطل کچھ اثر نہیں رکھتا، تو اب نہ ہبہ رہا نہ اقرار اور روپیہ ملک ہندہ سے برکنار، فی تنویر الابصار لاتسمع دعواہ علیہ بشیئ بناء علی الاقرار فی الدر المختار حتی لو اقر کاذباً لم یحل لہ لان الاقرار لیس سببا للملک نعم لو سلمہ برضاہ کان ابتداء ھبۃ وھو الاوجہ بزازیہ اھ۔ وفی الاشباہ اقر بالطلاق بناء علی ما افتی بہ المفتی ثم تبین عدم الوقوع فانہ لایقع کما فی جامع الفصولین والقنیۃ اھ وفیہا ایضا الاقرار بشیئ محال باطل وعلی ھذا افتیت ببطلان اقرار انسان بقدر من السھام لوارث وھو ازید من الفریضۃ الشرعیۃ لکونہ محالا شرعا مثلا مات عن ابن وبنت فاقر الابن ان الترکۃ بینھما نصفان اھ باختصار، وفی غمز العیون یؤخذ من ھذا ان الرجل اذا اقر لزوجتہ بنفقۃ مدۃ ماضیۃ ھی فیہا ناشزۃ او من غیر سبق قضاء او رضاء ھی معترفۃ بذلک اقرارہ باطل لکونہ محالا شرعًا الخ۔ **اقول** وھو ماخوذ عن العلامۃ شیخ الاسلام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الغزی کما رأیتہ منقولا عنہ فی حاشیۃ الاشباہ للعلامۃ السید الشریف محمد بن محمد الحسینی افندی الشھیر بزیرک زادہ من رجال القرن العاشر قال وقد افتیت اخذا من قول العلامۃ الغزی بان اقرار ام الولد لسولاھا بدین لزمھا لہ بطریق شرعی باطل وان کتب بہ وثیقۃ لعدم تصور دین للمولی علی ام ولدہ اذ الملک لہ فیہ کامل والمملوک لایکون علیہ دین لمالکہ واللہ تعالٰی اعلم اھ وھو المراد ھھنا بقول الحموی، قال بعض الفضلاء وقد افتیت اخذا من ذلک بان اقرار ام الولد الی اٰخر ما قدمنا۔

الحمدللہ ایضاح مسئلہ کے لئے اسی قدر کافی ہے باقی تخلیہ کی تحقیق تعریف وتنقیح شرائط وابانت مرام وازاحت اوہام وتفصیل فروع وجزئیات وتمییز المرجوح والرجیح من الروایات فقیر غفرلہ المولی القدیر کے حواشی متعلقہ ردالمحتار میں ہے وباللہ التوفیق والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین،

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ مرسلہ جناب قاضی فرزند صاحب رئیس گیا ۱۵ رجب المرجب ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ صاحب جائداد کثیر بیمار ہوئی کہ اُن کو اور اُن کے شوہر ثانی کو مایوسی ہوگئی اور تمام اطبار ڈاکٹروں نے جو معالج تھے بالاتفاق کہا کہ مرض مہلک ہے اس سے نجات مشکل ہے، حالت یہ تھی کہ اکثر وہ مریضہ غشی میں رہتی تھی اور اٹھنا بیٹھنا بغیر اعانت غیر کے نہیں ہوسکتا تھا اور کھانا پینا معمولی موقوف ہوگیا تھا، یہی حالت بلکہ اس سے زیادہ ردی آخر موت تک رہی، شوہر ثانی نے شوہر اول کی اولاد کی حق تلفی کی غرض سے اپنے نابالغ بیٹے کے نام مسماۃ سے اُسی مرض میں جائداد کا کثیر حصہ جس کی لاکھوں روپیہ قیمت ہوتی ہے بعوض ایک جلد قرآن شریف اور انگشتری طلائی کے ہبہ نامہ بالعوض لکھوادیا اور اس وثیقہ کے استحکام کے واسطے شوہر اول کی اولاد میں سے صرف ایک لڑکے اور ایک لڑکی کو بھی بقیہ جائداد میں کچھ حصہ بعوض ایک دلائل الخیرات اور ایک پنجسورہ شریف کے مسماۃ سے اسی مرض مذکور میں ہبہ بالعوض لکھوادیا اور بقیہ تین لڑکیاں بلکہ شوہر اول کو محروم کردیا، اب مسماۃ نے اسی مرض مذکورہ میں تقریباً ایک مہینہ کے اندر تعمیل وثائق کر انتقال کیا، اب یہ تینوں لڑکیاں آپ حضرات کی خدمت میں نہایت ادب سے عرض والتجا کرتی ہیں کہ کیا ایسی کوئی صورت مطابق شرع شریف کے نکل سکتی ہے کہ ہم لوگ اپنے حق کو پہنچیں اور صورت وحیلہ مردود وباطل ہوجائے، اس کا جواب شافی بحوالہ کتب وعبارات لکھا جائے، اللہ تعالٰی آپ حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے گا، مسماۃ مرحومہ مرض مذکور میں اندازاً تین چار مہینہ مبتلا رہی اور کارروائی مذکورہ بالا کے ایک مہینہ کے بعد انتقال کرگئی۔ فقط

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں اُس ہبہ بالعوض کی کارروائی مطلقاً باطل ومردود ہے، وہ تمام جائداد جس قدر ایک لڑکے کے نام ہبہ بالعوض کی اور جو شوہر اول کے دو بچوں کے نام لکھنے سے باقی رہی وہ تمام وکمال ترکہ مسماۃ ہے اور حسب فرائض اللہ اس کی سب اولاد پر جو دونوں شوہروں سے ہے بعد اخراج چہارم کے کہ حصہ زوج ثانی ہے للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہوگی، مسماۃ کی صورت مرض کہ سوال میں مذکور ہوئی باتفاق علماء مرض الموت ہے کہ روز بروز خوف ہلاک غالب بھی تھا اور نشست وبرخاست سے معذور بھی تھی اور ایک سال مرض ممتد بھی نہ رہا اور اسی میں موت عارض ہوئی، تو یہ ہبہ مرض الموت میں تھا اور اپنی اولاد کے نام تھا اور ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً ہر طرح بیع ہے اور بیع کہ مرض الموت میں وارث کے ہاتھ ہو اگرچہ برابر قیمت پر ہو بے اجازت دیگر ورثہ باطل ومردود ہے نہ کہ ایسی بیع لاکھوں روپے کا مال آٹھ دس روپے کو، یہ تو بالاجماع باطل ہے، درمختار میں ہے من غالب حالہ الھلاک بمرض اوغیرہ بان اضناہ مرض عجز بہ عن اقامۃ مصالحہ خارج البیت ھو الاصح کعجز الفقیہ عن الاتیان الی المسجد وعجز السوقی عن الاتیان الی دکانہ وفی حقھا ان تعجز من مصالحھا داخلہ کما فی البزازیۃ۔ ومفادہ انھا لو قدرت علی نحو الطبخ دون صعود السطح لم تکن مریضۃ قال فی النھر وھو الظاھر قلت وفی اٰخر وصایا المجتبی المرض المعتبر المضمن المبیح لصلاۃ قاعداً والمقعد والمفلوج والمسلول اذا تطاول ولم یقعدہ فی الفراش کالصحیح ثم رمز" شح"حد التطاول سنۃ اھ وفی القنیۃ المفلوج والمسلول والمقعد مادام یزداد کالمریض اھ وفیہ اما لو قال وھبتک ھکذا فھو بیع ابتداءً وانتھاءً اھ وفیہ وقف بیع المریض لوارثہ علی اجازۃ الباقی ولو بمثل القیمۃ اھ مزیدا من رد المحتار خانیہ وعالمگیریہ میں ہے اذا باع فی مرض الموت من وارثہ عینا من اعیان مالہ ان صح جاز بیعہ وان مات من ذٰلک المرض لم یجز الورثۃ بطل البیع اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از ریاست رامپور محلہ کوچہ قاضی مرسلہ سید ولایت حسین وکیل ۳ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد بدست عمرو بقیمت دو ہزار روپے کے بیع کرکے بیعنامہ میں یہ لکھ دیا کہ سات سو روپے میں نے وصول پایا اور تیرہ سو روپے مجملہ اس کے مشتری کو معاف کردیا، تو یہ صورت ہبۂ زرثمن کی ہے یا نہیں اور زید بائع کو حق رجوع عن الہبہ شرعاً حاصل ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ اگر بیع واقع ہونے کے بعد بیعنامہ میں تیرہ سو کی معافی لکھی تو یہ صورت ہبۂ ثمن کی نہیں بلکہ ابراء کی ہے اور ابراء میں شرعاً حق رجوع نہیں، اشباہ میں ہے ما افترق فیہ الھبۃ والابراء لہ الرجوع فیھا عند عدم المانع بخلافہ مطلقا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از دیوبند ضلع سہارنپور محلہ مسجد کمال مرسلہ قاسم حسین صاحب تحصیلدار ۱۵ محرم شریف ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد اپنے دو لڑکوں نابالغ کے نام خرید کی، بروقت خریداری جائداد کے جس کے نام جائداد خرید کی گئی اور ایک لڑکی موجود تھی سوائے اولاد مذکورۃ الصدر کے اس وقت اور کوئی اولاد نہیں تھی بعد ازاں زید مذکور کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی اور پیدا ہوئی، اب جائداد سے وہ لڑکی جو اس وقت بوقت خرید کے موجود تھی اور وہ لڑکا اور لڑکی جو بعد خرید پیدا ہوئے شرعاً حصہ پانے کے مستحق ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں وہ دونوں نابالغ جن کے نام اُن کے باپ نے جائداد خریدی اُس جائداد کے مالک مستقل ہوگئے، جو لڑکی اس وقت موجود تھی یا جو لڑکا لڑکی بعد کو پیدا ہوئے اُن کا اُس میں کچھ حق نہیں کہ اگر اصل ایجاب وقبول بیع انہیں لڑکوں کے نام ہوا جب تو ظاہر ہے کہ جائداد بائع نے ان لڑکوں کے ہاتھ بیع کی اگرچہ زرثمن ان کی طرف سے باپ نے ادا کیا جو اس کا تبرع واحسان ہوا جس کا معاوضہ نہ وہ لے سکتا ہے نہ اس کے دیگر ورثہ، اور باپ کو اپنے نابالغ بچوں کے نام ایسی خریداری کا مطلقاً اختیار ہے فلا ینفذ الشراء علیہ حتی یجعل واھبا کالام اذا اشترت بمالھا لولدھا الصغیر یقر مشتریۃ لنفسھا واھبۃ من ولدھا لعدم ولایتھا کما من العقود الدریۃ وغیرھا، اور اگر اصل خریداری میں لڑکوں کا نام نہ تھا اگرچہ بعد کو بیعنامہ میں ان کا نام لکھا دیا تو ابتداءً مالک جائداد زید ہوا، پھر بیٹوں کے نام بیعنامہ لکھانا ان کے انکے[عہ] سے ہبہ ہوا اور باپ جو اپنے نابالغ بچے کے نام ہبہ کرے وہ ہبہ کرتے ہی تام ولازم ہوجاتا ہے نہ قبول نابالغ کی حاجت نہ دو کے نام بلاتقسیم ہبہ ہونا مضر کہ قبضہ والد یعنی خود واہب کا کافی وکامل بلاشیوع ہے، درمختار میں ہے وھب اثنان دارا لواحد صح لعدم الشیوع وبقلبہ لکبیرین لاعندہ للشیوع فیما یحتمل القسمۃ، ردالمحتار میں ہے افاد انھما للصغیرین تصح لعدم المرجح لسبق قبض احدھما وحیث اتحد ولیھا فلا شیوع فی قبضہ ویؤیدہ قول الخانیۃ الخ، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ از ریاست جاورہ مکان ہیڈ ماسٹر مرسلہ صاحبزادہ محمد صالح خاں ولد محمد یونس خاں ۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین :۔

۱۔ محمد یوسف خاں صاحب کو وظیفہ رئیس جاورہ سے ماہ بماہ ملتا تھا، اس تنخواہ کو تقسیم کرکے جملہ وارثوں کے نام ہبہ کردیئے اور

عہ فی الاصل ھکذا، لعل الصواب "نام"

ایک ہبہ نامہ لکھ دیا اور تاحیات واہب مذکور تنخواہ پر قابض و متصرف رہے اور جملہ موہوب لہم اور زوجگان کو اپنے شامل رکھا، تنخواہ کا قبضہ کسی وارث کو نہیں کرایا تو ایسے قسم کا ہبہ نامہ بموجب کتاب ردالمحتار صفحہ ورق ۴۹۳ و ۴۹۴ کے بموجب ہبہ جائز ہے یا ناجائز ہے۔

۲۔ اسی قدر واہب نے حویلیاں زوجگان کو ہبہ کیں اور ہبہ نامہ میں قبضہ کا لفظ یا منعقد[عہ] جلسہ ہبہ کے وقت جملہ وارثوں موہوب لہم سے ایجاب قبول نہیں کرایا اور نہ آپ واہب اس وقت اس سے دست بردار ہوا اور شامل موہوب لہم رہا، ایسے قسم کا ہبہ و ہبہ نامہ بموجب درمختار بغیر قبضہ دیئے ہوئے عندالشرع جائز ہے یا نہیں۔

۳۔ ہبہ نامہ دستاویز واہب خود نے ایک وصیت نامہ بھی مندرج کیا، جب تین جز فرضی اور یہ فرض شامل مندرج ہبہ نامہ ہوئے ایسے قسم کا ہبہ نامہ جائز ہے یا ناجائز۔

۴۔ تنخواہ جو تھی یہ قسم فرائض سے نہیں ہے ملک غیر کا ہبہ کرادینا اور اس بہ فرائض تین چیزوں کو ملا کر ہبہ کر دینا واہب کا سات دو قسموں میں، پس ایسی قسم کا ہبہ و ہبہ نامہ عندالشرع جائز ہے یا ناجائز۔

۵۔ کوئی شخص کسی شخص کو اپنی چیز ہبہ کر دے اور اس موہوب لہ کو خبر بھی نہ ہو، بغیر اس کی رضا و بغیر اس کی اجازت کے اور نہ اسکو عوض دیا ہو، اس موہوب لہ کو چیز ہبہ کی ہوئی کو دوسروں کو ہبہ کر دے، ایسی قسم کا ہبہ جائز ہے اور دستاویز واہب جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب ۔ ۱۔ تنخواہ آئندہ کا ہبہ باطل ہے، فتاوٰی خیریہ میں ہے وبھذا علم عدم صحۃ ھبۃ ما یستحصل من محصول القریتین بالاولی لان الواھب لم یقبضہ بعد فکیف یملکہ وھذا ظاھر، واللہ تعالٰی اعلم۔

۲۔ جملہ وارثوں سے ایجاب قبول کرانا کچھ ضرور نہیں، ہاں واہب کا اپنا قبضہ تمام و کمال اُٹھا کر موہوب لہ کا قبضہ کرادینا ضرور ہے اگر ذرا دیر کو بھی تاحیات ایسا نہ کیا ہبہ موت واہب قبل قبضہ زوجات سے باطل ہوگیا، اشباہ و درمختار میں ہے ھبۃ المشغول لا تجوز الا اذا وھب الاب لطفلہ مگر یہ ہبہ اگر دین مہر کے عوض کیا ہے تو صحیح ہوگیا اور قبضہ کی حاجت نہیں کہ ہبہ بالعوض بیع ہے، درمختار میں ہے لو قال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداءً وانتھاءً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

۳۔ ہبہ نامہ میں وصیت نامہ شامل کرنے سے ہبہ باطل نہیں ہوتا، سوال بہت گول و مہمل ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

۴۔ تنخواہ کا جواب اوپر گزر چکا کہ وہ ہبہ نہیں ہوسکتی نہ ملک غیر کا ہبہ کرنا نافذ ہو جبتک وہ غیر اُسے جائز نہ کر دے، مگر ایسی اشیاء کے ساتھ اپنی ملک خاص کا ہبہ کر دینا ملک خاص کے ہبہ کو ضرر نہ دے گا جبکہ وہ چیز جُدا و منقسم ہو اس غیر ملک کے ساتھ مخلوط و مشاع نہ ہو لان الھبۃ لاتفسد بالشرائط الفاسدۃ بخلاف البیع، واللہ تعالٰی اعلم۔

۵۔ جو چیز کسی کو ہبہ کر دی اور قبضہ دیدیا اور ہبہ تام ہوگیا وہ شے موہوب لہ کی ملک ہوگئی، اب جو اس دوسرے شخص کو ہبہ کرتا ہے یہ پہلے ہبہ سے رجوع ہے اگر موانعِ رجوع سے کوئی شے پائی جاتی ہو مثلاً جسے ہبہ کیا وہ اپنی زوجہ یا اپنا عزیز محرم مثل پسر یا برادر وغیرہ ہے، جب تو ظاہر ہے کہ اسے رجوع کا کچھ اختیار نہیں، وہ ہبہ اسی موہوب لہ کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر جائز کر دے گا جائز ہوجائے گا، رد کر دیگا باطل

عہ سوال کا یہ فقرہ ناتمام ہے، ہبہ نامہ میں ذکر قبضہ لازم نہیں ۱۲ فقیر احمد رضا خاں قادری غفرلہ۔

ہو جائے گا، اور اگر موانع رجوع نہ ہوں جب بھی رجوع کا خود بخود اختیار نہیں ہوتا بلکہ یا تو موہوب لہ کی مرضی سے ہبہ واپس کرے یا نالش کرکے بحکم حاکم رجوع کرے، اس کے بعد دوسرے کو ہبہ کرسکتا ہے، بغیر اس کے وہی ملک غیر کا ہبہ ہے کہ اجازت غیر پر موقوف ہے، درمختار میں ہے لایصح الرجوع الا بتراضیھما او بحکم الحاکم۔ عالمگیریہ میں ہے لاتجوز ھبۃ مال الغیر بغیر اذنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ ازمقام کبیر کلاں ڈاکخانہ خاص علاقہ ڈبائی ضلع بلندشہر مرسلہ عطاء اللہ ٹھیکہ دار ۲۸ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ والد نے اپنے فرزند کو اپنے گھر سے نکالا اور کچھ حقیت اپنے فرزند کے نہیں رکھی، فرزند بحکم اپنے والد کے گھر سے نکل کر اجنبی مکان میں سکونت پذیر ہوا، بعد اس کے ان کے والد مقروض ہوئے، اور اپنے اسی فرزند سے کہا کہ تم میرا قرضہ ادا کردو اور میں اس کے عوض میں ایک قطعہ زمین واسطے مکان کے تمہارے نام لکھتا ہوں، چنانچہ ولد نے اپنے والد کا قرضہ ادا کرکے اُس زمین کی رجسٹری کرالی، اب اس کے والد نے مکان کے واپس لینے کی درخواست عدالت میں دیا ہے کہ میں نے اپنے فرزند کو مکان رعایتاً دیا تھا اور ملکیت کے طور پر نہیں دیا تھا، اگر والد اپنا مکان واپس کرالیں تو ولد کو بحکم شرع مجاز ہے کہ اپنے والد سے ثمن واپس لیں یا نہیں، یا اس قاعدہ میں ہوگا کہ والد فرزند کے مال کا مالک ہے۔

الجواب ۔ اگر وہ مکان اس شخص نے اپنے ولد کے نام بیع کیا جب تو ظاہر ہے کہ اُسے فسخ بیع کا کوئی اختیار نہیں، اور اگر واپس لے گا تو ثمن واپس دینا پڑے گا، اور اگر ہبہ کیا اور قبضہ تامہ دلا دیا جب بھی وہ مکان ملک ولد ہوگیا اور والد کو اُس میں رجوع کا اصلا اختیار نہ رہا فان المحرمیۃ تمنع الرجوع پھر اگر کسی دھوکے سے رجوع کرلی تو ظاہر کہ ولد نے جو اس کے کہنے سے اس کا قرضہ ادا کیا، یہ ادا کرنا تبرعاً نہ تھا کہ اُس کے صلہ میں زمین دینا قرار پایا تھا، جب زمین واپس ہوجائے گی بلاشبہ ولد کو اپنا روپیہ واپس لینے کا اختیار ہوگا۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ ازشہر کانپور محلہ پریڈ مرسلہ محمد ابراہیم مسیح صدیقی ۲۸ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے منجملہ اپنی جائداد غیر منقولہ کے ایک مکان کامل اپنے پسر عمرو کو دیدیا اسطرح پر کہ دفاتر سرکاری میں درخواست دے کہ زید نے اپنا نام رجسٹر مکانات میں خانہ ملکیت سے خارج کرا کے اپنے پسر عمرو کا نام داخل کرادیا بعدہ کرایہ نامہ مکان مذکور جو درمیان کرایہ داران اور عمرو کے تحریر وتصدیق ہوتے رہے، اُن کرایہ ناموں پر عمرو کے دستخط بحیثیت مالک کے ثبت ہوا کئے، اور زید اپنی شہادت گواہ شد لکھ کے تحریر کرتا رہا، رسید کرایہ کی عمرو کے دستخط اور نام سے دیجاتی تھی اور نالشات کرایہ داران پر صرف عمرو کی جانب سے ہوتی رہیں اور محصول سرکاری بھی از نام عمرو خزانۂ سرکاری میں جمع ہوا کرتا ہے اور چند مرتبہ جب زید نے اپنی مملوکہ ومقبوضہ جائداد کی فرد مرتب کرکے داخل سرکار یا عدالت کی ہے تو اس میں بھی اس مکان موہوبہ کو اپنی ملک درج وظاہر نہیں کیا مگر محاصل مکان مذکور یعنی کرایہ مکان موہوبہ سے کبھی بقدر ربع کبھی ثلث اور کبھی نصف زید مذکور عمرو سے واسطے مصارف خورد ونوش اپنے واپنے اہل وعیال کے جس میں عمرو پسر زید بھی شامل شریک تھا لے لیا کرتا تھا، اور عمرو مذکور بلاعذر بخوشی تمام بہ تعمیل حکم اپنے پدر یعنی زید کے جس قدر روپیہ وہ طلب کرتا تھا دیدیا کرتا تھا، اس قسم کے عملدرآمد کے سولہ برس کے بعد زید نے وفات پائی، خالدہ وحامدہ دختران زید کا یہ بیان

ہے کہ زید نے کسی مصلحت سے یہ مکان عمرو پسر کے نام درج رجسٹر سرکاری کراکے قبضہ عمرو کو دیدیا تھا، اور زید کا یہ قول بھی بیان کرتی ہیں کہ اس نے بارہا ظاہر کیا کہ اس نے یہ مکان عمرو کی ملک نہیں کر دیا ہے، زید کے اس قول کے شاہد بجز دختران مذکور زید کے جو وارث اور مستحق متروکہ زید کے بنے ہیں اور کوئی نہیں ہے، پس ایسی صورت میں ازروئے شرع شریف فقہ حنفی یہ مکان موہوبہ تنہا ملک عمرو متصور ہوگا، اور اس کا مالک صرف عمرو قرار پائے گا، یا یہ مکان بھی متروکہ زید متصور ہوکے جملہ ورثار پر قابل تقسیم ہوگا، بیّنوا توجروا۔

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں وہ مکان تنہا ملک عمرو ہے زید یا دیگر وارثان زید کا اس میں کچھ حق نہیں، داخل خارج کرادینا اور وہ کارروائیاں کہ سوال میں مذکور ہیں قطعاً دلیل تملیک ہیں، اور ثبوت ہبہ کے لئے کافی و وافی ہیں، ردّ المحتار میں ہے اذا دفع لابنه مالا فتصرف فیه الابن یکون للاب الا اذا دلت دلالة التملیك بیری قلت فقد افاد ان التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالة علی التملیك اھ مافی الشامی قلت ومثل مافی بیری فی احکام الصغار وفی الباب السادس من الھندیة کلیھما عن الملتقط زید کا عمرو سے روپیہ مانگنا اور عمرو کا دینا کچھ منافی تملیک نہیں ہوسکتا جیسے عمرو ابتدائر مالک مکان ہوتا اور باپ کو اس کے مانگنے پر بلکہ بے مانگے اس کا کرایہ دیا کرتا اور حامدہ و خالدہ کا وہ بیان محض دعوی ہے، اور کوئی دعوی بلا دلیل مقبول نہیں ہوسکتا، حدیث میں ہے لو یعطی الناس بدعوٰھم لذھبوا بدماء الناس واموالھم ولکن البینة علی من یدعی بلکہ بعد ثبوت تملیک اگر زید کا انکار ثابت بھی ہوجائے تو اصلاً نہ مفید نہ قابل اعتبار کہ بعد تمامی ہبہ، ہبہ للولد سے والد کو رجوع کا اختیار نہیں لان المحرمیة مانعة نہ بعد عقد کوئی بلابینہ اُس کے فرضی ہونے کا دعوی کرسکتا ہے لان من سعی فی نقض ماتم من جهته فسعیه مردود علیه کما فی الاشباه والدر وغیرهما، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی پہلی زوجہ سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا بالغ موجود ہیں اور زوجہ اولٰی نے قضا کی، زید نے نکاح ثانی کیا، اس سے کئی اولادیں پیدا ہوئیں، زید نے زوجہ ثانیہ کے نام ایک مکان پختہ کلاں مسکونہ لکھ دیا، اولاد زوجہ ثانیہ کی دو لڑکیاں بالغ جن کی شادی ہوگئی اپنے گھروں پر موجود ہیں، اور دو لڑکے ایک سات برس کا، دوسرا پانچ برس کا نابالغ ہیں، زید ان دونوں نابالغوں کو اپنی کل جائداد بقیہ لکھتا ہے، زید کا کچھ مال یا نقد سوائے اس جائداد کے باقی نہ رہے گا، اس صورت میں زید کی خدمت اور نابالغوں کی پرورش کون کرے گا اور کس چیز سے ان کا خرچ کیا جائے گا، اور تجہیز و تکفین کرے گا، کون حصہ پائے گا، اور کون خدمت گزار بنے گا، بیّنوا توجروا۔

الجواب ۔ اگر وہ اپنی بقیہ جائداد بلاتقسیم ان دونوں کے نام ہبہ کردے گا جب تو ہبہ ہی صحیح نہ ہوگا، تنویر الابصار میں ہے لو وھب اثنان دارا لواحد صح وبقلبه لا اور اگر تقسیم کرکے ہبہ کرے گا یا بعد ہبہ تقسیم کردے گا یا بلاتقسیم ان کے نام بیع کرے گا تو ان صورتوں میں وہ لڑکے ضرور مالک ہوجائیں گے، مگر زید دیگر ورثہ کو محروم کرنے کے سبب گنہگار ہوگا، حدیث میں ہے من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے گا اللہ تعالٰی جنت سے اُس کی میراث قطع فرمادے گا پھر اگر زید اس بلائے عظیم کو اوڑھ لے تو بچوں کے خورد و نوش سے سوال کے کوئی معنی نہیں، وہ بچے مالک جائداد ہوجائیں گے، اُن کو مصارف

ان کے مال سے ہوں گے جسے ان کا باپ ولایۃً صرف کرے گا اور زید کہ اب فقیر ہوگیا وہ بھی بقدر کفایت اپنا کھانا پہننا اس سے کرسکے گا قال تعالیٰ من کان فقیرا فلیأکل بالمعروف ومن کان غنیا فلیستعفف ہاں اس کا کفن دفن وہ اُس کے مالدار وارثوں پر ہوگا لان کفن المیت علی من کانت نفقتہ علیہ اعتبارا لکسوۃ الممات وسکناہ بکسوۃ الحیات وسکناھا کما فی ردالمحتار وغیرہ

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ :- یکم جمادی الآخرہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مساۃ زینب اپنا مکان اپنی اولاد پر ایک عرصہ سے اپنی زندگی میں تقسیم کرنا چاہتی ہے، اور اُس کے وارث حسب ذیل تھے :- ایک لڑکی ہندہ اور زید بکر عمرو تین لڑکے جس میں سے ہندہ نے انتقال کیا اور قبل انتقال اُس نے کہا کہ میرا حصہ میرے بھائی مسمّٰی عمرو کو ملنا چاہیئے، اور مساۃ زینب اصل مالکہ مکان ابھی زندہ ہے اور وہ خود چاہتی ہے کہ ہندہ کا حصہ عمرو کو دیا جائے، تو ایسی حالت میں کتنا زید کتنا بکر کتنا عمرو کو حصہ ملنا چاہیئے۔ بینوا توجروا

الجواب - تینوں کو برابر ملنا چاہیئے ہندہ کا کوئی حصہ نہ تھا نہ اُس کی وصیت کا کچھ اثر ہاں اگر زید وبکر راضی ہوں تو جتنا حصہ چاہیں ہندہ کا قرار دے کر عمرو کو زیادہ دیدیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ - از رام پور گھیر نجو خاں مرسلہ حافظ قرۃ العین صاحب امام جامع مسجد ۲۴ ر جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک مساۃ عمر تخمیناً ۸۸ سال ساکنہ میرٹھ جو عرصہ سے بعوارض مختلف بیمار تھی اور محض لاولد اور صاحب جائداد منقولہ وغیر منقولہ تخمیناً ۱۵-۱۶ ہزار روپیہ کے انتقال سے قبل تخمیناً دو ماہ بعارضہ ہیضہ واسہال مبتلا ہو کر اس میں انتقال ہوگیا ایک اس کی حقیقی بہن یعنی متوفیہ کی میرٹھ میں اس کے پاس رہا کرتی تھی اور ایک بہن اور ایک بھائی حقیقی شہر رام پور میں رہتے ہیں، اُس بہن نے جو میرٹھ میں رہتی ہے بطمع مال واسباب جائداد، اور رام پور والے بھائی بہن کو اس مرض موت وانتقال سے خبر نہ کی اور ایک ہبہ نامہ متوفیہ کی طرف سے اس حالت مرض میں جان کر کہ یہ جانبر نہ ہوسکے گی اپنی ایک پوتی اور ایک نواسی کہ ہر دو نابالغ ہیں ہبہ نامہ تحریر کرا کر اپنے میل کے دو آدمیوں سے کہ وہ محض اجنبی تھے اور کوئی رشتہ نہیں رکھتے تھے رشتہ دار متوفیہ کا بنا کر بغرض شہادت ذریعہ کمیشن گھر بلا کر تصدیق کرا دیا اور ہبہ نامہ میں ایک مکان مسکونہ کہ جو اس متوفیہ کا تھا اور تادم مرگ اسی مکان میں مع مال واسباب رہی اور ایک مکان مع چہار دکاکین کہ جو تحت میں پشت پر واقع ہیں اور انھیں کی چھت پر مکان بنا ہوا ہے اور اُن دکانوں میں ایک مدت سے کرایہ دار متوفیہ کی طرف سے چلے آتے ہیں، اس سب جائداد جزو کل کا ایک ہبہ نامہ مشاع دونوں نابالغوں کے نام مالیت پانچ ہزار روپیہ قرار دے کر بولایت اپنے اس بہن نے جو پاس متوفیہ کے رہا کرتی تھی تصدیق کرا دیا، بشہادت انھیں اشخاص کے جن کو رشتہ دار متوفیہ کا بنایا تھا، اور خود سب جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر بعد وفات اپنی بہن کے قابض بن بیٹھی، دوسرے روز مرنے سے متوفیہ کے چند اشخاص کہ جو بتقریب شادی سرکار والی ریاست رامپور کے آئے تھے اُن سے خبر متوفیہ کے بھائی کو معلوم ہوئی، بھائی بمجرد سننے خبر فوت بہن کے تیسرے روز سوم کے وہاں پہنچا تو یہ کارروائی دیکھی اور سُنی کہ ہبہ نامہ لکھا گیا، اور ہم دونوں بہن بھائی کی حق تلفی میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا

پس علمائے دین سے اب سوال یہ ہے کہ یہ ہبۂ مشاع جائز ہے یا ناجائز، اور نانی نے نابالغوں کی طرف سے ولی بن کر قبضہ کیا باوجودیکہ باپ نابالغ کا وہیں میرٹھ میں موجود ہے، یہ قبضہ کرلینا نانی کا شرعًا درست ہے یا نہیں۔ سوم یہ کہ پوتی اس کی رامپور میں اپنی ماں کی پرورش میں ہے بغیر اطلاع وبلا اجازت پوتی اور ہونے ماں کے قبضہ دادی کا صحیح ہے کہ نہیں۔ چہارم یہ کہ وہ متوفیہ اپنے مکان مسکونہ میں تادم حیات مع مال واسباب اپنے کے رہی، تادم مرگ خالی نہیں کیا، اس صورت میں قبضہ ہوگیا یا نہیں۔ پنجم یہ کہ بعض جائداد موہوبہ پر اگر قبضہ ہوجائے اور بعض پر نہ ہو تو موجب نقصان ہبہ ہے یا نہیں۔ ششم یہ کہ اگر مکان مسکونہ میں متوفیہ تادم حیات خود رہی بعد تحریر ہبہ نامہ کے اور باقی مکان دکاکین میں اسی متوفیہ کے کرایہ دار تھے اور کوئی امر جدید جو موجب قبضہ ہوتا تاحیات متوفیہ عمل میں نہیں آیا تو موجب بطلان ہبہ ہوا یا نہیں، بیّنوا توجروا

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں وہ ہبہ جزءً وکلاً تمام وکمال باطل اور بے اثر محض ہے وہ سب جائداد متروکہ [illegible] ہے اُس کے وارثوں پر حسب فرائض تقسیم ہوں گے بہن کی پوتی نواسی اس میں سے اس عقد وتحریر کی بناپر ایک حبہ نہیں پاسکتیں نہ از روئے ہبہ نہ بروئے وصیت کہ مرض الموت کا ہبہ اگرچہ حکمًا وصیت ہے، حقیقۃً ہبہ ہے اگر موہوب لہ کے قبضۂ تامہ شرعیہ سے پہلے واہب کا انتقال ہوجائے باطل محض ہوجاتا ہے۔ ہندیہ میں محیط سے ہے قال فی الاصل ولاتجوز ھبۃ المریض ولاصدقتہ الامقبوضۃ فاذا قبضت جازت من الثلث و اذامات الواھب قبل التسلیم بطلت یجب ان یعلم ان ھبۃ المریض ھبۃ عقدا ولیست بوصیۃ واعتبارھا من الثلث ماکان لانھا وصیۃ معنًی لان حق الورثۃ یتعلق بمال المریض وقد تبرع بالھبۃ فیلزم تبرعہ بقدر ماجعل الشرع لہ وھو الثلث واذا کان ھذا التصرف ھبۃ عقدا شرط لہ سائر شرائط الھبۃ ومن جملۃ شرائطھا قبض الموھوب لہ قبل موت الواھب یہاں جبکہ جائداد قابل قسمت ہے اور دو شخصوں کو بلاتقسیم ہبہ کی گئی ہبۂ مشاع ہوا اور ہبۂ مشاع ناجائز ہے، تنویر میں ہے وھب اثنان دارا لواحد صح وبقلبہ لا، درمختار میں ہے للشیوع فیما یحتمل القسمۃ اور جبکہ تسلیم بالتقسیم سے پہلے واہبہ نے انتقال کیا بالاجماع باطل ہوگیا ای علی مذھبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ واشار بالاجماع الی ارتفاع النزاع فی ان ھبۃ المشاع فاسدۃ تفید الملک بالقبض ام باطلۃ فلاتفید اصلا وذلک لان الموت قبل التسلیم مبطل اتفاقا ولو ھبۃ صحیحۃ فضلا عن فاسدۃ، درمختار میں ہے والمیم موت احد العاقدین بعد التسلیم ولو قبلہ بطل۔

سوال اول کا جواب ہوگیا بلکہ یہاں اسی قدر کافی تھا۔ دوم نابالغہ نواسی اگر نانی کے پاس رہتی تھی نانی کے قبضہ میں تھی تو جو ہبہ اس کے لئے ہوا نانی کا اس پر قبضہ جائز وموجب تمامی ہبہ تھا، اگر ہبہ مشاع نہ ہوتا اس صورت میں باپ کا اسی شہر میں موجود ہونا نانی کے قبضہ کا مانع نہیں، یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی، ہاں اگر نواسی اس کے قبضہ میں نہ ہو تو باپ کے ہوتے نانی وغیرہ کسی کا قبضہ جائز نہیں۔ درمختار میں ہے ان وھب لہ اجنبی یتم بقبض ولیہ وھو الاب ثم وصیہ ثم الجد ثم وصیہ وان لم یکن [illegible] فی حجرھم وعند عدمھم تتم بقبض من یعولہ کعمہ واجنبی لو فی حجرھما والا لا لفوات الولایۃ لکن فی [illegible] اختلفوا فیما لو قبض من یعولہ والاب حاضر فقیل لایجوز والصحیح ھو الجواز، عالمگیریہ میں ہے اختلف المشائخ فیہ والصحیح الجواز ھکذا فی فتاوٰی قاضیخان [illegible] الفتاوٰی [illegible]۔ سوم پوتی کہ ماں [illegible] پرورش میں ہے

اُس کی ہبہ پر دادی کا قبضہ جائز نہیں اگرچہ اسی شہر میں ہو کما تقدم عن الدر من قولہ والا لا لفوات الولایۃ۔ چہارم اس صورت میں قبضہ نہ ہوا، درمختار میں ہے الموھوب ان مشغولا بملك الواھب منع تمامھا۔ پنجم دو موہوب چیزوں میں ایک پر قبضہ تامہ مستقلہ اگر بغیر دوسرے پر قبضہ کے ہو جائے تو جس پر قبضہ ہوا اس کا ہبہ تمام ہوگیا، اور اگر دو شخصوں کو ہبہ مشاع تھا یا ایک شئی دوسرے کی جُزیا اس سے مثل جز متصل یا مشغول ہے تو اس پر قبضہ، قبضہ نہیں، عالمگیریہ میں ہے لو وھب دارا فیھا متاع الواھب وسلم الدار الیہ او سلمھا مع المتاع لم تصح ولو وھب المتاع دون الدار وخلی بینہ وبینہ صح وان وھب لہ الدار والمتاع جمیعا وخلی بینہ وبینھما صح فیھما جمیعا وان فرق فی التسلیم بان وھب احدھما وسلم ثم وھب الاخر وسلم ان قدم ھبۃ الدار لاتصح وفی المتاع تصح وان قدم ھبۃ المتاع فالھبۃ صحیحۃ فیھما جمیعا ولو وھب الارض دون الزرع او الزرع دون الارض وخلی لم تصح فی الوجھین لان کل واحد منھما متصل بصاحبہ اتصال جزء بجزء فصار بمنزلۃ ھبۃ المشاع فیما یحتمل القسمۃ وان وھب کل واحد منھما علیحدۃ ان جمع فی التسلیم جازت فیھما وان فرق لاتجوز فیھما ایھما قدم کذا فی السراج الوہاج، ششم ہاں اس صورت میں قبضہ نہ ہوا اور قبل قبضہ موت موجب بطلان ہبہ ہے، درمختار میں ہے فی الاشباہ ھبۃ المشغول لاتجوز الا اذا وھب الاب لطفلہ دارا والاب ساکنھا ولو وھب طفلہ دارا یسکن فیھا قدم بغیر اجر جاز ویصیر قابضا لابنہ لا لوکان باجر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از کانپور، مرسلہ کریم احمد معرفت عم او نبی احمد سوداگر عطر بازار کلاں، بریلی　　　۹ رجب ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ذاتی روپیہ سے ایک قطعہ مکان اپنی اہلیہ کے نام خرید کیا تھا اور بیعنامہ اپنی بی بی کے نام سے لکھوایا نہ اپنے نام سے بعد خریداری مکان زید اور اُس کی بی بی نے ایک ساتھ مکان مذکور کے بالاخانہ پر سکونت اختیار کی اور مکان مذکورہ کے کل حصہ زیریں میں زید کا تجارتی مال ہمیشہ رہا کیا اور اب تک موجود ہے، خریداری مکان سے عرصہ تین سال کے بعد ہاؤس ٹیکس جاری ہوا رجسٹر ہاؤس ٹیکس کے خانہ ملکیت میں زید نے اپنا نام خود درج کرایا اور ٹیکس کا روپیہ بھی تاحین حیات خود ادا کرتا رہا، اور مرمت مکان بھی اپنے صرفہ ذاتی سے خود کرتا رہا، اب زید کا انتقال ہوگیا، بموجب حکم شرع شریف کے وہ مکان مملوکہ خاص زوجہ زید کا ہوگا یا کہ زید کے سب ورثہ میں مشترک ہوگا، بیّنوا توجروا۔

الجواب ۔ اگر زید نے وقت ایجاب وقبول بیع بنام زوجہ کرائی مثلا بائع سے کہا یہ مکان میں نے اپنی بی بی کے نام خریدا بائع نے کہا میں نے تیری بی بی کے ہاتھ بیچا جب تو اس مکان کی مالک زوجہ ہوئی جبکہ زوجہ نے وہ بیع اپنے نام جائز رکھی، درمختار میں ہے اشتری لغیرہ نفذ علیہ اذا لم یضفہ الی غیرہ فلو اضافہ بان قال بع لفلان فقال بعتہ لفلان توقف، بزازیۃ وغیرھا۔ اور اگر زید نے خریداری زوجہ کے نام نہ کی پھر بیعنامہ میں زوجہ کا نام لکھا دیا تو مالک زید ہوا، اور بیعنامہ میں زوجہ کا نام لکھانا زوجہ کے لئے ہبہ کر بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا، اور جبکہ زید خود بھی اس مکان میں رہا اور اپنا اسباب رکھا اور کبھی خالی کرکے زوجہ کو قبضہ نہ دیا یہاں تک کہ مرگیا تو وہ ہبہ باطل ہوگیا، مکان ملک زید ہے، حسب فرائض ورثائے زید پر منقسم ہوگا، درمختار میں ہے تتم الھبۃ بالقبض الکامل ولو الموھوب شاغلا

لملك الواھب لامشغولا بہ، اسی میں ہے والمیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ از کانپور مچھلی بازار، آوردۂ محمد شریف صاحب ۱۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکر نے اپنی حیات میں جو جائداد غیر منقولہ خرید کی وہ کچھ اپنے نام سے اور کچھ اپنے دو پسران نابالغ کے نام سے خرید کی اور ہمیشہ ہر دو جائداد پر بکر قابض رہا اور اس کی آمدنی کرایہ بھی بکر اپنے تصرف میں لایا، بکر نے جو جائداد نابالغ لڑکوں کے نام سے بیعنامہ کرائی تھی، اُس کی از سر نو تعمیر و مرمت بکر نے اپنے روپے سے کی، جیسے اپنی جائداد کی کرتا تھا کوئی حساب علیحدہ نابالغان کے نام جائداد کا نہیں رکھا بکر تجارت پیشہ تھا اور اس کی تجارت کا مقام کلکتہ میں تھا اور جائداد دوسرے مقام میں تھی بکر نے انتظام جائداد غیر منقولہ کل وصولیت کرایہ ومرمت واز سر نو تعمیر جن لوگوں کے سپرد کیا تھا ان کو بھی بکر کی کوئی ہدایت ایسی نہ تھی کہ ہر دو جائداد کی مرمت وکرایہ وغیرہ کا حساب علیحدہ رکھا جاوے، کچھ کرایہ دار از نام نابالغان والی جائداد کے ایسے ہیں جن سے اور بکر سے تجارتی کاروبار تھا، ہمیشہ ان لوگوں نے کرایہ وآمد مال بکر کا ایک ہی ساتھ میں بکر کے نام سے جمع کیا یعنی اپنے بہی کھاتہ میں لکھا اور اس کا روپیہ بھی بکر ہی کو دیا، اور بکر نے کبھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بکر نے ۱۹۰۹ء و ۱۹۱۰ء میں دو یادداشتیں بطور چٹھا کے بنائیں اور اس میں کل جائداد اپنی اور جو دو لڑکوں کے نام ہے اس کی قیمت لکھی، اور جو روپیہ نقد واز قسم نوٹ وغیرہ تھے وہ لکھے اور لینا دینا جو لوگوں کے ذمہ تھا وہ لکھا، بکر ۱۹۱۱ء میں بیمار ہو کر شروع ۱۹۱۲ء میں قضائے الٰہی سے فوت ہو گیا اور اپنے وارثان چند لڑکے اور لڑکیاں اور زوجہ کو چھوڑا، اب بحکم شرع شریف وہ جائداد جو ان دو پسروں کے نام ہے وہ کل وارثان پر تقسیم ہو گی یا اس کے وہی دو پسران مالک رہے، فقط

الجواب ۔ بکر نے اگرچہ جائداد خریدی مگر آپ خرید کر اپنے دو بچوں کے نام بیعنامہ کرانا اس کی طرف سے ان کے لئے ہبہ ہے، منح الغفار و درالمختار میں ہے اشتری لھا فی صغرھا او بعد ما کبرت وسلم الیھا وذلك فی صحتہ فلا سبیل للورثۃ علیہ ویکون للبنت خاصۃ سائل نے زبانی اظہار کیا کہ وہ جائداد جو بچوں کے نام خریدی دو مکان ہیں ہر ایک بڑا اور قابل تقسیم ہے اور ہر ایک میں دونوں لڑکے بلاتقسیم شریک رکھے گئے ہیں، ایسا ہے تو یہ ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع باطل ہے، جب بکر بلاتقسیم وقبضہ بعد تقسیم دینے کے مر گیا ہبہ معدوم محض ہو گیا، اور ان مکانوں میں بچوں کا کوئی حق سوائے وراثت نہ رہا، تنویر الابصار میں ہے لو وھب اثنان دارا لواحد صح وبقلبہ لا، ردالمحتار میں علامہ خیر رملی سے ہے لافرق بین ان یکونا کبیرین او صغیرین او احدھما کبیرا والآخر صغیرا، درمختار موانع رجوع میں ہے المیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل، یہ سب اس صورت میں ہے کہ زبانی خریداری میں بچوں کا نام نہ لیا اپنے لئے یا مطلق خریدا اور بیعنامہ میں بچوں کا نام لکھا دیا کہ اس صورت میں ملک بکر کی ہوئی اور ان کے نام کرا دینا بکر کی طرف سے ان کو ہبہ اور عام طور پر یہی طریقہ رائج ہے، ہاں اگر یہ صورت ہوئی ہو کہ نفس گفتگوئے خریداری میں بچوں کے نام خریدا مثلاً بائع سے کہا یہ مکان اتنی قیمت پر میرے ان دو بچوں کے ہاتھ بیع کر دے، اس نے کہا میں نے ان کے ہاتھ بیع کیا، اس نے کہا میں نے ان کی طرف سے قبول کیا تو اس صورت میں اصل بیع ان دونوں کے نام ہوئی اور وہی اصالۃً ان مکانوں کے مالک ہوئے، زرثمن کہ بکر نے اپنے پاس سے ادا کیا وہ تبرع واحسان ہوا جس کا معاوضہ نہیں، اس تقدیر پر بیشک دونوں مکان ملک نابالغان ہیں اور تمام کاروبار وکاغذات حساب وکتاب میں بکر کا ان کو اپنی ملک سے جدا نہ شمار

کرنا کچھ مُضر نہیں کہ بحکم ولایت اسے اس کا اختیار تھا، یہانتک کہ متولّی وقف کو بوجہ ولایت ہی اپنی ملک سے تعبیر کیا کرتا ہے، وکیل ملک موکل کو اپنی ملک کہتا ہے، عالمگیریہ میں ہے لوادعی المحدود لنفسہ ثم ادعی انہ وقف الصحیح من الجواب ان کان دعواہ الوقفیۃ لسبب التولیۃ یحتمل التوفیق لان فی العادۃ یضاف الیہ باعتبار ولایۃ التصرف والخصومۃ، اور اگر فرض کیجئے کہ اس سے بکر کی مراد ان مکانوں کا خود مالک بننا ہی تھا، جب اصل گفتگوئے بیع لڑکوں کے نام ہوئی اُن کی ملک ثابت ہوگئی، پھر بکر اسے اپنے نام کیونکر منتقل کرسکتا ہے اس صورت میں مکان وراثت سے بری ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ مستفسرہ عبداللہ صاحب بہاری، بروز چہارشنبہ　　۲ر شعبان ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکے کی شادی ہوئی، قریب عمر ۹ر۱۰ برس کے تھی، نکاح کی اجازت لڑکی کے والد نے دی، اور اس برات میں آپسمیں نزاع ہوگئی، نکاح دو دن نہیں ہوا، تیسرے دن وقت ۱۰ بجے دن کے نکاح ہوا، بعد مغرب ۸ بجے رات کو رخصت لڑکی کو اور ۹ بجے واپس چلی گئی، بعد ۵ سال کے لڑکے کا انتقال ہوگیا، بروقت جنازہ تیار ہونے کے لڑکی کے باپ نے مہر معاف کیا، اب جو مال یعنی زیور جو لڑکے کے والد نے شادی میں چڑھایا تھا وہ طلب کرتا ہے تو لڑکی کا والد کہتا ہے کہ میرا مہر دو جب دونگا۔ اب اس حالت میں جائز ہے یا نہیں، شرع سے جو حکم ہو وہ تحریر ہوجائے۔

الجواب ۔ اگر لڑکی نابالغہ تھی اور باپ نے مہر معاف کیا تو یہ معافی محض باطل ہے اور مہر کا اپنی دختر کے لئے اسے مطالبہ پہنچتا ہے، یونہیں اگر وقت معافی مہر دختر بالغہ تھی اور باپ نے اس کی اجازت کے بغیر معاف کیا نہ بعد معافی عورت نے اُسے جائز کیا جب بھی مہر معاف نہ ہوا اور مطالبہ صحیح ہے، ہاں اگر وقت معافی دختر بالغہ تھی اور اُس کی اجازت سے باپ نے معاف کیا یا بعد کو اُس نے یہ معافی منظور کرلی تو مہر معاف ہوگیا اب اس کا مطالبہ نہیں ہوسکتا، نہ اب اس کے لئے چڑھاوا روک سکتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از شاہجہانپور، محلہ باڑوزئی، مرسلہ جناب عبدالغنی صاحب　　۱۷ر شعبان ۱۳۳۳ھ

زید نے اپنے حین حیات وصحت ذات وثبات عقل میں چند ظروف مسی وغیرہ پر اپنے بیٹے عمرو کا نام کندہ کرادیئے اور ظاہر کیا کہ یہ عمرو کے واسطے ہیں، چند مدت کے بعد زید مرگیا، اب وہ ظروف وغیرہ جس پر نام کندہ ہوئے ہیں ایا مال متروکہ مشترکہ میں شامل ہوکر سب وارثوں میں تقسیم ہوں گے یا وہ ظروف مستثنٰی کرکے تقسیم ہوگی۔

الجواب ۔ اگر عمرو وقت ہبہ نابالغ تھا ہبہ تمام ہوگیا اور وہ ظروف ملک عمرو ہوں گے، ترکہ میں شامل نہ ہوں گے، یونہیں اگر عمرو بالغ تھا اور زید نے وہ برتن خالی کرکے اُس کے قبضہ میں دیدیئے جب بھی وہ متروکہ نہیں، ملک عمرو ہیں، ہاں اگر اس وقت عمرو بالغ تھا اور زید نے ان ظروف کو عمرو کے قبضہ تامہ میں نہ دیا یہاں تک کہ زید کا انتقال ہوگیا تو وہ ہبہ باطل ہوگیا، ظروف مثل باقی متروکات ورثہ پر تقسیم ہوں گے، والمسائل مشہورۃ وفی عامۃ الکتب مسطورۃ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از چندوسی ضلع مراد آباد، مسرتاج علی خاں طالب علم درجہ نہم (ایس۔ ایس۔ ایم) ہائی اسکول چندوسی، ۴ر ذوالقعدہ ۱۳۳۳ھ

ایک مسماۃ نے اپنا چھٹا حصّہ جو کہ شرعًا اس کے بیٹے کے ترکہ میں سے اس کی موجودگی میں مرجانے کی وجہ سے نکلتا تھا بہ صحت نفس وثبات عقل

اپنے یتیم پوتوں اور بیوہ بہو پر از راہ شفقت بخشش کیا اور قبضہ مالکانہ بھی دلادیا، اب اس کا بیٹا یعنی اس کے پوتوں کا چچا اس چھٹا حصّہ کو مانگتا ہے اور مسماۃ کے انتقال کو عرصہ ۴ برس کا ہوا، دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرع نے اس حق درحق کی میعاد کتنی مقرر کی ہے یعنی کتنے دنوں تک یہ حق لیا جاسکتا ہے۔

الجواب ۔ سائل نے کچھ بیان نہ کیا کہ اس کا چھٹا حصّہ کیا ہے اور اس کا چھٹا حصہ کہ عورت کو پہنچا تھا پوتوں اور بہو پر تقسیم کرنے سے ہر ایک حصہ میں جتنا ٹکڑا پڑے قابل انتفاع رہے گا یا نہیں، اور عورت نے اس کے جدا جدا ٹکڑے کرکے ہر موہوب لہ کو الگ الگ قابض کرایا یا مجموعی حالت میں ان سب کو ہبہ کیا۔ اور وہ پوتے بالغ ہیں یا بعض یا سب نابالغ اور جو نابالغ ہیں کس کی پرورش میں ہیں اور اُن کی طرف سے کس نے قبضہ کیا اور وہ بہو اور پوتے سب صاحب نصاب ہیں یعنی ان میں ہر ایک چھپن روپے یا زیادہ کے مال کا مالک ہے یا بعض صاحب نصاب ہیں بعض فقیر یا سب فقرا اور یہ چھٹا حصہ کہ اس نے ہبہ کیا باقی جائداد میں ملا ہوا تھا یا الگ کرلیا تھا، ان تمام باتوں پر جدا احکام ہوں جن کی تفصیل میں طول ہے اور سائل کی غرض صرف ایک صورت سے متعلق ہوگی،

لہٰذا ان آٹھوں باتوں کا جواب مفصل بیان لکھنے پر اس خاص صورت کا جو حکم ہو بتایا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۔ از شہر کہنہ، مسئولہ سید نوراللہ محرر دارالافتاء بروز دوشنبہ ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

(زید نے اپنے بیٹے بکر کے نام ایک مکان لکھا) بکر سے بحالت مرض الموت بکر کے اس کو رنج دے کر طوعاً و کرہاً بکر کے نام کا مکان زید نے اپنی دوسری زوجہ غیر کفو کے نام لکھادیا، کیا یہ ہبہ جائز ہے یا فاسد۔

الجواب ۔ اگر بکر کے نام کا ہبہ صحیح اور قبضہ خالصہ سے تام ہوگیا تھا تو یہ ہبہ بے رضائے مالک ہوا باطل اگر مالک بے اجازت مرگیا، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۔ از بجنور مرسلہ مولوی محسن علی خاں صاحب منصف ۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے زیور نقرئی و طلائی اور ظروف دیگر و سامان اس نیت وارادہ سے تیار کرایا کہ وہ اپنی دختر ناکتخدا کے عقد نکاح کے بعد رخصت کے وقت جہیز میں دے گا، چنانچہ بعض لوگوں کو یہ سامان دکھلا کر یہی بیان بھی کیا، مگر قبل اس کے کہ نوبت عقد و رخصت دختر مذکور کی پہنچے اُس نے قضا کی، ایسی حالت میں وہ زیور، ظروف و سامان ترکہ متوفی قرار پائے یا دختر مذکور تنہا اُس کی مالک و مستحق سمجھی جائے۔

الجواب ۔ کوئی تملیک محض نیت وارادہ سے نہیں ہوسکتی نہ مجرد اظہار ارادہ کہ میں نے اس لئے بنوائے یا یہ مال فلاں کو دوں گا کوئی اثر ملک پیدا کرسکے، اصلاح وایضاح میں ہے الھبۃ ھی فی الشرع تملیك مال للحال بلاعوض بلکہ اگر دختر اس جہیز کے تیار کراتے وقت بالغہ تھی یعنی اُسے حیض آیا تھا یا پندرہ سال کامل کی عمر ہوچکی تھی اور جہیز بنواکر اُس کے باپ نے صریح الفاظ تملیک بھی کہہ دیئے ہوں، مثلاً میں نے اپنی دختر فلانہ کو اس مال کا مالک کیا، جب بھی از انجا کہ قبضہ دینے سے پہلے اُس شخص کا انتقال ہوگیا کہ جہیز پر قبضہ وقت رخصت دیا جاتا ہے، یہاں ابھی عقد بھی نہ ہوا تھا، وہ ہبہ باطل محض ہوگیا، بہرحال وہ مال تمام وکمال متروکۂ متوفی ہے، ہاں اگر لڑکی اس وقت نابالغہ تھی یعنی نہ اُسے آثار بلوغ پیدا ہوئے تھے نہ پورے پندرہ برس کی عمر ہوئی تھی، اور اُس نے اس کے واسطے جہیز بنوایا یا کہا کہ میں نے اسے اس کا مالک کیا، یا یہ اس کا ہے، یا اتنا ہی کہا کہ یہ میں نے اُس کے لئے بنوایا ہے تو ضرور وہ کل مال یا اس میں سے جس خاص شے کی نسبت یہ لفظ صادر ہوئے

تھے ملک دختر ہے اگرچہ قبضہ دختر نہ ہوا کہ نابالغ کے لئے باپ کا قبضہ کافی ہے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے اشترى ثوبًا فقطعه لولده الصغير صار واهبًا بالقطع مسلما اليه قبل الخياطة ولو كان كبيرا لم يصر مسلما اليه الا بعد الخياطة والتسليم ولو قال اشتريت هذا له صار ملكا له كذا فى القنية، فتاوٰی ولوالجیہ پھر منح الغفار پھر رد المحتار اور ینابیع پھر ہندیہ میں ہے واللفظ للشامی جهز الاب ابنته ثم بقية الورثة يطلبون القسمة منها فان كان الاب اشترى لها فى صغرها او بعد ما كبرت وسلم اليها وذلك فى صحته فلا سبيل للورثة عليه ويكون للبنت خاصة، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ۔ مسئولہ حاجی لعل خاں صاحب۔ تنقیح سوالات حسب بیان مسماۃ جبیبن بی بی وصحیبن بی بی دختران شیخ امیر بخش مرحوم بروز پنجشنبہ ۱۲ صفر ۱۳۳۴ھ

سوال اول:۔ امیر بخش مرحوم نے بحالت حیات کسی مصلحت سے ایک لڑکے مسمی اصغر حسین کو جدا کردیا اور تجارتی مال کا پانچواں حصہ ان کو دیدیا اور چار حصہ یعنی بقیہ کل مال بلا تقسیم اپنے قبضہ میں رکھا اور چار لڑکیاں جو دو محل سے موجود تھیں ان کو کچھ نہیں دیا۔ ایا ایسی تقسیم شرعاً درست ہے؟ اور باپ کے مال میں کیا لڑکیاں شرعاً حقدار نہیں ہیں۔

الجواب۔ ایک لڑکے کو پانچواں حصہ دینا باقی بیٹیوں کو نہ دینا اگر اس وجہ سے ہو کہ وہ لڑکا اوروں پر فضل دینی رکھتا ہے تو حرج نہیں کما فی الدرالمختار والعالمگیریۃ ورنہ حدیث میں اسے ظلم فرمایا اکلّ بنیك نحلت مثل هذا قال لا قال لا تشهدنى على جور مگر یہ امر دیانۃً ہے، قضاءً باقی اولاد اُس پر دعوٰی نہیں کرسکتی لان الملك مطلق للتصرف نہ اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ امیر بخش نے بیٹیوں کو محروم کرنا چاہا ہو کہ اس نے اور بیٹوں کو بھی نہ دیا نہ کل مال اصغر حسین کو دیدیا کہ اوروں کا حرمان مفہوم ہو، واللہ تعالیٰ اعلم

ایضاً سوال چہارم

مورث کے مشترکہ ترکہ کو اگر قبل تقسیم کے بعض وارث بلا استرضائے دیگر ورثہ کے کلاً یا جزءً کسی غیر کو ہبہ کردیں تو یہ ہبہ شرعاً صحیح ودرست ہوگا یا نہیں، اگر درست نہیں ہے تو کیا ہمارے بھائیوں پر واجب نہیں ہے کہ اس غلط تقسیم کو مسترد کرکے دوبارہ فرائض کے مطابق ترکہ تقسیم کردیں اور جس کا جس قدر حصہ رسدی ہو اس کو پہنچادیں۔

الجواب۔ مال مشترک اگر غیر قابل قسمت ہے اور اس نے صرف اپنا حصہ ہبہ کیا تو صحیح ونافذ ہوگیا، باقی ورثہ اپنا حصہ اُس میں سے لے سکتے ہیں اور اگر وہ کل شے مشترک ہے اور ایک شریک نے کسی کو ہبہ کردی تو اُس کے اپنے حصہ میں ہبہ نافذ ہوگیا اور دوسرے شرکاء کے حصّوں کا ہبہ اُن کی اجازت پر موقوف رہا، اگر وہ عاقل بالغ ہوں ورنہ باطل لانه عقد صدر من فضولى ولا مجيز له وقت العقد اور اگر وہ شے قابل قسمت ہے اور اُس نے اپنا حصہ قبل تقسیم ہبہ کیا تو وہ ہبہ محض بے اثر ہے کہ قبضہ سے بھی مفید ملک نہ ہوگا مگر اُس کا فسخ اس پر لازم نہیں اُسے جائز ہے کہ بعد تقسیم اپنے حصہ پر موہوب لہ کو قبضہ دیدے اور تکمیل ہبہ کردے، اُس کا استرداد واہب کا حق ہے نہ کہ واہب پر حق، ہاں دوسروں کے حصّوں میں مزاحمت نہ کرنا اس پر واجب، اور اگر شے قابل قسمت ہے اور اس نے کل ہبہ کردی تو یہ وہی ہبہ فضولی کی صورت ہے، اور اگر بقیہ شرکاء سب عاقل بالغ ہوں اور جائز کردیں تو جائز ہوجائے گا کما لو وهب اثنان دارا من واحد جاز کما فی الدر وغیرہ اور اگر اس میں ایک شخص بھی اجازت سے دست کش یا غیر مکلف ہوگا تو اس کل میں ہبہ باطل ہے یعنی بے اثر ونامفید ملک۔ بہرحال کسی صورت میں بھائی یہ اختیار نہیں رکھتے کہ بہنوں کو محروم کردیں

یا اُن کا مال بے اجازت کے کسی کو دیدیں قال تعالیٰ لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

مسئلہ ۔ از سنبھل محلہ کوٹ شرقی ضلع مراد آباد ، مسئولہ محمد جمیل صاحب ، روز دوشنبہ ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو زیور یا لباس وقت عقد یا بعد عقد زوج اپنی زوجہ کو استعمال کے واسطے دے وہ امانت شمار ہوگا یا ہبہ ، اور ان دونوں صورتوں میں واپس لے سکتا ہے یا نہیں ، اور نیز وہ زیور کہ جو زوجہ کے باپ کے یہاں کا تھا اُسے شوہر نے اپنے پاس سے کچھ اور چاندی یا سونا ڈال کر بڑھا دیا ہو اُس کا کیا حکم ہے آیا ہبہ ہے یا امانت ، بیّنوا توجروا

الجواب ۔ جو کچھ شوہر نے استعمال کے لئے دیا وہ ملک شوہر ہے مگر یہ کہ دلالت تملیک پائی جائے خواہ لفظاً یا عرفاً اور عورت کا قبضہ ہوجائے تو اب وہ ملک زوجہ ہوجائے گا اور اب اسے کبھی واپس نہیں لے سکتا لان الزوجیۃ من موانع الرجوع جہیز میں جو زیور وغیرہ عورت کو ملتا ہے وہ یقیناً ملک زن ہے ، ردالمحتار میں ہے کل احد یعلم ان الجہاز ملک المرأۃ لاحق لاحد فیہ اس نے جو کچھ اس میں ڈلوا کر بڑھوا دیا ظاہراً اس سے مقصود مالک کر دینا ہی ہوتا ہے اگر یوں ہو اور قبضہ تامہ پایا جائے تو ملک زوجہ ہوجائے گا ورنہ نہیں فان الظاہر حجۃ للدفع لا للاستحقاق ، واللہ تعالیٰ اعلم ۔

مسئلہ ۔ مشاع کی تعریف کیا ہے ، فقط

الجواب ۔ ایک شے دو یا چند اشخاص کو بلا تقسیم ہبہ کیا جائے اگرچہ حصے نامزد کر دیئے جائیں کہ نصف نصف یا ایک کو ثلث اور دوسرے کو دو ثلث یا اپنی ملک کا کوئی حصہ غیر معینہ غیر ممتازہ مثلاً نصف ثلث ربع وغیرہ کسی شخص کو ہبہ کرے یا اپنی پوری ملک ہبہ کرے مگر یہ خود کسی شے کے ویسے ہی غیر معین حصے نصف وغیرہ کا مالک ہو ، یہ سب ہبہ مشاع ہیں ، پھر اگر وہ چیز ناقابل تقسیم ہے تو جائز ورنہ نہیں ، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۔ مرسلہ محمد نجم الدین صاحب ، محلہ رفعت پورہ مراد آباد ۱۶ صفر ۱۳۳۵ھ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بقضائے الٰہی اچانک فوت ہوگیا اور وہ ایک دولتمند شخص تھا اور اس نے جائداد منقولہ وغیر منقولہ چھوڑی اور کل پانچ وارث چھوڑے دو دختران اور ایک پسر اور ایک والدہ اور ایک زوجہ ثانی لاولد جو اس کے عقد میں قریب آٹھ برس کے تھی ، متوفی مذکور نے نکاح کے وقت کچھ زیور تیار کرا کر زوجہ مذکور کو دیا تھا وہ اسکے قبضہ میں ہے ، اس کے علاوہ اور زیور بھی تیار کرا کر وقتاً فوقتاً زوجہ مذکورہ کو دیتا رہا جو زوجہ مذکور کے قبضہ وتصرف میں ہے اور وہ اس کی زکوٰۃ بھی ادا کرتی ہے ، پھر پندرہ سو روپے نقد واسطے زیور تیار کرانے کے زوجہ مذکورہ کو دیئے تھے جو اسکے قبضہ میں ہے ، لیکن تعمیر مکان کی ضرورت سے بطور قرض کے متوفی مذکور نے زوجہ مذکورہ سے لئے تھے ، اور کلکتہ جاکر ایک ہزار روپے کا نوٹ معرفت حاجی محمد خلیل کے زوجہ مذکورہ کے پاس بھیجدیا ، پانسو روپے منجملہ اس کے باقی رہ گئے ، نیز زوجہ مذکورہ اپنے والدین کے یہاں جب مراد آباد آتی تھی اور اُس کے عزیز واقارب سے اسکو نقد ملتا تھا اس کا پارچہ وبرتن وغیرہ خرید کرلے جاتی تھی جو اُس کے تصرف میں ہے ، نیز نقد وزیور کے علاوہ متوفی مذکور زوجہ مذکورہ کو اکثر اشیاء لاکر دیتا رہتا تھا اور اپنی دختران وپسر کو اُس کے علاوہ دیتا رہتا تھا ۔

پس صورت مذکورہ میں جو اسباب ونقد زیور وغیرہ متوفی مذکور نے اپنی حیات میں زوجہ مذکور کو دیا ہے اور اب تک اس کے قبضہ وتصرف میں ہے وہ ترکہ متوفی سے علیحدہ ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ زیور خواہ نقد خواہ کسی قسم کا مال جو زید اپنی زوجہ کو بطور تملیک دیتا تھا اُس کی مالک زوجہ ہے، وہ ترکہ نہیں ہوسکتا، تملیک ثابت ہونا درکار ہے خواہ صراحۃً یا دلالۃً بغیر اس کے دعوی ملک مسموع نہیں، مثلاً اگر وہ پندرہ سو روپے قرض کہہ کر مانگے تو ضرور ثابت ہوا کہ مالک کردیئے تھے، یونہی اگر اُس کی عادت سے ثابت ہو کہ ان لوگوں کو ایسا دینا بطور تملیک ہی کرتا تھا یہی لوگ اس کے مالک سمجھے جاتے تھے تو بیٹی بیٹے زوجہ جس کو جو دیا وہ اس کا مالک ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از سہارنپور محلہ قاضی، مرسلہ ریاضت احمد صدیقی　　　　۱۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مرگئی اور اس نے ایک دختر اور ایک برادر حقیقی دو وارث چھوڑے، متوفیہ کے بھائی نے اپنا شرعی حصہ جو اس کو بہن سے پہنچا تھا اپنی بھانجی کو دیدیا اور اس کے نام پر داخل خارج بھی کاغذات سرکاری میں کرایا، اب چند سال کے بعد ناراض ہوکر اس دی ہوئی جائداد واسباب کو واپس لینا چاہتا ہے، کیا شرعاً اس اسباب وجائداد کو واپس لینے کا بھانجی سے حق حاصل ہے کہ جس کا اپنی خوشی ورضامندی سے مالک بنادیا ہو،

الجواب ۔ اگر اس نے اپنا حصہ جدا تقسیم کراکر ہبہ کیا اور بھانجی کو قبضہ دیدیا یا ہبہ کے بعد تقسیم کرکے حصہ منقسمہ پر قبضہ دیدیا یا وہ مشترک جائداد قابل تقسیم نہ تھی اگر دو حصے کئے جاتے تو ہر حصہ قابل انتفاع نہ رہتا، جیسے کوئی کوٹھری یا چھوٹی دکان، تو ان صورتوں میں بعد قبضۂ دختر ہبہ تمام ہوگیا اور ماموں کو اس سے واپس لینے کا کوئی حق نہیں، اور اگر شے قابل قسمت تھی اور بلا تقسیم ہبہ کیا اور اب تک تقسیم کرکے قبضہ نہ دیا تو ہبہ تمام نہ ہوا اور مالک بنانا ہبہ نہیں[۱] اسے واپس لے سکتا ہے، درمختار میں ہے لا تتم بالقبض فیما یقسم ولو وھبہ لشریکہ لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامۃ الکتب فکان ھو المذھب، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از قصبہ کھورٹی ضلع ساگر قسمت جبل پور ممالک متوسط، مرسلہ ابراہیم ولد قمر علی　　　　۷ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

ابراہیم کے والد قمر علی تین بھائی حقیقی تھے، منجملہ ہر سہ بھائیوں کے ایک لاولد تھے جن کا نام نعمان حسن تھا، میرے چچا یعنی نعمان حسن نے نکاح ایک بیوہ عورت سے کیا جس کے ہمراہ لڑکا آیا، لڑکے کی عمر اس وقت ۵ سال کی تھی۔

آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ جو کاغذات نقل یعنی فیصلہ کچہری شرع شریف ہوا ہے وہ خدمت میں آنجناب کی ارسال ہے، بہ نظر ترحم کاغذات کو ملاحظہ فرماکر اطلاع دیجئے گا، آیا وہ جائداد کا مستحق ہوسکتا ہے یا نہیں، نعمان حسن نے اس لڑکے کو متبنی نہیں کیا تھا اور اس نے کچہری میں یہی بیان کیا کہ نعمان حسن نے مجھے متبنی کیا، کاغذات متبنی کرنے کے موجود نہیں ہیں، جو ہبہ نامہ پیش کیا گیا ہے وہ مصنوعی بنا ہوا ہے، نہ تو اس میں کوئی گواہ ہے اور نہ حاکم وقت کے دستخط ہیں نہ تاریخ ہے، غلام عباس متبنی فوت ہوچکا ہے اور زوجہ نعمان حسن بھی فوت ہوچکی ہے۔

الجواب ۔ شریعت میں متبنی کوئی چیز نہیں قال اللہ تعالیٰ وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَاءَکُمْ اَبْنَاءَکُمْ، وقال تعالیٰ لِکَیْلَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَاۗىِٕهِمْ، ہذا کاغذ اگرچہ اس میں تاریخ وتحریر گواہان ودستخط حاکم بھی ہوں شرعاً اصلاً کوئی چیز نہیں اور محض اس کی بنا پر ہبہ

[۱] اصل میں "ہبہ نہیں" کا لفظ قلم ناسخ سے چھوٹ گیا۔

ماننا باطل اور ایسا فیصلہ محض خلاف شرع، اشباہ والنظائر میں ہے لا یعتمد علی الخط ولا یعمل بہ فلا یعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ خطوط القضاۃ الماضین لان القاضی لا یقضی الا بالحجۃ وھی البینۃ او الاقرار والنکول کما فی وقف الخانیۃ عجب تر یہ ہے کہ مفتی صاحب حاکم سرونج نے فیصلہ میں حکم یہ لکھا کہ باغ و زمین مستدعویہ کے تین حصے مساوی کئے جائیں، تیسرا حصہ ہبۃً غلام عباس کو دلایا جائے جبکہ وہ باغ و زمین اب تک مشترک غیر منقسم تھی اور نعمان حسن بلاتقسیم مرگیا تو اگر غلام عباس کو واقعی ہبہ ہوا بھی تھا تو باطل ہوگیا، درمختار میں ہے، والمیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل، بہرحال فیصلہ غلط ہوا اور غلام عباس کا اس باغ و زمین میں حق نہیں، وہ صرف وارثان شرعی کا حق ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ از شہر کہنہ گھیر جعفر خاں مسئولہ حکیم عرفان علی صاحب ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد کو جو اس کی مملوکہ و مقبوضہ ہے اور اس پر متصرف ہے اور تنہا مالک بلاشرکت غیرے ہے باختیار جائز و مالکانہ اس جائداد کو بلا اکراہ و اجبار اپنی خواہش سے بنظر دور اندیشی و رفع شر اس امر کہ بعد میری وفات کے کسی قسم کا میری اولاد یعنی ایک بیٹا اور ایک بیٹی کے درمیان نزاع اور مخالفت نہ ہو تقسیم کیا اس طور سے ایک حصہ تھوڑی مقدار کا لڑکی کو دیا اور زیادہ مقدار کا لڑکے کو دیا اس وجہ سے کہ لڑکی بالغ ہے اور اس کی شادی بھی ہوگئی ہے اور وہ خوش حال حالت میں ہے۔ اور اس کے حصہ کی جائداد پر کوئی خرچ کا بار بھی نہیں پڑے گا، اور لڑکا نابالغ ہے اور اس کی پرورش و تعلیم و شادی سب خرچ اس کا بھی اسی جائداد پر پڑنے والا ہے، اور نیز حسن سلوک شادی و غمی کا خرچ حسب رواج ہندوستان اس کا بار بھی لڑکے ہی کی جائداد پر ہے اور اپنا اور اپنی زوجہ کا بھی خرچ ماہانہ مقرر کرکے سب لڑکے ہی کے حصہ پر رکھا، تو اب ایسی صورت میں یہ فعل اس کا یعنی تقسیم کرنا جائداد کا بلالحاظ حصہ پورا ہونے نہ ہونے فرائض کے صحیح ہے یا نہیں۔

الجواب۔ صحیح بایں معنی کہ وہ کارروائی چل جائے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے تمام وارثوں کو بے خطا بے سبب نان شبینہ کے لئے محتاج چھوڑ کر اپنی تمام املاک کسی راہ چلتے کو دیدے اور اگر یہ مراد کہ ایسی کارروائی کرنی عنداللہ اُسے جائز ہے یا اس پر مؤاخذہ ہوگا، تو جواب یہ ہے کہ جن مہمل وجوہ پر زید نے ایک قلیل جز بیٹی کو دیا اور باقی تمام جائداد کثیر بیٹے کو دی، یہ ضرور عنداللہ ناجائز ہے اور زید گنہگار اور بیٹی کے حق میں گرفتار ہوا شرع مطہر نے بعد موت بیٹی کا ایک اور بیٹے کے دو حصے رکھے ہیں لیکن زندگی میں تقسیم کرے تو حکم ہے کہ پسر و دختر دونوں کو برابر برابر دے قصداً ابلا وجہ شرعی بیٹی کو نقصان دینا جائز نہیں درمختار میں ہے فی الخانیۃ لا باس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبۃ لانہا عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد بہ الاضرار وان قصدہ یسوی بینھم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیہ الفتوٰی، طحطاوی میں ہے یکرہ ذلک عند تساویھم فی الدرجۃ کما فی المنح والھندیۃ لڑکی کا بالغ ہونا اُس کا کوئی جرم نہ تھا نہ شادی ہوجانا اُس کی خطا تھی اور اپنے گھر سے خوشحال ہونا زید کی بخشش نہیں جسے اپنی جائداد دینے میں مجرا لے اور لڑکی کا خرچ اور پر ہونا اور لڑکے پر اور کا خرچ ہونا شریعت زید سے زیادہ جانتی ہے، پھر حکم دونوں کو برابر دینے کا فرمایا، اور یہ عذر کہ اپنا اور اپنی زوجہ کا خرچ لڑکے پر رکھا ہے بے معنی ہے، اُسے حکم شرع ماننا تھا تو دونوں کو برابر دیتا اور اپنا اور اپنی زوجہ کا خرچ دونوں پر یکساں رکھتا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ از شہر مرسلہ شیخ علی جان صاحب محلہ کھوڑ معرفت حمید اللہ صاحب ۲۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۶ھ

چہ میفرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ شخصے املاک نقد و جنس منقولہ و غیر منقولہ خویش باولاد ذکور و اناث حسب قواعد شریعت

نفقہ کردن می خواہد یک پسر خود را ازیں تقسیم ارث محروم ساختہ عاق کردہ می شمرد کہ از اطاعت و فرمانبرداری انحراف ورزیدہ واز تعمیل احکام شرعیہ روگردانیدہ بفسق و فجور منہمک شدہ، پس از شریعت اجازت می دہد کہ آں فرزند عاق کردہ ازیں ارث چیزے ندہم و او را محجوب الارث شمرد واز املاک خویش جوے ندہم روز جزا در مؤاخذہ او مارا گرفت خواہد شد یا نہ از اقوال فقہائے احناف جواب شافی عنایت فرمایند۔

الجواب ۔ اگر فی الواقع او فاسق و فاجر است پدر را میرسد کہ او را محروم دارد کما فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۔ مرسلہ مولوی محمد علیم الدین از شہر کانپور مدرسہ دارالعلوم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زندگی میں اپنی زمین مزروعہ (۵۴ بیگہہ) کے تین حصے کرکے ایک حصہ بڑے لڑکے کو اور ایک حصہ چھوٹے لڑکے کو دیا اور ایک حصہ اپنے واسطے رکھا اور دونوں لڑکوں سے کہہ دیا کہ میرے حصے کو میرے مرنے کے بعد برابر تقسیم کرلینا، بعد چند روز کے زید نے اپنا حصہ بڑے لڑکے کو ہبہ کردیا، یہ ہبہ شرعاً صحیح ہوا یا نہیں، درصورت صحت چھوٹا لڑکا مجاز فسخ ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ اگر وہ زمین نامنقسم ہے اور بلا تقسیم ایک ایک ثلث دونوں بیٹوں کو دیئے پھر اپنا ثلث بھی ایک کو دیدیا، تو یہ دونوں ہبہ باطل و بے اثر محض ہیں جبتک زید اپنی زندگی میں تقسیم کرکے ہر بیٹے کو اُس کے منقسم حصے پر جداگانہ قبضہ نہ دے، اور اگر بیٹوں کو بلا تقسیم دو ثلث میں شریک کیا تھا اور اپنا حصہ جداگانہ منقسم رکھا تھا اور اب یہ ثلث بڑے بیٹے کو دے کر قابض کردیا تو پہلا ہبہ باطل ہے جبتک زید اُس ٹکڑے کا دو حصے جدا جدا کرکے ہر بیٹے کو قبضہ نہ دے لیکن اس تیسرے ثلث کا ہبہ بڑے بیٹے کے نام بوجہ تقسیم صحیح وتام ہوگیا اس تہائی کا بڑا بیٹا مالک ہوگیا اور وہ دو تہائی ابتک زید کی ملک ہیں، ہاں اگر وہ دونوں حصے جدا جدا پٹی بانٹ کرکے ہر بیٹے کو اُس کے حصہ پر قبضہ دیدیا تھا پھر اپنا تہائی بڑے بیٹے کو دے کر قابض کردیا تو ان دو ثلث کا بڑا بیٹا مالک ہوگیا، اپنے ثلث کا چھوٹا بیٹا مالک رہا، اس صورت میں چھوٹا بیٹا فسخ کرانے کا مجاز نہیں، اور پہلی دو صورتوں میں فسخ کی حاجت ہی نہیں کہ ہنوز ہبہ ہی تام نہ ہوا والمسألۃ دوارۃ متوناً وشروحاً وفتاوا، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ از بزم حنفیہ لاہور، مرسلہ محمد عبدالحمید صاحب سکریٹری بزم مذکور ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۶ھ

بحضرت فیضدرجت عظیم البرکت فاضل کبیر کامل نحریر امام العلماء المحققین مقدام الفضلاء المدققین عالم عظیم الشان اعلٰحضرت مولٰنا المکرم ذوالمجد والکرم مولانا مولوی حاجی صوفی حافظ مفتی محمد احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ فیوضہم۔ السلام علیکم وعلٰی من لدیکم، مزاج مقدس

آج یہ فقیر بارشاد فیض رشاد فرمان واجب الاذعان سیدی وآقائی مولٰنا المحترم ذواللطف والکرم حضرت مولوی محمد اکرام الدین البخاری خطیب وامام مسجد وزیر خاں۔ خدمت میں اعلٰحضرت دام فیضہم کے چند سطور بتاکید مولٰنا ممدوح تحریر کرتا ہے کہ اعلٰحضرت اس مسئلہ متنازعہ کو بہ تشریح تامہ وتفصیل کاملہ صاف وشستہ مبسوط تحریر فرماکر متنازعین کے شکوک کو بدلائل واضحہ رفع فرمادیں گے اور مولٰنا ممدوح نے یہ بھی فرمایا کہ اس مسئلہ کی مختلف صور کی مرجح ومفتی بہ اشکال کے اظہار کا حق صرف اعلٰحضرت کے قلم فصیح رقم کو حاصل ہے اور اس پر بہ اثبات حکم محکم فریقین متنازعین کے قلوب میں نورانی جوہر محبت بھرے گوہر ڈالدینے نااتفاقی وکشیدگی کے توہمات کو نکالدینے کا اعلٰحضرت ہی کو شرف حاصل ہے پس بہ ارشاد مولٰنا ممدوح معروض بخدمت اقدس ہوں کہ جس ہبہ وتملیک کی رجسٹری بذریعہ گورنمنٹ ہوچکی ہے اور وہ برائے ملاحظہ حضرت بلفظہ نقل

رجسٹری ہبہ شدہ ارسال خدمت ہے کہ بعد وفات موہوب لہ کے واہب نے بھی زندہ رہ کر اُس موہوبہ مکان کو واپس نہ کیا اور وہ موہوب لہ کی اولاد کے قبضہ میں ہی رہا، اب واہب کے مرجانے کے بعد[عہ] ہمشیرہ دعوی دخل یابی کا کرکے موہوب لہ کے پسماندگان بیوہ ویتامیٰ سے موہوبہ مکان کو بعد گزر جانے ۲۰ برس ہبہ شدہ کا رجوع کرانا چاہتی ہے بجالیکہ ہبہ وتملیک کر دینے کے بعد واہب نے اگرچہ موہوب لہ کا وہ باپ تھا علیحدہ کرایہ نامہ تحریر کر دیا اور واپس نہ کرایا اور بطور کرایہ دار اُسی میں سکونت کرتا رہا اور ۷ برس تک زندہ رہا، اب مفصل صورت سوال حسب ذیل ہے:۔

زید	عمرو	بکر	ہندہ
(نظر محمد)	(جان محمد)	(خیر محمد	

زید نے اپنی حین حیات میں بلااکراہ واجبار برضامندی خود اپنا ایک مکان زرخریدۂ خود اپنے بیٹے خورد نامی عمرو (جان محمد) کے نام ہبہ وتملیک بشرائط چندے رجسٹری کردیا جس کا خود واہب بدیں الفاظ مقر ہے (۱) کہ مکان موہوبہ ملکیت عمرو ہے (۲) عمرو کو ہر طرح کا حق حاصل ہے کہ میری حیات میں وبعد ممات کے اس مکان کو بیع ورہن کرکرا سکتا ہے (۳) مکان مذکور میں میرا یا میرے دیگر کسی لواحق کا حق کا خدشہ ہرگز نہیں، مکان مذکور میرا ذاتی ملکیت ہے جو عمرو کے نام ہبہ کر دیا ہے کہ اب اصل مالک وہی ہے (۴) زید کی حین حیات میں اس کا بیٹا عمرو فوت ہوگیا اور دوسرا بیٹا بکر زندہ رہا اور عمرو کا باپ زید عرصہ ۷ سال بعد وفات عمرو زندہ رہا اور موہوب شدہ مکان کو زید واہب نے اپنی حین حیات میں بھی واپس نہیں لیا، بلکہ زید کی موجودگی میں بھی وہ مکان صرف عمرو کی اولاد وبیوہ کے قبضہ میں رہا اور وہی اُس کے کرایہ وغیرہ کو حاصل کرتے رہے پھر زید یعنی اصل واہب فوت ہوگیا۔ موجودگان از زید اصل واہب متوفی بکر (خیر محمد)، ہندہ، بکر جو واہب متوفی کا بڑا بیٹا ہے اور ہندہ جو واہب کی بیٹی ہے اور موہوب لہ متوفی کے یہ ہر دو موجودہ حقیقی ہیں اور ہندہ موہوب لہ متوفی کی اولاد کی پھوپھی ہے زندہ موجود ہیں۔ ج۔ بکر کا بیان ہے کہ چونکہ میرا باپ زید میرے حقیقی بھائی عمرو کے نام مکان مذکور ہبہ وتملیک کرچکا ہے، اور نیز اس نے بعد وفات عمرو کے اس ہبہ وتملیک کو واپس نہیں لیا، لہذا یہ ساختہ پرداختہ میرے باپ زید متوفی کا مجھکو منظور ومقبول ہے، یہ مکان ملکیت عمرو کا ہوچکا اس کے بعد اسکی اولاد وارث ہے (د) عمرو کی بہن ہندہ یہ دعوی کرتی ہے کہ یہ ہبہ وتملیک رجوع ہوسکتا ہے اور اس ہبہ شدہ مکان کو عمرو کی اولاد کے قبضہ میں ناجائز گردانتی ہے، پس مندرجہ بالا صورت متنازعہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہبہ جو تملیک بنام عمرو ہوچکا ہے اور جس کو خود واہب زید نے بعد فوتیدگی عمرو موہوب لہ کے واپس لینے کا ارادہ ہی نہ کیا، اب موہوب لہ اور واہب کے فوت ہوجانے کے بعد جس کو ۱۲ برس سے زیادہ گزر گئے اجباراً قابل رجوع ہے یا نہیں (اجباراً) اور ان صورتوں میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے، پس اس اہم مسئلہ کو مفصل ومشرح تحریر فرماکر مشکور فرمائیں کہ عند الحنفیہ ہبہ وتملیک کا رجوع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب - جبکہ واہب نے بعد تخلیۂ مکان موہوب لہ کو قبضۂ کاملہ شرعیہ دلادیا ہو (نہ یوں کہ خود اس میں ساکن رہا واہب کا اسباب اس میں رہا اور کرایہ نامہ لکھ دیا اور کہدیا کہ پورا قبضہ دیدیا یہ شرعاً قبضہ نہیں بلکہ ضرور ہے کہ مکان اپنی سکونت واسباب سے خالی کرکے قبضہ دے اگرچہ ایک منٹ کے بعد یوں قبضہ دے کر پھر اُس میں آجائے اور اپنا اسباب لے آئے اس طرح کا قبضہ کاملہ دیدیا ہو) تو وہ مکان ملک موہوب لہ ہوگیا، اب اس میں رجوع تین وجہ سے باطل ہے۔ اولاً موہوب لہ واہب کا بیٹا ہے اور ذی رحم محرم سے رجوع کا خود واہب کو بھی اختیار نہیں، ثانیاً

[عہ] لفظ بعد قلم ناسخ سے چھوٹ گیا۔ عبدالمنان اعظمی

موہوب لہ مرگیا، ثالثاً واہب بھی گزر گیا اور اس میں ہر ایک کی موت مانع رجوع ہے تو اب رجوع ناممکن ہے اور وہ شرط قبضہ وتخلیہ اس صورت میں ہو کہ موہوب لہ وقت ہبہ بالغ ہو، اور اگر نابالغ تھا تو باپ نے جس وقت ہبہ نامہ لکھدیا اُس سے پہلے جس وقت زبانی کہا میں نے ہبہ کیا معًا ہبہ کرتے ہی بیٹا مالک ہوگیا اگرچہ باپ نے ایک آن کو مکان نہ خالی کیا نہ قبضہ دیا کہ اس صورت میں باپ کا قبضہ ہی بیٹے کا قبضہ ہے اور رجوع ناممکن، درمختار میں ہے یمنع الرجوع فیہا موت احد العاقدین بعد التسلیم والقرابۃ فلو وھب لذی رحم محرم منہ نسبا لایرجع، اسی میں ہے الاصل ان الموھوب ان مشغولا بملك الواھب منع تمامھا وان شاغلا لا وفی الاشباہ ھبۃ المشغول لاتجوز الا اذا وھب الاب لطفلہ، ردالمحتار میں ہے کان وھبہ دارا والاب ساکنھا ولہ فیھا متاع لانھا مشغولۃ بمتاع القابض وھو مخالف لمافی الخانیۃ فقد جزم اولا بانہ لاتجوز ثم قال وعن ابی حنیفۃ فی المجرد تجوز ویصیر قابضا لابنہ اُس پر حاشیہ فقیر جدالممتار میں ہے اقول جزم فی وجیز الکردری والولوالجیۃ والذخیرۃ وغیرھا باطلاق الجواز وفی الھندیۃ عن العتابیۃ ھوالماخوذ بہ وعلیہ الفتوی وفیھا عن السراجیۃ علیہ الفتوی وفی الحموی عن الولوالجیۃ علیہ الفتوی وعن البزازیۃ تجوز وعلیہ الفتوی، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ - از پروچڑان موضع کوٹلہ مدہو ڈاکخانہ غوث پور ریاست بھاولپور تحصیل خان پور مرسلہ مولوی ابوالمنظور محمد غوث بخش صاحب

۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

مع دو جواب بغرض تصحیح - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی بردھی ومسماۃ بہرائی کل متروکہ "سمار" متوفی مورث پر بروئے وراثت وغیرہ قابض ومتصرف رہے فوتیدگی مسماۃ بہرائی پر جس کو عرصہ ۱۶ سال کا گزر گیا ہے مسمی بردہی بدستور قابض رہا بعد فوت ہونے بردہی کے پسر اس کا الٰہی بخش بھی بدستور قابض رہا، مسماۃ شرم خاتون بنت سمار متوفی کو جو حق وراثت اپنے والدین سے بروئے شرع شریف آتا تھا لیکن قبضۂ الٰہی بخش میں پہلے سے تھا پھر اس کو ہبہ کرکے قبضہ سابقہ اُس کے کو بحال رکھا اور اقرار ہبہ کا اسٹام گورنمنٹی پر بھی لکھ دے کر برارت دعوی اپنے کی بالفاظ ذیل ظاہر کی (کہ بعد الیوم سے مظہرہ و ورثائے مظہرہ کا بابت کل حصص یعنی جمیع جائداد منقولہ غیر منقولہ مرقوم الصدر کے کوئی دعوی و دخل نہیں ہے و نہ ہوگا) اب عرصہ تین سال سے الٰہی بخش فوت ہے اور پسران ان کے جند وڈہ وغیرہ قابض ومتصرف ہیں، مسماۃ شرم خاتون مدعیہ اپنے حصہ وراثت پر کسی وقت میں قابض ومتصرف نہیں رہی جس کو تخمیناً عرصہ چالیس سال کا گزر گیا ہے بلکہ تصرف مالکانہ باپ مدعاعلیہ و دادا اس کے کا جائداد مستدعویہ پر باوجود قرب جواری ورشتہ داری کے دیکھتی رہ کر ساکت رہی، اب مدعیہ بعد عرصہ طویل کے حصہ موہوبہ خود مقبوضہ مدعاعلیہ کو بعد فوتیدگی اصل موہوب لہ کے بعد از ہبہ مشاع استرجاعاً واپس لینا چاہتی ہے، کیا باوجود قبضہ قدیم کے اُس کو بعذر مذکور دیانۃً حق رجوع ہوسکتا ہے اور باوجود اطلاع علی التصرف وابراء عن الدعوی ومرور میعاد سماعت شرع اقدس میں قضاءً دعوی اس کا قابل سماعت ہے یا نہ۔

جواب بھاولپور

ہبہ مشاع کا شریک وغیر شریک کو قدیم سے ائمہ دین میں اختلافی ہے صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما جواز وصحت اس کے قائل ہیں اور امام صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی فساد کے (روایت) ھبۃ المشاع فیما یحتمل القسمۃ من رجلین اومن جماعۃ صحیحۃ عندھما وفاسدۃ عند

الامام ولیست بباطلۃ حق تفید الملك بالقبض کذا فی جواھر الاخلاطی (بعد سطر) ھبۃ المشاع فیما یحتمل القسمۃ سواء کانت من شریکہ او من غیر شریکہ ولو قبضھا ھل تفید الملك ذکر حسام الدین فی کتاب الواقعات ان المختار انہ لا تفید الملك وذکر فی موضع اٰخر انہ تفید الملك ملکا فاسدا وبہ یفتی کذا فی السراجیۃ عالمگیری جلد ثالث ص۳۲۱، اور صاحب درمختار نے مذہب صاحبین کو ترجیح دی ہے (بروایت ذیل) ولو سلمہ شائعا لایملکہ فلاینفذ تصرفہ فیہ اھ لکن فیھا عن الفصولین الھبۃ الفاسدۃ تفید الملك بالقبض وبہ یفتی ومثلہ فی البزازیۃ علی خلاف ما صححہ فی العمادیۃ لکن لفظ الفتوی اٰکد من لفظ الصحیح کما بسطہ المصنف قولہ لکن لفظ الفتوی استدراك علی ما یستفید من قولہ ما صححہ فی العمادیۃ من ان القولین سواء حیث کان لفظ الفتوی اٰکد فیکون العمل علی ما فی الفصولین والبزازیۃ لانہ قال وبہ یفتی وھو اٰکد فی التصحیح اھ تکملہ شامی جلد ثانی کتاب الہبہ ص۳۳۳، بہرکیف ہبہ مشاع کا مسئلہ اختلافی ہے کوئی اہل فہم اُس کو اتفاق میں نہیں ڈال سکتا، لیکن فی الواقع پہلے سے قبضہ موہوب لہ کا بطور امانت کے ہے (بروایت ذیل) اقول بیانہ ان الترکۃ فی ید احد الورثۃ امانۃ فاذا انکرھا او منعھا صار غاصبا تکملہ شامی جلد ثانی ص۱۵۱ سطر۱۸ فصل التخارج اور قبض امین موہوب لہ کے لئے تجدید قبض کی ضرورت نہیں تو ہبہ صحیح وتام ہوگیا (روایت) وملك بالقبول بلاقبض جدید لو الموہوب فی ید الموھوب لہ ولو بغصب او امانۃ لانہ عامل لنفسہ، درالمختار کتاب الہبہ، اور مدعیہ جب تصرف مدعا علیہ پر مطلع رہ کر ساکت رہی ہے اور ابراء عن الدعوی بھی لکھدیا ہے اور میعاد سماعت دعوی کا بھی گزر گیا ہے تو قضاءً دعوی اس کا قابل سماعت نہیں (بروایت ذیل) وفی الحامدیۃ عن الولوالجیۃ رجل تصرف زمانا فی الارض ورجل اٰخر رای الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذلك لم تسمع بعد ذلك دعوی ولدہ وتترك علی ید المتصرف لان الحال شاھد (وبعد اسطر) واذا کان المدعی ناظرا ومطلعا علی تصرف المدعا علیہ الی ان مات المدعا علیہ لاتسمع الدعوی علی ورثتہ کما مر عن الخلاصۃ (وبعد سطر) والظاھر ان الموت لیس بقید وانہ لاتقدیر بمدۃ مع الاطلاع علی التصرف لما ذکرہ المصنف والشارح فی مسائل شتی اٰخر الکتاب (وبعد اسطر) اقول وعلی ھذا لوادعی علی اٰخر دارا مثلا وکان المدعا علیہ متصرفا فیھا ھدما وبناء او مدۃ ثلثین سنۃ وسواء فیہ الوقف والملك ولو بلانھی سلطانی او خمس عشر سنۃ ولو بلاھدم وبناء فیھا والمدعی مطلع علی التصرف فی الصور الثلاث مشاھد لہ فی بلدۃ واحدۃ ولم یدع ولم یمنعہ من الدعوی مانع شرعی لاتسمع دعواہ علیہ اما الاول فلاطلاعہ علی تصرفہ ھدما وبناء وسکوتہ وھو مانع من الدعوی کما علمت واما الثانی فلترکہ الدعوی المدۃ المذکورۃ وسکوتہ وھو دلیل علی عدم الحق لہ ولان صحۃ الدعوی شرط لصحۃ القضاء والمنع منہ حکم اجتہادی کما علمت واما الثالث فللمنع من السلطان نصرالرحمٰن قضاتہ فی سائر ممالیکہ عن سماعہ بعد خمس عشر سنۃ اذا کان ترکھا بغیر عذر شرعی فی الملك تکملہ شامی جلد اول باب التحالف ص۳۷۷ سطر۲، واما الابراء عن دعوی العین فجائز کما فی الدرر وھو ان یقول برئت

عنہا اؤعن خصومتی فیہا اوعن دعوای ھذہ الدار لاتسمع دعواہ ولابینۃ تکملہ شامی جلد ثانی صـ۱۸۰ سطر۳۱ باب الصلح، فی البزازیۃ عن المحیط لوابرء احد الورثۃ الباقیۃ ثم ادعی الترکۃ لاتسمع دعواہ تنقیح حامدیہ جلد ثانی صـ۵۴ سطر۹ باب الاقرار، فی البزازیۃ ابرء عن الدعاوی ثم ادعی علیہ ارثا عن ابیہ ان کان مات ابوہ قبل الابراء لاتصح الدعوی، عقود الدریہ فی تنقیح الحامدیہ جلد ثانی کتاب الدعوی وکذلک لوقال وھبت الذی لی علیہ من مالی فھو بریٔ من ذلك، عالمگیریہ جلد ثالث کتاب الاقرار صـ۵۸۲ اور مدعا علیہ کا قبضہ قدیم سے بطور امانت یا غصب کے جب ثابت ہے تو شرعاً مدعیہ کو کسی طرح حق رجوع حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ رجوع بعد التسلیم کے واسطے قضا یا رضا شرط ہے (بروایت ذیل) وبعد التسلیم لیس لہ حق الرجوع فی ذی الرحم المحرم وفیما سوی ذلك لہ حق الرجوع الا ان بعد التسلیم ینفرد الواھب بالرجوع بل یحتاج فیہ الی القضاء اوالرضاء تکملہ شامی جلد ثانی صـ۳۵۸ سطر۲ باب الرجوع فی الہبہ، صورت مسئولہ میں رضا مدعا علیہ کی تو ہے نہیں اور صحت قضا کے واسطے صحت دعوی شرط ہے اور وہ یہاں نہیں پائی جاتی کما مر، پس بوجوہات قویہ بالا مدعیہ کو نہ حق رجوع حاصل ہے اور نہ دعوی اس کا قابل سماعت ہے خاصکر سلطنت انگلشیہ میں میعاد سماعت ۱۲ سال مقرر ہے اور بنا برنہی سلطانی پر سماع دعوی زائد المیعاد قضاءً نافذ نہیں، قبضہ مدعا علیہ کا اگر وفات مسماۃ بہرائی سے فرض کیا جائے تب بھی دعوی مدعیہ زائد المیعاد ہے کیونکہ وفات اس کی کو ۱۶ سال گزر گئے ہیں اور ہبہ نامہ مرقومہ اگرچہ ظاہراً ہبہ مشاع ہے مگر حقیقت میں ابراء ہے (بروایت ذیل) وحاصلہ ان الابراء المتعلق بالاعیان اما ان یکون عن دعواھا وھو صحیح مطلقا وان تعلق بنفسہا فان کانت مغصوبۃ ھالکۃ صح ایضا کالدین وان کانت قائمۃ فھی بمعنی البراءۃ عنہا عن ضمانہا لو ھلکت ویقر بعد البراءۃ من عینہا کالامانۃ لاتضمن الا بالتعدی علیہا وان کانت العین امانۃ فالبراءۃ لاتصح دیانۃ بمعنی انہ اذا ظفر بہا مالکہا اخذھا وتصح قضاءً فلا یسمع القاضی دعواہ بعد ابراء، ھذا ملخص ما استفید من ھذا المقام تکملہ شامی جلد ثانی صـ۱۸۳ سطر۵ باب الصلح، ہبہ نامہ میں اگرچہ لفظ برارت کا صریح نہیں مگر لفظ ہبہ سے بھی برارت ہوسکتی ہے کما مر عن العالمگیریۃ خصوصاً لفظ مندرجہ ہبہ نامہ (کہ کوئی دعوی و دخل نہیں ہے اور نہ ہوگا) نص صریح برارت عن الدعوی پر ہے جو بالاتفاق صحیح ہے، لہذا شرعاً قبضہ مالکانہ مدعا علیہ رکھ کر دعوی مدعیہ کا قضاءً قابل اخراج ہے، واللہ تعالٰی اعلم

جواب دیوبند

اقول قال فی الدر المختار لاتتم بالقبض فیما یقسم ولو وھبہ شریکہ اولاجنبی لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامۃ الکتب فکان ھو المذھب الخ ولو سلمہ شایعا لایملکہ الخ درمختار، وفی رد المحتار وکما یکون للواھب الرجوع یکون لوارثہ بعد موتہ الخ فھذا یفید ان للواھب استردادہ من ورثۃ الموھوب لہ وایضا الحق لایسقط بتقادم الزمان کما حققہ المحقق الشامی فی مسائل شتی من اٰخر الکتاب، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ ۲۰ رجب ۳۷ھ

باسمہ تعالٰی

ازابوالمنظور محمد غو ... بخش مقیم بیت العلم والحکم پر دچڑان موضع کوٹلہ مدہو ڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور تحصیل خانپور

بعالی خدمت اسم درجت مدار رجال العلوم علی العموم حضرت مولٰنا ومخدومنا قبلہ آمال وآمال خیار عباد اللہ المتعال حضرت احمد رضاخان صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔　　مزاج شریف عفر لطیف

خدمت میں ضروری عرض ہے توجہ سے سن کر جواب بتدقیق وغور تمام بعجلت عطا فرمادیں۔ ایک استفتا متعلق ہبہ مشاع وطلاق صبی بمعہ ٹکٹ کچھ عرصہ سے خدمت میں بھیجا تھا، مولٰنا امجد علی صاحب اعظمی کے خط سے معلوم ہوا کہ نہیں ملا، پس حسب الایماء اُن کے دوسری نقل ارسال ہے کرم نواز ان من، عدالت ڈسٹرکٹ جج خان پور میں دعوی رجوع عن الہبہ کا گزرا ہے کہ جس کا رجوع شرع مقدس کی طرف ہے۔ علمائے علاقہ ہذا آپس میں مختلف ہیں، حضرت اعلٰی کی خدمت اقدس میں فتوی مع الجواب ارسال ہے براہ کرم بخشی وحسبۃً للہ تعالٰی بامعان نظر فتوی مرسلہ پر دستخط ومہر بالشمولیت جماعت علمائے کرام ثبت فرمادیں بمعہ مزید تائید جواب اس کے کہ واقعات صورت حال از کتاب القضاء ومخالفت دعوی وغیرہ رجوع عن الہبہ سے مانع ہے، اپنی ذات باحسنات سے اضافہ فرمادیں۔ جناب والا! ایک نقل دیوبند بھی ارسال کیا گیا تھا مگر مفتی دیوبند نے بڑی بے غوری سے جواب مختصر لکھ کر استفتا واپس کردیا ہے جس پر بڑی حیرت دامنگیر ہے کہ یہ کیا جواب ہے کہ کتاب القضاء ومخالفت دعوٰی وغیرہ پر کچھ بھی غور وتوجہ نہیں کی۔ مرکز فتاوی! جناب اقدس میں التجا ہے کہ بجنسہ استفتا جس پر مفتی دیوبند کا جواب ہے غور فرماکر بجلدی جواب مفصل بحوالہ صفحہ کتاب وغیرہ معزز فرمادیں اور چند پیشی پہلے گزر گئی ہیں فقط۔ ۱۰ رشعبان ۱۳۳۷ھ　۱۱ رمئی ۱۹۱۹ء

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔ یہاں چند امور پر لحاظ ضرور جن سے انکشاف جواب وظہور صواب ہو وباللہ التوفیق۔

اولاً شے صالح قسمت میں ہبہ مشاع باجماع ائمہ حنفیہ غیر نافذ ہے صاحبین وغیرہما کسی کو خلاف نہیں، امام شافعی کا خلاف ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین بدائع امام ملک العلماء جلد ششم ص۱۱۹ لاتجوز ھبۃ المشاع فیما یقسم وھذا عندنا وعند الشافعی تجوز، ہدایہ ج۳ ص۲۸۲ لاتجوز الھبۃ فیما یقسم الا محوزۃ مقسومۃ وقال الشافعی یجوز، تبیین الحقائق جلد ۵ ص۹۳ لاتجوز فی مشاع یقسم وقال الشافعی تجوز۔ ہاں اختلاف اس میں ہے کہ صرف وقت قبضہ وجود شیوع مانع جواز ہبہ ہے یا جبکہ وقت عقد بھی ہو اول قول امام ہے اور ثانی قول صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہم اور قول ہمیشہ قول امام ہے کما حققناہ فی اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام، بدائع الصنائع ج۶ ص۱۲۳ ابوحنیفۃ یعتبر الشیوع عند القبض وھما یعتبرانہ عند العقد والقبض جمیعا فلم یجوز ابوحنیفۃ ھبۃ الواحد من اثنین لوجود الشیاع وقت القبض وھما جوزاھا لانہ لم یوجد الشیاع فی الحالین بل وجد احدھما دون الاٰخر

بالجملہ اگر شیوع صرف وقت قبض ہو نہ وقت عقد ہو نہ وقت قبض جیسے دو شخص اپنا مکان مشترک جس میں تیسرا شریک نہیں، شخص واحد کو ہبہ کرکے ایک ساتھ قبضہ دیدیں، یہ صورت بالاجماع جائز ہے، کنز وتنویر وعامہ متون میں ہے وھب اثنان دارا لواحد صح اور اگر صرف وقت قبض ہو نہ وقت عقد جیسے ایک شخص اپنا مسلم مکان دو کو ہبہ کرے یہ امام کے نزدیک ناجائز اور صاحبین کے جائز، متون میں بعد عبارت مذکورہ ہے لاعکسہ تبیین وغیرہ شروح میں ہے ھذا عندہ وقالا یجوز، اور اگر عقد وقبض دونوں میں شیوع ہو جیسے ایک شخص کسی مکان یا گاؤں میں اپنا غیر منقسم حصہ کسی کو ہبہ کرے یا ایک مکان کے دو شریک ہیں ایک اپنا حصہ زید کو دوسرا عمرو کو ہبہ کریں اگرچہ معاً ہبہ کیا اور معاً قبضہ دیا ہو یہ صورتیں بالاجماع ناجائز ہیں، تبیین ج۵ ص۹۴ الا تری ان رجلین لو وھبا رجلین علی ان نصیب احدھما لاحدھما بعینہ ونصیب

الأخر للاٰخر لا یجوز بالاجماع، عالمگیریہ جلد ۴ ص۳۷۸ ذخیرہ سے الشیوع من الطرفین فیما یحتمل القسمۃ مانع عن جواز الھبۃ بالاجماع ظاہر ہے کہ صورت مذکورۂ سوال صورت ثالثہ ہے کہ صالح قسمت میں غیر منقسم حصہ ہبہ کیا ہے تو باجماع امام وصاحبین ناجائز ہے۔ ثانیاً روایات ظاہرۂ اصل مذہب میں ہمارے ائمۂ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک ہبۂ مشاع کہ ناجائز ہے بعد قبض بھی مفید ملک نہیں ہوتا بلکہ شے بدستور ملک واہب پر رہتی ہے، ہاں بعض مشائخ کے نزدیک ملک فاسد خبیث حاصل ہوجاتی ہے، اسے بھی خلاف امام وصاحبین سے کچھ علاقہ نہیں، بعض مشائخ کا خلاف ہے اور صحیح ومعتمد اول کہ وہی قول امام بلکہ قول ائمۂ ثلثہ اور وہی ظاہر الروایۃ مصحح ومرجح ہے تو اُس سے عدول جائز نہیں اگرچہ بعض اُس کے خلاف کو بہ یفتی کہیں، فتاوی خیریہ ج ۲ ص۱۰۰ لا تصح ھبۃ المشاع الذی یحتمل القسمۃ ولوصدق الوارث علی صدورھا عن المورث لان تصدیقہ لایصیر الفاسد صحیحا وکما لاتصح من الاجنبی لاتصح من الشریك کما فی اغلب الکتب ولاعبرۃ بمن شذ بخالفھم ولاتفید الملك فی ظاھر الروایۃ قال الزیلعی ولوسلمہ شائعا لایملکہ حتی لاینفذ تصرفہ فیہ فیکون مضمونا علیہ وینفذ فیہ تصرف الواھب ذکرہ الطحاوی وقاضیخان وروی عن ابن رستم مثلہ وذکر عصام انھا تفید الملك وبہ اخذ بعض المشائخ انتہی ردالمحتار میں فتوی مذکورہ علامہ خیر رملی کہ ہبۂ مشاع مفید ملک موہوب لہ نہیں ذکر کرکے فرمایا ج ۴ ص۵۰۸ وافتی بہ فی الحامدیۃ ایضا والتاجیۃ وبہ جزم فی الجوھرۃ والبحر ونقل عن المبتغی بالغین المعجمۃ انہ لوباعہ الموھوب لہ لایصح وفی نور العین عن الوجیز الھبۃ الفاسدۃ مضمونۃ بالقبض ولایثبت الملك فیھا الا عند اداء العوض نص علیہ محمد فی المبسوط وھو قول ابی یوسف اھ وذکر قبلہ ھبۃ المشاع فیما یقسم لاتفید الملك عند ابی حنیفۃ وفی القھستانی لاتفید الملك وھو المختار کما فی المضمرات وھذا مروی عن ابی حنیفۃ وھو الصحیح اھ فحیث علمت انہ ظاہر الروایۃ وانہ نص علیہ محمد ورووہ عن ابی حنیفۃ ظھر انہ الذی علیہ العمل وان صرح بان المفتی بہ خلافہ۔ ثالثاً بعض کے نزدیک اگرچہ مفید ملک ہو مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ واہب کو اُس پر دعوٰی نہ رہا، نہیں نہیں بلکہ اُسے دعوٰی پہنچتا ہے اور بالاجماع رجوع کرسکتا ہے اگرچہ یہ ہبہ ذورحم محرم کو کیا ہو حالانکہ وہ مانع رجوع ہے اور جس طرح واہب کو دعوی پہنچتا ہے اگر وہ مرجائے اُس کا وارث دعوی کرسکتا ہے حالانکہ موت احد العاقدین بھی مانع رجوع ہے اور اگر شیئ موہوب موہوب لہ کے پاس تلف ہوجائے اُس کا تاوان واہب کو دے حالانکہ ہلاک موہوب بھی مانع رجوع ہے اور وجہ وہی ہے کہ ان بعض کے نزدیک بھی یہ ملک صحیح نہیں بلکہ خبیث ہے اور عقد فاسد وواجب الرد ہے۔ فتاوی خیریہ ج ۲ ص۱۰۱ بعد عبارت مذکورہ ومع افادتھا للملك عند ھذا البعض اجمع الکل علی ان للواھب استردادھا من الموھوب لہ ولوکان ذا رحم محرم من الواھب قال فی جامع الفصولین رامزا لفتاوی الفضلی ثم ھلکت افتیت بالرجوع للواھب ھبۃ فاسدۃ لذی رحم محرم منہ اذ الفاسدۃ مضمونۃ علی مامر فاذا کانت مضمونۃ بالقیمۃ بعد الھلاك کانت مستحقۃ الرد قبل الھلاك انتھی وکما یکون للواھب الرجوع فیھا یکون لوارثہ بعد موتہ لکونھا مستحقۃ الرد وتضمن بعد الھلاك کالبیع الفاسد اذا مات احد المتبایعین فلورثتہ نقضہ لانہ مستحق الرد ومضمون بالھلاك

ولہذا ردالمحتار ص۱۰۹ میں بعد عبارت مذکورہ بجال تنزل بقول دگر اس کا محض نامفید ہونا یوں ظاہر فرمایا ولاسیما انہ یکون ملکاخبیثا کما یأتی ویکون مضمونا کما علمتہ فلم یجد نفعا للموھوب لہ فاغتنمہ۔ رابعاً مسئلہ ابراء عن الاعیان اگر یہاں سے متعلق ہوتا تو اس کا اثر صرف قضا پر تھا دیانۃً اپنی مملوکہ عین سے سو بار ابرا کرے ملک زائل نہ ہوگی اور جب ملے لے سکے گا، درمختار اوائل الصلح قولہم الابراء عن الاعیان باطل معناہ لم یصر ملکا للمدعی علیہ ولذا الوظفر بتلک الاعیان حل لہ اخذھا لکن لاتسمع دعواہ فی الحکم، ردالمحتار ج ۴ ص۴۷۲ نقل الحموی عن حواشی صدرالشریعۃ للحفید معنی قولنا البراءۃ عن الاعیان لاتصح ان العین لاتصیر ملکا للمدعی علیہ لا ان یبقی المدعی علی دعواہ الخ ابوالسعود ھذا اوضح مما ھنا قال السائحانی والاحسن ان یقال الابراء عن الاعیان باطل دیانۃ لاقضاء، مگر صورت مسئولہ میں کوئی ابرار ابتداءً نہیں بلکہ اس ہبہ ناجائز پر مبنی ہے جس پر اس کی یہ عبارت شاہد ہے کہ بعد الیوم سے مظہرہ دو ورثائے مظہرہ کا بابت کل حصص یعنی جمیع جائداد کے کوئی دعوی و دخل نہیں ہے و نہ ہوگا یہ وہی عبارت ہے جو بیعنامہ کے آخر میں لوگوں نے معمول کرلی ہے کہ آج سے میرا مبیع اور مشتری کا زرثمن میں کوئی دعوی نہ رہا، یہ اسی بیع پر مبنی ہوتی ہے نہ کہ کوئی ابرائے ابتدائی اگر بیع باطل ثابت ہو تو بلاشبہہ مبیع وثمن واپس دیئے جائیں گے، اور وہ الفاظ کہ دعوی نہ رہا کچھ خلل انداز نہ ہوگا، بعینہٖ یہی حالت یہاں ہے اس ہبہ کی بنا پر کہہ رہی ہے کہ آج سے کوئی دعوی نہیں جب وہ ہبہ شرعاً ناجائز ہے ان الفاظ کا بھی کچھ اثر نہیں، عقود الدریہ ج ۲ ص۵۹ اذاجری الصلح بین المتداعیین وکتب الصک وفیہ ابراء کل واحد منہما صاحبہ عن الدعوی ثم ظہران الصلح وقع باطلا بفتوی الائمۃ فاراد المدعی ان یدعی ما ادعی لاتصح دعواہ للابراء السابق والمختار ان تسمع لان ھذا ابراء فی ضمن صلح فاسد فلایعمل مجمع الفتاوی، فتاوی امام اصفہان ج ۲ ص۲۳۸ جامع احکام الصغار ص۴۱ لاتحرم ھو الصحیح لانہ ما اقر بالحرمۃ ابتداء وانما اقر بالسبب الذی تصادقا علیہ وذلک السبب باطل خامساً بفرض غلط اگر یہ ابتدائی ابرا بھی ہوتا تو اس چیز کی نسبت ہے کہ اس وقت تک اس کی ملک ہے جو خود معلوم اور بعد الیوم کی قید سے مفہوم اور نہ کسی منازعت میں ہے نہ کسی خاص کے نام تو محض باطل وبے اثر ہے، عقود الدریہ ج ۲ ص۴۵ وفی العمادیۃ قال ذوالید لیس ھذا لی او لیس ملکی او لاحق لی فیہ او نحو ذلک ولامنازع لہ حینئذ ثم ادعاہ احد فقال ذوالید ھو لی فالقول لہ لان الاقرار للمجہول باطل والتناقض انما یمنع اذا تضمن ابطال حق علی احد اھ ومثلہ فی الفیض وخزانۃ المفتین۔ سادساً ایک شخص دوسرے کو مدت تک کسی شے میں مالکانہ تصرفات کرتے دیکھے اور بلا عذر ساکت رہے پھر کہنے لگے کہ یہ تو میری ملک ہے، علماء کرام نے قطع تزویر وحیل کے لئے اس کا دعوی نامسموع رکھا ہے اور یہ حکم فقہی ہے نہ بربنائے منع سلطانی۔ اس کی بعض عبارات فتاوائے بہادلپور میں ہیں اور کثیر وافر ہمارے فتاوی میں، یہ حکم دیانۃ نہیں محض قضاءً ہے کہ نظر بظاہر حال ممانعت فرمائی کما نصوا علیہ، سائل نے سوال ہی میں اس کا اشعار کر دیا تھا کہ باوجود اطلاع علی التصرف قضاءً دعوی اس کا قابل سماعت ہے یا نہ مجیب نے تصریح کر دی تھی کہ صحت قضا کے لئے صحت دعوی شرط ہے اور وہ یہاں نہیں دعوی قضاءً قابل اخراج ہے اور یہ عبارت کہ الحق لایسقط بتقادم الزمان حکم دیانت ہے تو اس کے مقابل اسے پیش کرنا فتوائے دیوبند کی حماقت ہے۔ ان محقق شامی نے جن کے مسائل شتی آخر الکتاب کا حوالہ دیا اسی جگہ فرمادیا تھا، ج ۵ ص۴۲۶ ثم اعلم ان عدم

سماعہا لیس مبنیا علی بطلان الحق حتی یرد ان ھذا قول مھجور لانہ لیس ذلک حکما ببطلان الحق وانما ھو امتناع عن القضاۃ عن سماعہا خوفا من التزویر ولدلالۃ الحال کما دل علیہ التعلیل والافقد قالوا ان الحق لایسقط بالتقادم کما فی قضاء الاشباہ فلا تسمع الدعوی فی ھذہ المسائل مع بقاء الحق للاٰخرۃ ولذا لواقربہ الخصم یلزمہ یہاں علامہ شامی نے الحق لایسقط بالتقادم جواب دینے کے لئے نقل فرمایا ہے اس کی کوئی تحقیق نہ کی، تحقیق اسی کی لکھی ہے کہ اس صورت میں دعوی مسموع نہیں، اور یہ کہ اس پر الحق لایسقط بالتقادم وارد نہیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر شامی کا الٹا حوالہ دینا اور جس سے وہ جواب دے چکے اسی کو پیش کرنا اور ان کے سر دھرنا عجب جہالت ہے۔ بلکہ جواب صحیح یہ ہے کہ یہ مسئلہ صورت مسئولہ سے متعلق نہیں جہاں مدعی علیہ کا اقرار موجود ہو، اگر سو برس بھی گزر جائیں مانع دعوی نہیں۔ یہاں اس مال کا متروکہ سمارا در شرم خاتون کا وارث سمار ہونا امر مسلم ہے جس میں کسی کو نزاع نہیں پھر الٰہی بخش کا شرم خاتون سے ہبہ لینا ہبہ نامہ لکھوانا صراحۃً ملک شرم خاتون کا اقرار ہے تو مسئلہ مذکورہ یہاں سے اصلا متعلق نہیں۔ فتاوٰی خیریہ جلد ۲ ص ۳۳ سئل فیما ادعی زید علی عمرو محدودا انہ ملک ورثہ عن والدہ فاجابہ المدعی علیہ انی اشتریت من والدک بکذا وانی ذوید علیہ من مدۃ تزید علی اربعین سنۃ وانت مقیم معی فی بلدۃ ساکت من غیر عذر یمنعک عن الدعوی ھل یکون ذلک من باب الاقرار بالتلقی من مورثہ فیحتاج الی بینۃ یشھد لہ بالشراء ولاینفعہ کونہ واضع الید علیہ المدۃ المذکورۃ ولا تکون الحادثۃ من باب الدعاوی التی مر علیہا خمس عشرۃ سنۃ اجاب نعم دعوی تلقی الملک من المورث اقرار بالملک لہ ودعوی الانتقال منہ الیہ فیحتاج المدعی علیہ الی بینۃ وصار المدعی علیہ مدعیا ولاینفعہ وضع الید المدۃ المذکورۃ مع الاقرار المذکور ولیس من باب ترک الدعوی بل من باب المؤاخذۃ بالاقرار ومن اقر لشیئ لغیرہ اخذ باقرارہ ولوکان فی یدہ احقابا کثیرۃ لاتعد وھذا مما لایتوقف فیہ واللہ تعالٰی اعلم، عقود الدریہ جلد ۲ ص ۴ اذا ادعی اخوات زید علیہ بحصتھن من دار ابیھن المتوفی من خمس عشرۃ سنۃ وھو معترف بان الدار مخلفۃ لھم عن ابیھم تسمع الدعوی علیہ ولوطالت المدۃ کما افتی بذلک العلامۃ ابوالسعود العمادی ایضا ص ۳۶ فی البزازیۃ عن المحیط لوابرأ احد الورثۃ الباقی ثم ادعی الترکۃ وانکروا لاتسمع دعواہ وان اقروا بالترکۃ امروا بالرد علیہ اھ ردالمحتار سے گزرا لواقربہ یلزمہ۔ سابقاً ان بیانات سے روشن ہوا کہ دعوی شرم خاتون شرعاً دیانۃً قضاءً ہر طرح مسموع ہے۔ اب رہا نہی سلطانی کا شبہہ اگر قانون ریاست بھاولپور میں مسئلہ تمادی نہیں جب تو ظاہر کہ وہاں کے قضاۃ ہرگز ممنوع عن السماع نہیں۔ اور اگر ہے لیکن بحال وجود اقرار مدعی علیہ موثر نہیں جیسا کہ حکم شرعی ہے جب بھی اُسے یہاں سے تعلق نہیں کما تقدم۔ ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۳۲ نقل فی الحامدیۃ فتوی ترکیۃ عن المولی ابی السعود وتعریبہا اذا ترکت دعوی الارث بلاعذر شرعی خمس عشرۃ سنۃ فھل لاتسمع الجواب لاتسمع الا اذا اعترف الخصم بالحق ونقل مثلہ شیخ مشائخنا الترکمانی عن فتاوی علی افندی مفتی الروم ونقل مثلہ ایضا شیخ مشائخنا السائحانی عن فتاوی عبداللہ افندی مفتی الروم ایضا ص ۳۳۲ عدم سماع القاضی لہا انما ھو عند انکار الخصم فلو اعترف تسمع اور اگر وہاں مطلقاً ممانعت ہے کہ مثلاً ۱۲ سال کے بعد کوئی دعوی نہ سنا جائے اگرچہ مدعا علیہ کا اقرار موجود ہو تو البتہ وہاں کے قاضی نہ سن سکیں گے

کہ وہ قدر تولیت سے زائد میں معزول وکالعدم من الناس ہیں مگر خود رئیس پر فرض ہوگا کہ آپ سُنے یا کسی کو سُننے کی اجازت دے کہ حق ضائع نہ ہو، درمختار قبیل التحکیم القضاء یتخصص بزمان ومکان وخصومۃ حتی لو امر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمسۃ عشر سنۃ فسمعہا لم ینفذ، خیریہ ج ۲ ص۔۔ شامی ج ۴ ص۔۔ لانہ معزول عنہ بتخصیصہ فاستحق فیہ بالرعیۃ نص علی ذلک علماء نا رحمہم اللہ تعالٰی، غمز العیون ص۲۲۳ یجب علیہ عدم سماعہا لان امر السلطان یصیر المباح واجبا ولکن یجب علی السلطان ان یسمعہا کذا فی معین المفتی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ از موضع گھرپیا تحصیل وڈاکخانہ کچھا ضلع نینی تال، مرسلہ مساۃ افضل بیگم ۲ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّی نیاز علی کی بیوی منکوحہ قضاء الٰہی سے فوت ہوئی۔ اُس نے اپنا ایک بیٹا محمد ولی خاں چھوڑا، جب کچھ عرصہ کے بعد نیاز علی خاں نے دوسری بیوی کرنا چاہی تو قبل زوجہ ثانیہ کے کرنے سے نیاز علی خاں نے اپنی کل جائداد اپنے لڑکے محمد ولی خاں کے نام اسٹام پر تحریر کرادی اور اس کے بعد نکاح ثانی افضل بیگم کے ساتھ کیا لیکن وقت نکاح نیاز علی خاں نے یہ امر افضل بیگم سے پوشیدہ بھی نہیں رکھا تھا، صاف ظاہر کردیا تھا کہ جائداد جو کچھ ہے وہ محمد ولی خاں کے نام تحریر ہے، میرے پاس صرف ہاتھ پیر ہیں، تمہارا دل چاہے نکاح کرو یا مت کرو، لیکن افضل بیگم نے نکاح کرنا اسی حالت میں قبول کیا اور نکاح ہوگیا، اب کچھ عرصہ کے بعد نیاز علی خاں فوت ہوگیا ہے، تو اب مساۃ افضل بیگم نے لڑکے محمد ولی خاں سے اپنا مہر چاہنے کی خواہش کی بلکہ دعوی کچہری میں داخل کردیا۔ اور محمد ولی خاں وہ اسٹام جو قبل نکاح نیاز علی تحریر کرچکا ہے اُس کو پیش کرتا ہے کہ جائداد میری ہے نیاز علی خاں کی نہیں کہ میں مہر ادا کرسکوں، فریقین نے اس امر کو پنچایت پر قبول کیا ہے۔ پنچ فیصلہ خلاف حکم شرع شریف نہیں کرنا چاہتے۔ اس لئے خلاصہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ بحالت مذکورہ بالا افضل بیگم اپنا دین مہر محمد ولی خاں پسر نیاز علی خاں متوفی سے پانے کی مستحق ہے یا نہیں۔ مطابق حکم شرع شریف خلاصہ احکام سے آگہی بخشی جاوے، دیگر یہ بھی ہے کہ تحریر اسٹام سے اور نیاز علی خاں کے فوت ہونے تک کل مّدت اُس جائداد کی ہوئی ہے۔ اُس میں جو مناسب ہو تحریر فرمایا جاوے۔

الجواب۔ اگر جائداد کسی کی شرکت میں نہ تھی خالص نیاز علی کی تھی اور اُس نے بیٹے کے نام لکھ کر اپنے قبضہ سے بالکل خالی کرکے بیٹے کا قبضہ کرادیا تھا تو وہ کل جائداد محمد ولی کی ہوگئی۔ افضل بیگم کا اُس پر دعوی باطل ہے، اور اگر اس میں کوئی جائداد دوسرے کی شرکت میں تھی کہ نیاز علی کا حصہ جُدا تقسیم شدہ ممتاز نہ تھا یا کسی جائداد سے اپنا قبضہ نہ اٹھایا مثلاً مکان تھا۔ بیٹے کا نام اسٹامپ میں کرادیا اور خود ایک آن کے لئے بھی اپنی ذات اور اپنے اسباب سے خالی نہ کیا یا نام کرادیا اور بیٹے کا قبضہ نیاز علی کی زندگی تک نہ ہوا تو ان صورتوں میں ایسی جائدادیں نیاز علی ہی کی ملک ہیں، اور افضل بیگم کا دعوی مہر ان پر بجا ہے اس کا مہر ادا اور پہلی بی بی کا مہر باقی ہو تو وہ بھی اور اور جو کچھ نیاز علی پر دین ہو وہ سب ایسی جائدادوں سے پہلے ادا کیا جائے گا۔ اگر کچھ نہ بچے گا، ان جائدادوں سے محمد ولی کچھ نہ پائے گا، اور جو جائداد ان ذ شرطوں کے ساتھ محمد ولی کو نیاز علی کی زندگی میں مل چکی وہ محمد ولی کی ہے اُس پر کسی کا دعوی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ۔ از فرید آباد ڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور مرسلہ نور احمد فریدی سجادہ نشین فرید آباد ۲۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی واحد بخش نے مرنے سے ایک ماہ پہلے بحالت بیماری بدرستی ہوش حواس وسلامتی عقل

برضا و رغبت خود بروئے گواہان کہا کہ میری کل جائداد کا مالک قابض میرا پسر حقیقی مسمّی غلام احمد ہے اور اس نے قبول کرکے ایک ماہ تک اُس کی حیات میں حسب خواہش ایسا ہی کیا کہ مالک قابض متصرف جائداد پر اور بخانہ اش مقیم رہا ہے، اراضیات کی کلبہ رانی کاشت برداشت و تدارک آبادی وغیرہ بھی کرتا رہا ہے، ایک ماہ کے بعد واحد بخش فوت ہوا اور خرچ اخراج تجہیز تکفین تدفین وغیرہ مناسب اسی نے کی ہیں، تیسرے روز قُل خوانی پر حسب قول متوفی سب برادری وغیرہ نے دستار بندی اسی غلام احمد کی کرائی ہے کیونکہ واحد بخش کی اولاد نرینہ یہی تھی اسی لئے مرنے سے ایک ماہ پیشتر برضائے خود غلام احمد کو مالک قابض متصرف بناکر دارالبقا کو چلا گیا ہے بلکہ یہ بھی اُس وقت اُس نے کہا تھا کہ میری ہر دو دختران کی شادی کرانے کا بھی یہی مالک ہے، واحد بخش کے اہل وراثت حسب ذیل موجود ہیں، ذوی الفروض سے دو زوجہ مسماۃ غلام فاطمہ وجالی اور دو دختران مسماۃ خیران وامیران اور اقرب العصبات سے چار بنوعم مسمیان غلام احمد مذکور واحد بخش خدا بخش غلام رسول موجود ہیں، بعد توفیت واحد بخش کے دو ماہ دیگر بھی یعنی کل تین ماہ تک برضائے کل مالک قابض متصرف رہا ہے، پھر غلام فاطمہ جو اُس کی دردنی ناخواہ تھی اس کو گھر سے نکال دیا ہے اور ایسا نہیں چاہتی الّا قبضہ غلام احمد کا اراضیات پر تا حال بدستور موجود ہے خیران کا نکاح مسمّی لعل سے اور امیران کا نکاح غلام احمد مذکور سے شرعی طور پر ہوچکا ہے پس بشرع غرا دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ قول واحد بخش کا غلام احمد کے لئے ہبہ ہوسکتا ہے یا کیونکر، فتاوی قاضیخاں میں ہے رجل قال جمیع مااملکہ لفلان یکون ہبۃ حتی لایجوز بدون القبض، اور فتاوی عالمگیریہ مترجم جلد سوم میں ہے کہا وھبت ھذا الشیئ لک او ملکتہ منک یعنی یہ شے تجھے ہبہ کی یا تجھے اس کا مالک کیا او جعلتہ لک او ھذا الک یا میں نے تیرے واسطے کردی یا یہ شے تیرے واسطے ہے او اعطیتک او نحلتک یا میں نے تجھے عطا کی یا نحلہ دی فھذا کلہ ھبۃ، اور نیز فتاوی عالمگیری مترجم مذکور میں ہے کتاب الاصل میں مذکور ہے کہ مریض کا ہبہ یا صدقہ جائز نہیں ہے مگر جبکہ اس پر قبضہ ہوجائے اور جب قبضہ ہوگیا تو تہائی مال سے جائز ہے، اور اگر سپرد کرنے سے پہلے واہب مرگیا تو ہبہ باطل ہوگیا۔

اور جاننا چاہئے کہ مریض کا ہبہ کرنا عقداً ہبہ ہے وصیت نہیں ہے اور تہائی مال اس کا اعتبار کرنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ وصیت ہے بلکہ اس واسطے ہے کہ وارثوں کا حق مریض کے مال سے متعلق ہوتا ہے اور اس نے ہبہ کردینے میں احسان کیا تو اس کا احسان اس قدر مال سے ٹھہرایا جائے گا جتنا شرع نے اس کے واسطے قرار دیا ہے یعنی ایک تہائی اور جب یہ تصرف عقد ہبہ ٹھہرایا گیا تو جو شرائط ہبہ کے ہیں وہ مرعی ہونگے اور از انجملہ ایک شرط یہ ہے کہ واہب کے مرنے سے پہلے موہوب لہ اس پر قبضہ کرلے، یہ محیط میں ہے، اور درمختار میں ہے یمنع الرجوع فیھا حروف دمع خزقہ، پس ان عبارات کتب معتبرہ سے کیا استخراج ہوسکتا ہے اور کس طور حصص بطور ہبہ یا وراثت فیما بین الورثہ شرعاً منقسم ہوں گے۔

الجواب - مرض الموت میں ہبہ اگرچہ حقیقۃً ہبہ ہے فلہذا قبضہ شرط اور ناقسیم میں مشاع ناجائز مگر حکماً وصیت ہے ولہذا بے اجازت ورثہ ثلث سے زائد میں نافذ نہیں اور وارث کے لئے بے اجازت دیگر ورثہ باطل، عالمگیری میں تاتارخانیہ سے ہے وھب الرجل فی مرضہ غلاما لابنہ ولابنہ علی ھذا الغلام دین فان صح فھو جائز وان مات فصار للورثۃ عاد دینہ، اسی میں جامع المضمرات سے ہے مریضۃ وھبت صداقھا من زوجھا فان کانت مریضۃ مرض الموت لایصح الا باجازۃ الورثۃ عبارات مذکورہ سوال کا بھی یہی مطلب ہے دو ماہ بعد تک برضا کل قابض متصرف رہنے سے اگر یہ مراد ہے کہ بقیہ ورثہ نے اس کے نام اس ہبہ کو جائز کردیا اور اسپر

اپنی رضا کی تصریح کر دی تو بلا شبہہ غلام احمد مالک مستقل ہو گیا، جبکہ باقی سب ورثہ عاقل بالغ اہل اجازت ہوں اور اب ان کو اس اجازت سے رجوع کا اختیار نہیں، اور اگر ان کے مجرد سکوت و عدم منازعت کو رضا قرار دیا ہے تو اتنی قلیل مدت تک سکوت دلیل رضا نہیں، ان میں کل یا بعض جو اجازت نہ دے چکا ہو منازعت کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از شہر بریلی ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ڈیڑھ سو روپیہ کی ڈیڑھ سو گز زمین خرید کر اپنی عورت کے نام کر دی اس پر عملہ بھی شوہر نے بنوایا، بیاہتا عورت فوت ہو گئی، اس کی اولاد ایک لڑکا ایک لڑکی جن کے تمامی حقوق سے ادا ہو چکا، اب دوسری شادی کر لی ہے، اس سے دو لڑکے ہیں، اب وہ شخص چاہتا ہے کہ میری زندگی میں فیصلہ ہو جائے تاکہ بعد میرے مرنے کے جھگڑا نہ ہو، تو آیا پہلی عورت کی جو اولاد ہے ایک لڑکا ایک لڑکی ان کو اس جائداد سے کیا پہنچتا ہے، اور جو دوسری عورت سے دو لڑکے ہیں ان کو اس جائداد سے کیا حق پہنچتا ہے، تعداد جائداد کی ایک ہزار روپیہ ہے۔

الجواب ۔ پہلی عورت کا مہر اور وہ زمین کہ اس کے نام کر دی تھی جبکہ اسے پورا قبضہ دیدیا ہو اور وہ عملہ بھی جبکہ اسی کے لئے بنا ہو اس عورت کے وارثوں کا ہے جن میں شوہر بھی، اور عورت کے پسر و دختر، اور اگر مادر پدر رہوں تو وہ بھی، اور اگر وہ زمین عورت کے نام نہ خریدی نہ خود خرید کر اُسے دے کر اس کا پورا قبضہ کرایا تو زمین شوہر کی ہے اور عملہ بھی اسی کا ہے لانه ان وھب البناء قبل ان یبنی فھبۃ معدوم او بعدہ فھبۃ متصل وھی کھبۃ مشاع کما اوضحہ فی العقود الدریۃ وبیناہ علی ھامشھا وفی الخیر الرملی علی جامع الفصولین لہ شجر او بناء فی ارض لاٰخر وھبۃ لمن الارض بیدہ لا تجوز الھبۃ اھ وفی الدر تجوز ھبۃ البناء دون العرصۃ اذا اذن الواھب فی نقضہ پہلی صورت میں کہ زمین عورت کی تھی عملہ اس کا ہونے نہ ہونے کے لئے یہ معلوم ہونا درکار ہے کہ عملہ شوہر نے بطور خود بنایا، اور کیا کہہ کر بنایا کہ اپنے لئے بناتا ہوں یا عورت کے لئے یا کچھ نہ کہا یا عورت کے کہنے سے بنایا اور عورت نے کیا کہا یہ کہ میرے لئے بنا دے یا اپنے لئے بنالے یا کچھ نہ کہا اور بنانے کے لئے روپیہ عورت نے دیا یا شوہر کا تھا عورت نے دیا تو کیا کہہ کر دیا۔

بہر حال وہ کل مکان یا صرف عملہ اور زمین کا حصہ یا دونوں کا حصہ جو کچھ ملک شوہر ٹھہرے، اور ایسے ہی اس کے اور املاک ان میں اسی کی حیات میں کسی کا دعویٰ نہیں، ہاں وہ تقسیم کرنا چاہے تو چاروں بیٹے بیٹی کو برابر دینا چاہئے، پہلے جو ان کے خرچ خوراک یا تعلیم یا شادی میں لگا چکا، وہ اس حصے میں مجرا نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از بمبئی ڈاکخانہ ۹ آنکریم ہوٹل، مسئولہ مولوی احمد مختار صاحب ۵ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے منگنی کے وقت کچھ زیور وغیرہ اس عورت کے لئے دیا جس کے ساتھ اسکی منگنی قرار پائی، چند ماہ بعد عقد نکاح کے لئے آیا تو کچھ کپڑے بھی پیش کئے بعد ازاں اس کا عقد اسی عورت کے ساتھ ہو گیا، زیور اور کپڑوں کا اس عورت کو جماعت کے سامنے مالک بنا دیا تھا، اب کچھ عرصہ بعد اس نے عورت کو طلاق دیدی اور زیور کپڑے جو چڑھائے تھے وہ سب چھین لئے

پس یہ واپسی جائز ہے یانہیں، اکثر کتب فقہیہ میں ہے کہ قبل ازعقد جو کچھ دیا ہے اس کی واپسی کا شوہر کو اختیار ہے، بعد ازعقد جو دیا ہے وہ نہیں لے سکتا۔

الجواب - فی الواقع بعد نکاح جو کچھ تملیکا دیا اُس سے رجوع نہیں کرسکتا، اور قبل نکاح جو کچھ دیا اُسے بے مرضی زن واپس لینا گناہ ہے اور خود چھین لینے کا ہرگز اختیار نہیں، بلکہ عورت نہ دے نالش کرکے بحکم قاضی لے سکتا ہے اور گنہگار اس میں بھی ہوگا کہ صحیح حدیث میں فرمایا العائد فی ھبتہ کالکلب یعود فی قیئہ لیس لنا مثل السوء یعنی بری مثال مسلمان کے شایاں نہیں دے کر واپس لینے والا کتے کی طرح ہے کہ قے کرکے پھر چاٹ لیتا ہے۔ درمختار میں دربارہ موانع رجوع ہے والزوجۃ وقت الھبۃ فلو وھب لامرأتہ ثم نکحھا رجع ولو وھب لامرأتہ لا، اسی میں ہے لا یصح الرجوع الا بتراضیھما او بحکم الحاکم، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ - از اودے پور میواڑ راجپوتانہ اسٹیٹ محلہ افیم کا کانٹا برمکان محمد حیات صاحب انجنیر مسئولہ نیاز الحسن صاحب ۷ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں موافق مذہب حنفی کے کہ زید کے دو لڑکے ہیں بکر وعمرو، اب زید نے اپنی جائداد عمرو کو ہبہ کرکے اس پر عمرو کا قبضہ کرادیا اور بعد وفات زید کے عمرو نے جائداد موہوبہ اپنی زوجہ مسماۃ امیرن کو بالعوض مہر بخشش کردی اور بعد وفات امیرن کے عمرو نے اپنے بھائی بکر کو ایک خط لکھا، جس میں یہ لکھا ہے کہ جائداد مذکورہ کے تم مالک ہو اور عمرو کے امیرن کے بطن سے دو لڑکے ہیں خالد وناصر، اب بکر مدعی ہے کہ جائداد کا مالک میں ہوں اور خالد وناصر مدعی ہیں کہ مالک ہم ہیں، شرعاً مالک ووارث کون قرار دیا جاسکتا ہے۔

الجواب - جب زید نے عمرو کو ہبہ کرکے قابض کردیا اور عمرو نے امیرن کے مہر میں دیدی امیرن مالک ہوگئی، عمرو کو کوئی اختیار نہ رہا کہ اپنے بھائی کو اس کا مالک کردے، جائداد بقدر سہام خالد وناصر کی ہے، ہاں چہارم عمرو کو حصہ شوہری میں ملی اسے اپنے بھائی کو یا جسے چاہے ہبہ کرسکتا ہے، مگر ابھی نہیں بلکہ بعد تقسیم اپنا چہارم الگ متمیز کراکر ہبہ کرسکے گا ورنہ اس کا ہبہ بھی باطل، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ - از رائے بریلی یونانی دواخانہ کبیر گنج مسئولہ محمد عظیم عطار ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہندہ نے جو اس کے ذاتی دو مکان تھے اور اُس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکا تھا منجملہ دو قطعہ مکان کے ایک مکان خورد لڑکی کو اور مکان کلاں لڑکے نرینہ مع کل اسباب وغیرہ کے اپنی حیات میں ہبہ کرکے رجسٹری کرادی اور یہ الفاظ بھی رجسٹری میں تحریر کیے کہ چونکہ لڑکی مؤنث اور داماد میری خدمت گزاری کرتے ہیں اور میں ان کے ساتھ ہی رہتی ہوں اور حق شرعی بھی قریب قریب اسی کے ہوتا ہے۔ بخیال دور اندیشی واقع تنازع آئندہ کے ہبہ کرتی ہوں اور قبضہ بھی دیتی ہوں، لیکن بوجہ جھگڑا فساد کے کچھ عرصہ تک قیام کرکے لڑکی اپنے دوسرے ذاتی مکان میں اٹھ گئی۔ اور نیز برادران نے زبردستی جبر کرکے مؤنث سے ایک ہبہ نامہ بھائی کو لکھوالیا اور عمر خرچ رجسٹری وغیرہ برادران نے دلوادیا، بوجوہ ابتک لڑکی خاموش رہی، لیکن اب وہ مکان لینا چاہتی ہے، آیا شرعاً جائز ہے یانہیں، لڑکی عرصہ تک اس مکان پر قابض رہی اور ماں بھی اس مکان میں رہتی رہی۔ بینوا توجروا۔

الجواب - ماں اگر اُسی مکان میں رہتی رہی اور تھوڑی دیر کے لئے بھی اپنی ذات اور اپنے اسباب سے بالکل خالی کرکے لڑکی کو

قابض نہ کر دیا تھا جب تو لڑکی کے نام وہ ہبہ ہی صحیح نہ ہوا۔ ہندہ اگر زندہ ہے تو اپنے مکان کی وہ خود مالک ہے۔ اور اگر مر چکی ہے تو لڑکی اس مکان میں سے تہائی لے سکتی ہے۔ اور اگر ہندہ نے مکان بالکل خالی کرکے پورا قبضہ لڑکی کو دیدیا تھا تو وہ اس کی مالک ہوگئی پھر اس لڑکی نے اصرار سے بغیر شرعی مجبوری کے اُس نے بھائی کے نام ہبہ کر دیا اور اپنی ذات اور اسباب سے بالکل خالی کرکے بھائی کو قبضہ دیدیا تو بھائی مالک ہوگیا، اب لڑکی کو اُس سے واپس لینے کا کوئی اختیار نہیں۔ اور اگر واقعی اُس کو مجبور شرعی کرکے بالجبر ہبہ نامہ لکھوایا یا لڑکی نے کچھ دیر کے لئے بھی مکان اپنی ذات اور بالکل اپنے اسباب سے خالی کرکے بھائی کو قبضہ نہ دیا تو لڑکی اس مکان کی مالک ہے جب چاہے بھائی سے واپس لے سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از میرٹھ سٹی ضلع جودھپور، مسئولہ فخر الدین شاہ ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نہ اولاد ہے نہ بھائی حقیقی نہ بیٹا ہے وہ اگر اپنا ورثہ مال یتیم کو دیدے تو جائز ہے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب ۔ جس کا کوئی وارث شرعی نہ ہو وہ اپنا کل مال یتیم کو دے سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از سنبھل محلہ دیپا سرائے ضلع مراد آباد۔ مرسلہ حافظ عبدالرؤف۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے لڑکا پیدا ہوا، زید کی ہمشیرہ ہندہ نے بوجہ خوشی زید کے لڑکا پیدا ہونے کے زید کے لڑکے کو موافق رواج کے ہنسلی کھنڈوے چڑھائے جن کی قیمت ۷ روپے تھی۔ زید اپنی بہن ہندہ کو اپنے لڑکے کی پیدائش کی خوشی یا ہنسلی کھنڈوے کے صلہ میں دو بھینسیں دیں، ایک بھینس ہندہ نے فروخت کرکے اس کی قیمت سے اپنے شوہر کے روپے میں ملا کر غلہ کی تجارت کی اور نفع ہوا، دوسری بھینس کا بچہ ہندہ نے اپنے گھر رکھا اور بھینس کو بیچ کر کچھ اور روپیہ شوہر کے روپیوں میں سے اور بھینس شوہر سے خرید والی جواب مع بچہ کے موجود ہے۔ غرض فی الحال دو بھینسیں اور ایک بچہ موجود ہے مگر گوت یعنی چارہ وغیرہ کا خرچ بھینسوں کا شوہر کے ذمہ رہا بلا کسی شرط کے، اور گھی دودھ وغیرہ میاں بی بی دونوں کے تصرف میں ہوتا رہا؛ اور یہ معلوم نہیں ہنسلی کھنڈوے ہندہ کے روپیہ کے تھے یا شوہر کے داموں سے بنوائے گئے تھے؛ صورت مسئولہ میں اس مال تجارت مع نفع اور ان تینوں جانوروں کا مالک شوہر ہوگا یا ہندہ۔

الجواب ۔ وہ خریداری ہندہ نے اگر اپنے لئے کی ہے مالک صرف ہندہ ہے اگرچہ قیمت میں شوہر کا روپیہ بھی شریک ہے، پھر یہ روپیہ اگر شوہر نے ہبۃً دیا فبہا ورنہ اس قدر روپیہ ہندہ سے واپس لے سکتا ہے، اور اگر قیمت میں شوہر کا روپیہ شامل کرنے سے اُس شے میں شرکت مراد تھی تو وہ مال زن وشوہر دونوں میں مشترک ہے، زوج وزوجہ میں انبساط کامل ہونے کے سبب یہ نہ دیکھا جائے گا کہ چارہ کس نے دیا اور دودھ کس کس کے کام آیا، ہنسلی کڑے کسی کے روپیہ سے ہوں، وہ بھینسیں کہ بھائی نے بہن کو دیں بہن کی ملک ہوئیں، بہنوئی کا کچھ حق نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از سیتاپور محلہ عالم نگر مدرسہ اسلامیہ، مرسلہ عبدالقادر صاحب طالب علم ۱۴ رجب المرجب ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کچھ جائداد کو بعد انتقال اپنے لڑکے کے اُس کے دو صغیر بچوں کے نام ہبہ کرکے تاحیات بحیثیت متولی قابض رہا۔ بعد وفات واہب عمرو مدعی اجنبیت زید دعوی فسخ ہبہ وعدم جواز بنابر شاعیت موہوب وعدم قبضہ بذات خود صغیرین

کرتا ہے، سوال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی جائداد بلاتقسیم وتفریق حصص بینہما مسلم دو موضع جس میں واہب نے اپنا کسی قسم کا کچھ قبضہ و شرکت باقی نہیں رکھی، ہبہ کرکے بحیثیت متولی، کیونکہ یہ یتیم بچے اُسی کی پرورش میں تھے قابض رہے، یہ ہبہ جائز ہے یا ناجائز بالاتفاق یا باختلاف، اور فتوی کس کے قول پر ہے، اور یہ قبضہ واہب منجانب صغیرین ان کا قبضہ برائے جواز ہبہ متصور ہوگا یا نہیں، اور قول مشہور ہے کہ وقت اختلاف ائمہ ثلٰثہ معاملات میں قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی مفتی بہ ہوتا ہے، اس کی کیا اصل ہے، بوضاحت مع حوالہ کتب جواب باصواب سے مشرف وممتاز فرمائیے گا۔

الجواب۔ اگر وہ دونوں بچے فقیر تھے اپنے باپ یا اور کسی سے ارثاً یا ہبۃً کسی مال بقدر نصاب کے مالک نہ تھے تو یہ جائداد کہ دادا نے بعد وفات پسر انھیں مشترک کا ہبہ کی اور اپنا کوئی حصہ اُس میں نہ رکھا، یہ ہبہ بلاشبہہ صحیح وتام ولازم ہوگیا نہ مشاع ہونا اس کی صحت کو مُضر نہ موہوب لہما کا قبضہ ہونا اُس کی تمامی کو ضرور کہ جب وہ دونوں مالک نصاب نہ تھے تو اُن کے لئے ہبہ صدقہ ہوا، اور ایسا شیوع صحت صدقہ کا مانع نہیں اور جبکہ وہ یتیم و نابالغ ہیں تو دادا کا قبضہ بعینہ ان کا قبضہ ہے، ہبہ کرتے ہی تام ولازم ہوگیا، درمختار میں ہے (او وھبھا لفقیرین صح) لان الھبۃ للفقیر صدقۃ والصدقۃ یراد بھا وجہ اللہ وھو واحد فلا شیوع اُسی میں ہے وھبۃ من لہ ولایۃ علی الطفل فی الجملۃ تتم بالعقد لو الموھوب لہ معلوما وکان فی یدہ او فی ید مودعہ لان قبض الولی ینوب عنہ والاصل ان کل عقد یتولاہ الواحد یکتفی فیہ بالایجاب ہاں اگر وہ دونوں یتیم یا ایک غنی و مالک نصاب تھا تو سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یہ ہبہ صحیح نہ ہوا اور موت واہب سے باطل ہوگیا۔ تنویر الابصار میں ہے وھب اثنان دارا لواحد صح وبقلبہ لا۔ ردالمحتار میں ہے اطلق ذلک فافاد انہ لا فرق بین ان یکون کبیرین او صغیرین او احدھما کبیرا والاٰخر صغیرا وفی الاولین خلافھما اور فتوی ہمیشہ قول امام پر ہوتا ہے کما حققناہ فی رسالتنا اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام امام اجل برہان الملۃ والدین صاحب ہدایہ کتاب التجنیس والمزید میں فرماتے ہیں الواجب عندی ان یفتی بقول ابی حنیفۃ بکل حال یہ کہیں نہیں ہے کہ معاملات میں فتوی قول امام ابی یوسف پر ہے، ہاں مسائل وقف و قضا میں ایسا کہا گیا وہ بھی نہ کلیہ ہے نہ اعطائے قاعدہ کہ ائمہ ترجیح کا فتوی دیکھو یا نہ دیکھو مسائل کتاب القضا و کتاب الوقف میں قول ابی یوسف پر فتوی سمجھ لو ایسا نہیں بلکہ بلحاظ کثرت بیان واقع ہے ان دونوں کتابوں کے خلافیات میں مشائخ نے بہت جگہ قول ابی یوسف اختیار کیا ہے، یہ فتوی انھیں مواضع پر مقتصر ہے کما افادہ فی ردالمحتار ولا یمتری فیہ من لہ ممارسۃ بالفقہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ از شہر کانپور محلہ انورگنج، مرسلہ سید محمد باقر حسین پسر سید علی حسین خاں بہادر مرحوم ۱۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے کاروبار کے بہی کھاتے میں بدفعات بتواریخ سنہ وسال مختلف کبھی اپنے بڑے بیٹے اور کبھی چھوٹے بیٹے اور کبھی مشترکہ دونوں تینوں کے ناموں سے بہی کھاتہ جات میں اکثر رقومات مثل نقد یا آمدنی کمیشن یا منافع تجارت وغیرہ کو بمد جمع اندراج کرتا رہتا تھا اور بعد اندراج جملہ رقومات کو اپنے قبضہ تصرف میں رکھتا تھا چونکہ اسی درمیان میں زید دو لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑ کر انتقال کرگیا، لہٰذا اب جس قدر مال ومتاع ہے اُس میں سے نمبر۱ ونمبر۲ ونمبر۳ کے ناموں سے جو رقومات بمد جمع اندراج بہی کھاتہ جات ہیں تو کیا وہ رقومات جن کے ناموں سے زید نے اندراج بہی کھاتہ جات کیے ہیں وہ انھیں کی خاص سمجھی جاویں گی جبکہ ان رقومات پر متوفی خود ہی قابض و دخیل تھا اور

اپنے کاروبار میں لگائے ہوئے تھا اور نہ خاص ان رقومات کا کوئی منافع علیحدہ کرتا تھا یا جملہ رقومات شرعاً زید کے کل ورثہ کا حق ترکہ قرار پائے گا۔

الجواب ۔ ان میں اگر اس کا کوئی بیٹا اُس وقت نابالغ تھا تو اُس کے نام سے جو رقم مندرج کی وہ اس بیٹے کی ٹھہرے گی، باقی جو رقمیں کسی بالغ کے نام مندرج کیں اور اُسے قبضہ نہ دیا، یا دو کے نام مشترکا درج کیں خواہ وہ دونوں بالغ ہوں یا نابالغ، یا ایک بالغ ہو اور ایک نابالغ، ان چاروں صورتوں میں وہ اندراج بے اثر محض ہے، اور ایسی جملہ رقوم متروکہ زید ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ مرسلہ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب علی گڈھ کالج　　　۲۴ شعبان ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی کوئی اولاد صلبی نہیں ہے ایک دختر زادی ہے ایک زوجہ، ونیز علاتی بھائی ہیں، وہ شخص عاقل بالغ ہے وہ اپنی جائداد دختر زادی کے نام بوجہ محبت ذاتی کے، اور زوجہ کے نام بوجہ خدمات اور ادائے حقوق زوجیت کے منتقل کرنا چاہتا ہے، یہ شخص اس قسم کے تصرفات کا مستقل طور پر مجاز ہے یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ دوسرے ورثا اس کے حین حیات اس کارروائی میں کسی قسم کے عذر اور مزاحمت کرنے کے مجاز ہوسکتے ہیں یا نہیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں شخص مذکور کو شرعاً اختیار ہے، اپنی جائداد اپنی بی بی اور نواسی کو خواہ جسے چاہے دیدے۔ اُس کے بھائی وغیرہم کسی کو اصلاً حق مزاحمت نہیں، اگر مزاحمت کریں باطل و نامسموع محض ہے۔ ملک ایک اختصاص حکمی ہے کہ انسان کو اس کے مال میں اطلاق تصرف کا ثمرہ دیتا ہے کسی مالک کا اس کی ملک میں تصرف ممنوع النفاذ ہونا دو ہی طور پر معقول ہے، یا تو اس کی اہلیت میں قصور ہو جیسے مجنون یا صبی لایعقل کہ ان کے تصرفات مطلقاً باطل، یا معتوہ یا صبی عاقل کہ ان کے تصرفات ضارہ باطل اور دائر بین النفع والضرر اجازت ولی پر موقوف، قول صاحبین پر سفیہ بھی اسی کے ساتھ ملتحق ہے وہ کہ اپنا مال فضول و لغو باتوں میں برباد کرے، امام محمد کے نزدیک بنفس سفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک بعد حجر حاکم وھوالراجح، یا اہلیت تو کاملہ ہے مگر حق غیر متعلق ہے یہ حق اگر بعینہٖ اُس شے سے متعلق ہے جس میں تصرف کرنا چاہتا ہے جب تو منع نفاذ ظاہر ہے، جیسے راہن شے مرہون میں بے اذن مرتہن تصرف نہیں کرسکتا، یا مؤجر شے مواجر میں بے اذن مستاجر جبتک رہن واجارہ باقی ہیں، بخلاف عاریت کہ وہ محض اس کی طرف سے تبرع ہے، حق مستعیر اس سے متعلق نہیں، اور اگر عین شے سے تعلق حق نہ ہو تو منع نفاذ حجر حاکم پر موقوف ہے، مثلاً زید مدیون ہے اور دین اس کے جائداد کو مستغرق ہے تو قبل حکم حجر اگر وہ اپنی جائداد کسی کو ہبہ کردے یقیناً یہ تصرف نافذ ہوجائے گا کہ دین عین سے متعلق نہ تھا، بلکہ اُس کے ذمہ پر، ہاں اگر دائنوں نے درخواست دی کہ ہم کو اندیشہ ہے کہ یہ جائداد تلف کردے تو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اب بھی اُسے تصرف سے منع نہ کیا جائے گا کہ وہ مالک ہے اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے اس خیال سے کہ شاید تلف کردے دائنوں کا ضرر محتمل ہے، اور اُسے ممنوع التصرف کردینے میں اسے اہلیت سے خارج اور بہائم سے ملحق کردینا اس کا شدید ضرر حاضر ہے ایک ضرر خفیف موہوم سے بچنے کے لئے دوسرے کو بالفعل ضرر شدید پہنچانا مقتضائے عدل و حکمت نہیں، مگر صاحبین بنظر فساد زمانہ حاکم کو اس صورت میں اجازت حجر دیتے ہیں یعنی اس کے ممنوع التصرف ہونے کا حکم کردے، اس حکم سے پہلے وہ بالاجماع ممنوع التصرف نہ ہوگا، اور امامؒ کے نزدیک بعد حکم حاکم بھی، بلکہ یہ حکم ہی باطل ہوگا اسی تعلق حق غیر سے صورت مرض الموت ہے کہ مریض کے دو ثلث مال سے شرعاً حق ورثہ بایں معنی متعلق ہوجاتا ہے

کہ وہ نہ اسے ہبہ کرسکتا ہے نہ کسی ایک وارث کے ہاتھ بیع، اگرچہ[12] ثمن مثل کو ہو، اور[13] اگر کسی نے حالت مرض میں ایک وارث یا اجنبی کو اپنا کچھ مال یا کل ہبہ کردیا اور قبضہ دیدیا اور پھر وہ اچھا ہوگیا اگرچہ چندروز کے بعد مرگیا تو اب وہ تصرف بالاجماع صحیح ونافذ ہوگیا، تنہا موہوب لہ اس مال کا مالک قرار پائے گا اور ورثہ کو اس پر کچھ دعوٰی نہ پہنچے گا کہ دو ثلث مال سے ان کے حق کا تعلق بحال مرض الموت تھا جب وہ اچھا ہوگیا ظاہر ہوا کہ وہ مرض الموت نہ تھا، اور[14] تندرست کو اختیار ہے کہ اپنا کل مال ایک وارث خواہ کسی راہ چلتے کو دیدے کوئی اس سے مزاحمت نہیں کرسکتا نہ کوئی حاکم ایسا دعوٰی سُن سکتا ہے نہ اُس کے ممانعت کا حکم دے سکتا ہے، اور اگر دے گا تو بالاجماع باطل ہوگا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک حق عاقل بالغ پر حجر ہوسکتا ہی نہیں اگرچہ سفیہ ہو اگرچہ مدیون ہو اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے طور پر حجر ہے تو بوجہ سفہ یا دَین، اور یہاں دونوں مفقود، تو حجر محض باطل ومردود، یہ حکم قضا ہے، رہا حکم دیانت اس کا تعلق آخرت سے ہے قاضی اس میں دست اندازی نہیں کرسکتا، اور دیانۃً بھی بعض ورثہ کو محروم کرنا اس حالت میں منع ہے جبکہ محض بلاوجہ شرعی ہو، اگر ایسا کرے گا گنہگار ہوگا، حدیث میں فرمایا: جو اپنے وارث کے میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی جنت سے اُس کی میراث قطع فرمائے گا والعیاذ باللہ (رواہ ابن ماجہ وغیرہ) ورنہ اگر[15] وہ وارث مسرف ہے کہ مال فضول تباہ وبرباد کرے گا، یا فاسق ہے کہ مال ملنے سے اس کے فسق وفجور کو مدد پہنچے گی یا بدمذہب ہے کہ فسق عقیدہ فسق عمل سے بدتر ہے اور اسے مال ملنے سے دین پر احتمال ضرر ہے تو ان صورتوں میں دیانۃً بھی وہ ایسے وارثوں کو محروم کرسکتا ہے،

بہرحال کچھ بھی ہو کوئی دوسرا اس کے اس تصرف میں رکاوٹ نہیں کرسکتا نہ کسی مدعی کو دعوٰی پہنچتا ہے، نہ کسی حاکم کو حکم کہ وہ اپنی خاص ملک میں متصرف ہے اُن[16] کی نہ ملک ہے نہ حق پھر مزاحمت کیا معنی۔ بشیر بن الخصاصیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے صاحبزادہ نعمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ایک غلام ہبہ کیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت انور میں حاضر ہوئے کہ ان کی ماں رضی اللہ تعالٰی عنہا چاہتی ہیں کہ حضور اس پر گواہ ہوجائیں، ارشاد فرمایا اکل بنیك نحلت مثل هذا کیا تم اپنے سب بیٹوں کو ایسا ہی ہبہ کیا ہے۔ عرض کی نہ، فرمایا لاتشهدنی علی جور مجھے جور پر گواہ نہ کر۔ یہ حکم دیانت کی طرف ارشاد تھا اسے قضا سے کوئی تعلق نہیں کہ نہ کوئی مدعی تھا نہ تنازع اور[18] قضا بے خصم حاضر ناممکن ہے۔

بالجملہ اس کارروائی پر کسی کو اختیار دعوٰی ومزاحمت اصلاً نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم، حموی ص۳۶۳ قال فی فتح القدیر الملك قدرة یثبتها الشارع ابتداء علی التصرف فخرج نحو الوکیل اھ وینبغی ان یقال الا لمانع کالمحجور علیه فانه مالك ولا قدرة له علی التصرف والمبیع المنقول مملوك للمشتری ولا قدرة له علی بیعه قبل قبضه وعرفه فی الحاوی القدسی بانه الاختصاص الحاجز وانه حکم الاستیلاء، جوہرہ نیرہ جلد اول ولا[2] یجوز تصرف المجنون المغلوب علی عقله بحال والصبی والمجنون لا یصح عقودهما و لا اقرارهما لانه لا قول لهما اما النفع المحض فیصح منهما مباشرته مثل قبول الهبة والصدقة، درمختار جلد ۵ ص۱۲۸ و تصرف[3] الصبی والمعتوه الذی یعقل البیع والشراء ان کان نافعا محضا کالاسلام صح بلا اذن وان ضارا کالطلاق لا وان اذن وما تردد توقف، بدائع[4] جلد ۷ ص۱۶۹ واختلف ابویوسف ومحمد فی السفیه قال ابویوسف لایصیر محجورا الا بحجر القاضی وقال محمد ینحجر بنفس السفه۔ ردالمحتار[5] میں ہے وظاهر کلامهم ترجیح علی قول محمد، الفرویہ[6] جلد ۲ ص۲۸۲ بخلاف ما اذا کان فی ید الغاصب اوفی ید المرتهن اوفی ید المستاجر حیث لا تجوز الهبة لعدم قبضه لان کل واحد منهم قابض،

لنفسه وعامل لنفسه ایضا صفحہ ۲۸۲ ومالوکانت باعارۃ لعدم اللزوم بزازیہ فی الجنس الثالث فی ہبۃ الصغیر، ہندیہ میں ہے رکب الرجل دیون تستغرق امواله فطلب الغرماء من القاضی ان یحجر علیه حتی لایھب ماله ولایتصدق فالقاضی یحجر علیه عندھما ویعمل حجرہ حتی لم تصح ھبته ولاصدقته بعد ذلك لکن یشترط علم المحجور علیه بعد الحجر حتی ان کل تصرف باشرہ قبل العلم به یکون صحیحا ایضا[9] وقال ابوحنیفة رضی الله تعالٰی عنه لااحجر علی السفیه اذا کان حرا بالغا عاقلا والسفیه خفیف العقل الجاھل بالامور الذی لاتمییز له العامل بخلاف موجب الشرع وانما لم یحجر علیه عند ابی حنیفة لانه مخاطب عاقل ولان فی سلب ولایته اھدار آدمیته والحاقه بالبھائم و ذلك اشد علیه من التبذیر فلا یحتمل الاعلٰی لدفع الادنی، بدائع[10] جلد، صفحہ ۱۶۹ ولوحجر القاضی علی السفیه وحجرہ لم ینفذ حجرہ عند ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی حتی لو تصرف بعد الحجر ینفذ تصرفه عندہ، ہدایہ[11] میں ہے ولاتجوز بما زاد علی الثلث لانه حق الورثة، نتائج الافکار جلد ۸ صفحہ ۴۲۲ میں ہے واوضحه صاحب الکافی بان قال ولانه انعقد سبب زوال املاکه عنه الی غیرہ لان المرض سبب الموت و بالموت یزول ملکه لاستغنائه عنه ولوتحقق السبب لزال من کل وجه فاذا انعقدت ثبت ضرب حق اھ، درمختار جلد ۴ صفحہ ۲۱۵ میں ہے ووقف بیع المریض لوارثه علی اجازۃ الباقی، ردالمحتار میں ہے ای ولو بمثل القیمة وھذا عندہ، عالمگیری[12] ج ۳ صفحہ ۵۲ ومن الموقوف اذا باع المریض فی مرض الموت من وارثه عینا من اعیان ماله ان صح جاز بیعه وان مات من ذلك المرض ولم یجز الورثة بطل البیع، عالمگیری ج ۴ صفحہ ۱۳۱ مریضة وھبت صداقها من زوجها فان برئت من مرضها صح وان ماتت من ذلك المرض فان کانت مریضة غیر مرض الموت فکذلك الجواب وان کانت مریضة من مرض الموت لایصح الاباجازۃ الورثة، بحر[13] صفحہ ۳۱۳ جلد، وان وھب ماله کله لواحد جاز قضاء وھو اٰثم کذا فی المحیط، ابوالسعود ج ۳ صفحہ ۲۲۱ ولو وھب ماله کله لواحد جاز قضاء واٰثم والمختار التسویة بین الذکر والانثی فی الھبة، وفی الخانیة لاباس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبة لانه عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد به الاضرار وان قصد لایسوی بینهم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیه الفتوٰی ولو وھب فی صحته کل المال للولد جاز واثم انتھت، خلاصۃ الفتوٰی[15] ولو اعطی بعض ولدہ شیئا دون البعض لزیادۃ رشد لاباس به وان کانا سواء لاینبغی ان ینحل ولو کان ولدہ فاسقا فاراد ان یصرف ماله الی وجوہ الخیر ویحرمه عن المیراث ھذا خیر من ترکه لان فیه اعانة علی المعصیة ولو کان ولدہ فاسقا لایعطی له لتکثر من قوته انتھت وان کان بعض اولادہ مشتغلا بالعلم دون الکسب لاباس بان یفضله علی غیرہ وعلی جواب المتأخرین لاباس بان یعطی من اولادہ من کان عالما متأدبا ولا یعطی منھم من کان فاسقا فاجرا ولو کان ولدھا فاسقا فاراد صرف ماله فی الخیر فحرمانه ھذا خیر من ترکه لانه فیه اعانة علی المعصیة، غنیہ صفحہ ۵۱۳ میں ہے المبتدع فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من

الفسق من حیث العمل، تنویر[17] الابصار جلد۴ ص۲۲۵ میں ہے الدعوی ھی قول مقبول یقصد بہ طلب حق قبل غیرہ اودفعہ عن حق نفسہ، تنویر[18] الابصار ج۴ ص۲۵۹ القضاء ھو فصل الخصومات وقطع المنازعات، درمختار ج۴ ص۵۰۳ وص۵۰۲ تحت قول الماتن اذارفع الیہ حکم قاض نفذہ فرمایا بعد دعوی صحیحۃ من خصم علی خصم حاضر والا کان افتاء ردالمحتار میں ہے قال فی البحر اول کتاب القضاء فان فقد ھذا الشرط لم یکن حکما وانما ھو الافتاء صرح بہ امام السرخسی درمختار ص۲۷۳ و ۲۷۴ فی ایمان البزازیۃ المفتی یفتی بالدیانۃ والقاضی یقضی بالظاھر، واللہ تعالٰی اعلم۔

کتاب الاجارۃ

مسئلہ ۔ از کرتولی مرسلہ حضرت مولوی محمد رضا خاں صاحب یکم جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

بحضور میاں بھائی دام ظلہم العالی بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آمین الٰہی آمین

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ربیع ۲۵ ف میں بعد اختتام کار ربیع فصل سے خالی زمین کرکے چند کاشتکاران آمرزاپور ساکن موضع سلن نگر نے زبانی استعفا دیا جن میں سے ایک شخص نے مجھ سے خود کہا کہ میں نہیں کرونگا بجواب اس کے میں نے کہا کہ تو ہم سے ناتہ توڑ رہا ہے دو روپیہ فارغطانہ کے دیدے، اس نے وہ بھی دیدیئے، قاعدہ یہ ہے کہ تاوقتیکہ زمیندار کاشتکار کو بے دخل نہ کرائے یا وہ استعفا باضابطہ مقررہ نہ دے اس وقت تک نام کاشتکار خارج نہیں ہوسکتا، اور کاشتکار بلا اخراج نام بصورت مداخلت زمیندار اگر چاہے تو دعوی مال اور فوجداری میں کرسکتا ہے ۲۶ ف کے شروع میں سب کو دوبارہ اطلاع دی گئی کہ چاہے زمین کردیا پڑی رکھو لگان دینا ہوگا، اس پر بھی انھوں نے زمین کاشت کرنیکا اقرار کیا نہ کاشت کی ۲۶ خریف موجود ۲۷ کی نالش کردی گئی، آج ان مقدمات کی تاریخ ہے کل حضور کے اقبال سے چار قطعہ نالشات میں مالعہ روپیہ ملازم کو دیئے گئے اور لـہ ان شاء اللہ العزیز انھیں دو چار یوم میں اور ملیں گے، یہ روپیہ مجھکو جائز ہے یا نہیں، بنظر احتیاط ناکارہ غلام نے دو عدد بہیلیاں قیمت ۴۴ کو ہر شخص کو اس کا روپیہ اس کے ہاتھ میں دے کر اور یہ کہہ کر کہ ہم اپنا معاملہ پاک کرنا چاہتے ہیں نصف بہیل تمہارے ہاتھ فروخت کرتے ہیں تم اس کو للعہ پر خرید کرتے ہو سب نے بخوشی اپنے مطالبہ میں قبول کیا اور عمل بیع واقع ہوگیا، یہ کاشتکار ئیس کھیڑہ کی زمینداری میں آباد ہیں، ان سات کس مدعا علیہم کے ہمراہ ایک کارندہ یا تحنیث زمیندار اور ایک اس کا رفیق تھا، یہ صورت میں نے حضور میں اس بنا پر پیش کی کہ بجز اس کے کہ پٹواری مطیع اور نالشات دائر ہیں اور زیادہ دباؤ کی صورت نہیں، بیع خوشی سے عمل میں آئی کاشتکار سب کفار ہیں۔

الجواب ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

جان برادر بلکہ از جان ہزار جا بہتر مولوی محمد رضا خان سلمہ الرحمٰن وحفظہ فی کل آن آمین، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب تک زمیندار بے دخل نہ کرائے یا کاشتکار باضابطہ استعفانہ دے، زبانی استعفا کاشت چھوڑنا نہیں سمجھا جاتا یہاں تک کہ زمیندار مداخلت کرے تو اس پر مال و فوجداری دونوں میں دعوی ہوسکے، اور یہ قاعدہ خود ان کاشتکاروں کے علم میں بھی ہے اور باضابطہ استعفانہ دیا تو ثابت ہوا کہ وہ اجارۂ زمین سے دست بردار نہ ہوئے، اگر ہونا چاہتے باضابطہ

استعفا دیتے، پھر بھی اس میں شبہہ رہتا کہ زبانی تو چھوڑ چکے تھے اگرچہ قانوناً ان کا دعویٰ باقی رہتا، مگر جب تم نے شروع سال میں یہ صاف کہہ دیا کہ لگان بہر حال دینا ہوگا، اور انھوں نے سکوت کیا اگرچہ کاشت بھی نہ کی، تو یہ دوبارہ قبول اجارہ ہوگا اور لگان ان پر لازم آئی، یہ روپیہ بحمداللہ تمھیں بر وجہ حلال ملا، اس کے بعد اس احتیاط کی حاجت بھی نہ تھی، اب کہ کرلی گئی وہ روپے اس بیع کے ہوگئے، لگان ان پر بدستور رہتا، مگر ظاہراً تم نے روپے لگان میں لے کر پھر ان کے ہاتھ میں دے کر بیع کی پہلی لگان میں لے لینے سے لگان ادا ہوگیا اور وہ بھی مطالبہ سے بری ہوگئے، بہر حال یہ روپیہ تمھارے لئے بفضلہ تعالیٰ حلال طیب ہے مولیٰ عزوجل اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ میں دین و دنیا میں تمھارا اقبال دن دونا رات سوایا کرتا رہے۔ آمین

مسئلہ ۔ از شہر کہنہ بریلی　　مسؤلہ محمد ظہور صاحب　　۱۰ رشوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مزدوری کرتا ہے، دن روزہ کی مزدوری میں جب کام کرتا ہے تو بدرجہ کمی اور ٹھیکہ میں جب کرتا ہے تو کوشش اس امر کی کرتا ہے کہ زیادہ ہو، ایسی صورت میں اس کی روزی کیسی ہوئی۔

الجواب ۔ کام کی تین حالتیں ہیں، سست، معتدل، نہایت تیز۔ اگر مزدوری میں سستی کے ساتھ کام کرتا ہے گنہگار ہے اور اس پر پوری مزدوری لینی حرام، اتنے کام کے لائق جتنی اجرت ہے لے، اس سے جو کچھ زیادہ ملا مستاجر کو واپس دے، وہ نہ رہا ہو اس کے وارثوں کو دے، اُن کا بھی پتہ نہ چلے مسلمان محتاج پر تصدق کرے اپنے صرف میں لانا یا غیر صدقہ میں اسے صرف کرنا حرام ہے، اگرچہ ٹھیکے کے کام میں بھی کاہلی سے سستی کرتا ہو، اور اگر مزدوری میں معتدل کام کرتا ہے مزدوری حلال ہے، اگرچہ ٹھیکے کے کام میں حد سے زیادہ مشقت اٹھاکر زیادہ کام کرتا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک تاجر ایک اجیر پیشہ ور کو معتبر و متدین سمجھ کر سالہا سال اجرت پر کام بنانے کے لئے دیا وہ کاریگر ہمیشہ بہ دیانت تمام کام بنایا کیا، کبھی اُس سے کوئی تقصیر واقع نہ ہوئی، اب بہت دنوں کے بعد ایک مال اُس کی حفاظت سے گم ہوگیا، اس صورت میں اُس اجیر پر تاوان ڈالنا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب ۔ ناجائز ہے فی الوقایة لایضمن ماھلك فی یدہ وان شرط علیه الضمان وبه یفتی۔ وفی الاصلاح والتنویر بلفظه وفی النقایة کذلك الاقوله وبه یفتی وفی الملتقی المتاع فی یدہ امانة لایضمن ان ھلك وان شرط ضمانه به یفتی وفی الکنز المتاع فی یدہ غیر مضمون بالھلاك وفی الغرر لایضمن لھلك فی یدہ وان شرط علیه الضمان اھ وفی منح الغفار قد جعل الفتوی علیه فی کثیر من المعتبرات وبه جزم اصحاب المتون فکان ھو المذھب وفی الخانیة المختار فی اجیر المشترك قول ابی حنیفة وفیھا قال الفقیه ابواللیث علی قول ابی حنیفة لایضمن وبه ناخذ والفتوی علی قول ابی حنیفة اھ ملخصا وفی الخلاصة من

جنس القضاء القاضی الامام یذکر بقول ابی حنیفۃ قال ونحن نفتی بہ وفی التاتارخانیۃ عن الابانۃ اخذ الفقیہ ابو اللیث فی ھذہ المسئلۃ بقول ابی حنیفۃ وبہ افتی وفی الانقرویۃ قال القاضی فخر الدین الفتوی علی انہ لا یضمن تاتارخانیۃ اھ وفی البزازیۃ نوع القضاء القاضی افتی بقول الامام اھ وفیہا قال فی العیون اخترت قول الامام اھ وفیہا لو شرط الضمان علی المشترک ان ھلکت قیل یضمن اجماعا والفتوی علی انہ لا اثر لہ واشتراطہ وعدمہ سواء لانہ امین اھ وفیہا بعیدہ فی مسئلۃ لا یضمن وبہ یفتی اھ وفی جامع الفصولین قال وفیہا علیہ قول البزازی رث (الفقیہ الامام ابو اللیث) بہ ناخذ قال ھذا صاحب الذخیرۃ وفی الھندیۃ اوائل الفصل الاول فی الاجیر المشترک قال فخر الدین وعلیہ الفتوی وبہ ناخذ اھ وفیہا اواخر الفصل المذکور ایضا عن الکبری الفتوی علی انہ لا تضمن الاجیر المشترک الا ما تلف بصنعہ اگرچہ مسئلہ تضمین اجیر مشترک میں جبکہ مال بے اس کے فعل کے کسی ایسے سے ضائع ہو جائے جس سے احتراز ممکن تھا اقوال و فتاوے سخت مختلف ہیں مگر ہمارے امام اعظم امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس پر صورت مذکورہ میں مطلقاً تاوان نہیں اور یہی مذہب ہے امام ہمام قاضی شریح و امام عطا و امام طاؤس و امام مجاہد و امام ابراہیم نخعی و امام حماد بن ابی سلیمان استاذ امامنا الاعظم وغیرہم اکابر تابعین اور امام زفر و امام حسن بن زیاد وغیرہم ائمہ دین کا اور ایک قول میں امام شافعی نے بھی ایسا فرمایا اور وہ ایک روایت ہے امام احمد سے بلکہ کہا گیا امام محمد سے بھی اس کے مثل منقول ہوا اور حضرت امیر المومنین فاروق اعظم و امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایک روایت یوں وارد ہوئی بلکہ امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے قول ضمان چھوڑ کر اس طرف رجوع فرمائی بلکہ بعض علماء نے فرمایا یہ قول محل اجماع میں ہے امام اجل شریح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ سرکار مرتضوی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے قاضی تھے ہزارہا صحابہ تابعین کے حضور ہمیشہ یہی حکم دیتے اور کوئی انکار نہ فرماتا بلکہ خود حضور پرنور حکم عدل خیر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بارہ میں حدیث وارد، اور بعینہٖ یہی حکم حضور والا علیہ افضل الصلاۃ والثنا سے مروی اور انہیں تک ہی سب غایتوں کی غایت اور وہی ہیں سب نہایتوں کی نہایت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (ابوحنیفۃ عن بشیر الکوفی عن محمد بن علی عن ابیہ عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لاضمان علی قصار ولا صباغ) اور اسی پر جزم فرمایا، ملتقی و وقایہ و نقایہ و غرر و اصلاح و تنویر وغیرہا متون میں اور یہی مقتضی ہے اطلاق قدوری و ہدایہ و کنز و مجمع وغیرہا متون کا۔ غرض عامہ متون اسی پر ہیں اور اسی پر فتوی دیا امام فقیہ ابو اللیث سمرقندی اور امام اجل قاضیخان اور امام ظہیر الدین مرغینانی اور امام افتخار الدین طاہر صاحب خلاصہ وغیرہم اکابر ائمہ معتمدین نے بلکہ امام اجل ظہیری اول اس کے قائل نہ تھے بعدہ اس طرف رجوع لائے اور اسی کو راجح و مختار و معتمد و مفتی بہ ٹھہرایا، مضمرات و ذخیرہ و ابانہ و عیون و تاتارخانیہ و فتاوی کبری و فتاوی بزازیہ و محیط و وقایہ و ملتقی و اصلاح و تتمہ و تنویر و منح و درر وغیرہا جمہور ائمہ کے تصانیف معتمدہ میں، اور اس کی ترجیح مقتضی ہدایہ کا ہے اور یہی امام سے ظاہر الروایہ ہے، عامہ معتبرات میں اسی پر فتوی دیا اور اصحاب متون نے اسی پر جزم کیا، تو یہی مذہب ٹھہرا۔ ذرا چشم انصاف اس مذہب مہذب

کی سطوت وشوکت ملاحظہ کرے اما ان شریحا یقول بہ (فمحمد) فی الاٰثار عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم ان شریحا لم یضمن اجیرا قط (قلت) وارسلہ الامام فی المسند عن النخعی، واما عطاء وطاؤس فعزاہ الیھما فی الخلاصۃ والخیریۃ وغیرھما، والی مجاھد ایضا فی الخلاصۃ والی ابراھیم فی الحاشیۃ الطحاویۃ علی الدر المختار، والی حماد فی غایۃ البیان عن مختصر الامام الکرخی، والی زفر والحسن فیھا والایضاح فی الھندیۃ ومجمع الانھر، واما انہ قول للشافعی ورِوایۃ عن احمد فیستفاد من شرح العینی علی متن النسفی، وقد ذکر الاتقانی انہ الاصح عندھم نقل ذلک عن وجیزھم، وحکایتہ عن محمد ذکرھا الامام قاضیخان فی فتاواہ، واما روایۃ عن عمر وعلی رضی اللہ تعالٰی عنھما فالطوری فی شرح الکنز والسید احمد فی حاشیۃ الدر (قلت) ورأیت فی مسند الامام (ابو حنیفۃ) عن یونس بن محمد عن ابی جعفر محمد بن علی عن امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی انہ کان لایضمن القصار والصباغ (واخری) زاد فیھا ولا الحائک، واما رجوع علی الی ھذا فالطحطاوی عن الاتقانی عن شرح الکافی، (قلت) ای للامام شیخ الاسلام الاسبیجابی وقد رأیتہ فی غایۃ البیان نقلا عنہ واشار الیہ المولی بحر العلوم فی فواتح الرحموت۔ واما حلولہ محل الاجماع فالاتقانی ایضا حیث قال کان حکم شریح بحضرۃ الصحابۃ والتابعین من غیر نکیر فحل محل الاجماع اھ قلت فیہ ان لانکیر علی القضاۃ فی الاجتھادیات فالسکوت فی امثال المقام لایدل علی الوفاق وقد نقل الاتقانی نفسہ فقال قال شیخ الاسلام الاسبیجابی فی شرح الکافی قبیل باب الرجل یستصنع الشیئ کانت المسئلۃ مختلفا فیھا بین الصحابۃ والتابعین فابو حنیفۃ رجح اقوال البعض علی البعض اھ واما نصوص الملتقی والوقایۃ والنقایۃ والاصلاح والکنز والغرر والتنویر والمنح والتاتارخانیۃ والبزازیۃ وفتوی ابی اللیث وقاضیخان وابن عبد الرشید وصاحب الذخیرۃ والابانۃ والعون فقد سمعت کل ذلک، واما مجمع البحار فعزا الیہ فی ردالمحتار اثر الفتوی، وعن الامام الظھیری فی الخلاصۃ والخیریۃ والعالمگیریۃ والعمدۃ والعمادیۃ والمنح وغیرھا، ورجوعہ الی ھذا فیھا الا الخیریۃ، وعن المضمرات والذخیرۃ ایضا فی شرح النقایۃ وعن التتمۃ والمحیط فی الایضاح شرح الاصلاح فی حاشیۃ الطحطاوی ورد المحتار، واما ان ترجیحہ مقتضی صنیع الھدایۃ فلتقدیمہ القول وتاخیرہ الدلیل، واما انہا ھی ظاھر الروایۃ عن الامام فالشامی وغیرہ فی العقود الدریۃ وغیرھا واما الجزم بہ فی المتون والافتاء بہ فی عامۃ المعتبرات حتی کان ھو المذھب فقد سمعت نص المولی ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ التمرتاشی وتبعہ افندی شیخی زادہ والمدقق الحصکفی واللہ تعالٰی اعلم۔

بالجملہ مذہب امام غایت درجہ قوت وجلالت وثبات ومتانت پر واقع ہے بحیث لاتزعزع جوانبہ صیحۃ صائح و لاتزلزل ارکانہ صولۃ صائل وانا اقول وللہ التوفیق، ممارس فن جب بہ نگاہ امعان ہمارے اس تلخیص عبارات وتحسین اشارات پر نظر کریں تو ان شاء اللہ تعالٰی اس پر مہر نیمروز وماہ نیم ماہ کی روش روشن وبیّن ہوگا کہ یہاں مذہب امام رضی اللہ تعالٰی

عنہ بوجوہ کثیرہ اور اقوال پر جو اس کے مخالف و منافی ہیں ترجیح واضح رکھتا ہے اگرچہ وہ بھی مذیل بالافتاء والتصحیح ہوں کہ مطلقاً
اختلاف فتوی مستلزم تعادل واستوار نہیں۔ اولاً عامہ متون نے اس پر جزم کیا اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ متون شروح اور شروح
فتاوی پر مقدم ہیں وھذا یعرفہ کل من لہ معرفۃ فی الفقہ، علامہ زین بن نجیم مصری بحرالرائق میں فرماتے ہیں اذا اختلف
التصحیح والفتوی فالعمل بما وافق المتون اولی، علامہ بیری شرح اشباہ میں غیر مذہب امام پر بعض جگہ فتوی دیا جانا ذکر کرکے
کہتے ہیں ینبغی ان یکون ھذا عند عدم ذکر اھل المتون للتصحیح والا فالحکم بما فی المتون کما لایخفی لانہا
صارت متواترۃ، محقق شامی آفندی حاشیہ در میں بحث تخییر مفتی وقت اختلاف میں لکھتے ہیں اقول وینبغی تقیید
التخییر ایضا بما اذا لم یکن احد القولین فی المتون لما قدمناہ آنفا عن البیری ولما فی قضاء الفوائت من البحر
من انہ اذا اختلف التصحیح والفتوی فالعمل بما وافق المتون اولی۔

ثانیاً یہ قول، قول امام ہے اور ہم قول امام سے عدول نہیں کرتے جبتک کوئی ضرورت یا ضعفِ حجت نہ ہو اور یہاں
ضعف کیا جو قوت وشہرت ہے آفتاب نصف النہار ہے، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ قول امام نہ ترک کیا جائے اگرچہ مشائخ دوسرے
قول پر فتوی دیں چہ جائے آنکہ جمہور اکابر کا فتوی اسی طرف ہو، پھر اسے مہجور کیا جائے، بحرالرائق میں ہے لھذا ظھر انہ لایفتی
ولایعمل الا بقول الامام الاعظم ولایعدل عنہ الی قولھما او قول احدھما او غیرھما الا لضرورۃ من ضعف
دلیل او تعامل بخلافہ کالمزارعۃ وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولھما، اسی طرح علامہ فہامہ خیرالدین رملی نے اپنے
فتاوی میں ذکر فرمایا واولہ المقرر عندنا انہ لایفتی الخ واٰخرہ لانہ صاحب المذھب والامام المقدم، ردالمحتار میں ہے
وکذا لایتخیر (ای المفتی فی الافتاء بماشاء عند اختلاف الفتیا) لوکان احدھما قول الامام والاٰخر قول غیرہ
لانہ لما تعارض التصحیحان تساقطا فرجعنا الی الاصل وھو تقدیم قول الامام الخ

ثالثاً جمہور صحابہ وتابعین کا یہی قول ہے یہانتک کہ قریب اجماع کہا گیا ولاشک ان قول الجمھور الذین منھم
امامنا خیرلنا من بعض لیس ھو منھم۔

رابعاً خود حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس بارہ میں حدیث مروی بخلاف اور مذاہب کے کہ وہاں حدیث
مرفوع کا نام بھی سُننے میں نہ آیا۔

خامساً قول امام پر فتوی دینے والے اجلہ ائمہ ماکان ازمہ ترجیح وافتاء معروفین بالاتفاق مشار الیہم بالبنان ہیں جیسے
فقیہ امام ابواللیث سمرقندی وامام محقق برہان الدین مرغینانی وامام ظہیرالدین مرغینانی وامام افتخار الملۃ والدین طاہر بن بخاری وغیرہم
من الجلۃ الاکابر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بخلاف مذہب صاحبین کہ اس پر فتوی غالباً بالفاظ نکارت وابہام منقول ہوا من الناس من
افتی بقولھما۔ دوسری جگہ ہے قول بعضھم بہ یفتی، شرح کنز عینی میں ہے بہ یفتی بعضھم، خلاصہ وبزازیہ میں ہے بعض العلماء
اخذوا بقولھما شاید یہی وجوہ ہیں کہ جس قدر کتابیں اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں ان میں یہ تو بکثرت ہے کہ صرف قول امام پر فتوی

نقل کیا اور قول صاحبین کو ترجیح سے معرّی رکھا اور اس کا عکس ہرگز نہ فرمایا جس سے ظاہر کہ علماء قول صاحبین پر مطمئن نہیں رہے، تبیین کا حکم بقولہما یفتی سوان اکابر اساطین مذہب اور فاضل زیلعی میں جو فرق ہے کسے نہیں معلوم۔

سادسًا جمہور کا فتوٰی اسی طرف ہے لما مران قد جعل الفتوی علیہ فی عامۃ المعتبرات اور قول جمہور ہمیشہ منصور وغیر مہجور الشامی عن الحاوی القدسی ان اختلفوا یوخذ بقول الاکثرین ثم الاکثرین مما اعتقد علیہ الکبار المعروفون منھم کابی حفص وابی جعفر وابی اللیث والطحاوی وغیرھم ممن یعتمد علیہ۔

سابعًا اس قول پر فتوٰی دینے والے ایک امام علامہ فخر الملۃ والدین حسن بن منصور اوزجندی ہیں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، اور یہ امام فارس میدان ترجیح و تصحیح ہیں جن کی نسبت علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے، ان کے فتوٰی سے عدول نہ کیا جائے علامہ خیر الدین رملی حاشیہ جامع الفصولین میں فرماتے ہیں علیك بما فی الخانیۃ فان قاضیخان من اھل التصحیح والترجیح، علامہ قاسم تصحیح القدوری میں فرماتے ہیں ما یصححہ قاضیخان من الاقوال یکون مقدما علی ما یصححہ غیرہ لانہ کان فقیہ النفس، سید احمد حموی غمز العیون میں اسے نقل کرکے مقرر رکھتے ہیں، فاضل سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں الذی یظھر اعتمادما فی الخانیۃ لقولھم ان قاضیخان من اجل من یعتمد علی تصحیحاتہ۔ فاضل محمد امین ابن عابدین عقود دریہ میں فرماتے ہیں ما یصححہ قاضیخان مقدم علی ما یصححہ غیرہ۔

اب بحمد اللہ عرش تحقیق مستقر ہوگیا کہ اس مسئلہ میں قول امام بلاشبہہ امام الاقوال و اقوی الاقوال ہے جس سے بلاضرورت ہرگز تجاوز نہ چاہئے، یہ تو اصل مذہب پر بحث تھی، اگر بنظر تغیر زمان آرائی علمائے خلف پر نظر کیجئے تو یہاں جماعت کثیرہ ائمہ متاخرین کا قول قوی باشوکت مرجح مصحح مفتی بہ یہ ہے کہ اگر اجیر مرد صالح و متدین ہے تو ضمان نہیں، اور خائن دغاباز ہے، تو ہے اور مستور الحال ہے تو نصف قیمت پر صلح کرلیں، صاحب محیط نے فوائد میں اس پر جزم فرمایا کما فی الخیریۃ عن جامع الفصولین بہت ائمہ متاخرین نے اس پر فتوٰی دیا کما فی الحامدیۃ، بلکہ علامہ حامد آفندی فرماتے ہیں فقیہین جلیلین ابوجعفر و ابو اللیث نے بھی اسی کو اختیار فرمایا اور فرماتے ہیں یہ قول سب سے اولٰی اور اسلم ہے اور یہی فتوٰی ہے امام جلال الدین بدون کا کما فی المنح الغفار والطحطاوی، علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحب درمختار، علامہ سید اسعد مدنی مفتی مدینہ منورہ تلمیذ صاحب مجمع الانہر اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں ما احسن التفصیل الاخیر، فاضل شامی فرماتے ہیں قد اختلف الافتاء وقد سمعت ما فی الخیریۃ، اور فی الواقع یہ اس اعلٰی درجہ نفاست و متانت و احتیاط رزانت و مراعات جانبین و حفظ مذہب و لحاظ زمانہ پر واقع اور تمام خوبیوں کا جامع ہے کہ خواہی نخواہی قلوب اس کی طرف جھک جائیں اور تشتت اقوال و فتاوٰی کے پریشان کئے ہوئے ذہن اسے سنتے ہی سکون و اطمینان پائیں ہم امید کرتے ہیں کہ اگر امام یہ زمانہ پاتے اور اس قول کو ان کے حضور عرض کیا جاتا بیشک پسند فرماتے، اس قول پر بھی ما نحن فیہ میں ضمان لینا جائز نہیں کہ سائل تصریح کرتا ہے کہ وہ پیشہ ور معتبر و دیانتدار ہے سالہا سال سے کام کرتا رہا کبھی اس سے کوئی خیانت مافظ میں غفلت واقع نہ ہوئی برسوں کے بعد اتفاقًا اس کے پاس سے یہ مال گم ہوگیا، یوں تو آدمی کے پاس اپنا مال باوجود حفظ تام و احتیاط کامل

ضائع یا ہلاک ہوجاتا ہے، پھر یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ اپنے مال میں خائن ہے۔

بالجملہ جہاں تک نظرِ فقہی کی مجال ہے صورت مستفسرہ میں ضمان نہ آنا ہی اقوی الاقوال ہے ولئن تنزلنا فلاشك فی شدۃ قوتہ وانہ لمن احسن ما افتی بہ فلا یمکن حجر المفتی عن الافتاء بہ ابدا فیا خیبۃ من حکم علیہ بالغلط بغیا وحسدا وکیف یسوغ ذلك مع اختلاف الفتیا ھنالك ولکن الحسد حسك من تعلق بہ ھلك وفیما ذکرنا عبرۃ لمن اعتبر وتذکرۃ لمن اراد ان یتذکر وھو جملۃ یسیرۃ من مباحث کثیرۃ فلئن قنع ففیہ مقنع والا فعندنا بحمد اللہ افواج من الکلام فی بیدائن ھذا المقام فیھا العدد والعدۃ والباس والشدۃ فلئن لم ینتہ فسیری ان شاء اللہ تعالٰی شوارق تحقیقات زھرت فبھرت عیون المنافقین وبوارق تدقیقات سطعت فقطعت قلوب المعارضین وقولہ وانا متبری من الحول والقوۃ اذ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین امین۔

مسئلہ:-

جناب مولوی صاحب قبلہ وکعبہ دوجہان سلامت!　　بعد آداب وتسلیمات کے فدوی خدمت مبارک میں یوں عرض کرتا ہے کہ کمترین پہلے پیشہ معماری میں اپنی اوقات بسر کرتا تھا، پھر منشی نثار اللہ صاحب نے ایک مدرسہ تکیہ میں واسطے تعلیم قرآن مجید کے تعمیر کرایا، اس میں انھوں نے مجھکو واسطے تعلیم اطفال کے مقرر کیا، اس طرح کہ تم للہ لڑکوں کو قرآن پڑھاؤ اور ہم تمھارے اہل وعیال کے خورد ونوش کے واسطے مبلغ چار روپیہ ماہوار للہ دیا کریں گے، میں اس امر کو قبول ومنظور کرکے پڑھاتا رہا، اسی تنخواہ پر قانع رہا، کسی لڑکے سے کچھ طلب نہ کیا، دو سال تک تو منشی صاحب تنخواہ برابر دیتے رہے، بعد کو انھوں نے موقوف کر دیا، چونکہ اور کوئی میری معاش نہ تھی مجبوراً مکتب کو بدستور قائم رکھا اور درس دیتا رہا لیکن کسی شاگرد سے کچھ ماہوار متعین نہ کیا کہ مواخذہ آخرت نہ ہو، ہاں جو کسی نے دے دیا سو لے لیا اور جس نے نہ دیا اس سے طلب نہ کیا، اب لڑکے بہت قلیل رہ گئے ہیں، ان میں سے بھی بعض دیتے ہیں اور بعض نہیں دیتے، جس میں کوئی ۱۲؍ ماہوار کا حساب ہوجاتا ہے نوبت فاقہ کی بھی پہنچ جاتی ہے، اس پر قناعت کرکے شکر الٰہی بجا لاتا ہوں، اب مجھ پر ایک شخص نے یہ اعتراض کیا کہ جو کچھ لڑکوں سے مجھکو ملتا ہے ہر طرح حرام ہے خواہ وہ اجرت سمجھ کر دیں یا بطور للہ۔

پس اس مسئلہ کو آپ سب صاحبوں سے دریافت کرتا ہوں، آیا یہ مال حلال ہے یا حرام، براہِ خدا اس کا جواب مزین بمہر کرکے عنایت ہو کہ تردد رفع ہو اور وہ معترض حدیث کا قائل ہے فقہ کا نہیں۔

الجواب: سائل پر شرعاً کوئی الزام نہیں، اور جو کچھ اسے ماہوار ملِ جاتا ہے حلال طیب ہے اور کیفیت مذکورہ سوال اس کے نہایت صبر واستقلال وطلب وجہ حلال وخوف مولٰی ذوالجلال پر دال جزاہ اللہ تعالٰی خیرا بلکہ اگر وہ سب پڑھنے والوں سے اپنا ماہوار مقرر کرلے جب بھی جائز ہے، اور مذہب مفتی بہ پر اصلا مضائقہ نہیں فی حاشیۃ البحر الرائق للعلامۃ خیر الدین الرملی کتاب الوقف المفتی بہ جواز الاخذ استحسانا علی تعلیم القرآن الخ ومثلہ فی کثیر من الکتب۔

؎ مولوی امیر احمد سہسوانی۔

معترض کا اعتراض محض بیجا ہے اور اس کا یہ کہنا کہ للہ سمجھ کر دیتے ہیں جب بھی حرام ہے شریعت مطہرہ پر کھلا ہوا افترا، اگر پڑھنے والوں نے اتنے تنگدست استاد کی لوجہ اللہ خدمت کی، کیا گناہ ہوا، اور استاد کو اس کا لینا کیونکر حرام ٹھہرا، یہ محض جہالت وتعصب ہے، اللہ جل وعلا فرماتا ہے لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ ھٰذَا حَلٰلٌ وَّ ھٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ○ اور اس سے بڑھ کر اس کا جہل مرکب یہ ہے کہ مسائل شرع سے انکار رکھتا ہے، سبحان اللہ جہالت کی یہ حالت، اور فقہاء سے نفرت، بیشک ایسے ہی لوگ حدیث سے احکام سمجھنے کے قابل ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○ خیر اگر وہ حدیث ہی مانگیں تو خاص صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ان احق ما اخذ تم علیہ اجراً کتاب اللہ یعنی قرآن مجید سب چیزوں سے زیادہ اس کا لائق ہے کہ تم اس پر اجرت لو۔ امام علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالٰی تیسیر شرح جامع صغیر حدیثی میں اس حدیث کی شرح لکھتے ہیں:۔ فاخذ الاجرۃ علی تعلیمہ جائز الخ یعنی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن پڑھانے اجرت لینا جائز ہے، معترض پر فرض ہے کہ ان جہالتوں سے باز آئے اور مسائل شرع میں بے علم وفہم زبان کھولنے سے توبہ کرے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ واللہ تعالٰی جل جلالہ اعلم۔

مسئلہ ۔ مرسلہ حاجی الٰہ یار خاں صاحب ۱۱ رجب ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فی زمانا زمیندار اپنے اپنے گاؤں کے تالابوں یا جھیلوں یا دریا سے جو اپنے گاؤں کی حد میں ہوتا ہے مچھلیاں پکڑواتے ہیں اور نصف حق زمینداری سے آپ لیتے ہیں اور نصف پکڑنے والے کو دیتے ہیں، اور زمیندار تالاب یا جھیلوں یا دریا کو اپنا مملوکہ جانتے ہیں اور تالاب وغیرہ سے بغیر جال کے مچھلیاں پکڑنے پر قادر نہیں ہیں، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مچھلیاں ان تالابوں یا جھیلوں کی فروخت کر ڈالتے ہیں، یعنی کہار وغیرہ، وہ تالاب مول لے لیتے ہیں جس قدر مچھلیاں اس میں ہوتی ہیں وہ جال وغیرہ سے شکار کرکے لے جاتے ہیں، جابجا گاؤں میں اس کا رواج ہے، اور کسی اسامی کو اس میں کچھ عذر بھی نہیں ہوتا، اور گھاس بھی گاؤں کی زمیندار فروخت کرتا ہے، اُس کو بھی اپنا مملوکہ سمجھ رہا ہے، اور رواج بھی ہے، اس میں بھی کسی دوسرے گاؤں وغیرہ کی رعایا کو کچھ عذر نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ خود خرید لیتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب (اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب) ۔ یہ سوال تین مسئلوں پر شامل ہے:۔

مسئلہ اولٰی ۔ زمینداروں کا اپنے دیہات کے تالابوں سے مچھلیاں نصف پر صید کرانا، **اقول** وباللہ التوفیق اسکے جواب میں اول تنقیح اس امر کی ضرور ہے کہ آیا وہ مچھلیاں زمینداروں کی مملوک ہیں یا نہیں، اس بارے میں حکم شرع یہ ہے کہ اگر زمینداروں نے وہ تالاب اس غرض کے لئے مہیا کئے ہیں کہ برسات کے پانی جو ندیوں سے مچھلیاں بہا کر لائیں، ان میں فراہم ہوکر ہمارے ملک میں آئیں تو بلاشبہہ جو مچھلیاں ان میں جمع ہوں گی ان زمینداروں کی ملک خاص ہوں گی، اور اگر تالاب اس لئے مہیا نہ کئے مگر جب پانی بہا کر لایا، انھوں نے ان کی روک کرلی، کوئی مینڈھا وغیرہ ایسا باندھ دیا کہ اب مچھلیاں بہاؤ میں نہ نکل جائیں، تو بھی وہ مچھلیوں کے مالک ہوگئے

ان دونوں صورتوں میں کسی کو بلا اذن زمیندار ان مچھلیوں کا پکڑنا اور اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی صید کرے تو زمیندار کہ شرعًا اس کا مالک ہے، ایک ایک مچھلی اس سے واپس لے سکتا ہے، اور اگر ان صورتوں سے کچھ نہ تھا، نہ تالاب انھوں نے اس غرض کے لئے مہیا کئے، نہ بعد مچھلیاں آنے کے ان کی روک کی، تو البتہ وہ مچھلیاں اپنی اباحتِ اصلیہ پر باقی ہیں کہ انھیں جو پکڑے گا مالک ہوجائے گا، اور زمیندار کو اس سے واپس لینا جائز نہ ہوگا، کہ وہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں، ردّالمحتار وفتح القدیر وغیرہما میں ہے اذا دخل السمك فی حظیرۃ فاما ان یعدھا لذلك اولا ففی الاول یملکه ولیس لاحد اخذہ ثم ان امکن اخذہ بلاحیلۃ جاز بیعه لانه مملوك مقدور التسلیم والا لم یجز لعدم القدرۃ علی التسلیم وفی الثانی لایملکه فلا یجوز بیعه لعدم الملك الا ان یسد الحظیرۃ اذا دخل، فح یملکه ثم ان امکن اخذہ بلاحیلۃ جاز بیعه والا فلا۔

پس دو صورتوں پیشیں میں کہ زمیندار مالک ماہی ہیں، اگر انھوں نے نصف خود لیں ہرگز ظلم نہ کیا، کہ وہ کل انھیں کی ملک تھیں، بلکہ اگر زمیندار بعد اخذ وشکار ایک نصف مچھلیوں کا جدا کرکے برضائے خود اپنی طرف سے ہبہ صحیحہ تامہ نہ کردیں تو ان پکڑنے والوں پر لازم کہ یہ نصف بھی زمینداروں ہی کو واپس دیں، اگرچہ ان میں باہم اس شکار کی اجرت میں نصف مچھلیوں کا قرار داد ہولیا ہو، کہ ایسا اجارہ ہی شرعًا فاسد ہے، غایت یہ کہ اس عقد اجارہ کی صورت میں اپنی محنت کی اجرت مثل لے لیں، جو ان نصف مچھلیوں کی قیمت سے زائد نہ ہو، مثلاً جتنی دیر انھوں نے دام کشی کی اس کی اجرتِ مثل ۴؍ ہوتے ہیں اور مچھلیاں ۸؍ یا اس سے زائد قیمت کی پکڑی گئیں جب تو یہ پورے ۴؍ کے مستحق ہیں۔ اور کم کی شکار ہوئیں تو آدھی مچھلیوں کے جو دام ہوں اُس سے زیادہ نہ پائیں گے، فرض کیجئے جال میں ۶؍ کی مچھلیاں آئیں تو انھیں ۳؍ ملیں گے، اور ۲؍ کی تو ایک ہی آنہ، اور سو روپے کی تو وہی ۴؍۔

درمختار میں ہے لودفع غزلا لأخر لینسجه له بنصفه ای بنصف الغزل، اومستاجر بغلا لیحمل طعامه ببعضه او ثورا لیطحن برہ ببعض دقیقه، فسدت فی الکل لانه استاجرہ بجزء من عمله، ردّالمحتار میں ہے قوله فسدت فی الکل ویجب اجرالمثل لایجاوز به المسمی، زیلعی قوله بجزء من عمله، ای ببعض مایخرج من عمله، والقدرۃ علی التسلیم شرط وھو لایقدر بنفسه زیلعی،

اور صورت سوم میں جہاں زمیندار مالک ماہی نہیں ہوتے اگر زمینداروں نے ان شکار کرنے والوں کو اجارہ پر لیا اور وقت متعین کردیا، مثلاً آج دوپہر یا شام تک جال ڈالو، تو اس صورت میں بھی جتنی مچھلیاں جال میں آتی جائیں گی، سب ملک زمیندار ہوتی جائیں گی جن میں شکار کنندگاں کا کوئی حق نہیں، بلکہ وہی اپنے عمل کی اجرت پائیں گے، تو اب بھی نصف مچھلیاں لینا ہرگز ظلم نہیں، بلکہ پکڑنے والے جو نصف لیں گے انھیں ناجائز ہے، ہاں اگر وقت معین نہ کیا تو بیشک مذہب راجح پر وہ مچھلیاں ملک شکار کنندگان ہوں گی، اور وہ کسی اجرت کے مستحق نہ ہوں گے لکونهم عاملین لانفسهم صرف اس چوتھی صورت میں یہ حکم ہے کہ زمینداروں کا نصف لینا ظلم ہے۔ تنویر الابصار ودرمختار میں ہے استاجرہ لیصید له فان وقت لذلك وقتا جاز والا لا، مجتبٰی، وبه یفتی صیرفیه، اھ ملخصا، ردّالمحتار میں ہے

قولہ وبہ یفتی صیرفیہ قال فیھا ان ذکر الیوم فالعلف للاٰمر، والا فللمامور، وھذہ روایۃ الحاوی وبہ یفتی؛ قال فی المنح، وھذا یوافق ما قدمناہ عن المجتبی ومن ثم عولنا علیہ فی المختصر اھ؎۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ثانیہ ۔ تالاب کی مچھلیاں بیع ڈالنا اقول یہاں بھی وہی تین صورتیں ملحوظ ہوں گی، صورت سوم میں کہ مچھلیاں ملک زمیندار نہیں یہ بیع بالاجماع باطل ہوگی لانہ بیع مالیس فی ملکہ۔ اور مچھلیاں کہ خریدنے والوں نے پکڑیں ان کی ملک خاص ہوں گی، جن میں زمینداروں کو مزاحمت نہیں پہونچتی لانھم سبقوا الی مباح۔ اور جو قیمت انھوں نے ان سے لی واپس کریں لانعدام العقد شرعًا، اور اگلی دو صورتوں میں کہ مچھلیاں ملک زمیندار ہیں، اگر بلاحیلہ تالاب سے پکڑی جاسکتی ہیں تو بیع بالاجماع صحیح لانہ بیع مملوک مقدور التسلیم، اس صورت میں قیمت زمینداروں اور مچھلیاں خریداروں کو بالاجماع حلال وطیب ہوں گی کما لایخفی، وقدمنا جوازہ عن الفتح، وقال فی الذخیرۃ یجوز البیع عندھم جمیعا، اور اگر بغیر جال وغیرہ طرق شکار کے ہاتھ نہیں آسکتیں اور اکثر یہی ہوتا ہے تو بیع ناجائز ہونے پر اتفاق، اور اس کے بطلان وفساد میں اختلاف، امام شیخ الاسلام ومشائخ بلخ اور اساتذہ امام شمس الائمہ سرخسی سے ایک جماعت کے مذہب پر ایسی بیع باطل ہے لان محل البیع مال مقدور التسلیم فاذا انتفی انتفی، اسی پر امام بلخی یا ثلجی فتوی دیتے اور اسی کو امام برہان فرغانی صاحب ہدایہ وغیرہ نے اختیار فرمایا اور یہی من حیث الروایۃ اظہر ہے؎ یظھر ذلک بمراجعۃ الھندیۃ والدر المختار ورد المحتار وغیرھا، غیاثیہ میں فرمایا قالوا المختار ھذا نقل عنھا فی العالمگیریۃ۔ اس مذہب پر مچھلیاں کہ مشتریوں نے پکڑیں، بدستور ملک زمینداران پر ہیں، اور قیمت کہ زمینداروں نے لی بدستور ملک مشتریان، ان پر فرض کہ قیمت پھیریں، ان پر لازم کہ پکڑی ہوئی مچھلیاں زمینداروں کو دیں اگر انھوں نے مچھلیاں صرف کرلیں تو بازار کے بھاؤ سے جو قیمت مچھلیوں کی ہو زمینداروں کے لئے ان کے ذمے واجب الادا ہوئی، درمختار میں ہے البیع الباطل حکمہ عدم ملک المشتری ایاہ، اذا قبضہ فلاضمان لو ھلک المبیع عندہ لانہ امانۃ الخ۔ ردالمحتار میں ہے قولہ لانہ امانۃ، وذلک لان العقد اذا بطل بقی مجرد القبض باذن المالک، وھو لایوجب الضمان الا بالتعدی"در" اسی میں ہے یکون مضمونا بالمثل او بالقیمۃ،

پس اگر یہ قیمت اور وہ زرِ ثمن کہ زمینداروں نے ان سے لیا تھا برابر ہیں، فبہا ورنہ جس کی طرف زیادتی ہو دوسرے کو ادا کرے، مثلاً مشتریوں نے پانچ روپے دیئے تھے اور مچھلیاں کہ صرف کریں بازار کے بھاؤ سے دس روپے کی تھیں، تو پانچ روپے زمینداروں کو اور دیں، اور ایک روپیہ کی تھیں تو چار روپے زمینداروں سے پھیرلیں، اور اگر مشتریوں نے بیچ ڈالیں، تو جن جن کے ہاتھ بیچیں وہ سب بیعیں اجازت زمینداروں پر موقوف رہیں گی، جبتک مچھلیاں اور وہ بائع ومشتری وزمیندار باقی ہیں، زمینداروں کو اختیار ہے چاہے بیع جائز کردیں اور قیمت خود لے لیں، یا فسخ کردیں اور مچھلیاں واپس لیں، کما ھو حکم بیع الفضولی، ومعلوم ان الاجازۃ انما تلحق الموجود دون المعدوم، فیشترط لھا قیام العاقدین والمعقود علیہ، وکذا المجیز، حتی لم یکن لوارثہ ان یجیز کما فی الدر المختار وغیرہ، اور اگر ہنوز زمینداروں نے اجازت نہ دی تھی کہ مچھلیاں ان مشتریوں سے خریدنے والوں کے پاس صرف

؎ علی اختلاف العز وفی الدر بالموحدۃ والخاء وفی الفتح بالمثلثۃ والجیم کما فی ش عن ط ۱۲ منہ

ہوگئیں تو زمیندار مختار ہیں، بازاری نرخ سے ان مچھلیوں کی قیمت، اپنے مشتریوں، خواہ ان کے خریداروں جس سے چاہیں وصول کرلیں اگر اپنے مشتریوں سے لینا چاہیں تو وہی حکم ہوگا کہ ثمن ان سے لے چکے تھے، اس کا حساب کرلیں، اور دوسروں سے لیں تو وہ اپنا دیا ہوا ثمن مشتریوں یعنی اپنے بائعوں سے واپس لیں اور مشتری اپنا دیا ہوا ثمن زمینداروں سے۔

غرض ان احکام کے بیان سے یہ ہے کہ اس قول پر کیا کچھ انقلاب ہوتے ہیں اور کیسی کیسی دقتیں لازم آتی ہیں جن کا اثر شہر کی عام مخلوق پر پہنچے گا، ردالمحتار میں ہے للمالك تضمين ايهما شاء ثم ان ضمن المشترى بطل البيع وللمشترى ان يرجع على البائع بثمنه، لا بما ضمنا اھ ملخصا، یہ سب احکام اس مذہب پر تھے کہ بیع مذکور بوجہ عدم قدرت علی التسلیم باطل ٹھہرے، اور حضرت امام مذہب سیدنا امام اعظم و محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ایک روایت پر ایسی بیع صرف فاسد ہوتی ہے نہ باطل لقيام الملك والمالية فكان عقدا صادرا من اهله فی محله، فلا وجه لبطلانه، ويأتيك كلام الفتح لبيانه، اسی کو امام اجل قاضی اسبیجابی اور اساتذہ امام شمس الائمہ سرخسی سے دوسری جماعت نے اختیار کیا، کما فی الهندية، اور اسی کو امام ابوالحسن کرخی نے اخذ فرمایا کما فی الدرر، اور اسی کو امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں ترجیح دی، اور اس کی تحقیق میں بحث نفیس افادہ کی، اور اسی کو متن تنویر میں مقدم و مرجح رکھا، درمختار میں ہے القول بفساده رجحه الكمال، ردالمحتار میں ہے حيث قال والوجه عندى ان عدم القدرة على التسليم مفسد لا مبطل واطال فی تحقيقه، اور ظاہر ایہی من حیث الدلیل اظہر ہے، فتح میں فرمایا وقول من قال المحلية كونه مالا مملوكا مقدور التسليم، ان عنى محلية البيع الصحيح فنعم والا فلا، بل محل البيع المال المملوك للبائع او لغيره، فان كان له فنافذ، او لغيره فموقوف، والنافذ اما صحيح ان كان مبيعه مقدور التسليم وليس فيه شرط فاسد، والا ففاسد اھ اس مذہب پر اگرچہ یہ عقد ناجائز و ممنوع، اور عاقدین پر واجب کہ اسے فسخ کرلیں، زمیندار مشتریوں کو ثمن پھیر دیں، مشتری تالابوں سے کنارہ کریں لان الفساد لحق الشرع فيجب اعدامه برفع العقد، مگر اگر انھوں نے فسخ نہ کیا یہانتک کہ مچھلیاں تالاب سے شکار ہوئیں، اور قبضے میں آگئیں تو اب وہ بیع کہ فاسد تھی صحیح ہوگئی، کہ سبب فساد کہ تعذر تسلیم و تسلم تھا، نہ رہا، کہ ان سے جو مقصود تھا یعنی مشتری کا قبضہ وہ حاصل ہوگیا، فتح القدیر میں ہے انك علمت ان ارتفاع المفسد فی الفاسد يرده صحيحا، لان البيع قائم مع الفساد وارتفاع المبطل لا الخ، اسی میں ہے المقصود من القدرة على التسليم ثبوت التسلم فاذا كان ثابتا حصل المقصود

بالجملہ یہ دو قول ہیں، دونوں قوت پر، دونوں جانب ائمہ فتوی، دونوں طرف ترجیح و افتا، ایک اگر من حیث الروایۃ اقوی دوسرا من حیث الدرایۃ اجلی، مگر قول اول یعنی بطلان پر وہ روپیہ کہ بنام ثمن زمینداروں نے لیا ان کے لئے حرام، مچھلیاں کہ مشتریوں نے لیں ان کے لئے حرام، کھائیں تو حرام کھلائیں تو حرام، بیچیں تو حرام، بیچ کر جو ثمن حاصل کریں وہ حرام، ان سے جو لوگ مول لیں واقع میں ان کے لئے خریداری حرام، کھانا حرام، کھلانا حرام، زمیندار غاصب، تالاب لینے والے غاصب، شہر بھر کی مچھلیاں مول لینے والے غاصب غاصب، یہ عالمگیر دقتیں ہیں، بخلاف قول ثانی یعنی فساد ابتدائی و صحت انتہائی، کہ اس میں یہ ساری خرابیاں مرتفع ہیں، تو مسلمانوں پر آسانی کے

لئے اگر اسی قول پر فتوی دیں بیشک انسب و الیق ہے، حضور پر نور سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں یسّروا ولا تعسروا وبشّروا ولا تنفروا۔ آسانی کرو اور دشواری میں نہ ڈالو اور خوشخبری دو اور نفرت نہ دلاؤ (اخرجہ احمد والشیخان والنسائی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اس تقدیر پر خلاصۂ حکم یہ ٹھہرا کہ اگر مچھلیاں ملک زمینداران نہ تھیں تو بیع باطل، اور مچھلیاں شکار کرنے والوں کی ملک ہوئیں، اور ان سے خریدنا بلا تکلف روا۔ زمینداروں پر فرض کہ جو روپیہ بنام قیمت ان سے لیا انھیں واپس دیں، اور اگر مملوک زمینداران تھیں اور بے شکار کے قبضہ میں آسکتی تو بیع صحیح، اور ثمن وسمک ہر بائع ومشتری ومشتری مشتری کے واسطے حلال وطیب، اور بے شکار ہاتھ نہ آئیں تو زمیندار و مشتری اس بیع سے گنہ گار ہوئے، مگر جب مچھلیاں شکار کرلی گئیں تو مچھلیوں اور قیمتوں کا وہی حکم ہوگیا، جو بیع صحیح میں تھا، کہ سب کے لئے حلال، غرض اس مذہب پر مشتریوں اور اُن سے خریدنے والوں کے لئے مچھلیاں بہر صورت حقیقۃً وحکماً حلال ہی رہتی ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ثالثہ۔ بنجروں کی گھاس بیع ڈالنا **اقول** اگر زمینداروں نے وہ زمین اس غرض کے لئے مہیا کی ہے کہ اس میں جو گھاس پیدا ہو ہم بیع کیا کریں، اور انھوں نے گھاس کی افراط وعمدگی کے لئے اس زمین کو پانی دلوادیا، جو گھاس جمنے کا باعث ہوا، یا خود رو گھاس آپ ہی جم آئی، اور انھوں نے اس کی رکھوالی کرائی، اس کے گرد کھائی کُھدوا دی، یا باڑھ رکھوا دی کہ روک ہوجائے، ہر جانور وغیرہ کے تصرف سے بچے، تو ان دونوں صورتوں میں وہ گھاس زمینداروں کی ملک ہوگئی، اور اس کی بیع صحیح وجائز، یہی قول راجح ومختار ہے اور اسی کی طرف اکثر ائمہ کبار، اور اگر ان صورتوں سے کچھ نہ تھا، تو بیشک وہ گھاس ہر شخص کے لئے مباح ہے، اور جو کاٹ لے گا اسی کی ملک ہوجائے گی، زمیندار اگر یوہیں زمین میں قائم بیع ڈالیں گے، بیع باطل ہوگی، اور قیمت واپس دیں گے، فتاوی عالمگیریہ میں ہے لایجوز بیع الکلاء واجارتہ وان کان فی ارض مملوکۃ ھذا اذا نبتت بنفسہ فاما اذا کان سقی الارض واعدھا للانبات فنبتت ففی الذخیرۃ والمحیط والنوازل یجوز بیعہ لانہ ملکہ وھو مختار الصدر الشہید ومنہ مالو خندق حول ارضہ وھیأھا للانبات حتی نبت القصب صار ملکا لہ وعلیہ الاکثر، ھکذا فی البحر الرائق ولو احتشہ انسان بلا اذنہ کان لہ الاسترداد، ھو المختار کذا فی جواھر الاخلاطی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ۔ از سنبھل ضلع مرادآباد　　　مرسلہ محمد ذکاوت حسین　　　۶ / صفر ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سنی حنفی نے طریقۂ وعظ بغرض افتائے رسالت خاتم النبیین واعلان طریقۂ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وسلم اختیار کیا ہے، اور اس کے وعظ کے اثر سے شرک وبدعات وغیرہ کافور ہوتی چلی جاتی ہے، اور ہزار ہا اہل اسلام جو ضروری شعائر اسلام اور ارکان صوم وصلاۃ سے بھی واقفیت نہ رکھتے تھے وہ خود معلم نماز وامام مساجد ہوگئے، اور یہ شخص جابجا مواضع ومواسم میں بے تکلف علٰی رؤس الاشہاد وبمقابلہ اعدائے دین جہاد لسانی کرتا ہے، اگر ایسے شخص کو اہل اسلام

ـــــــــــــــــ

عـــہ اصل میں یہاں "ترک" کی علامت بنی ہوئی ہے اس لئے انداز سے عبارت بنا دی گئی۔ ۱۲

عالم باعمل اور منجملہ ورثۂ انبیاء تصور کرکے بلحاظ اُس کی حالت بیکاری اور فکر معاش کے غمخواری کے کچھ نقد وغیرہ بلا اس کی طمع اور درخواست کے تعظیماً نذر کریں، تو یہ پیشکش اور نذر اس کے حق میں حلال وطیب ہے یا نہیں، اور اہل اسلام ایسے شخص کو معتقد علیہ تصور کریں یا نہیں، اور اس نذر اور تحفہ کے بدلے اجرِ عظیم پادیں گے یا نہیں، استفتا ہذا کو اپنے دستخط مبارک اور بمواہیر تلامذہ راشدہ سے مزیّن فرماکر ہدایت کیجئے۔

الجواب ۔ اگر فی الواقع وہ شخص علمائے اہل سنت و جماعت ایدہم اللہ تعالیٰ سے ہے، اور جو باتیں حقیقۃً شرک ہیں انھیں کے معتقد کو مشرک کہتا ہے اور احکام مشرکین میں داخل کرتا ہے، اور جو نوپیدا باتیں مخالف شریعت و مزاحم سنت ایجاد کی گئیں انھیں کو بدعت شرعیہ ومذمومہ وشنیعہ جانتا اور ان سے نہی وتحذیر کرتا ہے، اور شعائر اسلام صلاۃ وصیام وغیرہا کے احکام صحیح صحیح سکھاتا، اور برعایت شرائط و قواعد احتساب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بجالاتا ہے، اور وعظ میں روایات باطلہ، وخرافات مخترعہ وبیانات مثیرۂ اوہام، ومفسدۂ خیالات عوام سے احتراز رکھتا، اور علم کافی وفہم صافی کے ساتھ ہدایت وارشاد میں ٹھیک معیار شرع پر چلتا ہے، تو اسے نہ صرف عالم بلکہ اس زمانہ میں اراکین دین وسنت خلفائے حضرت رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ واولیائے جناب احدیت آلاء ہ جلت سے سمجھنا چاہئے، اور اس کی جو خدمت ہوسکے صلاح وفلاح دارین، ورضائے رب المشرقین، وخوشنودی سید الکونین ہے جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ قال تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر الاٰیۃ۔ اور جبکہ حسب اظہار سوال اُس کی نیت خالص لوجہ اللہ ہے، اور ہرگز نہ کسی سے سوال کرتا نہ طمع مال رکھتا ہے، بلکہ مسلمان بطوع خود علماء کی اعانت اور اپنی سعادت کی نیت سے خدمت کرتے ہیں، تو (بشرطیکہ یہ مال جو اسے دیا جائے بعینہٖ وجہ حرام سے نہ ہو) بلاشبہہ اس کا لینا جائز، اور وہ اس کے لئے حلال وطیب، حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا جاءک من ھذا المال شیئ وانت غیر مشرف ولا سائل فخذہ فتمولہ فان شئت کلہ و ان شئت تصدق بہ ومالا فلا تتبعہ نفسک (رواہ الشیخان عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ہاں وعظ کو کہ عمدہ طاعات وقربات سے ہے ذریعۂ حطام دنیا بنانے پر احادیث میں سخت وعیدیں آئیں، اور علماء نے بھی اس سے ممانعتیں فرمائیں، خلاصہ پھر تاتارخانیہ پھر عالمگیریہ میں ہے الواعظ اذا سأل الناس شیئا فی المجلس لنفسہ لا یحل لہ ذلک لانہ اکتساب الدنیا بالعلم، یہ امر ان لوگوں پر وارد جنھوں نے وعظ کو پیشہ اور تجارۂ دنیا حاصل کرنے کا تیشہ بنا رکھا ہے، اور شک نہیں کہ عبادات وحسنات پر اجرت لینا حرام، اور اسکی تحریم علی الاطلاق پر اطباق احادیث ومذہب منصوص ائمہ کرام، مگر جس کی نیت لوجہ اللہ ہو اس پر اوروں کے فعل سے اعتراض نہیں انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی۔ وَاللہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۔ وایاک والظن فان الظن اکذب الحدیث بلکہ بعض علماء نے وعظ کو بھی ان امور مستثناۃ میں داخل کیا جن پر اس زمانہ میں اخذ اجرت مشائخ متاخرین نے بحکم ضرورت جائز رکھا ہے، ردالمحتار میں ہے قال فی الھدایۃ وبعض مشائخنا رحمہم اللہ تعالیٰ استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم لظہور التوانی فی الامور الدینیۃ ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن وعلیہ الفتوی اھ وقد اقتصروا علی الاستثناء تعلیم القرآن ایضا فی متن الکنز، ومتن مواھب الرحمٰن، وکثیر من الکتب، وزاد فی مختصر الوقایۃ، ومتن الاصلاح، تعلیم الفقہ، و

زاد فی متن المجمع الامامۃ، ومثلہ فی متن الملتقی، ودرر البحار، وزاد بعضہم الاذان والاقامۃ والوعظ، وذکر المصنف معظمہا ولکن الذی فی اکثر الکتب الاقتصار علی مافی الہدایۃ، فہذا مجموع ما افتی بہ المتاخرون من مشائخنا، وہم البلخیون علی خلاف فی بعضہ، مخالفین ماذہب الیہ الامام وصاحباہ، وقد اتفقت کلمتہم جمیعا فی الشروح والفتاوی علی التعلیل بالضرورۃ وہو خشیۃ ضیاع القراٰن کما فی الہدایۃ الی اٰخر ما افاد واجاد رحمہ الجواد، فتاوی امام اجل قاضیخاں میں ہے صاحب العلم اذا خرج الی القری لیذکرہم فیجمعوا لہ شیئا حکی عن ابی اللیث رحمہ اللہ تعالٰی انہ قال کنت افتی انہ لایخرج الی القری ثم رجعت عن ذلک اھ اسی طرح خلاصہ میں نقل کیا، وزاد اخذ الاجرۃ علی تعلیم القراٰن ودخول العالم علی السلطان وقال فرجعت عن الکل تحرزا عن ضیاع القراٰن والعلم، والحقوق، ولحاجۃ الخلق ولجہل اہل الرستاق اھ مانقلہ عن الفقیہ النبیہ رحمہ اللہ تعالٰی، پس اگر صورت مظہرہ فی السوال واقعی ہے اور حالت زید وہ ہے، جو ہم نے اوپر ذکر کی تو بیشک ایسے بندۂ خدا کو بد وحرام خور کہنا سخت گناہ وناسزا، اور قائل شرعاً مستوجب تعزیر وسزا، ہندیہ میں ہے ذکروا اہل العلم بالتحقیر وجب علیہ التعزیر، بخلاف ان مبتدعان سنی نما کے جو اس زمن فساد وفتن میں اضلال واغوائے جہال کو ادعائے تسنن کرتے اور اپنی ضلالات مخترعہ وجہالات مبتدعہ کو کہ قریب زمانے میں ان کے تازہ پیشواؤں نے تراشیں، بنام سنت جلوہ دیتے، اور ان کی مخالفت کو بدعت ضالہ ومخل اصل ایمان بتاتے، اور صدہا امور جائزہ بلکہ مستحبہ کو بزور زبان وزور وبہتان شرک وبدعت ویقینی العقوبۃ وناقابل مغفرت ٹھہراتے، اور شرقاً وغرباً وعجماً وعرباً بلکہ سلفاً وخلفاً عامہ مسلمین واہل دیانت ودین کو مشرک بدعتی بناتے ہیں، ایسے لوگوں کے بدو بدتر از بد ہونے میں کوئی شبہہ نہیں، نہ وہ ہرگز تعظیم علم وعلماء کے مستوجب، بلکہ شرعاً ان کی تحقیر واجب، حدیث میں ہے من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ہدم الاسلام، پھر ایسے لوگوں کی تذکیر ضلالات تخمیر ہرگز اس فتوائے بعض متاخرین میں داخل نہیں ہوسکتی، کہ انھوں نے ضرورت دینی کے لئے جواز رکھا نہ معاذ اللہ ضرر دینی کے لئے، ان کا وعظ معصیت ہے اور معاصی پر اجارہ مطلقاً اجماعاً بلا استثنا حرام، تو یہ لوگ اگر اپنے وعظ پر اجرت لیں خواہ بتصریح شرط یا بصورت حال معہود ومعروف فان المعہود عرفا کالمشروط لفظا، تو بلاشبہہ وہ ان کے لئے حرام اور یہ حرام خوار ہوں گے، جہاں یہ صورت ہو وہاں بد وحرام خور کہنے والے پر اصلا الزام نہیں، بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے اس امر کا لحاظ ضرور چاہئے۔ فنسأل اللہ الہدایۃ الی سبیل الاقوم، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ مسئولہ مولوی محمد حسین صاحب عظیم آبادی مدرس مدرسہ حنفیہ غانی ۱۰ شوال ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مدرسہ اسلامیہ کا نوکر تھا اور موافق دستور العمل مدارس عربیہ کے بعد فراغ امتحان ایام تعطیل میں اپنے مکان کو چلا گیا، اور قبل اس کے ایام تعطیل ہوں حاضر خدمت ایک جلسہ مدرسہ اسلامیہ ہو کر ان سے درخواست کی کہ یا تو مجھے اجازت ہو کہ سابق دستور کام کروں یا مجھ کو جواب دیا جائے کہ اپنا اور کچھ بندوبست کروں، لیکن کچھ جواب نہ ملا، اور نہ اثنائے تعطیل میں کوئی اطلاع نامہ قطع تعلق کا زید کو ملا، اس صورت میں زید مستحق پانے تنخواہ ایام تعطیل کا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ تعطیلات معہودہ میں مثل تعطیل ماہ مبارک رمضان وعیدین وغیرہا کی تنخواہ مدرسین کو بیشک دی جائے گی، فان المعہود عرفا کالمشروط مطلقا، اشباہ میں ہے البطالۃ فی المدارس کایام الاعیاد ویوم عاشوراء وشہر رمضان فی درس الفقہ علی وجہین ان مشروطۃ لم یسقط من المعلوم شیئ، والا فینبغی ان یلحق ببطالۃ القاضی، فی المحیط انہ یاخذ فی یوم البطالۃ وقیل لا، وفی المنیۃ یستحق فی الاصح، واختارہ فی منظومۃ ابن وھبان، وقال انہ الاظہر اھ ملخصا، اقول ھذہ الترجیحات حیث لم یشترط فکیف اذا شرط ھذا لیس محل نزاع وقد علمت ان المعروف کالمشروط۔ اور کسی شخص کو اصلا اختیار نہیں کہ بے اطلاع اجیر جب چاہے بطور خود عقد اجارہ فسخ کر دے، مگر جب کوئی عذر بیّن واضح ظاہر پیدا ہو جس میں اصلا محل اشتباہ نہ ہو جبتک ایسا نہ ہوا اجیر بیشک مستحق تنخواہ ہوگا فی الدر المختار الاجارۃ تفسخ بالقضاء والرضاء الخ، وفی رد المحتار الاصح ان العذر ان کان ظاھرا ینفرد وان مشتبھا لاینفرد، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ :۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو "طغوبائے" آہنی نیشکر کے تجارۃ کرایہ پر چلاتا ہے، اور اہل دیہات سے معاملات اجارہ کے کرتا ہے، اور باشندگان دیہات کو جو دس دس، بیس بیس کوس کے باشندے ہیں، کولھو کرایہ پر دیتا ہے، اور تقرری کرایہ اور میعاد ادائگی کرایہ اور زمانہ واپسی "کولھو" جملہ امورات وقت عقد طے ہو جاتے ہیں، مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنے وعدہ پر روپیہ ادا کریں، بمجبوری ان سے روپیہ وصول کرنے کے واسطے نوکر رکھ کر ان کے مکانوں کو بھیجا جاتا ہے، اور وہ سپاہی تقاضا گیر چند چند بار ان کے مکان پر جا کر تقاضا کرتا ہے، بلکہ اپنی تنخواہ اور خوراک وغیرہ کا بار ان پر ظاہر کرتا ہے اور قسم قسم کے خوف نالش اور خرچہ پڑنے کا دلاتا ہے، تب وہ لوگ روپیہ لاتے ہیں، اس پر بعض مطلق خیال میں نہیں لاتے، اور نالشوں وغیرہ کی نوبت آتی ہے۔

پس ایسی حالت میں کہ یہ سپاہی جو محض ان سے تقاضا کرنے کے واسطے رکھا گیا ہے، جس کسی کے مکان پر جا کر بضرورت تقاضا ٹھہرے، اور اُن سے اپنی خوراک لیوے، یا اس کے سوا جس کے یہاں ٹھہرا ہے، دوسروں سے اسی گاؤں میں، اس کے قریب دوسرے گاؤں والوں سے اپنی خوراک لیوے، یا زید ان کرایہ داران سے اصل کرایہ میں تنخواہ تقاضا گیر کے بقدر ایام آمد وشد کے، یا اس تقاضا گیر کی خوراک شامل کرکے وصول کرے، یا وقت عقد کرایہ کے ان سے زید شرط کرے کہ روپیہ ہمارا کرایہ کا اگر تم وعدہ معینہ مقررہ پر نہ ادا کرو گے، اور ہم کو تمہارے پاس تقاضا گیر بھیجنا پڑے گا، تو تم کو اجرت اس تقاضا گیر سپاہی کی مثلاً ۴؎ ر اور خوراک اس کی مثلاً ۲؎ ر یوم کے حساب سے دینا پڑے گا، اور ہم تم سے وصول کر لیویں گے، پس اول صورت میں خوراک اور اجرت تقاضا گیر کی بلا شرط کرایہ داران سے وصول کرنا، اور دوسری صورت میں شرط مذکور کرنا، اور حسب شرائط مذکور اجرت مقررہ اور خوراک سپاہی تقاضا گیر کی وصول کرنا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ یہ نوکر اسی شخص کا نوکر اور اسی کے کام پر مقرر، اس نے خود ہی اسے اپنے کام کے لئے رکھا، تو تنخواہ یا خوراک جو کچھ ٹھہری ہو اسی پر ہے، قرضداروں سے کچھ تعلق نہیں، نہ اُن سے خواہ دوسرے اہل دیہہ سے کوئی جبراً لے سکے، ہاں وہ برضامندی اپنا مہمان سمجھ کر کھانا دیدیں تو یہ جدا بات ہے، اور یہ خیال کہ آخر ان کی نادہندگی کے باعث نوکر رکھنا پڑا محض بے سود، فان الحکم انما یضاف الی المباشر

دون المسبب ولہذا مدعی کو مدعا علیہ سے خرچہ لینا جائز نہیں، اگرچہ بوجہ نادہندگی مدعا علیہ ضرورت نالش ہوئی ہو، اور اگر خود عقد اجارہ میں شرط مذکور فی السوال لگالی جب تو وہ عقد ہی فاسد ہوجائے گا، اور اس کا فسخ کرنا واجب ہوگا کماھو حکم کل عقد فاسد رفعا للاثم حقا للشرع، درمختار میں ہے تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ لمقتضی العقد فکل ما افسد البیع یفسدھا کشرط طعام عبد ومرمۃ الدار، اھ ملخصا، واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ ازمیرٹھ بالائے کوٹ مکان قاضی صاحب مرسلہ مولوی ابومحمد صادق علی صاحب ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین، دربارہ جواز وعدم جواز حصول منفعت بذریعہ کرایہ مکانات سکنٰی، ودکان اراضیات زرعی، ایسے لوگوں سے، نصارٰی کے پادری، ہنود کے پنڈت، یہود کے معلم، شیعوں کے مجتہد، غیرمقلدوں کے واعظ، کسبیان، ڈھاری بھانڈ، شراب کھینچنے، بیچنے والے، اور دیگر منشی اشیاء کے تاجر، فساق، فجار، مشرک وکفار، خصوصا وہ جو اپنے مذاہب وغیرہ کی اشاعت پر مامور ہوں اور عموم وہ کہ مامور باشاعت نہ ہوں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ یہاں دو مقام ہیں، اوّل یہ کہ ان لوگوں کو سکونت کے لئے مکان، زراعت کے لئے زمین کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں۔ دوم بر تقدیر جواز ان کے مال سے اجرت لینا کیسا؟

اول کا جواب جواز ہے کہ اس نے تو سکونت وزراعت پر اجارہ دیا ہے نہ کسی معصیت پر اور رہنا، بونا فی نفسہ معصیت نہیں، اگرچہ وہ جہاں رہیں معصیت کریں گے، جو رزق حاصل کریں معصیت میں اٹھائیں گے، یہ ان کا فعل ہے، جس کا اس شخص پر الزام نہیں لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ قلتُ وبہ ظھر ان المسئلۃ ینبغی ان تکون علی الوفاق بین الامام وصاحبیہ رضوان اللہ تعالٰی عنھم، وھو المستفاد من کلمات العلماء، ہندیہ میں بعد مسئلہ (اذا استاجر الذمی من المسلم بیتا یبیع فیہ الخمر جاز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی خلافا لھما کذا فی المضمرات) نقل کیا۔ واذا استاجر الذمی من المسلم دارا لیسکنھا فلاباس بذلک، وان شرب فیھا الخمر او عبد فیھا الصلیب او ادخل فیھا الخنازیر ولم یلحق المسلم فی ذلک، لان المسلم لم یواجرھا لذلک انما اجرھا للسکنٰی، کذا فی المحیط۔ ردالمحتار میں ہے زیر قول درمختار (جاز اجارۃ بیت سواد الکوفۃ لیتخذ بیت نار او کنیسۃ او بیعۃ او یباع فیہ الخمر، وقالا لاینبغی ذلک، زیلعی اھ ملخصا) انھیں علامہ زیلعی وعلامہ بدرالدین عینی وعلامہ حسام سغناقی وعلامہ جلال کرلانی صاحبان بنایہ ونہایہ وکفایہ شروح ہدایہ سے نقل کیا، والدلیل علیہ انہ لو اٰجرہ للسکنٰی جاز وھو لابدلہ من عبادتہ فیہ، اھ، یہ جواب فقہ ہے باقی دیانۃً اس میں شک نہیں کہ جس کی سکونت سے مسلمانوں کے عقائد یا اعمال میں فتنہ وضلال کا اندیشہ وخیال ہو، اسے جگہ دینا معاذاللہ مسلمانوں کو فتنہ پر پیش کرنا ہے، تو یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ حقیقۃً نہ سہی، اس کی طرف منجر ہے۔ وانما الدین النصح لکل مسلم دین تو یہی ہے کہ سب مسلمانوں کی خیرخواہی کیجئے، وباللہ التوفیق۔

دوم کا جواب یہ کہ جس مال کا بعینہٖ حرام ہونا معلوم ہو اس سے اجرت لینا جائز نہیں، مثلاً اجارہ دینے والے کو خبر ہے کہ یہ روپیہ زید نے غصب یا سرقہ، یا رشوت، یا ہندہ نے زنا، یا غنا کی اجرت، یا کسی مسلمان نے خمر وخنزیر کی قیمت میں حاصل کئے ہیں، تو ان کا لینا اسے روا نہیں، نہ اپنے

آتے ہیں، نہ دیسے۔ فی الھندیۃ عن المحیط عن محمد فی کسب المغنیۃ ان قضی بہ دین لم یکن لصاحب الدین ان یاخذہ ردالمحتار میں ہے قال فی النھایۃ قال بعض مشائخنا کسب المغنیۃ کالمغصوب لم یحل اخذہ، درمختار میں ہے جاز رزق القاضی من بیت المال لو بیت المال حلالا جمع بحق والا لم یحل، تنویر الابصار میں ہے جاز اخذ دین علی کافر من ثمن خمر بخلاف المسلم ورنہ فتوٰی مطلقاً جواز پر ہے، یعنی اگرچہ اس کے پاس اموال حرام ہونا یقینی ہو، مگر یہ روپیہ کہ اس کرایہ میں دیتا ہے، بعینہٖ اس کا حرام ہونا معلوم نہیں تو لینا جائز، اگرچہ اس کا اکثر مال حرام ہی ہو، فی الھندیۃ عن الظھیریۃ عن الامام الفقیہ ابی اللیث قال بعضھم یجوز مالم یعلم انہ یعطیہ من حرام قال محمد وبہ ناخذ مالم یعرف شیئا حراما بعینہ وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی واصحابہ، خانیہ میں ہے ان لم یعلم الاٰخذ انہ من مالہ او من مال غیرہ فھو حلال حتی یتبین انہ حرام۔ مگر اس صورت میں یعنی بحالت غلبۂ حرام تقوٰی احتراز ہے فان للاکثر حکم الکل بل منھم من نص عند ذلک علی عدم الجواز، فالاسلم الاحتراز خصوصاً مقتدٰی کے لئے لحدیث "ایاک ومایسوء الاذن"[عہ]، ولحفظ دین العوام عن اقتحام الحرام، باقی اس مسئلہ کے متعلق تفصیل جلیل وتنقیح جمیل فتاوٰی فقیر سے کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے فلینظر ثمہ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے "دعوٰی وراثت" میں قابضانِ متروکہ سے واصلات اپنے حصہ کی مانگی، اس میں عذر تمادی کا از جانب مدعا علیہم پیش ہوا، فقط تین برس کے دینا چاہتا ہے، بموجب قانون کے چونکہ شرع میں تمادی نہیں ہے، لہذا اس نے اپنے حصہ جائز سے محروم ہونے کے سبب یہ کیا کہ مجھکو سود دو، اور یہ سمجھا کہ سود کے حیلہ سے بھی میری اصلی رقم کا کوئی جز ہی مل جائے، اس صورت میں یہ لینا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب - اگر اس شریک نے جس نے واصلات نہ پائی، شریک قابض کو اپنے حصہ کے تحصیل کا وکیل ومجاز کیا تھا، تو جو توفیر حاصل ہوائی، اس سب میں اس کا بھی حصہ تھا، اور تمادی کوئی شے نہیں، اگر ویسے نہیں لے سکتا جس نام سے ملے وصول کرسکتا ہے، اور اگر اس نے وکیل نہ کیا تھا بلکہ وہ بطور خود غصباً اس کے حصہ پر قابض رہا، اور زمین اٹھاتا محصول لیتا رہا تو اسے حکم دیا جائے گا کہ اس کے حصہ کا روپیہ اسے دے یا تصدق کردے، اور افضل وہی ہے کہ اسے دے مگر اس کو دعوٰی نہیں پہنچتا، نہ یہ اس کا مالک ہوا، بلکہ وہی غاصب بملک خبیث مالک ہے تو اُسے اُس سے بحیلۂ ناجائزہ لینے کی اجازت نہیں ہوسکتی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ :- ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب آسامیانِ دیہہ سے لگتہ اراضی مفوضہ آسامیان مقرر ہے، تو سوا لگتہ مقررہ کے ادگاہی بھوسہ ومور کین ورتی وغیرہ کا لینا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

[عہ] فی الاصل ھکذا لعل الصواب "الظن" ۱۲ منہ

الجواب۔ ناجائز ہے کہ اجرت مقررہ سے زیادہ لینے کا کیا استحقاق ہے، ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے دیتے تو جائز تھا، مگر خوشی معلوم، بلکہ صریح جبر ہوتا ہے، اور اگر اس کی طرف سے جبر بھی نہ ہوا، مگر انھوں نے اسے زمینداری یا ٹھیکہ داری کے دباؤ سے دیا، تو بھی ناجائز و مثل رشوت ہے، فی ردالمحتار (بعد نقل عبارۃ الفتح تعلیل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دلیل علی تحریم الھدیۃ التی سببھا الولایۃ) ذکر مانصہ قلت ومثلھم مشائخ القری والحرف وغیرھم ممن لہ قھر وتسلط علی من دونھم فانہ یھدی الیھم خوفامن شرھم اولیروج عندھم الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: ۴ رجمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس ایک عورت مطلقہ غیر ہے، جس کی ابھی عدت نہ گزری، وہ بعد عدت اس سے نکاح چاہتا ہے، مگر خوف ہے کہ شاید قبل عدت معصیت واقع ہو، زید عمرو سے مکان کرایہ پر مانگتا ہے، اس صورت میں عمرو کو جائز ہے یا نہیں کہ زید کو اپنا مکان کرایہ پر دے، بینوا توجروا۔

الجواب۔ جائز ہے اگرچہ معصیت کا خوف نہیں بلکہ صراحۃً معصیت کرتا ہے، یہ اپنی جائز نیت سے کرایہ پر دے، اس کی معصیت کا وبال اُس پر ہے، عمرو پر کوئی مواخذہ نہیں لتخلل فعل فاعل مختار، قال اللہ تعالٰی لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ۔ مسئولہ مولوی حافظ امیر اللہ صاحب ۲۵ ر ذی قعدہ ۱۳۱۲ھ

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللہِ الاٰیۃ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت السہلۃ الغراء و مفتیان ملت السمحۃ البیضاء کہ دو مسلمانوں میں اجارہ تدریس فنون عربی بمشاہرہ ماہے ر ایک اور صہ ر دوسرے کی طرف سے بلا ذکر ماہ قمری شرعی و شمسی انگریزی وغیرہ ہوا، درصورت اختلاف مستاجر و اجیر تعیین قرآنی یا تعیین انسانی عرفی یا عرف مدرسین عربی کی تعیین معتبر ہوگی، اور جو اجیر تفسیر مدارک التنزیل شریف اور بیضاوی شریف اور صحیح بخاری شریف پڑھائے، اُس کی تعظیم اور کوئی ادب مستاجر متعلم پر شرعاً عقلاً عرفاً ہے یا نہیں، اور استاذین و شیوخ آبائے معنوی ہیں، اس کا کہاں تک شریعت مطہرہ میں اثر ہے، بینوا توجروا۔

الجواب۔ قال اللہ عزوجل، یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ ط قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ والحج، اے نبی یہ تجھ سے پوچھتے ہیں نئے چاندوں کا حال، تو فرما وہ وقت ٹھہرائے ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے واسطے، آیہ کریمہ شاہد ہے کہ اہل اسلام کے نہ صرف عبادات بلکہ معاملات میں بھی یہی قمری مہینے معتبر ہیں، مدارک شریف میں ہے مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ والحج ای مَعَالِمُ یُوَقِّتُ بِھَا النَّاسُ مَزَارِعَھُمْ وَمُسْتَاجِرَھُمْ وَمَحَالَّ دُیُوْنِھِمْ وَصَوْمِھِمْ وَفِطْرِھِمْ وَعِدَدِ نِسَائِھِمْ وَاَیَّامِ حَیْضِھِنَّ وَمُدَّۃِ حَمْلِھِنَّ وَغَیْرِ ذٰلِکَ وَمَعَالِمُ لِلْحَجِّ یُعْرَفُ بِھَا وَقْتُہٗ، عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی حاشیہ خفاجی علی البیضاوی میں ہے اُجِیْبُوْا بِبَیَانِ الْغَرَضِ مِنْ ھٰذَا الْاِخْتِلَافِ مِنْ بَیَانِ مَوَاقِیْتِ الْعِبَادَاتِ وَالْمُعَامَلَاتِ، وقال تبارک وتعالٰی اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللہِ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا فِیْ کِتَابِ اللہِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْھَا اَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ، بیشک گنتی مہینوں کے

اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں، کتاب اللہ میں جس دن سے اس نے بنائے آسمان اور زمین، اس میں سے چار ماہ حرام ہیں، (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب) یہ آیت ارشاد فرماتی ہے کہ اللہ عزوجل کے نزدیک یہی بارہ مہینے قمری ہلالی عربی معتبر ہیں کہ چار ماہ حرام انھیں مہینوں میں ہیں، تو اہل اسلام کو انھیں کا اعتبار چاہئے کہ شرع مطہرہ کے سب احکام عبادات و معاملات انھیں پر مبنی ہیں، معالم میں ہے المراد منہ الشھور الھلالیۃ وھی الشھور التی تعتد بھا المسلمون فی صیامھم وحجھم واعیادھم وسائر امورھم، نسفی میں ہے المراد بیان ان احکام الشرع تبتنی علی الشھور القمریۃ المحسوبۃ بالاھلۃ دون الشمسیۃ، ولہذا بحمداللہ اب تک عامہ مسلمین اپنے عامہ امور میں انھیں شہور کو جانتے، انھیں پر مدار کار رکھتے ہیں کہ ان رب کے نزدیک مہینے یہی ہیں بلکہ حقیقۃً مہینہ کا لفظ انھیں پر صادق، مہینہ منسوب بماہ ہے، شہر شمسی مہینہ نہیں، مہر ینہ ہے بلکہ تفسیر کبیر میں زیر کریمہ ثانیہ ہے اللہ تعالٰی امرھم من وقت ابراھیم واسمٰعیل علیھما الصلٰوۃ والسلام ببناء الامر علی رعایۃ السنۃ القمریۃ، فھم ترکوا امر اللہ تعالٰی فی رعایۃ السنۃ القمریۃ واعتبروا السنۃ الشمسیۃ رعایۃ لمصالح الدنیا، بلکہ اسی میں ہے قال اھل العلم الواجب علی المسلمین بحکم ھذہ الاٰیۃ ان یعتبروا فی بیوعھم ومدد دیونھم واحوال زکاتھم وسائر احکامھم السنۃ العربیۃ بالاھلۃ ولا یجوز لھم اعتبار السنۃ العجمیۃ والرومیۃ اھ، اقول فمن خلاف عندنا فی تأجیل العنین ھل ھو بالسنۃ القمریۃ ھو المذھب خزانہ وغیرہا، وھو الصحیح، ہدایہ وغیرہا وعلیہ اکثر اصحابنا، ایضاح الکرمانی او بالسنۃ الشمسیۃ، وھی روایۃ الحسن عن امامنا الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ، ورروایۃ ابن سماعۃ عن الامام محمد، واختارہ شمس الائمۃ السرخسی والامام فقیہ النفس قاضیخان والامام ظھیر الدین المرغینانی" فتح "وقیل وبہ یفتی، درمختار، وعلیہ اکثر المشائخ "محیط" وعلیہ الفتوٰی "خلاصۃ" اھ من ردالمحتار وجامع الرموز۔ نعم عدم الجواز فی العبادات والعدد الشرعی مقطوع بہ مجمع علیہ، واللہ تعالٰی اعلم،

بالجملہ اجارات وغیرہا معاملات میں مدار تعارف پر ہے، اور مسلمین میں متعارف یہی مہینے، تو عند الاطلاق انھیں کی طرف انصراف، ردالمحتار و فتح القدیر میں ہے اھل الشرع انما یتعارفون الاشھر والسنین بالاھلۃ فاذا اطلقوا السنۃ انصرف الی ذلك مالم یصرحوا بخلافہ، اگر بعض مسلمان باتباع نصارٰی شہور شمسیہ پر حساب رکھنے لگیں تو اس کا اعتبار نہیں کہ معتبر عرف عام و شائع ہے، نہ قرارداد خاص بعض ناس، اشباہ والنظائر میں ہے انما تعتبر العادۃ اذا اطردت او غلبت، ولذا قالوا فی البیع لو باع بدراھم او دنانیر وکانا فی بلد اختلف فیہ النقود مع الاختلاف فی المالیۃ والرواج انصرف البیع الی الاغلب قال فی الھدایۃ لانہ ھو المتعارف، فینصرف المطلق الیہ اور بالفرض ان بھی لیا جائے کہ یہاں کے مسلمان میں شہور شمسیہ بھی بکثرت رواج پاگئے تاہم اس میں کلام نہیں کہ مدرسان علوم عربیہ دینیہ کا تقرر عام طور پر انھیں شہور الٰہیہ ہلالیہ پر متعارف ہے کہ وہ خاص دینی کام ہے، اور عام مسلمین پر بحمداللہ ہنوز اتباع نصارٰی ایسا

غالب نہ ہوا کہ اپنے دینی امور میں بھی ان کی تقلید کریں، تو اس تقریر میں قطعاً شہور ربانیہ ہی معتبر ہوں گے، نہ شہور نصرانیہ کما لایخفی علی اولی النہی تعلیم علوم دینیہ پر اجرت لینی صدہا سال سے بمذہب مفتی بہ علماء نے نظر بفساد زمانہ حلال فرمائی، یہ تحلیل اس لئے تھی کہ اہل علم ناشران علم دین کی خدمت ہوتی رہے، وہ تلاش معاش میں پریشان ہو کر اس وراثت انبیاء کی اشاعت سے مجبور نہ رہیں، نہ اس لئے کہ معاذ اللہ استاذ علم دین کی تعظیم و توقیر نہ کی جائے، اساتذہ و شیوخ علوم شرعیہ بلاشبہہ آبائے معنوی و آبائے روح ہیں جن کی حرمت و عظمت آبائے جسم سے زائد ہے کہ وہ پدر آب و گل ہے، اور یہ پدر جان و دل۔

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں، ؎

من علم الناس ذاك خیر اب　　ذا ابو الروح لا ابو النطف

یعنی استاذ کا مرتبہ باپ سے زیادہ ہے، کہ وہ روح کا باپ ہے، نہ نطفہ کا — علامہ حسن شرنبلالی "غنیہ ذوی الاحکام" حاشیہ "درر و غرر" میں فرماتے ہیں الوالد ھو والد التربیۃ فرتبتہ فائقۃ رتبۃ والد التبنیۃ یعنی اعلٰی درجہ کا باپ استاذ مربی ہے، اس کا مرتبہ پدر نسب کے مرتبہ سے زائد ہے عین العلم شریف میں ہے یبر الوالدین فالعقوق من الکبائر، ویقدم حق المعلم علی حقھما فھو سبب حیاۃ الروح ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرے کہ انھیں ناراض کرنا گناہ کبیرہ ہے، اور استاذ کے حق کو ماں باپ کے حق پر مقدم رکھے کہ وہ زندگی روح کا سبب ہے، امام شعبہ فرماتے ہیں ما کتبت عن احد حدیثا الا وکنت لہ عبدا ما حیی میں نے جس کسی سے ایک حدیث بھی لکھی میں عمر بھر اس کا غلام ہوں، فتاوٰی بزازیہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے حق العالم علی الجاھل وحق الاستاذ علی التلمیذ واحد علی السواء وھو ان لایفتتح بالکلام قبلہ ولا یجلس مکانہ وان غاب ولا یرد علی کلامہ ولا یتقدم علیہ فی مشیہ عالم کا جاہل پر اور استاذ کا شاگرد پر برابر یکساں حق ہے کہ اس سے پہلے بات نہ کرے، وہ موجود نہ ہو جب بھی اُس کی جگہ پر نہ بیٹھے، اُس کی کوئی بات نہ اُلٹے، اس سے آگے نہ چلے وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ :-　　۲۶ رجب ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے کارندہ نے عمرو سے وعدہ کیا کہ جائداد آپ کی زید سے بکوا دوں گا مگر مجھے محنتانہ دیجئے گا، اس نے اقرار کیا اور زید کو بھی اس کا حال معلوم ہے، کارندہ مذکور نے اس کی بیع میں بہت کوشش کی، چنانچہ بیع تمام ہوگئی، اور مشتری کو دھوکا بھی کچھ نہ دیا، یہ اجرت جائز ہے یا ناجائز ہے۔

الجواب - اگر کارندہ نے اس بارہ میں جو محنت و کوشش کی وہ اپنے آقا کی طرف سے تھی، بائع کے لئے کوئی دوا دوش نہ کی، اگرچہ بعض زبانی باتیں اس کی طرف سے بھی کی ہوں، مثلاً آقا کو مشورہ دیا کہ یہ چیز اچھی ہے، خرید لینی چاہئے یا اس میں آپ کا نقصان نہیں، اور مجھے اتنے روپے مل جائیں گے، اس نے خرید لی، جب تو یہ شخص عمرو بائع سے کسی اجرت کا مستحق نہیں کہ اجرت آنے جانے محنت کرنے کی ہوتی ہے، نہ بیٹھے بیٹھے دو چار باتیں کہنے، صلاح بتانے، مشورہ دینے کی، ردالمحتار میں بزازیہ و ولوالجیہ سے ہے الدلالۃ والاشارۃ لیست بعمل یستحق بہ الاجر، وان قال لرجل بعینہ ان دللتنی علی کذا فلك کذا، ان مشی لہ فدلہ فلہ اجر المثل للمشی

لاجله، لان ذلك عمل يستحق بعقد الاجارة الخ، غمز العیون میں خزانۃ الاکمل سے ہے اما لو دله بالکلام فلاشیئ له اور اگر بائع کی طرف سے محنت وکوشش ودوادوش میں اپنا زمانہ صرف کیا تو صرف اجر مثل کا مستحق ہوگا، یعنی ایسے کام میں اتنی سعی پر جو مزدوری ہوتی ہے اس سے زائد نہ پائے گا، اگرچہ بائع سے قرارداد کتنے ہی زیادہ کا ہو، اور اگر قرارداد اجر مثل سے کم کا ہو تو کم ہی دلائیں گے کہ سقوط زیادت پر خود راضی ہوچکا، خانیہ میں ہے ان کان الدلال عرض وتعنّٰی وذھب فی ذلك روزگارہ کان له اجر مثله بقدر عنائه وعمله۔ اشباہ میں ہے بعه لی بکذا ولك کذا فباع فله اجر المثل، حموی میں ہے ای ولا یجاوز به ماسمی، وکذا لو قال اشترلی کما فی البزازیة، وعلی قیاس ھذا السماسرة والدلالون الواجب اجر المثل کما فی الولوالجیة، ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ہے فی الدلال والسمسار یجب اجر المثل وما تواضعوا علیه ان فی کل عشرة دنانیر کذا فذلك حرام علیھم۔ پھر ازانجا کہ یہ شخص مشتری کا نوکر واجیر خاص تھا جتنی مدت اس نے بائع کے کام میں صرف کی اتنی تنخواہ ساقط ہوگئی، مثلاً دس روپے ماہوار کا نوکر تھا، تین دن بائع کی طرف سے اس سعی میں گزرے، تو ایک روپیہ تنخواہ کا مستحق نہ رہا، اور اگر بائع سے یہ عقد اجارہ بے اذن واجازت مشتری ہوا، تو گناہ علاوہ کہ اجیر خاص کو بے اجازت آقا دوسرے کا کام کرنا جائز نہیں، درمختار میں ہے لیس للخاص ان یعمل لغیرہ ولو عمل نقص من اجرته بقدر ما عمل" فتاوی النوازل"

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ از محمد گنج ضلع بریلی، مرسلہ عبدالقادر خاں رامپوری　　۲۲ صفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی مزدور کو برائے مزدوری سو کوس یا پچاس کے فاصلہ پر لیجائے بعد ازاں اس سے چار پانچ ماہ تک کام کرالیوے، اور بروقت حساب کے اُس کو تیس روپے کے کام کے بیس دے، اور اس پر سختی کرے، اور اسے پریشان کرے، جائز ہے یا نہیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب۔ حرام، حرام، حرام، کبیرہ، کبیرہ، کبیرہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے ثلثة انا خصمھم یوم القیمة ومن کنت خصمه خصمته، رجل اعطی بی ثم غدر، ورجل باع حرا واکل ثمنه، ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منه ولم یوفه اجرہ قیامت کے دن تین شخصوں کا میں مدعی ہوں گا، اور جس کا میں مدعی ہوں میں ہی اسپر غالب آؤں گا، ایک وہ جس نے میرا عہد دیا پھر عہد شکنی کی، دوسرا وہ جس نے کسی آزاد کو غلام بنا کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت کھائی، تیسرا وہ جس نے کسی شخص کو مزدوری میں لے کر اپنا کام تو اس سے پورا کرالیا اور مزدوری اسے پوری نہ دی (رواہ الائمة احمد والبخاری وابن ماجة وابویعلی وغیرھم عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال اللہ تعالٰی فذکرہ، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ۔ از ریاست رامپور شفاخانہ صدر یونانی، مرسلہ عبدالکریم خاں صاحب تحویلدار،　　۲۷ ربیع الآخر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو نے بتعین چند شرائط مفصلۂ ذیل خالد سے ٹھیکہ اراضی کا بزمانِ واحد بغیر

بیان کرنے شرکتِ نصف اور ربع کے لیا، شرط اول یہ کی کہ زرٹھیکہ بموجب اقساط معینہ مندرجہ قبولیت و پٹہ ادا کریں گے، دوسری شرط یہ کی کہ ضمانت یا امانت حسب الطلب خالد کے دیں گے، اور درصورت نہ دینے ضمانت اور نہ ادا کرنے کسی ایک قسط کے خالد کو اختیار فسخ اجارہ حاصل ہے، پس ہر دو مستاجران نے دونوں شرطوں کو وفا نہیں کیا، اور نوبت دعوی فسخ روبرو قاضی پہنچی، تو ایک شریک کو دعوی خالد سے اقبال ہے، اور دوسرے کو دعوی فسخ خالد سے انکار ہے، ایا ایسی صورت میں خالد کو اختیار فسخ اجارہ ہر دو مستاجران سے حاصل ہے یا کیا؟ بینوا توجروا۔

بحضور لامع النور زبدۃ العلماء والفقہاء جناب مولٰنا مولوی محمد احمد رضا خاں صاحب دام فضلہم۔　　جناب عالی!

صورت مسئولہ میں یہاں پر مفتیان نے بموجب اقوال تحت فیصلہ فرمایا۔ حضور نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، لہذا استفتا منسلکہ عرضداشت ہذا ابلاغ کرکے امیدوار کہ جواب جلد مرحمت فرمایا جائے قال شمس الائمۃ السرخسی قال بعض اصحابنا اضافۃ الفسخ الی مجیئ الشھر وغیرذٰلک من الاوقات صح، وتعلق الفسخ بمجیئ الشھر وغیرذلک لایصح والفتوی علی قولہ کذا فی فتاوی قاضیخان۔ ثانی۔ والشیوع الطارئ لایفسدھا اجماعا کما لو اٰجر ثم تفاسخا فی بعض اومات احدھما او استحق بعضھا تبقی فی الباقی ۱۲ عالمگیری۔ مویدآں۔ وفی الغیاثیہ رجلان اٰجرا دارھما من رجل جاز وان فسخ احدھما برضا المستاجر اومات لاتبطل فی النصف الاٰخر ۱۲ بحرالرائق

الجواب۔ صورت مستفسرہ میں خالد کو ضرور اختیار فسخ حاصل ہے، بلکہ ہر فریق پر اجارہ مذکورہ کا فسخ واجب ہے، اگر وہ نہ کریں حاکم جبراً فسخ کردے، اگر نہ کرے گا گنہ گار ہوگا، وجہ یہ کہ اجارہ مذکورہ شرعاً بوجوہ فاسد ہے اوّلاً اُس میں ضمانت مجہولہ شرط کی گئی، نہ ضامن حاضر تھا، نہ مجلس عقد میں قبل تفرق عاقدین حاضر ہوا، ایسی شرط ضمانت بیع و اجارہ میں ناجائز ومفسد ہے۔

ثانیاً مجلس عقد میں کسی ضامن کی طرف سے قبول ضمانت واقع نہ ہوا، ایسی ضمانت نامقبول، اگرچہ غیر مجہول ہو مفسد عقد ہے

ثالثاً اگر امانت سے مراد رہن ہے، تو اس کا بھی کوئی تعین پیش از تفرق عاقدین نہ ہوا، ایسے رہن کی شرط بھی مفسد ہے، درمختار میں ہے یصح البیع بشرط یقتضیہ العقد اویلائمہ کشرط رھن معلوم وکفیل حاضر، ابن ملک اھ ملتقطا۔

بحرالرائق میں ہے وان کان ملائما للبیع لایفسدہ کالبیع بشرط کفیل بالثمن اذا کان حاضرا وقبلھا اوغائبا فحضر وقبل قبل التفریق وکشرط رھن معلوم بالاشارۃ اوالتسمیۃ فان حاصلھا التوثق للثمن، قیدنا بحضرۃ الکفیل لانہ لوکان غائبا فحضر وقبل بعد التفرق اوکان حاضرا فلم یقبل لم یجز، وقیدنا بکون الرھن مسمی لانہ لو لم یکن مسمی ولا مشارا الیہ لم یجز الا اذا تراضیا علی تعیینہ فی المجلس ودفعہ الیہ قبل ان یتفرقا اویعجل الثمن ویبطل الرھن اھ، درمختار میں ہے تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ لمقتضی العقد فکل ما افسد البیع مما مر یفسدھا۔

رابعاً ان شرائط کے انتفا پر خالد کو اختیار فسخ ملنے کی شرط معنی خیار شرط ہے، ردالمحتار میں حواشی الدرر للعلامہ خادمی

افزی سے ہے قد قال صدر الشریعۃ انہ (ای خیار النقد) فرع مسئلۃ خیار الشرط لانہ انما شرع لیدفع بالفسخ الضرر عن نفسہ سواء کان تاخیر اداء الثمن او غیرہ، اسی میں اسی سے ہے الواقع فی الزیلعی کونہا من صورہ، اور بیان اسے مشروط و معلق بالخطر کیا، اور خیار شرط صالح تعلیق بالشرط نہیں، بحر الرائق و رد المحتار میں ہے لا یصح تعلیق خیار الشرط بالشرط۔ اور اشتراط شرط فاسد ان عقود کا مفسد، ولیس من باب خیار النقد المشروع ولو لم یکن ھنالک تعلیق بعدم الاتیان بضمانۃ وامانۃ اصلا، واقتصرا علی التعلیق بعدم نقد الاجرۃ علی النجوم المقدرۃ وذلک لان خیار النقد فی ھذہ الصورۃ انما یکون لمن بیدہ النقد وترکہ اذ ھو المتمکن من امضائہ وعدمہ، وھٰھنا علی خلاف ذلک شرط الخیار للمواجر۔ فی البحر الرائق لو باع علی انہ ان لم ینقد الثمن الی ثلثۃ ایام فلا بیع صح، والی اربعۃ لا یصح، والاصل فیہ ان ھذا فی معنی اشتراط الخیار اذ الحاجۃ مست الی الانفساخ عند عدم النقد تحرزا عن المماطلۃ فی الفسخ فیکون ملحقا بہ، کذا فی الھدایۃ، واشار المصنف الی جواز ھذا الشرط للبائع، وفی الذخیرۃ اذا باع عبدا ونقد الثمن علی ان البائع ان رد الثمن الی ثلثۃ فلا بیع بینھما کان جائزا، وھو بمعنی شرط الخیار للبائع اھ ففی مسألۃ الکتاب المنتفع بھذا الشرط ھو البائع مع انھم جعلوا الخیار للمشتری باعتبار انہ المتمکن من امضاء البیع بالنقد، ومن فسخہ بعدمہ وفی عکسہ المنتفع بھذا الشرط ھو المشتری مع انھم جعلوا الخیار للبائع باعتبار ان البائع متمکن من الفسخ ان رد الثمن فی المدۃ ومن الامضاء ان لم یردہ اھ ملتقطا، ونحوہ فی رد المحتار عن النھر ان کے سوا اور بعض وجوہ سے بھی اس عقد کا فساد ظاہر کما لا یخفی علی المتأمل الناظر وفیما ذکرنا کفایۃ للمتبصر۔

ان تقریرات سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ یہ صورت تعلیق الفسخ بالشرط کی نہیں بلکہ تعلیق خیار الفسخ بالشرط ہے، اور اول ہی فرض کیجئے تو جب بھی اس کا حکم یہ ہرگز ہوگا کہ فسخ بوجہ تعلیق باطل اور اجارہ صحیح، اب کہ ایک مستاجر فسخ پر راضی ہوا اُسی کے حق میں فسخ ہوگیا دوسرے کے حق میں باقی ہے کہ شیوع طاری مفسد نہیں۔ یہ تو اس وقت ہوتا کہ یہ فسخ فاسد معلق بالشرط عقد سے جداگانہ واقع ہوتا جب نفس عقد اسی شرط فسخ فاسد سے مشروط تو قطعاً اصل اجارہ فاسد، فانھا کالبیع لا تحتمل الاشتراط بالشروط الفاسدۃ و قد قال فی الھدایۃ فی مسئلۃ خیار النقد فی ھذہ المسئلۃ قیاس اُخر مال الیہ زفر، وھو انہ بیع شرط فیہ اقالۃ فاسدۃ لتعلقھا بالشروط، واشتراط الصحیح منھا فیہ مفسد للعقد، فاشتراط الفاسد اولی، ووجہ الاستحسان مابینا اھ وھو ما قدمنا عن البحر انہ فی معنی خیار الشرط فیصح الی ثلثۃ ایام لا ازید ولا مجھولا ولا مطلقا کما ھنا، قال فی البحر لا یصح اشتراطہ اکثر من ثلثۃ ایام عند ابی حنیفۃ (الی ان قال) واطلاق المدۃ عندہ کاشتراط الاکثر فی عدم الجواز وافساد البیع، ولو قال المؤلف ولو اکثر او مؤبدا او موقتا بوقت مجھول لکان اولی لان البیع فاسد فی ھذہ کلھا کما فی التتارخانیۃ اھ قلت والمعنی اذا کان مشروطا فی صلب العقد کما ھنا لا بعدہ والا جاز الاطلاق

وتقیید بالمجلس کما فی البحر، وجازت الزیادۃ علی الثلثۃ فی الاجارۃ کما فی بیوع البحر عن الذخیرۃ ولسنا ھھنا بصدد تنقیح تلک المسائل۔

بہر حال اس عقد کے فاسد ہونے میں کوئی کلام نہیں، اور عقد فاسد کا یہی حکم ہے کہ ہر فریق باختیار خود اسے فسخ کر سکتا ہے بلکہ ان پر اس کا فسخ واجب، وہ نہ مانیں تو حاکم پر لازم کما نصوا علیہ فی البیع وغیرہ، ہندیہ میں ہے اراد الأجران ینقض عقدہ بحکم الفساد فلہ ذلک کذا فی التتارخانیۃ۔ تنویر الابصار میں ہے فسخت الاجارۃ دفعا للفساد ردالمحتار میں ہے ای ابطلھا القاضی لان العقد الفاسد یجب نقضہ وابطالہ "ذخیرہ" واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از ریاست رامپور شفاخانہ صدر یونانی، مرسلہ عبدالکریم خاں صاحب تحویلدار ۲۳ جمادی الاولی ۱۳۱۶ھ

بحضور لامع النور جناب مستطاب معلی القاب دام فیضہ۔ سابق حضور نے بدرخواست فدوی فتوٰی ارسال فرمایا تھا، اسکو داخل عدالت کر دیا، بجواب اس کے حاکم مرافعہ نے عدالت دیوانی کے حاکم سے صحت فتوی مرسلۂ حضور کی طلب کی ہے، عالی جاہا! یہ امر ضرور ثابت ہے کہ حاکم مجوز اپنی تجویز کو خراب نہیں کر سکتا ہے۔ اور فتوی جو حضور نے کرم فرما کر ارسال فرمایا تھا اس میں جس قدر روایات مندرج ہیں، بیع سے تعلق رکھتے ہیں، اجارہ کے معاملے میں کوئی روایت نہیں تھی جس کی صحت حاکم مرافعہ نے کرائی ہے، اس واسطے حضور کو دوبارہ تکلیف دیتا ہوں اور نقل روبکاری من وعن بھیجتا ہوں۔

الجواب ۔ فتوی سابقہ میں مفصلاً ثابت کر دیا گیا کہ یہ اجارہ فاسد اور اس کا فسخ واجب ہے، وہ روایات سب متعلق اجارہ تھیں، انھیں متعلق بیع کہنا ہی متعلق اجارہ ماننا ہے، کہ یہاں اجارہ وبیع کا ایک ہی حکم ہے، بلکہ اجارہ معنیً بیع کی ایک قسم ہے۔

ارشادات علماء بر سبیل اختصار سنئے:

مغنی المستفتی پھر عقود الدریہ میں ہے البیع والاجارۃ اخوان لان الاجارۃ بیع المنافع بیع واجارہ بھائی بھائی ہیں اس لئے کہ اجارہ منافع کی بیع ہے، ردالمحتار میں ہے الاجارۃ نوع من البیع اذ ھی بیع المنافع اجارہ بیع کی ایک قسم ہے کہ وہ بیع منافع ہے۔ مختصر امام ابوالحسن قدوری وہدایہ میں ہے الاجارۃ تفسدھا الشروط کما تفسد البیع (لانھا بمنزلتہ) اجارہ کو شرطیں فاسد کرتی ہیں جس طرح بیع کو کہ اجارہ بمنزلۂ بیع ہے، کافی امام نسفی وکفایہ شرح ہدایہ وبرجندی شرح نقایہ وطحطاوی علی الدر المختار میں ہے الاجارۃ کالبیع فتفسد بالشروط اجارہ بیع کی طرح ہے تو شرط لگانے سے فاسد ہو جائے گا۔ کنز اور اس کی شرح تبیین الحقائق پھر تکملۃ البحر للعلامۃ الطوری میں ہے (یفسد الاجارۃ الشرط) لانھا بمنزلۃ البیع اجارے کو شرط فاسد کر دیتی ہے کہ وہ بمنزلۂ بیع ہے۔ فتاوی خیریہ میں ہے الاجارۃ کالبیع یفسدھا الشرط الفاسد فیجب علیھم فسخھا اجارہ مثل بیع ہے شرط فاسد اسے فاسد کر دیتی ہے تو ان پر اس کا فسخ کرنا واجب ہوتا ہے، اختیار شرح مختار پھر خزانۃ المفتین میں ہے الاجارۃ تفسد بالشروط کما یفسد البیع وکل جھالۃ تفسد البیع تفسد الاجارۃ اجارہ شرطوں سے فاسد ہو جاتا ہے جیسے بیع فاسد ہوتی ہے، اور جو جہالت بیع کو فاسد کرے گی اجارہ کو بھی فاسد کر دے گی۔ فتاوی سراجیہ میں ہے الاجارۃ تفسدھا الشروط الفاسدۃ فکل جھالۃ تؤثر فی البیع تؤثر فی الاجارۃ اجارے

کو فاسد شرطیں فاسد کر دیتی ہیں، پس جو جہالت بیع میں خلل ڈالے گی اجارے میں بھی خلل انداز ہوگی۔ وقایہ[۱۸] امام برہان الشریعۃ وشرح[۱۹] امام صدر الشریعۃ واصلاح[۲۰] متن وایضاح شرح علامہ ابن کمال باشا میں بے تفاوت حرفے ہے (الشرط یفسدھا) المراد شرط یفسد البیع، شرط اجارے کو فاسد کر دیتی ہے، مراد وہ شرط ہے جو بیع کو فاسد کرتی ہے، غرر[۲۱] الاحکام ودرر[۲۲] الحکام مولی خسرو میں ہے تفسد بالشرط المفسد بالبیع اجارہ انھیں شرطوں سے فاسد ہو جاتا ہے جو بیع کو فاسد کرتی ہیں۔ نقایہ[۲۳] امام صدر الشریعۃ میں ہے یفسدھا شروط تفسد البیع اجارے کو فاسد کرتی ہیں وہ شرطیں کہ بیع میں فساد لاتی ہیں، بحر[۲۴] الرائق پھر فتح[۲۵] اللہ المعین للسید الازہری میں ہے کل ما افسد البیع یفسدھا جو کچھ بیع کو فاسد کرے اجارے کو بھی فاسد کرتا ہے، تنویر[۲۶] الابصار ودر[۲۷] مختار میں ہے (کل ما افسد البیع) مما مر (یفسدھا) جتنی چیزوں کا ذکر بیع میں گزرا کہ اسے فاسد کرتی ہیں وہ سب اجارے کو بھی فاسد کرتی ہیں، غایۃ[۲۸] البیان شرح ہدایہ للعلامۃ الاتقانی میں ہے الاجارۃ کالبیع فکل ما افسد البیع افسدھا اجارہ مانند بیع ہے تو جو کچھ بیع کو فاسد کریگا اس میں بھی فساد لائے گا۔

یہ سردست بعد منازل قمر اٹھائیس کتب معتمدہ کی روشنی عبارت ہیں، ان عبارات جلیلہ سے واضح ہوا کہ شروط مفسدۂ اجارہ کے باب میں روایات متعلقۂ بیع کو ذکر کرنا عین حق وصواب ہے، یہ ہمارا قیاس نہیں بلکہ فقہائے کرام ہی یہاں ان کے بیان کو اسی بیان کتاب البیوع پر محوّل فرماتے ہیں وہاں سے ان کے احکام دیکھنے کی ہمیں راہ بتاتے ہیں، اسی لئے فتوائے سابقہ میں عبارت مذکورۂ درمختار نقل کر دی تھی، کہ جن چیزوں کا مفسد بیع ہونا کتاب البیوع میں مذکور ہوا وہ سب مفسد اجارہ بھی ہیں، اسے پیش نظر رکھ کر یہ دیکھئے کہ اس عقد اجارہ میں ضمانت مجہولہ مشروط ہوئی، امانت نامعینہ کی شرط کی گئی مجلس عقد میں پیش از تفرق عاقدین نہ کسی کفیل کی طرف سے قبول واقع ہوا، نہ رہن کی تعیین، یا بہ ابطال رہن اجرت کی تعجیل کی گئی، اب صرف اتنا دیکھنا رہا کہ ایسی شرطیں مفسد بیع ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو یہی عبارات کثیرہ مذکورہ یک زبان شہادت عادلہ دیں گی کہ یہ شرطیں فساد اجارہ کا ذمہ لیں گی، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ضرور یہ امور مفسد بیع ہیں، تو حسب تصریحات ائمہ قطعاً مفسد اجارہ بھی ہیں، شرح مجمع ابن فرشتہ وشرح التنویر علامہ علائی وبحر الرائق کی عبارات فتوائے سابقہ میں گزریں، اور ردالمحتار وحاشیۂ علامہ سید احمد مصری علی الدر المختار میں زیر قول شارح (یصح البیع بشرط رھن معلوم وکفیل حاضر) فرمایا، فلولم یکن مسمی ولا مشارا الیہ لم یجز الا اذا تراضیا علی تعیینہ فی المجلس ودفع الیہ قبل ان یتفرقا، یعجل الثمن ویبطل الرھن، وقید بحضرۃ الکفیل لانہ لو کان غائبا وحاضر ا لم یقبل لم یجز اھ بلفظہ ملخصا۔

پھر اس اجارے کے فساد میں کیا شبہہ و کلام ہو سکتا ہے، مع ہذا جو کچھ اس عقد مبحوث عنہ میں شرط کیا گیا، خود اسے فسخ اور فسخ بھی کیسا تو بہ تعلیق بالشرط فاسد مان کر نفس اجارہ کو صحیح ٹھہرانے کی طرف اصلا کوئی سبیل نہیں۔ اجارہ قطعاً شروط فاسدہ سے فاسد ہو جاتا ہے جس پر ابھی نصوص واضحہ سُن چکے، خاص شرط فسخ کا جزئیہ لیجئے وجیز امام کردری تفریعات نوع اول فصل ثانی کتاب الاجارات میں محیط سے ہے اجر تلك داری ھذہ او اراضی ھذہ علی انك تفسخ العقد متی اردت فالاجارۃ فاسدۃ

بالجملہ اس اجارے کا فاسد ہونا ایسا جلی و واضح ہے جس میں کسی خادم فقہ کو توقف نہیں ہوسکتا تو خالد کو ضرور اختیار فسخ حاصل ہے، رضامندی فریقین کی حاجت عقد صحیح لازم میں ہوتی ہے، عقود فاسدہ میں کیا ضرورت، خالد کو اختیار ہونا کیسا، اس پر اور نیز ہر مستاجر پر فسخ کرنا واجب ہے، وہ نہ کریں تو حاکم پر لازم، وہ بھی باز رہے، تو سب گنہگار و آثم،

تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے سئل فیما اذا کان لزید ثلثا جنینة معلومة وثلثها الاخر ملک عمرو فاٰجر زید ثلثیه من بکر فهل یملک المستاجر الدعوی بفسادها الجواب نعم الاجارة والبیع اخوان لان الاجارة تملیک المنافع والبیع تملیک الاعیان وقد قال فی الدر المختار فی باب البیع الفاسد یجب علی کل واحد منهما ای من البائع وللمشتری فسخه اعداما للفساد، لانه معصیة فیجب رفعها "بحر" واذا اصر احدهما علی امساکه وعلم به القاضی فله فسخه جبرا علیهما حقا للشرع، "بزازیه" اھ اھ باختصار، خاص اس وجوب فسخ اجارہ بوجہ فساد کے جزئیہ میں عبارات کثیرہ علماء فقیر کے پیش نظر موجود ہیں، جن سے بعض فتوائے سابقہ میں منقول ہوئیں، اور عبارت خیریہ ابھی گزری، مگر یہاں بالقصد یہ عبارت لکھی جس میں علامہ حامد آفندی مفتی دمشق الشام نے حکم اجارے پر فرمایا، اور روایت متعلق بیع ذکر کی، اور علامہ منقح آفندی زین العابدین نے مقرر رکھی تاکہ روشن ہو کہ ایسی جگہ علمائے کرام کا داب کیا رہا ہے و باللہ التوفیق۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۔ از بانکی پور ضلع پٹنہ محلہ لال باغ گلی بیگم، مرسلہ مولوی حکیم محمد یوسف حسن صاحب ۲۱ شعبان ۱۳۱۶ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ زید مثلاً حرفۂ طبابت می کند، با شخصے مثلاً بکر چنیں قرار یافت کہ زید مداوات بکر می کند، حالا بلا اجرت اگر بکر صحت یافت در مدت معینہ ومرض زائل شد صد روپیہ از و زید خواہد گرفت اجرۃً یا انعاماً وگرنہ ہیچ اجرت بروے عائد نخواہد شد، آیا ایں معاملہ صحیح ست یانہ۔ بعضے اینجا می گویند کہ ایں معاملہ اصلاً صحیح نیست وبعضے می گویند کہ ایں از قبیل قمار بازی ست، چہ صحت شخصے غیر اختیاری ست، از روئے شرع شریف ہرچہ حکم باشد ارشاد فرمودہ شود تفصیلاً، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ قول قائل "حالا بلا اجرت" سہ معنی را محتمل ست، یکے نفی اجارہ یعنی حالا ہیچ عقد اجارہ نیست زید ہمچناں بطور خود کار بے اجارہ کند، دوم نفی اجرت یعنی حالا عقد اجارہ بلا اجرت ست، سوم نفی حلول اجرت مقررہ فی الحال دادنی نیست، ہمچناں در قول او "اجرۃً یا انعاماً" یحتمل کہ تردید از جانب سائل باشد یعنی معاملہ کنندگاں اجرۃ گفتند یا انعاما، یا ہم در کلام ایشاں باشد کہ گفتند "اجرۃً یا انعاماً خواہد گرفت"، ایں نیز سہ صورت شد وکذالک قولہ‌ش "وگرنہ ہیچ اجرت بروے عائد نخواہد شد" می شاید کہ بربنائے نفی اجارہ باشد یعنی اجارہ خود نبود کہ اجرت لازم آمدے، ومی تواند کہ بربنائے انتفائے شرط مقرر فی الاجارہ بود،

بالجملہ ایں سخن پہلوہائے بسیار دارد برتقدیریکہ زید وبکر اقتصار بر لفظ اجرۃ کردہ باشند اجارہ خود متعین ست والنفی ان کان کان نفی المطلقة لا النفی المطلق لتحقق المشروط عیانا، ورنہ اثبات ونفیش ہر دو بدستور محتمل۔ زیرا کہ انعام اگرچند صلہ و

عہ الظنۃ "اگرچہ" ۱۲ منہ

تبرع را گویند، در ہچو مقام بر بدل و معاوضہ ہم اطلاقش کنند، ولفظ انعام تنہا یا مردداً اگر رو بعدم اجارہ دارد قید حالا "درسابق وشرط" ورنہ" در لاحق رد تحقیق اوست، وسخن ضابطہ دریں مقام آنست، کہ اگر زید وبکر ازیں کلام عقد اجارہ خواستہ اند ودادن اجرت مشروط بشرط مذکور داشتہ، وازہمیں قبیل ست تقرر معاوضہ وبدل برعمل، اگرچہ اجرتش نگویند وبنام انعام تعبیر کنند فان المعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود کما نص علیہ فی الھدایۃ وغیرھا، آنگاہ در فساد وحرمت ایں عقد سخنے نیست، زیرا کہ ایں تعلیق بالخطر ست، وعقد اجارہ ہچو تعلیقات را برنتابد، ونیز صحت خاصہ وایں قدر مدت مقدور طبیب نیست، دریں صورت طبیب مستحق اجرت مثل خواہد بود، اما بیش از قدر مقدر اعنی صد روپیہ نیابد، اگر درہچو مدت ہچو مرض را ایں چنیں مداوا پیش مردم بصد روپیہ یا بیش ازاں می ارزد، صد روپیہ دہندش وبس، واگر مثلاً یک روپیہ اجر مثل ست ہمیں یک دہند، ودگر ہیچ، واگر مقصود سخن منفی اجارہ حقیقۃ ووعدہ مجردہ انعام محض بروجہ تبرع باشد، مثلاً زید گفت حالا ہمچناں مفت ورائگاں کاری کنم ہیچ اجارہ درمیان نیست اگر بمدت معلومہ صحت دست نداد چیزے نہ دہند کہ کار باجرت خود نبودہ است، ورنہ بطور تبرع صد روپیہ انعام بخشند، بکر گفت ہمچناں کنم، ایں روا وبے غائلہ است، زیرا کہ وعدے بیش نیست والوعد لاجبر فیہ وما کان یخشی من جھۃ تعیین شیئ بازاء العمل علی تقدیر الصحۃ فقد زال بتصریح نفی الاجارۃ وکون ذلک تبرعا بلا عقد فان الصریح یفوق الدلالۃ کما لایخفی، فی الھندیۃ سئل شمس الائمۃ الاوزجندی عمن دفع الی طبیب جاریۃ مریضۃ وقال لہ عالجہا بمالک، فما یزداد من قیمتہا بسبب الصحۃ فالزیادۃ لک ففعل الطبیب وبرئت الجاریۃ فللطبیب علی المالک اجر مثل المعالجۃ، وثمن الادویۃ والنفقۃ، ولیس لہ سوی ذلک شیئ، کذا فی المحیط، وفیہا عن الخزانۃ دفع جاریۃ مریضۃ الی طبیب وقال عالجہا فان برئت فما زاد من قیمتہا بالصحۃ بیننا نعالجہا حتی صحت لہ اجر المثل الخ، وفیہا عن المحیط الاصل ان العقد اذا فسد مع کون المسمی کلہ معلوما المعنی اخر یجب اجر المثل ولا یزاد علی المسمی حتی ان المسمی اذا کان خمسۃ واجر المثل عشرۃ یجب خمسۃ لاغیر، وینقص عن المسمی حتی انہ اذا کان اجر المثل خمسۃ والمسمی عشرۃ یجب خمسۃ اھ مختصرا، وفیہا عن الخانیۃ ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی الحیلۃ فی استیجار السمسار وقال یامرہ ان یشتری لہ شیئا معلوما او یبیع ولا یذکر لہ اجرا ثم یواسیہ بشیئ اما ھبۃ او جزاء للعمل فیجوز ذلک لمساس الحاجۃ اھ قلت فاذا جاز لعدم ذکر الاجر فلان یجوز بذکر عدم الاجر اولٰی کما لایخفی

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ازشہر کہنہ ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزوں کی نوکری سلائی کے کام کی کرنا، یا ان کا کپڑا مکان پر لاکر سینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: انگریز کی سلائی کی نوکری کرنے یا گھر پر لاکر اس کا کپڑا سینے میں کوئی مضائقہ نہیں، جبکہ کسی محذور شرعی پر مشتمل نہ ہو

فتاوی قاضیخاں میں ہے اجر نفسہ من نصرانی ان استاجرہ لعمل غیر الخدمۃ جاز الخ، وتمامہ فی غمز العیون واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ از شہر کہنہ غرہ محرم الحرام شریف ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے ایک مکان معہ صحن واحاطہ کے ایک سال کے واسطے کرایہ پر لیا، اور احاطہ کی دیواریں نصف بنی ہوئی تھیں، زید نے عمرو سے کہا کہ احاطہ کی دیواریں پوری بنوادو، عمرو نے وعدہ کیا کہ میں دو تین روز میں دیواریں بنوادوں گا، تم لکڑی ڈالو اور کرایہ نامہ سال بھر کا لکھدو، زید نے کرایہ نامہ سال بھر کا لکھدیا عہ ماہواری حساب سے، زید نے اپنا ایک شریک کرکے اس میں لکڑی ڈالی، اور زید نے عمرو سے کہا کہ اپنے وعدہ کے موافق دیواریں بنوادو، عمرو نے جواب دیا کہ اس وقت میرے پاس روپیہ نہیں ہے، دو مہینے کے بعد بنوادوں گا، تم ایک آدمی اپنے مال کی حفاظت کے واسطے نوکر رکھ لو، جبتک دیواریں تیار ہوں، زید نے کہا کہ میں غریب آدمی ہوں، اس قدر مجھ میں طاقت نہیں ہے کہ میں نوکر بھی رکھوں اور کرایہ مکان بھی دوں اور جو شریک نے زید کا ہوا تھا وہ بھی دو چار روز کے بعد شرکت چھوڑ کر چلا گیا بعد ایک ہفتہ کے زید نے مجبور ہوکر بوجہ نقصان کے لکڑی اس مکان سے اٹھالی اور کنجی عمرو کو دیدی، عمرو نے زید سے کہا کہ میں تم سے کرایہ ایک سال کا لے لوں گا، زید نے کہا کہ جب دیواریں بنوادو گے اس وقت میں ٹالی لکڑی ڈالوں گا، تب کرایہ تم کو دوں گا پھر عمرو خاموش رہا، اور اب چار مہینے کے بعد عمرو نے دیواریں بنانے کا قصد کیا ہے، اور زید سے کہتا ہے کہ تم لکڑی ڈالو، زید نے کہا کہ اب میرے پاس روپیہ نہیں ہے، بوجہ ناداری کے مجبور ہوں۔

پس اس صورت میں زید سے جبراً کرایہ سال بھر کا عمرو کو لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ مکرر یہ ہے کہ مقدار دیواروں کی ڈیڑھ گز کی اونچائی اور ایک جانب مکان کا دروازہ اور بنیاد دیوار ہے اور اس جانب کچھ حفاظت نہیں ہے دیواروں کا بنوا دینا عقد سے پہلے ہوا تھا اور وقت فیصلہ کرایہ کے بھی عمرو نے اقرار کیا تھا اور کہا تھا کہ میں تین تین گز کی دیواریں اونچی کرادوں گا چاروں طرف، اور بعد ایک ہفتہ کے چابی عمرو نے زید سے طلب کری، زید نے چابی دیدی، عمرو کی جانب سے خاموشی ہوئی، فقط۔ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ سوال مختلف وجوہ پر پیش کیا گیا، اگر صورت واقعیہ یہی ہے تو اس شکل میں زید پر سال بھر کا کرایہ لازم نہیں، دیواریں اس قدر چھوٹی ہونا جس میں مال کی حفاظت نہ ہو بلاشبہہ عذر صحیح ہے اور اس کا مضر ومخل منفعت مقصودہ ہونا ظاہر ومرئی ہے، تو مذہب اصح ومعتمد پر زید باختیار خود اس اجارے کو فسخ کرسکتا تھا، اگرچہ عمرو نہ مانے، یہاں جبکہ خود عمرو نے کنجی مانگ لی اور زید نے دیدی، جب عمرو نے کہا میں کرایہ سال بھر کا لے لوں گا اس نے وہ جواب دیا جس سے صاف ظاہر ہوا کہ اس وقت اجارہ باقی نہیں رکھتا بعد دیواریں بنوا دینے کے اس کا وعدہ کرتا ہے، اور عمرو اس جواب پر خاموش ہو رہا، تو ہر طرح اجارہ فسخ ہوگیا، اور رد وسپردگی کلید سے زید کے ذمہ کرایہ لازم نہ رہا فی ردالمحتار عن حاشیۃ الاشباہ للسید ابی السعود عن العلامۃ البیری الحاصل ان کل عذر لایمکن معہ استیفاء المعقود علیہ الا بضرر یلحقہ فی نفسہ اومالہ یثبت لہ حق الفسخ۔ درمختار میں ہے عاد الی

المستأجرة وتطيينها واصلاح الميزاب وما كان من البناء على رب الدار وكذا كل ما يخل فان ابى صاحبها ان يفعل كان للمستأجر ان يخرج منها، الا ان يكون استأجرها وهى كذلك وقد رأها لرضاه بالعيب، وفى الجوهرة وله ان ينفرد بالفسخ بلا قضاء، قلت وفى حاشية الاشباه معزيا للنهاية، ان العذر ظاهرا ينفرد وان مشتبها لا وهو الاصح اه ملخصا، قلت وظاهر ان الثنيا المذكورة بقوله "الا ان يكون استأجرها الخ" لايتعلق بما هنا فانه وان راٰه لم يرض به بل كان شارطه ان يبنى الجدران، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ :- ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رنڈی کو جو کسبی ہے مکان کرایہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ہرگز نہ دیا جائے، اگر وہ زانیہ ہے، اور اگر صرف ناچ گانے کا پیشہ رکھتی ہو تو حرج نہیں کہ فاسقہ ہے۔ اور فاسق کو مکان اجارہ پر دینے میں کچھ حرج نہیں، بخلاف زنا پیشہ کہ وہ مکان اس لئے لیا جاتا ہے کہ اسیں زنا ہو، والعیاذ باللّٰہ۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ :- از بنگالہ ۲۶ رجب ۱۳۲۰ھ

ما قولكم دام طولكم فى العهدة الرائجة فى بلادنا التى يقال لها "سب رجسترارى" كيف هى فى نفسها نظرا الى ما هو لازم لها الأن من حفظ صكوك الرباء وغيرها من العقودة الفاسدة المحرمة شرعا، ولا يمكن لاحد ان يقوم بها ههنا الاحتراز عن ذلك فهل هى حرام ام لا، بينوا توجروا۔

الجواب :- نعم هى حرام شرعا، والحال ما وصف فانها احدى الشهادات على تلك الصكوك بل اعظمها فى القانون الرائج حيث لايقبل كثير من الصكوك الابها، فكان القائم بها معينا فى ثبوت الربا الحرام شرعا، وقد قال تعالٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ثم هو يختم الصك ويحفظ نسخته فى قمطره، فكان احد الكاتبين بل الكاتب الاعظم لما مر، وقد اخرج مسلم فى صحيحه عن جابر بن عبد اللّٰه رضى اللّٰه تعالٰى عنهما قال "لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم اٰكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال هم سواء"، واخرج ابوداؤد والترمذى وصححه وابن ماجة وابن حبان فى صحاحهم عن ابن مسعود رضى اللّٰه تعالٰى عنه، قال "لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم اٰكل الربا ومؤكله وشاهديه وكاتبه" واخرج احمد وابويعلى وابنا خزيمة وحبان فى صحيحهما عنه رضى اللّٰه تعالٰى عنه قال "اٰكل الربا ومؤكله وشاهداه وكاتبه اذا علموا به ملعونون على لسان محمد صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم" هذا مختصر، واخرج الطبرانى فى الكبير عنه رضى اللّٰه تعالٰى عنه بسند حسن مرفوعا الى النبى صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم "لعن اللّٰه الربا واٰكله ومؤكله وكاتبه وشاهده وهم يعلمون" الحديث، فقد جمع ثلثة

وجوہ للتحریم اعانۃ الاثم وکتابۃ الربا وشہادتہ، والعیاذ باللہ تعالیٰ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ۔ از شہر کہنہ مسئولہ ظہور محمد خاں ۲۶ / جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و فضلائے شریعت آئین اس مسئلہ میں کہ دو شخصوں کے درمیان دوستی محض اللہ واسطے ہو، ایک شخص اپنے دوسرے دوست کی اولاد کو کلام مجید محض اللہ واسطے پڑھاتا ہے، تنخواہ نہیں لیتا لڑکوں کا باپ محض اپنے اخلاص اور محبت سے اس دوست کو کوئی چیز بلاقیمت کے دیوے، اور یہ اس کا خیال نہ ہو کہ پڑھانے کا بدلہ کرتا ہوں تو ایسی حالت میں عوض پڑھانے کا تو نہیں ہو جائے گا۔

الجواب۔ جبکہ اُس کی نیت نہ اجرت لینے کی ہے، نہ اُس کی نیت اجرت دینے کی، تو اجرت، تو وہ ضرور نہیں، نہ اس سے نہ اس سے بچنا لازم، مگر ورع کا مقام برتنا چاہے تو یہ نظر کرے کہ بغیر اس علاقہ کے پہلے بھی وہ کبھی اس کو اس قسم کا ہدیہ دیتا تھا، جب تو وہ بلا دغدغہ ہدیہ خالصہ ہے، اس کا قبول کرنا سنت ہے، اور اگر پہلے کبھی ایسا معاملہ نہ تھا اس علاقہ کے بعد ہی اتنے ایسا کیا تو جو اپنے لئے ثواب خالص رکھنا چاہے اُسے اس سے بچنا اولیٰ ہے، امام حمزہ زیات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ قرائے سبعہ سے ہیں، پیاسے تھے راہ میں ایک محلہ پر گزر ہوا، چاہا کہ کسی مکان سے پانی منگا کر پی لوں، پھر یاد آیا کہ اس محلہ کے بعض لڑکوں نے مجھ سے قرآن عظیم پڑھا ہے، خوف فرمایا کہ مبادا اس کا عوض نہ ہو جائے، پیاسے تشریف لے گئے، اور وہاں پانی طلب نہ فرمایا مگر یہ مقام تقوٰی کے مقام سے بھی اعلیٰ دقیق ورع کا ہے، وباللہ التوفیق، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:

زید نے اپنی ایک قطعہ زمین چار سال میعاد معین کر کے عمرو کے پاس اس شرط پر اجارہ دیا کہ اس زمین کی پیداوار کے تم مالک ہو، خواہ پیدا ہو یا نہ ہو صرف چار من دھان ہر سال مجھ کو دینا

الجواب۔ یہ اجارہ فاسد اور عقد حرام و واجب الفسخ ہے کہ اس میں مالک زمین کے لئے ایک مقدار معین دھان کی شرط کی گئی، اور وہ قاطع شرکت ہے کہ ممکن ہے کہ چار ہی من دھان پیدا ہوں، یا اتنے بھی نہ ہوں، فی تنویر الابصار المزارعۃ تصح بشرط الشرکۃ فی الخارج فتبطل ان شرط لاحدھما قفزان مسماۃ اھ ملتقطا۔ بلکہ یوں کہنا لازم ہے کہ مثلاً نصف یا ثلث یا ربع پیداوار پر یہ زمین تیرے اجارہ میں دی، پھر اگر کچھ نہ پیدا ہو تو حسب قرارداد اس کا نصف یا ثلث یا ربع مالک زمین کے لئے ہوگا، اور کچھ نہ پیدا ہو تو کچھ نہیں، یہ شرط لگانا کہ کچھ نہ پیدا ہو جب بھی مجھے اتنا ملے یہ بھی مفسد و حرام ہے، فی الدر المختار واذا صحت فالخارج علے الشروط ولا شیئ للعامل ان لم یخرج شیئ فی الصحیح الخ، فی رد المحتار قیل ھذا قولہ العامل المراد منہ من لا بذر منہ اھ وفیہ ھٰھنا انما لم یکن لہ شیئ لانہ یستحقہ شرکۃ، ولا شرکۃ فی غیر الخارج بخلاف ما اذا فسدت لان اجر المثل فی الذمۃ، ولا یفوت الذمۃ بعدم الخارج، ھدایہ

ع۔ ھذا ذلۃ الناسخ والصحیح "کچھ پیدا ہو" ۱۲

یہ حکم کہ ہم نے بیان کیا اسی حالت میں ہوتا جب یہ اجارہ صحیح طور پر کیا جاتا۔ اب کہ فاسد ہوا، اس کا فسخ واجب ہے اور پیش از فسخ جو سال گزرے اس میں حکم یہ ہے کہ پیداوار ہو یا نہ ہو، بہر حال مالک زمین کو اس کی زمین کا اجر مثل ملے گا، جو چار من دھان کی قیمت سے زیادہ نہ ہو، مثلاً اتنی زمین کی اجرت مثل ایک سال کی دس روپے ہوتے ہوں اور چار من دھان چار روپے کو آتے ہوں تو چار ہی روپے دیئے جائیں گے، زیادہ نہیں، اور زمین کی اجرت مثلاً دو روپے ہوں اور دھان چار روپے کے تو دو ہی روپے ملیں گے، چار نہ ہوں گے فی الدرالمختار متی فسدت فالخارج لرب البذر وللاٰخر اجر مثل ارضہ ولا یزاد علی شرط وان لم یخرج شیئ فی الفاسدۃ فان کان البذر من العامل فعلیہ اجر مثل الارض اھ مختصرا وانما اقتصرنا علی ھذا لان الواقع فی بلادنا الھندیۃ ھوان البذر والبقر والعمل کلھا انما یکون من قبل المزارع ولیس من رب الارض الا الارض، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ :-

زید کا ایک تالاب ہے، اس کو بعوض بیس روپیہ ایک ماہ کی میعاد مقرر کرکے عمرو کے تصرف میں دیا اور کہا اس ایام معینہ کے اندر تم اس تالاب کے پانی سے ہر طور انتفاع حاصل کرسکتے ہو، اور نیز اس تالاب کی مچھلی پکڑ سکتے ہو، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب - یہ مسئلہ معرکۃ الآرا ہے، عامہ کتب میں اس اجارے کو محض حرام وناجائز و باطل فرمایا اور یہی موافق اصول و قواعد مذہب ہے کیف وھی اجارۃ وردت علی استھلاک عین اعنی الماء والسمک والارض التی تحت الماء لاتصلح للانتفاع بھا فی الحال، وھو شرط جواز الاجارۃ، ولذا لم یجز اجارۃ الجحش للرکوب فی وجیز الامام الکردری۔ الاجارۃ اذا وقعت علی العین لاتصح فلا یجوز استیجار الآجام والحیاض لصید السمک اور رفع القصب، وقطع الحطب، اولسقی ارضھا، اوغنمہ منھا وکذا اجارۃ المرعی اھ، وفی الدرالمختار عن البحرالرائق تجوز اجارۃ برکۃ لیصاد منھا السمک اھ، وفی ردالمحتار نقل فی البحر عن الایضاح عدم جوازھا قال وما فی الایضاح بالقواعد الفقھیۃ الیق لعدم الصحۃ۔ اور جامع المضمرات میں جواز پر فتوٰی دیا، فی الدرالمختار جاز اجارۃ القناۃ والنھر مع الماء بہ یفتی لعموم البلوی مضمرات انتھی، اور احوط یہ ہے کہ تالاب کے کنارے کی چند گز زمین محدود معین کرائے پر دے اور پانی وغیرہ سے انتفاع مباح کردے، یوں اسے کرایہ، اور اسے پانی مچھلی گھاس جائز طور پر مل جائیں گے فی البزازیۃ بعد ما قد مناعنھا والحیلۃ فی الکل ان یستاجر موضعا معلوما لعطن الماشیۃ ویبیح الماء و المرعی الخ یا زراعت کو کنارے کی زمین اور تالاب جس سے اس زمین کو پانی دیا جائے سب ملاکر کرائے پر دے کہ تالاب کا اجارہ بھی بالتبع جائز ہو جائے، فی البزازیۃ لم تصح اجارۃ الشرب لوقوع الاجارۃ علی استھلاک العین مقصودا الا اذا اجر او باع مع الارض فحینئذ یجوز بیعا[عہ] ولو باع ارضا مع شرب ارض اُخرٰی عن ابن سلام انہ یجوز ولو

عہ فی الاصل یجز لعلہ من قلم الناسخ - عبدالمنان

اجارہا مع شرب ارض اخری لایجوز، لان الشرب فی البیع تبع من وجہ، اصل من وجہ حیث انہ یقوم بنفسہ وتبع من حیث انہ لا یقصد لعینہ فمن حیث انہ تبع لایباع من غیر ارض ومن حیث انہ اصل یجوز مع ای ارض کان، والشرب فی الاجارۃ تبع من کل وجہ لان الانتفاع بالارض لایتھیأ بدونہ، فلم تجز اجارۃ الشرب مع ارض اخری، کما لم یجز بیع اطراف العبد تبعا رقبۃ اخری اھ[عہ]

اقول وقع فی ردالمحتار ھنا زلل قلم فانہ قال فی شرح قول المضمرات المار مانصہ قولہ مع الماء ای تبعا وقال فی کتاب الشرب، ومن البزازیۃ لم تصح اجارۃ الشرب الی اٰخرہ وذکر بعض ماذکرنا من عبارتھا، فجعل مورد المضمرات والبزازیۃ معا واحدا، وعندی لیس کذلک فان اجارۃ البزازی فیما اذا اٰجر ارضا للزراعۃ ولھا شرب تسقی بھا فاٰجر شربھا معھا، وجواز ھذا ماش علی الاصول غیر محتاج الی استناد لعموم البلوی فکم من شیئ یجوز ضمنا لاقصدا، اما جامع المضمرات فانما حکم بجواز اجارۃ النھر ولم یقل مع الارض بل مع الماء، وانما قالہ لان النھر الیابس ارض قراح فلا یعتری شك فی جواز اجارتہ قال فی الوجیز کما نقل عنہ فی ردالمحتار بعد اسطر، استاجر نھرا یابسا او ارضا او سطحا، مدۃ معلومۃ ولم یقل شیئا صح، ولہ ان یجری فیہ الماء اھ، اما النھر مع الماء فھذا ھو الذی تقتضی القواعد ببطلان اجارتہ لانھا اجارۃ وقع علی استھلاك عین فاحتاج الی الاستناد لعموم البلوی کما جاز اجارۃ الظئر مع انھا ایضا علی استھلاك عین، وان قیل ان المراد اجارۃ ارض النھر التی تحت الماء ویکون الماء تبعا لھا و حمل علیہ قول البزازی "الا اذا اٰجر او باع مع الارض فمع ظھور بطلانہ بما ذکرنا من تمام کلام البزازی" فانہ نص صریح فی ان المراد تبعیۃ الشرب للارض تسقی منہ لا لارض تحتہ" لا یستقیم ایضا قطعا لما قدمنا الاشارۃ الیہ ان الاجارۃ تعتمد صلاحیۃ الانتفاع بالنفع المقصود المعتاد فی الحال لا فی المآل، ولذا لم تجز اجارۃ الجحش، ومعلوم ان ارض النھر مع الماء لا تصلح للانتفاع غیر الانتفاع بالماء وھو استھلاك العین، فاذا لم تستقم فی الاصل فکیف یجوز فی التبع، وما تقدم من الحیلۃ فانما ھو فیما اذا اٰجر ارضا حول الماء فانھا الصالحۃ للعطن، فیحصل لہ الاجر بوجہ جائز، وللمستاجر الماء والکلاء، فالحق ان الماشی علی الاصول فی اجارۃ البرکۃ والقناۃ والنھر من دون الارض، تسقی منہ ھو البطلان، وان ماذکر فی البزازیۃ وغیرھا من صور الجواز فلا مساس لھا بہ، ولا یمکن حمل ما فی جامع المضمرات علی شیئ منھا، و

عہ: اندازے سے بنایا گیا ۱۲ - ... [illegible]

لقد احسن اذعلل الافتاء بعموم البلوٰی لا بحصول الجواز بالتبع، فاذن ان عمل بقوله به یفتی فلاشك ان قضیۃ الملاق الجواز وھو الایسر، والاحوط مامر، فعلیہ فلیقتصر ھذا ماعندی والعلم بالحق عند عزیز الاکبر، واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از شہر میمن سنگھہ ملک بنگالہ ڈاکخانہ یا ٹنگڑا موضع کروا، مرسلہ محمد زینت اللہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں ملک بنگالہ میں جب کسی نے برائے ثواب رسانی اپنے میت کے ملاؤں یا طلباؤں سے قرآن شریف پڑھوایا، یا بعد کو جو کچھ ان کو دیا جاتا ہے وہ خود نہیں مانگتے، بلکہ خود پڑھوانے والا ان کو دیتا ہے، یہ طریقہ ہمارے یہاں عام رواج ہے، تو یہ لینا دینا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو کس طریقہ پر ہے، اور ایسے ہی بعد پڑھوانے مولود شریف کے جو کچھ دیا جاتا ہے بغیر طلب کرے مولود خواں کے یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا بحوالہ کتب جواب عنایت ہو با دلیل۔

الجواب ۔ اصل یہ ہے کہ طاعت وعبادات پر اجرت لینا دینا (سوائے تعلیم قرآن عظیم وعلوم دین واذان وامامت وغیرہا معدودے چند اشیاء کہ جن پر اجارہ کرنا متاخرین نے بناچاری ومجبوری بنظر حال زمانہ جائز رکھا) مطلقاً حرام ہے، اور تلاوت قرآن عظیم بغرض ایصال ثواب وذکر شریف میلاد پاک حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ضرور منجملہ عبادات وطاعت ہیں، تو ان پر اجارہ بھی ضرور حرام ومحذور، کما حققه السید المحقق محمد بن عابدین الشامی فی رد المحتار علی الدر المختار، وله رحمه الله تعالٰی رسالة مستقلة فی تحقیق المسئلة سماها "شفاء العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیة بالختمات والتهالیل" قال واطلع علیها المحشی هذا الکتاب (یعنی الدر) فقیه عصره ووحید دهره السید احمد الطحطاوی مفتی مصر سابقا فکتب علیها واثنی الثناء الجمیل فالله یجزیه الاجر الجزیل وکتب علیها غیره من فقهاء العصر، قلت وقد تشرف الفقیر بمطالعتها فوجدته بحمد الله تعالٰی کفی وشفٰی وصفا ووفٰی فرحمنا الله وایاه والمسلمین بعبادہ الذین اصطفٰی، اٰمین۔

اور اجارہ جس طرح صریح عقد زبان سے ہوتا ہے، عرفاً شرط معروف ومعہود سے بھی ہوجاتا ہے مثلاً پڑھنے پڑھوانے والوں نے زبان سے کچھ نہ کہا مگر جانتے ہیں کہ دینا ہوگا، وہ سمجھ رہے ہیں کہ کچھ ملے گا، انھوں نے اس طور پر پڑھا، انھوں نے اس نیت سے پڑھوایا، اجارہ ہوگیا، اور اب دو وجہ سے حرام ہوا، ایک تو طاعت پر اجارہ یہ خود حرام، دوسرے اجرت اگر عرفاً معین نہیں تو اس کی جہالت سے اجارہ فاسد، یہ دوسرا حرام ای ان الاجارة باطلة وعلی فرض الانعقاد فاسدة فللتحریم وجهان متعاقبان، وذلك لما نصوا قاطبة ان المعهود عرفا کالمشروط لفظا۔

پس اگر قرارداد کچھ نہ ہو، نہ وہاں لین دین معہود ہوتا ہو، تو بعد کو بطور صلہ وحسن سلوک کچھ دیدینا جائز بلکہ حسن ہوتا ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ ﴿وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾، مگر جبکہ اس طریقہ کا وہاں عام رواج ہے، تو صورت ثانیہ میں داخل ہوکر

حرام محض ہے، اب اس کے حلال ہونے کے دو طریقے ہیں، اوّل یہ کہ قبل قرأت پڑھنے والے صراحۃً کہدیں کہ ہم کچھ نہ لیں گے، پڑھوانے والے صاف انکار کردیں، کہ تمہیں کچھ نہ دیا جائے گا، اس شرط کے بعد وہ پڑھیں، اور پھر پڑھوانے والے بطور صلہ جو چاہیں دیدیں، یہ لینا دینا حلال ہوگا لانتفاء الاجارۃ بوجھیھا، اما اللفظ فظاھر واما العرف فلانھم نصوا علی نفیھا و الصریح یفوق الدلالۃ، فلم یعارضہ العرف المعھود کما نص علیہ الامام فقیہ النفس قاضیخان رحمہ اللہ تعالٰی فی الخانیۃ، وغیرہ فی غیرھا من السادۃ الربانیۃ۔ دوم پڑھوانے والے پڑھنے والوں سے بہ تعیین وقت واجرت ان سے مطلق کار خدمت پر پڑھنے والوں کو اجارے میں لے لیں، مثلاً یہ ان سے کہیں ہم نے کل صبح سات بجے سے بارہ بجے تک بعوض ایک روپیہ کے اپنے کام کاج کے لئے اجارہ میں لیا، وہ کہیں ہم نے قبول کیا، اب یہ پڑھنے والے اتنے گھنٹوں کے لئے ان کے نوکر ہوگئے، وہ جو کام چاہیں لیں، اس اجارہ کے بعد وہ ان سے کہیں، اتنے پارے کلام اللہ شریف کے پڑھ کر ثواب فلاں فلاں کو بخش دو، یا مجلس میلاد مبارک پڑھ دو، یہ جائز ہوگا، اور لینا دینا حلال لان الاجارۃ وقعت علی منافع ابدانھم لا علی الطاعات والعبادات، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از شیو پوری سردلی، ضلع بریلی، مرسلہ واحد نور صاحب۔ ۶ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک اراضی جو اس کی ملک ہے، عمرو کو واسطے کاشت مدت پندرہ سال کو دخلی رہن دی، اور اس کا لگان مبلغ ڈیڑھ سو ماصہ/ میعاد معینہ کا پیشتر لے لینا، بعد مدت معینہ اراضی کا چھوڑنا قرار پایا، میعاد مقررہ تک عمرو اس سے منفعت حاصل کرے، لیکن زید کو پندرہ سال کے لگان بنرخ ایک روپیہ بیگھہ خام دیا گیا ہے، اور وہ اراضی عمرو کے قبضہ میں ایک دو روپیہ بیگھہ خام اٹھ سکتی ہے، رہن اس حالت میں درست ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ رہن واجارہ دو عقد منافی ہیں جمع نہیں ہوسکتے، جب اس نے ماصہ/ اجرت مانیں، رہن نہ ہوئی، بلکہ اجارہ پر دی گئی، عمرو کو اختیار ہے کہ خود کاشت کرے جو پیدا ہو اس کا ہے، خواہ دوسرے کو اجارہ پر اٹھادے، مگر اس تقدیر پر اُسے زیادہ لینا صرف تین صورت میں جائز ہوسکتا ہے ورنہ حرام،

(۱) زمین میں نہر یا کنواں کھودے یا اور کوئی زیادت ایسی کرے جس سے اُس کی حیثیت بڑھائے، اب چاہے پانچ روپیہ بیگھہ پر اٹھادے۔

(۲) جس شے کے عوض خود اجارہ پر لی ہے اس کے خلاف جنس کے اجارہ کو دی مثلاً ماصہ/ دیئے۔ اب اپنے مستاجر کو اشرفیوں یا نوٹوں پر دی

(۳) زمین کے ساتھ کوئی اور شے ملاکر مجموعاً زیادہ کرائے پر دے، کہ اب یہ سمجھا جائے گا کہ زمین تو وہی روپیہ بیگھہ کو دی گئی اور باقی زیادت جس قدر ہو دوسرے شے کے عوض رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ :- ۱۲ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی طرف سے اس کے پیرو کار نے ایک دکان زید کو کرائے پر دی، مگر ابھی تک نہ کرایہ نامہ تحریر ہوا نہ کوئی اقرار کسی میعاد معین برس یا چھ مہینے کا ہوا، اور نہ مالک دکان کی جانب سے اظہار کسی مدت برس یا چھ مہینے کا ہوا تھا کہ زید کرایہ دار نے اپنے مصارف سے بقدر آرام مرمت دکان کی کرائی، ابھی بیٹھنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ زید کو حاجت اس دکان کی نہ رہی اور عرصہ تخمیناً ایک ہفتہ میں زید نے پیرو کار مالکہ دکان کے پاس تالی دکان کی واپس بھیج کر اطلاع دی کہ دکان دوسرے کو دیدو، مجھ کو حاجت نہ رہی اور آج تک کے دنوں کا کرایہ مجھ سے لے لو، اس کے جواب میں سال بھر کے کرایہ کی طلب زید سے کی گئی، بعد زیادہ گفتگو کے آخر تصفیہ حکم شرعی پر قائم ہوا ہے، لہذا حکم فرمائیے کہ اس حالت میں زید کے ذمہ از روئے احکام شرعی کس قدر کرایہ ادا کرنا واجب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں اگر ماہوار کرایہ قرار پایا تھا، کہ ہر مہینے پر مثلاً دس روپے جب تو اجارہ ایک مہینہ کے لئے صحیح ونافذ تھا، اور باقی مہینوں کے لئے بوجہ عدم تعیین مدت ہنوز معدوم، تو جبتک یہ مہینہ ختم ہوکر دوسرے مہینے کی ایک رات ایک دن نہ ہو جائے دوسرے مہینے کا اجارہ ہی متحقق نہ ہوگا، سال بھر کے تو بارہ مہینے ہیں، درمختار میں ہے ان کان استاجرها مشاهرة فانها توجر لغیرہ اذا فرغ الشهر ان لم یقبلها لانعقادها عند راس کل شهر، اسی میں ہے (اجرحانوتا کل شهر بکذا صح فی واحد فقط) وفسد فی الباقی لجهالتها، واذا مضی الشهر فلکل فسخها بشرط حضور الاخر لانتهاء العقد الصحیح (وفی کل شهر سکنه فی اوله) هو اللیلة الاولیٰ ویومها عرفا، وبه یفتی (صح العقد فیه) ایضا، اس صورت میں تو سال بھر کا کرایہ مانگنا ظاہر ہے کہ صریح ظلم وحرام ہے، اور اگر سالانہ کرایہ قرار پایا ہو، اگرچہ ماہوار کی اجرت بھی بتا دی گئی ہو، مثلاً کہا یہ دکان ہر سال ساٹھ روپے کرائے پر تجھے دی، ہر مہینے پر پانچ روپے، تو اس تقدیر پر اگرچہ پہلے سال کے لئے اجارہ صحیح ہوگیا، فی الدرالمختار واذا اجرها سنة بکذا صح وان لم یسم اجر کل شهر، مگر جبکہ ایک ہفتہ کے بعد کرایہ دار نے کنجی واپس بھیج دی اور مالکہ کے کارکن نے لے لی، اور اس کے فسخ اجارہ کو قبول کر لیا، تو جبکہ یہ کارکن مالکہ کا مختار عام ہو، یا اس عقد خاص کے فسخ وقبول کا مالکہ نے اسے اختیار دیا ہو، یا اسے اختیار نہ تھا، مگر اس نے مالکہ کو اطلاع دی اور وہ فسخ پر راضی ہوگئی، تو ان سب صورتوں میں صرف اسی ہفتہ کا کرایہ زید پر لازم آیا، زیادہ کی طلب محض بے معنیٰ ہے، یوہیں اگر نہ اسے قبول فسخ کا اختیار تھا نہ مالکہ نے فسخ مانا، مگر زید نے یہ فسخ کسی ایسے عذر واضح صریح بلا اشتباہ کی بنا پر کیا کہ اگر ساتھ اجارہ باقی رکھے تو اسے اس کی جان یا مال میں صریح ضرر لاحق ہو، جس کے لحوق میں کوئی تردد وخفا نہ ہو، تو اس صورت میں بھی صرف اسی ہفتہ کا کرایہ واجب رہا، اور عقد تنہا زید کے فسخ کر دینے سے فسخ ہوگیا لحدیث لاضرر ولاضرار فی الاسلام۔ ردالمحتار میں ہے والحاصل ان کل عذر لایمکن معه استیفاء المعقود علیه الابضرر یلحقه فی نفسه اوماله یثبت له حق الفسخ۔ درمختار میں ہے ان العذر ظاهرا ینفرد وان مشتبها لا ینفرد وهو الاصح، اور اگر یہ بھی نہ تھا بلکہ بلا عذر اس نے اجارہ چھوڑا، یا عذر واضح وصریح نہ تھا، اور خود مالکہ یا اس کے وکیل نے کہ قبول فسخ کا اختیار رکھتا ہو، اس فسخ کو قبول نہ کیا، نہ دکان اس کے قبضہ سے واپس لی تو بیشک اس صورت میں دکان بدستور زید کے کرائے میں ہے، پھر اگر صرف ماہوار کرایہ ٹھہرا تھا تو ہر ختم ماہ پر زید کو دکان چھوڑ دینے کا اختیار ہوگا، خواہ پہلے مہینے کے ختم پر چھوڑ دے، خواہ کسی اور مہینے کے ختم پر، اور جس مہینے کے شروع میں ایک رات دن گزر جائے گا

وہ مہینہ بھر پھر اجارہ صحیح ہوجائے گا، اور زید کو تنہا اس کے فسخ کا اختیار نہ ہوگا، اور اگر سالانہ کرایہ ٹھہرا تھا تو بعد ختم سال زید کو دکان چھوڑنے کا اختیار ہوگا، یوں سال دو سال یا ماہ دو ماہ جس قدر مدت تک دکان اس کے اجارہ میں رہے گی، اس قدر کرایہ اس پر لازم آئے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اراضی کاشت اپنی بعوض مبلغ ایک سو روپے کے رہن رکھی اور مرتہن سے یہ شرط ٹھہری کہ اراضی تم اپنی کاشت میں رکھو، اور اس کی پیداوار سے لگان اراضی زمیندار کو ادا کرتے رہو، بقیہ منافع تم لے لیا کرو، اور اگر کم پیداوار ہو، یا بالکل نہ ہو، تو مجھ سے کچھ تعلق نہیں، اس کا نفع نقصان سب تمہارے ذمہ ہے، تو اب مرتہن اس اراضی کو خود کاشت کرے یا کسی ذیلی کاشتکار سے کاشت کرائے، اور بعد ادائے لگان جو کچھ منافع ہو وہ منافع سود ہوا یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ اگر زید نے بے اجازت زمیندار کہ مالک زمین ہے، یہ زمین رہن رکھی تو رہن صحیح ہوگیا، زمین زید کے اجارہ سے نکل گئی وکان من باب رھن المستعار للرھن حیث یجوز، قال فی الھندیۃ عن البدائع یجوز رھن مال الغیر باذنہ کما لو استعار من انسان لیرھنہ بدین علی المستعیر، اور اس کا یہ کہنا کہ زمین اپنی کاشت میں رکھو زمیندار کو لگان دیتے رہو اجارہ فضولی کا ہے۔ اگر زمین دار نے اسے جائز رکھا اجارہ نافذ ہوگیا اور جب مرتہن نے اس پر کاشتکارانہ قبضہ کیا رہن باطل ہوگیا، زید کو کچھ تعلق نہ رہا، مرتہن اصلی کاشتکار ہوگیا، جو منافع بچے وہ اس کے لئے حلال ہیں، خود کاشت کرے یا اسے لگان پر ذیلی کاشتکار کو دے سب جائز ہے فی الھندیۃ عن شرح الطحاوی لو استأجرہ المرتھن صحت الاجارۃ وبطل الرھن اذا جدد القبض للاجارۃ، اور اگر زمیندار نے اس اجارہ کو ناجائز کردیا، اجارہ رد ہوگیا، مرتہن کو نہ خود کاشت کرنا جائز ہے نہ ذیلی کو دینا، جو کچھ اس سے حاصل ہوگا خبیث ہوگا، مرتہن پر واجب ہے اسے تصدق کردے، اور اگر سرے سے یہ رہن رکھنا ہی بے اجازت زمیندار ہے تو راہن و مرتہن دونوں غاصب ہیں، مرتہن کو کاشت وغیرہ حلال نہیں، پھر اگر زمیندار کو لگان دی، اور اس نے قبول کرلی تو زید کے اجارہ سے نکل گیا، زمین مرتہن کے اجارہ میں آگئی، اب جو منافع بچے حلال ہوں گے واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مالک مکان اور کرایہ دار سے ایک سال کے واسطے ایک مکان قرار پایا تھا بہ کرایہ دو روپیہ ماہوار کے، کرایہ دار نے بلا اجازت کرایہ نامہ دو سال کے واسطے۔ پس غیبت مالک مکان کے تحریر کرا کر مالک مکان کے پاس بھیج دیا، اب چونکہ کرایہ دار نے بدعہدی کی اس واسطے کرایہ دار مذکور کو دینا مکان منظور نہیں ہے، اب اس حالت میں مالک مکان کے ذمہ کوئی مواخذہ شرعی ہے یا نہیں، فقط۔

الجواب ۔ تحریر کاغذ سے پہلے کچھ گفت گو عاقدین میں ہوتی ہے، وہ گفتگو کبھی خود عقد ہوتی ہے، اور تحریر کاغذ محض اس کی تاکید و توثیق ہوتی ہے، اس صورت میں شرعًا اس گفتگو کا اعتبار ہے، کاغذ اگر اس کے خلاف ہو بیکار ہے کما نص علیہ فی الفتاوی الخیریۃ ان العبرۃ بما تلفظا لا بما کتب فی الصک، اور کبھی وہ گفت گو خود عقد ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی، تحریر ہی سے تکمیل عقد ہوتی ہے پس صورت مذکورہ میں اگر سال بھر کے لئے عقد اجارہ ان کی گفتگو میں تمام ہوچکا تھا، مثلًا زید نے عمرو سے کہا میں نے اپنا مکان ایک سال کے لئے اتنے کرایہ پر تجھے دیا۔ اس نے کہا میں نے قبول کیا، یا میں نے لے لیا۔ یا مجھے منظور ہے، جب تو عقد تمام ہوگیا، اور مکان ایک سال کے لئے دینا

مالک پر ضرور ہوگا، فقط، اس بدعہدی کے سبب کہ اس نے ایک سال کے بجائے دو سال لکھوایا، ایک سال کے لئے دینے سے انکار نہیں کرسکتا کہ بدعہدی کی غایت فسق ہے، اور فسق مستاجر فسخ اجارہ کے لئے عذر نہیں فی مطالب ردالمحتار فسق المستاجر لیس عذرا فی الفسخ و نقل نصه فیه عن لسان الحکام۔ اور اگر گفتگو میں تمامی عقد نہیں ہوئی تھی، مثلاً عمرو نے کہا اپنا فلاں مکان اتنے کرایہ میں ایک سال کے لئے مجھے کرایہ پر دوگے، زید نے کہا ہاں، عمرو نے کہا تو کرایہ نامہ لکھوالوں، زید نے کہا ہاں فان ھذا وعد لا عقد اب اس نے دو سال کے لئے کرایہ نامہ لکھا اور زید نے قبول نہیں کیا تو ایک دن کے لئے بھی مکان کرایہ دار کو دینا مالک پر لازم نہیں کہ پہلے عقد نہ ہوا تھا اور کرایہ نامہ بلارضا مالک لکھا گیا اور اس نے قبول نہیں کیا، تو عقد اصلاً موجود نہ ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از ملک بنگالہ ضلع نواکھالی موضع سندیپ ۔ مرسلہ محمد حسن۔

چہ فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ، اجرت گرفتن بر تعلیم قرآن وزیارت قبور ومیلاد شریف واذان وامامت بدعوی یا بغیر آں ازروئے شرع شریف جائزست یانہ، وبعضی بر ہر تقدیر حرام گویند، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ فی الواقع اخذ اجرت بر تعلیم قرآن عظیم ودیگر علوم واذان وامامت جائزست علی ما افتی به الائمة المتاخرون نظرا الی الزمان حفظا علی شعائر الدین والایمان، وبربقیہ طاعات مثل زیارت قبور، وسیپارہ خوانی برائے اموات، وقرأت میلاد پاک سید الکائنات علیه وعلی آله افضل الصلوات والتحیات، بر اصل منع باقی است والمعهود عرفا کالمشروط لفظا، پس اگر قرارداد اجرت کنند یا بحسب عرف معلوم باشد کہ ایناں برائے گرفتن می خوانند، وآناں برائے خواندن می دہند، اگر ایناں نخوانند آناں نہ دہند، واگر آناں نہ دہند ایناں نہ خوانند، گرفتن ودادن ہردو روا نیست الاخذ والمعطی اثمان، اگر نہ چناں باشد بلکہ ایناں لوجہ اللہ تعالیٰ می خوانند در ہیچ چیز دل بہ دل ہم نہ خواہند تا آنکہ اگر یقیناً دانند کہ چیزے نیابند، نیز بخوانند، آنگاہ بے قرارداد لفظی وعرفی چیزے خدمت ایشاں کردہ شود مضائقہ نیست ہمچناں درجائیکہ گرفتن ودادن معہود بعرف شدہ است، اگر خوانندگان پیش از خواندن صراحۃً شرط کنند، کہ ماراہیچ نہ دہند، بعدہ[عہ] دہندگان خدمت از پیش خویش کنند نیز رواست لان الصریح یفوق الدلالة کما فی الفتاوی امام قاضیخان، واگر خواہند کہ شرط کنند و حلال باشد، صورتش آنست کہ حافظاں وقاریاں را برائے وقت معین، مثلاً روز فلانے از ہفتہ، ساعت صبح تا دہ ساعت، برائے کار وخدمت خویش بر اجرت معینہ، ہرچہ براں تراضی طرفین شود، اجیر کنند، بر قدر آں ساعات ایناں نوکر شدند وتسلیم نفس بر ایناں واجب شد، مستجراں را می رسد کہ ہر خدمت کہ خواہند فرمایند، از انجملہ کہ میلاد مبارک بخوانند، یا قرآن عظیم خواندہ ثواب بفلاں مسلمان رسانند، ایں روا باشد ودادن واجب، وگرفتن حلال، زیراکہ حالا اجارہ بر منافع نفس ایناں واقع شد نہ بر طاعات، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از قصبہ سیوہارہ ضلع بجنور مرسلہ محمد مہدی حسین بریلوی قانون گو، ۱۴/ ستمبر ۱۹۱۲ء

(۱) نوکری گرداور قانونگوئی جس میں حسب ذیل کام کرنا ہوتا ہے شرعاً جائز ہے یانہیں (۱) کاغذات پٹواری جن میں زمینداران وکاشتکاران کی صحت اندراج کی بابت موقع پر اور نیز کاغذات ماضیہ کی بابت جانچ کی جاتی ہے (۲) تحقیقات موقع بابت حقوق کاشتکاران

[عہ] دراصل بعض است وظنی انه بعدہٗ است، عبدالمنان

وزمینداران بمقدمات تنازع اراضیات لگان (۳) تصدیق پٹہ وقبولیت (۴) نقشہ جات متعلقہ وکوشش ادائے مالگذاری وزرتقاوی تقسیم شدہ وغیرہ۔

۲۔ جوگرداور قانون گو لینا پسند کرتے ہیں، ان کو حسب ذیل آمدنی ہوتی ہے یہ آمدنی جائز ہے یا نہیں:۔ (۱) علاوہ تنخواہ معینہ کے پٹواریاں بعوض اس رعایت کے کہ ان کے کام میں جو تاخیر خلاف ان کے قواعد کے ظہور میں آئے اُس کی رعایت کی جائے، اور اُن کو جرمانہ سے بچایا جاوے، کچھ ماہوار یا سال تمام پر دیتے ہیں، لیکن سب کام سرکاری میعاد انتہائی کے اندر ختم کرایا جاتا ہے (۲) تصدیق پٹہ وقبولیت میں مقر کچھ حقوق خوشی سے دیا کرتے ہیں (۳) تحقیقات موقع میں جس فریق کے حقوق فائق متصور اور امید کامیابی معلوم ہوتی ہے، اُس سے بعوض تحریر رپورٹ واجبی کے جو کچھ وہ دیتا ہے لیا جاتا ہے (۴) دیہات میں منجانب زمیندار مقدم، وپدھان نذر دیتے ہیں، بلحاظ افسری بلا اُس وقت کسی کام کے۔

۳۔ اس تنخواہ مندرجہ سوال اول وآمدنی مندرجہ سوال دوم کے اندوختہ سے مصارف حج وزیارت ودیگر نذر دریات دینی جائز ہیں یا نہیں، اور بحالت عدم جواز کوئی طریقہ اس روپے سے ادائے کارروائی مندرجہ بالا کا ہوسکتا ہے، مثلاً تبادلہ اس روپے کا اگر اشرفی ہائے خزانہ سے کرلیا جائے وغیرہ، بینوا توجروا۔

الجواب ۱۔ اگر ان کاموں کو دیانت وامانت سے انجام دے، اور ان میں جو ظلم اور لوگ بڑھا لیتے ہیں ان سے مخلوق کو بچانے کی نیت سے یہ نوکری کرے، اور اس سے زائد اور کوئی ناجائز کام اُسے کرنا نہ ہو، تو یہ نوکری جائز ہے بلکہ خلق پر دفع ظلم ودیگر اہلکاران کی نیت پر ثواب پائے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔

۲۔ یہ سب مدین رشوت وحرام ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

۳۔ تنخواہ بشرائط مذکورہ حلال ہے، اور اس سے ہر نیک کام جائز، اور آمدنی سوال دوم حرام ہے، اور ایسے کسی کام میں صرف کرنا جائز نہیں، سوا اس کے کہ جن سے لی ہے ان کو واپس دے، وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو دے، پتہ نہ چلے تو فقیروں پر تصدق کردے، ایسی آمدنی والا اگر حج وغیرہ چاہے تو اُسے چاہیے بے سودی قرض لے لے، وہ حلال ہوگا، اور وہ قرض اگرچہ اس مجلس میں اپنے ناپاک روپے سے ادا کرے گا تو قرض لئے ہوئے روپے میں خباثت نہ آئے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از گونڈہ محلہ نبی گنج مکان مولوی نوازش احمد صاحب مرسلہ حافظ محمد اسحٰق۔

کوئی طوائف جو اپنے پیشہ میں مبتلا ہے، قرآن شریف پڑھنے یا پڑھوانے کی خواہش رکھتی ہے، اور اس کے عوض میں استاذ معلّم حافظ خواہ ناظرہ خواں کی کچھ خدمت کرے، تو یہ پیسہ جو طوائف پیشہ کا قطعاً حرام ہے، لینا استاذ معلم کو جائز ہے یا نہیں، اور ایسے حافظ وقاری کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ۔ عالمگیریہ وغیرہا میں تصریح ہے کہ یہ روپیہ جو اجرت زنا یا غنا کا ان لوگوں کے پاس ہوتا ہے، وہ اُن کے ہاتھ میں مثل غصب کے ہے، وہ کسی شے کے معاوضہ میں بھی لینا جائز نہیں، امام اگر اس پر اصرار کرے تو اسے امامت سے معزول کرنا چاہیے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از نواکھالی، ڈاکخانہ رائے پور، ملک بنگالہ، مسئولہ فضل حق صاحب ۱۹ر محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

علمائے کرام و فضلائے عظام کی خدمت میں التماس یہ ہے کہ استیجار علی الطاعات خصوصاً تلاوت قرآن و تسبیح وتہلیل ایصال ثواب کی نیت سے ارواحِ موتیٰ کے واسطے ایک مدت دراز سے رواج چلا آرہا ہے، فی الحال دیوبندی مختل بعض علماء نے حرام کہہ کر اٹھا لینے میں بڑے کوشاں ہیں۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ فی زماننا استیجار علی الطاعات خصوصاً تلاوت قرآن و تسبیح وتہلیل پر اجرت لینا حسب الحکم کتب فقہیہ جائز ہے یا نہیں، بر تقدیر جواز شامی و برکوی وغیرہما رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی تحریرات میں جو حرمت استیجار علی التلاوۃ والتسبیح کو ثابت فرمائے ہیں، اس کا کیا جواب ہے، مترصد کہ حضور از راہ مہربانی استفتا ہذا کا جواب مع اپنے مہر اور متعلقین علماء کی مہر و دستخط سے مزین کرکے جلد تکلیف ارسال منظور فرمائیں۔

الجواب ۔ حق یہی ہے کہ استیجا علی الطاعات حرام و باطل ہے، سوا تعلیم علوم دین و اذان و امامت وغیرہا بعض امور کے کہ متاخرین نے بضرورت فتوائے جواز دیا، تلاوت قرآن و تسبیح وتہلیل پر اجرت لینا دینا دونوں ناجائز و حرام محض ہیں کما حققہ المولی المحقق السید امین الدین الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شفاء العلیل۔ دیوبندی عقیدے والے ضرور کفار مرتدین ہیں جن کے کفر و ارتداد پر علمائے کرام حرمین شریفین نے فتوے دیئے، کہ حسام الحرمین وتمہید ایمان بآیات قرآن میں شائع ہوئے، مگر یہ ضرور نہیں کہ کافر جو بات کہے باطل ہو، نصاریٰ کہتے ہیں یہود کا دین باطل ہے، اور اُن کا یہ کہنا حق ہے، یہود کہتے ہیں نصاریٰ کا دین باطل ہے، اور ان کا یہ کہنا حق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ مسئولہ ظہور محمد صاحب از شہر کہنہ ۲۸ر محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اراضی کے چند مالک و زمیندار ہیں، ان میں سے ایک نمبردار ہے، کل کارروائی تحصیل وصول وغیرہ کی نمبردار کرکے تقسیم کردیتا ہے، چنانچہ ایک اراضی کا کرایہ نامہ نمبردار نے ایک سال کے لئے ایک شخص کو لکھ دیا، کرایہ دار و نمبردار کی مرضی سے کرایہ نامہ میں کرایہ دار نے یہ بات تحریر کرادی کہ درصورت اراضی خالی پڑی رہنے کے بھی کرایہ مقررہ ادا کرے گا، اب وہ کرایہ دار بعد ۹ ماہ کے کہتا ہے کہ اراضی میں نے خالی کردی، تین ماہ کا کرایہ مجھ سے نہ لیا جائے، ایسی صورت میں نمبردار کو کرایہ دار سے ان تین ماہ کا کرایہ کہ جس سے کرایہ دار کو نفع نہیں پہنچا ہے، لینا چاہئے یا نہیں، دوسرے یہ کہ نمبردار کو بلامنشاء اپنے شرکایان کے کرایہ دار کو تین ماہ مذکور کا کرایہ اپنے اختیار سے چھوڑ دینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب ۔ جبکہ کرایہ دار نے زمین باختیار خود خالی چھوڑی، تو اس پر ان تین ماہ کا بھی کرایہ واجب ہے، نمبردار کو اگر شرکا کی طرف سے کرایہ پر دینے کا اختیار دیا گیا ہے، تو وہ کرایہ سب کی طرف ہوا تین ماہ کا کرایہ اگر وہ کرایہ دار پر چھوڑ دے گا، اور شریکوں کے حصہ کا کرایہ اُسے دینا پڑے گا، اور اگر شرکا کی طرف سے اُسے اختیار نہ دیا گیا، بطور خود بزعم نمبرداری اُس نے ایسا تصرف کیا تو اور شرکاء کے حصوں کا غاصب ہوا، مگر ازانجا کہ عقد اجارہ اس نے کیا ہے، کرایہ کا مالک وہی ہوگا، اگرچہ حصہ شرکاء کے کرایہ میں ملک خبیث ہوگی۔ اس صورت میں وہ تین ماہ کا کرایہ باختیار خود چھوڑ سکتا ہے، اور اس صورت میں اسے لازم ہے کہ باقی شرکاء کے

حصے کا کرایہ یا تو ان کو دے اور یہی بہتر ہے، یا فقرا پر تصدق کرے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ مسؤلہ منشی مجید حسن صاحب از جنگل بن بٹول ڈاکخانہ بڑاپور، ضلع بجنور ۳ رمحرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ حبیب اللہ صاحب کے یہاں کام ہنڈی کا ہوتا ہے، اور بینک میں روپیہ کا لین دین ہے، روپیہ سود پر جو کہ بینک کو دیتے ہیں، اور ایسے ہی جو کہ بینک سے لیتے ہیں، ان دونوں صورتوں میں سود کا برتاؤ ہے، اور یہی قرضہ پر سود چلاتے ہیں،

فدوی کی یہ عرض خدمت شریف میں ہے کہ جبکہ شیخ صاحب کے یہاں سود کا لین دین ہے، ایسی صورت میں ایسے شخص کے کارخانہ میں نوکری کرنے کا حکم خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک کیا حکم ہے، اگر اجازت ہے تو اس کی بھی دلیل ارقام فرمادیں، اگر ناجائز ہے اس کی وجہ بھی فرمادیں، جب سے مجھکو یہ معلوم ہوا ہے کہ اس کارخانہ کے مالک کے یہاں سود کا لین دین ہے میرا دل ایک منٹ ٹھہرنے کو نہیں چاہتا ہے، اسی وجہ سے خدمت میں گزارش کی گئی "خدا چاہے" جیسا ارشاد فرماویں گے، اس پر عمل کیا جائے گا،

اور ایک یہ دریافت کرنا ہے کہ وکیلوں کے یہاں کی محرری کرنا جائز ہے یا نہیں ہے، ان کے یہاں بھی مقدمات رجوع سود کے ہوتے اور بلاسود کے بھی ہوتے ہیں، ایک میرے عزیز ہیں حافظ عبد الرشید وکیل ہیں، وہ کہتے ہیں جو کام بلا سود کا ہوا کرے گا، وہ تم سے کرایا کروں گا، اور سودی دعویٰ میرا دوسرا محرر کیا کرے گا، مگر شرعًا جیسا حکم ہو ارشاد فرمادیں، بینوا توجروا،

الجواب ۔ جس کے پاس مال حلال و حرام مختلط ہو، مثلاً تجارت بھی کرتا ہے، اور سود بھی لیتا ہے، اس کے یہاں کی نوکری شرعًا جائز ہے اور جو کچھ بھی وہ دے اُس کے لینے میں حرج نہیں، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ چیز جو ہمیں دے رہا ہے، بعینہ مال حرام ہے، بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ کذا فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن الامام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وکلاء کے یہاں کی محرری میں کچھ خیر نہیں، سودی معاملہ کے سوا اُن کے یہاں اور معاملات بھی اکثر خلاف شرع مطہر ہوتے ہیں، اکثر دعاوی باطلہ ہوتے ہیں جن کو وہ حق کرنا چاہتے ہیں، جو حق ہوتے ہیں، اُنھیں بھی باطل کی آمیزش بغیر اپنے لئے سرسبزی نہیں جانتے، غرض ان کے معاملات ناحق سے شاذ و نادر ہی شاید خالی ہوتے ہیں، اور تحریر اعانت ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، اور حدیث میں ہے وعلی الکاتب مثلہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ مسؤلہ سید عبد القادر سید حسن واعظ از سورت سید واڑہ روز دوشنبہ ۶ رصفر المظفر ۱۳۳۴ھ

مسلمان اپنا مکان شراب کے بیچنے کے لئے، اور شراب نوشی کے لئے کرایہ سے دیوے تو درست ہے یا نہیں، اور اس کی ایسی کمائی کا کھانا دوسرے مسلمان کے لئے درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ مسلمان مکان کرایہ پر دے اُس کی غرض کرایہ سے ہے، اور اعمال نیات پر ہیں، یہ نیت کیوں کرے کہ اس لئے دیتا ہے کہ اس میں شراب نوشی و شراب فروشی ہو، ایسی حالت میں کرایہ اس کے لئے حلال اور اس کے یہاں کھانا کھانے میں حرج نہیں، ہاں جو اس حرام نیت کو شامل کرلے وہ اب خود ہی گنہ گار (گنہگار) بنتا ہے، اور اگر وہ مکان ایسی جگہ واقع ہے جہاں ان مفاسد کا اظہار باعث ضرر و خرابی ہمسا ہوگا، تو ناجائز، یہ باعث فتنہ ہوا اور فتنہ حرام، بہر حال نفس اجرت کہ کسی فعل حرام کے مقابل نہو[عہ] حرام نہیں، یہی معنیٰ ہیں اس قول حنفیہ کے

عہ میرے خیال میں یہاں بھی ناسخ سے لغزش ہوگئی کیونکہ اس میں "نہو" کے بجائے "ہو" لکھا ہے ۱۲ عبد المنان

کہ یطیب الاجر وان کان السبب حراما کما فی الاشباہ وغیرھا فاحفظہ فانہ علم عزیز فی نصف سطر، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ۔ مسئولہ بنے خاں سوداگر پارچہ محلہ نالہ متصل کٹرہ مانند رائے بریلی ۱۲ جمادی الاولیٰ ۳۳ھ

مجلس میلاد پڑھنے کے لئے پیشتر ٹھہرالینا کہ ایک روپیہ دو تو ہم پڑھیں گے، اور اس سے کم پر نہیں پڑھیں گے، اور وہ بھی اس سے بطور پیشگی بطور بیعنامہ یا سائی جمع کرالینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا یہ ممنوع ہے اور ثواب عظیم سے محرومی مطلق، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ۔ مسئولہ محمد لطف علی محکمہ سروے آف انڈیا زام نگر منڈی ضلع نینی تال ۹ رجب ۳۴ھ

جناب مولانا صاحب، السلام علیکم، بعد آداب آداب کے عرض یہ ہے کہ کمترین محکمہ سروے میں بملازمت سرکار ممتاز ہے اور اپنی زندگی کا بیمہ مبلغ چار ہزار روپیہ کے واسطے محکمہ ڈاک خانہ میں کیا ہے، شرح ماہوار چندہ تیرہ روپیہ سات آنہ ہے، کمترین نے شروع یکم اگست ۱۹۱۳ء کو کیا تھا، اور شرط یہ تھی کہ اگر کمترین ۵۴ سال کی عمر تک زندہ رہے گا تو کمترین کو چار ہزار روپیہ دیئے جائیں گے، اور اگر کمترین کا اس سے پہلے انتقال ہوا، تو انتقال ہونے پر کمترین کے عزیزوں کو چار ہزار روپیہ دیدیئے جائیں،

اب التجا یہ ہے کہ مہربانی فرماکر آپ فتویٰ دیں کہ یہ شرعاً درست ہے یا نہیں، اور اگر شرعاً درست ہے تو اس کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں، عنایت فرماکر مفصل تحریر فرمایئے گا، عین نوازش ہوگی، فقط،

الجواب۔ یہ شرعاً قمار محض ہے، وہ ماہوار کہ اس میں دیا جاتا ہے وقت مشروط سے پہلے واپس نہیں لیا جاسکتا، نہ شرعاً وہ محکمہ اس کا مالک ہوسکتا ہے، وقت واپسی جتنا جمع ہوا تھا، اُس کی ہر سال کی زکوٰۃ لازم آئے گی، اور اگر اس سے زائد ملے گا تو اس کی زکوٰۃ نہیں، کہ وہ بیمہ کرانے والے کی ملک نہ تھا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ۔ از شہر رجمنٹ اکاکورے ۱۳ چھاؤنی مسئولہ محمد حسین صاحب سہارنپوری ۲۰ ربیع الاول ۳۶ھ

زید کا یہ عقیدہ ہے کہ کلام مجید کا پڑھنا اور پڑھانا، امامت کا کرنا، اور ماہواری یا فصل پر روپیہ وصول کرکے کلام مجید کے ذریعہ پر اپنی پرورش اپنے بال بچوں کی کرتے ہیں، زید ان امامت کرنے والوں سے بہت نفرت کرتا ہے، اور جو لوگ امامت اللہ کے واسطے کرتے ہیں، اور پرورش اپنے بچوں کی محنت مزدوری سے کرتے ہیں، ان سے زید بہت خوش رہتا ہے، اور ان کو نگاہِ عبرت سے دیکھتا ہے،

الجواب۔ جو اللہ عزوجل کے لئے امامت وتعلیم وتعلّم کرتے ہیں ان سے خوش ہونا بہت بجا ہے، اور جو تنخواہ لیتے ہیں ان سے نفرت بیجا ہے، کہ اب ان کاموں پر اجرت لینا روا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ۔ از گوری ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور ۲ رجب ۳۶ھ

اجرت تعلیم قرآن، وامام مسجد کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ متاخرین نے تعلیم امامت پر اخذ اجرت کے جواز پر فتویٰ دیا ہے کتب الحنفیۃ طافحۃ بذلک ومن لا یعلم فحسبہ جواب من یعلمہ، واللہ تعالیٰ اعلم،

ع یہ مسئلہ باب القمار کا ہے، اس کو ساتویں جلد میں ہونا چاہئے تھا ۱۲۔

مسئلہ - از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور، مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :-

۱ - اجرت کی چیزوں کی، مثل گاڑی وکشتی وغیرہ کی اجرت نہ دینا کیسا ہے ؟

۲ - جس زمین کی مال گذاری مالک لیتا ہے، اس میں اگر پانی ٹھہرا اور مچھلی ٹھہری تو مالک کہتا ہے کہ یہ مچھلی ہماری ہے، اگر عامًا نہ دے تو گنہ گار تو نہیں ہے ؟

الجواب - ۱ حرام ہے۔ ۲ مباح مچھلی جو پکڑے اُسی کی ہے، مالک کو اس پر دعویٰ نہیں پہنچتا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از شہر بریلی مسئولہ کفایت اللہ یکم رمضان المبارک ۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر ایک پیشہ ور کام کراتے ہیں آدمیوں سے، اور اس شرط پر کہ آدھ آنہ روپیہ کے حساب سے گیارہویں شریف کے لئے کاٹتے رہیں گے، اس میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایسے نہیں دیتے، ہم چاہے اپنے گھر یا جیسے جی چاہے گا ویسے ہی دیں گے، ایسی پابندی کا باندھنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب - اس کو جبر کا کوئی اختیار نہیں، اگر جبرًا کاٹ دیگا ظلم ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از شہر مدرسہ اہل سنت وجماعت، مسئولہ مولوی محمد عثمان طالبعلم بنگالی ۲۳ شوال ۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک جائداد نیلام کی خریدی، جس میں رنڈیاں رہا کرتی ہیں، ان سے کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب - جو کرایہ وہ اپنے زرِ حرام سے دیں کہ زنا یا غنا کی اجرت میں ملا ہے، اس کا لینا حرام ہے، اور اگر زرِ حلال سے دیں مثلاً کسی سے قرض لیکر یا وہ بلا اجرت ورشوت محض انعام میں ملا تو حلال ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از فیض آباد کھڑکی علی بیگ، مسئولہ سید عبداللہ صاحب سب انسپکٹر۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ خالد کا ایک مقدمہ دس پندرہ ہزار کا کچہری میں تھا، خالد نے زید سے کہا کہ میری ڈگری ہو جائے، زید نے باین شرط دعا کرنے کا وعدہ کیا کہ درصورت ڈگری کے مبلغ دو ہزار روپیہ بطور معاوضہ حق الدعا خالد زید کو دے گا، خالد نے منظور کر لیا، اتفاق سے ڈگری ہوگئی، خالد نے زید کو زرِ مذکور دیدیا، یہ روپیہ زید کو لینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب - خالی دعا پر اجرت ٹھہرا لینا بوجوہ حرام ہے، اور وہ روپے کہ اسے ملے محض حرام ہے، ان کا لینا دینا سب حرام ہوا، اُس پر فرض ہے کہ وہ روپے خالد کو واپس کر دے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از شہر محلہ ملوکپور، مسئولہ محمد شفیق احمد خاں صاحب ۲۶ محرم الحرام ۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان معمار کو بتکدہ کی نوتعمیر یا مرمت کرنا شرعًا درست ہوگا یا نہیں، اگر نہیں تو جو کوئی ایسا کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے ؟

الجواب ۔ مکروہ ہے، اور جو کرے مستحق سزا نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از چوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول ۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ دریں ملک عرف است کہ یک شخص چند گوسفنداں یا مادہ گاواں وغیرہم باجارہ بادیگر با ایں وعدہ می دہد کہ تا سال چار یا ہفت، ہشت ایں مال را بچراند، اقرار ایں است کہ اصل مال خود ملک من است، وہرچہ افزاید یعنی زاید، نصف نصف است، ایں راتیم سودی می گویند، ایا ایں اجارہ جائز است یا نہ ؟

الجواب ۔ ایں اجارہ حرام است بوجوہ منہا الجہالۃ، ومنہا الغرر، ومنہا معنی قفیز الطحان، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از پوکھریرا ضلع مظفر پور، ڈاک خانہ رائے پور مرسلہ شریف احسن صاحب ۲ شعبان ۳۶ھ

زید ایک انجمن اسلامیہ میں دس روپے کا تحصیلدار ہے، چونکہ وہ امانت دار ہے، اور مواخذہ آخرت سے بھی خرچ ہوجانے پر ڈرتا ہے اس لئے انجمن سے استدعا کرکے للعہ ماہانہ داخل انجمن کرنے پر ٹھیکہ لیا، اور بقیہ آمدنی اپنے اور اپنے اہل وعیال وزادراہ وغیرہ کے لئے اپنی تنخواہ مقرر کرالی ہے، شرعاً جائز ہے یا نہیں، ؟

الجواب ۔ حرام ہے کہ بوجہ عدم تعین تنخواہ اجارہ فاسد ہوا، اور عقود فاسدہ سب حرام اور واجب الفسخ ہیں، اس صورت میں وہ صرف اجر مثل لے سکے گا، اور وہ بھی اس کے حق میں خبیث ہوگا، اجر مثل سے زیادہ جو کچھ بچے، انجمن میں داخل کرنا لازم ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از لاہور انجمن نعمانیہ مرسلہ سلیم اللہ خاں جنرل سکریٹری انجمن ۱۴ ذی الحجہ ۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دینی مجالس میں دینی تعلیم کے لئے جو مدرسین وغیرہ ملازم رکھے جاتے ہیں، اور قواعد منضبط مجلس پر ان سے بوقت قبولیت ملازمت کے دستخط کرالئے جاتے ہیں، بعد میں اگر ایسے ملازم ان قواعد کی خلاف ورزی کرکے ملازمت بلا اطلاع چھوڑکر چلے جائیں، یا کوئی ایسا امر کریں جو قواعد مذکورہ کے خلاف ہو، جس کو منظور کرچکے ہوں تو ایسے ملازمین کے کارکردگی کی تنخواہ ضبط کرلینے اور نہ دینے کا مجلس مذکور کو شرعاً اختیار رہوگا یا نہیں، اور ایسے قواعد ہر ایک مجلس انجمن مدرسہ مکاتب اسلامی میں مندرج ہیں، رائج ہیں، کیا یہ شرعاً بھی درست اور قابل تعمیل ہیں یا نہیں ؟ ملازمین کی طرف سے حجت کی جاتی ہے کہ ان کی کارکردگی کی تنخواہ ان کا حق واجبی ہے اور وہ کسی طرح رکھ لینا شرعاً جائز نہیں ہوسکتا، براہ کرم ان کے جواب سے بادلہ شرعیہ بہت جلد مطلع فرمائیں، المستفتیان :۔

سلیم اللہ خاں جنرل سکریٹری، تاج الدین احمد سکریٹری، نور بخش سکریٹری

الجواب ۔ مدرسین وامثالہم اجیر خاص ہیں، اور اجیر خاص پر وقت مقررہ معہود میں تسلیم نفس لازم ہے، اور اسی سے وہ اجرت کا مستحق ہوتا ہے، اگرچہ کام نہ ہو، مثلاً مدرس وقت معہود پر مہینہ بھر برابر حاضر رہا، اور طالب علم کوئی نہ تھا کہ سبق پڑھتا، مدرس کی تنخواہ واجب ہوگئی، ہاں اگر تسلیم نفس میں کمی کرے، مثلاً بلا رخصت چلا گیا، یا رخصت سے زیادہ دن لگائے، یا مدرسہ کا وقت چھ گھنٹے تھا، اس نے پانچ گھنٹے دیئے، یا حاضر تو آیا لیکن وقت مقرر خدمت مفوضہ کے سوا اور کسی اپنے ذاتی کام اگرچہ نماز نفل یا دوسرے شخص کے کام میں صرف کیا، کہ اس سے بھی تسلیم منتقض ہوگئی، یونہی اگر آتا اور خالی باتیں کرتا چلا جاتا ہے، طلبہ حاضر ہیں اور پڑھاتا نہیں، کہ اگرچہ اجرت کام کی نہیں تسلیم نفس کی ہے مگر یہ

منع نفس ہے نہ کہ تسلیم۔ بہر حال جس قدر تسلیم نفس میں کمی کی ہے اتنی تنخواہ وضع ہوگی، معمولی تعطیلیں مثلاً جمعہ وعیدین و رمضان مبارک کی، یا جہاں مدارس میں سہ شنبہ کی چھٹی بھی معمولی ہے، وہاں یہ بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، کہ ان ایام میں بے تسلیم نفس بھی مستحق تنخواہ ہے، سوا اس کے اور کسی صورت میں تنخواہ کل یا بعض ضبط نہیں ہوسکتی، تسلیم نفس کامل کرکے اور بات میں باوصف قبول واقرار خلاف ورزی غایت یہ کہ جرم ہو، جرم کی تعزیر مالی جائز نہیں کہ منسوخ ہے، اور منسوخ پر عمل حرام، معہٰذا حقوق العباد میں مطلقاً اور حقوق اللہ میں جرم کر چکنے کے بعد تعزیر کا اختیار صور معدودہ کے سوا قاضی شرع کو ہے، نہ عام لوگوں کو اور امر ناجائز رائج ہوجانے سے جائز نہیں ہوسکتا، یوہیں ملازمت بلا اطلاع چھوڑ کر چلا جانا اس وقت سے تنخواہ قطع کرے گا نہ کہ تنخواہ واجب شدہ کو ساقط، اور اس پر کسی تاوان کی شرط کرلینی، مثلاً نوکری چھوڑنا چاہے تو اتنے دنوں پہلے سے اطلاع دے، ورنہ اتنی تنخواہ ضبط ہوگی، یہ سب باطل وخلاف شرع مطہر ہے، پھر اگر اس قسم کی شرطیں عقد اجارہ میں لگائی گئیں جیسا کہ بیان سوال سے ظاہر ہے کہ وقت ملازمت ان قواعد پر دستخط لے لئے جاتے ہیں، یا ایسے شرائط وہاں مشہور ومعلوم ہوکر المعروف کالمشروط ہوں، جب تو وہ نوکری ہی ناجائز وگناہ ہے کہ شرط فاسد سے اجارہ فاسد ہوا، اور عقد فاسد حرام ہے، اور دونوں عاقد مبتلائے گناہ۔ اور ان میں ہر ایک پر اس کا فسخ واجب، اور اس صورت میں ملازمین تنخواہ مقررکے مستحق نہ ہوں گے، بلکہ اجر مثل کہ جو مشاہرہ معینہ سے زائد نہ ہو، اجر مثل اگر مسمّی سے کم ہے تو اس قدر خود ہی کم پائیں گے، اگرچہ خلاف ورزی اصلا نہ کریں، درمختار میں ہے الاجیر الخاص ویسمی اجیر وحد من یعمل لواحد عملا موقتا بالتخصیص ویستحق الاجر بتسلیم نفسہ فی المدۃ وان لم یعمل کمن استوجر شہرا للخدمۃ، ولیس للخاص ان یعمل لغیرہ بل ولا ان یصلی النافلۃ؛ شامی ولو عمل نقص من اجرتہ بقدر ما عمل، فتاوی النوازل، ردالمحتار میں ہے حیث کانت البطالۃ معروفۃ فی یوم الثلثا والجمعۃ و فی رمضان والعیدین یحل الاخذ، بزازیہ پھر بحر، پھر شامی میں ہے معنی التعزیر باخذ المال علی القول بہ امساک شیئ من مالہ عندہ مدۃ لینزجر ثم یعیدہ الحاکم الیہ، لا ان یاخذہ الحاکم لنفسہ اولبیت المال، کما یتوہمہ الظلمۃ، اذ لایجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی، شرح معانی الآثار امام طحاوی پھر مجتبٰی پھر ابن عابدین میں ہے التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ، شرح ہدایہ امام عینی میں ہے العمل بالمنسوخ حرام، درمختار میں ہے یقیمہ کل مسلم حال مباشرۃ المعصیۃ وبعدہ لیس ذلک لغیر الحاکم والزوج والمولی۔ ردالمحتار میں ہے "یقیمہ" ان التعزیر الواجب حقا للہ تعالٰی بخلاف الذی یجب حقا للعبد فانہ لتوقفہ علی الدعوی لایقیمہ الا الحاکم الا ان یحکما فیہ اھ" فتح "فتاوی عثمانیہ میں ہے الا تری انہم لو تعاملوا علی بیع الخمر اوعلی الربا لایفتی بالحل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما بال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فہو باطل، وان کان مائۃ شرط فقضاء اللہ احق وشرط اللہ اوثق' رواہ الشیخان عن ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا، درمختار میں ہے تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ لمقتضی العقد، اسی میں ہے ان فسدت بجہالۃ المسمی وعدم التسمیۃ وجب

اجرالمثل باستیفاء المنفعۃ بالغامابلغ والاتفسد بمابل بالشروط" اوالشیوع مع العلم بالمسمی لم یزد اجرالمثل علی المسمی لرضاھمابہ وینقص عنہ لفساد التسمیۃ، اسی میں ہے یجب علی کل واحد منھما فسخہ اعدامًا للفساد، لانہ معصیۃ یجب رفعھا "بحر" ولذا لایشترط فیہ قضاء قاض، لان الواجب شرعًا لایحتاج للقضاء "درر" واذا اصرا علی امساکہ، وعلم بہ القاضی فلہ فسخہ جبرا علیھما حقا للشرع "بزازیہ" واللّٰہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ـ مسئولہ محمد مسعود علی میر محلہ بدایوں بروز دوشنبہ ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ممالک متحدہ میں ایک عرصہ سے جدید بنک کھولے گئے ہیں جن کو زبان اردو میں دیہاتی بنک کہا جاتا ہے، اور جن کے دفتروں میں صدہا مسلمان ملازم ہیں، تنخواہ پاتے ہیں، ان بنکوں کی حقیقت یہ ہے کہ ان کی پونجی بالعموم حسب ذیل تین طریقوں سے فراہم کی جاتی ہے:

اوّل۔ دس دس یا بیس بیس روپیہ کی قیمت کے حصص قائم کئے جاتے ہیں، اور کم ازکم ایک حصہ کا خریدار ممبر مانا جاتا ہے، اس ہر بنک میں صدہا ممبر ہوتے ہیں، ہر حصہ کی قیمت بالعموم بیس چھ ماہی قسطوں میں یعنی دس سال میں قابل ادا ہوتی ہے۔

دوم۔ اکثر رقوم بدامانت جمع ہوا کرتے ہیں۔

سوم۔ قرض لیا ہوا روپیہ بھی اس کی پونجی میں شامل ہوتا ہے،

اصل مقصد ان بنکوں کا یہ ہے کہ اپنے ممبروں کو سخت ضرورت کے وقت سادہ سود کے کم نرخ پر قرض دیکر مہاجنوں کے سود در سود اور بھاری شرح کی مار سے ضرورتمند ممبروں کو جن میں مسلمان اور اہل ہنود دونوں از قسم زمیندار وزراعت پیشہ وتجارت پیشہ ودیگر کاروباری شامل ہیں محفوظ رکھا جائے، ملازمان بنک کے کارہائے مفوضہ میں ممبران بنک کو کفایت شعاری کی ہدایت کرتے رہنا اور غیر ضروری کاموں کے لئے قرض نہ لینے دینا ایک اہم فریضہ ہے، بنک جو اپنے ممبروں کو قرض دیا کرتا ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ممبران اپنا اپنا کاروبار چلانے کے لئے ضروری روپیہ بنک سے قرض لیتے ہیں، جس کی شرح سود بالعموم ایک روپیہ سے سوا روپیہ سیکڑہ تک سادہ ہوتی ہے، اور یہ قرض مع سود بالاقساط ادا کیا جاتا ہے، اس طرح پر قرضداروں کو مہاجنوں سے قرض لینے کے مقابلہ میں بہت زیادہ منفعت رہتی ہے، مثلاً کسی معمولی حیثیت کے مسلمان ممبر نے سخت ضرورت کے وقت پانچسو روپیہ بنک سے قرض لے، تو یہ قرض پانچ سال میں بالاقساط مع سادہ سود کے آٹھ سو پچہتر روپیہ کی تعداد میں بنک کو ادا کیا جاوے گا، اور بالفرض اگر کوئی قسط کسی مجبوری سے نہ ادا ہوسکے تو بلا کسی تاوان کے قرضدار کو مزید مہلت ملے گی، یعنی بجائے پانچ سال کے ساڑھے پانچ سال میں ادا ہوسکتی ہے، درانحالیکہ مہاجن سے پانچسو روپیہ قرض لینے میں دو روپیہ کی سود در سود کی شرح سے کم نہیں ملے گا، اور ششماہی سود شامل اصل ہوکر پانچ برس کے عرصہ میں الصاللعہ روپیہ یعنی بنک کے قرضہ سے دوگنا دینا پڑے گا، اور اگر پانچ سال کے بجائے ساڑھے پانچ برس تک یہ قرض رہ گیا تو تقریبًا دو ہزار روپیہ دینا پڑیں گے، جیسا کہ اکثر مسلمان جو سودی قرض لینے کے عادی ہیں، مہاجنوں کے چنگل میں پھنس کر بغیر تباہ ہوئے نہیں بچتے، اس لحاظ سے یہ بنک ان مسلمان ممبروں کے لئے زیادہ مفید کہی جاسکتی ہے، جو ضروری اور غیر ضروری کاموں کے لئے بلالحاظ

کفایت شعاری سودی قرض لینے کے عادی ہیں۔ قرض پر سود کی رقم جو بنک کو اصل کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، اس میں بیشتر حصہ اس رقم کا ہوتا ہے جو بطریق ذیل پیدا کی جاتی ہیں

ا ۔ زراعت پیشہ لوگ، جس میں اکثر مشرکین ہوتے ہیں، ابغرض زراعت ضروری روپیہ بنک سے قرض لیکر زراعت کرتے ہیں اور اس کے ماحصل سے جو مقدار قرض سے کئی حصہ زیادہ ہوتا ہے کچھ جزوی رقم سود کے نام سے قرضہ بنک میں ادا کرتے ہیں،

ب ۔ اسی طرح تجارت پیشہ لوگ اپنی تجارت کے ماحصل سے (یعنی منافع سے)

ج ۔ اسی طرح کاروباری مثلاً ایک نجار نے دس روپے قرض لیکر اوزار خریدے اور سال بھر میں دوسو روپیہ پیدا کئے، اسی آمدنی سے ادائے قرض میں بجائے دس روپے کے بارہ روپے بنک میں داخل ہوتے ہیں،

ملازمان بنک کے کارہائے متعلقہ یعنی فرائض حسب ذیل ہوتے ہیں :۔

اوّلاً دفتر میں متعلقہ حساب وکتاب درست کرنا، ثانیاً اس بات کی سخت نگرانی کرنا کہ ممبران بنک کسی غیر ضروری کام کے لئے قرض نہ لیں اور فضول کام میں روپیہ خرچ نہ کریں، ثالثاً ماتحتوں کے کام کی نگرانی رکھنا، جانچ کرنا، سودی قرض وصول کرنا، تنخواہ جو ان ملازموں کو ملتی ہے وہ بنک کے منافع سے ملا کرتی ہے، جس میں مذکورہ بالا سود کا روپیہ بھی شامل ہے، نظر براں ان بنکوں میں ملازمت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور ایک ضرورتمند مسلمان ملازمت پیشہ جو اس بنک میں ملازم ہے، اور اپنی محنت کے عوض مقررہ تنخواہ پاتا ہے، اسکو لئے کیا حکم ہے، اگر اس کی ایسی ملازمت ناجائز ہے تو کس حد تک، اور حسب ذیل اشخاص کی حیثیتوں اور ایسے ملازم بنک کی حیثیت میں کیا فرق ہے

۱۔ ایک مسلمان جو سرکاری بنک میں اپنا روپیہ امانتاً جمع کرتا ہے اور اسی امانت پر سود کے نام سے منافع حاصل کرتا ہے، ۲۔ ایک مسلمان جو محض مشرکین سے سود لیا کرتا ہے، ۳۔ ایک مسلمان جو سود دیا کرتا ہے، ۴۔ ایک مسلمان جو گورنمنٹ کے صیغہ مال میں ملازم ہے اور جس کو تنخواہ اس مالگذاری کی آمدنی سے ملتی ہے، جس میں بقاعدہ زمینداری بقایا لگان پر کاشتکاروں سے بالعموم سود لیا ہوا اور غیر مسلم مالگذار کا جائز وناجائز طریقہ پر پیدا کیا ہوا روپیہ شامل ہوتا ہے، کیونکہ یہ سب مخلوط آمدنی مالگذار کی مالگذاری سرکار میں داخل ہوا کرتی ہے، ۵۔ ایک مسلمان جو گورنمنٹ کے صیغہ دیوانی میں ملازم ہے اور جس کو تنخواہ کورٹ فیس وغیرہ کی آمدنی سے جس میں بیشتر حصہ اُس رقم کا ہوتا ہے جس کو مہاجن سود کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں، ملا کرتی ہے، ۶۔ ایک مسلمان چنگی کا ملازم جس کی تنخواہ چنگی کی آمدنی سے جو بلحاظ ٹیکس وغیرہ بالعموم سود خوار اقوام کی کمائی سے جمع کی جاتی ہے، ملا کرتی ہے، ۷۔ ایک مسلمان جو کسی ایسے غیر محتاط مسلمان رئیس کے پاس ملازم ہے جس نے اپنی آمدنی کے ذرائع کو عام احتیاط سے مستثنٰی کر رکھا ہے، ۸۔ کسی ایسے انگریزی مدرسہ کا مدرس جس کا کاروبار چندہ پر مبنی ہے، اور چندہ دہندگان میں سود خوار اقوام بھی شامل ہیں، ایسے چندہ کی آمدنی سے تنخواہ پانے والا مسلمان مدرس، ۹۔ ایک مسلمان تجارت پیشہ جو اپنے مال کو سود خوار اقوام کے ہاتھ فروخت کیا کرتا ہے، ۱۰۔ ایک مسلمان زراعت پیشہ جس کو اپنا غلہ وغیرہ سود خوار اقوام کے ہاتھ فروخت کرنے سے کوئی عار نہیں ہے۔ اور یہ بھی تحقیق طلب ہے کہ آیا ایسی جائداد (یعنی زمینداری وغیرہ جس کو کسی ڈپٹی کلکٹر یا کسی سب جج یا کسی منصف یا کسی وکیل مختار نے اپنے ایسے پیشہ کی آمدنی سے پیدا کیا ہو، اکل حلال سمجھی جاسکتی ہے یا نہیں، اور اسکی آمدنی محتاط لوگ جائز آمدنی سمجھ سکتے ہیں یا نہیں فقط۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب - بنک کی صورت مذکورہ حرام قطعی ہے، اور یہ فائدہ کہ بنیوں سے آدھا یا چہارم سود دیا جائے گا، سود دینے والے کا ایک دنیوی فائدہ سہی، مگر دینے والے اور لینے والے کے اخروی مضرت اور حرمت میں کوئی فرق نہیں، اللہ عزّوجل فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور جو سود باقی رہ گیا چھوڑ دو، پھر اگر نہ مانو تو اللہ و رسول سے لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربا و مؤکلہ و کاتبہ و شاھدیہ وقال ھم سواء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود لینے والے اور دینے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہی کرنے والوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں، صحیح حدیثوں میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الربا ثلثۃ وسبعون حوبا ایسرھن ان ینکح الرجل امہ سود تہتّر گناہوں کا مجموعہ ہے ان میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔ ایک حدیث میں ہے من اکل درھما من الربا وھو یعلم انہ ربا فکانما زنی بامہ ستا وثلثین مرۃ جس نے دیدہ و دانستہ سود کا ایک درہم کھایا (جو یہاں کے تقریباً ساڑھے چار آنے کے برابر ہوتا ہے) گویا چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا، اس حساب سے سود کے ہر دھیلے پر اپنی ماں سے زنا کرنا ہوتا ہے، تو یہ منفعت جتانا کہ بنئے کو دونا دینا ہوگا، یہ آدھا لیں گے، اس کا حاصل یہ ہے کہ بنئے کے یہاں نہ جاؤ، وہاں ہزار بار مثلاً ماں سے زنا کرنا ہوگا، یہاں آؤ کہ ہم تم پانسو بار ہی کریں، یہ کیا خاک فائدہ ہوا، یا اس سے گزر کر یوں سمجھئے کہ بنئے کے یہاں نہ جاؤ، وہاں اسی ہزار جوتے پڑیں گے، ہم چالیس ہزار مار کر چھوڑ دینگے ان کے سر کی خیر تو چالیس ہزار میں بھی نہیں، یہ سب شیطانی دھوکے اور مہمل ہوسیں ہیں، شرعی طریقہ برتیں کہ خود بھی ان عظیم آفتوں سے بچیں اور قرض لینے والے بھی، اور بینک کو دل خواہ نفع بھی ہو جائے، اور لینے والے بھی بنیوں کی مصیبت سے بچیں، اس کے متعدد طریقے ہمارے رسالہ کفل الفقیہ الفاہم میں مذکور ہیں، از انجملہ آسان تر یہ کہ مثلاً کوئی شخص سو روپیہ سال بھر کے وعدہ پر قرض لینا چاہتا ہے، اور بینک چاہتا ہے کہ اسے روپیہ مل جائے اور مجھے نفع ہاتھ آئے تو اسے روپیہ قرض نہ دے، بلکہ سو روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ ایک سال کے وعدہ پر مثلاً ایک سو دس یا ایک سو بارہ کو بیع کرے، یہ بیع ہے ربا نہیں قال اللہ تعالٰی وقالوا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا۔ کافر بولے بیع بھی تو ایسی ہی ہے، جیسے سود، اس کا جواب کہ اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود، ملازمت کی صورتیں جو سائل نے لکھیں، اس کا جواب کلی کہ انھیں اور ان جیسے دس ہزار کو شامل ہو، یہ ہے کہ ملازمت دو قسم ہے، ایک وہ جس میں خود ناجائز کام کرنا پڑے، جیسے یہ ملازمت، جس میں سود کا لین دین، اس کا لکھنا پڑھنا، تقاضہ کرنا اس کے ذمہ ہو، ایسی ملازمت خود حرام ہے، اگرچہ اس کی تنخواہ خالص مال حلال سے دی جائے، وہ مال حلال بھی اس کے لئے حرام ہے، اور مال حرام ہے تو حرام در حرام، دوسرے یہ کہ وہ ملازمت فی نفسہ امر جائز کی ہو، مگر تنخواہ دینے والا وہ جس کے پاس مال حرام آتا ہے، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ جو کچھ اسے تنخواہ میں دیا جارہا ہے بعینہٖ مال حرام ہے، نہ بدلا نہ مخلوط ہوا نہ مستہلک ہوا، تو اس کا لینا حرام ورنہ جائز قال محمد بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ، ہندیہ عن الذخیرۃ، یہ حکم ملازمتوں کا ہے، مزارع یا تاجر کا غلہ یا مال کسی کے ہاتھ بیچنا اسی قسم اخیر کے حکم میں ہے، اور سود لینا خواہ گورنمنٹ سے ہو یا شرکین سے خود فعل ناجائز ہے یہ قسم اول کے حکم میں داخل ہے، اور سود دینا اگر محض مجبوری شرعی سے ہو جس کی تفصیل ہمارے فتاویٰ میں ہے تو اجازت ہے، یجوز للمحتاج الاستقراض بالربا ورنہ

حرام، اور دینا لینا یکساں، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ مولوی حشمت علی صاحب محلہ گڑھیا بریلی،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک جگہ پڑھانے پر نوکر ہے، جمعرات کو صبح کے وقت زید کی کچھ طبیعت علیل تھی مگر اس وجہ سے کہ پڑھائی میں حرج نہ ہو پڑھانے چلا گیا، ساڑھے نو بجے تک پڑھایا، بعد ازاں زیادہ طبیعت خراب ہوئی، اور پڑھایا نہ گیا تو زید نے اُس سے جس کے یہاں پڑھاتا تھا کہا کہ مجھ سے اب باقی وقت کام نہیں ہوتا ہے مجھے چھٹی دیدیجئے، تب اس شخص نے زید کو جواب دیا کہ اپنا وقت گیارہ بجے تک پورا کر دیجئے، ورنہ نصف یوم کی تنخواہ وضع ہوگی، زید نے اس کے جواب میں کہا کہ میں ربع یوم کی چھٹی چاہتا ہوں، اگر آپ منظور نہ کریں تو صرف ربع یوم کی تنخواہ وضع کرلیں، نصف یوم کی تنخواہ وضع کرنے کا کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ میں نے ربع یوم کام کیا ہے ربع باقی ہے، دریافت طلب یہ ہے کہ جب زید نے ربع یوم کام کیا اور ربع یوم نہیں کیا، اور رخصت چاہی، تو شرعاً زید کی ربع یوم کی تنخواہ وضع ہونا چاہئے یا نصف یوم کی، بینوا توجروا،

الجواب ۔ اُس روز جتنے گھنٹے کام میں تھا ان میں جس قدر کی کمی ہوئی صرف اتنی ہی تنخواہ وضع ہوگی، ربع ہو تو ربع، یا کم زیادہ جتنی قدر کی کمی ہوئی صرف اتنی تنخواہ وضع ہوگی، مثلاً چھ گھنٹے کام کرنا تھا اور ایک گھنٹہ نہ کیا تو اس دن کی تنخواہ کا چھٹا حصہ وضع ہوگا، زیادہ وضع کرنا ظلم ہے، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از بدایوں مولوی محلہ مرسلہ شاہ حاجی اعجاز حسین صاحب　　　۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص نے تین لڑکی اور دو لڑکے اپنی وفات پر چھوڑے، اور ایک حقیت چھوڑی۔ بڑا لڑکا اس حقیت کا کاروبار کرتا رہا، اور بخوشی دیگر بھائی بہن کے اس کی آمدنی کو اپنے صرف میں لاتا رہا، اب اس کا انتقال ہوا، اس حقیت میں سے ایک کھیت برابر اپنی کاشت میں رکھا تھا، اب اس متوفی کا لڑکا وارث ہوا، لیکن وہ کھیت جس کا لگان جمع بندی میں للعـــہ یا کچھ درج ہے، اب دوسرے کاشتکار کو اٹھایا گیا تو بجائے للعـــہ کے سعہ میں اٹھا، اب اس موروثی کھیت کا لگان جو اور جس قدر للعـــہ سے زیادہ ہوا، اس کا مالک متوفی کا صرف لڑکا ہوا، یا وہ زیادتی لگان بھی شرعاً سب میں تقسیم کرنا چاہئے، مکرر یہ ہے کہ وہ کھیت جو قانوناً موروثی بھی ہے، وہ علیحدہ کرنے پر لگان مندرجہ جمع بندی کے علاوہ ہر حال میں متوفی کے وارث کو پہنچتا ہے،

الجواب ۔ جبکہ وہ جائداد غیر منقسم ہے، اس کا ہر جز جس میں یہ کیفیت بھی ہے، جملہ ورثہ میں مشترک ہے نہ تنہا متوفی کا پسر اس کا مالک تھا، نہ اب پسر اس کا مالک ہو، برضائے دیگر ورثہ اس کی آمدنی صرف ایک کے صرف میں آنا، جائداد کا اس کو ہبہ نہیں، اور **بالفرض ہو بھی تو جائداد قسمت بلاتقسیم اپنے شریک کو بھی ہبہ کرنا باطل و ناتمام** ہے، اب کہ موہوب لہ مرگیا ہبہ باطل محض ہوگیا، اور جائداد جملہ ورثہ باقین و وارثان پسر متوفی میں مشترک رہی۔ درمختار میں ہے لاتتم بالقبض فیما یقسم ولو وھبہ لشریکہ۔ اسی کے موانع الرجوع میں ہے والمیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل، یہ موروثیت شرعاً کوئی چیز نہیں، نہ پسر متوفی اُسے جبراً اپنی کاشت میں رکھ سکتا تھا، نہ اُس کے بیٹے کو یہ دعوٰی پہنچتا ہے، رہا اس

کھیت کا لگان، سوال بصیغۂ مجہول ہے کہ اب دوسرے کاشتکار کو اُٹھایا گیا، معلوم نہیں کس نے اٹھایا، اگر سب ورثہ نے اٹھایا، یا سب کے اذن سے ایک نے اٹھایا، یا ایک نے اٹھایا، اور باقیوں نے اسے جائز کیا، تو اس کا لگان حصہ رسد سب شرکا، کی ملک ہے، للعہ ہو یا سعہ ریا ایک پیسہ، یا ہزار روپے، اور ایک مثلاً پسر متوفی نے بے رضائے باقی ورثہ اُٹھایا، اور باقیوں نے اُٹھانے کے بعد بھی اُسے نافذ نہ کیا، تو اس کا لگان اسی اٹھانے والے کی ملک ہوگا، مگر اپنے حصہ میں ملک طیب اور اوروں کے حصوں میں ملک خبیث کہ اس پر فرض ہے کہ باقی شرکا کو ان کے حصوں کی قدر اس میں سے دے، اور یہی افضل ہے، اور ان کے لئے طیب ہے، ورنہ فقرا پر تصدق کرے، اپنے صرف میں لانا حرام ہے، فتاویٰ خیریہ میں ہے المنافع لا تتقوم الا بالعقد، وھو صادر منه بلا وکالة سابقة ولا اجازة لاحقة فملکها الشریك العاقد، لکن ملکه فی غیر ملکه ملك خبیث، فیجب علیه التصدق به او دفعه لشرکائه خروجا من الاثم، والثانی افضل لخروجه من الخلاف ایضا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اجیر اور ملازم میں کیا فرق ہے، ملازم کا ۲۴ گھنٹہ میں ایک گھنٹہ بھی ایسا نہیں جو ملازمت سے خالی ہو، نہ اس کے آقا کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ملازم سے جتنے دن چاہے کام لے، جتنے دن چاہے چھٹی دے، یا کسی خاص کام پر مقرر کرے، یا مختلف کام اس کے منصب کے موافق لے، اگر کوئی شخص کسی خاص کام پر مقرر ہو تو اس کے آقا کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ کام جس پر مقرر ہے چھڑا کر دوسرے کام پر ضرورۃً بھیجدے، ملازم کو کوئی عذر کرنے کا موقع نہیں، نہ اس کام کے معاوضہ کا مستحق، اجیر میں یہ بات نہیں ہے، وہ مقید نہیں، جتنی دیر کام کرے گا اتنی ہی دیر کی اجرت کا مستحق ہوگا، جب تک چاہے گا کام کرے گا، جبتک چاہے گا نہ کرے گا، ہاں ملازم سے پہلا کام چھڑا کر دوسرے کام کے عوض میں خود آقا اس کا معاوضہ مقرر کرے تو اس کے لینے کا مستحق ہو جائے گا۔ ملازم مقررہ چھٹیوں میں کام نہ کرنے کی حالت میں تنخواہ کا مستحق اور اجیر کام نہ کرنے کی اجرت نہیں پاسکتا، اسی طرح اجیر مقررہ وقت میں جتنے گھنٹے کام کرے گا اتنے ہی گھنٹوں کی اجرت کا مستحق ہوگا، اور ملازم اگر مقررہ وقت سے ایک دو گھنٹہ کام کرکے بغیر منظوری چھوڑدے، تو آقا اس کے کل دن کی تنخواہ اس کی کاٹ سکتا ہے، یہ قول اس کا صحیح ہے یا غلط،

الجواب ۔ یہ سب ہوس محض، اور اس کا اختراع بے اصل ہے، شرع میں اجیر اجیر خاص و اجیر مشترک دونوں کو عام ہے، اجیر خاص کو اردو میں ملازم اور نوکر کہتے ہیں، اجیر مشترک پیشہ ور، کہ اجرت پر ہر شخص کا کام کرتے ہیں، کسی خاص کے نوکر نہیں، جیسے راج مزدور، بڑھئی درزی وغیرہم ملازم کا اگر وقت معین کیا جائے، مثلاً صبح سے شام تک، یا رات کے نو بجے تک، یا مدرسوں کی نوکری ہے، مثلاً ۶ بجے سے ۱۲ بجے تک، پھر ۲ بجے سے ۵ بجے تک، تو وہ اتنے ہی گھنٹوں کا ملازم ہے، مقررہ گھنٹوں کے علاوہ خود مختار ہے، کہ اس کا اتنا ہی وقت بیکار ہے، تو زید کا کہنا کہ ملازم کا ایک گھنٹہ بھی ملازمت سے خالی نہیں، جہالت سے خالی نہیں، ملازم جو کسی کار خاص پر ہو جیسے مدرس اس سے وہی خاص کام لیا جائے گا، دوسرے کام کو کہا جائے تو اس کا ماننا اس پر لازم نہیں، ہاں خدمتگار ہر گونہ خدمت کرے گا، مقید نہ ہونا صرف اجیر مشترک راج، بڑھئی، اور ان کے امثال میں ہے، جن کا کام بکتا ہے، وقت نہیں بکتا، اس میں یہ بات صحیح ہے کہ جب تک چاہے کام کرے

کرے گا پائے گا ورنہ نہیں، بخلاف اجیر خاص کہ اُس کا وقت بکا ہوا ہے، اُس وقت میں اُسے حرام ہے کہ بے مرضی مستاجر کام سے انکار کرے، اور اگر کام نہ ہو اور وقت دےعہ، تنخواہ پائے گا، اور وقت نہ دے تو نہ پائے گا، اگر وقت دس گھنٹے مقرر ہے، اور ایک دن کی تنخواہ مثلاً دس آنے ہے، اور اجیر نے دو گھنٹے وقت دیا، آٹھ گھنٹے غیر حاضر رہا، تو یہ غلط اور جبر وظلم ہے کہ آقا اس کے کُل دن کی تنخواہ کاٹ لے گا ہرگز نہیں، بلکہ صرف آٹھ گھنٹوں کی ۸ر، شریعت کے احکام جو نہ جانتا ہو اُس پر حرام ہے کہ احکام لگائے، اس پر فرض ہے کہ جاننے والوں سے پوچھے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از لکھنؤ حضرت گنج سول اینڈ ملیٹری ہوٹل مرسلہ رزاق محمد ۸ر جمادی الاولی ۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :۔

(۱) زید مسلمان پیشہ ور اور تاجر ہے، اور ہوٹل جس میں عموماً انگریز لوگ ٹھہرتے ہیں، اور کھاتے پیتے ہیں، زید ان کے جملہ طعام و قیام کا منتظم ہے، ان سے نفع اٹھاتا ہے، اور ہر چیز مہیا کرتا، اپنے مسافروں کا مثل شراب وسور وغیرہ کے پابند ہے، یعنی اس قسم کی چیزیں بھی وہ خرید کرتا ہے، اور اُن کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، لہذا مسلمان کو ایسی تجارت کرنا چاہئے یا نہیں،

(۲) زید ہوٹل کا مالک ہے مگر ہوٹل وغیرہ خود نہیں کرتا، بلکہ عمارت کرایہ پر دوسرے لوگوں کو دے رکھی ہے، جو اس کو مثل ہوٹل کے استعمال کرتے ہیں، اور وہی کام کرتے ہیں جو زید کرتا تھا، لہذا اس کو جو کرایہ ملتا ہے، مکان ہوٹل کا، وہ کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز

(۳) زید بوجہ مسلمان ہونے کے ہر قسم کی امداد اسلامی بھی کرتا ہے، اور حج وزکوٰۃ وصدقہ وخیرات، وتعمیر مساجد ویتیم خانہ وکفن دفن ودعوت خاص وعام ومیلاد شریف وغیرہ کرتا ہے، شریعت حقہ کا آمدنی ۲ کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب ۔ (۱) حرام حرام حرام اور موجب لعنت، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لعن اللہ الخمر وشاربها وساقيها ومبتاعها وبائعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة اليه (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ) وزاد الترمذی واٰكل ثمنها یعنی اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر، اور جو اسے پیئے، جو پلائے، جو مول لے، جو بیچے، جو نچوڑے، جو نچڑوائے، جو اٹھا کر لائے، جس کے لئے اٹھا کر لائی جائے، جو اُس کے دام کھائے ان سب پر، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) جبکہ اس نے صرف مکان کرائے پر دیا ہے، کرایہ داروں نے ہوٹل کیا اور افعال مذکورہ کرتے ہیں تو زید پر الزام نہیں لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، اس صورت میں وہ کرایہ اس کے لئے جائز ہے، اور اگر اس نے کسی اسلامی جگہ میں خاص اسی غرض ناجائز کے لئے دیا تو گنہ گار ہے، مگر کرایہ کہ منفعت مکان کے مقابل ہے نہ ان افعال کے، اب بھی جائز ہے، ہدایہ میں ہے من اٰجر بيتا ليتخذ فيه بيت نار او كنيسة او يباع فيه الخمر بالسواد فلا باس به لان الاجارة ترد على منفعة البيت ولا معصية فيه انما المعصية بفعل المستاجر اھ اقول وهذا هو محمل ما فی الغمز عن القنية وفی جامع الرموز عن المنية وفی المنح عن شمس الائمة الحلوانی، وفی ردالمحتار عن غرر الافكار عن المحيط عن الامام ان الاجر

عہ اندازہ سے بنایا گیا ہے ۱۲

طیب وان کان السبب حرامًا کما حققناہ فی ما علی رد المحتار علقناہ فاحفظہ فانہ مزلۃ ومعضلۃ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) یہ سب افعال اس سے جائز ہیں کہ صورت مذکورہ میں وہ آمدنی ناجائز نہیں کما تقدم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از پیلی بھیت محلہ احمد زئی مرسلہ مولوی عبدالسبحان صاحب ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ (۱) امام جمعہ اور امام پنجوقتہ کا اکثر جگہوں پر تنخواہیں مقرر کرکے لینا جائز ہے یا نہیں (۲) ختم کلام مبارک یعنی رمضان شریف میں نقدی ٹھہرانا جائز ہے یا نہیں (۳) تعلیم قرآن اور تعلیم فقہ واحادیث کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ۔ ۱۔ جائز ہے مگر امامت کا ثواب نہ پائیں گے کہ امامت بیچ چکے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

۲۔ تین چار باتیں کہ مستثنٰی ہیں ان میں ختم نہیں، اس کے جواز کا حکم نہایت مشکل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

۳۔ جائز ہے اور ان کے لئے آخرت میں ان پر ثواب کچھ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از شفاخانہ فرید پور ڈاکخانہ خاص اسٹیشن پیتمبر پور ضلع بریلی مسئولہ عظیم اللہ کمپونڈر ۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے ملازمت کی، اور ملازمت کرنے کے بعد جو کچھ قاعدے تھے معلوم ہوئے، کہ ان قانون پر نوکری کرنا ہوگا۔ اوقات کی پابندی بھی معلوم ہوگئی۔ اگر زید ان قاعدوں کے خلاف کرے، پورے وقت تک کام نہ کرے، اور قاعدوں کے مطابق نہ کرے، بلکہ کچھ وقت اپنے ذاتی کام میں صرف کر دے، تو اس کو نوکری کا پیسہ کھانا جائز ہے یا ناجائز۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب ۔ جو جائز پابندیاں مشروط تھیں اُن کا خلاف حرام ہے، اور بکے ہوئے وقت میں اپنا کام کرنا بھی حرام ہے، اور ناقص کام کرکے پوری تنخواہ لینا بھی حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۵۱ مسئولہ عبدالسعید ناگوری ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ چند مسلمان اشخاص کی دوکان شرکت میں کلکتہ بمبئی یا کسی اور مقام پر ہے، دوکان کی کل رقم میں تقریبًا چہارم سود کا روپیہ لگا ہوا ہے، ایسی دوکان میں کسی مسلمان کو ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں، نیز اُس کی آمدنی سے کسی مسجد یا مدرسہ وغیرہ کی اعانت ہوسکتی ہے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب ۔ اُس دکان کی ملازمت اگر سود کی تحصیل وصول یا اس کا تقاضہ کرنا یا اُس کا حساب لکھنا، یا کسی اور فعل ناجائز کی ہو تو ناجائز ہے۔ قال تعالٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ صحیح مسلم شریف میں ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے، اور سود لکھنے والے، اور سود کے گواہوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں، اور اگر کسی امر جائز

کی نوکری ہے تو جائز ہے، تنخواہ میں وہ روپیہ کہ بعینہٖ سود میں آیا ہو نہ لے، اور مخلوط و نامعلوم ہو تو لے سکتا ہے، یونہیں ایسے نامعلوم روپے سے مسجد و مدرسہ کی اعانت بھی ہو سکتی، خصوصاً ایسی حالت میں کہ مال حلال غالب ہے، فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ قال بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے معاہدہ اور وعدہ اقرار تقریری اور تحریری کیا تھا کہ اگر عمر اپنے پاس سے خرچ کرکے کرے گا اور کامیابی ہوگی تو بجائے اس کے دینے معاوضہ میں اپنے نصف مقدمہ میں سے مکان وغیرہ دوں گا یعنی نصفا نصف پر تصفیہ ہوگیا تھا، اب جبکہ بفضلہ تعالٰی ابتداً تا انتہا عمرو کی کوشش و جانفشانی اور کثیر روپیہ صرف کرنے کے بعد ہر طرح سے تمام و کمال کامیابی حاصل ہوگئی، تو اب زید ایفائے وعدہ اور اقرار معینہ کو پورا نہیں کرتا ہے اور اوروں کے بہکانے سے گریز و انکار کرتا ہے، تو اس صورت میں کل مسلمانوں کو زید اور اس کے بہکانے والوں سے کیا برتاؤ کرنا چاہئے، اور جو زید اور اس کے بہکانے والے ایفائے وعدہ اور اقرار معینہ کو پورا کریں، تو کیا اجر ملے گا، اور پورا نہ کرنے میں کیا سزا ہوگی۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ یہ معاہدہ شرعاً فاسد ہے، اور اس کا پورا کرنا شرعاً جائز نہیں، زید و عمرو دونوں کو نا جائز ہے، عمرو نے جتنا روپیہ صرف کیا وہ ذمہ زید قرض ہے، اور جو کوشش کی اس کی اجرت مثل پائے گا، یعنی ایسی کوشش پر کیا اجرت ہونی چاہئے، یہ زر مجموعہ زید سے لے سکتا ہے، جائداد پر اس کا کوئی دعوٰی نہیں، اور عقد فاسد کے ارتکاب سے دونوں گنہگار ہوئے توبہ کریں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از شہر بریلی کہنہ محلہ کانکر ٹولہ مسئولہ ظہور محمد خاں صاحب ۵ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو و بکر بذریعہ زمینداری ایک جگہ کے مالک ہیں، اور زید مہتمم و منتظم ذریعۂ آمدنی زمینداری مذکور کا ہے، اور خالد زید کی طرف سے کارپرداز ہے، منجملہ اراضی مذکورہ کے ایک قطعہ اراضی کی بابت باہم خالد کارپرداز زید و عبداللہ کے معاہدہ ہوا، کہ ایک مدت تک پاس عبداللہ کرایہ پر رہے گی، اور عبداللہ کرایہ ماہ بماہ بحالت خالی رہنے اور کام میں لانے کی صورت میں زید کو ادا کرے گا، اور قبل معاہدہ جو عیب کہ اراضی مذکورہ میں تھا خالد نے عبداللہ پر ظاہر کر دیا تھا یعنی عبداللہ سے کہہ دیا تھا کہ سابق میں جو کرایہ دار اس اراضی بیٹھا تھا اس پر اعتراض محکمہ جنگی کی طرف سے بابت نہ بیٹھنے اس اراضی پر ہوچکا ہے، چنانچہ اس کے جواب میں عبداللہ نے خالد سے کہدیا تھا کہ اس معاملہ میں جو کچھ ہوگا میں دیکھ لوں گا، بعد گزرنے تخمیناً چار ماہ کے وہ صورت عیب کی جس کو خالد نے عبداللہ پر ظاہر کر دیا تھا عبداللہ پر پیش ہوئی، اور حاکم وقت کی طرف سے عبداللہ کو جو انتظام کہ اراضی مذکورہ میں عبداللہ کرنا چاہتا تھا، اور کر رہا تھا، نہ کرنے پر مجبور کیا گیا، اور عبداللہ پر مقدمہ قائم ہو کر ایک روپیہ جرمانہ ہوا، اس واقعہ کے چند روز بعد اراضی مذکورہ کو خالی کر دیا، خالد کارپرداز زید نے عبداللہ سے کوئی عہد شکنی نہیں کی، اب عبداللہ کو کرایہ خالی اراضی کا دینے میں عذر ہے، بلکہ جتنی مدت عبداللہ کا واقعی قبضہ رہا، اس قدر بھی کرایہ دینے پر رضامند نہیں، جرمانہ کا روپیہ اور خرچ مقدمہ میں جو

روپیہ ہوا ہے اس کی نسبت کہتے ہیں کہ مالکان اراضی پر ہونا چاہئے، ایسی صورت میں عبداللہ کو بموجب تحریر کرایہ نامہ کے کرایہ ادا کرنا چاہئے، یا اراضی خالی کرنے کی تاریخ تک، یا جرمانہ کا ایک روپیہ اور مقدمہ میں جو خرچ ہوا تھا وہ مجری کے ادا کرنا چاہئے، اور خالد کو بھی بموجب کرایہ کے وصول کرنا چاہئے، یا کس قدر، اور عبداللہ و زید و عمرو وغیرہ سب مسلمان بھی ہیں۔

الجواب ۔ جرمانہ و خرچ مقدمہ ذمہ مالکان ڈالنا ظلم محض ہے قال اللہ تعالٰی لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، فتاوٰی خیریہ میں ہے دفع مغارم سلطانیۃ بغیر اذن شریکہ لا یلزم شریکہ شیئ مما دفع حیث لم یاذن لہ بالدفع لیرجع علیہ بحصتہا عقود الدریہ میں ہے لحقہم خسران بسبب الدعوی غرمہ، بعد ما قال لہ الباقون ادفع ذلک مہما غرمت فعلینا بقدر حصتنا فدفعہ ویرید الرجوع علیہم بقدر حصتہم فلہ ذلک اھ فقد شرط للرجوع فاذا کان ھذا فی الشرکاء فکیف ھنا۔

حسب بیان سائل زمین سے ٹال رکھنا مقصود تھا، اور چنگی نے اس سے ممانعت کر دی تو جب تک ٹال رہی اس کا کرایہ ضرور واجب ہے، اور جب سے خالی کر دی اس کا اصلاً استحقاق نہیں، اس بیچ میں جتنے دن عبداللہ کے قبضے میں رہی اگر اُس میں کوئی انتفاع اس نے زمین سے حاصل کیا، اس کے حساب سے کرایہ دے گا ورنہ نہیں، اور دونوں صورتوں کا کرایہ مثل دیگا جو اجر مسمّی یعنی کرایہ قرار یافتہ سے زائد نہ ہو، مثلاً اجر مثل یعنی بازاری نرخ سے اس کام کے لئے کرایہ روپیہ ماہوار ہے، اور ٹھہرا روپیہ یا روپیہ سے زیادہ تو روپیہ دے گا، اور ٹھہرا بارہ آنے تو بارہ ہی آنے دے گا، اس لئے کہ یہ اجارہ اس قرار داد پر ہوا کہ اگرچہ چنگی ممانعت کر دے مالکان زمین کو اس سے بحث نہیں، عبداللہ کرایہ دے گا، یہ شرط خلاف مقتضائے عقد ہے، اس سے اجارہ فاسد ہوا، فریقین پر اس کا فسخ واجب تھا کہ ازالۂ گناہ لازم ہے، اور اجارۂ فاسدہ میں اجر مثل لازم آتا ہے کہ اجر مسمّی سے زائد نہ ہو، متن ہدایہ میں ہے لو انقطع ماء الرحی والبیت مما ینتفع بہ لغیر الطحن فعلیہ من الاجر بحصتہ، تبیین الحقائق میں ہے فاذا استوفاہ لزمتہ حصتہ، اس مسئلہ کی غایت تحقیق و تنقیح فتاوٰی فقیر میں ملاحظہ ہو، خلاصہ میں ہے فی مجموع النوازل استاجر حماما ببدل معلوم علی ان علیہ الاجر حال جریانہ وانقطاعہ فھذا الشرط مخالف لمقتضی عقد الاجارۃ فیفسد، ردالمحتار میں ہے لو شرطا شرطا فاسدا قبل العقد ینبغی الفساد لو اتفقا علی بناء العقد علیہ کما صرحوا بہ فی بیع الھزل، وقد سئل الخیر الرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقدہ وعقدا خالیا عن الشرط، فاجاب بانہ صرح فی الخلاصۃ والفیض والتتارخانیۃ وغیرھا بانہ یکون علی ما تواضعا اھ، اما ما فی الدر استاجر رحی فمنعہ الجیران عن الطحن لتوھین البناء وحکم القاضی بمنعہ ھل تسقط حصتہ مدۃ المنع قال لا، ما لم یمنع حسا من الطحن اھ قال ط ثم ش المراد واللہ تعالٰی اعلم ان یحال بینہ وبین الدارۃ فلا یقدر علیھا اھ فکتبت علیہ اقول یجب حملہ علی ما اذا کان منع القاضی جبر الخاطر الجیران لا کلما احتمالو خالفہ لصادرہ

اوعزرہ کیف وقد صرحوا قاطبۃ ان لحوق ضرر غیر مستحق بالعقد عذر یفسخ بہ، وھذا منہ لاشك، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از موضع دلیل گنج تھانہ امریا پرگنہ جہان آباد مسئولہ محب اللہ صاحب ضلعدار ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر مسلمان اس ضلع پیلی بھیت میں کاشت موروثی کو جس کی نقشی پختہ ہے، گرو رکھتے ہیں، اور کچھ روپیہ اصلی کاشتکار کو دے کر اُس کی علیحدہ تحریر کرالیتے ہیں، اور زمین کو اپنی کاشت میں رکھ کر اس سے نفع اٹھاتے ہیں اور نقشی کا روپیہ زمیندار کو خود ادا کرتے رہتے ہیں، اور اس میں معاہدہ ہوتا ہے کہ دو سال تک یا پانچ سال تک باوجود موجود ہونے روپیہ کے اصلی کاشتکار زمین کو نہیں چھڑا سکتا، مگر بعد گزرنے معاہدہ کے کاشتکار اصلی روپیہ کل ادا کرکے زمین گروسے چھڑا سکتا ہے، اور بعض بعض شخص اصلی روپیہ میں سے ایک روپیہ سال یا ۸ رسال کم بھی لے لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ علماء نے اس صورت میں زمین کا گرو رکھنا جائز قرار دیا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ اصلی کاشتکار زمین کا مالک نہیں ہوتا مالک زمیندار ہے وہ مستاجر ہے، جب اس نے دوسرے کے پاس گروی رکھی اور زمیندار کی باقی اس دوسرے نے دی، اور زمیندار نے اس سے قبول کی، تو یہ رہن کی اجازت نہ ہوئی، رہن و اجارہ جمع نہیں ہوسکتے، بلکہ اب یہ دوسرا شخص مستاجر ہوگیا، اب وہ پہلا جدا ہے اس پر اس دوسرے کا صرف خالص قرض رہا، وہ جب دے اسے قبول کرنا لازم ہوگا، اور زمین چھوڑنا کسی وقت ضرور نہیں، اس زمین سے کاشتکار اصلی کو کوئی تعلق نہ رہا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ[۱] ۔ از احمد آباد گجرات محلہ جمال پورہ متصل مسجد کارنج مرسلہ مولانا عبدالرحیم صاحب ۱۶ شوال ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں شہر احمد آباد میں بعض "حافظ القرآن" حضرات "اہلسنت و جماعت" کے مکانوں پر رسوم وچہلم منائے جاتے ہیں، اور "کلام مجید" پڑھ کر اموات کی خدمت میں ایصال ثواب کرتے ہیں اور وہاں سے اجرت لیتے ہیں اور اس میں جہلاء بہت ثواب سمجھتے ہیں۔ آیا یہ ایصال ثواب کرکے اجرت لینا جائز ہے یا حرام ہے،

اجرت لیکر ایصال ثواب کرے تو اموات کی خدمات میں ثواب پہنچتا ہے یا نہیں۔

اور جو "حافظ القرآن" اجرت لیکر ایصال ثواب کرنے کے لئے احباب اہلسنت و جماعت کے مکانوں پر تشریف لے جاتے ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ اجرت پر کلام اللہ شریف بغرض ایصال ثواب پڑھنا پڑھوانا دونوں ناجائز، اور پڑھنے والا اور پڑھانیوالا دونوں گنہگار، اور اس میں میت کے لئے کوئی نفع نہیں۔ بلکہ اس کی مرضی وصیت سے ہو تو وہ بھی وبال میں گرفتار قال اللہ تعالٰی لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا۔ اور یہ کہنا کہ ہم اللہ کیلئے پڑھتے ہیں اور دینے والے بھی ہمیں اللہ کے لئے دیتے ہیں، محض جھوٹ ہے، اگر یہ نہ پڑھیں تو وہ ایک حبہ ان کو نہ دیں، اور اگر وہ نہ دیں تو یہ ایک صفحہ نہ پڑھیں، اور شرع مطہر کا قاعدہ کلیہ "المعروف کالمشروط۔"

[۱] ھذہ الفتوی وثلثۃ بعدہ کانت متفرقۃ فی ابواب شتی ماعدا باب الاجارۃ فی الجلد الثامن ۱۲ عبدالمنان اعظمی

بلکہ اس ظاہری شرط نہ کرنے سے ایک اور خباثت بڑھ جاتی ہے، اجارہ جو امر جائز پر ہو، وہ بھی اگر بے تعین اجرت ہو تو بوجہ جہالت اجارہ فاسدہ اور عقد حرام ہے، نہ کہ وہ اجارہ کہ خود نا جائز تھا، وہ تو حرام در حرام ہوگیا، یہ حاوی جس میں یہ ذہو وہ حکم ۵م ورم والا لکھا ہے، حاوی قدسی نہیں، حاوی زاہدی ہے کمافی ردالمحتار، اور یہ زاہدی ایک معتزلی بدمذہب تھا، کما فی الردالمحتار وغیرہ فی الاسفار، اور اس کا یہ حکم قوانین شرع سے محض جدا، اور یہ تحدید شرع مطہر پر صریح افترا ہے،

جو حافظ اس کا پیشہ رکھے فاسق معلن ہے، اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، کہ اسے امام بنانا گناہ، اور جو نماز اس کے پیچھے پڑھی ہو اس کا پھیرنا واجب، ہاں اگر اس کی حلت چاہیں، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پڑھوانے والے وقت معین کے ساتھ مثلاً روزانہ صبح کے ۸ بجے سے ۱۰ بجے تک اور شام کے ۲ بجے سے ۴ بجے تک، یا جو وقت مقرر کریں، ایک اجرت معینہ پر مثلاً ۳ روز یا جو قرار پائے، ان حافظوں کو اپنے کار خدمت کے لئے نوکر رکھیں، اس وقت معین کے لئے یہ ان کے ملازم ہوگئے انھیں اختیار ہے جو کام چاہیں لیں، ازاں جملہ یہ کہ فلاں میت کے لئے قرآن عظیم پڑھو۔ اب یہ حلال ہے، دینا واجب اور لینا روا کہ اب یہ اجارہ قرآن خوانی پر نہیں، بلکہ ان حافظوں کے منافع نفس پر ہے، یہاں تک کہ اگر یہ اس وقت مقرر پر پابندی کے ساتھ حاضر رہیں اور مستاجرین ان سے کچھ کام نہ لیں، جب بھی تنخواہ واجب ہوگی لان المستحق علیھم انما کان تسلیم النفس وقد حصل کما ھو حکم "اجیر الواحد" واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ ازشہر محلہ ملوکپور مسئولہ مولوی امیر اللہ صاحب ۲۶ ر ذوالحجہ ۱۳۲۸ھ ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ۵ روپیہ ماہوار کا نوکر تھا، اس نے خود نوکری ترک کردی، رقعہ کے ذریعہ سے بقیہ تنخواہ مانگی، ذیقعدہ سے حال کی ۲۸ ر سے چھوڑی، چنانچہ عبارت اس کی بلفظہٖ درج ہے، "میں نے ۲۸ ر ذیقعدہ بروز پنجشنبہ کو کام چھوڑا، اسی ماہ مذکور کی تنخواہ چاہی ہے" چونکہ یہ ذیقعدہ ۳۰ کا ہوا، تو ۲۸، ۲۹، ۳۰ تین دن کی تنخواہ منہا ہونی چاہئے یا ایک دن ہفتہ کی، جمعہ کی تعطیل تھی، ترک روزگار کے بعد بھی تعطیل جمعہ وجمعرات ملنا چاہئے، یا ۲ یوم کی تعطیل واجب ہے؟ اتنے دن کی تنخواہ مجموع آٹھ آنہ ہوئے، ایک دن کی ۲ ر ۲ پائی ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں ۲ ر ۲ پائی کا ٹو اور ۲ دو دن کے مجھے ملنا چاہئے، آیا یہ قاعدہ شرعی یا عرفی وغیرہ ہے، بینوا توجروا،

الجواب ۔ ایام تعطیل کی تنخواہ بحال ملازمت ملتی ہے، شرعاً عرفاً یہی قاعدہ ہے۔ اگر ترک ملازمت تاریخ ۲۸ سے ہوا تو تین دن کی تنخواہ کا وہ مستحق نہیں فان البطالۃ ترفیۃ عما علیہ من الاشتغال وبعد ترک الاجارۃ لاشغل علیہ فلا ترفیۃ فلا اُجرۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۔ مسئولہ احمد حسن بنگالی طالب علم مدرسہ "اہلسنت وجماعت" ۲۸ ر ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

واعظ یا حافظ نے وعظ یا قرآن ختم کیا اور بغیر طلب کے اگر کسی نے کچھ دیا تو اس کے لئے جائز ہے یا نہیں

الجواب ۔ جائز ہے اگر نہ مشروط ہو نہ معروف، ورنہ واعظ کیلئے علی الاختلاف جائز، اور قرآن خوانی پر بالاتفاق ممنوع

علی ما نقلہ "ظ" حققہ علامۃ الشامی فی ردالمحتار، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ - از بنگالہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی مقدمہ کے اندر گرفتار ہوکر کسی دوسرے شخص سے اپنی حالت کے واسطے دعا کروائے، اور بھی اس دعاخواں کو کچھ روپیہ چاہئے یا نہیں، اور ان کو روپیہ لینا حلال ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب - حلال ہے اگر کچھ نہ دینے کا ذکر آیا نہ عرف ورواج کی راہ سے معاوضہ ثابت تھا، اور یونہی بطور حسن سلوک اسے کچھ دیدیا جب تو خود ظاہر کہ اسے لینے میں اصلاً حرج نہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی نمازی کو نماز عمدہ طور پر پڑھتے دیکھے، اس کا دل خوش ہو، کچھ روپیہ بطور نذر یا ہدیہ یا انعام کے اسے دے، تو اس کے لینے میں کچھ مضائقہ نہیں، کہ یہ اُجرت سے اصلاً تعلق نہیں رکھتا، اور اگر باہم قرارداد ہولیا کہ ہمارے مقدمہ کے لئے فلاں ختم پڑھو اور وقت واجرت وغیرہ کی صحیح تعیین کردی، جس سے اجارہ میں جہالت نہ رہے، تو یہاں یہ بھی حلال ہے کہ اس صورت میں ثواب مقصود نہیں، بلکہ قضائے حاجت کی تدبیر وعلاج، تو یہ اس طرح ہوا، جیسے مریض پر پڑھ کر پھونکنے کی اُجرت لے، اس کا جواب صحیح حدیث سے ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک گاؤں میں ٹھہرے، وہاں کے لوگوں نے برخلاف عادت عرب مہمانی نہ دی، رئیس دیہہ کو سانپ نے کاٹا، لوگ ان کے پاس آئے، انھوں نے تنو دُنبے ٹھہرالئے، سورۂ فاتحہ شریف پڑھ کر دم کردی اچھا ہوگیا، پھر صحابہ کو خیال آیا کہ یہ کہیں قرآن مجید پر اجرت لینا نہ ہوگیا ہو، ان بکریوں کو نہ کھایا، جب مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حال عرض کیا، حضور نے اجازت دی، اور فرمایا، ان احق ما اخذ تم علیہ اجراً کتاب اللّٰہ، رواہ البخاری عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ردمحتار میں ہے ان المتقدمین المانعین الاستیجار مطلقا، جوزوا الرقیۃ بالاجرۃ ولو بالقرآن کما ذکرہ الطحطاوی لانہا لیست عبادۃ محضۃ بل من التداوی، ہاں اگر خالی دعا بغیر کسی ختم یا عمل کے ہو تو اس پر اجارہ ٹھہرانے کے کوئی معنی نہیں، کہ اتنے کہنے میں اس کا کیا صرف ہوتا ہے کہ الٰہی فلاں کی حاجت برلا، جس پر اجرت لے گا، نہ اس پر اجارہ معہود ہے، والاجارۃ انما جوزت استحسانا علی خلاف القیاس لدفع حاجات الناس فمالیس من اجاراتہم لم یکن من حاجاتہم ہندیہ میں، ذخیرہ سے ہے اذا استاجر موضعا معلوما من الارض لیتد فیہا الاوتاد لیلح بہا الغزل کے ینسج جاز لانہ من اجارات الناس، ولو استاجر حائطا لیتد فیہا الاوتاد لیصلح علیہا ابریشم لینسج بہ شعرا اودیباجا لایجوز کذا ذکرہ بعض مشائخنا رحمہم اللہ تعالیٰ لان ہذا لیس من اجارات الناس و فی عرف دیارنا ینبغی ان یجوز کذا ذکرہ بعض مشائخنا لان الناس تعاملوا ذلک فی فصلین جمیعا، خانیہ وکبری وعالمگیریہ میں ہے واللفظ بہذہ قال للدلال اعرض ضیعتی وبیعہا علی ذلک اذا بعتہا فلک من الاجر کذا، یقدر الدلال علی اتمام للامر ثم باعہا دلال آخر قال ابوالقاسم لو عرضہا

الاول وصرف فیہ" ؎ ورنجارا" یعتد بہ فاجرمثلہ لہ واجب بقدر عنائہ وعملہ، قال ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی ھذا ھوالقیاس، ولایجب لہ استحسانا اذا ترکہ وبہ نأخذ وھوموافق قول یعقوب رحمہ اللہ تعالٰی ھوالمختار، اسی میں تبیین سے ہے منہا ای من شرائط صحۃ الاجارۃ) ان تکون المنفعۃ مقصودۃ معتادا استیفاؤھا بعقد الاجارۃ ویجری بہا التعامل بین الناس فلایجوز استیجار الاشجار لتجفیف الثیاب علیہا، واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ عــہ ؎ از ضلع بارہ بنکی مرسلہ منشی کریم الدین ضلعدار کورٹ علاقہ سورج پور تمام ہتھونڈہ ضلع بارہ بنکی ۱۹ محرم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بموجب قاعدہ مجریہ صاحبان بورڈ مال ممالک متحدہ آگرہ واودھ ملازمان محکمہ کورٹ آف وارڈ مین کی تنخواہ ماہانہ سے فی روپیہ ار وضع ہوتا ہے، اور اس وضع شدہ رقم کی نصف تعداد ریاست متعلقہ سے لی جاتی ہے، مثلاً عسہ ر کے تنخواہ دار سے ؁ وضع کیا گیا، اور ۱۰ ر ریاست سے لیا گیا کل ؁ وصول ہوکر سیونگ بینک ڈاکخانہ میں جمع کیا جاتا ہے، اور اس پر بینک مذکور کے قاعدہ سے سود لگایا جاتا ہے، جب ملازمت ختم ہوجائے تو یہ کل زر اصل وسود بجائے پنشن کے ملازم کو دیا جائے گا، آیا اس رقم کا لینا ملازم کو جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ملازمت جائزہ کی تنخواہ ماہ بماہ خواہ اس کا کوئی جز جمع ہوکر بعد ختم ملازمت دیا جائے، ہر طرح وہ اس ملازم کی ملک ہے، اور جو تنخواہ گورنمنٹ سے مقرر ہو اس کا پلہ کہ حسب قرارداد معروف ومعہود ریاست متعلقہ کے ذمہ ہوتا اور ملازم کے لئے جمع کیا جاتا ہے، وہ بھی حقیقۃً اسی تنخواہ کا جز ہے، عسہ ر کا ملازم واقع میں بردئے قاعدہ مقررہ عہ ماہوار کا ملازم ہے، جسے عسہ ر گورنمنٹ اور ۱۰ ر ریاست سے ملیں گے، اگرچہ ماہ بماہ ؁ پائے گا، اور ؁ گورنمنٹ کا اور ۱۰ ر ریاست کا جملہ ؁ تنخواہ معینہ سے جمع ہوتے رہیں گے، شرعاً اگرچہ یہ صورت اجارہ فاسدہ ہے کہ ایک جز و اجرت ایک مدت مجہولہ کیلئے مؤجل کیا گیا، کیا معلوم کہ ختم ملازمت کب ہو، اور اجل مجہول سے مؤجل کرنا مفسد بیع واجارہ ہے جس کے سبب عقد فاسد وگناہ ہوجاتا ہے، اختیار شرح مختار وخزانۃ المفتین میں ہے کل جہالۃ تفسد البیع تفسد الاجارۃ، فتاوٰی سراجیہ میں ہے کل جہالۃ تؤثر فی البیع تؤثر فی الاجارۃ، درمختار میں ہے کل ما افسد البیع یفسدھا، اسی میں ہے لایصح البیع بثمن مؤجل الی الحصاد للزرع والدیاس للحب والقطاف للعنب، لانہا تتقدم وتتأخر، ردالمحتار میں ہے فی الزاھدی باعہ بثمن نصفہ نقد ونصفہ اذا رجع من بلد کذا فہو فاسد، مگر اجارہ فاسدہ میں بھی بعد استیفائے منفعت اجرت یہاں وہی اجر مثل ہے واجب ہوجاتی ہے، اور وہ اجیر کی ملک ہے، درمختار میں ہے حکم الفاسد وجوب اجرالمثل بالاستعمال، بلکہ غنیہ و قنیہ و جامع الرموز و محیط و غرر الافکار وغیرہا کی رُو سے اُس ملک میں خبث بھی نہیں ہوتا، اجیر کے لئے طیب ہوتی ہے، اگرچہ اصل عقد گناہ و فاسد تھا، ردالمحتار میں ہے الاجر یطیب وان کان السبب حراما کما فی المنیۃ قہستانی الخ ونقل

عــہ ثلثۃ مسائل کانت منثورات فی جلد السابع ۱۲ عبدالمنان اعظمی

مثله السيد الحموى فى غمز العيون عن القنية ثم عقبه بقوله لم يذكر وجهه فليتظر اهـ وذكر الشامى عن منح الغفار ان شمس الائمة الحلوانى قال تطيب الاجرة فى الاجارة الفاسدة اذا كان اجر المثل وذكر فى المسئلة قولين واحدهما اصح فراجع نسخة صحيحة اهـ

بہرحال اس میں شک نہیں کہ یہ رقم اصل جو گورنمنٹ دریاست سے لیکر بنک میں بنام ملازم جمع ہوئی ملک ملازم ہے، رہی وہ زیادت کہ ڈاکخانہ بنام سود دیتا ہے اسے بہ نیت سود لینا ہرگز جائز نہیں قال اللہ تعالٰی وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا اور خود یہ نیت نہ کرے بلکہ مال گورنمنٹ سے برضائے گورنمنٹ ایک رقم جائز بحال استحقاق خود اپنے لئے ورنہ اپنے بھائیوں فقرا ومساکین ودیگر اہل استحقاق کے لئے بیت المال سے لینا سمجھے تو حرج نہیں، اگرچہ دینے والے اُسے کسی لفظ سے تعبیر کریں یا اپنے نزدیک کچھ سمجھیں فانما الاعمال بالنيات وانما لكل امرئ مانوى وقد فصلنا القول فى هذا المرام فى فتاوٰنا بما لا مزيد عليه، اصل یہ ہے کہ بیت المال اسلامی ہو خواہ اسلامی نہ ہو، جب انتظامات شرعیہ کا اتباع نہ کرے تو اہل استحقاق مثلاً طلبۂ علم دین وعلمائے دین کہ اپنا وقت خدمات دینیہ مثلاً درس وتدریس و وعظ وافتا وتصنیف میں صرف کر رہے ہوں، اگرچہ لاکھوں روپے کے مالک اغنیا کثیر المال ہوں اور بیوہ یتیم لُنجے، اندھے، فقرا مساکین، جو کچھ اُس میں سے برضائے سلطنت بے غدر وفتنہ وارتکاب جرائم پائیں، اُن کے لئے جائز ہے، اگرچہ دینے والا کسی دوسری وجہ ناجائز کے نام سے دے فانهم انما يأخذون وينوون ماهو لهم فلا باس عليهم مما نوى غيرهم، درمختار میں ہے من له حظ فى بيت المال وظفر بما هو موجه له له اخذه ديانة، وللمودع صرف وديعة مات ربها ولا وارث لنفسه او غيره من المصارف، وجیز کردری وغیرہ میں ہے فاذا كان من اهله صرفه الى نفسه وان لم يكن من المصارف صرفه الى المصرف۔ اسی طرح تنویر الابصار مسائل شتّٰی وغیرہ کتب کثیرہ میں ہے، اور جب لینے والے کا دینے والے پر کوئی مطالبہ شرعیہ آتا ہو کہ وجہ صحیح شرعی کے نام سے نہ مل سکتا ہو جب تو یہ مسئلہ غایت توسیع پاتا ہے جس میں گورنمنٹ وغیر گورنمنٹ ومسلمان وغیر مسلمان کسی کا فرق نہیں رہتا، مثلاً زید نے عمرو کے سو روپے چرالئے، عمرو کے پاس ثبوت قانونی نہیں، اپنا مال یوں لینے میں عاجز ہے، تو جائز ہے کہ سو روپے تک عمرو سے کسی وجہ جائز قانون کے نام سے وصول کرلے، اگرچہ شرعاً وہ نام ناجائز ہو، درمختار میں ہے لو امتنع المديون بدين واخذ ها لكونه ظفر بجنس حقه اهـ والتفصيل الجميل فى فتاوٰنا بتوفيق الله تعالٰى، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از اروہ بنگلہ ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خاں ۲۸ شوال ۱۳۳۶ھ

بھنگ اور افیون کا گورنمنٹ سے ٹھیکہ لیکر دوکان کرے تو ٹھیکہ لینا اور دوکانداری کرنا جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب ۔ بھنگ وافیون بقدر نشہ کھانا پینا حرام ہے، اور خارجی استعمال نیز کسی دوا میں قدر قلیل جز ہو کہ روز کے قدر شربت میں قابل تغیر نہ ہو اندرونی بھی جائز، تو وہ معصیت کے لئے متعین نہیں، تو ان کی بیع حرام نہیں، مگر اس کے ہاتھ کہ معصیت کے لئے اسے خریدے، لیکن اکثر وہی ہیں تو ان کی تجارت میں احتیاط سخت دشوار اور اسلم احتراز، اور ٹھیکہ یہاں غالباً بایں معنی ہے کہ

گورنمنٹ سے ان کو اجازت دیجاتی ہے، دوسرا نہیں بیچ سکتا، یہ ایک قانونی بات ہے جس کا ان پر الزام نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از شہر ڈونگر پور ملک میواڑ راجپوتانہ بر مکان جمعدار سمندر خان مسئولہ عبدالرؤف خاں ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

اگر مسجد کے احاطہ میں کوئی درخت پھولوں کا ہو اور وہ ٹھیکہ کسی ہندو کو دیا جائے اور وہ پھول بتوں پر چڑھائی جائیں اور اس کا پیسہ عمارت مسجد میں لگانا، روشنی وغیرہ میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں

الجواب - ٹھیکہ دینا حرام ہے، اور اس کا روپیہ حرام، پھر بتوں پر چڑھانے کی نیت سے ہو تو اور سخت، اور اگر یہ نہیں بلکہ ہندو کا مال اُس کی رضا سے ایک نام عقد کے حیلہ سے حاصل کرنا ہو، اور اُن پھولوں کے توڑنے کے لئے کافر کا مسجد میں آنا جانا نہ ہو، تو حرج نہیں، اور وہ روپیہ مسجد میں لگا سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - مسئولہ محمد محمود از قصبہ باندہ ضلع ٹ اسٹی متصل بمبئی ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ کوئی شخص مقرر کر کے بطور اجرت کے وعظ کرے اور وعظ گوئی کو پیشہ اور سلسلہ معاش جان کر بسر اوقات کرنی اختیار کرے، جائز ہے یا نا جائز تفسیر رؤفی والے اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں ناجائز اور قریب حرام کے فرماتے ہیں (آیۂ کریمہ) وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۔ فقط

الجواب - اصل حکم یہ ہے کہ وعظ پر اجرت لینی حرام ہے، درمختار میں اسے یہود و نصاریٰ کی ضلالتوں میں سے گنا، مگر کم من حکم یختلف باختلاف الزمان کما فی العالمگیریۃ، کلیہ غیر مخصوصہ کہ طاعات پر اجرت لینا ناجائز ہے ائمہ نے حالات زمانہ دیکھ کر اس میں سے چند چیزیں بضرورت مستثنیٰ کیں، امامت، اذان، تعلیم قرآن مجید، تعلیم فقہ، کہ اب مسلمانوں میں یہ اعمال بلانکیر معاوضہ کے ساتھ جاری ہیں، مجمع البحرین وغیرہ میں ان کا پانچواں وعظ گنا و بس، فقیہ ابو اللیث سمرقندی فرماتے ہیں، میں چند چیزوں پر فتویٰ دیتا تھا، اب اُن سے رجوع کی، ازانجملہ میں فتویٰ دیتا تھا کہ عالم کو جائز نہیں کہ دیہات میں دورہ کرے اور وعظ کے عوض تحصیل کرے، مگر اب اجازت دیتا ہوں، لہٰذا یہ ایسی بات نہیں جس پر نکیر لازم ہو، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ - مسئولہ مولوی عبدالرحیم بخش صاحب مدرس مدرسہ فیض الغرباء ۳۰ محرم ۱۳۳۲ھ فیض الغرباء آرہ شاہ آباد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کچہری کی ججی سب ججی، منصفی، رجسٹراری کی نوکری شرعاً جائز بلا کراہت ہے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب - جس نوکری میں خلاف ما انزل اللہ حکم کرنا پڑتا ہو، ہرگز جائز نہیں، اگرچہ سلطنت اسلام کی ہو، ائمۂ دین نے تیسری صدی کے آخر میں اپنے زمانہ کے سلاطین اسلام کی نسبت فرمایا من قال لسلطان زماننا عادل فقد کفر اُن قضاۃ کی نسبت قرآن عظیم میں تین الفاظ ارشاد ہوئے، ظالمون، فاسقون، کافرون، جب قاضیان اسلام سلطنت کی نسبت یہ احکام ہیں، تو سلطنت غیر اسلامیہ کے حکام تو مقرر ہی اس لئے کئے جاتے ہیں کہ مطابق قانون فیصلہ کریں، رہی رجسٹراری اسمیں

ع۵ مسئلتان من مجلدات سوی ما ذکرت ۱۲ عبدالمنان اعظمی

اگرچہ حکم نہیں، مگر وہ دستاویزوں پر شہادت ہے اور انھیں رجسٹر پر چڑھانا، اور ان میں بہت دستاویزیں سود کی بھی ہوتی ہیں اور صحیح حدیث میں ہے لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اٰکل الربٰو وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور اس پر گواہی کرنیوالوں پر، اور فرمایا سب برابر ہیں، واللہ تعالٰی اعلم،

اجود القریٰ لطالب الصّحۃ فی اجارۃ القریٰ

مسئلہ - از بدایوں　　۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۰۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ ٹھیکہ دیہات کا جو فی زمانناشائع و ذائع ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ زمین تو مزارعین کے اجارہ میں بدستور رہے، اور توفیر مستاجر کو ٹھیکہ میں دیدی گئی، کہ اس قدر توفیر کا گاؤں اتنے میں تمھیں ٹھیکہ دیا، بحساب اقساط اس قدر بلا عذر کی وصول وغیرہ ادا کرو، پھر اگر ٹھیکہ دار نے رقم معین سے کسی قدر اگرچہ ایک پیسہ ہو، یا ہزار روپیہ زائد وصول پایا وہ اس کا حق سمجھا جاتا ہے، اور وصول میں کمی رہے تو اس مقدار کا اپنے گھر سے پورا کرنا پڑتا ہے، یہ طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور بر تقدیر بیشی مستاجر کو قدر زائد اور در صورت کمی مؤجر کو مقدار باقی لینا حلال ہے یا نہیں، اور اگر اسے ناجائز کہا جائے تو کیا فرق ہے کہ مزارعین کو زمین ٹھیکہ پر دینا جائز ہے، اور یہ صورت ناجائز، بینوا توجروا،

الجواب - یہ ٹھیکہ شرعاً محض باطل وناجائز ہے، ہرگز ہرگز کوئی صورت اس کے جواز وحلت کی نہیں، نہ یہ معاہدہ کسی قسم کا اثر پیدا کرسکے، نہ عاقدین پر اس کی پابندی ضرور، بلکہ فی الفور اس کا ازالہ واجب، نہ مقدار وصول میں ٹھیکہ دار کا کچھ حق، نہ گاؤں سے اس کو کسی قسم کا تعلق، اس پر فرض ہے کہ جس جس قدر منافع خالص وصول ہو، کوڑی کوڑی مالک کو ادا کرے، خواہ وہ رقم معین سے زائد ہو، یا کم، اگر ایک پیسہ اس میں سے رکھ لیگا اُس کے لئے حرام ہوگا، نہ مالک کا مقدار وصول سے زیادہ میں کچھ استحقاق، مثلاً ہزار کو ٹھیکہ دیا نوسو وصول ہوئے، تو اسی قدر مالک کے لئے حلال ہیں، نوسو روپے سے کوڑی زائد لیگا تو اس کے لئے حرام محض ہے، اور گیارہ سو کی نشست ہوئی تو یہ پورے گیارہ سو خاص مالک کے ہیں، ٹھیکہ[عہ] دار کا ان میں ایک حبہ نہیں یہاں تک کہ اگر ٹھیکہ دار توفیر سے دست بردار ہو کر یہ چاہے کہ حق محنت میں کچھ اجرت ہی پاؤں، تو اس کا بھی مطلق استحقاق نہیں لانہ انما عمل لنفسہ والباطل شرعا لاینقلب صحیحا بالتراضی فیجب علیھما التخلی عنہ ازالۃ للمنکر وفد اوجبوا التفاسخ فی العقود الفاسدۃ تاثما فماظنک بالباطلات جن لوگوں کے پاس کسی حقیت دیہی کا چند سال تک ٹھیکہ رہا ہو، ان پر فرض ہے کہ تمام برسوں کی وَاصِلْبَاقِیْ بلحاظ تحصیل خام لگا کر ایک دوسرے کے مواخذہ سے پاک ہوجائیں مثلاً زید نے عمرو کو اپنا گاؤں بعوض ایک ہزار روپے کے تین برس تک ٹھیکہ دیا اور تین ہزار روپے وصول پائے، اب دیکھا جائے کہ عمرو کو ان برسوں میں کیا وصول ہوا تھا، اگر ہر سال مثلاً بارہ سو روپے پائے تھے تو اس پر چھ سو روپے زید کے واجب الادا

عہ فی الاصل "کٹکنہ دار" لعلہٗ زلۃ من الناسخ ۱۲ م

تھے، اور ہر سال آٹھ سو روپے ملے تھے، تو چھ سو اس کے زید پر رہے، اور ایک سال ہزار پائے تھے، دوسرے سال آٹھ سو، تیسرے سال بارہ سو، تو دونوں بے باقی ہیں، افسوس! کہ عام بندے یہاں تک کہ علماء اس مسئلہ سے سخت غافل ہیں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ العلی العظیم۔

اَصْلِ کلّی یہ ہے کہ جس طرح عقد بیع اعیان پر وارد ہوتا ہے، یونہی اجارہ ایک عقد ہے کہ خاص منافع پر ورود پاتا ہے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ ذات شے بدستور ملک مالک پر باقی رہے، اور مستاجر اس سے نفع حاصل کرے، جو اجارہ خاص کسی عین ذات کے استہلاک پر وارد ہو، محض باطل ہے اَللّٰھُمَّ اِلَّا مَا اسْتُثْنَاہُ الشَّرْعُ کَاِجَارَۃِ الظِّئْرِ لِلْاِرْضَاعِ، وغیر ذلک اسی لئے اگر باغ کو بغرض سکونت اجارہ میں لیا جائز، اور پھل کھانے کے لئے ناجائز، کہ سکونت منفعت اور ثمر عین، گائے کو لادنے کے لئے اجارہ لیا جائز، دودھ پینے کو ناجائز، کہ لادنا منفعت ہے اور دودھ عین، حوض سنگھاڑے رکھنے کے لئے اجارہ لیا جائز، مچھلیاں پکڑنے کو ناجائز، کہ سنگھاڑے بونا منفعت ہے، مچھلیاں عین فی ردالمحتار عن البزازیۃ الاجارۃ اذا وقعت علی العین لا تصح فلا یجوز استیجار الآجام والحیاض لصید السمك ورفع القصب وقطع الحطب اوسقی ارضھا اوغنمه منھا وکذا اجارۃ المرعی، والحیلۃ فی الکل ان یستاجر موضعا معلوما لعطن الماشیۃ، و یبیح الماء والمرعی الخ وفی الفتاوی الخیریۃ لنفع البریۃ، قد صرحوا بان عقد الاجارۃ علی اتلاف الاعیان مقصودا کمن استاجر بقرۃ لیشرب لبنھا، لا ینعقد وکذلك لو استاجر بستانا لیاکل ثمرہ، والمسئلۃ مصرح بھا فی منح الغفار وکثیر من الکتب۔

اب اسی اجارہ کو دیکھئے تو یہ ہرگز کسی منفعت پر وارد نہ ہوا کہ زمین بغرض زراعت تو مزارعین کے ٹھیکہ میں ہے، بلکہ خاص توفیر یعنی زر حاصل یا بٹائی کا غلہ اجارہ میں دیا گیا اور اسی کا استہلاک مفاد عقد ہوا، اذمن المعلوم ان المحبوب والنقود لا ینتفع بھا الا باتلافھا اور پر ظاہر کہ زر و طعام اعیان سے ہیں نہ منافع سے اگرچہ محاورۂ ہندیان میں تمام حاصلات دیہی کو بلفظ منافع تعبیر کیا جاتا ہے۔ عین اشیائے قائمہ بالذات کو کہتے ہیں، اور منفعت معانی حاصلہ فی الغیر عین امور محسوسہ کی جنس سے ہے اور منفعت معنی معقول، عین کو چند زمانے تک بقا ہے، اور منفعت ہر آن متجدد، فی ردالمحتار المنفعۃ عرض لا تبقی زمانین ہر عاقل جانتا ہے کہ روپیہ اور غلہ مثل ثمر و شیر و ماہی قسم اول سے ہیں، نہ مثل سکونت وحمل و زرع، قسم ثانی سے، تو یہ ٹھیکہ قطعا باطل محض ٹھہرا، خیریہ میں ہمارے ائمہ کا اجماع نقل کیا کہ ایسا عقد نرا باطل وحرام ہے، یہاں تک بربنائے اصل کلی بحث تھی،

اب نفس جزئیہ کی تصریح کلمات علمائے کرام سے لیجئے، امام علامہ خیر الملۃ والدین رملی استاذ فاضل مدقق صاحب درمختار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما فتاوی خیریہ میں ارشاد فرماتے ہیں ان کانت الاجارۃ وقعت علی اتلاف العین قصدا فھی باطلۃ کما صرحت به علماؤنا قاطبۃ، وصار کمن استاجر بقرۃ لیشرب لبنھا الاشتغال

فاذا استاجر زید القری والمزارع والحوانیت لاجل تناول خراج المقاسمة اوخراج الوظیفة اوما یجب علی المتقبلین من اجرة الحوانیت اولاجل تناول ثمرة الاشجار من بساتین القری وحصة الوقف من الزرع الخارج فالاجارة باطلة باجماع علمائنا لافرق بین زید وبکر فی ذلک لانها باطلة والحال هذہ والباطل یجب اعدامه لاتقریرہ فترفع ید زید وعمرو عن القری والمزارع والحوانیت اسی میں ہے سئل فی الالتزام والمقاطعة علی ما یحصل من قریة الوقف من خراج مقاسمته وغیر ذلک بمال معلوم من احد النقدین یدفعه الملتزم ویکون له ما یحصل منها قلیلاً کان اوکثیراً هل یجوز ام لا۔

اجاب الواقع علیه فی المقاطعة المشروطة اعیان لامنافع فهی باطلة بالاجماع واذا وقعت باطلة کانت کالعدم الخ ملخصا۔ اسی میں ہے سئل ایضا فی یتاری أجرالمتحصل من یتارہ لاخر بمبلغ معلوم هل تصح ام لا، اجاب لا تصح وعلی کل واحد منهما رد ماتناوله الخ، اسی میں ہے المقرر فی کلام مشائخنا باجمعهم ان الاجارة تملیک نفع بعوض وانها اذا وقعت علی استهلاک الاعیان فهی باطلة ومما صرحوا به ان من استاجر بقرة لیشرب لبنها اوکرما لیاکل ثمرته فهو باطل ومما یقطع الشغب قولهم "جعل العین منفعة غیر متصور" فاذا علم ان الاجارة اذا وقعت علی استهلاک الاعیان قصدا وقعت باطلة فعقد الاجارة المذکورة حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوہ بل علی اخذ المتحصل من الخارج بنوعیه اعنی الخراج الموظف والمقاسمة وما علی الاشجار من الدراهم المضروبة فهو باطل باجماع ائمتنا والباطل لاحکم له باطباق علمائنا واذا قلنا ببطلانه لزم المستاجران یرد جمیع ماتناوله من المزارعین من غلال ونقود وغیر ذلک، اسی میں ہے اعلم ان الاجارة اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا کانت باطلة فیملک المستاجر ما وجد من تلک الاعیان بل هی علی ماکانت علیه قبل الاجارة فتؤخذ من یدہ اذا تناولها ویضمنها بالاستهلاک لان الباطل لایؤثر شیئاً فیحرم علیه التصرف فیها لعدم ملکه وذلک کاستئجار بقرة لیشرب لبنها اوبستان یاکل ثمرہ ومثله استئجار مافی ید المزارعین لاکل خراجه الذی یحصل بالمقاسمة فانه عین وقع علیها الاستئجار قصدا ومثله باطل کما علمت۔ اسی میں ہے الاجارة المذکورة باطلة غیر منعقدة لما صرح به علماؤنا قاطبة من ان الاجارة اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا لاتنعقد ولاتفید شیئا من احکام الاجارة

ـــــه قد صرح المصنف بعد اوراق ان هذا النص فی مغنی المستفتی فلعله زلة الناسخ لانی فتشت فی الخیریة فاوجدته ۱۲

فاذا علم ذلك فليس له ان يتناول شيئا من الغلال اھ، رد المحتار علی در المختار میں ہے اما ما یفعلونه فی هذه الازمان حیث یضمنها من له ولایتها لرجل بمال معلوم لیکون له خراج مقاسمتها ونحوه فهو باطل، اذ لا يصح اجارة لوقوعه علی اتلاف الاعیان قصدا ولا بیعا لانه معدوم اھ

قلت وهكذا افصح به الفاضل المحقق مولٰنا امین الملة والدین محمد بن عابدین الشامی رحمه الله تعالٰی صاحب رد المحتار علی در المختار فی کتابه النفیس الجلیل الحری بان یکتب علی الخناجر ولو بالخناجر المسمّٰی "بالعقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة" وغیره فی غیره والعبد الضعیف الاٰن فی قریة بعیدة عن وطنی لیس عندی ههنا من الکتب الفقهیة الا رد المحتار والخیریة ولولا ذلك لاثبت بتصریحات جلیلة اخری تفقؤ اعین الغافلین وفیما اوردنا کفایة للعاقلین والحمد لله رب العٰلمین۔

ان نصوص صریحہ کے بعد بھی حکم میں کچھ خفا باقی ہے؟ اور یہیں سے ظاہر ہوگیا وہ فرق جس سے سائل سوال کرتا ہے کہ مزارعون کو زمین بغرض زراعت دی جاتی ہے، وہاں اجارہ بونے جوتنے پر وارد ہوتا ہے کہ وہ منفعت ہے نہ کسی عین کے استہلاک پر فافترقا، اسی لئے امام خیرالدین نے ارشاد فرمایا: عقد الاجارة المذکورة حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوه بل علی اخذ المتحصل الخ کما اسمعناك نصه۔

معہذا کچھ فرق نہ سہی جب شرع مطہر سے اس کی حلت اور اس کی حرمت ثابت، پھر مجال مقال کیا ہے، قالوا انما البیع مثل الربٰوا واحل الله البیع وحرم الربٰوا، والله تعالٰی المسئول لاصلاح احوال الامة المرحومة ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم، ہوا یہ کہ جن لوگوں نے کسی وجہ سے اپنے دیہات کا کام خود نہ کرنا چاہا، اور دوسرے کو بطور کار پردازی بتقرر تنخواہ سپرد کرنے میں غبن کثیر ومحنت قلیل وبے پرواہی کارندگاں کا احتمال قوی سمجھا کما هو مشاهد فی کثیر من ابناء الزمان الا من عصم الله وقلیل ما هم، بخلاف اس صورت کے جب ایک شخص کے ذمہ رقم محدود باندھ دی جائے، اور یہ اقرار پائے کہ جہاں سے جانے اسے پورا کرے، یہاں تک کہ اس پر ضمانتیں یا ایک سال کی توفیر پیشگی لے لی جاتی ہے تو احتمال غبن کے تو کچھ معنی ہی نہ رہے، کوشش دلسوزی اول تو کیونکر نہ کرے گا، اور نہ بھی کرے تو اپنا کیا نقصان، اس قسم کی باتیں ذہن میں جما کر یہ عقد باطل عاطل ایجاد کیا، حالانکہ یہ بھی ان کی نادانی کا نتیجہ تھا، کاش! اگر حضرات علماء لا اخلاہ الکون عنهم وکثرالله فی بلادہ امثالهم کی طرف رجوع لاتے تو ایسی صورت نکلنا ممکن تھی جس میں ان کا اطمینان بھی رہتا، ٹھیکہ دار کے سر رقم معین ہوجاتی غبن وغیرہ کے خدشوں سے نجات ہاتھ آتی، اور مؤجر ومستاجر دونوں اکل حلال کھاتے نافرمانی ملک جبار سے امان پاتے مگر کم ہیں وہ پاک مبارک بندے جنھیں اپنے دین کا اہتمام ہے، الٰہی اس اذل وارذل کو اپنے ان محبوبوں کا خاکپا بنا اور امت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اصلاح احوال فرما، آمین بجاہ ہذا النبی الکریم علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلاۃ

والتسلیم، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۔ از شاہجہاں پور مدرسہ اسلامیہ، مرسلہ شیخ بشیرالدین صاحب ۲۵ رشعبان ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید کا ایک موضع ہے جس میں قدیم الایام سے ایک بتخانہ ہے اور اس کے چڑھاوہ میں قریب تین سو روپیہ سالانہ کے رقم آتی ہے، زید بوجہ قدامت کے بتخانہ کو دفع نہیں کرسکتا، اور نہ اس کی پرستش کو بند کرسکتا ہے، اصلی آمدنی موضع مذکور کی دوسو روپیہ سالانہ ہے، ایک ہندو ٹھیکہ دار موضع مذکور کا چار سو روپیہ پر لینا چاہتا ہے، ظاہر ہے کہ اصلی آمدنی موضع مذکور کی صرف دوسو روپیہ سالانہ ہے، ٹھیکہ دار رقم چڑھاوہ کے خیال سے دوسو روپیہ اصلی آمدنی پر بڑھاتا ہے۔ مگر زید کوئی تفصیل آمدنی موضع اور آمدنی چڑھاوہ کی نہیں کرتا ہے، بلکہ یہی کہتا ہے کہ میں ٹھیکہ موضع کا دیتا ہوں، تو زید کا چار سو روپیہ سالانہ پر موضع مذکور کا ٹھیکہ دینا ہندو کو جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ سرے سے دیہات کا یہ ٹھیکہ ہی جس طرح آج کل رائج کہ زمین زراعت پر مزارعین کے پاس رہتی ہے، اور ٹھیکہ دار توفیر کا ٹھیکہ لیتا ہے، بالاتفاق حرام ہے، فتاوٰی خیریہ میں ہے۔ سئل فی یمادی أجرالمتصل من یمادہ لاٰخر بمبلغ معلوم ھل تصح ام لا اجاب لاتصح وعلی کل واحد منہما ردماتناولہ، اسی میں ہے قد انفقت علماؤنا علی ان الاجارۃ اذا وقعت علی تناول الاعیان او اتلافہا فہی باطلۃ فاذا علم ذلک علم الحکم فی اجارۃ القری لتناول الخراج مقاسمۃ کان او وظیفۃ وانہ باطل وقد افتیت بذلک مرارا وصورۃ ما رفع الیّ فی قریۃ اجرھا المتکلم علیہا لاٰخر لیتناول ما یتحصل من خراجہا ورسوم انکحتہا وزکاۃ مواشیہا ھل یجوز فاجبت فانہا باطلۃ لاتجوز الخ۔ ردالمحتار میں ہے، اما مایفعلونہ فی ھذہ الازمان حیث یضمنہا من لہ ولایتہا لرجل بمال معلوم لیکون لہ خراج مقاسمتہا ونحوہ فھو باطل اذ لا یصح اجارۃ لوقوعہ علی اتلاف الاعیان قصدا ولابیعا لانہ معدوم کما بینہ فی الخیریۃ، بلکہ جواز کی یہ صورت ہے کہ جس مال سے ٹھیکہ دے سال تمام پر خیال کرے کہ کتنے مزارعوں کا پٹہ ہنوز باقی ہے، جس جس کا باقی ہو ان سے اجازت لے، کہ اب ہم یہ سارا گاؤں یا اس کی فلاں پٹی، یا فلاں فلاں معین نمبر تمام وکمال فلاں شخص کو زراعت کرنے کے لئے ٹھیکہ پر دیتے ہیں تم اجازت دیدو (اور انہیں سمجھادے کہ یہ زمین ہمیشہ تامیعاد پٹہ تمہارے ہی پاس رہے گی، ہم اپنے ایک مسئلہ شرعی کے لحاظ سے یہ امر کرتے ہیں) جب وہ اجازت دیدیں، تو مستاجر سے کہے اس سارے گاؤں یا اس میں فلاں پٹی یا فلاں فلاں مسلم نمبر کی زمین اس قدر روپے سالانہ پر زراعت کے لئے ہم نے تیرے اجارہ میں دی کہ تجھے اختیار ہے جو چاہے بوئے وہ قبول کرلے، اب اجارہ صحیح ہوگیا، اور جو روپیہ قرار پایا مالک کو لینا حلال ہوگیا، خواہ مستاجر خود زراعت کرے یا دوسروں کو اٹھادے،

غرض زبانی عقد یوں کرلیا جائے کہ شرع میں اسی کا اعتبار ہے، دستاویز میں اگر یوں لکھا جانا انگریزی طور پر کچھ خلل انداز

ہو تو اختیار ہے کہ تحریر ٹھیکہ اسی قاعدہ رائجہ پر کرلے، کہ شرعاً وہ تحریر خلاف تقریر کوئی چیز نہیں، خیریہ میں ہے اما اشتراط کونہ یصدر من لفظہ فی محکمۃ وتکتب فی حجۃ فی سجلات فلیس بلازم شرعا واللفظ بانفرادہ کاف شرعا والزیادۃ لایحتاج الیھا۔ اسی میں ہے العبرۃ بما تلفظ لابما کتب الکاتب اھ ملخصین، رہا یہ کہ مستاجر کو اس پر نفع لینا مثلاً سو روپے سال پر ٹھیکہ لے، اب اپنی طرف سے ایک سو یا سوا سو پر اٹھادینا کس حالت میں روا ہوگا اُسکی صورتیں جدا ہیں، جن کے ذکر کی یہاں حاجت نہیں کہ وہ صورت مستفسرہ میں کافر ہے، اُسے احکام شرعیہ کی کیا پرواہ، نہ ہمیں کوئی ضرورت کہ اس کے لئے اکل حلال کی تدبیر کریں اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ اس طور پر اصل اجارہ بھی جائز ہوگیا، اور وہ مندر کا خدشہ بھی دفع ہوا کہ اس نے تو زمین زراعت کے لئے ٹھیکہ پر دی ہے، آگے جو زینب ناحفاظیاں ٹھیکہ دار کرے اس کے سر ہیں، اس سے کوئی تعلق نہیں مسئلۂ اجارۂ دیہات کی تمام تحقیق فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اپنے رسالہ "اجود القری لطالب الصحۃ فی اجارۃ القری" میں ذکر کی جس کی ضرورت نہایت اشد، کہ آجکل ایک زمانہ اس سے غافل، اور صحیح وجائز طریقہ ملتے ہوئے صرف جہالت کے سبب گناہ عظیم واکل حرام میں مبتلا، نسأل اللہ العفو والعافیۃ، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب،

مسئلہ ۔ از شہر کہنہ نوادہ مرسلہ شیخ محمد حسین ولد حافظ اکرام اللہ ۱۳ رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی حقیت زمینداری کا ٹھیکہ تین سال کے واسطے اس شرط سے دیتا ہے کہ آمدنی حقیت میں سے بعد ادائے مال گزاری سرکار بیس روپے سالانہ ٹھیکہ دار لیا کرے، اور سو روپے سالانہ زید مالک زمینداری کو دیا کرے، اور تین سال کا زر توفیر زید اپنے ٹھیکہ دار سے پیشگی لیتا ہے، تو اس صورت میں ٹھیکہ دار کو بیس روپے سالانہ لینا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں، اگر نہیں تو اسکے جواز کی کیا صورت شرعاً ممکن ہے۔ بینوا توجروا،

الجواب ۔ یہ صورت ناجائز وحرام ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا ونص علیہ فی الفتاوی الخیریۃ والعقود الدریۃ والدر المختار ورد المحتار وغیرھا من الاسفار، ہاں جواز یوں ہوسکتا ہے کہ زید کو یہ شخص تین سو روپے بلاسود دست گرداں دیدے، اور زید اسے اپنی حقیت کی تحصیل تشخیص کے لئے بیس روپے سال پر اجیر مقرر کرے، قرض دہندہ دیانت وامانت سے کام کرے، جو منافع خالص ہو اُس سے بیس روپے سال اپنی اجرت تحصیل کے لے اور باقی جس قدر بچے، سو روپے ہوں خواہ کم خواہ زائد، وہ سب مالک کو پہنچائے، یا اپنے قرض میں مجرا لے یہاں تک کہ تین سو روپے ادا ہوجائیں، اس کے بعد جو بچے سب مالک کو دے پھر تحصیل پر اس کے اجیر ہونے کو چاہیں، دونوں شخص باقی رکھیں یا فسخ کرلیں، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از ریاست رامپور مرسلہ صاحبزادہ ابراہیم علی خاں صاحب خلف صاحبزادہ عباس علی خانصاحب ۳ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک موضع کا ٹھیکہ بجمع معمولاً ہندہ کو سات سال کے لئے دیا۔ اور پٹہ میں چند شرائط کیں، ایک یہ کہ اگر کوئی قسط حسب تفصیل مندرج پٹہ ادا نہ ہوگی تو زید کو اختیار فسخ اجارہ وضبطی زر نقد

امانت وضمانت کا ہوگا، دوسرے یہ کہ گاؤں میں نکاسی آٹھ ہزار دوسو روپے کی ہے، کٹکنہ دار موضع میں جاکر اسامیان سے تحقیق کرے، اگر اس نکاسی میں کچھ کمی ثابت ہوگی تو کٹکنہ دار کو جمع سے مجرا دی جائے، بعدہٗ زید نے ہندہ کو بے دخل کرکے قبضہ اپنا کرلیا، ہندہ نے نالش کی مدعا علیہ نے حسب شرط پٹہ بوجہ نادہندی ہندہ اختیار فسخ حاصل ہونے کا عذر کیا، حاکم نے بریں بنا کہ شرط مجرائی کمی شرط نہیں وعدہ ہے، اور عقد میں نہیں بعد عقد پٹے میں ہے، اور بلفظ شرط نہیں بلفظ (اور) ہے، اور شرط بھی ہو تو مطابق عرف مستاجران ہے، نیز ملائم عقد ہے، کہ سرکار میں دستور ہے، اول رقبہ وتعداد قلبہ قائم کرکے تکدمہ آمدنی دیہہ کا نقشہ میں درج فرماتے ہیں، اسی نقشے کے اطمینان پر مخلوق ٹھیکہ لیتی ہے، اگر رقبہ یا شمار قلبہ میں کمی ہوئی تو وقت استغاثہ مستاجر عذر اس کا مقبول ہوکر مستاجر کو زرجمع سے کمی مجرا دلائی جاتی ہے، اور قسط میں بدعہدی باعث فسخ اجارہ نہیں ہوسکتی، شرع میں قاعدہ کلیہ ہے کہ مضاف کرنا فسخ کا طرف کسی زمانے کے صحیح ہے، اور معلق کرنا عموماً جائز نہیں، یہ صورت تعلیق کی ہے، فیصلہ بحق مدعیہ کیا، دیگر علماء سے استفتا ہوا، انھوں نے اس عقد کو بوجہ شرط فاسد کہ قسط نہ دینے سے ضمانت ضبط کرنا شرعاً ممنوع ہے، اور جبکہ بحال کمی نکاسی مقدار کمی اجرت سے مجرا ہونی ٹھہری تو اجرت میں جہالت ہے، اجارہ فاسدہ قرار دیا،

اب علمائے دین کی خدمت میں معروض ہے کہ شرعاً اس صورت میں حکم محقق کیا ہے، بینوا توجروا،

الجواب - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ، اِلَی اللہِ الْمُشْتَکٰی مِنْ قِلَّۃِ الْعِلْمِ وَذِلَّۃِ الْعُلَمَاءِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ رَبِّ الْاَرْضِ وَرَبِّ السَّمَآءِ، صورت مستفسرہ میں فیصلہ بحق مدعیہ ہونا سراسر ناجائز وواجب الرد ہے، اور عقد مذکور شرعاً کوئی عقد ہی نہیں، ہرگز نہ اجارۂ صحیحہ نہ فاسدہ، بلکہ محض باطل ومسترد ہے، اس وقت فریقین فتوٰی کے کلام وتحریرات فقیر کے پیش نظر ہیں، اگر ان کے مدارک کی طرف تنزل کیا جائے تو دونوں با وقعت فریق سے معارک فقہیہ میں بہت کچھ کہنا ہو، مگر فضول وبے اصل امر میں اضاعت وقت کی حاجت نہیں، صحیح یا فاسد ہونے میں غور وبحث کا موقع تو اُس وقت ہے جب شرعاً وہ کوئی عقد بھی ہو، یہاں سوا ہوا کے عقد کا نام بھی نہیں محض باطل وبے حقیقت ہے، تو سرے سے دعوی مدعیہ اصلاً قابل سماعت بلکہ لائق التفات ہی نہیں، فیصلہ اس کے حق میں صادر ہونا کیا معنٰی،

اصل یہ ہے کہ دیہات کا یہ ٹھیکہ جو آج کل ہندوستان کثیر الجہل وطغیان میں جاری ہے کہ زمین دیہہ مزارعین کے اجارہ میں رہتی ہے، اور توفیر ومحاصل کٹکنہ دار کے اجارے میں دیئے جاتے ہیں، اور یہی صورت اس مسئلہ دائرہ میں واقع ہوئی، (جس پر پٹے کے الفاظ کہ نکاسی اس قدر ہے، کٹکنہ دار آسامیوں سے تحقیق کرلے، اور تجویز حاکم کے الفاظ کہ سرکار میں دستور ہے اول رقبہ وتعداد قلبہ قائم کرکے الٰی آخرہ دلیل روشن ہیں) محض ناجائز وباطل ہے، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اس صورت کے بطلان پر ہمارے علماء کا اجماع ہے، اس کا فانی ومعدوم کردینا فرض ہے، نہ کہ باقی رکھنا، کٹکنہ دار کا قبضہ فوراً اٹھادینا لازم ہے یہ عقد کالعدم ہے محض بے اثر ہے،

فقیر غفراللہ تعالٰی لہٗ نے اس مسئلہ کی تحقیق روشن اپنے فتاوٰی میں ذکر کی، یہاں چند نصوص علمائے کرام ذکر کروں کہ مولٰی

عزوجل چاہے تو تنبیہ غافلین و ایقاظ نائمین و ہدایت مسلین ہوں، امام علامہ خیر الملۃ والدین رملی اپنے فتاوٰی "خیریہ لنفع البریہ" میں فرماتے ہیں ان کانت الاجارۃ وقعت علی اتلاف العین قصداً فھی باطلۃ کما صرحت بہ علماؤنا قاطبۃ وصار کمن استاجر بقرۃ لیشرب لبنھا لاتنعقد فاذا استاجر زید القری والمزارع والحوانیت لاجل تناول خراج المقاسمۃ اوخراج الوظیفۃ فالاجارۃ باطلۃ باجماع علمائنا والباطل یجب اعدامہ لاتقریرہ فترفع ید زید وعمرو عن القری والمزارع والحوانیت۔ اسی میں ہے عقد الاجارۃ المذکورۃ حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوہ بل علی اخذ المتحصل من الخارج بنوعیہ اعنی الخراج الموظف والمقاسمۃ وما علی الاشجار من الدراھم المضروبۃ فھو باطل باجماع ائمتنا والباطل لاحکم لہ باطباق علمائنا واذا قلنا ببطلانہ لزم المستاجران یرد جمیع ما تناولہ من المزارعین من غلال ونقود وغیر ذلك۔ اسی میں ہے الاجارۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصداً کانت باطلۃ فلایملك المستاجر ما وجد من ملك الاعیان بل ھی علی ما کانت علیہ قبل الاجارۃ فتؤخذ من یدہ اذا تناولھا ویضمنھا بالاستھلاك لان الباطل لایؤثر شیئاً فیحرم علیہ التصرف فیھا لعدم ملکہ وذلك کاستیجار بقرۃ لیشرب لبنھا او بستان لیاکل ثمرۃ ومثلہ استیجار ما فی ید المزارعین لاکل خراجہ الخ۔ مفتی المستفتی عن سوال المفتی میں ہے سئل فی یتماری أجر المتحصل من یتمارہ لاٰخر وقبض المستاجر قدرا معلوما من متحصل یتمارہ فھل تکون الاجارۃ المزبورۃ غیر صحیحۃ **اجاب** نعم وقد افتی بذلك الخیر الرملی مراراً کما ھو مذکور فی فتاواہ من الاجارۃ ونقولھا کثیرۃ محصلھا انھا اجارۃ وقعت علی استھلاك الاعیان وھی باطلۃ۔

عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے لایجوز استیجار الارض لذلك لانہ استیجار علی استھلاك العین والاجارۃ انما تنعقد علی استھلاك المنافع الخ، ردالمحتار میں ہے الواقع فی زماننا ان المستاجر یستاجرھا لاجل اخذ خراجھا لا للمزارعۃ ویسمی ذلك التزاما وھو غیر صحیح کما افتی بہ الخیر الرملی فی عدۃ مواضع۔ اسی میں ہے اما ما یفعلونہ فی ھذہ الازمان حیث یضمنھا من لہ ولایتھا لرجل بمال معلوم لیکون لہ خراج مقاسمتھا ونحوہ فھو باطل، اذ لایصح اجارۃ لوقوعہ علی اتلاف الاعیان قصداً ولا بیعا لانہ معدوم کما بینہ فی الخیریۃ، یہاں نقول میں کثرت ہے اور قدر مذکور میں کفایت، شرعاً وہ صورت ممکن تھی کہ لوگ اگر اسے اختیار کرتے ان کا مقصود ملتا اور مال حرام وعقد باطل کے وبال و آثام سے محفوظ رہتے، مگر اتباع شرع مطہر کی فکر کسے، جب علماء غافل ہوں جہال سے کیا شکایت، رامپور اسلامی ریاست ہے، کیا عجب کہ وہاں اس حق مبین کا اثر ہو، محو باطل و اجرائے طریقہ جائزہ پر نظر ہو، ارشادات ائمہ کا اسی قدر سننا کارگر ہو، واللہ الہادی وولی الایادی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دیہات کا ٹھیکہ دینا جائز ہے یا نہیں۔ ۲؎ یہ کہ وزن کشی کا ٹھیکہ دینا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب - (۱) اجارہ دیہات کی سبیل بھی چنداں دشوار نہیں، زراعت کے لئے جیسا ایک کھیت کا اجارہ پر دینا جائز، یونہی سارے گاؤں کا، مگر وقت واحد میں زمین واحد دو مستقل مزارعوں کے اجارہ میں نہیں ہو سکتی، لہذا سال تمام پر جن کاشتکاروں کے پٹے کی میعاد ختم ہوگئی وہ تو زمین خالی ہی ہے، جن کی میعاد باقی ہے، اُن سے کہہ لیا جائے اور سمجھا دیا جائے کہ ہم جو شرعی حیلہ کیلئے ایسا کرتے ہیں زمین تم سے نکالی نہ جائے گی، بلکہ مستاجر کی طرف سے تمھارے پاس رہے گی، تم میں ہم میں جو معاہدہ تھا جس کے ابھی اتنے سال باقی ہیں، وہ فسخ کر لو کہ ہم سارا گاؤں زراعت کے لئے فلاں کو اجارہ دیدیں، فلاں کی طرف سے یہ زمین بدستور تا میعاد پٹہ تمھارے پاس رہے گی، اس صورت میں ٹھیکہ توفیر کا نہ ہوا، جو بالاجماع حرام ہے، بلکہ زراعت کیلئے زمین کا جو بالاجماع جائز ہے، اور اگر اس صورت میں دقت سمجھی جائے، اور ضرور کسانوں خصوصاً ہنود غنود کو اسکا سمجھانا اور انکا راضی ہونا خالی از دقت نہیں تو وہی باغ دیہات والی تدبیر کیجئے یعنی گاؤں میں چوپال اور مکان سکونت اور افتادہ زمینیں اور کاشت سے خالی کھیت اور وہ کھیت جن کی میعاد پٹہ تمام ہوگئی، اور بنجر غرض جس قدر اراضی کسی کے اجارہ میں نہیں وہ تمام و کمال متاجر کو سنین معینہ کے لئے اجرت معینہ پر (جتنا زر ٹھیکہ رکھنا منظور ہو) زراعت و سکونت و انتفاع کے لئے اجارہ پر دیجائے اور اراضی مزروعہ مقبوضہ مزارعین کی توفیر نقد خواہ بٹائی جو کچھ ہو متاجر کو اُتنے برسوں کے لئے مباح کر دیجائے، یوں بھی دونوں کے مطلب حاصل ہیں، غرض ہے یہ کہ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا کوئی دشواری نہیں کہ اس شریعت مطہرہ سمحہ سہلہ غرہ بیضا نے آسان نہ فرمادی ہو وللہ الحمد۔

(۲) وزن کشی کے ٹھیکہ سے اگر یہ مراد ہے کہ "تولا" کچھ روپے زمیندار کو دے کہ اس سال گاؤں بھر کی "راسیں" وہی تولے دوسرا نہ تولنے پائے، اور وہ ہر کاشتکار سے اپنے تولنے کی اجرت لے، تو یہ محض حرام ہے، اور وہ روپیہ کہ زمیندار کو دیا نری رشوت ہے، اور دوسرے کو تول سے ممانعت محض ظلم ہے، اس کی نظیر اسٹیشن پر سودا بیچنے کا ٹھیکہ ہے، کہ بیع تو اس میں اور خریداروں میں ہوگی، یہ ریل والوں کو روپیہ صرف اس بات کا دیتا ہے کہ میں ہی بیچوں، دوسرا نہ بیچنے پائے۔ یہ شرعاً خالص رشوت ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ - مسئولہ نواب صاحب محلہ بہاری پور بریلی،

عالمان شرع نے کیا حکم ہے اس میں دیا ... گر کسی نے ٹھیکہ دو کانوں کا مالک سے لیا
لیکے ٹھیکہ پھر یہ اُسنے انتظام اپنا کیا ... سب دکانوں کا کرایہ اس نے زائد کرلیا
پس یہ زاید جو اسے حاصل ہوا ہے اس سے زر ... اس کے استعمال میں ہے فائدہ یا کچھ ضرر
اور اگر اس شخص کو ٹھیکہ سے کم آمد ہوئی ... اور پوری کر دی اسنے پاس سے اپنے کمی

اس کمی کا لینا کیا مالک کو جائز ہوگیا — اس میں جو حکم شریعت ہو مجھے دیجے بتا

الجواب جتنی اجرت پر کہ مستاجر نے لی مالک سے شیئ — اس سے زائد پر اٹھانا چاہے تو یہ شکل ہے

اپنا کوئی مال جو قابل اجارہ کے ہوئے — اس کو اس شے سے ملا کر دونوں کو اک ساتھ دے

یا زیادت شے میں کر دے مثل تعمیر مکاں — کھونٹیا کہگل کو آں چونہ مرمت این وآں

یا بدل دے جنس اجرت جیسے وہاں ٹھہرے روپے — اس کے یاں آنے ہیں گو بدلے میں لے ان کے روپے

یا کوئی کام اپنے ذمہ کرلے اس ایجار میں — تا زیادت اس عمل کے بدلے ہو اقرار میں

جیسے جاروب دکاں اصلاح اسباب کاں — اور جو خدمت کہ ہو شایان اجرت بے گماں

اور اگر یہ کم پہ دیتا ہے تو دے مختار ہے — مالک اجرت پوری لے گا اس سے جو اقرار ہے

یوہیں خالی ڈال رکھتا جب بھی تو لیتا وہ دام

اب کمی سے کیا اسے واللہ اعلم والسلام

مسئلہ ۔ مرسلہ نجم الحسین صاحب از تحصیل بسواں ضلع سیتاپور ۱۵ / صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر وعمرو تینوں سنّی حنفی پابند صوم وصلوٰۃ ہیں زید زمیندار بکر تاجر عمرو نوکری پیشہ، زید کا عمرو قرابت دار ہے، اور بکر کا دوست عمرو کی معرفت زید وبکر میں یہ معاملہ ہوا کہ زید نے اپنے دو گاؤں پندرہ سو روپے سالانہ پانچ سال کے لئے بکر کو ٹھیکہ دیا، بکر نے پندرہ سو روپے بلا سودی پیشگی زید کو دیئے، جس کی ادائگی سال اخیر میں قرار پائی، بکر نے عمرو کو نوکر رکھ لیا، اور گاؤں کی تحصیل وصول سپرد کر دی، بروقت ٹھیکہ ہونے کے زید وبکر میں یہ حلف ہوا کہ ایک دوسرے کے نقصان کا روادار نہ ہوگا، اور کبھی کسی مفسد یا مخالف کی دراندازی پر فریقین عمل نہ کریں گے، دو سال دونوں گاؤں بکر کے ٹھیکہ میں رہے، اور قریب قریب سات سو روپے کے منافع ہوا، عرصہ کے بعد زید وبکر کو عمرو کی چالاکی وبدنیتی عمرو کے افعال واقوال سے ثابت ہوگئی، دونوں کو یقین ہوگیا کہ عمرو نے ضرور نقصان پہنچایا اور پہنچائے گا، زید وبکر میں اتفاق ہے، زید سے بکر نے کہا کہ میں گاؤں کا کام نہیں کر سکتا، کیونکہ عمرو سے کام نہیں لینا چاہتا ہوں، عمرو پر اعتبار نہیں رہا، بہتر یہ ہے کہ میں ٹھیکہ چھوڑ دوں، پیشگی جو پندرہ سو روپیہ میں نے دیا ہے، وہ دیدو میں تجارت میں لگا دوں، زید نے کہا کہ میں ٹھیکہ چھڑانا نہیں چاہتا، اور تم جانتے ہو کہ میں نادار ہوں، زر پیشگی بھی یکمشت ادا نہیں کر سکتا زید وبکر دونوں متردد ومشوش تھے، ایک رئیس مسلمان سنّی وحنفی نے بطور ثالث یہ فیصلہ تجویز کیا کہ ٹھیکہ چھڑا لیا جائے، اور پندرہ سو روپے قسط بندی کرکے چار سال میں ادا کر دیا جائے، بکر کے اطمینان کو دستاویز ہو جائے اور ایک گاؤں مکفول کر دیا جائے بجز اس کے اس وقت منافع کا کچھ ذکر بکر نے نہیں کیا، ثالث کی تجویز کو زید وبکر دونوں نے بحلف منظور کر لیا، ہفتہ کے بعد ثالث کے روبرو زید سے بکر نے دستاویز کا مسودہ مانگا، اس وقت زید سے بکر نے کہا، اگر اس وقت پندرہ سو روپے دو تو میں

لے لوں اور تجارت میں لگا دوں اور چار سال میں اگر روپیہ ادا ہوا تو منافع لوں گا۔ زید نے کہا منافع کیسا کبھی اس کا ذکر نہیں ہوا اور نہ ثالث کے روبرو ذکر آیا، محض پندرہ سو روپے کی ادائگی ٹھہری، بکر سود خوار نہیں ہے، مگر جاہل ہے، مفسدوں نے اس کو سمجھا دیا، کہ یہ ٹھیکہ کا منافع ہے سود نہیں ہے۔ بکر نے کہا، قبل ٹھیکہ ہونے کے مبلغ ڈھائی سو روپیہ ہم کو چھوٹ دیا گیا ہے، زید نے کہا کہ نہیں میں نے ایک گاؤں میں کل سے چھوٹ دیا ہے، زید نے بکر سے پوچھا کہ میری تمھاری بالمشافہ گفتگو ہو کر چھوٹ دی گئی ہے، بکر نے کہا کہ نہیں، مجھ سے عمرو نے کہا ہے، زید نے کہا کہ عمرو کو یقین تھا کہ ٹھیکہ ہو جانے کے بعد میں ضرور نوکر رکھ لیا جاؤں گا، اس طرح پر بکر نے جھوٹ کہہ دیا کہ ڈھائی سو روپے چھوٹ دیکر پندرہ سو روپے پر ٹھیکہ ہوتا ہے، زید نے عمرو سے دریافت کیا کہ ڈھائی سو روپے چھوٹ کیونکر دیا گیا، عمرو نے جواب صاف نہ دیا، زید نے چھوٹ کا اقبال نہ کیا، بکر نے کہا ہم منافع ضرور لیں گے، زید نے دستاویز لکھ دی، پندرہ سو روپے اصل اور چار سو منافع ٹھیکہ، زید و بکر پابند شریعت ہیں بدعہدی اور منہیات شرع سے بچنا چاہتے ہیں نیک نیتی سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ پندرہ سو روپے کے علاوہ جو بنام منافع ٹھیکہ چار سو روپیہ جو درج دستاویز ہوا ہے یہ جائز ہے یا سود ہے، شرح و بسط کے ساتھ جواب عنایت ہو، بینوا توجروا

الجواب - صورت مستفسرہ میں وہ منافع قطعی سود اور حرام ہیں، حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کل قرض جر منفعۃ فھو ربا قرض سے جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے، بلکہ اس ٹھیکے کے دو برسوں میں سات سو روپے جو منافع کے بکر کو ملے وہ بھی حرام ہیں کہ دیہات کا ٹھیکہ جس طرح رائج ہے، محض حرام ہے، جتنے پر ٹھیکہ دیا گیا اگر اسی قدر نشست ہوئی اور وہ مالک کو دیدی گئی، تو اس کے لئے حلال ہے کہ اس کی ملک کا نفع ہے، اور اگر اس سے کم ہوئی اور مستاجر کو وہ رقم اپنے پاس سے پوری کرنی ہوئی، تو یہ زیادت مالک کو حرام ہے، اس کا حق اسی قدر ہے، جس قدر نشست ہوئی، مثلاً پندرہ سو کو ٹھیکہ، اور کسی سال ہزار ہی بیٹھے تو یہ ہزار ہی مالک کو حلال ہیں، رقم قرارداد پوری کرنے کو پانچ سو اگر اور دے گا وہ حرام ہوں گے، اور اگر کسی سال دو ہزار بیٹھے اور مستاجر مالک کو صرف پندرہ سو دے گا پانسو خود لے گا، یہ پانسو اس کو حرام ہیں فان ھذہ اجارۃ علی استھلاک العین وما الاجارۃ شرعا الا تملیک المنافع فکل اجارۃ وردت علی الاعیان فھی باطلۃ وحرام الا ماخصہ النص وھو اجارۃ الظئر والمسئلۃ موجہا فی کثیر من الاسفار کالفتاوی الخیریۃ والعقود الدریۃ والدر المختار ورد المحتار، واللہ تعالٰی اعلم۔

المنٰی والدرر لمن عمد منی آرڈر

۱۳۱۱ھ

مسئلہ ازکیمپ میرٹھ بازار لال کورتی مرسلہ جناب مولوی عبدالسمیع صاحب ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

بخدمت شریف مخدوم و مکرم محقق و مدقق جناب مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ فیوضہ وبرکاتہ وضاعف اجورہ وحسناتہ

بعد اتحاف ہدیہ سلام مرفوع رائے خورشید انجلا رباد اس مسئلہ میں آپ کی رائے دریافت کی جاتی ہے یہاں سے بعوض مساکین کے تنخواہ کسی کے دو روپے، کسی کے تین روپے معین ہے ان میں سے پانچ چار آدمیوں نے مجھ سے کہا کہ ہم کو دو روپے کے واسطے سفر کرکے آنا دشوار ہے اور یہ دقت کہ اس قدر تنخواہ ہے اور اسی قدر کرایہ لگ جائے گا تم ہم کو منی آرڈر کرکے روانہ کردیا کرو، میں نے یہ دیکھا کہ صیغہ منی آرڈر جابجا جاری ہے، مدارس وغیرہ میں، پس ان سب چاروں شکستہ دلوں کا کام کرکے بہتر ہے کہ ثواب حاصل کروں جب نظر جواز و عدم جواز پر کی گئی تو بنظر سرسری یہ دیکھ لیا کہ ہم جو کچھ زیادہ دیتے ہیں وہ اجرت دیتے ہیں، اس بات کے لئے ڈاک والوں نے مرسل الیہ کے گھر روپیہ پہنچا کر اس کے دستخط کرائے پھر وہ رسید اُس سے وصول کرکے ہم تک پہنچاتی، بناءً علیہ یہ ربا نہیں برسوں سے لوگوں کی کارروائی اسی طرح ہوتی رہی اب بعض علماء[1] نے فتوٰی حرمت منی آرڈر کا چھاپ دیا ہے کہ ربا ہے اور حرام۔ میں نے جو تاویل اپنے نزدیک سمجھی تھی اگر یہ درست ہے یا آپ اپنی رائے سے اس میں اور کوئی وجہ شرعی پیدا کرسکیں اس سے مطلع فرمائیں کہ بعض مساکین کا نہایت درجہ حرج ہے والسلام

الجواب: جناب مولانا ذوالفضل اولنا زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فقیر چار مہینہ سے اس قریہ میں ہے نامی نامہ بریلی ہوکر یہاں آیا، جواب حسب فہم قاصر حاضر رسید بریلی ارسال فرمائیں والسلام وہ فتوٰی مطبوعہ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ کی نظر سے گزرا ہے، اس میں مفتی صاحب فرماتے ہیں یہ ربا ہے دو آنے دس کے عوض دس ملتے ہیں مگر یہ بات وہی کہہ سکتا ہے کہ جسے اتنی خبر نہیں کہ دو آنے کاہے کے دیئے جاتے ہیں، شاید انھیں معلوم نہیں کہ ڈاکخانہ ایک اجیر مشترک کی دوکان ہے جو بغرض تحصیل اجرت کھولی گئی ہے دو آنے قطعاً وہاں جانے اور روپیہ دینے اور واپس آنے اور

---

[1] یعنی رشید احمد گنگوہی ۱۲

رسید لانے ہی کی اُجرت ہیں جیسے لفافہ پر اور رپارسل پر ہر رغیر ذالک اس کو تو کوئی عاقل رہا خیال ہی نہیں کرسکتا یہ ہرگز نہ ان کا معاوضہ نہ زنہار دینے والوں میں کسی کو اُس روپیہ کے معاوضہ میں کمی بیشی مقصود وھٰذا من البدیھیات التی لایتوقف فیھا الا امثال المفتین الذین لابصر لھم فی الدین۔

ان بزرگوں کے اکثر فتاوٰی فقیر نے ایسے ہی عجائب پر مشتمل پائے، ابھی قریب زمانے میں ان کا ایک فتوٰی دربارۂ جواز شہادت ہلال بذریعہ تار برقی نظر سے گزرا جس میں تار کو خط پر قیاس کیا، جامع یہ کہ لکھنا لکھنا ایک سا قلم سے لکھا خواہ بانس طویل سے گویا حضرت کے نزدیک تار کا طریقہ یہ ہے کہ کسی لمبے بانس سے لکھ دیتے ہیں، پھر لطف یہ کہ خود اصل مقیس علیہ میں حکم غلط۔ علماء تصریح فرماچکے، ایسے امور شرعیہ میں خطوط کا اعتبار نہیں، ظلم پر ظلم یہ کہ وہ بانس طویل ہی کی تحریر سہی تار بھیجنے والا بیچارہ اس لمبے بانس سے خود نہیں لکھتا بلکہ تار بابو سے کہتا ہے وہ ایک واسطہ ہوا جہاں کو تار دیا گیا وہ دوسرا واسطہ بیچ میں تار موصول نہ ہوا تو وسائط کی گنتی ہی گیا۔

اور یہ اکثر کفار و فساق ومجہول الحال ہوتے ہیں، اس نفیس سند سے جو خبر آئے اُس پر امور شرعیہ کی بناکرنی ان مفتیوں کا ادنٰی اجتہاد ہے۔

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے بے اعتباری تار میں ایک مفصل فتوٰی لکھا جس سے اس مسئلہ کی تحقیق تام کما ینبغی منکشف ہوسکتی ہے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، مسئلہ دائرہ کی طرف رجوع کروں اور توفیق الٰہی مساعدت فرمائے تو حقیقت منی آرڈر ایسی روشن وجہ پر بیان میں آئے جس سے ان صاحبوں کا شبہہ باذنہ تعالٰی مستاصل ہوجائے۔

فاقول وباللہ التوفیق۔ منشاء غلط منی آرڈر کو قرض محض بے عقد اجارہ سمجھنا ہے۔ متبوع نے اجمالاً اُس کا دعوٰی کیا، تابع فی اُس پر دو دلیلیں قائم کیں مگر حقیقت امر سے بیگانگی رہی، بات یہ ہے کہ منی آرڈر کرنے میں دو قسم کے دام دیئے جاتے ہیں۔ ایک وہ رقم جو مرسل الیہ کو ملنی منظور ہے دوسرا محصول مثلاً دس روپے دو آنے اور جس طرح ہر عاقل فقیہ پر واضح کہ یہ پہلے دام اگر بعینہٖ پہنچائے جاتے جیسے پارسل میں تو یہ خالص اجارہ ہوتا یا یوں ہوتا کہ مرسل بعینہٖ انھیں کا پہنچانا چاہتا اور ڈاک والے ان داموں کے یہاں رکھ لینے اور وہاں ان کی نظیر دینے کا ضابطہ مقرر نہ کرلیتے بلکہ کبھی بعینہٖ انھیں کو پہنچاتے، کبھی بطور خود انھیں یہاں رکھ کر مرسل الیہ کو وہاں کے خزانے سے دیتے ہوتو بھی محض اجارہ رہتا اور صورت خلاف اُن اجیروں کا فعل ناجائز ہوتا جس کا الزام مستاجر پر کچھ نہ تھا ہاں اتنا ہوتا کہ وہ بوجہ تصرف امانت غاصب ٹھہر کر مستحق اجر نہ رہتے کما فی الھندیۃ عن التتارخانیۃ لواستاجرلیحمل ھذہ الدراھم الی فلان فانفقھا فی نصف الطریق ثمّ دفع مثلھا الی فلان فلا اجرلہ لانہ ملکھا باداء الضمان مگر جب کہ یہ امساک عین و دفع مثل ضابطۂ معلومہ معہودہ ہے کہ واضعان قانون ڈاک نے اپنی آسانی کے لئے وضع کیا اگرچہ مرسل کو اس سے کچھ غرض نہ تھی اُس کا مطلب بعینہٖ روپیہ بھیجنے میں بھی بداہتہً حاصل تھا، تاہم بوجہ ضابطہ و تعارف جبکہ عاقدین کو وصول بدل معلوم تو یہاں تحقق معنی قرض ماننا غلط نہیں اگرچہ عاقدین بلفظ قرض تعبیر نہ کریں۔

فان العبرۃ للمعانی والمعہود عرفا کالمشروط لفظاً یوہیں ہر ذی عقل بنیہ پر یہ بھی روشن ہے کہ یہ دوسرے دام اگر کسی کام کے عوض نہ دیئے جاتے تو یہ عقد خالص قرض اور یہ زیادت بیشک ربا ہوتی یا یوں ہوتا کہ جس کام کے عوض دیئے جاتے وہ کوئی منفعت مقصودہ صالح ورود عقد اجارہ نہ ہوتا تو بھی محض قرض رہتا مگر حاشا یہاں ہرگز ایسا نہیں بلکہ وہ مثل سائر کاروبار ڈاک خانہ کے یقیناً اُجرت ہیں دینے والے اُجرت ہی سمجھ کر دیتے لینے والے اُجرت ہی جان کر لیتے ہیں، ہرگز کسی کے خواب میں بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ ۲/ سود کے ہیں جو اُلٹا مدیون دائن سے لیتا ہے ڈاک خانے کی اصل وضع ہی اس قسم کی اجارات کیلئے ہے، تو یہاں عقد اجارہ کا تحقق اور ان داموں کا اجرت ہونا اصلاً محل تردد نہیں، اگر کہئے کاہے کی اُجرت ہاں مرسل الیہ کے گھر تک جانے اور اُسے روپیہ دینے اور وہاں سے واپس آنے اور اُس سے رسید لانے کی. کیا یہ کوئی منفعت مقصودہ مباحہ نہیں جس پر شرعاً ایراد عقد اجارہ کی اجازت ہو، اور جب ہے بیشک ہے تو عجب عجب ہزار عجب، کہ عاقدین ایک منفعت مقصودہ جائزہ پر قصدِ اجارہ کریں عوض منفعت جو کچھ دیں اور اسے اُجرت ہی کہیں اُجرت ہی سمجھیں اور خواہی نخواہی ان کے قصد جائز کو باطل کرکے اس اجرت کو معاوضۂ قرض و ربا قرار دیں شرع مطہر میں معاذ اللہ اس تحکم کی کوئی نظیر ہے۔ حاشاللہ بلکہ شرع میں مہما امکن تصحیح کلام وعقود پر نظر ہے کما لا یخفٰی علٰی من خدم الفقہ نہ کہ زبردستی ابطال وافساد وایقاع فی الفساد۔ پر کہ صراحۃً عکس مرادِ شرع ہے ایک ہلکی سی مثال پیش پا افتادہ یہی ہے کہ دس روپے دو آنے کے عوض دو روپے دس آنے خریدیں تو مالیت میں کھلا تفاضل اور جنس کو جنس سے ملائیے تو وہ عین ربا مگر شرعِ مطہر جنس کو خلاف جنس کے طرف صرف فرما کر ربا سے بچاتی ہے کما نصوا علیہ قاطبۃ پس ثابت ہوا کہ صورت منی آرڈر میں اگرچہ اجارہ محضہ نہیں مگر زنہار زنہار قرض محض بھی نہیں جیسا کہ ان مفتی صاحبان نے توہم کیا اور اسی بنا پر فیس کو اُجرت سے نکال کر ربا کر دیا بلکہ یہاں حقیقتاً دونوں متحقق ہیں، اب شبہات حضرات تو یکسر حل ہوگئے، وہ ۲/ ربا کا خیال بدیہی الضلال صرف اسی توہم پر مبنی تھا کہ یہ قرضِ محض ہے، جب ثابت ہوا کہ ایسا نہیں بلکہ یہاں اجارہ بھی ہے اور یہ ۲/ اجرت ہیں نہ فضل خالی عن العوض تو انہیں ربا کہنا محض جہالت۔

بحمد اللہ اتنی ہی تقریر سے وہ دو دلیلیں بھی کہ یہاں تابع نے انتفائے اجارہ پر قائم کیں منتفی ہوگئیں:۔

دلیل اوّل ۔ روپیہ تلف ہوجائے تو بھیجنے والا طالب ضمان اور انگریز ذمہ دار تو ثابت ہوا کہ اجارہ نہیں کہ محصول کو اُجرت پر محمول کیا جائے۔

اقول اوّلاً ۔ کیا وجوب ضمان مطلقاً نافی اجارہ ہے، کتب فقہ مطالعہ کیجئے. صدہا صورتوں میں اجیر پر ایجاب ضمان کا حکم ہے اور خاص ید ضمان کی ضرورت ہو تو ذرا اجیر مشترک میں اقوال ائمہ واختلاف فتوٰی مالکان ازمنہ پر نظر ہو۔

ثانیاً ۔ اطلاق نفی ضمان ہی مانئے تو غایت یہ ہے کہ طلب ضمان ناجائز ہوا اور انگریزوں کا ذمہ بری۔ اس سے اصل عقد کیوں بدل گیا بہت لوگ عاریت پر تاوان لیتے اور جاہل مستعیر ذمہ دار بنتے ہیں، کیا اس سے نفسِ عاریت منتفی ہوجائے گی، ہاں شاید یہ خیال کیا ہو کہ کلام مسلم حتی الامکان وجہ صحیح پر حمل کرنا چاہیے جبکہ ہم نے اجارہ میں مطلقاً ضمان بحالت ہلاک طالب ضمان نہ مانی تو یہ طلب خلاف شرع

ہوگی۔ لہٰذا اجارہ نہ ٹھہرانا چاہئے، مگر سبحان اللہ مسلمانوں کی اور طرفہ طرفداری کی کہ اسی خیال سے کہ صورت ہلاک میں جو بشدت نادر ہے، کہیں طلب ضمان نہ کر بیٹھیں جو ایک مختلف فیہ ممنوع ہے، لہٰذا اصل عقد ہی میں ربا لازم و دائم مان کر مسلمانوں کو مرتکب حرام اجماعی ٹھہرا دیجئے، یعنی کشتی باید تاتپ نیاید فَرَّمِنَ الْمَطَرِ وَوَقَفَ تَحْتَ الْمِیْزَابِ۔

ثالثاً۔ کس نے کہا کہ اجارہ محضہ ہے معنی قرض یقیناً متحقق اور ردّ مثل اُس کا خاص حکم تو یہ تضمین بر بنائے اجارہ نہ ہو، بر بنائے قرض سہی، اب اسے اجارہ سے کیا تنافی رہی۔

دلیل دوم۔ اجارہ ہو تو بعینہٖ اُسی روپے کا پہنچانا لازم ہو۔ لیکن امر بنیجے دلالاجہرہ ر خیال کرتا ہے، نہ ڈاک والے کرتے ہیں۔

اقول۔ قطع نظر اس سے کہ یہ قیاس استثنائی کس اعلٰی درجۂ نفاست پر ہے، تالی لزوم نفس الامری اور استثنا رفع خیال لزوم یا رفع عمل، کیا اگر عاقدین کسی حکم واقعی عقد کو اپنے ذہن میں لازم نہ سمجھیں یا اُس پر عمل نہ کریں تو اس سے وہ عقد عقد ہی نہ رہے گا عدمِ حکم مستلزم عدمِ عقد ہے یا عدم اعتقاد و عمل، اصل کلام وہی ہے کہ بیشک لازم ہوتا اگر اجارہ اجارۂ محضہ ہوتا یہاں تو ڈاک خانہ فلاں جگہ جا کر ادائے زر اور وہاں سے لاکر ایصال رسید پر اجیر اور زر داخل کردہ کا مستقرض و مدیون ہے تو جو چیز وہاں دے گا عین نہیں دین، دین کا بعینہٖ پہنچانا کیونکر متصور، اور اس کا لزوم کہاں کا حکم، بالجملہ ان داموں کی اجرت ہونے سے انکار کرنا اور عوض قرض قرار دے کر ربا ٹھہرانا یونہی صحیح تھا کہ اسے قرض محض خالی عن الاجارہ ہونا ثابت کرتے اور دونوں دلیلیں بغرض تمامی صرف اس قدر پر دال کہ وہ اجارہ محضہ نہیں تو دلیل کو دعوٰی سے اصلاً مس نہیں۔

ثم اقول وباللہ التوفیق، وبہ الوصول الٰی ذری التحقیق، حقیقت امر یہ ہے کہ ڈاک خانہ قطعاً اجیر مشترک اور اُس میں جس قدر فیسیں ہیں سب اجرت عمل پھر ضوابط ڈاک نے ان پر اعمال دو قسم پر منقسم کئے۔ ایک وہ جن میں آفس ذمہ دار و ضمین قرار پاتا ہے جیسے پارسل، رجسٹری، بیمہ و منی آرڈر دوسرے وہ جن میں ذمہ ضمان نہیں جیسے خطوط و پاکٹ بیرنگ و باٹکٹ اور یہیں سے واضح ہوگیا کہ یہ ادائے ضمان بر بنائے قرض نہیں بلکہ ضوابط کی اس تقسیم پر مبنی ہے، و لہٰذا بیمہ میں ضمان دیتے ہیں، حالانکہ وہاں قرض کا اصلاً احتمال نہیں بلکہ انصاف کیجئے تو روپیہ لینے والے درکنار عام روپیہ داخل کرنے والوں کا بھی ذہن اصلاً اس طرف نہیں جاتا کہ یہ روپے جو ہم دیتے ہیں بوجہ قرار داد امساک عین و دفع مثل ڈاکخانہ کو قرض دے رہے ہیں ڈاک خانہ ہم سے دست گرداں لے رہا ہے بلکہ یقیناً لینے دینے والے سب اس عقد کو مثل سائر عقود ڈاک خانہ عقد اجارہ ہی جانتے ہیں، اور خود اسی کے لئے صیغۂ ڈاک کی وضع اور فیس کو یقیناً اجرت جانکر دیتے لیتے اور درصورتِ تلف تاوان کو مثل بیمہ وغیرہ اسی شرط ذمہ داری کی بنا پر سمجھتے ہیں، نہ یہ کہ یہ لوگ سمجھیں، ہم نے قرض دیا تھا اُسے ڈاک خانہ سے لینا ہے ڈاک خانہ سمجھے میں ان کا قرض دار تھا مجھے ادا کرنا ہے، ہاں بعد تلف ڈاک خانہ اُسی ذمہ داری کے سبب اُس وقت سے مدیون سمجھا جاتا ہے، نہ یہ کہ روپیہ بھیجنے کے لئے داخل کرتے ہی عاقدین اپنے آپ کو دائن و مدیون تصور کرتے ہوں، یہ بدیہیات واضحہ سے ہے جس کا انکار مکابرہ تو یہ قرار داد ضمان ہرگز بر بنائے اقراض و استقراض نہیں بلکہ اجیر مشترک پر شرط ضمان ہے، اب یہ مسئلہ مثلثہ بلکہ مربعہ ہے اور سب اقوال مصحح سب مفتی بہا قالہ العلامہ خیر الدین الرملی فی فتاواہ وانا اقول

بل مخمّسة بل مسدّسة عدم[۱] الضمان مطلقاً الضمان[۲] بشرط الصلح على النصف جواز[۳] الصلح جبراً التفصيل[۴] بكون الأجير صالحا فيبرء او غيره[۵] فيضمن، او مستورا[۶] فيصالح اما بین جلیلین صاحبین مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک اجیر مشترک ضامن ہے۔ ولہٰذا جو کچھ اُس کے کام کرنے میں ضائع ہو بالاجماع اُس کا تاوان دے گا، اگرچہ شیئ میں اسکی طرف سے کوئی تعدی وتقصیر نہ واقع ہوئی ہو، بخلاف اجیر خاص کہ امین ہے ولہٰذا جب تک تعدی نہ کرے اصلاً ضمان نہیں، اگرچہ اُس کے فعل سے تلف ہو۔ یہ مذہب امیر المومنین فاروق اعظم ومرتضائے اکرم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی اور یہی امام دار الہجرہ سیدنا امام مالک کا مذہب اور امام شافعی کا ایک قول اور امام احمد سے ایک روایت ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین بدائع وغایۃ البیان وغیرہما میں قول امام عدم ضمان کو قیاس اور اس قول صاحبین کو استحسان قرار دیا، امام اجل فقیہ ابوجعفر ہندوانی اسی طرف میل فرماتے، امام زیلعی نے تبیین الحقائق پھر علامہ طوری نے شرح کنز الدقائق میں اسی کو بہ یفتی فرمایا، جامع الفصولین وخزانۃ المفتین وفتاوی آخروی وواقعات المفتین

میں ہے قیل یفتی بقول (ابی حنیفۃ) رحمہ اللہ تعالٰی وقیل قولہ قول عطاء وطاؤس وھما من کبار التابعین۔

وقول س وم (ابی یوسف ومحمد) رحمہما اللہ تعالٰی قول عمر وعلی رضی اللہ تعالٰی عنہما احتشاماً وصیانۃ لاموال الناس شرح ہدایہ علامہ اتقانی میں ہے قول ابی حنیفۃ قیاس لان المحل امانۃ فی یدہ وھلاک الامانۃ من غیر صنع لایوجب الضمان وقولہما استحسان ووجھہ اثر عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ شرح الکنز ملامسکین میں ہے المتاع فی یدہ غیر مضمون عند ابی حنیفۃ وھو القیاس وقالا علیہ الضمان استحسانا ردالمحتار میں ہے فی البدائع لا یضمن عندہ وھو القیاس وقالا یضمن الامن حرق غالب او لصوص مکابرین وھو استحسان اھ مختصرین تبیین میں ہے بقولہما یفتی الیوم لتغیر احوال الناس وبہ یحصل صیانۃ اموالھم تکملہ طوری میں ہے قد تقدم ان بقولہما یفتی فی ھذہ الضمان لتغیر احوال الناس فتاوی امام قاضی خاں میں ہے قال الفقیہ ابوجعفر الضمان علی القصار وقال الفقیہ ابواللیث انما قال لانہ کان یمیل فی الاجیر المشترک الی قول ابی یوسف ومحمد امام اجل فقیہ ابوبکر بلخی فرماتے ہیں خلاف اُس صورت میں ہے جبکہ اجیر مشترک پر ضمان ٹھہرا نہ لی جائے ورنہ اگر پہلے سے شرط ہو جائے جب تو بالاجماع اس پر ضمان لازم، جامع الفتاوی والنوازل والاشباہ والنظائر وغیرہما میں اسی پر جزم فرمایا، فتاوی خلاصہ میں ہے شرط علیہ الضمان اذا ھلک یضمن فی قولھم جمیعا لان الاجیر المشترک انما لا یضمن عند ابی حنیفۃ اذا لم یشترط علیہ الضمان اما اذا شرط یضمن قال الفقیہ ابواللیث الشرط وعدم الشرط سواء لانہ امین القرویہ میں شرح مجمع علامہ ابن فرشتہ سے ہے ان شرط ان یضمن لو ھلک عندہ یضمن اتفاقا کذا فی الجامع وذکر فی الخانیۃ وتتمۃ الفتوی علی انہ لا یضمن۔ شرح کنز ملامسکین میں ہے قیل اذا شرط الضمان علی الاجیر المشترک یصح عند ابی حنیفۃ وصار کان الاجیر فی مقابلۃ العمل والحفظ جمیعا کذا فی شرح الوقایۃ وھو قول الفقیہ ابی بکر والفقیہ ابواللیث یفتی بانہ لو شرط علیہ الضمان لا یصح وجیز امام کردری نوع فی الحامی میں نوازل سے ہے دخل الحمام وقال للحامی احفظ ھذہ الثیاب فخرج ولم یجدھا ان شرط علیہ الضمان یضمن اجماعا ان سرق او ضاع والا لا اس کے بعد خود فرمایا وقد ذکرنا انہ لا

تاثیر للشرط وتاویله انه لما شرط علیه الضمان فقد قابل الاجر بهما فیکون علی الخلاف فی المشترك ذخیرہ وخلاصہ وعمادیہ وغمز العیون وغیرہ میں ہے وهذا اللفظ للذخیرة کان الفقیه ابوبکر یقول ضمن الحمامی اجماعًا وکان یقول انما لایضمن الاجیر المشترك عند ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی اذا لم یشترط علیه الضمان اما اذا شرط یضمن و کان الفقیه ابوجعفر یستوی بین شرط الضمان وعدم الشرط وکان یقول بعدم الضمان قال الفقیه ابواللیث رحمه الله تعالٰی وبه نأخذ ونحن نفتی به اھ قلت ومعنی هٰذا الکلام ان الفقیه اباجعفر کان یستوی بینهما علٰی قول الامام وکان یقول لایضمن عندہ وان شرط اما هو بنفسه فقد کان یمیل الٰی قولهما کما قدمنا عن الخانیة عن الفقیه ابی اللیث قنیہ واشباہ میں ہے محله عند عدم اشتراط الضمان علیه اما معه فیضمن اتفاقًا جمہور ائمہ متاخرین نے ائمہ مذہب وصحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اختلافات دیکھ کر وہ قول فیصل اختیار فرمایا کہ اجیر اگر صلاح وتقوٰی سے معروف ہے تو قول امام مختار، اور اس کے خلاف ہے تو قول صاحبین وایجاب ضمان اور مستور الحال ہے تو دونوں قول کے لحاظ سے نصف ضمان واجب نصف ساقط اور شک نہیں کہ یہ قول جامع الاقوال ومراعی احوال وارفق بالناس واحفظ للاموال ہے کہ تغیر حالات زمانہ اُس پر حامل ہوا، اور اس میں ارفق واحتیاط دونوں پہلو کا لحاظ رہا، امید کی جاتی ہے کہ اگر امام یہ زمانہ پاتے یونہی حکم فرماتے فتاوٰی خیریہ وفتاوٰی اسعدیہ میں ہے۔ مسئلة الاجیر المشترك فیها ثلثة اقوال بل اربعة عدم الضمان مطلقا و الضمان مطلقا والصلح علی النصف جبرا عملا بالقولین وفی جامع الفصولین رامزا لفوائد صاحب المحیط لوکان الاجیر صالحا یبرء بیمینه ولوکان بخلافه یضمن وان کان مستورا یؤمر بالصلح فهذه اربعة اقوال کلها مصححة مفتی بها وما احسن التفصیل الاخیر اھ مختصرا فتاوٰی حامدیہ میں ہے اختار ابوجعفر وابواللیث رحمهما الله تعالٰی ان کان صالحا یبرء بیمینه وان کان بخلافه یضمن وان کان مستورا یؤمر بالصلح وافتی بذلك کثیر من المتاخرین وهو اولٰی من غیرہ واسلم وبمثله افتی الخیر الرملی منح الغفار وطحطاوی علی الدر المختار میں ہے هو فتوی القاضی الامام جلال الدین الرمدون۔

بالجملہ چار قول مفتٰی بہ سے دو قول پر بیمہ ومنی آرڈر وغیرہما میں ڈاک خانہ سے یہ قرار داد ضمان جائز وصحیح ومقبول ہے اور انسان کو عمل ونجات کیلئے ایک ہی قول مفتٰی بہ کافی نہ کہ متعدد نہ کہ جب وہی ارفق وہی استحسان ہونے کے علاوہ حالت زمانہ اسی کے داعی اور وہی حفظ اموال ناس کا مراعی ہو باوصف ان شدتوں سختیوں کے جو قوانین ڈاک میں ضیاع مال بیمہ ومنی آرڈر پر رکھی ہیں کہ نوکریاں جائیں قیدیں اٹھائیں سزائیں پائیں، پھر بھی خائنوں بددیانتوں کی کارروائیاں ہوتی رہتی ہیں، عدم ذمہ داری کی حالت میں ظاہر ہے جو کچھ ہوتا ہے، تو فقیہ نبیہ اس شرط ضمان کے جواز میں اصلاً تردد نہ کرے گا، وباللہ التوفیق۔

ثم اقول وبہ استعین۔ اُن مفتیان زمانہ کے خیالات تو محض اباطیل مہملہ ومہملات باطلہ جن کی حاجت بھی نہ تھی، مگر اس تقریر منیر سے بحمد اللہ سبحنہٗ وتعالٰی وہ شبہہ بھی حل ہوگیا جسے نظر فقہی سے علاقہ ہے اور بادی النظر میں خادم فقہ کا ذہن اس طرف

جاسکتا ہے یعنی سفاتج پر منی آرڈر کا قیاس ہمارے علمائے کرام نے سفتجہ یعنی ہنڈوی کو ناجائز رکھا کہ مقرض اس قرض دینے سے سقوط خطر طریق کا استفادہ کرتا ہے اور وہ فضل خالی عن العوض ہے کہ بربنائے قرض اُس نے حاصل کیا وکل قرض جر منفعۃ فھو ربا بظاہر منی آرڈر وہنڈوی دونوں دوسری جگہ روپیہ بھیجنے کے طریق ہیں جس کے باعث نظر دھوکہ کھاتی ہے دونوں کا حال ایک ہے حالانکہ اگر ذرا تامل کو کام میں لائیے تو آفتاب روشن کی طرح متجلی ہو کہ اُن میں باہم زمین وآسمان کا فرق ہے، ہنڈوی محض قرض ہے اور اس میں قرض دینا خاص مرسل کی غرض اور اس کے ذریعہ سے اُسے سقوط خطر کی منفعت حاصل تو "قرض جر منفعۃ فھو ربا" بلاشبہہ صادق ہنڈوی کرنیوالوں کی کوٹھیاں دادوستدہی کے لئے موضوع ہیں نہ اجیر بننے کے لئے مرسل اگر مال قرض نہ دیتا امانت رہتا اور بحال ہلاک تاوان نہ پاتا۔ فلہذا قرض دیتا ہے اور اُس سے یہ نفع حاصل کرتا ہے، علماء نے سفتجہ کی تفسیر ہی یہی فرمائی، ہندیہ میں کافی اور ردالمحتار میں کفایہ سے ہے واللفظ للشامی صورتھا ان یدفع الی تاجر مالا قرضا لیدفعہ الی صدیقہ وانما یدفعہ قرضا لا امانۃ لیستفید بہ سقوط خطر الطریق بخلاف ڈاک خانہ کہ اجیر مشترک کی دوکان ہے اور اس کی وضع ہی اجیر بننے کے لئے جو فیس دی جاتی ہے یقینا اُجرت ہے اور اقرار ذمّہ داری اور اُن اقوال مفتیٰ بہا کی بنا پر حکم شرعی وصحیح ومقبول ہی لزوم ضمان کے لئے کافی ووافی مرسل کی غرض نفس عقد اجارہ سے حاصل اور صرف اُسی قدر افادہ سقوط خطر کے لئے متکفل قرض دینے سے اُس کی کوئی غرض اصلاً متعلق نہیں نہ اس کا فائدہ اس کی طرف راجع فرض کیجئے، اگر ڈاک خانہ زر منی آرڈر بعینہٖ بھیجا کرتا تو اس کا کیا حرج تھا کہ اُسے تو روپیہ بھیجنے سے کام ہے، اور اگر وہ راہ میں جاتا رہتا تو اس کا کیا نقصان تھا کہ بحکم قرارداد یہ ضمان کا مستحق ہوچکا، بلکہ یہ ضابطہ تو بعض اوقات بھیجنے والوں کو اُلٹا نقصان دیتا ہے کہ مصر وعرب وشام وغیرہ ممالک کو روپیہ بھیجے تو یہاں سے لندن جا کر ازانجا کہ وہاں سکۂ سیم نہیں، سکۂ زر سے تبدیل کیا جاتا اور اُس پر بہت کچھ بٹّا لیا جاتا ہے، غرض اُس فرض قرض میں مرسلوں کا کوئی نفع نہیں ہاں اُجراء یعنی اہالی ڈاک نے اپنی آسائش وتحفظ کے لئے یہ ضابطہ وضع کیا، ذمّہ داری بیمہ ومنی آرڈر دونوں میں تھی، مگر پارسل کا بند مال مہر میں لگا ہوا قابلیت تبدیل نہ رکھتا تھا، روپے میں یہ صورت میسّر تھی اور شک نہیں کہ مال بھیجنے سے کاغذ بھیجنا آسان اور اُس میں اُن ذمّہ داروں کے لئے خطر طریق سے امان۔ لہٰذا یہ ٹھہرالیا کہ زر داخل کردہ یہیں رکھو وہاں لکھ بھیجیں گے، اگر بفرض غلط اس صورت میں ڈاک خانہ کو مستقرض مانا جائے تو اس میں مستقرض نے استقراض سے نفع اٹھایا نہ کہ مقرض نے اقراض سے، اور مستقرض انتفاع بالقرض سے ممنوع نہیں تو یہاں یدفعہ قرضا یستفید بہ کذا صادق نہیں بلکہ یاخذہ قرضا یستفید بہ، ھٰکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق۔

بالجملہ یہ وجوہ تو جواز منی آرڈر پر کچھ اثر نہیں ڈال سکتیں، ہاں یہاں ایک اور امر قابل نظر وغور تھا کہ اذہان مفتیان اگر اُس طرف جاتے تو کہا جاتا کہ طرز فقہی پر کلام کیا وہ یہ کہ بلاشبہہ یہ عقد عقد اجارہ اور فیس اجرت عمل، اور قرض تنہا پر نفع مستقرض اور سفاتج پر قیاس مختل، مگر جبکہ یہ قرض مفروض وداخل ضابطہ ہے تو اجارہ ایسی شرط پر ہوا جس میں احد العاقدین کا نفع ہے اور مقتضائے عقد نہیں، اسی قدر منع وفساد عقد کے لئے بس ہے ولکنی اقول وبحول اللہ تعالٰی اجول۔

ہنوز بلوغ شرط تاحدافساد میں اور شرط باقی ہے کہ عرف ناس اس شرط کے ساتھ جاری نہ ہو، ورنہ بحکم تعارف جائز ہوگی اور صحت وجواز عقد میں کچھ خلل نہ ڈالے گی، منی آرڈر کا نہ صرف تمام بلاد و امصار و اقطار ہندیہ بلکہ دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی دائر و سائر ہونا تو محتاج بیان نہیں، مگر فقیر وہ کلمات علماء چند ابحاث میں ایراد کرے جو اس مسئلہ شرط کو واضح کرکے بعونہ تعالٰی مانحن فیہ کا حکم روشن کردیں، بحث اوّل شرط سے اصل نہی منصوص دربارۂ بیع وارد کہ نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من بیع الشرط رواہ ابوحنیفۃ قال حدثنی عمرو بن شعیب عن جدہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن طریق الامام رواہ الطبرانی فی معجمہ الاوسط والحاکم فی علوم الحدیث ومن جھتہ ذکرہ عبدالحق فی احکامہ وسکت عنہ قال ابن القطان وھو علی بن محمد الحمیری الفاسی ذالک المتاخر المیت ۶۲۸ھ ثمان وعشرین وستمائۃ فی کتاب الوھم والایھام ولا اری ھذا الاسم الا بالھام فانہ قد وھم فیہ واوھم فی کثیر من المقام بعد ماذکر الحدیث المذکور من کتاب الاحکام علتہ ضعف ابی حنیفۃ فی الحدیث اھ اقول عفا اللہ عنک یا ابن القطان الست ذالک المعروف المشھور بالتعنت فی الرجال حتی اخذت تلین ذالک الجبل الشامخ ھشام بن عروۃ ولو اجتمعت انت ومئون من امثالک وامثال شیوخک وشیوخ مشایخک لم تبلغوا جمیعا قوۃ ابی حنیفۃ ولا قوۃ غلمانہ ولا قوۃ ھشام ولا اقرانہ فی العلم والحدیث و ولکن علتکم انتم ایھا الناس التعنت والتقشف وقلۃ الدرایۃ لمسالک التعرف وھذا ابو محمد عبدالحق کان اعرف منک بالحق حیث صحح الحدیث بایرادہ فی الاحکام والسکوت عنہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اجارہ کو اس پر قیاس فرمایا، ہدایہ میں ہے۔ الاجارۃ تفسدھا الشروط کما تفسد البیع لانہ بمنزلتہ الا تری انہ عقد یقال ویفسخ غایۃ البیان میں ہے قال القدوری فی مختصرہ وذالک لانھا عقد معاوضۃ محضۃ تقال وتفسخ فکانت کالبیع وکل ما افسد البیع افسدھا اور بیع میں شرط افساد با شرط عدم تعارف شرط ہے، ہدایہ میں ہے کل شرط لایقتضیہ العقد وفیہ منفعۃ لاحد المتعاقدین او للمعقود علیہ وھو من اھل الاستحقاق یفسدہ الا ان یکون متعارفا لان العرف قاض علی القیاس تنویر الابصار و درمختار میں ہے الاصل الجامع فی فساد العقد بسبب شرط (لایقتضیہ العقد ولا یلائمہ وفیہ نفع لاحدھما اوللمبیع من اھل الاستحقاق ولم یجر العرف بہ و) لم (یرد الشرع بجوازہ) اما لو جری العرف بہ کبیع نعل مع شرط تشریکہ او ورد الشرع بہ کخیار شرط فلا فساد مسئلہ ظاہر ہے اور تمام کتب مذہب میں دائر۔ اور مقیس کی طرف وہی حکم متعدی ہوگا جو اصل مقیس علیہ میں تھا نہ کہ زائد لاجرم متن غرر میں فرمایا تفسد بالشرط المفسد للبیع متن نقایہ میں فرمایا یفسدھا شروط تفسد البیع متن اصلاح میں تھا الشرط یفسدھا شرح ایضاح میں فرمایا المراد شرط یفسد البیع۔

بحث ثانی۔ کیا لازم ہے کہ وہ عرف زمان اقدس حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے واقع ہو اقول بعض علماء کی تقریر میں ایسا واقع ہوا لیجعلہ من تقریر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مگر حق یہ کہ یہ ہرگز ضرور نہیں ہزارہا فروع مذہب وصدہا کلمات ائمہ اس کے خلاف پر شاہد ہیں، امام برہان الدین ہدایہ اور محقق علی الاطلاق اُس کی شرح فتح میں فرماتے ہیں (من اشتری نعلا علی ان یحذوھا البائع) المراد اشتری ادیما علی ان یجعلہ البائع نعلا لہ ویمکن ان یراد حقیقتہ ای نعل رجل واحدۃ علی ان یحذوھا ای یجعلہ لہ شراکا فلابد ان یراد حقیقۃ نعل (فالبیع فاسد) قال المص (ماذکرہ) یعنی القدوری (جواب القیاس) ووجھہ ما بیناہ من انہ شرط لایقتضیہ العقد وفیہ نفع لاحد المتعاقدین وفی الاستحسان یجوز البیع ویلزم الشرط (للتعامل) کذلک ومثلہ فی دیارنا شراء القبقاب علی ھذا الوجہ ای علی ان یسمی لہ سیرا ومن انواعہ شراء الصوف المنسوج علی ان یجعلہ البائع قلنسوۃ اوقلنسوۃ بشرط ان یبطن لھا البائع بطانۃ من عندہ اھ مختصرا ردالمحتار میں اُس کا بعض نقل کرکے فرمایا وفی البزازیۃ اشتری ثوبا او خفا خلقا علی ان یرقعہ البائع ویسلمہ صح اھ ومثلہ فی الخانیۃ قال فی النھر بخلاف خیاطۃ الثوب لعدم التعارف اھ قال فی المنح فان قلت نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع وشرط فیلزم ان یکون العرف قاضیا علی الحدیث قلت لیس بقاض علیہ بل علی القیاس لان الحدیث معلول بوقوع النزاع المخرج للعقد عن المقصود بہ وھو قطع المنازعۃ والعرف ینفی النزاع فکان موافقا لمعنی الحدیث فلم یبق من الموانع الا القیاس والعرف قاض علیہ اھ قلت وتدل عبارۃ البزازیۃ والخانیۃ وکذا مسئلۃ القبقاب علی اعتبار العرف الحادث ومقتضی ھذا انہ لوحدث عرف فی شرط غیر الشرط فی النعل والثوب والقبقاب ان یکون معتبرا اذا لم یؤد الی المنازعۃ ہندیہ میں تاتارخانیہ سے ہے ان اشتری صرما علی ان یحرزہ البائع لہ خفا او قلنسوۃ بشرط ان یبطن لہ البائع من عندہ فالبیع بھذہ الشرط جائز للتعامل اسی میں محیط امام سرخسی سے ہے وکذا لواشتری خفا بہ خرق علی ان یحرزہ البائع او ثوبا من خلقانی وبہ خرق علی ان یخیطہ ویجعل علیہ الرقعۃ اسی میں فتاوٰی ظہیریہ سے ہے لواشتری کرباسا بشرط القطع والخیاطۃ لایجوز لعدم العرف تنویرالابصار ودرمختار میں ہے صح وقف کل (منقول فیہ تعامل) للناس کفأس وقدوم ودراھم ودنانیر وقدر وجنازۃ وثیابھا ومصحف وکتب لان التعامل یترک بہ القیاس لحدیث مارآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن بخلاف مالاتعامل فیہ کثیاب متاع وھذا قول محمد وعلیہ الفتوٰی اختیار اُسی میں خلاصہ سے ہے وقف کرا علی شرط ان یقرضہ لمن لابذر لہ لیزرعہ لنفسہ فاذا ادرک

اخذ مقدارہ ثم اقرضہ لغیرہ وھکذا اجاز وقف بقرۃ علی ان ماخرج من لبنہا اوسمنہا للفقراء ان اعتاد واذالک رجوت ان یجوز۔ ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے رجل وقف بقرۃ علٰی ان مایخرج من لبنہا او سمنہا وشیرازھا یعطی ابناء السبیل ان کان ذالک فی موضع تعارفوا ذالک جاز کما یجوز ماء السقایۃ۔ اُسی میں ہے وقف منقول مقصودان کان کراعا اوسلاحا یجوز وفیما سوی ذالک ان کان شیئا لم یجر التعارف بوقفہ کالثیاب والحیوان لایجوز عندنا وان کان متعارفا کالفاس والقدوم والجنازۃ وثیاب الجنازۃ ومایحتاج الیہ من الاوانی والقدور فی غسل الموتی والمصاحف قال محمد یجوز والیہ ذھب عامۃ المشائخ منھم الامام السرخسی کذا فی الخلاصۃ وھوالمختار والفتوی علی قول محمد کذا قال شمس الائمۃ الحلوانی کذا فی مختار الفتاوی خزانۃ المفتین میں فتاوی کبری سے فصل وقف المنقول میں ہے جعل فی المسجد بواری اوعلق باب اوحصیر لم یمکن لہ ان یرجع وکذالک لوعلق فیہ سلسلۃ اوحبلا للقنادیل لان ھذا یترک فی المسجد دائما عادۃ فیکون للمسجد غرر ودرر میں ہے (عن محمد صحتہ فی المتعارف وقفیتہ) کالفاس والمر والقدوم والمنشار والجنازۃ وثیابہا والقدور والمراجل اذا وقف علی المسجد جاز و اما وقف الکتب فکان نصیر بن یحیی یجیزہ والفقیہ ابوجعفر یجیزہ وبہ ناخذ خلاصہ اھ ملخصا غنیۃ علامہ شرنبلالی میں برہان سے ہے زاد محمد ماتعورف وقفہ کالمصاحف والکتب والقدور والقدوم والفاس والمنشار والجنازۃ وثیابہا ومایحتاج الیہ من الاوانی فی غسل الموتی وعلیہ عامۃ المشائخ وبہ یفتی نقایہ وشرح علامہ برجندی میں ہے صح عند (محمد وقف منقول فیہ تعامل کالمصحف ونحوہ) من الکتب والطست والقدوم والقیاس ان لایجوز وھو قول ابی حنیفۃ لانہا مما لایتأبد لکن القیاس یترک بالتعامل (وعلیہ الفتوی) اھ ملتقطا ردالمحتار میں ہے قال المصنف فی المنح لما جری التعامل فی زماننا فی البلاد الرومیۃ فی وقف الدراھم والدنانیر دخلت تحت قول محمد المفتی بہ فی وقف کل منقول فیہ تعامل کما لایخفی وقد افتی مولانا صاحب البحر بجواز وقفہا ولم یحک خلافا اھ و لاشک فی کونہا من المنقول فحیث جری فیہا تعامل دخلت فیما اجازہ محمد ولہذا لما مثل محمد باشیاء جری فیہا التعامل فی زمانہ قال فی الفتح ان بعض المشائخ زادوا اشیاء من المنقول علی ماذکرہ محمد لمارأوا جریان التعامل فیہا وذکر منہا مسئلۃ البقرۃ ومسئلۃ الدراھم والمکیل حیث قال فی الخلاصۃ وقف بقرۃ علی ان مایخرج من لبنہا وسمنہا یعطی لابناء السبیل قال ان کان ذالک فی موضع غلب ذالک فی اوقافہم رجوت[1] ان یکون جائزا قال فعلی ھذا القیاس اذا وقف

[1] قلت ھذہ نسخۃ کتبہا فی نسختی الخلاصۃ علی الھامش والذی فی متنہا جاز ان کان تعارفوا ذالک کما فی النقایۃ اھ کما ھو عبارۃ الظہیریۃ الاتیۃ ۱۲ منہ

کرامن الحنطة علی شرط ان یقرض للفقراء ثم یؤخذ منهم ثم یقرض لغیرهم یجب ان یکون جائزا
قال ومثل هذا کثیر فی الری وناحیة دماوند اھ وبهذا ظهر صحة ما ذکره المصنف من الحاقهما
بالمنقول المتعارف علی قول محمد المفتی به وانما خصوها بالنقل عن زفر لانها لم تکن متعارفة
اذ ذاك قال فی النهر ومقتضی ما مر عن محمد عدم جواز ذلك ای وقف الحنطة فی الاقطار المصریة
لعدم تعارفه بالکلیة نعم وقف الدراهم والدنانیر تعورف فی الدیار الرومیة اھ قوله لان
التعامل یترك به القیاس فی البحر من التحریر هو الاکثر استعمالا وفی شرح البیری عن المبسوط
ان الثابت بالعرف کالثابت بالنص اھ فظاهر ما قدمناه آنفا من زیادة بعض المشائخ اشیاء جری
التعامل فیها وعلی هذا فالظاهر اعتبار العرف فی الموضع او الزمان الذی اشتهر فیه دون غیره
فوقف الدراهم متعارف فی بلاد الروم دون بلادنا ووقف الفاس والقدوم کان متعارفا فی زمن
المتقدمین ولم نسمع به فی زماننا فالظاهر انه لایصح الآن ولئن وجد نادرا لایعتبر لما علمت
من ان التعامل هو الاکثر استعمالا فتامل اھ ملخصا اُسی میں تاتارخانیہ سے ہے عن ابی یوسف یجوز بیع
الدقیق واستقراضه وزنا اذا تعارف الناس ذالك استحسن فیه اسی میں بحوالہ طحطاوی فتاوی
غیاثیہ سے ہے وعلیه الفتوی تنویر ودر میں ہے (یستقرض الخبز وزنا وعددا) عند محمد وعلیه
الفتوی ابن ملك واستحسنه الکمال واختاره المصنف تیسیرا اختیار پھر طحطاوی پھر ردالمحتار میں ہے
هو المختار لتعامل الناس وحاجاتهم الیه درمختار میں ہے (ما نص) الشارع (علی کونه کیلیا) کبر
وشعیر او تمر وملح (او وزنا) کذهب وفضة (فهو کذلك) لایتغیر ابدا فلم یصح بیع حنطة
بحنطة وزنا کما لو باع ذهبا بذهب او فضة بفضة کیلا) ولو (مع التساوی) لان النص اقوی
من العرف فلا یترك الاقوی بالادنی (وما لم ینص علیه حمل علی العرف) وعن الثانی اعتبار
العرف مطلقا ورجحه الکمال (وخرج علیه سعدی افندی استقراض الدراهم عددا او
بیع الدقیق وزنا فی زماننا یعنی بمثله (وفی الکافی الفتوی علی عادة الناس بحر واقره المصنف
اھ ونقله عن العلامة سعدی فی النهر واقره ذخیرہ امام برہان الدین محمود کتاب البیوع فصل سادس
میں ہے اذا اشتری ثمار بستان وبعضها قد خرج وبعضها لم یخرج فهل یجوز هذا البیع ظاهر المذهب
انه لایجوز وکان شمس الائمة الحلوانی یفتی بجوازه فی الثمار والباذنجان والبطیخ وغیر ذالك
وکان یزعم انه مروی عن اصحابنا۔ بحرالرائق میں امام جلیل ابوبکر محمد بن فضل فضلی سے ہے استحسن فیه
لتعامل الناس فانهم تعاطوا بیع ثمار الکرم هذه الصفة ولهم فی ذالك عادة ظاهرة وفی نزع

الناس عن عاداتھم حرج فتح القدیر میں ہے قد رأیت روایۃ فی نحوھذا عن محمد فی بیع الورد علی الاشجار فان الورد متلاحق وجوز البیع فی الکل وھو قول مالك رد المحتار میں ہے قال الزیلعی قال شمس الائمۃ السرخسی والاصح انہ لایجوز لان المصیر الی مثل ھذہ الطریقۃ عند تحقق الضرورۃ ولاضرورۃ ھنا لانہ یمکنہ ان یبیع الاصول او یؤخر العقد فی الباقی الی وجودہ او یبیح لہ الانتفاع بما یحدث فلاضرورۃ الی تجویز العقد فی المعدوم مصادما للنص اھ قلت لکن لایخفی تحقق الضرورۃ فی زماننا لاسیما فی مثل دمشق الشام کثیرۃ الاشجار والثمار فانہ لغلبۃ الجہل علی الناس لایمکن الزامھم بالتخلص باحد الطرق المذکورۃ وان امکن بالنسبۃ الی بعض افراد الناس لایمکن بالنسبۃ الی عامتھم وفی نزعھم عن عادتھم حرج کما علمت ویلزم تحریم اکل الثمار فی ھذہ البلدان اذ لاتباع الا کذلك والنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما رخص فی السلم للضرورۃ مع انہ بیع المعدوم فحیث تحققت ھنا ایضا امکن الحاقہ بطریق الدلالۃ فلم یکن مصادما للنص فلذا جعلوہ من الاستحسان وظاھر کلام الفتح المیل الی الجواز ولذا اورد لہ الروایۃ عن محمد بل تقدم ان الحلوانی رواہ عن اصحابنا وما ضاق الامر الا اتسع ولایخفی ان ھذا مسوغ للعدول عن ظاھر الروایۃ اھ بتلخیص۔

یہ سردست تیس کتابوں سے تیس مسئلے ہیں۔ کتب قدوری، ہدایہ، فتح القدیر، رد المحتار، وجیز کردری، فتاوٰی امام قاضیخاں، منح الغفار، ہندیہ، تاتارخانیہ، محیط امام برہان الاسلام محمد سرخسی، فتاوٰی امام ظہیر الدین مرغینانی، تنویر الابصار، درمختار، خلاصہ، مختار الفتاوٰی، خزانۃ المفتین، فتاوٰی کبرٰی، دررالحکام، غنیۃ ذوی الاحکام، برہان شرح مواہب الرحمٰن، متن نقایہ، شرح برجندی، بحرالرائق، نہرالفائق، طحطاوی، فتاوٰی غیاثیہ، جامع المضمرات، شرح نقایہ للقہستانی، شرح المجمع لابن فرشتہ، اختیار شرح مختار۔

مسائل۔ بیع نعل اس شرط پر کہ دوسری اس کے ساتھ کی بنادے، اس میں تسمہ لگادے، بیع چرم بشرطیکہ اس کا جوتا سی دے، کھڑاؤں کی بیع میں پھیٹے لگادینے کی شرط، بنی ہوئی اُون کی بیع بایں شرط کہ اس کی ٹوپی کردے، ٹوپی اس شرط سے بیچے کہ استر اپنے پاس سے لگائے، پھٹے پرانے موزے یا کپڑے کی بیع میں پیوند کی شرط، کھال اس شرط پر بیچے کہ اس کا موزہ بنادے، جنازے کے لئے چارپائی چادروں غسل میت کے لئے گھڑوں لوٹوں کا وقف اہل حاجت کے لئے کلہاڑی بسولے آرے پھاوڑوں کا وقف مسافروں کے لئے طشت، ہانڈی، بڑی دیگ کا وقف، مساجد کے لئے قندیل کی رسی زنجیر کا وقف، قرآن مجید وکتب و غلہ وگاؤ و دراہم و دنانیر کا وقف آٹے تُلے آٹا تول کر بیچنا نہ ناپ سے، تول پر آٹا قرض لینا، روٹیوں کی بیع سلم گنتی سے روٹیوں کا گن کر قرض لینا اموال ستہ ربویہ میں کیل و وزن کا عرف بدلنے پر امام یوسف کا اعتبار عرف فرمانا پیڑوں میں کچھ پھل آئے کچھ آنے کو ہیں ایسی حالت میں موجودہ و آئندہ کل بہار کی بیع کو امام حلوانی و امام فضل وغیرہما کا جائز فرمانا

اور خود شمار کتب کا محل ہی کیا ہے، قطع نظر اور مسائل سے یہی مسئلے اگر دیکھیں تو مذہب کے عامہ متون و شروح و فتاوٰی سے کوئی کتاب ان سے خالی نہ پایئے یہ اور ان کے امثال کثیرہ جن کے خرمن سے خوشہ ابحاث آتیہ بھی ان شاء اللہ العزیز آتا ہے سب برخلاف اصل و قیاس ہیں جنھیں ائمہ کرام وعلمائے اعلام نے تعامل و عرف پر مبنی فرمایا اب کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ ان باتوں کا تعامل زمانہ اقدس حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے حاشا اللہ ثم حاشا اللہ وان طلب کل طلب لاعیاہ بھلا کھڑاؤں کا پہننا ہی زمانہ اقدس سے ثابت کرے مصحف وکتب کہاں تھیں کہ وقف ہوتے آٹے میں تول کب تھی اور مساجد میں قندیلیں لٹکانے کی زنجیریں کب تھیں۔

تبدیل کیل ووزن تو خود عرف حادث ہی میں کلام ہے جس کا غیر ستہ میں اعتبار تو مجمع علیہ اور ستہ میں امام ثانی کے نزدیک جسے محقق علی الاطلاق نے ترجیح دی، اور دربارۂ مسائل اوقاف تو عبارات مذکورہ درمختار و خلاصہ و فتح القدیر و عالمگیریہ و فتاوٰی ظہیریہ و نہر الفائق و منح الغفار وغیرہ نص صریح ہیں کہ یہ سب عرف حادث ہیں، یہاں تک کہ ان میں بہت باتیں زمانۂ امام محمد کے بعد پیدا ہوئیں بالجملہ ان جزئیات میں دلیل قائم ہے تو حدوث پر قدم تو کوئی ثابت کر ہی نہیں سکتا۔ ومن ادعٰی فعلیہ البیان وعلینا ردہ باببین تبیان انشاء اللہ العزیز المنان۔

بحث ثالث - کیا ضرور ہے کہ وہ عرف تمام جہان کے تمام مسلمانوں کو محیط و شامل ہو اقول بعض علماء کے کلام سے ایسا مترشح لیجعلہ من باب الاجماع مگر حق یہ ہے کہ نہ یہ اصلاً لازم نہ کلمات سائر ائمہ کرام سلف خلف علمائے اعلام اس کے ملائم بلکہ صراحۃً اس کے خلاف پر قاضی وحاکم اولاً ابھی تحریر الاصول امام ابن الہمام و بحر الرائق و ردالمحتار سے گزرا التعامل ھو الاکثر استعمالاً اشباہ والنظائر میں ہے انما تعتبر العادۃ اذا اطردت اوغلبت۔

ثانیاً - انھیں مسائل مذکورہ کو دیکھئے جن میں علماء مذہب نے محل عرف و تعامل مانا کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ تمام بلاد کے تمام عباد کا یہی عرف ہے، بھلا کھڑاؤں کہاں کہاں پہنی جاتی ہے بیٹھے دار کہاں کہاں ہوتی ہے، اُون کی ٹوپی کہاں کہاں بُنی جاتی ہے ایک دے کر دوسری اس کے ساتھ کی کہاں کہاں بنی ہے کُلہاڑی، بسولا، آرا، پھاوڑا، چارپائی، چادر، گھڑے، لوٹے، دیگ، دیگچی، طشت، دودھ دہی کے لئے گائے بیچنے کے غلّہ قرض کے لئے روپیہ کہاں کہاں وقف ہوئے ہیں الٰی غیر ذالک مالایخفٰی

ثالثاً - حاشا للہ یہ اگر عرف و تعامل حقیقتاً اجماع کل مسلمانان ہند درکنار اتفاق اکثر مومنین جمیع بلاد ہی مُراد علماء ہوتا تو مسئلہ کالمستحیل ہوجاتا اور اس کی بنا پر حکم ناممکن رہتا۔ زمانۂ مشائخ کرام میں بحمد اللہ تعالٰی اسلام مغارب ارض سے مشارق تک پھیل چکا تھا، مسلمان اقطار و آفاق میں آباد تھے، کوئی شخص ان بلاد و قُریٰ و شعاب جبال کی گنتی بھی نہ بتا سکتا جہاں جہاں لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پکارا جاتا تھا جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چہ جائے آنکہ مسلمانوں کا شمار چہ جائے آنکہ اُن سب کے عمل و عرف پر اطلاع اور بغیر اس کے کسی کام میں حکم لگانا کہ عامہ بقاع کے جمہور مسلمین کا عرف یوں ہے قطعاً محال تو کسی مسئلہ کو عرف و تعامل پر بنا کرنا ہی ممتنع ہوتا، دور کیوں جایئے اب تو ریل بھی آگبوٹ بھی ہے تار بھی ہے اخبار بھی ہیں، ڈاک کے سلسلے بھی منتظم ہیں، مہینوں

کی راہیں دنوں میں طے ہوتی ہیں، گھر بیٹھے اقطار وامصار کی جھوٹی سچی خبریں ملتی ہیں، مدتہا مدت سے جغرافیہ کے عظیم اہتمام ہیں، کروروں روپے کے صرف سے مشرق ومغرب کی پیمائشیں ہوتی ہیں، بلاد وبقاع کے طول وعرض جانچے جاتے ہیں، آئے دن تازہ تازہ اطلس بنتی رہتی ہیں۔ غرض جس قدر دین کا انحطاط وتنزل ہے اسی قدر دنیوی ترقیاں ہیں جسے دنیا پرست عبید النفس ترقی ترقی گا رہے ہیں زمانہ مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں ان آسانیوں سے ایک بھی نہ تھی اب اس تیسّر اسباب وتفتح ابواب ہی کے زمانے میں کوئی شخص ٹھیک ٹھیک طور پر بتادے کہ آفاق واقطار، شرق وغرب وجنوب وشمال کے بلاد وقرٰی بوادی وصحاری وجزائر وجبال میں حقیقی مسلمان جن کا عرف شرعاً ملحوظ ومقصود ہو نہ نیچری وغیرہم کفّار مدعیان اسلام کہ اُن جیسے کروروں کا تعامل ہو تو مطلقاً مردود ہو کہاں کہاں آباد ہیں، ہر جگہ کے سچے مسلمانوں کی صحیح مردم شماری کیا ہے کسی معاملۂ خاص میں اُن میں ہر ایک کا عرف وعمل کس طور پر رہا ہے، حصر بلاد وشمار عباد جو کچھ بیان کرے اُس پر دلیل معقول قابلِ قبول دکھائے نہ یہ کہ فلاں سال کی مردم شماری میں اُسی قدر معدود فلاں اطلس میں اتنے ہی موجود کہ اس حصر اور اس کے جامع ومانع ہونے کی جو وقعت ہے ہر ذی عقل وانصاف کو معلوم ومشہود مردم شماری تو محض مہل ومختل اختحکل ہے، اطلسیں جن کے محکمے مقرر ہیں اور بڑے بڑے انتظام کروروں کے صرف ہیں اور ہزاروں اہتمام حصر وشمار بقاع درکنار جو آنکھوں دیکھی اور قواعد مضبوطۂ ہیأت پر مبنی بات ہے یعنی عرض وطول بلاد اسمیں اختلافات دیکھئے کبھی دو اطلسیں متفق نہ پایئے گا ع

ہرکہ آمد عمارت نو ساخت

سبحٰن اللہ اجماع شرعی جس میں اتفاق ائمۂ مجتہدین پر نظر تھی، علماء نے تصریح فرمائی کہ بوجہ شیوع وانتشار علماء فی البلاد دو صدی کے بعد اس کے ادراک کی کوئی راہ نہ رہی مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے (قال الامام احمد من ادعی الاجماع) علٰی امر (فھو کاذب والجواب انہ محمول علی حدوثہ الاٰن) فان کثرۃ العلماء والتفرق فی البلاد الغیر المعروفین مریب فی نقل اتفاقھم نیز فواتح میں ہے تحقیق المقام ان فی القرون الثلٰثۃ لاسیما القرون الاول قرن الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم کان المجتھدون معلومین باسمائھم واعیانھم وامکنتھم خصوصا بعد وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ واصحابہ وسلم ما نا قلیلا ویمکن معرفۃ اقوالھم واحوالھم للجاد فی الطلب نعم لایمکن معرفۃ الاجماع ولا النقل الاٰن لتفرق العلماء شرقا وغربا ولایحیط بھم علم احد اھ ملخصا جب صرف مجتہدین کا اتفاق معلوم نہیں ہوسکتا تو عرف وتعامل جس میں اجتہاد درکنار علم بھی درکار نہیں علماء وجہلاء سب کا عملدرآمد ملحوظ ہے۔ اس میں اتفاق کل کیا معنی۔ اتفاق اکثر کا علم بھی بدرجۂ اولٰی محال وناممکن ہے کہ آخر اکثر کل کل علماء سے ضرور اکثر ہے۔

رابعًا۔ کیا کوئی ایک بار کا بھی نشان دے سکتا ہے، کہ ائمہ کرام ومشائخ اعلام نے جب ایک امر میں بربنائے عرف وتعامل حکم فرمانا چاہا ہو تمام بلاد وبقاع عالم کے تمام مسلین کے عرف وعمل کی خبر معلوم فرمالی، ہر ہر شہر وقریہ ودرہ کوہ وجزیرہ وبادیہ میں تحقیق تعارف کیلئے شہود وعدل بھیجے ہوں تمام اسلامی جہان کی مردم شماری مفتح کی ہو، پھر بعد ثبوت حصر وشمار بلحاظ کل نہیں بلحاظ اکثر ہی حکم دیا ہو، یا بلا تفتیش خود ہی پیش از حکم ان تمام امور کے پرچے ان کی خدماتِ عالیہ میں گزرتے ہوں حاشا للہ ہرگز نہیں نہ کبھی اس کا قصد فرمایا، نہ اصلا اسکی طرف راہ تھی، نہ یہ امور تعامل مسائلِ عقائد تھے جن پر سواد اعظم امت کا اتفاق دلائل وبراہین شرع سے خود ہی معلوم ہو، نہ یہ حسن عدل وقبح ظلم وتقدیم قاطع علی المظنون کی طرح امور ضروریہ ہیں جن پر اتفاق عقلاء کی عقل خود شہادت دے، نہ یہ ایسے مسائل نزاعیہ تھے جن کی نفی واثبات ورد واحقاق میں فرقے بن گئے ہوں، نہ سالہا سال تحصیل فتاوی فقہائے امصار وعلمائے اقطار میں سخت وبلیغ کوششیں ہوئی ہوں بعد مرور دہور وکرِ عصور قرائن خارجیہ سے اتفاق اکثر کا علم حاصل ہولیا، اس کے بعد ائمہ نے بربنائے تعامل فتوی دیا ہو، ہمیشہ لاجرم انہیں ہی قطر کو بلاد کثیرہ میں عمل غالب کا نام عرف وتعامل رکھا اور اسی کو مبنائے احکام قرار دیا ہے، انصاف کیجئے تو امر واضح ہے اور انکار مکابرہ اور تشکیک بے معنی کی راہ کب بند، مگر عند الانصاف جب صبح مسفر ہو تو تشکک ناپسند، واللہ یقول الحق۔

خامسًا۔ ایں وآں پر کیوں نظر کیجئے خود حضرات علمائے کرام ہی سے نہ پوچھ لیجئے کہ عرف وتعامل سے مُراد حضرات کیا ہوتی ہے، صدہا جگہ علمائے مستدلین استدلال بالعرف کے ساتھ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے دیار کا عرف ہے یہ فلاں بلاد کا تعامل ہے انھیں مسائل مذکورہ میں دیکھیں محقق حیث اطلق مسئلہ سوم میں فرماتے ہیں مثلہ فی دیارنا شراء القبقاب حاوی[1] پھر خلاصہ پھر فتح پھر ردالمحتار مسئلہ بست ودوم میں مثل ھذا کثیر فی الری وناحیۃ دماوند ظہیریہ وہندیہ بست وسوم میں ان کان ذالک بہ فی موضع تعارفوا امام طاہر بن عبدالرشید پھر امام ابن الہمام پھر علامہ شامی ان کان ذالک فی موضع غلب ذالک فی اوقافہم علامہ عمر بن نجیم مسئلہ بست وچہارم میں تعورف فی الدیار الرومیۃ افندی ابن عابدین دون بلادنا خادم فقہ ادنی تتبع میں اس کے نظائر غزیرہ نکال سکتا ہے ثم اقول وباللہ التوفیق سب سے قطع نظر کرکے علمائے کرام کا وہ نفس کلام جو مسئلہ اعتباراتِ عرف میں ذکر فرمایا بنظر نبیہ مطالعہ کیجئے تو خود ہی شاہد عدل وحجت فصل ہے کہ عرف عام سے اُن کی مراد نہ ہرگز مستمر من زمن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے نہ عرف محیط اجماعی نہ عرف اکثر مسلین جملہ بلاد عالم کہ اوّل قطعاً مثل نص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے لکونہ تقریر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتقریرہ کقولہ اوجب من فعلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لان الفعل یحتمل ان یکون خصوصیۃ لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو اگر نص اس کے خلاف پایا جائے ضرور صالح تعارض ہوگا اور بحال تاریخ اُسے نسخ کردیگا نہ یہ کہ قول اقدس کے مطابق تقریرِ اقدس کو مطلقاً رد کریں، علامہ شمس الدین محمد بن حمزہ فناوی فصول البدائع فی اُصول الشرائع بیان ضرورت میں فرماتے ہیں:-

[1] ذکر مسألۃ وقف الکر والاکسیۃ نقلہا سند موفی فی الخلاصۃ ثم قال المسائل الثلث فی الحاوی وانما لم نعدہ فیما مر لان الشامی نقلہا عن الفتح والفتح عنہا ولم یذکر العزو للحاوی ۱۲

اقسامہ اربعۃ (۱) ماھو فی حکم المنطوق لزومہ منہ عرفا (۲) مابینہ حال الساکت القادر کسکوت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن تغییر مایعاینہ من قول او فعل من مسلم حتی لوسکت عما سبق نھیہ کان نسخا لان تقریرہ علی منکر منکر علامہ اجل مولٰی خسرو صاحب درر وغرر مرأۃ الاصول شرح مرقاۃ الوصول میں فرماتے ہیں (ما قررہ) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (ان کان مما علم انکارہ کذھاب کافر الی کنیسۃ فلا اثر لسکوتہ والادل علی الجواز) ای جواز ذٰلک الفعل من فاعلہ ومن غیرہ اذا ثبت ان حکمہ علی الواحد حکمہ علی الجماعۃ فان کان مما سبق تحریمہ فھذا نسخ لتحریمہ فاضل محمد ازمیری اُس کے حاشیہ میں شرح مختصر الاصول للعلامۃ اکمل الدین سے ناقل اذا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فعل مکلف ولم ینکرہ قادرا علیہ فان کان الفعل قابلا للنسخ فان لم یسبق تحریمہ دل سکوتہ علی جوازہ وان سبق کان سکوتہ ناسخا لتحریمہ اھ مختصرات اور دوم عین اجماع تو نص آحاد سے اقوی اور قطعامظہر ناسخ کہ نص غیر منسوخ کے خلاف اجماع محال تو اس کا حقیقتاً معارض نص واقع ہونا معقول ہی نہیں، اور بظاہر ہو تو ہرگز مردود نہ ہوگا، بلکہ وہی مرجح ہوگا اور نص ناسخ کا بتانے والا وھذا معنی قولھم ان الاجماع لاینسخ اماکونہ کاشفا عن ناسخ فالجماع یظھر ذٰلک لمن راجع . مطارحاتھم فی المسئلۃ مُسلم و فواتح فصل ترجیح میں ہے (الاجماع، یترجح (علی النص) فواتح فصل تعارض میں ہے الاجماع مرجح ومقدم علی الکل عند معارضتہ ایاھا لانہ لایکون منسوخا بکتاب ولا سنۃ ولا یکون باطلا فتعین ان یکون الکتاب والسنۃ وان کانت متواترۃ منسوخۃ والاجماع کاشف عن النسخ اور سوم کی حجیت مطلقہ تامہ وافیہ پر نصوص صریحہ ناطقہ تو اس کا اضمحلال معاذ اللہ سواد اعظم کا وقوع فی الضلال اور وہ شرعاً محال ہے لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتجتمع امتی علی الضلالۃ وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ید اللہ علی الجماعۃ وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیکم بالجماعۃ والعامۃ وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم الٰی غیر ذٰلک مما بلغ مجموعہ حد التواتر وقد سردناھا وتخاریجھا فی رسالتنا ۔ فیح السّرین بجواب الاسئلۃ العشرین ۔ فصول البدائع میں ہے لوندر المخالف مع کثرۃ المتفقین کان قول الاکثر حجۃ وان لم یکن اجماعا بالجملہ مقابلہ نص میں ثانی تو مطلقاً مضمحل نہیں ۔ اعنی اطلاق العدم اور اول بھی مطلقاً مضمحل نہیں اعنی عدم الاطلاق اور ثالث عند التحقیق ملتحق بالثانی وان قیل وقیل بعض نظائر لیجئے قرآن کریم پر اُجرت لینے سے نہی میں احادیث کثیرہ وارد یہاں تک کہ حدیث اقدس میں ہے تعلیم قرآن پر عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ایک کمان بھیجی گئی انھوں نے خیال کیا یہ کوئی مال نہیں اور جہاد میں کام دے گی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی، فرمایا ان اردت ان یطوقک اللہ طوقا من نار فاقبلھا اگر تو چاہے کہ اللہ تعالٰی تیرے گلے میں آگ کا طوق ڈالے تو اُسے لے لے۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ وفی الباب عن عبدالرحمٰن بن شبل

وابی ہریرۃ وعبدالرحمن بن عوف وابی کعب وابن بریدہ وابی الدرداء وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم اور قیاس بھی اسی پر شاہد لان القربۃ متی حصلت وقعت عن العامل ولھذا یعتبر اھلیتہ فلایجوزلہ اخذ الاجرۃ من غیرہ کالصوم والصلاۃ کما فی الھدایۃ اور ہمارے علمائے کرام کا مذہب بھی تحریم اور صدر اول میں قطعًا رواج معدوم بایں ہمہ عرف حادث وضرورت کے سبب جواز پر فتوٰی ہوا بستان فقیہ امام ابی اللیث میں ہے اما اذا علم بالاجر فقد اختلف الناس فقال اصحابنا المتقدمون لایجوز اخذ الاجرۃ وقال جماعۃ من علماء المتأخرین یجوز فالافضل ان لایشترط للحفظ بل لتعلیم الھجاء والکتابۃ فلو شرط لتعلیم القرأن ارجوان لاباس بہ لان الناس قد توارثوا ذالک واحتاجوا الیہ اھ مختصرا بٹائی پر زمین اٹھانے سے احادیث صحیحہ معتبرہ میں منع وارد یہاں تک کہ حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما میں ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سُنا من لم یذر المخابرۃ فالیؤذن بحرب من اللہ ورسولہ جو بٹائی نہ چھوڑے وہ اللہ ورسول سے لڑائی کا اعلان کرے رواہ ابوداؤد والطحاوی وفی الباب عن رافع بن خدیج وثابت بن الضحاک وزید بن ثابت وانس بن مالک وابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین اور قیاس بھی بوجوہ کثیرہ اسی کا مساعد ولہٰذا ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ باتباع جماعت صحابہ وتابعین محرمین مانعین حرام وفاسد جانتے ہیں بایں ہمہ صاحبین نے بوجہ تعامل اجازت دی اور اسی پر فتوٰی قرار پایا، ہدایہ میں ہے قال ابوحنیفۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ المزارعۃ بالثلث والربع باطلۃ وقال جائزۃ لہ ماروی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن المخابرۃ وھی المزارعۃ ولانہ استیجار ببعض مایخرج من عملہ فیکون فی معنی قفیز الطحان ولان الاجر مجھول اومعدوم وکل ذالک مفسد ومعاملۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھل خیبر کان خراج مقاسمۃ بطریق الامن والصلح وھو جائز الا ان الفتوٰی علٰی قولھما لحاجۃ الناس الیہا ولظھور تعامل الامۃ بہا والقیاس یترک بالتعامل کما فی الاستصناع اھ مختصرًا غرض ایسے تعاملات ضرور حجت مطلقہ ہیں انہیں مطلقا مقابل نص مردود نہیں کہہ سکتے، اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ عرف وتعامل جس میں اُن کا کلام ہے معارضہ نص کی اصلا طاقت نہیں رکھتا جب خلاف کرے گا رد کردیا جائے گا، اشباہ میں ہے انما العرف غیر معتبر فی المنصوص علیہ. پھر فتاوٰی ظہیریہ سے نقل کیا محمد بن الفضل یقول السرۃ الی موضع نبات الشعر من العانۃ لیست بعورۃ لتعامل العمال فی الابداء عن ذالک الموضع عند الاتزار وفی النزع عن العادۃ الظاھرۃ نوع حرج وھذا ضعیف وبعید لان التعامل بخلاف النص لایعتبر انتھٰی بلفظہ اھ اُسی میں فتاوٰی بزازیہ لکھا فی اجارۃ الاصل استاجرہ لیحمل طعامہ لقفیز منہ فالاجارۃ فاسدۃ وکذا اذا دفع الی حائک غزلا علی ان ینسجہ بالثلث ومشائخ بلخ وخوارزم افتوا بجواز اجارۃ الحائک للعرف وبہ افتی ابوعلی النسفی ایضا والفتوٰی علٰی جواب الکتاب لانہ منصوص علیہ فیلزم ابطال النص اھ باختصار

قدوری وغیرہ متون باب الربا میں ہے مالم ینص علیہ فھو محمول علی عادات الناس اھ قلت فدل بمفہومہ ان مانص علیہ لم یحمل علیہا ہدایہ کتاب الاجارہ میں ہے ھو المعتبر فیما لم ینص علیہ کفایہ شرح ہدایہ باب الربا میں ہے تقریر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاھم علی ماتعاملوا فی ذالك بمنزلۃ النص منہ فلایتغیر بالعرف لانہ لایعارض النص غایۃ البیان کتاب الاجارہ میں فتاوٰی صغرٰی کتاب المزارعۃ سے ہے فرع الحاکم عبدالرحمٰن فی الجامع الصغیر بین[1] ھذا وبین قفیز الطحان بان قفیز الطحان منصوص علیہ فلایمکن تغیرہ بالتعامل اما ھذا فلیس منصوصا علیہ فیتعتبر فیہ التعامل نشر العرف میں امام ابن الہمام سے ہے لااعتبار للعرف المخالف للنص لان العرف قد یکون علی باطل بخلاف النص اُسی میں ذخیرہ سے ہے ھذا بخلاف مالو تعامل اھل بلدۃ قفیز الطحان فانہ لایجوز ولاتیکون معاملتھم معتبرۃ لانا لو اعتبرنا معاملتھم کان ترکا للنص اصلا وبالتعامل لایجوز ترك النص اصلا الخ

ردالمحتار کتاب الوصایا میں ہے العرف اذا خالف النص یرد بالاتفاق بالجملہ بحمداللہ تعالٰی بدلائل قاطعہ واضح ہوا کہ علمائے کرام جس عرفِ عام کو فرماتے ہیں کہ قیاس پر قاضی ہے اور نص اُس سے متروک نہ ہوگا مخصوص ہوسکتا ہے وہ یہی عرفِ حادث شائع ہو کہ بلادِ کثیرہ میں بکثرت رائج ہو نہ عرفِ قدیم زمانِ رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ نہ عرف محیط جمیع عباد تمام بلاد نہ عرف اعم سوادِ اعظم کہ اولین بالاجماع اور ثالث علی التحقیق امکانًا یا وجوبًا مقدم علی النص ہیں نہ زمان مشائخ میں ثانیین کی طرف مقابل نہ واقع ونفس الامر اُن کا گواہ نہ راہ فروع اُن پر ملتئم نہ کلام اُن پر حاکم ہاں عرف خاص کہ صرف دو ایک شہر کے لوگوں کا تعارف ہو مذہب ارجح میں صالح تخصیص نص وترک قیاس نہیں اور عرف نادر کہ معدودین کا عمل ہو بالاجماع اُس کے مقابل نہیں، ہاں صرف صورتِ حکم بتانے کے لیے جس میں کسی حکم شرعی منصوص یا مقیس کی اصلا مخالفت یا تغیر نہ ہو نہ کلیۃً نہ تخصیصاً ہر عرفِ مطلق مقبول اگرچہ ایک ہی شخص کا عرف فرد ہو اعیان ونذور واوقاف ووصایا وغیرہ میں معانی الفاظ کا عرف پر ادارہ اسی باب اخیر سے ہے ولہذا فتاوٰی علامہ قاسم میں فرمایا التحقیق ان لفظ الواقف والموصی والحالف والناذر وکل عاقد یحمل علی عادتہ فی خطابہ ولغتہ التی یتکلم بہا وافقت لغۃ العرب ولغۃ الشارع اولا یہ ہے بحمداللہ ومنہ وکبیر لطفہ وکرمہ وہ تحریر مسئلہ جسے تمام کلمات علمائے کرام کا عطر ومحصل کہیے اور بفضلہ تعالٰی کسی تقریر وتاصیل وتفریع کو اُس کے مخالف نہ دیکھیے وقد کنت اری فی الباب مباحث الاشباہ وکلمات ردالمحتار من مواضع عدیدۃ فلا اجد فیہا مایفید الضبط ویزیل بہ الاضطراب والخبط وکان العلامۃ الشامی کثیرا ما یحیل المسئلۃ علی رسالتہ نشر العرف فکنت تواقا الیہا مثل جمیل الی بثینۃ فلما رأیتھا وجدتھا ایضا لم یتحرر لہا مایکفی ویشفی ولم یتخلص فیہا ما ترتبط بہ الفروع وتاخذ کلمات الائمۃ بعضہا بحجز بعض ولعکن ببرکۃ مطالعتہا فی تلك الجلسۃ فتح۔ (رسالہ کامل ہوا)

---

[1] ای المزارعۃ بالنصف والربع ۱۲ الفقیر المجیب

کتاب الاکراہ

مسئلہ ۔ از بریلی ساہوکارہ مرسلہ شیام سندر لال چیرمین ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ زید نے ایک بیعنامہ بنام بکر تصدیق کرادیا نقل شاملِ سوال ہے مگر زرِثمن کا لین دین نہیں ہوا صرف اقرار ہوا ہے، مگر اُس کے بعد ایک دعوٰی تنسیخ دستاویز مذکور کا زید نے کچہری میں کیا، دعوٰی اور جواب دعوٰی بھی شاملِ سوال ہے تو (۱) کیا حسب بیان مدعی مندرجہ دعوٰی بصورت بیع مکرہ کی ہے، اگر ہے تو کیا حکم ہے۔ (۲) مکرہ ہونے کے واسطے بالفعل رجسٹری کے وقت داب ناجائز کا موجود ہونا ضرور ہے یا پیشتر سے تخویف اور آئندہ کے لئے ضرر شدید کا اندیشہ صحیح کافی ہے۔ (۳) ایسی صورت میں جبکہ رجسٹری میں زرثمن نہیں دیا گیا تو مشتری کے ذمہ حوالگی زرِثمن کا بارِ ثبوت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ عرضی دعوٰی میں مدعا علیہ کا مدعی کو مدتِ طویل تک اپنے مکان میں محبوس رکھنا اور کسی سے نہ ملنے دینا اور ناجائز داب کا ذکر ہے داب کا بیان نہیں اور زبانی بیان سائلان یہ ہوا کہ قتل کی تخویف کی اور مدعی اُسے باور کرتا تھا، یہ بیانات اگر واقعی ہیں تو وہ بلاشبہہ بیع مکرہ اور فاسد ہے، اور بائع کو اس کے فسخ کا اختیار ہے، تخویف قتل تو اعلٰی درجہ کا اکراہ ہے بیع میں مجرد حبس مدید بھی ثبوت اکراہ کو بس ہے، درمختار میں ہے لواکرہ بحبس اوقید مدیدین حتی باع اواشترٰی اواقر اواٰجر فسخ اوامضی لان اکراہ الملجئ وغیر الملجئ یعدمان الرضاء والرضا شرط صحۃ ھذہ العقود والاقرار فلذا صار لہ حق الفسخ او الامضاء۔ اسی میں ہے فی مجمع الفتاوی منع امرأتہ المریضۃ عن المسیر الی ابویھا الا ان تھبہ مھرھا فوھبتہ بعض المھر فالھبۃ باطلۃ لانھا کالمکرھۃ ویؤخذ منہ جواب حادثۃ الفتوی زوج بنتہ فلما ارادت الزفاف منعھا الاب الا ان یشھد علیھا انھا استوفت منہ میراث امھا فاقرت لایصح اقرارھا لکونھا فی معنی المکرھۃ وبہ افتی ابو السعود مفتی الروم قالہ المصنف فی شرح منظومۃ تحفۃ الاقران۔ ردالمحتار میں ہے وبہ افتی الرملی وغیرہ ونظمہ فی فتاواہ بقولہ ؎

ومانع زوجتہ عن اھلھا تھب المھر یکون مکرھا

کذاک منع والد لبنتہ خروجھا لبعلھا من بیتہ

ثم قال وانت تعلم ان البیع والشراء والاجارۃ کالاقرار والھبۃ وان کل من یقدر علی المنع

من الاولیاء کالاب للعلۃ الشاملۃ فلیس قیدا، خیریہ میں ہے قال علماء نامنع زوجتہ من اھلھا حتی تھب لہ السھر تکون مکرھۃ والھبۃ باطلۃ قال فی مجمع الفتاوی وفی ملتقط السید الامام عن الفقیہ ابی جعفر من منع امرأتہ عن المسیر الی ابویھا الا ان تھب مھرھا فوھبت فالھبۃ باطلۃ ومثل ذلک فی الخلاصۃ والبزازیۃ وکذالک ذکر فی التاتارخانیۃ نقلا عن الینابیع، واللہ تعالٰی اعلم

ع۲۔ اکراہ کے لئے یہ ضرور نہیں کہ جس وقت مکرہ وہ فعل کرے گلے پر چھری یا قید وضرب فی الحال موجود ہو بلکہ اکراہ کنندہ کی طرف سے وعید وتہدید سابق اور اس کے وقوع کا صحیح اندیشہ لاحق اور مکرہ کا مکرہ کے قابو میں ہونا تحقق اکراہ کے لئے بس ہے، خیریہ میں ہے الاکراہ یعدم الاختیار فلاصحۃ للاقرار مع الاکراہ والاکراہ فیہ یکون باشیاء منھا اذا قال المتغلب لرجل اما ان تقرلی بکذا والا قول للظالم الفلانی لقی مالا اووجد کنزا اونحو ذالک فاذا کان الرجل لہ جرأۃ وھددہ بمن یسمع کلام الغماز وقال ان لم تقرلی بکذا اسعی بک الی من یاخذک بمجرد کلامی وغلب علی ظن المھدد ذالک فاقرکاذبا لایلزمہ ما اقربہ کما ھو صریح کلام ائمتنا، ہاں اگر اس نے تہدید کی اور اب یہ اس کے قابو سے نکل گیا اور اس اندیشہ سے کہ پھر اسے قابو ملے تو ایذا پہنچائے گا، کوئی کام کیا تو یہ اکراہ سے نہیں کہ اکراہ سابق زائل ہو چکا اور لاحق معدوم وموہوم ہے، ردالمحتار میں ہے فی الھندیۃ عن المبسوط ارسلہ لیفعل فخاف ان یقتلہ ان ظفربہ ان لم یفعل لم یحل، اسی میں ہے لزوال القدرۃ بالبعد لکن لایخاف عودہ وبہ لایتحقق الاکراہ بزازیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔ ع۳۔ ہاں صورت مذکورہ میں تسلیم وقبضہ ثمن کا بارِ ثبوت ذمہ مشتری ہے کہ حاکم حکم نہیں کرسکتا مگر حجت شرعیہ سے اور حجت شرعیہ اقرار ہے یا بینہ یا نکول، فتاوٰی امام قاضیخاں پھر اشباہ میں ہے القاضی لایقضی الا بالحجۃ وھی البینۃ او الاقرار والنکول اور مکرہ کا اقرار باطل ہے، ابھی خیریہ سے گزرا لاصحۃ للاقرار مع الاکراہ، اشباہ میں ہے اقرار المکرہ باطل یونہی معتوہ غیرماذون کا اقرار، عقود الدریہ میں ہے حیث کان معتوھا فاقرارہ غیرصحیح اور جبکہ اکراہ یا معتوہ ہونا شہادت عادلہ سے ثابت ہو تو دستاویز میں معمولی عبارت (بحالت صحت نفس وثبات عقل بطوع ورغبت بلاجبر واکراہ) لکھی ہونی کوئی چیز نہیں، خیریہ میں ہے سئل فی ذی ولایۃ علی قریۃ قادر علی ایقاع ضرب وحبس ملجیین باھلھا طلب من رجل منھا بیع عقار لہ دھا فباع خائفا منہ ایقاع ذلک بہ واقرانہ قبض ثمنہ کذالک مع ان قیمۃ المبیع اضعاف الثمن ھل ینفذ ھذا البیع ام لا وان کتب صک لدی قاض علی صفۃ الطوع والاختیار وعدم المفسد یکون الاعتبار لما فی نفس الامر لا لما کتب اجاب حیث علم بدلالۃ الحال انہ لولم یبعہ یوقع بہ ضربا شدیدا اوحبسا مدیدا فالبیع غیرنافذ والاقرار غیر صحیح فللمکرہ فسخہ والاعتبار لما فی نفس الامر لا لما کتب فی الصک لاجرم بار ثبوت مشتری پر ہے، واللہ تعالٰی اعلم

کتاب الحجر

مسئلہ ـ از مارہرہ مطہرہ مرسلہ مولٰنا مولوی محب احمد صاحب ۱۷ / جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

ایک عورت عرصہ چالیس سال سے اس مرض میں مبتلا ہے کہ کبھی کبھی اس کی عقل میں اختلال آجاتا ہے اور خیال پردہ و ستر پوشی کا نہیں رہتا ہے حتی کہ مکان کی چھت سے جو بازار میں واقع ہے سربازار کھڑی ہوجاتی ہے، ایک مرتبہ چھت سے نیچے گر پڑی اور اکثر حالت یہ ہے کہ ہر قسم کا خیال ستر پوشی و حجاب رہتا ہے، سب قرابتداران مادری و پدری و مہری کو بتخصیص قرابت جانتی پہچانتی ہے کام متعلق عورات جو خانہ داری کو چاہئیں کرتی ہے، ایسی حالت میں اس کا اپنی جائداد کسی کو بطور ہبہ دیدینا یا معاف کرنا یا کسی بارہ میں اس کی شہادت مثل رضاعت وغیرہ مقبول و جائز ہے یا نہیں، اور یہ عورت مجنونہ و معتوہہ ہے یا کیا، بینوا توجروا،

الجواب ـ ایام دورہ میں زن مذکورہ کا آفت معترضہ علی العقل میں مبتلا ہونا واضح و بدیہی ہے، قلت فہم و فساد تدبیر تو ظاہر اور اختلاط کلام اختلال عقل کو لازم، تو اسی قدر سے معتوہہ ہونا تو صراحۃً ثابت، اور اس کے ساتھ لوگوں کو مارنا گالیاں دینا بھی ہو تو مجنونہ ہے، بہرحال تبرعات مثل ہبۂ مال و بخشش مہر وغیرہ کی اہلیت ہرگز نہیں، اگر ایسے تصرفات کرے گی محض باطل ہوں گے اور رضاعت وغیرہ کسی امر میں اس کی شہادت اصلا قابل قبول نہیں، پھر اگر اس کے افاقہ کا کوئی وقت معلوم و معروف نہیں تو یہ احکام حجر تصرفات، وابطال تبرعات، والغائے شہادت، دائمی ہیں کہ جب وقت افاقہ معہود نہیں تو کسی وقت اطمینان نہیں ہوسکتا، ہر وقت محتمل کہ حالت اختلال میں ہو، صرف عاقلانہ باتیں کرنی موجب اطمینان نہیں، کہ معتوہ بلکہ مجنون بسا اوقات ٹھیک ٹھیک عقل کی باتیں کرتے ہیں یہاں تک کہ ناواقف سُنے تو ہرگز احتمال اختلال نہ کرے۔ ہاں اگر وقت افاقہ معلوم و معہود ہے تو اس وقت اس کا حکم مثل حکم عقلاء ہے، اس کے تبرعات بھی نافذ ہوں گے اور شہادات بھی مسموع، درمختار میں ہے المعتوہ من العتہ وھو اختلال فی العقل، ردالمحتار میں ہے ھذا ذکرہ فی البحر تعریفا للمجنون وقال ویدخل فیہ المعتوہ واحسن الاقوال فی الفرق بینھما ان المعتوہ ھو قلیل الفھم مختلط الکلام فاسد التدبیر لکن لایضرب ولایشتم بخلاف المجنون اھ وصرح الاصولیون بان حکمہ کالصبی، درمختار میں ہے تصرف المعتوہ ان کان نافعا محضا کالاسلام والاتھاب صح بلا اذن، وان کان ضارًا کالطلاق والعتاق والصدقۃ والقرض (والھبۃ ش) لاوان اذن بہ ولیھما، وما تردد من العقود بین نفع وضرر کالبیع والشراء توقف علی الاذن، عالمگیری میں ہے لاتقبل شھادۃ الصبیان والمجانین، والمعتوہ بمنزلۃ المجنون، اسی میں ہے وکذا شھادۃ الصبیان بعضھم علی بعض فیما یقع فی الملاعب، وشھادۃ النساء فیما یقع فی الحمامات لاتقبل، وان مست الحاجۃ الیھا کذا فی الذخیرۃ، طحطاوی میں ہے قال الشلبی فی حاشیۃ الزیلعی الحق التفصیل فان کان لافاقتہ وقت معلوم

فعقد فی ذالك الوقت فالحکم فیه کالعاقل، وان لم یکن لافاقته وقت معلوم فعقد فی حال الافاقة فالحکم فیه کالصبی اھ والفرق بین الافاقة المعلومة وغیرھا انه فی المعلومة تحقق صحوه بحسب عادته، اما غیرھا فیحتمل انه حال جنونه تکلم بکلام العقلاء اھ مختصرا، واللّٰہ سبحٰنه وتعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم

مسئلہ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فالج کہ مرض دماغی ہے، اُسے اختلال عقل وعدم ثبات حواس لازم ہے یا نہیں، اور اگر کسی عالم کو چند سال مرض رہے طولِ مرض کے سبب گھبرائے، تو دل بہلانے کے شطرنج یا اور اسی قسم کے کھیل میں کبھی مشغول ہو تو آیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ عالم مجنون یا مسلوب الحواس قرار دیا جائے، اور اس کے تصرفات بیع وہبہ وغیرہ باطل کر دیئے جائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب - فالج اگرچہ مرض دماغی ہے مگر اُس سے اختلال عقل وعدم ثبات حواس ہرگز لازم نہیں، آخر عامہ کتب فقہ میں تصریح ہے کہ جب یہ مرض سال بھر سے متجاوز ومزمن ہو جائے تو مریض شرعاً صحیح گنا جائے گا، اور اُس کے سب تصرفات نافذ قرار پائیں گے۔ اگر اس مرض کو بدحواسی لازم ہوتی تو یہ حکم فقہاء کا کیونکر صحیح ہوتا، نہ شطرنج گنجفہ چوسر اور اسی قسم کے ہزاروں کھیلوں سے مسلوب الحواسی ثابت ہو، بلکہ خیال کیجئے تو یہ سب کام تو ثبات عقل وحواس چاہتے ہیں، اور یہ بات جدا رہی کہ ایسے افعال عالم کے شان سے بعید ہوں، اول عالم کے لئے معصوم ہونا شرط نہیں، ثانیاً بالفرض شطرنج مطلقاً گناہ ہو تو کسی گناہ سے شرع شریف بطلانِ تصرفات کا حکم نہیں دیتی، اور امام عامر شعبی کہ اکابر ائمۂ محدثین سے ہیں شطرنج کھیلا کرتے اب کیا اس بنا پر معاذ اللہ کوئی انھیں مسلوب الحواس کہہ سکتا ہے، اور بعض جاہل جو کہنے لگتے ہیں کہ یہ کیسے عالم ہیں جو ایسے فعل کرتے ہیں، یا ان کی عقل کدھر گئی کہ عالم ہو کر ایسی باتوں میں مشغول ہیں، قطع نظر اس سے کہ جہلا کو کسی کے افعال سے تعرض اور ان پر طعن وتشنیع روا نہیں، حدیث میں ہے "عالم بے عمل مثل شمع کے ہے کہ خود جلتا ہے اور تمھیں روشنی پہنچاتا ہے"، یہ محاورہ ایسا ہے جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہوا، اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ، یا اس سے بڑھ کر ارشاد ہوا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ، اب کیا قرآن عظیم نے ان لوگوں کو بے عقل کہہ کر ان کی بیع شراء واجارہ وہبہ وغیرہا تصرفات کو باطل ٹھہرایا ہے، حاشا وکلا کوئی عاقل ایسا گمان نہیں کر سکتا، وَمَنِ ادَّعٰی فَعَلَیْهِ الْبَیَانُ، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اختلال عقل کا شرعاً موجب منع نفاذ تصرف کا ہوتا ہے، اس کے کیا معنیٰ ہیں، اور کیا کیا باتیں اس کے واسطے درکار ہیں، اور اگر کوئی شخص چار سال سے زیادہ مرض فالج میں مبتلا ہے، ابتداءً میں مرض شدید کہ دست وپا وزبان سب پر آفت ہو، پھر تھوڑی عرصہ بعد ہاتھ پاؤں بخوبی تمام کھل جائیں، اور زبان بھی اتنی صاف ہو جائے کہ ادائے مطلب میں عاجز نہ ہو، اگرچہ تکلم میں قدرے تکلف رہے، یہاں تک کہ ایسی حالت میں حج کرے، اور وہاں طواف وسعی صفا مروہ و وقوف وعمرہ وزیارت مدینہ طیبہ وحاضری مشاہدہ متبرکہ میں اپنے پاؤں سے مثل اصحا نہایت سرگرم رہے، اور اس کے اور افعال بھی مثل عقلاء کے ہوں، دیہات کی تحصیل وتشخیص کرے، بات سُنے سمجھے جواب دینے میں فرق نہ ہو، اور بالفرض اس زمانہ ممتدیں دو

تین باتیں اس سے ایسی بھی صادر ہو جائیں جو غفلت وبیخودی پر دلالت کریں، تو آیا اُنھیں باتوں پر مدار کار رکھکر اُسے مجنون یا معتوہ ٹھہرادیں گے، یا شاذ ونادر کا اعتبار نہ کریں گے، جبتک یہ ثابت نہ ہو کہ بار بار بتکرار اکثر افعال وحرکات اُس سے اس قسم کے ہوتے اور ہوش کی باتیں کم کرتا۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ مسلوب الحواسی کی اعلٰی قسم تو جنون ہے، والعیاذ باللہ منہ اور ادنٰی قسم عتہ، جس کے صاحب کو معتوہ کہتے ہیں، اس میں بھی اسی قدر ضرور ہے کہ تدبیریں اس کی ٹھیک نہ رہیں، سمجھ اس کی درست نہ ہو، باتوں کا کوئی ٹھکانا نہ رہے، ابھی بیٹھا ہے خوب ہوش وحواس کی باتیں کر رہا ہے، ابھی خرافات وہذیانات بکنے لگا، سودائیوں کی طرح مہمل وبے معنی بہکنے لگا، یہانتک کہ شریعت مطہرہ اُس کے اوپر سے اپنی تکلیفیں اٹھالیتی ہے، اور نماز وروزہ تک اس کے اوپر فرض نہیں رہتا، فی الفتاوی الخیریۃ العتہ قلۃ الفہم واختلاط الکلام وفساد التدبیر وذالک بسبب اختلال العقل فیشبہ مرۃ کلامہ کلام العقلاء ومرۃ کلام المجانین وفی ردالمحتار حکم المعتوہ کالاصلاء العاقل فی تصرفاتہ، وفی دفع التکلیف عنہ زیلعی۔ اب چاہے زوال عقل اپنی اعلٰی درجہ کی حد کو پہنچ جائے، یعنی مثلاً اتنی بات کی بھی خبر نہ رہے کہ چیز بیچتے ہیں تو اپنی ملک سے نکل جاتی ہے، خریدتے ہیں تو اپنے پاس آجاتی ہے، خرید وفروخت میں نفع کا ارادہ چاہئے۔ خواہ اس حد کو نہ پہنچا ہو اور ان باتوں کی ہنوز گونہ تمیز باقی ہو، مگر وہ امور جو ہم نے اوپر ذکر کئے اس میں پائے جانے ضرور ہوں، کہ وہ تو معتوہ کی نفس تفسیر میں واقع ہیں، پھر جبتک اس کیفیت کا ثبوت نہ ہو، ہرگز مسلوب الحواسی شرعاً ثابت نہیں ہوسکتی، نہ یہاں شاذ ونادر کا اعتبار کریں، بلکہ اکثر افعال وحرکات فساد عقل واختلال ہوش کے ہونے چاہئیں وفی ردالمحتار ویؤید ماقلنا قول بعضہم العاقل من یستقیم کلامہ وافعالہ الانادرا، دیکھو تصریح کرتے ہیں کہ اگر نادراً بعض کلمات وحرکات قانونِ عقل سے خارج بھی صادر ہوں، تو عاقل ہی کہا جائے گا، آگے چل کر فرماتے ہیں فالذی ینبغی التعویل علیہ فی المدہوش ونحوہ اناطۃ الحکم بغلبۃ الخلل فی اقوالہ وافعالہ الخارجۃ عن عادتہ الخ ہر عاقل جانتا ہے کہ بعض اوقات کسی خیال کے استغراق، یا تکلیف کی شدت یا فرحت کی کثرت یا اور کسی صورت سے وہ بات بیخودی کی اس سے صادر ہو جاتی ہے، کہ جب خیال کرتا ہے تو خود ہی اُسے تعجب ہوتا ہے، پھر کیا اس سے یہ لازم آسکتا ہے۔ کہ اُسے مسلوب الحواس ٹھہرادیں، اور اس کے تصرفات کا نفاذ نہ مانیں، اور یہاں طول عہد مرض ایک قرینۂ قویہ بھی ہے کہ اس کی پریشانی میں اگر نادراً کسی ایسے فعل کا وقوع ہو جائے تو کچھ جائے تعجب نہیں، فی ردالمحتار نقل عن ہشام ابن کلبی قال حفظت مالم یحفظہ احد ونسیت مالم ینسہ احد حفظت القرآن فی ثلثۃ ایام واردت ان اقطع من لحیتی ما زاد علی القبضۃ فنسیت فقطعت من اعلاہا، دیکھو ایسا صحیح الضبط قوی الدماغ آدمی جس نے روزانہ دس دس پارہ قرآن مجید کے یاد کرکے تین روز میں کلام اللہ شریف پورا حفظ کرلیا، اس سے ایسی خطاء عظیم واقع ہوئی کہ جس پر وہ خود کہتے ہیں مجھ سے وہ بھول ہوئی جو کسی سے نہ ہوئی، اب کیا اس نادر بات پر اُن کی قوتِ عقل بالکل زائل اور مسلوب الحواسی

حاصل پائی جائے گی، بالجملہ جب تک غالب افعال و اقوال ایسے ہی نہ ثابت کئے جائیں، ہرگز بکار آمد نہیں کہ فقہائے کرام عدم اعتبار نادر کی تصریح فرما چکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ یکم ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے دو نکاح کئے، دونوں کا مہر اوس پر واجب ہے اور اپنی کل جائداد کو بطور ہبہ یا دین مہر میں ایک زوجہ کے نام یا کسی غیر کو ہبۃً دینا چاہتا ہے، تاکہ دوسری زوجہ محروم رہ جائے اس صورت میں یہ زوجہ قاضی و مفتی کے یہاں استغاثہ کرسکتی ہے یا نہیں، اور زوج کو ان امور سے روک سکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ اگرچہ ایک زوجہ کی محرومی چاہنا خلاف عدل اور دیانۃً بُرا ہے، مگر جبکہ جائداد اس عورت کے مہر میں مرہون نہیں، تو یہ اسے کسی طرح کے تصرف و انتقال سے نہیں روک سکتی، چاہے وہ دوسری زوجہ کے مہر میں دیدے، خواہ اسے کسی راہ چلتے کو ہبہ کردے، یا جو چاہے کرے، فان امامنا الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لایقول بالحجر بالدین اصلاً وصاحباہ وان قالابہ فبعد قضاء القاضی بالحجر، فحیث لاقضاء لاحجر اجماعًا، قال فی الھندیۃ من "باب الحجر للفساد" لاخلاف عندھما ان الحجر بسبب الدین لایثبت الا بقضاء القاضی اھ وقال فی الحجر بسبب الدین عند ابی حنیفۃ لایحجر علیہ ولایعمل حجرہ حتی تصح منہ ھذہ التصرفات کذا فی المحیط، اھ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۔ ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ احمد حسن نے انتقال کیا، ایک لڑکا وزارت حسن نابالغ، اور ایک زوجہ اور ایک دختر، اور ایک برادر خالہ زاد اور ایک حقیقی ماموں زاد بھائی چھوڑا تو اس صورت میں شرعًا لڑکے نابالغ اور نیز جائداد غیر منقولہ کا کون ولی مقرر ہوسکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں جب کوئی عصبہ نہیں، تو صرف ولایت نکاح ماں کو ہے، نابالغ پر ولایت مال اور جائداد پر اختیار، ماں بہن خواہ ان رشتہ کے چچاؤں کسی کو نہیں، جبتک مورث نے ان میں سے کسی کو وصی نہ کیا ہو کہ باپ کے بعد ولایتِ مال اس کے وصی کو ہے، یعنی جسے اُس نے وصیت کی ہو کہ تو میرے بعد میری جائداد یا اولاد کی غور پرداخت کرنا۔ وہ نہ ہو تو اُس کا وصی، وہ نہ ہو تو دادا، وہ نہ ہو تو اس کا وصی، وہ نہ ہو تو اُس کے وصی کا وصی وہ نہ ہو تو پردادا، وہ نہ ہو تو اس کا وصی، پھر وصی الوصی، وعلیٰ ہذا القیاس، پھر ان میں کوئی نہ ہو تو حاکم اسلام، یا اس کا وصی، ان کے سوا کوئی ولی مال نہیں، فی الدر المختار ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ، ثم جدہ الصحیح وان علا، ثم وصی وصیہ، ثم القاضی، او وصیہ ایھما تصرف صح دون الام، او وصیھا، ھذا فی المال بخلاف النکاح اھ ملخصا، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۔ (نوٹ) اصل میں سوال نہیں ہے، لیکن جواب سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کسی فاتر العقل کے تصرفات

نکاح وعقد بیع سے متعلق تھا جس کو بعد میں ایسے ولی نے جائز کر دیا تھا، جو باپ اور دادا کے علاوہ تھا۔ (عبدالمنان)

الجواب ۔ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَاب ۔ مدار صحت ونفاذ تصرفات وترتیب احکام میں تو یہ عقل ہے، یہ جو محض بےعقل ہے اس کے تصرفات راسًا باطل، کہ اجازت اولیا کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے، اور جو نفع و ضرر میں قدرے تمیز حاصل، اور عقل سے کچھ بہرہ ہے، مثلاً بیع وشرا کو سالب وجالب ملک، اور غبن قلیل وکثیر میں تفرقہ اور مقصود تجارت حصول منفعت جانتا ہے، یا مسلوب الحواسی اس کی دائمی نہیں، نہ ہوش میں آنے کا وقت معین، گاہے عقل سے بیگانہ گاہے بالکل ہوشیار وفرزانہ تو اس صورت میں امثال نکاح وبیع وشرا وغیرہا تصرفات اُس کے کہ نفع وضرر دونوں کو محتمل اُس ولی کی اجازت پر موقوف رہیں گے، جسے اُن تصرفات کا اُس کے نفس ومال میں خود اختیار حاصل ہو، اگر ولی نہیں یا ولی کو ایسے تصرف کی خود پر وانگی نہیں، یا ہے مگر وہ جائز نہ رکھے، تو یہ باطل ہو جائیں گے فی حاشیۃ الدر المختار للعلامۃ السید احمد الطحطاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، واما ذاھب العقل اصلا فان تصرفہ لاتلحقہ الاجازۃ اھ و فی الدر (ومن عقد) عقدا یدور بین نفع وضرر کما سیجیئ فی الماذون (منھم) من ھٰؤلاء المحجورین (وھو یعقلہ) یعرف ان البیع سالب للملك والشراء جالب (اجاز ولیہ اورد) وان لم یعقلہ فباطل نھایۃ اھ وفی الطحطاویۃ **قولہ** یعرف ان البیع سالب الخ ویعرف الغبن الیسیر من الفاحش، ویقصد تحصیل الربح و الزیادۃ اھ زیلعی **قولہ** اجاز ولیہ جعل فی الدرایۃ الولی شاملا للعصبات، وحصرہ ابن فرشۃ فی شرح المجمع بالقاضی ومن لہ ولایۃ التجارۃ فی مال الصغیر کالاب والجد والوصی، فلایجوز باذن الاخ والعم والام واجاب المقدسی بحمل ھٰذا التعمیم علی ماللولی فعلہ کالنکاح فتصح اجازتہ من الاخ والعم حموی اھ

ہاں اگر اس کے افاقہ کا کوئی وقت معین ہو، کہ اس وقت خاص بالکل ہوش میں آجانے کا عادی ہے، تو اس حالت افاقہ میں جو تصرف اس سے صادر ہوگا، وہ اس میں مثل سائر عقلاء کے ہے کما ذکرہ الزیلعی، وفسرہ الشلبی نقلہ الطحطاوی لیکن یہ صورت یہاں معدوم، کہ سائل کہتا ہے مسلوب الحواسی اس کی دائمی تھی، جس سے کبھی افاقہ نہ ہوتا، اور اس کے اظہار سے یہ بھی ثابت کہ یہ مہر جو زن مذکورہ کا باندھا گیا، اس کے مہر مثل سے کہیں زائد ہے، پس صورت مستفسرہ میں یہ نکاح وبیع بہر تقدیر راسًا باطل محض ہیں، جن کی صحت و نفاذ کی کوئی سبیل نہیں، خواہ زید بالکل ذاہب العقل ہو، اور کسی طرح کی تمیز نہ رکھتا ہو، جیسا کہ تقریر سوال سے بھی ظاہر ہوتا ہے، یا مجوروں کی دوسری قسم میں داخل ہو جن کے تصرفات کذائیہ اجازت اولیاء پر موقوف رہتے ہیں، تقدیر اول پر بُطلان نہایت واضح کہ لایعقل محض کے تصرفات کو اجازت اولیاء بھی کام نہیں آتی، کما ذکرنا، اور دوسری شق پر جب تقرر مہر میں غبن فاحش ہوا، اور مہر مثل سے بہت زیادہ بندھا، تو ایسا نکاح خود اب وجد کے سوا اور اولیاء کے ہاتھ کا کیا ہوا اصلا صحیح نہیں ہوتا، پھر اونھیں اجازت کا کیا اختیار ہوگا، اور قاعدۂ مقررہ فقہیہ ہے کہ کل تصرف صدر، ومالہ مجیز حالۃ العقد لاینعقد اصلا، درمختار میں ہے وان کان المزوج غیرھما

ای غیر الاب وابیہ ولو الام او القاضی لا یصح النکاح من غیر کفوء او بغبن فاحش اصلا اھ ملخصا، اسی طرح بیع کہ جب قیمت میں کمی فاحش ہوگی، اجازت ولی سے بھی اصلاح ناممکن، تو یہ وہی تصرف ہوا جس کا حال صدور کوئی مجیز نہیں، اور ایسا تصرف باطل ہوتا ہے، فی ردالمحتار علی الدر المختار للعلامۃ السید ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ **قولہ** اجازۃ ولیہ ای ان لم یکن فیہ غبن فاحش فان کان لا یصح و ان اجازہ الولی بخلاف الیسیر جوھرۃ ؎

مسئلہ - از گلشن آباد عرف جاورہ ملک مالوہ، محلہ نظر باغ متصل مکان عالمگیر خاں

مرسلہ سید ذوالفقار احمد صاحب، ۲۳ رشوال ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مساۃ ہندہ فوت ہوئی، اُس کا ایک لڑکا نو سال کا اور ایک زوج، اور ایک پدر، اور دو برادر، وارث رہے، عرصہ ہوا کہ مساۃ ہندہ کا پدر فوت ہوگیا، اب ان وارثوں میں پسر کے رکھنے اور تعلیم کرانے کا اُس وقت کون مستحق ہے، اور جو ترکہ ہندہ کا زیور وغیرہ رہا ہے اُس میں تصرف کا واسطے تربیت پسر متوفیہ کے کون مستحق ہے، اور کس کے پاس رہے گا، بینوا توجروا

مرشدِ دین، ہادیِ راہِ متین جناب مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب دام فیضکم - بعد تسلیم بصد تعظیم وتکریم عرض پرداز خدمت سامی ہے، استفتا ارسال خدمت سامی ہے، یہاں کے بعض علماء ایسا فرماتے ہیں کہ زوجِ ہندہ کل ترکہ ہندہ کا مالک نہیں ہوسکتا، نہ اُس میں تصرف واسطے تعلیم وتربیت پسر کر سکتا ہے، صرف اپنے حصّہ چہارم و حصّہ پسر ہندہ میں اُس کو حق تصرف کا ہے، ترکہ ہندہ سے چہارم اس کو پدر متوفی کا ہے وچہارم ہندہ کے برادران کو ملنا چاہیئے، اندریں باب جیسا حکم شرع شریف ہو اُس سے نیازمند کو آگاہی بخشیں فقط۔

الجواب - لڑکا جبکہ سات سال سے زیادہ عمر کا ہے، اپنے باپ کے پاس رہے گا، اور متروکۂ ہندہ سے جو حصّہ پسر کو ملا یعنی بارہ ۱۲ سہام سے سات سہم، اُس میں تصرف شرعی کا اختیار بھی پسر کے باپ ہی کو ہوگا، ماموں کو کوئی تعلق نہیں جس طرح چھٹا حصّہ کہ ترکۂ ہندہ سے پدر ہندہ کو پہنچا، وہ وارثان پدر ہندہ کا ہے، اُس سے شوہر کو کچھ علاقہ نہیں فی الشامیۃ عن الفتح یجبر الاب علی اخذ الولد بعد استغنائہ عن الام، لان نفقتہ وصیانتہ علیہ بالاجماع، اھ وفی الدر المختار ولیہ ابوہ، ثم وصیہ، ثم جدہ، ثم وصیہ، ثم القاضی، اووصیہ، دون الام، اووصیھا، ھذا فی المال اھ مختصرا، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از لشکر گوالیار، نیا بازار مکان حکیم شریف حسین خاں، مرسلہ علی سین خاں، ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

؎ لیس فی ھذا الجواب علامۃ الاختتام وظنی انہ کامل - (عبد المنان الاعظمی)

تسلیمات نیازمندی معروض خدمت۔ عرض حال یہ ہے کہ یہاں کچہری صاحب جج یک مقدمہ سرپرستی دائر ہے، اسکی کیفیت خلاصہ تحریر کرتا ہوں:۔ میرے دادا حکیم ولایت علی خاں مرحوم نے تین شادیاں کریں، اول زوجہ سے دو پسر اور ایک دختر تولّد ہوئے، اول بی بی کی اولاد سے جو کہ دو پسر تھے، اُن میں سے ایک پسر کلاں لاولد فوت ہوا، دوسرا پسر خود بعارضۂ جسمانی ہاتھ پاؤں سے معذور ہنوز بحیات موجود ہے، دوسری بی بی کی اولاد سے والدم حکیم شریف حسین خاں مرحوم، تیسری بی بی کی اولاد سے ایک پسر مفلوج الاعضا مخبوط الحواس ہنوز موجود ہے، دادا صاحب نے قبل از وفات ایک درخواست عرضی بایں مضمون سرکار میں پیش کی کہ بعد وفات میری تنخواہ سالانہ ۳۴ و جاگیر جو سرکار سے مقرر ہے، بجائے اسم میرے نام شریف حسین خاں معہ تنخواہ و جاگیر کے مقرر فرمایا جاوے، بعد از چندے دادا صاحب کا انتقال ہوگیا، ایک عرصہ بعد ۲۷ نومبر ۱۸۹۲ء کو تقرری اسم والدم سرکار معتمدر فرمایا گیا، بعد تقرری اسم والدم تنخواہ خود سے بطور پرورش برادر خورد مفلوج مخبوط الحواس کو ۱۲ روپے ماہوار، اور والدہ مخبوط الحواس کو ۲۰ جملہ ۳۲ روپیہ ماہوار تا دم مرگ دیئے گئے، اور مکان سکونتی دادا صاحب میں مقیم رکھا، اثنائے حال میں والدم حکیم شریف حسین خاں کا بتاریخ ۱۲ محرم ۱۳۱۵ھ مطابق ماہ جون تاریخ ۱۵، ۱۸۹۶ء کو انتقال ہوگیا، اور ۱۷ جون ۱۸۹۶ء کو والدہ مخبوط الحواس بھی بعارضۂ ہیضہ علیل ہوئیں، اُس وقت مکان سکونتی سے والدہ مخبوط الحواس یعنی میری دادی صاحبہ کو دونوں برادر حقیقی مولوی عبدالغفار و عبدالستار آکر اپنے مکان پر لے گئے، ۲۲ جون ۱۸۹۶ء کو بخانہ برادران مذکور میری دادی صاحبہ فوت ہوگئیں، بعد فوت ہوجانے میری دادی صاحبہ کے ہر دو برادران دادی صاحبہ نے مکان سکونتی و دو دکانات پر آکر میرے قفل لگائے ہوئے توڑ کر اپنے قفل از راہِ مداخلت بیجا کے لگادیئے، جب میں نے فوجداری میں استغاثہ کیا تو مولوی عبدالغفار ملزمان نے اپنی سرپرستی بہ نسبت اُس مخبوط الحواس یعنی ہمشیرہ زادہ خود ظاہر کیا، چنانچہ یہ مقدمہ درجہ بدرجہ کچہری صاحب جج تک پہنچ گیا ہے، صاحب جج نے فتوٰی شرع شریف بہ نسبت سرپرستی ملزمان مذکور طلب کیا ہے، لہٰذا خدمت عالی میں عرض کرکے طلبگار فتوٰی کا ہوں:۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حق سرپرستی مخبوط الحواس کی میری جائز ہے، یا بمقابلہ میری ہر دو ماموں مخبوط الحواس کی سرپرستی درست ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب۔ مخبوط ناعاقل یا صغیر نابالغ کی سرپرستی دو امر میں ہے، ایک نکاح، دوسرے مال۔ اس مخبوط کی ولایت نکاح تو اس کے بھائی کو ہے جو حکیم ولایت علی خاں کی زوجہ اولٰی سے ہے، اور اس کا ہاتھ پاؤں سے معذور ہونا مانعِ ولایت نہیں، بشرطیکہ عاقل بالغ ہو، ورنہ سائل کہ اس مخبوط کا بھتیجا ہے، اس کا ولی ہے، اس کے ہوتے ماموں کوئی چیز نہیں، درمختار میں ہے الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ علٰی ترتیب الارث والحجب بشرط حریۃ و تکلیف، فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام، ثم الاخت، ثم ولد الام، ثم ذوی الارحام، العمات، ثم الاخوال الخ اور ولایت مال صرف اُس شخص کو ہے جسے حکیم ولایت علی خاں اپنے بعد اپنی اولاد و جائداد کی غور پرداخت سپرد کرگئے، اپنا وصی بناگئے ہوں

وہ نہ رہا ہو تو وہ شخص جسے وصی مذکور اسی طرح اپنا وصی کرگیا ہو، وہ بھی نہ ہو تو وہ جسے مخبوط کے دادا نے اپنا وصی کیا ہو، وہ بھی نہ رہا ہو تو وہ جسے دادا کا وصی اپنا وصی کرگیا ہو، ان کے سوا کسی کو اس مخبوط کی ولایت مال نہیں پہنچتی، درمختار میں ہے ولیه ابوه ثم وصیه بعد موته، ثم وصی وصیه، ثم بعدهم جده الصحیح، وان علا ثم وصیه، ثم وصی وصیه، ثم القاضی او وصیه هذا فی المال بخلاف النکاح کما مر فی بابه، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ: از پٹنہ محلہ لودی کٹرہ مرسلہ قاضی محمد عبدالوحید صاحب ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغوں کے لئے حد بلوغ کیا ہے، مرد ہوں یا عورت۔

الجواب: لڑکا بارہ سال، اور لڑکی نو برس سے کم عمر تک ہرگز بالغ وبالغہ نہ ہوں گے، اور لڑکا لڑکی دونوں پندرہ برس کامل کی عمر میں ضرور شرعاً بالغ وبالغہ ہیں، اگرچہ آثار بلوغ کچھ ظاہر نہ ہوں، ان عمروں کے اندر اگر آثار پائے جائیں، یعنی خواہ لڑکے، خواہ لڑکی[عہ] سوتے خواہ جاگتے میں انزال ہو، یا لڑکی کو حیض آئے، یا جماع سے لڑکا حاملہ کردے یا لڑکی کو حمل رہ جائے، تو یقیناً بالغ وبالغہ ہیں، اور اگر آثار نہ ہوں، مگر وہ خود کہیں کہ ہم بالغ وبالغہ ہیں، اور ظاہر حال ان کے قول کی تکذیب نہ کرتا ہو، تو بھی بالغ وبالغہ سمجھے جائیں گے اور تمام احکام بلوغ کو نفاذ پائیں گے، اور اگر[عہ] داڑھی مونچھ نکلنا یا لڑکی کے پستان میں ابھار پیدا ہونا کچھ معتبر نہیں، درمختار میں ہے بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والجاریة بالاحتلام والحیض والحبل، فان لم یوجد فیهما شیئ فحتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة به یفتی وادنی مدته له اثنتا عشرة سنة، ولها تسع سنین، ردالمحتار فان راهقا فقالا بلغنا صدقا، ان لم یکذبهما الظاهر، فیشترط لصحة اقرارہ ان یکون یحتلم مثله والا لایقبل قوله، شرح وهبانیة، وهما حینئذ کبالغ حکماً فلا یقبل جحوده البلوغ بعد اقرارہ مع احتمال حاله اھ باختصار، عالمگیریہ میں ہے ولا یحکم بالبلوغ ان ادعی وهو مادون اثنتا عشرة سنة فی الغلام وتسع سنین فی الجاریة کذا فی المعدن، ردالمحتار میں ہے لااعتبار لنبات العانة ولا اللحیة، واما نهود الثدی ففی الحموی انه لایحکم به فی ظاهر الروایة، وکذا ثقل الصوت کما فی شرح النظم الهاملی، ابوالسعود، وکذا اشعر الساق والابط والشارب، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: ۲۶ شعبان ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مجنون ہوگیا، اور اس کے ورثا میں اس کی ایک بیوی ہندہ اور اس کے چند لڑکی لڑکا اور اس کا ایک برادر حقیقی خورد عمر موجود ہے، زید نے بزمانہ صحت وثبات عقل اپنے مکان مسکونہ کے علاوہ اپنی مملوکہ ایک دوسرے مکان میں عمر کو بود وباش کی اجازت دیدی تھی، چنانچہ عمر تخمیناً دس

عہ لفظ لڑکی کے بعد "کو" ہونا چاہئے ۱۲ عبدالمنان الاعظمی، عہ یہاں "اگر" زلۃ قلم ناسخ سے ہے،

سال سے مکان مذکور میں سکونت پذیر ہے، عمرو کا چونکہ اب یہ ارادہ ظاہر ہوا کہ ڈیڑھ دو سال کے بعد بارہ سال گزرنے پر وہ زید کے مکان پر حق موروثیت قائم کرے گا، اس واسطے ہندہ عمرو سے کہتی ہے، کہ اگر میری تم کفالت نہ کرو اور مکان کا کرایہ بھی مطلق نہ دو، تو زید کے مکان کا کرایہ نامہ ہی لکھ دو، مگر عمرو اس سے قطعاً انکار کرتا ہے، شرعاً اس میں کیا حکم ہے، آیا ہندہ کا عمرو سے کرایہ نامہ مکان کے تحریر کر دینے کے واسطے شرعاً بجا ہے یا نہیں، اور عمرو کا کرایہ نامہ لکھنے سے انکار کرنا شرعاً روا ہے یا نہیں، دوسرے یہ کہ ہندۂ مذکور کی ایک لڑکی قریب بلوغ ہے اور ہندہ اس کا عقد کر کے اپنا وارث بنانا چاہتی ہے، مگر عمرو مذکور اس امر سے سخت مانع ہے تاکہ ہندہ اپنا کسی کو وارث بنا کر مملوکہ مکان سے بے دخل نہ کرا دے، لہٰذا شرعاً ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے، اور ہندہ کو شرعاً کیا کرنا چاہئے، بینوا باللہ وتوجروا الجزیل۔

الجواب۔ جبکہ زید اُس دوسرے مکان کا بھی مالک تھا اور اس نے عمرو کو احساناً سکونت کے لئے دیا تھا تو زید کے مجنون ہوتے ہی وہ عاریت جاتی رہی، اور عمرو کو کوئی اختیار اس میں مفت سکونت کا نہ رہا۔ لان المجنون لا تصرف لہ ولا علیہ لاحد ولایۃ التبرع من مالہ، عمرو پر لازم ہے کہ وہ مکان کو خالی کر دے، ورنہ کرایہ نامہ باضابطہ لکھ کر معقول کرایہ جو ایسے مکان کے لئے ہوتا ہے، ادا کرے، ورنہ سخت گنہگار رہو گا، خالی کرایہ نامہ لکھ دینا کافی نہ ہوگا، لڑکی کا عقد کسی کفو سے خود کر دے، اور وہ نہ مانے تو اُس کی ماں کہیں معقول جگہ کر دے۔ ولی اگرچہ عمرو ہے، مگر وہ جب بدنیتی سے انکار کرے، تو ماں باختیار خود اُس کا نکاح کر سکتی ہے، حسب بیان سائل اور کوئی لڑکی کا ولی نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ۔ از پیلی بھیت　　سلخ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے منجملہ چند ورثا کے صرف ایک وارث کے نام جائداد بذریعہ بیعنامہ جس کا زرِ ثمن مشتری نے ادا نہیں کیا لکھ دی، اس کے چوتھے روز یعنی تحریر بیعنامہ سے بائع فوت ہوگیا، بائع کے مرض کی طرف سے غالب گمان اس کے فوت ہونے کا تھا، اور بہت ضعیف گمان اس کے صحتیاب ہونے کا تھا، اب اس صورت میں یہ تحریر مرض الموت میں تصوّر کی جا سکتی ہے، اور مرض الموت کتنی مدت تک مانا جا سکتا ہے۔

الجواب۔ ہاں یہ تحریر مرض الموت میں ہوئی جبتک مرض سے خوف ہلاک غالب ہو مرض الموت ہے، جب مرض مزمن ہو جائے خوف ہلاک غالب نہ رہے، اُس وقت وہ مرض الموت نہیں رہتا، جبتک اس میں نئی ترقی ہو کر پھر خوف ہلاک کا غلبہ نہ ہو جائے، درمختار میں ہے المختار انہ ما کان الغالب منہ الموت وان لم یکن صاحب فراش ردالمحتار میں نورالعین سے اس میں محیط سے ہے ذکر محمد فی الاصل مسائل تدل علی ان الشرط خوف الھلاک غالباً، لاکونہ صاحب فراش، اسی میں زیلعی سے ہے لانہ فی ابتدائہ یخاف منہ الموت، ولھٰذا ایتداوی فیکون مرض الموت، وان صار صاحب فراش بعد التطاول فھو کمرض حادث حتی تعتبر تصرفاتہ

من الثلث، اور مرض الموت میں ایک وارث کے ہاتھ بیع اگرچہ مناسب قیمت کو بھی ہو بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے ہاں اگر وہ جائز کردیں جائز ہوجائے گی، درمختار میں ہے وقف بیع المریض لوارثہ علی اجازۃ الباقی، ردالمحتار میں ہے فان مات منه ولم یجد وارثه یبطل، فتح، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ مستفسرہ مولوی عبداللہ صاحب طالب علم بہاری بروز چہارشنبہ ۲ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین، بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے اور زید کے لڑکے دونوں نے ملکر ایک بقال سے اپنے مکان ذاتی پر روپیہ قرض لیا، بعد چند عرصہ کے اس بقال نے کہ جس کا قرض ہے نالش عدالت میں دائر کردی، اب وہ نیلام ہونے لگا، اور اس بقال کی ڈگری ہوگئی، تو زید کے پوتے حقیقی نے کہ جو زید اور زید کے لڑکے سے ہمیشہ علٰحدہ رہتا تھا، اپنی بذات خاص سے وہ روپیہ قرضدار کا ادا کردیا، اور نیلام اپنے نام سے چھڑالیا، اُس وقت میں جب یہ قرض ادا کیا گیا تھا اور نیلام چھڑایا گیا زید زندہ تھا، اور زید کا لڑکا بھی زندہ تھا، اب زید فوت ہوگیا، اور زید کا لڑکا حیات ہے، مگر مثل پیشتر کے اب بھی اپنے باپ سے علٰحدہ ہے، اب اُس وقت میں زید کا لڑکا یعنی اُس نیلام چھڑانے والے کا باپ اپنے اُس لڑکے کو اس مکان سے نکالتا ہے، کہ جس نے قرض ادا کیا تھا اور نیلام چھڑایا تھا، اور بوجہ نیلام چھڑانے کے وہ مکان زید کا زید کے پوتے کے نام ہے، زید کے پوتے کی والدہ کا انتقال ہوگیا، اور زید کے لڑکے نے اپنی دوسری شادی کرلی، زید کے پوتے کو اس والدہ دوسری سے کچھ تعلق نہیں ہے، لہٰذا زید کا پوتا اپنا روپیہ جو نیلام میں دیا ہے پاسکتا ہے، یا اُس مکان کو پاسکتا ہے، مطابق شرع شریف کے جواب تحریر فرمایا جاوے، بینوا توجروا،

الجواب ۔ اگر زرِ ڈگری کم تھا اور نیلام زیادہ کو ہوا، اور قرض دیکر باقی روپیہ مالکانِ مکان کو دیا گیا، اگرچہ ایک ہی روپیہ یا اُس سے بھی کم ہو، اور مالکان نے وہ بقیہ لے لیا، تو زید کا پوتا اُس مکان کا مالک ہوگیا، زید کا بیٹا اُسے نہیں نکال سکتا، اور اگر مالکان مکان نے زرِ نیلام کچھ نہ پایا تو شریعت میں زید کا پوتا اس مکان کا مالک نہ ہوا، نہ وہ شرعًا مکان کا مستحق ہے، نہ پسر زید سے زرِ نیلام کا دعوٰی کرسکتا ہے، مکان پسر زید و وارثانِ زید کا ہے، زید کا پوتا اپنے روپے کا مطالبہ عندالشرع اُس بیٹے سے کرسکتا ہے، اور ظاہر ہے کہ دنیا میں اس سے نہیں لے سکتا، لہٰذا صبر کرے کہ اس نے خود اپنا مال ضائع کیا، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ مسئولہ عبدالوحید، محلہ سمرارا باغ، الہ آباد بروز شنبہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

(۱) شریعت میں مجنون کی کیا تعریف ہے۔ (۲) مجنون کی ولایت کا حق کن لوگوں کو حاصل ہے۔ (۳) مجنون کا حق شرعی جو اُس کے مورث کے مال سے اس کو پہنچا ہو مجنون کی حالتِ جنون میں اس کے حصہ کی ولایت کا حق کن لوگوں کو حاصل ہے۔ (۴) شرعًا مجنون وصبی ایک حکم میں ہیں یا علٰحدہ علٰحدہ۔ (۵) مجنون کی حالت جنون میں اپنی زوجہ کو طلاق دیدے

توطلاق واقع ہوگی یا نہیں۔ (۶) ہندہ کے ورثا زید سے ایسی حالت میں کہ زید مجنون ہے ڈرا کر لفظ طلاق کہلوائیں تو طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں، اور ایسی حالت میں کہ اُس کا کوئی ولی اس موقع پر موجود نہ ہو۔ (۷) مسلوب العقل ہونے کی حیثیت سے صبی اور مجنون کا ایک حکم ہے یا علیحدہ۔ (۸) صبی کی طلاق حالت صبا میں واقع یا نہیں، فقط۔

الجواب الملفوظ۔ (۱) جس کی عقل زائل ہوگئی ہو بلا وجہ لوگوں کو مارے، گالیاں دے، شریعت نے اس میں کوئی اپنی اصطلاح جدید مقرر نہیں فرمائی، وہی ہے جسے فارسی میں دیوانہ، اردو میں پاگل کہتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲) مجنون کی ولایت عصبہ کو ہے، سب میں مقدم اس کا بیٹا عاقل بالغ، وہ نہ ہو تو باپ، پھر دادا، پھر بھائی، پھر بھتیجا، پھر چچا، پھر چچا کا بیٹا، الیٰ آخر العصبات، واللہ تعالیٰ اعلم، (۳) ولایتِ مال صرف سات کو ہے:۔ بیٹا، پھر اس کا وصی، پھر باپ، پھر اُس کا وصی، پھر دادا، پھر اُس کا وصی یا ان وصیوں کا وصی علی الترتیب، اور ان میں کوئی نہ ہو تو حاکم اسلام، واللہ تعالیٰ اعلم، (۴) شرعاً مجنون و صبی غیر عاقل ایک حکم میں ہیں، اور صبی عاقل کا حکم اس سے جُدا ہے، وہ خرید و فروخت باجازت ولی کر سکتا ہے، اور مجنون نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم، (۵) مجنون کی طلاق نہیں واقع ہوسکتی، واللہ تعالیٰ اعلم، (۶) ڈرائیں یا نہیں ولی موجود ہو یا نہیں مجنون کے دیئے طلاق نہیں ہوسکتی، جبکہ اس کا جنون ثابت ہو، واللہ تعالیٰ اعلم، (۷) اس کا جواب گزرا کہ صبی لایعقل اور مجنون کا ایک حکم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، (۸) نہیں واقع ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بیعنامہ بنام بکر تصدیق کرا دیا، نقل شامل سوال ہے، مگر زرِ ثمن کا لین دین نہیں ہوا، صرف اقرار ہوا ہے، مگر اس کے بعد ایک دعوی تنسیخ دستاویز مذکور کا زید نے کچہری میں کیا، دعویٰ اور جواب دعویٰ بھی شامل سوال ہے، تو دریافت طلب یہ ہے کہ کیا جبکہ حواس صحیح نہ ہوں، اس کی بیع مذکور بغبن فاحش ہے، اور اس کو ایسی بیع کا اختیار ہے یا نہیں، اور اگر کرے تو کیا حکم ہے۔

الجواب۔ جو شخص کم سمجھ ہو، تدبیر ٹھیک نہ ہو، کبھی عاقلوں کی سی باتیں کرے، کبھی مدہوشوں کی سی، اگر جنون کی حد تک نہ پہنچا ہو، لوگوں کو بے سبب مارتا گالیاں دیتا نہ ہو، وہ معتوہ کہلاتا ہے، شرعاً اس کا حکم سمجھ وال بچے کی مثل ہے اگر برابر بلکہ دونی قیمت کو بیچے وہ بھی بے اجازت ولی مال نافذ نہیں، اگر یہ ولی رد کر دے گا باطل ہوجائے گی، اور غبن فاحش کے ساتھ جس طرح حسب بیان سائل صورت سوال میں ہے کہ پچاس ہزار کی جائداد بیس ہزار کو بیع کی، ایسی بیع تو باطل محض ہے، کہ ولی کی اجازت سے بھی نافذ نہیں ہوسکتی، حتیٰ کہ اگر خود معتوہ بعد صحت اسے جائز کرے جائز نہ ہوگی فان الاجازۃ انما تلحق الموقوف وھذا باطل لصدورہ ولا مجیز، درمختار میں ہے المعتوہ حکمہ کممیز، ردالمحتار میں ہے احسن ما قیل فیہ من کان قلیل الفہم مختلط الکلام فاسد التدبیر الا انہ لا یضرب ولا یشتم کما یفعل المجنون" درر" درمختار میں ہے تصرف الصبی والمعتوہ الذی یعقل البیع والشراء ان کان نافعا محضا کالاسلام والاتہاب صح بلا اذن، وان ضارا کالطلاق والقرض لا، وان اذن بہ ولیہما، وما تردد من العقود بین نفع وضرر کالبیع والشراء توقف

علی الاذن" ردالمحتار میں ہے" قولہ کالبیع ای ولوبضعف القیمۃ، جامع الصغار میں ہے لوان الصبی طلق اووھب اوتصدق اوباع بمحاباۃ فاحشۃ اواشتری باکثرمن قیمتہ قدرمالایتغابن الناس فی مثلہ اوغیرذالک من العقود فمالوفعلہ ولیہ فی صغرہ لایجوزعلیہ، فھذہ العقود کلھا باطلۃ لاتتوقف، وان اجازھا الصبی بعدالبلوغ لاتجوز، ہاں اگرمعتوہ یانابالغ کواس کے ولی مال (یعنی باپ نے اور وہ نہ ہو توباپ کے وصی اور وہ نہ ہو تو دادا اور وہ نہ ہو تواس کے وصی اور وہ نہ ہو توحاکم وقاضی نے تجارت کا اذن دیا ہے، تواس کی بیع جائز ہے، اگرچہ غبن فاحش سے ہو، درمختارمیں ہے فان اذن لھما الولی فھمافی شراءوبیع کعبدماذون فی کل احکامہ، ردالمحتارمیں ہے فیجوزبیعہ بالغبن الفاحش عندہ خلافالھما، عالمگیریہ میں ہے المعتوہ الذی یعقل البیع والشراء بمنزلۃ الصبی یصیرماذونا باذن الاب والوصی والجد دون غیرھم، خزانۃ المفتین، ولواذن للمعتوہ ابنہ کان باطلا، وعلی ھذا لواذن لہ اخوہ اوعمہ اوواحدمن اقربائہ سوی الاب والجد فاذنہ باطل، مبسوط، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ ازپرو چڑان، موضع کوٹلہ مدہو، ڈاکخانہ غوث پور، ریاست بھاولپور، تحصیل خان پور،

مرسلہ ابوالمنظور محمدغوث بخش صاحب ۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طلاق صبی کے متعلق جو اصول فقہ میں لکھتے ہیں کہ عندالحاجۃ واقع ہوجاتی ہے، حاجت کی کون کون صورتیں ہیں، آیا یہ صورت ذیل عندالحاجۃ میں داخل ہوسکتی ہے، کہ ایک ناکح بعمر ۱۲ سال ہے اور منکوحہ اس کی بعمر ۲۰ سال، مگراعمال اس عورت کے فاحشہ ہیں، حاملہ من الزنا ہوجاتی ہے، اور اسقاط کرادیتی ہے، اور ایسا معاملہ اُس سے باربار ہوا ہے، اور بوجہ غیربلوغ ناکح وعدم ہیئوتت کے نان نفقہ سے ازحد تنگ ہے، تو ایک گونہ فعل حرام مذکور اس کا باخذ اجرت حرام اضطراری تصور ہوتا ہے، برآں التماس ہے کہ بندہ گرد اور قاضی علاقہ کا ہے، ایسی صورتیں واقع ہوتی ہیں، بڑی تفصیل وکافی جواب سے ممتاز فرمادیں،

الجواب ۔ صبی ہرگز اہل طلاق نہیں، نہ اس کے دیئے طلاق واقع ہو، نہ اس کی طرف سے اس کا ولی خواہ کوئی طلاق دے سکے، اگر دے ہرگز واقع نہ ہوگی، اصول میں کہ ذکر حاجت ہے صرف دو صورتوں میں منحصر ہے، اوّل یہ کہ صبی عاقل کافر کی زوجہ اسلام لائی، حاکم شرع نے صبی پر اسلام پیش کیا، اس نے انکار کردیا، تفریق ہوگی، اور یہ مذہب صحیح میں طلاق قرار پائیگی دوم یہ کہ صبی آلت بریدہ تھا، عورت نے دعوٰی کیا، قاضی نے تفریق کردی، یہ بھی علی الصحیح طلاق ہے، وبس تیسری صورت ایک قول ضعیف پر ہے کہ صبی عاقل معاذاللہ مرتد ہوگیا، جو اسے طلاق جانتے ہیں طلاق کہیں گے، اور صحیح یہ کہ ردت سے نکاح فسخ ہوتا ہے اگرچہ شوہر ارتداد کرے، تو یہ طلاق نہیں، اس مسئلہ کی اعلٰی تحقیق مع ازالہ جملہ اوہام فتاوٰی فقیر کتاب الطلاق میں ہے، اشباہ احکام الصبیان میں ہے لایصح طلاقہ ولاعتقہ الاحکمافی مسائل ذکرناھا فی الفوائد، قواعد میں فرمایا الصبی لایقع

طلاقہ الا اذا اسلمت فعرض علیہ ممیزا فابٰی وقع الطلاق علی الصحیح وفیما اذا مجبوبا وفرق بینھما فھو طلاق علی الصحیح، ظاہر ہے کہ صورت سوال ان صورتوں میں نہیں، تو اس میں وہی حکم ہے کہ لا یصح طلاقہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وصلی علٰی سیدنا ونبینا وآلہ وصحبہ وسلم۔ الٰی جناب الفاضل العالم مفتی بلد بانس بریلی السید احمد رضا القادری سلمہ امین، سیدنا، ماقولکم دام فضلکم فی رجل کان مرتب سبیل لہ بمکۃ علی یدنا فی کل عام ثلاثین روبیۃ، و اعطانا فی حیاتہ مدۃ اعوام، ثم توفی الی رحمۃ اللہ، ولنا فی ذمتہ باقی کم سنۃ حق السبیل، ثم اتینا الی وارثہ واطلعناہ علی ما بیدنا فلجاب المذکور بانی سأؤدی عن المیت ماھو محرر بموجب الدفتر ومارضی بربیۃ عشرۃ، وحرر فیہ سندا بارسال المبلغ فی وقت معلوم، ثم لم یرسل فاتینا الیہ ثانیا وطلبنا منہ فاجاب، ان کان شرعا یجب علینا فانا اعطی افتونا ھل یجب علیہ اداء المبلغ الذی علی المیت بموجب اقرارنامۃ سندلہ ام لا ولکم الاجر والثواب۔

الجواب - نعم یجب علی وارثہ القابض بعدہ علی اموالہ ان یؤدی ماعلیہ قال من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین" وان کان قد القاہ ھذا اجاریا فیجب علیہ ایضا اداء ماعلی نفسہ الی الاٰن قال تعالٰی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ وھذا اوقع العقد بحسب الشرع ووفی بہ صاحبہ کما ھو المرجوء، واللہ تعالٰی اعلم۔

کتاب الغصب

مسئلہ - یکم ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید غنی نے اپنے جوان پسر کی آمدنی یہ کہہ کر لینی شروع کی کہ ہم جمع رکھیں گے تاکہ تمہاری شادی میں خرچ کریں، اور واقع میں اس کے خلاف کیا، بلکہ وہ مال اپنے مصارف میں اٹھالیا، تو اس صورت میں زید پر اس کا تاوان آئے گا، یا مالِ پسر کا مالک سمجھا جائے گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب - بیشک تاوان دے گا، اور اگر رضائے پسر نہ تھی تو گناہ علاوہ، قال تعالیٰ "وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" باپ بیٹے کے مال کا اُس کی زندگی میں ہرگز مالک نہیں وقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انت ومالك لِاَبِيْكَ من باب البر، فتح القدیر کے باب الوطی الذی یوجب الحد میں ہے لم تكن له ولاية تملك مال ابنه حال قيام ابنه، نہ باپ کو بے رضا و اجازت پسر اس کے مال سے ایک حبہ لینے کا اختیار، قال تعالیٰ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ، مگر جبکہ باپ فقیر محتاج ہو اور بیٹا غنی، تو صرف بقدر نفقہ کے بلا اطلاع پسر بھی لے سکتا ہے اگرچہ بیٹا راضی نہ ہو، وهو محمل قوله صلى الله تعالى عليه وسلم ان اطيب ما اكل الرجل من كسبه وان ولده من كسبه، قال في الفتح اخرجه اصحاب السنن الاربعة عن عائشة رضى الله تعالى عنها، صح **قلت** والدارمي والبخارى فى التاريخ **قال** حسنه الترمذى **قلت** وصححه ابوحاتم، **قال** قدس سره فان قيل هذا يقتضى ان له ملكا ناجزا فى ماله، قلنا نعم لولم يقيده حديث رواه الحاكم وصححه البيهقى عنها مرفوعا ان اولادكم هبة لكم يهب لمن يشاء اناثا ويهب لمن يشاء الذكور، واموالهم لكم اذا احتجتم اليها، ومما يقطع بانه مؤول، انه تعالىٰ ورث الاب من ابنه السدس مع ولد ولده، فلوكان الكل ملكه لم يكن لغيره شئ مع وجوده اھ درمختار میں ہے فى المبتغى للفقير ان يسرق من ابنه الموسر ما يكفيه ان ابى ولا قاضى ثمه والا اثم اھ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ - ۲۸ رجادی الآخرہ ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا یہ قول ہے کہ سود کا روپیہ اور چوری کا روپیہ اور جوئے کا روپیہ اور غصب کا روپیہ اور جو تجارت سودی روپیہ سے ہو اور وکالت یا مختار کاری کا پیسہ اور منصفی اور صدر

صدوری اور فوج کی تنخواہ کا روپیہ، یہ سب حرام ہیں، اگر اس روپیہ سے کھانا تیار کیا جاوے یا کپڑا بنایا جاوے تو حرام ہے کھانا ایسا کھانا حرام ہے، اور اس کھانا پر تسمیہ کرنا کفر ہے۔ اور عمرو کا یہ قول ہے کہ یہ پیسہ حرام نہیں ہے بلکہ مالکِ مال چور کو بعد چُرائے جانے مال کے بخش دے، اگر چور کو اُس کے بخشنے کی خبر ہی نہ ہو، یعنی مالک مال یہ کہدے کہ جو میرا مال چور لے گیا ہے میں نے بخشا اور معاف کیا، تو وہ مال چور کی ملک ہوگیا، وہ حرام نہیں ہے، اسی طرح جوئے وغیرہ اور وکالت اور سود کا بھی یہ حکم ہے، اب زید کو جستجو اُس مال کی ہے، جو از روئے شرع حرام ہے کہ اس سے بچنا اور احتراز کرنا بہتر ہے، مسلمانوں کو، امید کہ جو پیسہ حرام ہے اُس سے آگاہی فرمائی جاوے، تاکہ اُس پیسہ سے بچنا موجب خیرات وبرکات کا ہو، اور حرام کے مال سے صدقہ اور خیرات کرکے امید ثواب کی رکھنا یہ درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا من اللہ تعالیٰ

الجواب ۔ سود اور چوری اور غصب اور جوئے کا روپیہ قطعی حرام ہے، اور اسی طرح وکالت ومختار کاری جس طرح اس زمانہ میں رائج قطعاً حرام ہے، اور اُس کی اجرت بھی قطعاً حرام۔ اور ہر وہ نوکری جس میں خلاف حکمِ خدا ورسول فیصلہ یا حکم کرنا پڑے، خواہ ریاستِ اسلامی کی ہو یا غیر کی قطعاً حرام، اور اُس کی اجرت بھی قطعاً حرام، یونہیں ہر معصیت کی اُجرت حرام ہے کل ذالك ثابت بالقرأن العظیم، والحدیث والفقه، ومعروف معلوم عند اھل العلم وکل من رزق صحبتھم، اور بے ضرورت سود دینا بھی اگرچہ حرام ہے کما فصّلناہ فی فتاونا، مگر وہ روپیہ کہ اُس نے قرض لیا، اس سے تجارت میں جو کچھ حاصل ہو حلال ہے فان الخبث فیما اعطی لا فیما اخذ وھذا اظاھر جدا، اور حرام مال مثل زرِ غصب ورشوت وسرقہ واجرت معاصی وغیرہ سے جو چیز خریدی جائے، اس کی چند صورتیں ہیں، ایکؔ مثلاً غلہ فروش کے سامنے روپیہ ڈال دیا کہ اس کے گیہوں دیدے، اس نے دیدیئے، یا بزاز کو روپیہ پہلے دیدیا کہ اس کا کپڑا دیدے، یہ گیہوں اور کپڑا حرام ہے، دوسرؔے یہ کہ روپیہ پہلے تو نہ دیا مگر عقد ونقد دونوں اس روپیہ پر جمع کئے، یعنی خاص اس حرام روپیہ کی تعیین سے اُس کے عوض خریدا، اور یہی روپیہ قیمت میں ادا کیا، مثلاً غلہ فروش کو یہ حرام روپیہ دکھا کر کہا اس روپیہ کے گیہوں دیدے، اُس نے دیدیئے، اس نے یہی روپیہ اُسے دیدیا، اس صورت میں یہ گیہوں حرام ہیں، تیسرؔے یہ کہ نہ روپیہ پہلے سے دیا نہ اس پر عقد ونقد جمع کئے، اس کی پھر تین شکلیں ہیں، اول یہ کہ اُس سے کہا ایک روپیہ کے گیہوں دیدے، کچھ اس روپیہ کی تخصیص نہ کی، کہ اس کے بدلے دے، جب اس نے تول دیئے اس نے زرِ ثمن میں جو بعوض گندم اس کے ذمہ واجب ہوا تھا، یہ حرام روپیہ دیدیا، اس صورت میں نقد تو زرِ حرام کا ہوا، مگر عقد کسی خاص روپیہ پر نہ ہوا، دوؔم یہ کہ پہلے اُسے حلال روپیہ دکھا کر اس کے بدلے گیہوں لیئے، جب اُس نے دیدیئے اس نے وہ حلال روپیہ اٹھالیا اور قیمت میں زرِ حرام دیدیا، اس صورت میں عقد زرِ حلال پر ہوا، اور نقد حرام کا۔ سوؔم یہ کہ اُس کا عکس یعنی پہلے اسے حرام روپیہ دکھا کر کہا، اس کے گیہوں دے، پھر دیتے وقت حلال روپیہ دیا، اس صورت میں عقد زرِ حرام پر ہوا اور نقد حلال کا۔ بہرحال تینوں صورتوں میں عقد ونقد دونوں زرِ حرام پر جمع نہ ہوئے

نہ پہلے سے زرحرام دے کر چیز خریدی کہ حقیقۃً یہ بھی اجتماع عقد و نقد کی صورت تھی، ان تینوں صورتوں میں بھی بڑا قوی مذہب ہمارے ائمہ کا یہ ہے کہ وہ گیہوں حرام ہوں گے، مگر زمانہ کا حال دیکھکر ائمہ متاخرین نے امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی کا قول اختیار کیا کہ ان شکلوں میں وہ چیز حرام نہ ہوگی، اور اس کا کھانا کھلانا، پہننا پہنانا، تصرف میں لانا جائز ہوگا، اس آسان فتوے کی بنا پر ان حرام روپیہ والوں کے یہاں کا کھانا پان وغیرہ کھانا پینا مسلمانوں کو روا ہے کہ وجہ حرام سے ان لوگوں کو بعینہ یہ کھانا نہیں آتا، بلکہ روپیہ آتا ہے، یہ اُس کے عوض اشیا خرید کر کھانا تیار کراتے ہیں اور خریداری میں عام طریقہ شائعہ کے طور پر عقد و نقد کا اجتماع نہیں ہوتا، بلکہ غالب بیع وشرا صورت ثالثہ کی شکل اول پر واقع ہوتی ہیں کما لا یخفی، ردالمحتار میں ہے فی التتارخانیۃ رجل اکتسب مالا من حرام، ثم اشتری، فھذا علی خمسۃ اوجہ اما ان دفع تلک الدراھم الی البائع اوّلا ثم اشتری منہ بہا، او اشتری قبل الدفع بہا ودفعہا، او اشتری قبل الدفع بہا ودفع غیرھا، او اشتری مطلقاً، ودفع تلک الدراھم او اشتری بدراھم اخر، ودفع تلک الدراھم، قال ابونصر یطیب لہ ولا یجب علیہ ان یتصدق الا فی الوجہ الاول، والیہ ذھب الفقیہ ابوالليث لکن ھذا خلاف ظاھر الروایۃ فانہ نص فی الجامع الصغیر، اذا غصب الفا فاشتری بہا جاریۃ، وباعہا بالفین تصدق بالربح، وقال الکرخی فی الوجہ الاول والثانی لا یطیب، وفی الثلاث الاخیرۃ یطیب، وقال ابوبکر لا یطیب فی الکل، لکن الفتوی الاٰن علی قول الکرخی دفعا للحرج عن الناس، اھ وفی الولوالجیۃ وقال بعضھم لا یطیب فی الوجوہ کلہا وھو المختار، ولکن الفتوی الیوم علی قول الکرخی دفعا للحرج لکثرۃ الحرام، اھ وعلٰی ھذا مشی المصنف فی کتاب الغصب تبعا للدرر وغیرہ، پھر جن صورتوں میں وہ کھانا ان دونوں مذہب پر حرام ہے یعنی دو صورت پیشیں، اُن میں اگر بسم اللہ کہہ کر کھایا بُرا کیا، مگر کافر ہرگز نہ کہا جائے گا، اس کی حرمت ضروریات دین سے ہونا درکنار اجماعی بھی نہیں فان من العلماء من قال یحل ابدال ما لا یتعین مطلقا، لعدم تعلق العقد بعینہ بل بالذمۃ، فلا یسری الخبث وھو القیاس، وعلیہ یبتنی علی ما فی فتاوی العلامۃ السطوری عن المحیط، اشتری بالدراھم المغصوبۃ طعاما حل التناول، شرح فقہ اکبر میں ہے فی التتمۃ من قال عند ابتداء شرب الخمر و الزنا واکل الحرام بسم اللہ کفر فیہ، انہ ینبغی ان یکون محمولا علی الحرام المحض المتفق علیہ وان یکون عالما بنسبۃ التحریم الیہ، بان تکون حرمتہ مما علم من الدین بالضرورۃ کشرب الخمر، اور حرام مال کو صدقہ کرکے امید ثواب رکھنی بھی مطلقاً کفر نہیں، اگر وہ چیز عین حرام نہ ہو بلکہ زر حرام کے معاوضہ میں خریدی، جب تو ظاہر کہ اس کی حرمت مجمع علیہ بھی نہیں، اور اگر عین حرام ہے اور اسے مالک تک نہیں پہنچا سکتا، خواہ اس وجہ سے کہ اُسے مالک یاد نہ رہا، یا یہ سرے سے مالک کو جانتا ہی نہیں، مثلاً اس کے مورث

نے مال غصب کیا تھا، یہ عین مغصوب کو جانتا ہے، اور مغصوب منہ سے محض ناواقف، یا یوں کہ مالک مرگیا، اور کوئی وارث نہ رہا، تو ان سب صورتوں میں شرع مطہر اُسے تصدق کا حکم دیتی ہے، جب اس نے صدقہ کیا حکم بجالایا، اور فرمانبرداری پر امیدِ ثواب رکھنا محذور نہیں، شرح فقہ اکبر میں ہے فی المحیط من تصدق علی فقیر شیئا من الحرام یرجوالثواب کفر، وفیہ بحث لان من کان عندہ مال حرام فھو مامور بتصدقہ علی الفقراء فینبغی ان یکون ماجورا بفعلہ حیث قام بطاعۃ اللّٰہ وامرہ فلعل المسئلۃ موضوعۃ فی مال حرام یعرف صاحبہ، ویعدل عنہ الی غیرہ فی عطائہ لاجل سمعتہ وریائہ کما کثر ھٰذا فی سلاطین الزمان وامرائہ، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی یا وہ شخص کہ جس کا مال حرام کا ہو، مثل سود خوار وغیرہ کے اگر وہ کوئی شے مثل لوٹا یا چٹائی یا دری وغیرہ مسجد میں ڈال دے، تاکہ نمازی اس سے وضو کریں، یا اس پر نماز پڑھیں جائز ہے یا نہیں، اور اس سے اُس کے مال کی حرمت آتی ہے یا نہیں، اور اُس کی خرید بھی دست بدست اور تعین ثمن کے ساتھ نہیں، بلکہ چیز کو خرید کر ثمن بعد کو ادا کرتے ہیں۔

الجواب ۔ اگر رنڈی نے کچھ روپیہ کسی سے قرض لیا، اور کسی وجہ سے کوئی حلال مال حاصل کیا، اور اُن چیزوں کی قیمت میں یہی مال حلال دیا، اور خریدتے وقت بھی مال حرام کی طرف اشارہ نہ کیا تھا، یعنی حرام روپیہ دکھا کر یہ نہ کہا تھا کہ اس کے عوض دیدے، جب تو یہ چیزیں بالاجماع اُس رنڈی کی ملک طیب و حلال ہیں، جن میں کوئی شبہہ حرمت نہیں، کہ اس صورت میں مال حرام کو ان اشیا کی خریداری سے اصلاً تعلق نہ ہوا، اور اگر مالِ حرام دکھا کر خریدیں، اور قیمت دیتے وقت مال حلال دیا، یا مال حلال دکھا کر خریدیں، اور قیمت دیتے وقت مال حرام دیا، یا خریدتے وقت کوئی مال نہ دکھایا تھا صرف مطلقاً خریداری کرلی، مثلاً یوں کہا کہ ایک روپیہ کی یہ چیز دیدے، جب اُس نے دیدی تو اُس کی قیمت مال حرام سے ادا کردی، ان تینوں صورتوں میں اگرچہ علماء کا اختلاف ہے، مگر فتوٰی امام کرخی کے قول پر دیا گیا کہ ان صورتوں میں بھی وہ اشیاء اُس رنڈی کے لئے حلال ہوں گی، ان وجوہ پر خرید کر مسجد میں لوٹے چٹائی وغیرہ رکھے گی تو ان لوٹوں سے وضو اور اُس چٹائی پر نماز کے جواز کا حکم دیں گے، اگرچہ رنڈی پر اُس کے حرام فعلوں کا وبال الگ، اُن کے بدلے اجرت لینے کا عذاب جدا، اور اُس حرام مال کو خرچ میں لانے کا مؤاخذہ علاوہ، ہاں اگر عقد و نقد دونوں مال حرام میں جمع ہوں، یعنی حرام ہی روپیہ دکھا کر کہے کہ اس کے عوض دیدے، اور قیمت میں دے بھی وہی حرام روپیہ تو اس قول مفتی بہ پر بھی وہ شئے حرام و خبیث رہے گی، اور اس میں تصرف ناجائز ہوگا، مگر آجکل بیع و شرار میں غالباً یہ صورت واقع نہیں ہوتی، تنویر الابصار میں ہے تصدق اذا کان متعینا اوشری بدراھم الودیعۃ اوالغصب ونقد ھا وان

اشار الیہا ونقد غیرھا او اطلق ونقدھا لاوبہ یفتی اھ بتلخیص، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از پیلی بھیت، مرسلہ عبدالرحمٰن خاں صاحب مدرس تحصیلی اسکول ۲/ جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۱۰ھ

زید نے جوئے میں روپیہ کمایا، اور اسی روپیہ سے اس نے اپنے گھر کا اثاثہ اور اسباب درست کیا ہے، اب زید تائب ہوتا ہے لہذا چاہتا ہے کہ اپنا ذمہ بری کرے، اور جو مال حرام کا اس کے پاس ہے اس کو جدا۔ تو کیا کرے، بینوا توجروا،

الجواب - جس قدر مال جوئے میں کمایا محض حرام ہے فی الدر من السحت ما یاخذہ مقامر، اور اس سے برأت کی یہی صورت ہے کہ جس جس سے جتنا جتنا مال جیتا ہے، اسے واپس دے، یا جیسے بنے اسے راضی کرکے معاف کرالے، وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو واپس دے، یا ان میں جو عاقل بالغ ہوں ان کا حصہ ان کی رضامندی سے معاف کرالے، باقیوں کا حصہ ضرور انہیں دے، کہ اس کی معافی ممکن نہیں، اور جن لوگوں کا پتہ کسی طرح نہ چلے، نہ ان کا نہ ان کے ورثہ کا، ان سے جس قدر جیتا تھا ان کی نیت سے خیرات کردے، اگرچہ اپنے محتاج بہن بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں کو دیدے، اس کے بعد جو بچ رہے گا وہ اس کے لئے حلال ہے، عالمگیری میں ہے کان الاخذ معصیۃ والسبیل فی المعاصی ردھا، وذٰلک ھٰھنا برد الماخوذ ان تمکن من ردہ، بان عرف صاحبہ اوبالتصدق منہ ان لم یعرفہ، ردالمحتار میں ہے ان علمت اصحابہ اوورثتھم وجب ردہ علیھم، والا وجب التصدق بہ، غرض جہاں جہاں جس قدر یاد ہوسکے کہ اتنا مال فلاں سے ہار جیت میں زیادہ پڑا تھا، اتنا تو انہیں یا ان کے وارثوں کو دے، یہ نہ ہوں تو ان کی نیت سے تصدق کرے، اور زیادہ پڑنے کے یہ معنی کہ مثلاً ایک شخص سے دس بار جوا کھیلا کبھی یہ جیتا کبھی یہ، اس کے جیتنے کی مقدار مثلاً سو روپے کو پہنچی، اور یہ سب دفعہ کے ملاکر سوا سو جیتا، تو سو سو برابر ہوگئے، پچیس اس کے دینے رہے، اتنے ہی اسے واپس دے، وعلی ہذا القیاس، اور جہاں یاد نہ آئے کہ کون کون لوگ تھے اور کتنا لیا، وہاں زیادہ سے زیادہ تخمینہ لگائے کہ اس تمام مدت میں کس قدر مال جوئے سے کمایا ہوگا، اتنا مالکوں کی نیت سے خیرات کردے، عاقبت یونہیں پاک ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - چہ فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین، درحق کسیکہ بحیلہ و مکر از دوست خود زر گرفت و گفت کہ اگر نہ دہی ایں مضرت بتو رسانم، یا برائے رنجانیدن خلق اللہ، واظہار غلبہ وصولت خود با شخصے بزرگ ومعزز دوستی کرد، تاکہ خلائق ازیں کس بہ تعلق آں شخص بزرگ بہ ترسند، بینوا توجروا،

الجواب - بمکر وحیلہ و وعید وتہدید بناحق زر از کسے گرفتن حرام قطعی ست، باز اگر ایں بزور ستاند غصب باشد، واگر آں بترس مضرت خویش دہد رشوت بود وہر دو حرام وفی النار، ومستوجب غضب جبار قہار ست، والعیاذ باللہ تعالیٰ، قال تعالیٰ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل، الآیۃ، ورنجانیدن وترسانیدن خلق اللہ و

تجبر وتکبر ہمہ محرمات قطعیہ است، در حدیث ست حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمایند شَرُّ النَّاسِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَنْ یُخَافُ لِسَانُہٗ اَوْ یُخَافُ شَرُّہٗ، بدترین مردم در منزلت روز قیامت کسے باشد کہ بندگانِ خدا از زبان وزیان او خائف وترساں باشند، اخرجہ ابن ابی الدنیا فی کتاب ذمّ الغیبۃ عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ وخود فرمودہ سیّد الانام علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلاۃ والسلام لا یبغی علی الناس الا ولد بغی والا من فیہ عرق منہ "ستم وتعدّی برمرداں نکند مگر زنازادہ یاکسیکہ در وے رگے از زناست، رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از بلگرام شریف محلہ میدان پورہ، مرسلہ حضرت سیّد ابراہیم صاحب ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پارچہ گاذر کے یہاں گیا، اور اُس کے یہاں سے دوسرے شخص کا بمعاوضہ اُس کے آیا، وہ کپڑا استعمال میں لانا درست ہے یا نہیں، اور اگر پھر گم شدہ پارچہ اُس کے بدلے نہ ملے تو وہ کپڑا جو غیر کا اُس کے پاس آیا ہے وہ گاذر کو دیدے یا کسی محتاج کو، بینوا توجروا،

الجواب ۔ اگر لینے سے پہلے معلوم ہو کہ یہ کپڑا غیر کا ہے، تو سرے سے لینا ہی درست نہیں، اور دھوکے میں لے لیا پھر معلوم ہوا، تو استعمال میں لانا حلال نہیں، کما نصوا علیہ فی مسئلۃ تبدل الملأۃ والمکعب بملأۃ غیرہ اومکعبہ کما فی الخانیۃ والھندیۃ وغیرھما، وقد قال اللہ تعالٰی اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا یحل لمسلم ان یاخذ عصا اخیہ بغیر طیب نفس منہ قال ذالک لشدۃ ماحرم اللہ من مال المسلم علی المسلم، رواہ ابن حبان فی صحیحہ عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ، وفی الخانیۃ والھندیۃ والبزازیۃ، واللفظ لھذہ، اذا قال القصار ھذا ثوبک و قال المالک لیس ھذا ثوبی فاخذہ رب الثوب عوضا عن ثوبہ لا یحل لبسہ ولا بیعہ، فھذا النص المسئلۃ اما ماذکروا عقیبہ من الاستثناء بقولھم الا ان یقول ربہ اخذتہ عوضا عنہ ویقول القصار نعم، اھ، **فاقول** یجب حملہ علی ما اذا علما وساغ ان یکون الثوب للقصار، وقد ذکر فی الخانیۃ وخزانۃ المفتین فروعا، فصلوا فیھا بین ما یکون الثوب للقصار اولغیرہ، اما اذا علم ان الثوب لغیرہ فکیف یحل لک لبسہ وتملکہ بمعاوضۃ جرت بینک وبین من لا یملک من دون اجازۃ من المالک، ھذا مما لا یتصور، فلیتأمل ولیحرر، اور جبکہ اس نے دھوبی سے لیا اور دھوبی کا قبضہ باذن مالک ہوتا ہے، تو اس کے لئے گری پڑی بے وارث چیز کا حکم نہیں ہو سکتا، کہ محتاج کو دے سکے، بلکہ گاذر ہی کو واپس دے، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از اوجین مکان میر خادم علی اسسٹنٹ، مرسلہ ملّا حاجی یعقوب علی خاں ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے نزدیک تمام و کمال روپیہ از قسم سود و رشوت ہے، تو اس قسم کے اموال پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے یا نہیں، اور ایسے مال و زر سے اقسامِ نیازِ بزرگان و ادائے حج درست ہے یا ممنوع، اور اس روپیہ کی تبدیل کی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں، بیان فرمادیا بعبارت کتب۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب - سود و رشوت اور اسی قسم کے حرام و خبیث مال پر زکوٰۃ نہیں، کہ جن جن سے لیا ہے اگر وہ لوگ معلوم ہیں تو انھیں واپس دینا واجب ہے، اور اگر معلوم نہ رہے تو کُل کا تصدّق کرنا واجب ہے، چالیسواں حصّہ دینے سے وہ مال کیا پاک ہوسکتا ہے جبکہ باقی انتالیس حصّے بھی ناپاک ہیں، درمختار میں ہے لازکوٰۃ لوکان الکل خبیثا کمافی النھر من الحواشی السعدیۃ، ردالمحتار میں ہے مثلہ فی الشرنبلالیۃ وذکرہ فی شرح الوھبانیۃ بحثا وفی الفصل العاشر من التاترخانیۃ عن فتاوی الحجۃ، من ملك اموالا غیر طیبۃ لازکوٰۃ علیہ فیھا اھ ملخصا، اُسی میں ہے، فی القنیۃ لوکان الخبیث نصابا لاتلزمہ الزکاۃ لان الکل واجب التصدق علیہ فلایفید ایجاب التصدق ببعضہ اھ، ومثلہ فی البزازیۃ، اُسی میں ہے لان المغصوب ان علمت اصحابہ اوورثتھم وجب ردہ علیھم والا وجب التصدق بہ، اور ایسے مال سے نیازِ بزرگاں کرنا بھی جائز نہیں، نہ ہرگز اُس سے کچھ حاصل، کہ نیاز کا مطلب ایصالِ ثواب ہے، اور ثواب ثمرۂ قبول ہے، اور قبول مشروط بپاکی، حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَایَقْبَلُ اِلَّا الطَّیِّبَ اللہ عزوجل پاک ہے پاک ہی چیز کو قبول فرماتا ہے، خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوا وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ قصد نہ کرو خبیث کا کہ اُس سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو، علماء فرماتے ہیں جو حرام مال فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھے اُس پر کفر عائد ہو، والعیاذ باللہ تعالٰی، فتاوٰی ظہیریہ میں ہے رجل دفع الٰی فقیر من المال الحرام شیئا یرجو بہ الثواب یکفر، **اقول** وباللہ التوفیق، تحقیق مقام یہ ہے کہ اگر اُس نے اس مال حرام کو اپنی ملک خاص جان کر بطور تبرع تصدق کیا جیسے مسلمان اپنے پاکیزہ مال کو بہ نیت نفل وتطوع تقربًا الی اللہ صدقہ کرتا اور اُس پر اپنے ربّ کریم سے امید ثواب رکھتا ہے، کہ بے ایجابِ شرع اُس نے اپنی خوشی سے اپنے پاک مال کا حصہ اپنے رب کی رضا کے لئے صرف کیا، جب تو یہ تصرف حکم شرع سے جدا اور یہ خیال شرع مطہر کے خلاف ہے، اور اُس پر ہرگز اس کے لئے ثواب نہیں، اسی کی بعض صورتوں میں فقہاء نے حکم تکفیر کیا، اور اگر یوں نہ تھا، بلکہ اس مال کو خبیث و ناپاک ہی جانا اور اپنے گناہ پر نادم ہوکر تائب ہوا، اور بحکم شرع اپنے تصرف میں لانا ناجائز سمجھا، اور اپنے نفس کو اُس میں تصرف سے روکا، اور ازاں جاکہ اُس کے ارباب معلوم نہ رہے بجا آوری حکم شرع کے لئے اُسے تصدق کیا، اور اُسی بجا آوری فرمان پر امیدوار ثواب ہوا، تو بیشک اس میں اصلا حرج نہیں، بلکہ اُسی کا اُسے شرعًا حکم تھا، اور اس تصدق پر اگرچہ ثوابِ صدقہ نہیں، مگر اس امتثال حکم کا ثواب بیشک ہے، بلکہ یہ فعل اس کے توبہ کا تتمہ ہے، اور توبہ قطعًا

موجب رضائے الٰہی و ثواب اخروی ہے، پھر جس عمل پر آدمی خود ثواب پائے اس ثواب کو دوسرے مسلمانوں کو بھی پہنچا سکتا ہے لعموم قولھم ان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ، تو اس توبہ و بجا آوری حکم کا ثواب اگر نذر بزرگان کریں کچھ مضائقہ نہیں، ھٰذا ھو التحقیق واللّٰہ ولی التوفیق اتقن ھٰذا فلعلک لاتجدہ فی غیر ھٰذہ السطور اور اس مال سے حج کرنا بھی جائز نہیں کہ اسے حکم تو یہ تھا کہ جن سے لیا اُنھیں واپس دے، وہ نہ معلوم ہوں تو تصدق کردے اس کے سوا جس کام میں صرف کیا جائے گا خلاف حکم شرع و موجب گناہ ہوگا، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ حج کرلیا تو فرض ذمہ سے اتر گیا، جیسے چوری اور غصب کے کپڑے سے نماز پڑھنا فان الخبث انما ھو فی المجاور فلا یمنع الصحۃ پھر بھی اس پر امید ثواب کا محل نہیں، بلکہ اسے کہا جائے گا لا لبیک ولا سعدیک وحجک مردود علیک حتی تردما فی یدیک نہ تیرے لبیک قبول نہ خدمت مقبول اور تیرا حج تیرے منہ پر مارا گیا، یہاں تک کہ تو یہ ناپاک مال جو تیرے ہاتھ میں ہے واپس دے نسأل اللّٰہ العفو والعافیۃ ھٰذا ما جزمت بہ لظھورہ ظھورا بینا ثم اتفق مراجعۃ ردالمحتار فرأیت فیہ التصریح بذالک کلہ حیث قال فی بیان الحج بمال حرام، الحج نفسہ لیس حراما بل الحرام ھو انفاق المال الحرام ولا تلازم بینھما کما ان الصلوۃ فی الارض المغصوبۃ تقع فرضا، وانما الحرام شغل المکان المغصوب، وقال فی البحر یجتھد فی تحصیل نفقۃ حلال فانہ لایقبل بالنفقۃ الحرام، کما ورد فی الحدیث مع انہ یسقط الفرض عنہ معھا ولا تنافی بین سقوطہ وعدم قبولہ فلا یثاب لعدم القبول ولا یعاقب عقاب تارک الحج، اھ مختصرا، اور تبدیل اس طرح کہ کسی سے قرض لیکر اپنے خرچ میں لائے، خواہ حج و تصدق و نذر و نیاز و تعمیر مساجد وغیرہا میں اُٹھائے، اور قرض اس ناپاک مال سے ادا کردے اگرچہ یہ صورت اُن تصرفات کے جائز ہونے میں تو بکار آمد ہے، کہ اب یہ روپیہ جو ان کاموں میں اٹھا رہا ہے ناپاک نہیں، فی الھندیۃ عن الملتقط أکل الربا او کاسب حرام اھدی الیہ او اضافہ وغالب مالہ حرام لایقبل ولا یاکل مالم یخبرہ ان ذالک المال اصلہ حلال ورثہ او استقرضہ، اھ مثلہ عن الینابیع، مگر اس حیلہ سے نہ وہ گناہ اس سے زائل ہو، نہ اس ناپاک مال کا وبال سر سے اترے، نہ اُس سے قرض ادا کرنا روا، بلکہ یہ دوسرا گناہ ہوا کہ حکم شرع تو اصحاب حقوق کو واپس دینا یا تصدق کرنا تھا، اس نے کچھ نہ کیا بلکہ اپنی ادائے قرض میں لگادیا، تو ثابت ہوا کہ خبیث مال والوں کو یہ حیلہ نافع نہیں، بلکہ مضر و موجب گناہ ہے فان قلت الیس قال فی الھندیۃ الحیلۃ فی ھٰذہ المسائل ان یشتری نسیۃ ثم ینقد ثمنہ من ای مال شاء، وقال ابو یوسف سألت ابا حنیفۃ عن الحیلۃ فی مثل ھٰذا فاجابنی بما ذکرنا کذا فی الخلاصۃ اھ، وانما الحیلۃ لتحصیل الجواز، قلت انما قال ذالک فی اموال الشبھۃ کالجوائز السلطانیۃ ای حیث لم یعلم کونھا عین الحرام، فانہ لایجوز اخذہ لاحق للفقیر کما نص علیہ فی الھندیۃ ایضا وغیرھا، ونص عبارتہ قبل ھذا فی شرح حیل الخصاف شمس الائمۃ

رحمہ اللہ تعالٰی ان الشیخ ابا القاسم الحکیم کان یاخذ جائزۃ السلطان وکان یستقرض لجمیع حوائجہ وما یاخذ من الجائزۃ یقضی بہا دیونہ، والحیلۃ فی ھذہ المسائل الی اخرما مر فھذا انما ھو فی امثال ھذا، لا فی المال الخبیث الواجب التصدق فان فیہ مناقضۃ لما امر بہ الشرع کما علمت فاعلم ذالک وتفہم. واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم عزشانہ احکم۔

مسئلہ - ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص زید کے نمبرداری میں عمرو کی جزوی حقیت شامل ہو پٹی جداگانہ زید نے صرف اپنی جائداد کا ٹھیکہ بکر کو دیدیا، اور خود ترک وطن کیا، بکر اور عمرو باہم اپنے اپنے حاصلات لیتے رہے۔ آخر سال کا حاصل بوجہ تکرار باہمی عمرو وبکر کے عمر کو وصول نہیں ہوا، تب عمر نے نالش زید وبکر دونوں پر دائر کی، بالآخر زید پر ڈگری ہوگئی، بحالت اجراء اُس ڈگری گے وہ ڈگری بمقابلہ زید کے تمادی ایام میں خارج ہوگئی، تو اس ڈگری کا روپیہ ذمہ زید کے واجب الادا رہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب - سائل مظہر کہ زید وعمرو کی پٹیاں جدا جدا ہیں، اور عمرو نے اپنی پٹی کے پیٹے اسامیوں کو خود دیئے اور آپ تحصیل کرتا رہا، چند سال سے بکر ٹھیکہ دار حقیت زید نے اپنے دباؤ کے سبب عمرو کی پٹی بھی تحصیل لی، اس صورت میں عمرو کا مطالبہ حقیقۃً اپنے اسامیوں پر ہے، کہ انھوں نے غیر شخص کو اس کا آتا ہوا کیوں دیدیا، اور بکر نے بوجہ اس زیادہ ستانی کے ظلم کیا، مگر زید کی طرف سے کوئی تعدی نہیں نہ اُس پر عمرو کا مطالبہ تھا، نہ اس نے اسامیوں سے اس کا حق تحصیل لیا، نہ عمرو کے کوئی خاص معین روپے اسامیوں کے پاس رکھے تھے، کہ وہ بکر نے اُن سے لیکر زید کو دیدیئے، تو زید اس مطالبہ سے بالکل بری ہے، اس کی ڈگری محض بیجا ہوئی، عمرو کو اس سے کچھ لینا جائز نہیں، قال اللہ تعالٰی لا تزر وازرۃ وزر اخرٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ - از شہر کہنہ ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک موضع کا مالک ہے، اور بکر زید کی رعایا گاؤں میں زمین جوتتا ہے، اور لگان زید کو دیتا ہے، اور کچھ زمین اور اُس گاؤں میں بے لگانی ہے، اُس میں بکر نے چند درخت لگائے ہیں، اور پھل کھاتا ہے، اور ان درختوں پر زید اُس سے کچھ لگان نہیں لیتا ہے، اور حاکم وقت نے بھی یہی حکم جاری کر رکھا ہے، کہ زمین کا مالک جو ہے، وہی درختوں کا مالک ہے، صرف پھل پھول کھانے کا بکر کو اختیار ہے' اور بکر نے بلا اجازت زید کے مخالفانہ اون درختوں کو خالد کے ہاتھ فروخت کردیا، زید نے بکر اور خالد پر نالش کی کہ بکر کو بیچنے کا منصب نہیں تھا، اور یہ بموجب حکم حاکم فاسد ہے، حاکم نے وہ درخت زید کو دلادیئے، اور یہ بھی حکم دیا کہ خالد اپنے روپے کا دعوٰی بکر پر کرے، تو اس صورت میں دراصل وہ درخت حق زید کے ہیں' یا بکر کے، یا خالد کے، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ یہاں دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ درخت بکر نے باذن واجازت زید لگائے، خواہ یوں کہ زید نے صراحۃً خاص بکر، یا سب سکّان دیہہ کو عام اذن دیا، خواہ یوں کہ حسب عرف رواج دیہہ مالک کی طرف سے مزارعین کو اذن عرفی تھا، دوسرے یہ کہ محض بلا اذن بطور خود بکر نے لگالیے۔ پہلی صورت میں درخت مطلقاً زید کی ملک ہوں گے مگر یہ کہ خود اذن مذکور کا مطلب ہی یہ ہوا کہ لگانے والا مالک ہو، مثلاً اذن عرفی میں عرف ہی یوں تھا یا اذن صریح میں لفظ یہ تھے کہ اپنے لئے لگالو، تو اس صورت میں درخت ملک بکر ہوں گے، اور زمین عاریت، یا یہ کہ بکر نے برخلاف مطلب اذن لگاتے وقت یہ کہہ دیا کہ میں خود اپنے لئے لگاتا ہوں، اس میں درخت ملک بکر ہوں گے، اور وہ بوجہ مخالفت اذن ظالم و غاصب کہ فوراً درخت اکھیڑ کر زمین خالی کر دینے کا حکم دیا جائے گا، اور دوسری صورت میں یعنی جبکہ بے اذن مالک رکھے گئے، درخت مطلقاً ملک بکر ہوں گے، اور وہ غاصب قرار پائے گا، مگر یہ کہ رکھتے وقت اُس نے کہہ دیا ہو کہ زید کے لئے لگاتا ہوں، اس صورت میں ملک زید ہوں گے، اور بکر کا کوئی دعوٰی نہیں، ھٰذا اجملۃ الحکم فی ذالک وتعرف تفاصیل المسألۃ من شتی التنویر، والدر، وحواشیہ و وقف الاشباہ، وشروحہ، وغصب الہندیۃ، وغیرھا، من الکتب المعتمدۃ، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲ شوال ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے آراضی مسجد کی جو اُس کے پیچھے تھی اپنے مکان میں ڈال لی ہے، اور دیوار بنوالی، اور تاج محراب مسجد و مینار مسجد دبا کر اپنی دیوار بلند کرلی، ایسے شخص کے واسطے کیا حکم شرع شریف ہے، فقط

الجواب ۔ فاسق، فاجر، ظالم، جائر، مرتکب کبائر، مستحق عذاب النار وغضب الجبار ہے والعیاذ باللّٰہ تعالٰی، رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں لا یاخذ احد شبرا من الارض بغیر حقہ الا طوقہ اللّٰہ الٰی سبع ارضین الٰی یوم القیٰمۃ، جو شخص ایک بالشت بھر زمین ناحق لے گا، اللّٰہ تعالٰی وہ زمین، زمین کے ساتوں طبقوں تک اُس کے گلے میں قیامت کے دن تک طوق بنا کر ڈالے گا، رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ، والشیخان عن ام المؤمنین وعن سعید بن زید رضی اللّٰہ تعالٰی عنہم، اور فرماتے ہیں صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم من اخذ من الارض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیٰمۃ الٰی سبع ارضین، جو شخص کسی قدر زمین ناحق دبا لے گا، قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبق تک دھنسا دیا جائے گا، رواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما، اور فرماتے ہیں صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم، ایما رجل ظلم شبرا من الارض کلفہ اللّٰہ عزوجل ان یحفرہ حتی یبلغ اٰخر سبع ارضین، ثم یطوقہ یوم القیٰمۃ حتی یقضی بین الناس، جو شخص ایک بالشت زمین ناحق لے لے، اللّٰہ تعالٰی اُسے تکلیف دے کہ اُس زمین کو کھودے، یہاں تک کہ ساتویں طبقے کے ختم تک پہونچے، پھر

قیامت کے دن اُس کا طوق بنا کر اُس کے گلے میں ڈالے، یہاں تک کہ تمام مخلوق کا حساب کتاب ختم ہوکر فیصلہ فرمادیا جائے، رواہ احمد والطبرانی وابن حبان فی صحیحہ بسند جید عن یعلی بن مرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، من اخذ شیئا من الارض بغیر حلہ طوقہ اللہ من سبع ارضین لایقبل اللہ منہ صرف ولا عدل، جو کسی قدر زمین ناجائز طور پر لے اللہ تعالیٰ ساتوں زمینوں سے اُس کے گلے میں طوق ڈالے، نہ اُس کا فرض قبول ہو، نہ نفل، رواہ احمد والطبرانی عن سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حدیثیں اس باب میں متواتر ہیں، اُس شخص پر فرض ہے کہ مسجد کی زمین وعمارت فوراً فوراً خالی کردے، اور اپنی ناپاک تعمیر جو اُن پر کرلی ہے، ڈھاکر دور کرے، اللہ قہار جبار کے غضب سے ڈرے، ذرا مَن دو مَن نہیں بیس پچیس ہی سیر مٹی کے ڈھیلے گلے میں باندھ کر گھڑی دو گھڑی لئے پھرے، اُس وقت قیاس کرے کہ اس ظلم شدید سے باز آنا آسان ہو یا زمین کے ساتوں طبقوں تک کھود کر قیامت کے دن تمام جہان کا حساب پورا ہونے تک گلے میں، معاذاللہ یہ کروروں مَن کا طوق پڑنا، اور ساتویں زمین تک دھنسا دیا جانا، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ رجب ۱۳۱۵ھ از شہر کہنہ بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالد کی زوجہ سے بلاطلاق دیئے خالد کے نکاح کرلیا، اور خالد بعد معلوم ہوجانے نکاح اپنی زوجہ کے، زو کے ساتھ سرکار میں جاکر کے عرضی دی، اور زوجہ خالد نے بھی ازخ نان اور نفقہ اور مہر کی عرضی خالد پر دی، اور ہنوز دونوں کا مقدمہ دائر ہے، لیکن اس عرصہ میں پنچوں نے جمع ہوکر دونوں کو راضی اپنے فیصلہ پر کرلیا، اور فیصلہ پنچوں کا اس طور پر ہوا کہ زید کو بوجہ مرتکب ہونے اس امر ناجائز کے مبلغ پچاس روپیہ جرمانہ، اور مبلغ دس روپیہ صرفہ خالد ادا کئے، اور خالد نے اپنی زوجہ کو طلاق دی، اور مبلغ مذکور بھی پنچوں نے زید سے ادا کئے، اور اب روپیہ موصوف پنچوں کے تحت میں ہے، جب زید نے دیکھا کہ یہ روپیہ بیکار رہا جاتا ہے کہ یہ لوگ شیرینی وغیرہ میں صرف کریں گے، تو اس نے مجبور ہوکر کے کہا کہ تم لوگ اس روپیہ کو ایک مسجد کی تعمیر یا مرمت کرو، تو پنچوں نے راضی ہوکر خالد سے بھی روپیہ صرفہ کا لے لیا، یعنی اس کو بھی تعمیر مسجد یا مرمت مسجد میں صرف کریں گے، بعد اس کے پنچوں میں سے ایک شخص نے پنچوں سے روپیہ لیکر زید کو دیدیا، اور کہا کہ ایسا جائز نہیں ہے، پھر بعد تھوڑی دیر کے زید سے روپیہ مذکور واپس لے لیا، آیا اس روپیہ کو مرمت مسجد یا تعمیر مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب ۔ اول یہ مال حرام تھا کہ جرمانہ جو پنچ لیتے ہیں ناجائز ہے فان المصادرۃ بالمال منسوخۃ عند نا وان کانت فالی الامام دون العوام، اور جو صرفہ خالد کو زید سے دلایا وہ بھی ناجائز تھا فانہ تضمین باطل لم یرد بمثلہ الشرع، مگر جب زید نے اپنی رضا اور خوشی سے اُس مسجد میں صرف کرنے کی اجازت دیدی، اور اُس کی تکمیل یوں کی

گئی کہ وہ روپیہ اس کو واپس کر دیا، اور پھر اُس سے تعمیر مسجد کے لئے مانگا، اور اُس نے بخوشی دیا جیسا کہ بیان سائل سے معلوم ہوا، تو اب اس کے جواز میں شبہہ نہیں، کما لا یخفی فان الباطل قد زال بالرد، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۔ از مولوی مرزا خاں صاحب پیشاوری ۱۵ محرم ۱۳۱۶ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، کہ ایک شخص کی ایک چیز رکھی ہوئی تھی، وہ چیز لاٹھی فرض کیجئے، دوسرے شخص نے آکر اُٹھالی، اور اُس سے کھیل شروع کیا، اور اس کو حرکت جوالہ دیا، وہ اُس کے ہاتھ سے گر پڑا اور ٹوٹ گیا اب اُس شخص پر ضمان ہے یا نہیں، اگر ہے تو حوالہ کتاب دیجئے، اور اگر نہیں ہے تو حوالہ کتاب دیجئے، بیینوا توجروا۔

الجواب ۔ جبکہ بے اذن مالک اُس نے وہ چیز اُٹھالی، اور اُس کے کھیلنے میں گر کر ٹوٹ گئی، تو اُس پر بلاشبہہ ضمان واجب ہے، فتاوی خانیہ پھر فتاوی ہندیہ میں ہے اذا دخل الرجل دار انسان واخذ متاعا وجحد فھو ضامن، وان لم یحولہ ولم یجحدہ فلا ضمان علیہ، الا ان یھلک بفعلہ او یخرجہ من الدار، فتاوی کبری پھر فتاوی عالمگیریہ میں ہے دخل رجل علی صاحب الدکان باذنہ فتعلق بثوبہ شیئ مما فی دکانہ فسقط لا یضمن لکن تاویلہ اذا لم یکن السقوط بفعلہ ویدہ، وکذالک اذا اخذ شیئا بغیر اذنہ مما فی دکانہ لینظر الیہ فسقط لا یضمن، ویجب ان یضمن الا اذا اخذ باذنہ اما صریحا او دلالۃ، الخ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از پیلی بھیت، قاضی محلہ، مرسلہ قاضی ممتاز حسین صاحب ممتاز، ۲۰ رمضان ۱۳۱۱ھ

زید کا مال عمرو نے چُرایا، چوری کے بعد زید مرگیا، اُس نے لڑکا بکر وارث چھوڑا، اب بکر بھی مرگیا، کوئی اُس کی نسل میں نہ رہا، جو ترکہ ان دونوں کا پائے، اب عقبیٰ میں اُس مال مسروق کے معاف کرنے کا مجاز زید ہے یا بکر، بیینوا توجروا،

الجواب ۔ جو شخص کسی کا مال چُرائے، یا جبراً چھین لے، یا دبا کر رشوت میں لے، یا ظلماً تلف کر دے، تو ان سب صورتوں میں علاوہ جرم شرعی کے جس میں خود سرکار مدعی ہے، (یعنی حقیقی سرکار ابد قرار شریعت نبی مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اُس ظالم پر مظلوم کے دو مطالبے عائد ہوتے ہیں، ایک مطالبۂ ظلم کہ اُسے ستایا، آزار پہنچایا، دوسرا مطالبۂ مال۔ مطالبۂ ظلم تو مطلقاً اُسی مظلوم کے لئے ہے، تو اس کی معافی کا اختیار بھی اُسی کو ہے۔ رہا مطالبۂ مال اُس میں دو صورتیں ہیں، اگر حیات مظلوم میں وہ مطالبہ مردہ ہوگیا جس کے وصول کی اصلاً توقع نہ رہی، مثلاً ظالم مرگیا، اور مال کچھ نہ چھوڑا، جب تو یہ مطالبہ بھی اسی مظلوم کے لئے ہے، اور اسی کے معاف کئے معاف ہوگا، کہ دَین جب مردہ ہوجائے اُس میں توریث جاری نہیں ہوتی، تو مظلوم کے بعد اُس کا بیٹا اس مطالبے کا مالک نہ ہوا، اور اگر اُس کی زندگی میں مطالبہ مردہ نہ ہو، تو بعد انتقال مظلوم پسر مظلوم کی طرف منتقل ہوگا، اور صورت مسئولہ میں مطالبۂ مال کے معاف کرنے کا اختیار بکر کو ہوگا، اور مطالبۂ ظلم سے درگذر کا مجاز زید، ہندیہ میں ہے لومات و ترک عینا و دینا وغصبا فی ایدی الناس

لم یصل شیئ من ذلک الی الورثۃ، فالقیاس ان یکون الثواب بذلک فی الاٰخرۃ للورثۃ لانھم ورثوا منہ وفی الاستحسان ان توی الدین و تمت التوی قبل الموت فالثواب لہ لان التاوی لایجری فیہ الارث، فان توی بعدہ فالثواب للوارث لانہ لایجری الارث فیہ لقیامہ وقت الموت کذا فی الفتاوی العتابیۃ، اُسی میں ہے سرق شیئا من ابیہ ثم مات ابوہ لم یؤاخذ بہ فی الاٰخرۃ لان الدین وھو ضمان المسروق انتقل الیہ و اثم بالسرقۃ لانہ جنی علی المسروق منہ کذا فی الفتاوی العتابیۃ رجل لہ علی رجل دین فتقاضاہ فمنعہ ظلما حتی مات صاحب الدین وانتقل الی الوارث تکلموا فیہ، قال اکثر المشائخ لایکون حق الخصومۃ للاول لکن المختار ان الدین للوارث والخصومۃ فی الظلم بالمنع للاول، لا فی الدین اذا الدین انتقل الی الوارث، کذا فی الظھیریۃ، اسی طرح فتاوٰی خانیہ وغیرہا میں ہے، نیز فتاوٰی خانیہ میں ہے رجل مات ولہ علی رجل حق، ولم یخلف وارثا، قالوا یتصدق المدیون بما علیہ من المیت، لیکون ذٰلک ودیعۃ عند اللہ تعالٰی، فیوصلہ الی خصمہ یوم القیٰمۃ **قلت** فافاد ان من مات لاعن وارث فان الخصومۃ تنتھی الیہ، ولا ینتقل عنہ الی بیت المال وکان الفقہ فی ذالک ان الوضع فی بیت المال لیس علٰی جھۃ الارث، بل لان الضوائع تصیرفیأ للمسلمین، کما نص علیہ فی الدر المختار واوضحہ فی ردالمحتار، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ - ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان خام کو پختہ بنوایا، اور کچھ آراضی بکر کی اپنے مکان میں ڈال لی، اس پر بکر نے منع کیا، اُس کے منع کرنے پر زید کا بھائی عمرو نے ملکر مار پیٹ کیا، اس پر بکر نے اپنا سر جُھکایا تاہم بھی وہ باز نہ آئے، اور عمرو اپنے آپ کو متقی تصور کرتا ہے، اور اہل محلہ کے لوگ بھی ایسا ہی قرار دیتے ہیں، اس وجہ سے یہ سوال قائم کرکے علمائے دین کی خدمت میں یہ التماس ہے، کہ شاید حکم شریعت کو سُنکر عمرو اپنے کئے ہوئے فعل پر نادم ہو، اور بکر کے ساتھ آئندہ کچھ زیادتی نہ کرے، اور حکم شرعی زید و عمرو وہمراہیان کے مع تفصیل علٰحدہ علٰحدہ تحریر فرمائیے، بیّنوا توجروا،

الجواب - صورت مستفسرہ میں عمرو اور اُس کے ساتھی سب ظالم اور مرتکب کبیرہ و مستحق عذاب شدید ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، من اخذ من الارض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیٰمۃ الی سبع ارضین، جو شخص زمین میں سے کچھ ٹکڑا ناحق دبالے، قیامت کے دن وہ ساتویں زمین تک دھنسا دیا جائے گا، رواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم، اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ، جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی، اُس نے مجھے ایذا دی، جس نے مجھے ایذا دی، اُس نے اللہ کو ایذا دی، رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن، تیسری حدیث میں ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم

فقد خرج من الاسلام جو کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد دینے کو چلے، اور اُسے معلوم ہو کہ یہ ظالم ہے، تو وہ اسلام سے نکل گیا، رواہ الطبرانی فی الکبیر عن اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید پر فرض ہے کہ بکر کی زمین اُسے واپس دے، اور زید و عمرو اور اُس کے سب معاون پر فرض ہے کہ بکر کو راضی کریں اور اُس سے اپنا قصور معاف کرائیں، ورنہ روز قیامت اس کے مستحق ہوں گے، کہ ان کی نیکیاں بکر کو دیجائیں، بکر کے گناہ اُن کے سر پر رکھے جائیں، اور یہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں، والعیاذ باللہ، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ ازمراد آباد ۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا، خالد، ولید، عمرو پسران۔ عابدہ، ساجدہ دختران۔ حامدہ زوجہ چھوڑے، ترکہ زید پر صرف خالد قابض رہا، اُس نے ترکہ کو بموجب شرع شریف تقسیم کیا، مگر عابدہ کو زرنقد سے اس کے حصّے کا نصف ادا کیا، اور نصف دینے کا وعدہ کیا، بعدہٗ عابدہ نے انتقال کیا، ایک پسر ایک دختر اور شوہر چھوڑا، وارثان متوفاۃ نے خالد سے باقی نصف جو زرنقد تھا، طلب کیا، تب خالد نے ایک ہفتہ میں ادا کرنے کا وعدہ کیا، اسی طرح خالد پر تقاضے ہوتے رہے، اور وہ ہفتہ وعشرہ میں ادا کا وعدہ کرتا رہا آخر کار خالد نے کہدیا کہ میرے یہاں چوری ہوگئی، اور میرے مال کے ساتھ نصف حصہ عابدہ جو میرے پاس باقی تھا چوری ہوگیا، بعدہ خالد نے اپنے لئے جائداد خریدی، اب یہ دریافت طلب ہے کہ نصف حصۂ عابدہ جو خالد کے پاس رہ گیا ہے، ازروئے شرع شریف خالد کے ذمّے واجب الادا ہیں یا نہیں، بیّنوا توجروا،

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں بقیہ زرنقد حصہ عابدہ کہ خالد کے پاس رہا تھا خالد پر وارثان عابدہ کے لئے واجب الادا ہے، اور چوری جانے کا عذر نامسموع۔ ترکۂ مورث میں ورثار کی شرکت، شرکتِ ملک ہوتی ہے، اور شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصے سے اجنبی ہوتا ہے، بے وجہ شرعی مثل وصایت وولایت وغیرہما ایک کو دوسرے کے حصہ پر قبضہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا، تنویر الابصار میں ہے شرکۃ ملك ان یملك متعدد عینا اودینا بارث اوبیع اوغیرھا وکل اجنبی فی مال صاحبہ، خالد نے اگر بے اذن عابدہ قبضہ کیا، جب تو ظاہر ہے کہ وہ قبضہ ناجائز تھا، اور بعد تقاضا ہر بار اُس سے روکے رہنا ظلم برظلم، اور اگر ابتداءً قبضہ باذن بھی تھا، تو طلب ٹالے بالے حیلے حوالے نے اُسے قبضۂ ظلم وتعدی کردیا، بہرحال اب چوری جانا یا خود خرچ کرلینا، دونوں کا حکم یکساں ہوگیا کہ تاوان لازم ہے، ہدایہ میں ہے الودیعۃ امانۃ فی ید المودع اذا ھلکت لم یضمنھا، فان طلبھا صاحبھا فمنعھا وھو یقدر علی تسلیمھا، ضمنھا، لانہ متعد بالمنع، وھذا لانہ لما طالبہ لم یکن راضیا بامساکہ بعدہ، فیضمنھا بحبسہ عنہ اھ ملتقطا، فقیر کہتا ہے غفراللہ تعالیٰ لہٗ فانقلت ھذا ظاھر فیما اذا کان قبض خالد باذن عابدہ، فانہ حینئذ تکون یدہ یدھا، فاذا منعھا فقد ازال یدا محقۃ واثبت مبطلۃ

ولوحکما، فکان غاصبا، والغصب یضمن هالکا اومستهلکا، اما اذا قبض ابتداء بعد موت المورث من دون اذن الورثة، ولا سبق قبض لهم فلم یوجد ازالة ید محقة، وان ثبت اثبات مبطلة، ولا غصب الا بعد اجتماعهما ففیم یضمن" **قلت** یضمن ضمان التعدی وان لم یعد غاصبا" قال السید العلامة الازهری فی فتح الله المعین، فان قیل وجد الضمان فی مواضع ولم تتحقق العلة المذکورة کغاصب الغاصب فانه یضمن، وان لم یزل ید المالك بل ازال ید الغاصب، والملتقط اذا لم یشهد مع القدرة علی الاشهاد مع انه لم یزل یدا، وتضمن الاموال بالاتلاف تسببا کحفر البیر فی غیر الملك ولیس ثمه ازالة ید احد ولا اثباتها فالجواب ان الضمان فی هذه المسائل لا من حیث تحقق الغصب بل من حیث وجود التعدی کما فی العنایة الخ، ہندیہ میں تاتارخانیہ سے ہے، سئل ابوحامد عن مسافر حمل امتعته علی سفینة لیذهب الی بلدة، ثم مات ومعه ابنه فاخرج الابن تلك الامتعة من تلك السفینة الی سفینة اخری لیذهب لیسلمها الی سائر الورثة، واخذ طریقا یسلکه الناس غیر الطریق الذی کان المیت علی عزم ان یذهب فیه، ثم غرقت السفینة ومات الابن وضاعت الامتعة هل یضمن الابن نصیب سائر الورثة، فقال لا وسئل عنها مرة اخری فقال ان کان اخرجها الی سفینة اخری ومضی بها الی مکان اخر سوی وطن الورثة ضمن، واللّٰہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ از بنگالہ ضلع چاٹگام۔ تھانہ راؤجان، موضع پہرا، مرسلہ مولوی اسمٰعیل صاحب ۱۴ رشوال ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے مثلا زید چند پسران خود یعنی خالد وبکر وغیرہ واموال منقولہ وغیر منقولہ راگذاشتہ از سرائے فانی بدار باقی رحلت فرمود، اکنون از خالد اموال مذکورہ پدر متوفی خود را بزور بازو، وحسب فرائض اللہ تقسیم مستقیم نہ نمودہ وبکر وغیرہ راندادہ، بقبضہ تصرف خود آوردن از قبیل غصب ست یا نہ، وخود خوردن بل دیگران راکہ خارج از ورثہ باشد خورانیدن، ومہمانی ایشاں نمودن، وخود میزبان گردیدن، وبجانب مستحقان اموال مقبوضہ وامتعہ موصوفہ التفات نہ کردن، ایں فعل شرعا صحیح است یا نہ، وغاصب از اشیائے مغصوبہ ضیافت ومہمانی کردن، ونیز مہماناں وخورندگاں را ازاں خوردن شرعا نافذ است یا نہ، واگر غاصب بر فعل غصب اصرار کند وآں تعامل او معلوم می شود، کہ غصب را غصب نہ فہمد، بلکہ فعل غصب را نوعے از حرفت وپیشہ شمرد، حسب شرع شریف بروجہ تعزیر واجب خواہد شد، بینوا بسند الکتاب وتوجروا الی ملك الوهاب۔

الجواب ۔ حرکت مذکورہ بالیقین غصب وحرام ست، قال اللہ تعالٰی لَا تَاْکُلُوْۤا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ و غاصب اگر از عین مغصوب کسے را ہبہ کند یا ہدیہ دہد یا ضیافت خوراند یا باجرت وتنخواہ یا قیمت چیزے دہد، بہرصورت مرداں

را گرفتن وخوردنش حرام ست وقد تناول الکل الأیۃ المتلوۃ کما لا یخفیٰ وباصرار بغصب جز زیادت دروبال وعذاب و استحقاق نار جہنم چیزے فزوں نشود، ومجرد ایں تعامل دلیل بیش ازیں نباشد، آری اگر ثابت شود کہ غصب حرام شرعی را احلال می دارند، آنگاہ البتہ لزوم کفرست، بلکہ عند التحقیق بلاشبہہ کفر باشد، لان المدار علی کون ما انکرہ من ضروریات الدین، ولاشك ان حرمۃ الغصب من دون حیلۃ شرعیۃ، کمن یرید اخذ حقہ من المنکر ولاضرورۃ ملجئۃ تمکن فی المخمصۃ، من ضروریات الدین وبعد ھٰذا لا یتجہ الفرق بکون الحرمۃ لعینہ اولغیرہ، کما وقع عن بعض العلماء، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ چہ می فرمایند فقہائے دین وفضلائے شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے مثلاً زید چہار پسر یعنی عمرو وخالد و بکر وہاشم واموال منقولہ وغیر منقولہ را متروک داشتہ ازسرائے فانی بسرائے باقی رحلت فرمود، بعدہٗ خالد وبکر وہاشم از اراضی پدر متوفی ہریک حسب خرچ خورو پوش بگیرند، ومابقی نزد عمرو موجود است، امااز بہر اوشاں قدر زائد است لکن عمرو از قدر زائد اخراجات جمیع اراضی خود وبرادراں را انجام می دہد، تاکہ جہت آں را دفتران سرکاری خوف وتلف بر کل مال بیش نیابند، پس دریں صورت عمرو را غاصب وکافر خواندہ دمہانی ودعوات خوردند وقبول نمودند حسب شرع شریف صحیح است یانہ، ونیز زمین کہ عمرو از کسب خود خرید است، باز بوقت قسمت صحیح، خالد وغیرہ از شیئ مکسوب عمرو طلبیدن شرعاً جائز است یانہ۔

الجواب۔ اگر عمرو برضائے دیگر ورثہ براں اراضی حصۂ دیگراں قابض ست، وخزانہ از جانب ایشاں می دہد وہرچہ زیادت محاصل بود بعدل قسمت می کند، یا ازمنافع آناں رابقدر خورو پوش می دہد، وباقی را برضائے آناں پیش خود جمع می دارد، دریں صورت عمرو ہرگز غاصب نیست، لوجود الاذن من الملاك فی القبض، وعدم تصرف باطل فی خراج الارض، واگر نہ چناں ست بلکہ بے رضائے آناں برحصص آناں قبضہ کردہ است، ودرحقوق آناں تصرفات بیجا برائے خود می کند، ضرور غاصب بود، داما کافر نیست، لانہ لایخرج الانسان من الاسلام الاجحود ما ادخلہ فیہ، درصورت اولی دعوت زید قبول کردن بلا دغدغہ رواست، ونیز درصورت ثانیہ اگر دعوت از مال خودش کند، واگر از مال غصب میکند خوردن مغصوب روانیست، بلکہ درصورت ثانیہ چوں غاصب ومصر علی الغصب باشد با او اختلاط نشاید کرد، ودعوتش از مال خودش ہم نباید خورد، لیکون نہ جرالہ ولامۃ لہ، زمین کہ عمرو از کسب خود خریدہ است خالد وغیرہ را از وحصہ خواستن روانیست، فان سھم الوارث فی المورث دون مملوك وارث اٰخر، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ از مجیب نگر، ڈاک خانہ مونڈا سواراں، ضلع کھیری، مرسلہ مجیب رحمان خاں ۲۴ رشعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور قاضیان شرع متین، اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، عجلت طیاری میں غلطی سے ایک چٹائی مسجد کی بانی مسجد نے یہ سمجھ کر کہ ایک چٹائی ایسے تنگ وقت دستیاب نہ ہوسکے گی، اور مسجد میں

دوسری چٹائی بجائے اس کے رکھدی جائے گی، لیکر میت کے تختوں پر جو قبر میں بچھائی گئی تھی، اس لئے کہ مٹی قبر کی دراز تختہ سے نہ چھنے، ڈال دی، اور وہ قبر میں کام آگئی، تو ایسی حالت میں ایسے شخص کے لئے جس نے نیت معروضہ سے مسجد کی چٹائی ضرورت مذکورہ میں بجوالت عجلت بکار مسطورہ اٹھائی، شرع شریف کا کیا حکم ہے، اور اس کا کفارہ کچھ ہوسکتا ہے یا کیا، فقط،

الجواب ۔ وہ گنہ گار اور مجرم خاص حقیقی سرکار ہوا، لغصبہ الوقف فلیس فی تاثیمہ وقف، اس کا کفارہ صدق دل سے توبہ ہے، ویتوب اللّٰہ علی من تاب، اور ویسی ہی چٹائی یا اس سے بہتر مسجد میں ڈالنا، اور وسعت رکھتا ہے، تو خدمت مسجد و حاجت روائی صلحاء و مساکین، میں بقدر قدرت پاک نیت سے صرف کرے، کہ اس کی خدمت پسند سرکار ہو، اور رحمت توجہ فرماکر گناہ دھودے، قال اللّٰہ تعالیٰ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ، واللّٰہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین، اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوگیا، اور اس نے مال تجارتی اور دیگر جائداد زر خرید اپنی بشراکت اپنے برادر حقیقی عبدالرحیم کے چھوڑی، اور اس مال سے نفع جائداد سے کرایہ تخمیناً بارہ سال کے عبدالرحیم حاصل کرتا ہے، اور دوسرا مال اور جائداد موروثی جو والدین سے پایا وہ بھی چھوڑا، اب مال اپنا زر خرید اور جائداد موروثی کس طرح پر تقسیم ہوگا، وارث اپنے چھوڑے ایک زوجہ، دو بھائی، ایک بھتیجہ اور دو ہمشیریں، اور تین بیٹیاں اپنی، اور قرضہ عبدالغفور فوت شدہ نے بشراکت عبدالرحیم کے دین مہر اپنی زوجہ دینا چھوڑا، اب اس میں سے پہلے کون سا قرضہ ادا کیا جائے گا، اور از روئے شرع شریف کے وہ مال کس طرح پر تقسیم ہوگا۔

الجواب ۔ حسب شرائط فرائض عبدالغفور کا جو کچھ ترکہ ہے، خواہ موروثی خواہ خرید کردہ، اس سب سے عبدالغفور پر جو کچھ دین ہے تقسیم ترکہ سے پہلے اسے ادا کریں، دین مہر زوجہ اور دوسرا قرضہ جو عبدالرحیم کی شرکت میں تھا سب برابر ہے، اگرچہ جائداد اس مہر و قرضہ کے مجموعہ سے کم یا برابر ہو، تو سب ترکہ مہر و قرض میں حصہ رسد دیا جائے، کسی وارث کو وراثۃً کچھ نہ ملے، اور اگر ترکہ زیادہ ہے تو مہر و قرض جس جس قدر واجب ہے تمام و کمال ادا کرکے، اس کے بعد جو بچے اس کی تہائی سے عبدالغفور کی وصیت اگر اس نے کی ہو نافذ کی جائے، باقی کے ۱۴۴ ایکسو چوالیس حصے ہوکر اٹھارہ سہم زوجہ، اور تیئیس تیئیس سہم ہر دختر، اور دس دس سہم ہر برادر، اور پانچ پانچ سہم ہر خواہر کو دیں، اور بھتیجا کچھ نہ پائے گا، اور بعد موت عبدالغفور جو نفع مال مشترک سے عبدالرحیم نے حاصل کیا، اسے چاہیے کہ عبدالغفور کے حصے کا نفع اس میں سے اپنا حصہ یعنی بہتر حصوں سے پانچ حصے نکال کر باقی دیگر ورثہ عبدالغفور کو دیدے،، لانہ حصلہ بوجہ خبیث، وکان علیہ اخراجہ، اماصدقتہ اوردا علی المالك، وھوا لافضل کمافی الخیریۃ

والھندیۃ وغیرھا، اس صورت میں کہ مہر وقرض مل کر جملہ ترکہ عبدالغفور سے زاید یا برابر نہو لان الدین اذا لم یستغرق ینتقل الملك الی الورثۃ، اور اگر زاید یا برابر تھا، تو جو نفع حصہ عبدالغفور سے حاصل کیا ہو تمام وکمال فقیروں پر صدقہ کر دینا، اس پر واجب ہے، نہ کرے گا تو گنہ گار ہوگا، لان الدین المستغرق یمنع ملك الورثۃ کما فی الاشباہ، وحق الدائن فی المالیۃ فلا مالك یرد علیہ فتعین التصدق وجوبا رہا وہ کرایہ جو جائداد مشترک سے عبدالرحیم نے بعد موت عبدالغفور حاصل کیا، اس کی نسبت سائل کا بیان ہے کہ وہ جائداد ایک زمین ہے، جسے دونوں بھائیوں نے شرکت میں خریدا، کہ اس میں کچھ مکان بنوائے، یا کرایہ پر چلوائے خاص کرایہ پر دینے کی نیت نہ تھی، اور وہ زمین حیات عبدالغفور میں کبھی پڑی رہتی، کبھی اس کا کوئی ٹکڑا کرائے پر رہتا فلم تدخل فی المعد للاستغلال، تینوں بیٹیوں میں موت عبدالغفور کے وقت ایک جوان تھی، دوسری دس برس کی، تیسری دو برس کی، تو اگر مہر وقرض سب مل کر تمام متروکہ سے کم مقدار پر تھے، تو یہ مشترک زمین کہ بعد عبدالغفور کے عبدالرحیم نے خاص اپنے قبضہ مالکانہ میں رکھی، اور کرایہ پر چلائی، موت عبدالغفور سے اس وقت کہ یہ دونوں نابالغہ لڑکیاں بالغہ ہوگئیں، ان کے حصہ کا کرایہ جو بازار بھاؤ سے ہو اُن دونوں کو دینا واجب ہے، چاہے عبدالرحیم نے کم کرائے پر اٹھائی ہو یا زیادہ پر ڈال رکھی ہو، مثلاً دونوں لڑکیاں چودہ چودہ برس کی عمر میں بالغہ ہوئی ہوں، تو پہلے لڑکی کے حصہ کا چار سال کا کرایہ اور دوسرے کے حصہ کا بارہ برس کا کرایہ عبدالرحیم پر واجب ہے وعلٰی ہذا القیاس درمختار میں ہے۔ منافع الغصب استوفاھا او عطلھا لا تضمن الا فی ثلث فیجب اجر المثل ان یکون المغصوب وقفا او مال یتیم، وعلی المعتمد یجب الاجرۃ علی الشریك اھ مختصراً، اور باقی جو وارثوں کے حصص کا کرایہ دار سے حاصل کیا ہو، جس صورت میں مہر وقرض تمام متروکہ سے کم ہوں، تو زمین میں سارے حصہ عبدالغفور پر جو کرایہ عبدالرحیم نے وصول کیا ہو، سب فقیروں کو دینا لازم ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین، اس مسئلہ میں کہ زید نے باغوائے نفس امارہ ایک دستاویز اس مضمون کی کہ جو مکان اس کی والدہ ہندہ کا ہے اس کو دونا برابر حصوں میں بطور خود بلا اطلاع ورثا جائز کر اس طرح تقسیم کیا، کہ چھوٹے بھائی عمرو کے واسطے چوتھائی سے کم، اور بڑے بھائی زید یعنی اپنے واسطے تین چوتھائی سے زائد، اور خفیہ طور سے اپنی والدہ ہندہ کو کاغذ مذکور اس طرح پڑھ کر سُنا دیا کہ مکان مملوکہ ومقبوضہ تمہارا ہیں ذو دو برابر حصوں میں تقسیم کر لیا ہے، چنانچہ ایسے ہی باور کرا دیا، پھر کہا کہ اس پر عدالت میں چل کر خفیہ طور سے رجسٹری کرا دو، ہندہ نے کہا کہ اس کی خبر میرے چھوٹے لڑکے عمرو کو تو کر دو، تو کہا کہ تم میرے اعتبار پر اس کی رجسٹری کر دو اطلاع کی کوئی ضرورت نہیں، اس پر ہندہ نے قطعی انکار کر دیا، لہذا دستاویز نامکمل اور بلا دستخطی رہی، جبکہ عمرو کو یہ معلوم ہوا تو اس نے اس کی شکایت اپنی والدہ ہندہ سے کی، ہندہ نے کہا کہ مجھے تو دو برابر حصوں میں بانٹنا

باد ر کرایا ہے ، بر بنا اسی ناخوشی و تحکم کے ہندہ نے زید سے اس دیوار کو جو زید کے بلا رضامندی فریق ثانی کے بطور خود قائم کرلی ، منہدم کرنے کو کہا ، تو زید نے اپنی روباہ بازیوں سے اسے ٹالا ، اور ایک کرایہ نامہ اپنے نام سے فریق ثانی کی حق تلفی کے واسطے لکھ کر اس میں کرایہ دار بنایا ، اس کے ردکنے کے واسطے جبکہ عمرو نے زید کو تنبیہ تحریری کی ، تو اس کو خیال میں نہ لایا ، بلکہ اپنی بدمعاملگی اور دغابازی پر ابتک مصر ہے ، اور نہ مکان مذکور کا نصف کرایہ دیتا ہے ، نہ کرایہ نامہ میں شرکت کرتا ہے ، نہ دیوار منہدم کراتا ہے ، بلکہ ہر طریقہ سے فریق ثانی کی حق تلفی پر آمادہ ہے ، اور کوئی شرعی فہمائش کسی کی اس کو بوجہ طمع نفسانی کے مفید نہیں ہوتی ۔ دیگر یہ کہ یہ شخص وعظ بھی کہتا ہے ، حالانکہ اسکی تحصیل علم قطعی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی ، نہ کسی مستند معتبر استاد سے کبھی پڑھا ، نہ فقہ ، نہ تفسیر ، نہ حدیث ، بلکہ صرف اردو کی چند کتابوں کے ذریعہ سے وعظ گوئی کرتا ہے ، تو شرع شریف ایسے شخص کی نسبت کیا حکم فرماتی ہے ، آیا اس کا ایمان سالم رہا یا نہیں آیا تقسیم مذکور جائز ہوئی یا نہیں ، مسلمانوں کو اس سے کیسا برتاؤ کرنا چاہئے ، اسے وعظ کہنا جائز ہے یا نہیں ، اس کی شہادت معتبر ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ،

الجواب ۔ وہ تقسیم باطل محض ہے ، اور زید سخت ظالم ، فاسق ، فاجر ، مرتکب کبائر ، مستحق عذاب نار و غضب جبار ہے ، مسلمانوں کو اس سے وہی برتاؤ چاہئے جو ظالموں ، موذیوں سے چاہئے ، قال اللہ تعالیٰ ، وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ، اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے ، پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ ۔ اسے وعظ کہنا حرام ہے ، اس کا وعظ سننا جائز نہیں ، وہ اگر ایک کوڑی کے معاملہ پر ہزار بار شہادت دے شرعا مردود ہے ، جو اس کی گواہی قبول کرے گا گنہگار ہوگا ، یہ سب اس بنا پر ہے جو سائل نے اظہار کیا ، اور واقع کا علم عالم الغیب جل وعلا کو ہے ، واللہ تعالیٰ اعلم ،

مسئلہ ۔ مرسلہ بخش اللہ ، ساکن بریلی ، محلہ گندہ نالہ ، مورخہ یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ، اس مسئلہ میں کہ دو مکان دو شخصوں کے خرید کردہ ہیں ، ایک شخص کی خریداری قریب پچیس ۲۵ تیس سال کی ، اور دوسرے شخص کی خریداری قریب دس سال کے ہے ، جس شخص کا مکان خریدا ہوا قریب پچیس سال کے ہے ، اس کی کڑیاں دوسرے شخص کی دیوار پر رکھی ہیں ، اب وہ یہ کہتا ہے کہ میری دیوار پر سے کڑیاں علیحدہ کرلو ، یہ کہتا ہے کہ میں نے اسی حیثیت سے خریدا ہے ، اس کا بیان یہ ہے اور اس شخص کا گمان ہے ، کہ اس نے خود بعد خریدنے مکان کے یہ کڑیاں رکھوائی ہیں ، ایسی حالت میں مستحق ہٹوانے کا ہے یا نہیں ،

الجواب ۔ سائل نے بیان کیا کہ اس شخص کو اقرار ہے ، کہ یہ دیوار جس پر میری کڑیاں رکھی ہیں میری نہیں ، اس صورت میں اسے کڑیاں رکھنے کا کوئی حق نہیں ، اگر غصبا رکھی ہیں جب تو ظاہر ، اور اگر سابق کے مالک کی اجازت سے رکھی تھیں تو اس کی اجازت اس کی ملک ختم ہونے سے ختم ہوگئی ، اب بے اجازت مالک حال اس کا اختیار نہ ہوگا ، واللہ تعالیٰ اعلم ،

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین' اس مسئلہ میں' دو مکان کی دو دیواریں ملی ہوئی ہیں، ایک خام ایک پختہ تھی، اُس نے اپنی دیوار میں الماری لگائی ہوئی تھی، اس میں سے کچھ خام دیوار میں سے کٹی، قریب ۱؍ گرہ کے لیکن مالک دیوار کو نہیں معلوم ہوا، اب اُس نے اُس مکان کو فروخت کیا، ایسی حالت میں خریدار مواخذہ دار کس کا ہے' یعنی مالک قبل کا ہے یا مالک حال کا حصّہ ہے۔

الجواب ۔ پہلے مالک سابق کا مواخذہ تھا، اب مالک حال کا، یا تو اس کی رضامندی سے اس قدر زمین کی قیمت اس کو دیدے یا یہ ۱؍ گرہ زمین کا ٹکڑا خالی کر دے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں' لیس لعرق ظالم حق، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ مرسلہ شیخ حاجی عبدالعزیز صاحب ۲۲ رجب ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، اس مسئلہ میں کہ زید کی دیوار میں تیس برس سے ایک طاق عمرو کے غسل خانہ کا تھا، زید نے جس وقت اپنے مکان کی دیوار کھودی تو عمرو کا تیس برس کا طاق بند کر دیا، باوجود منت وسماجت بسیار کے بھی نہ مانا، دیگر یہ کہ عمرو کے غسل خانہ کے دو کڑی کے زید کی دیوار میں اور چار پائخانہ کی کڑیوں کے ٹکڑے زید مذکور کی دیوار میں رکھے ہوئے ہیں، غدر سے قبل کے ہیں، زید نے بارہا اُن کو دیکھا ہے، کیونکہ ایام قربانی زید مذکور کا کئی گھنٹہ اس مکان میں قیام رہتا ہے، زید نے ہمیشہ اُن ٹکڑوں کو دیکھا ہے، مگر کبھی کچھ نہیں کہا، اور اب اُن کو نکلوا دینے کو کہتا ہے، دیگر یہ کہ جس وقت وہ طاق بند کیا تھا اسی وقت یہ چیزیں بھی اگر نارضامندی تھی نکلوا دیتا، عمرو نے ایک خام مکان خرید کر تعمیر کرانا چاہا اور دیواریں کھدوائیں، تو زید کی طرف کی دیوار میں دو الماریاں اور ایک آتشخانہ نمودار ہوا، بلکہ دیوار بھی بڑھی ہوئی ہے، عمرو نے جب زید سے کہا کہ اُس کو درست کرادو تو زید نے جواب دیا کہ تمھاری پائخانہ کے ٹکڑے جو ہماری دیوار میں رکھے ہیں، نکلوادو تو ہم بھی الماریاں بند کرادینگے' اس صورت میں شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے۔

الجواب ۔ الماریاں اور آتشخانہ جو زید نے بے اجازت مالک بنا لیا ہے، اُس کا بند کر دینا اُس پر فوراً لازم ہے، اور اگر ثابت ہو کہ دیوار اُس کی زمین میں بڑھالی ہے، تو اُتنی دیوار گرا کر زمین خالی کر دینی لازم ہے، رہیں عمرو کی کڑیاں[عہ] اور طاق تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ وہ دوسرے کی دیوار میں باجازت مالک بطور عاریت تھے، نہ کسی حق لازم سے، اور زید کا ابتک سکوت وہ بھی عاریت پر راضی ہونا تھا، اور عاریت کی چیز کا ہر وقت واپس لینے کا اختیار ہے، اب کہ زید راضی نہیں عمرو پر بھی لازم ہے کہ کڑیاں نکال لے، مگر ایک کا دوسرے پر ٹانا کہ تم یہ کردو تو

عہ لفظ "کڑیاں" اصل میں نہیں ہیں، شاید قلم ناسخ سے چھوٹ گیا ہے ۱۲ عبدالمنان اعظمی

ہم یوں کریں، جائز نہیں، کہ ظلم فوراً دور کرنا فرض ہے، دونوں معاً دوسرے کی ملک خالی کر دیں، عالمگیریہ میں ہے البائع یؤمر برفع خشب علی حائط المبیعة ولوکان الخشب لاجنبی یحق لانہم بملك واجارة فهوعیب لانه لیس له ان یمنعه، وان کان باجازة لاخیارله لانه لیس بلازم کذا فی تاتارخانیة اھ مختصراً واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از بریلی محلہ شاہ آباد مرسلہ حکیم نذیر الدین صاحب ۹ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد غاصبانہ طریقہ سے حاصل کیا اور تخمیناً پچاس سال تک اُس کی آمدنی کو تصرف کرتا رہا، اور اُس میں سے قریب نصف جائداد کے فروخت کر دی، زید فوت ہوگیا، اور اُس نے جائداد بقیہ مغصوبہ کے چھوڑی، اور ورثا غاصب صرف جائداد مغصوبہ موجودہ کو ورثا حقدار کو دیتے ہیں جو جائداد فروخت ہوچکی اور نیز محاصل کل جائداد مغصوبہ کا دینے سے منکر ہیں، حالانکہ غاصب نے جائداد کثیر المالیت اس تعداد کی چھوڑی ہے کہ اس سے مطالبہ جائداد مغصوبہ کا ادا ہوکر جائداد کثیر المالیت ورثائے غاصب کے لئے باقی رہتی ہے، ایسی حالت میں حقدار جائداد مغصوبہ کو ورثان غاصب سے بمقابلہ جائداد، یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی جائداد مغصوبہ موجودہ اور بیع شدہ اور اس کے محاصل کو جس طرح اس کا حصول ممکن ہو حاصل کرے، اور بحالت ہونے جائداد غاصب کے، اُس کے ورثا پر یہ لازم ہے کہ وہ حقوق مذکورہ بالا کو ادا کر دیں، یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ فی الواقع وہ جائداد زید نے جس سے غصب کی تھی، اُسے اور اُس کے بعد اس کے وارثوں کو یہ حق حاصل ہے کہ جس قدر جائداد اُس میں سے موجود ہے اُسے بعینہ واپس لیں، اور جو زید نے بیع کر دی، اُس کی قیمت جتنی روز غصب تھی، دیگر جائداد مملوکہ زید سے جس طرح ممکن ہو، وصول کریں، اور اگر وہ جائداد دیہات یا کرائے پر چلانے کے مکان دکان تھے، کہ اصل مالک نے اس لئے بنائے یا خریدے، اور زید نے اُس سے غصب کرلئے، تو جائداد باقیماندہ کے محاصل آج تک کے، اور جائداد بیع شدہ کے محاصل اُس دن تک جبتک وہ زید کے پاس رہی، جائداد مملوکہ زید سے وصول کریں، ورثائے زید پر ان تمام حقوق کا ترکہ زید سے ادا کرنا لازم ہے، اور ممانعت کرنا حرام، نیز مالک اور اُس کے وارث چاہیں تو یہ بھی کرسکتے ہیں کہ جائداد موجودہ میں تو وہی کارروائی کریں، اور جائداد بیع شدہ کے محاصل کا بشرط مذکور روز قبضہ زید تک ترکہ زید سے تاوان لیں، اور اُس کی قیمت کا تاوان، اور روز قبضہ مشتری سے آج تک اُس کے محاصل کا تاوان مشتری سے وصول کریں، مشتری نے جو قیمت زید کو دی تھی ترکہ زید سے وصول کرے، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے لو باعه الغاصب وسلمه فالمالك بالخیار ان شاء ضمن الغاصب، وجاز بیعه والثمن له، وان ضمن المشتری رجع علی الغاصب، وبطل البیع ولا یرجع بما ضمن، وان باع ولم یسلم لا یضمن کذا فی الوجیز للکردری، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

مسئلہ۔ مسئولہ حافظ محمد سعید صاحب　از قصبہ راندیر ضلع سورت　۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

ماقولکم دام فضلکم ایہا العلماء العظام والفقہاء الکرام زادکم اللہ تعالٰی تعظیما لدیہ، اس صورت میں زید تاجر نے بلقانی چندہ میں مثلاً ایک سو روپیہ لکھ دیئے، اور جب اس چندہ وصول کرنیوالے سکتر نے زید سے روپے چندہ کے وصول کرنے کو گیا تو زید نے چندہ وصول کرنے والے بکر نام کو کہا کہ میرے روپے فلاں بینک میں جمع ہیں میں تم کو یہ چیک یعنی حکم بینک پر لکھ دیتا ہوں، تم بینک سے روپیہ وصول کرلو، اور تم چاہو تو میں میرے نزدیک سے نقد دوں، اس کے جواب میں بکر نام کے سکتر نے کہا کہ چیک دو، زید نے بموجب طلب کرنے کے بکر کو بینک اکہ مسمی پیپل بینک ہے اس کا حکم یعنی چیک لکھ دیا، مگر بکر مذکور نے روپے وصول کرنے بیپل بینک سے تکاسل اور غفلت کی، اور اندازہ چوبیس روز کے اس چیک کو اپنے پاس بکر نے ڈال رکھے، اس درمیان میں زید نے دوسری چیک اپنے کام کی بینک کو دی ہے، وہ برابر بینک والے روپیہ ادا کردیئے ہیں، اور یہ بھی بکر تکاسل اور کاہلی نہ کرتا، اور بینک میں چیک روانہ کرکے طلب کرتا تو ضرور یہ روپیہ وصول ہوتے، چونکہ زید کے روپیہ جمع تھے، اور اب وہ بینک دیوالیا بن گئے، اور وہ روپے جاتے رہے اور بکر تکاسل اس قدر نہ کرتا تو یہ روپے ضائع نہیں ہوتے، لہٰذا صورتِ مذکورہ میں یہ روپیہ کس کے ذمہ پر آتے ہیں اور کس کے یہ روپے گئے، زید کے یا بکر کے، یا چندہ بلقان کے، بیّنوا توجروا۔

الجواب۔ دیوالیا بننا بینک والے کا ظلم ہے، بکر پر اُس کا کچھ الزام نہیں آسکتا، لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی اور چوبیس روز کے تساہل میں بھی اُس پر الزام نہیں، وہ کیا جانتا تھا کہ اتنی مدت میں بینک دیوالیا ہوجائے گا، وَمَا کُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ، اور بالفرض اگر وہ جانتا بھی اور بالقصد تکاسل کرتا، جب بھی روپے کا الزام اُس پر آنے کے کوئی معنی نہ تھے، کہ وہ نہ سبب ہے نہ مباشر، قاعدہ شرعیہ تو یہ ہے کہ اذا اجتمع السبب والمباشر اضیف الحکم الی المباشر دوسرا قاعدہ ہے تخلل فعل الفاعل المختار یقطع النسبۃ، تو بکر کے روپیہ جانے کی کوئی وجہ نہیں، روپے زید کے گئے، رہا چندہ، زید اُس میں متبرع تھا، لاجبر علی المتبرع، تو اس سے بھی مطالبہ نہیں ہوسکتا، نہ اُس میں اُس کا کوئی قصور ہے، کہ اُس نے تو چیک لکھ دیا تھا، اور اگر نہ بھی لکھتا اور وعدہ کرکے پھر جاتا، جب بھی شرعاً برا تھا، مگر جبر کا اختیار کسی کو نہ تھا، اشباہ میں ہے لاجبر علی الوفاء بالوعد، ہاں اگر زید اپنی طرف سے دوبارہ دے، تو یہ اُس کا تطوّع ہے وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَاِنَّ اللہَ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ از سہسرام، محلہ دائرہ، ضلع آرہ، مرسلہ حافظ عبدالجلیل، ۱۲ شوال ۱۳۳۳ھ یوم شنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندو کا مال مسلمان زبردستی کھاسکتا ہے یا نہیں،

الجواب۔ زبردستی مال کھانے والے ایک دن بڑا گھر دیکھتے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ۔ از شہر کہنہ بریلی، مسئولہ سید نوراللہ محرر دارالافتاء، بروز دوشنبہ بتاریخ ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

(۱) زید کا ایک بیٹا جوان بالغ ذی علم صاحب نصیب تھا، وہ جب مرا تو تجارت بند ہوگئی، اور کچھ جائداد جو دونوں کے کسب سے تھی اب باقی ہے، زید کی اب دو زوجہ ہیں، ایک قدیم کفو کی، دوسری جدید غیر کفو کی، قوم کی دکھنی ہے زید نے بعوض مہر دو مکان زوجہ کفو کے نام حسب قانون لکھے، اور ایک مکان اپنے بیٹے بکر کے نام لکھے، لیکن کل جائداد پر قابض اور ما حصل سے متمتع زوجہ غیر کفوہ اور اُس کی اولاد رہی، جبراً و قہراً، پس یہ قبضہ و تمتع شرعاً جائز ہے یا نہیں (۲) زوجہ کفو کی دو لڑکیاں ہیں، پس اپنے نام کی جائداد برضائے زوج خود یعنی زید کے، بذریعہ عدالت لڑکیوں کے نام کردی ہے بذریعہ عدالت رجسٹری شدہ کاغذ موجود ہے، اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ قبضہ کرکے اُس سے منتفع ہوں، لیکن زید اور اُس کی زوجہ غیر کفوہ اور اُس کی اولاد فساد پر آمادہ ہیں، اور قبضہ نہیں دیتے، اور کسی کی نصیحت نہیں مانتے، پس یہ امر اُن کو شرعاً کیا زیبا ہے؟ اور اس فعل کا کیا حکم ہے؟ (۳) کیا شرعاً اُن کو اس جائداد میں کچھ حق ہے یا شرعاً وہ ظالم اور یہ فعل فسق ہے، فقط۔

الجواب ۔ (۱) مال غیر سے بے رضائے غیر تمتع اور اُس پر مخالفانہ قبضہ حرام و حرام خوری ہے، قال اللہ تعالیٰ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔ (۲) یہ فعل بھی ظلم اور ظلم کی جزا نار (۳) شرعاً زید[۵] کا اُس میں کچھ حق نہیں، اور یہ فعل ضرور ظلم و فسق ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۔ از پیلی بھیت محلہ شیر محمد، نمبر مکان ۱۵۴ مسئولہ حبیب احمد بروز یکشنبہ بتاریخ ۱۸ صفر المظفر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بقال کے یہاں ملازم ہے، اور پوری تنخواہ نہ دے، تو وہ اُس سے چھپا کر اس کے مال سے یعنی جو اُس کے یعنی بقال کا تعلق ہو خود لے لیوے، یعنی بنیے بقال اہل ہنود کا مال چھپا کر مسلمان ملازم کو کھانا روا ہے یا نہیں؟

الجواب ۔ تنخواہ پوری نہ دینے کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ جس قدر قرار پائی ہے اُس سے کم دیتا ہے، اس صورت میں جتنی کمی رہتی ہے، اتنی مقدار تک اُس کے مال سے بے اُس کی اجازت کے لے سکتا ہے، مثلاً دس روپیہ تنخواہ ٹھہرے ہیں اور اُس نے کسی مہینے میں ظلماً پانچ روپے کاٹ لئے، تو یہ پانچ روپے کی قدر اُس کے مال سے لے سکتا ہے کہ یہ اس کا حق ہے، دوسرے یہ کہ تنخواہ جتنی ہونی چاہئے تھی اتنی نہیں دیتا، مثلاً وہ کام دس روپے ماہواری کے قابل تھا، اور اُس نے اُسے حاجتمند پاکر دبا کر پانچ روپے ماہوار پر نوکر رکھا، اور اُس نے قبول کرلیا، تو اب نہیں لے سکتا، کہ اتنے سے زیادہ میں اس کا حق نہیں، اور مال جو اس کی سپردگی میں ہے امانت ہے، اور بذریعہ عقد اجارہ اس کا اُس کا معاہدہ ہوچکا ہے اور امانت میں خیانت، اور معاہدہ میں غدر کسی کے ساتھ جائز نہیں، قال اللہ تعالیٰ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ

---

[۵] اصل میں یونہی ہے، سوال کی روشنی میں زید کے بجائے ان کا ہونا چاہئے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از مقام چتوڑگڑھ، علاقہ اودے پور، راجپوتانہ، مسئولہ عبدالکریم۔ ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ بروز شنبہ

(۱) شئے مشترکہ کو کہ ہرایک شریک استعمال کرتا ہے، تو بروقت ٹوٹنے یا ضائع ہونے کے اُس شئے کا تاوان کس پر ہوگا۔

(۲) زید نے بکر کا مال ناجائز طریق مثلاً غصب یا چوری یا خیانت یا ظلم سے لے لیا، تو کیا بکر کو جائز ہے کہ جب زید کے مال پر قابو پائے تو بمقدار اپنے مال کے اُس کے مال میں سے بلا رضامندی زید کے لے لے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ (۱) اگر بلاتعدی ٹوٹی یا ضائع ہوئی، تو کسی پر نہیں، اور اگر ایک شریک نے قصداً توڑ دیا، یا ضائع کردیا تو دوسروں کے حصوں کا تاوان دے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲) اپنے حق تک لینا جائز ہے کہ وہ زید کا مال نہیں اس کا ہے، اصل مذہب میں جنس مال کی اجازت ہے، مثلاً سو روپے اس کے اُس نے ظلماً لے لئے اسے اُس کے روپے عـہ نہوں اور فتویٰ اس پر ہے کہ اپنے حق کی جنس نہ ملے تو غیر جنس سے بھی مقدار حق تک لے سکتا ہے۔ لان الضمان ضمان العقود ولیس الضمان ضمان الحقوق کما فصلہ فی ردالمحتار، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ مسئولہ نواب نثار احمد خاں صاحب بازار صندل خاں بریلی بروز یکشنبہ ۱۹ شوال ۱۳۳۲ھ

امام مسجد سابق جو بغداد شریف وغیرہ کہہ کر باہر شہر کے گیا ہو، تو اُس کے اسباب کو حجرہ مسجد سے بلاضرورت لیکر جس کو چاہے، اور اپنے صرف میں لائے، بلا رائے اہل محلہ کے، پس صرف کرنے والے پر کیا حکم شرع ہے فقط

الجواب ۔ اسباب اگر اُس کی ملک ہے تو اس میں یہ تصرفات حرام ہیں، اگرچہ اہل محلہ کی رائے سے ہوں، اور اگر مسجد کا مال ہے، کہ امام کے صرف میں رہتا تھا، تو جس لئے وقف تھا اُسی میں صرف ہوسکتا ہے، اپنے صرف میں لانا یا جسے چاہے دیدینا اب بھی حرام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از علی گڑھ۔ محلہ بالائے قلعہ۔ مسئولہ محمد عبدالمجید معرفت عبدالرحیم وکیل یکشنبہ ۲۶ شوال ۱۳۳۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قوم کو ضرورتاً قومی چندہ یومیہ جمع کرکے ایک چاہ بنانے کا شوق ہوا، اور کل قوم نے یومیہ چندہ متفق ہوکر جمع کرنا شروع کیا، اس چندہ میں امیروغریب سب شریک تھے، تقریباً دو سو روپیہ ہوجانے پر قوم نے ایک برادری کے شخص کو معتبر سمجھ کر وہ رقم امانتاً اس کے سپرد کردی، اور یومیہ چندہ بدستور جاری رکھا، اور اُس سے کہہ دیا کہ جب یہ قوم چاہ بنانے کے قابل ہوجائے گی، تو تم سے یہ روپیہ لیکر چاہ بنایا جائے گا، کچھ عرصہ کے بعد اُس امانت دار نے بغیر مشورہ قوم کے، اپنی رائے سے ضرورت والے لوگوں کو وہ روپیہ قرض بلاسود قوم ہی کے لوگوں کو دینا شروع کرکے، اُنھیں مقروض آدمیوں کو اپنا طرفدار بنالیا، جب قوم کو یہ حال معلوم ہوا

عـہ اصل میں ایسے ہی ہے لیکن شاید یہ عبارت اس طرح ہو" اسے اُس کے روپے ہی لینے ہوں گے" عبدالمنان اعظمی

تو اکثر نے چندہ دینا بند کر دیا۔ اور قوم کے اعتراض پر امین نے یہ جواب دیا کہ میں نے اس روپیہ کا نام خزانہ بیت المال رکھ دیا ہے، سوال یہ ہے کہ وہ روپیہ جو قوم نے ایک خاص کام یعنی چاہ بنانے کے لئے جمع کیا تھا، اب اس امانت دار نے بلا رضامندی ورائے قوم کے خزانہ بیت المال بنالیا ہے، یہ فعل اُس کا شرعاً درست ہے یا نہیں، اور اس کا نام خزانہ بیت المال رکھنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ (۲) اب وہ امین قرض روپیہ حیثیت داروں کو دیتا ہے، غریب لوگوں کو نہیں دیتا، اور دیتا ہے تو کسی امیر کی ضمانت پر، اکثر تو غریبوں کو یہ جواب دیتا ہے کہ تم کو دیکر واپس کہاں سے لیں گے، کیا شرعاً یہ درست ہے کہ خزانہ بیت المال جو عام چندہ ہے، اُس میں سوائے امیروں کے غریبوں کو قرض نہ دیا جائے (۳) جو شخص روپیہ قرض لینے کی غرض سے چندہ دیوے، اور پھر قرض بھی لے، تو یہ چندہ دینے والا مستحق ثواب ہے یا نہیں، مثلاً ایک شخص کچھ روپیہ قرض لیتا ہے، جبتک قرض لیا ہوا روپیہ ادا نہ ہو، تب تک وہ چندہ دیتا ہے، بعد کو بند کر دیتا ہے (۴) قوم امانت دار سے حساب روپیہ کا مانگتی ہے، اب وہ امین حساب پیش نہیں کرتا، کیا شرعاً اس پر حساب پیش کرنا ضروری نہیں (۵) جو لوگ روپیہ قرض نہیں لیتے اور اس امانت دار کے رائے کے شریک نہیں ہوتے، ان سے وہ امین یہ کہتا ہے کہ تم اس بیت المال کے خلاف نہیں ہو، بلکہ کلام پاک کے خلاف ہو، کیا خزانہ بیت المال کا یہ طریقہ ہے، اس صورت سے کلام پاک سے ثابت ہے، فقط،

الجواب - یہ فعل اس کا حرام ہے، اور اُس کا یہ نام حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ شیطانی وسوسہ کی ایجاد ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، غرض یہ ساری کارروائی حرام ہے، اُسے کلام اللہ کے خلاف کہنا شیطنت ہے، اور وہ جو قرض ادا ہونے تک چندہ دیتا ہے، وہ معنیً سود ہے، اور یہ شخص امانت دار نہیں، غاصب ہے، اور اُس کے ذمہ تفہیم حساب لازم نہیں، بلکہ جس قدر جمع تھا سب کا واپس دینا اُس پر فرض ہے، اور اگر اُس پر اُس نے کچھ نفع حاصل کیا ہو، تو وہ اُس پر حرام ہے، یا تو انھیں اہل چندہ کو واپس دے، جن کے روپے سے نفع حاصل کیا ہے، اور یہی بہتر ہے، ورنہ جتنا نفع لیا ہے فقرا پر تصدق کرے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از کلکتہ شہر ۲۵ رشعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کتب فروش نے میرے ملک میں آکے بطور نذرانہ کے ایک جلد کلام اللہ پیش کیا، اور چند کتب اور بھی، عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ جس نے نذرانہ دیا ہے، وہ ایک دوسرے شخص کی دکان پر ملازم ہے، اور ان کتابوں کا وہ مالک نہیں ہے، بغیر حکم اپنے مالک کے وہ کتابیں دی ہیں، اس صورت کو ہم کو کیا لازم ہے کتابوں کو اُس شخص کو واپس کر دوں، یا مالک کتاب کو دیدوں، مگر اِس صورت میں رسوائی کا خیال ہے، اور ممکن ہے کہ اپنی تنخواہ میں حساب کر لیا ہو، مگر مجھے کیا حکم شرعاً ہے؟

الجواب - وہ کتابیں اپنے پاس نہ رکھی جائیں، کیف وقیل، نہ مالک دکان کو دیجائیں کہ کتب فروش کے غصب یا سرقہ پر یقین نہ ہوا، اور مسلمان کا حال حتی الامکان صلاح پر حمل کرنا واجب، بلکہ اسی کتب فروش کو واپس دیجائیں، کہ اگر واقع

میں اُسی کی تھیں فہا، ورنہ اُسے دینے سے بری الذمہ ہوگیا، درمختار میں ہے رد غاصب الغاصب المغصوب علی الغاصب الاول یبرء عن ضمانہ، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین، اس مسئلہ میں کہ بعض موسم میں زید کا مکان قیام گاہ مردمان ہر شہر و دیار ہوتا ہے، دور دور سے لوگ آتے اور اس کے مکان کی کوٹھری میں اقامت کرتے ہیں، جو شخص جسمیں ٹھہرتا ہے، اسے زید وہ مکان سپُرد کردیتا ہے، کہ اس میں رہے اور اپنا مال واسباب رکھے، اور اس کی حفاظت کرے انھیں لوگوں میں عمرو نے بھی ایک مسکن میں قیام کیا اور حسب دستور وہ مسکن زید نے اسے سپُرد کردیا، اور بنظر خیر خواہی عمرو کو آگاہ کردیا، کہ اس موسم میں لکھوکھا آدمی آتے ہیں، اپنے مال کی خوب نگرانی کرو، عمرو باوجود اس اطلاع کے ایک دن اس مسکن کو تنہا بے قفل چھوڑ کر باہر گیا، جب آیا اس کا مال چوری ہوگیا تھا، اس صورت میں شرعًا عمرو زید سے تاوان لے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب - شرعًا جب تک کسی شخص پر سرقہ کا ثبوت کافی نہ پہنچے، اس پر نادیدہ حکم روا نہیں، خصوصًا جب کہ اس کی حفاظت بھی ذمہ زید نہ تھی، اور ایسا مجمع عام اور اس میں خود عمرو کی یہ بے احتیاطی، پس اس صورت میں ہرگز عمرو کو زید پر دعویٰ نہیں پہنچتا، اور اس سے مطالبہ تاوان صریح مخالفت شرع ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الشفعة

مسئلہ ۲۷ر جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندو ایک قطعہ زمین کا مالک تھا، اپنے کارندے کی معرفت سب اہل محلہ پر ارادۂ بیع کا اعلان کرتا رہا، کسی نے خواہش خریداری نہ کی، بکر مسلمان نے جو بذریعہ فیصلہ ثالثی ایک قطعہ زمین ملحقہ قطعہ مذکورہ کا قبل بیع مالک ہوچکا تھا، اُسے خریدا، اور یہ قطعۂ بکر قطعۂ خالد کا جز تھا کہ اب تقسیم ہوگئی ہے، اور قطعۂ خالد کہ وہ بھی مسلمان ہے قطعۂ زید کی پشت پر واقع ہے، مگر اُس کی راہ قطعۂ زید کی راہ سے بالکل جدا ہے اور قطعۂ زید قطعۂ بکر دونوں کے راہ ایک کوچۂ سربستہ میں ہے، تکمیل بیع سے چھ دن بعد خالد نے بکر مشتری سے کہا یہ زمین میرے ہاتھ بیچ ڈال، ورنہ میں بذریعہ شفعہ لے لوں گا، بکر نے کہا میں خود شفیع تھا، میرے سامنے تیرا شفعہ نہیں، خالد ڈیڑھ مہینے تک خاموش رہا، اور روپیہ پیش نہ کیا، بلکہ کہا تمھیں مبارک ہو، بعدہٗ روپیہ پیش کیا، اور آمادۂ خریداری ہوا، اس صورت میں خالد شفیع ہے یا نہیں، اور اُس کا حق شفعہ ساقط ہوا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب - صورت مستفسرہ میں خالد کو ہرگز استحقاق شفعہ نہیں، **اوّلاً** وہ جار ملاصق ہے، اور بکر شریک فی حق المبیع، درمختار میں ہے لوکان المشتری شریکا وللدار جار فلا شفعة للجار مع وجودہ اھ ملخصا، عقود الدریہ میں ہے، لوکان الثالث جارا فقط فلا شفعة له لان المشتری خلیط، فیقدم علی الجار، **ثانیاً** اگر شفیع ہوتا بھی تو اُس کا مشتری سے طالب بیع ہونا خود ہی اسقاط شفعہ کے لئے بس ہے، درمختار میں ہے یبطلھا ان استاجرھا اوساومھا بیعا او اجارة "ملتقی" اوطلب منه ان یولیه عقد الشراء، منح الغفار میں ہے، لانه بالاقدام علی الشراء من المشتری اعرض عن الطلب وبه تبطل الشفعة انتہی **اقول** ومن ھٰھنا علم جھل بعض من یدعی[عہ] العلم، حیث قال فی جواب ھذا السوال معللا لانعدام شفعة خالد ان خالدا اعرض عن الاشتراء من المشتری ھٰذہ المدة، فلا یفید عرض الثمن بعد ذلك اھ بالتعریب، فانظر کیف جعل المسقط مثبتا، والاعراض عن المسقط مسقطا، **ومن جھله ایضا** التعلیل بعدم طلب المواثبة، فانه لاذکر له فی السوال، فمن این لك انه لم یواثب **ومن جھله ایضا** التعلیل الثالث بان قطعة بکر لما کانت جزءً من قطعة خالد، فالبکر شفیع بنفسه، لان الرجل فی امثال الصورة یکون شفیعا بدون القبض فکیف والبکر قابض، قال فی الھندیة

عہ وھو امیر احمد سہسوانی ۱۲۔

ولو اشتری دارا ولم یقبضها، حتی بیعت بجنبها دار اخری، فله الشفعة کذا فی محیط السرخسی، فثبت انه لاشفعة لخالد مع بکر اھ معربا **اقول** کون قطعة بکر جزء من قطعة خالد ان جعله شفیعا فلقطعة خالد لا لقطعة زید، وانما الکلام فی قطعة زید **وایضاً** شفعة بکر مبتنیة علی کونه شریکا لقطعة زید فی الطریق حق، لولم یکن هناك خالد ولا ارضه لکان بکر شفیعا ایضاً، فقد اخطأ من وجهین، اهمال المبنی الحقیق، والبناء علی امر اجنبی **وایضاً** کیف ینفی هذا کون خالد شفیعا، لامکان ان یکونا شفیعین، فان فزعت الی الترجیح، فهو امر زائد علی ما ذکرت، وقد کان فیه المغنی، علی انه لایتم الکلام الا بضم المقدمة القائلة ان حق الشفعة یثبت للمشتری ایضا، وهی مقدمة غامضة، فذکر الواضح وترك الدقیق جهل فاضح، اوعدول عن الطریق، وبالجملة فمفاسد التکبر وادعاء التصدر اکثر من ان تحصی، فانظر الی این صار حال العلم والرجل یدعی شمس العلماء، ویکتب ذلك مع اسم نفسه مع ما فیه من البدع والطغیان، وسلاطة اللسان، والطعن والوقیعة فی جمیع علماء الزمان، بل وکثیر ممن قبلهم من اهل السنة والعرفان، فالله المستعان ولاحول ولاقوة الا بالله العزیز الرحمٰن **ثالثاً** اُس کا کہنا تمھیں مبارک ہو صریح دلیل رضا وتسلیم ہے، اور شفعہ بعد تسلیم باطل، تنویر میں ہے یبطلها تسلیمها بعد البیع اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ مسئولہ مولوی سید محمد جان صاحب ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، اس مسئلہ میں کہ بکر پر اس کی زوجہ کا دین مہر بمقدار بیس ہزار روپیہ کے لازم ہے، بکر نے ایک مکان خریدا، بعد خریداری کے وہ مکان اپنی زوجہ کے ہاتھ بعوض اُس کے دین مہر کے بیع کر دیا، یا بعوض دین مہر کے ہبہ بعوض کیا، تو اس صورت میں خالد کہ مکان مذکور کا شفیع ہے، اس کا شفعہ پہنچتا ہے یا نہیں، اور اگر زوجہ کو بلاعوض ہبہ مجرد کرے توشفعہ ہے یا نہیں، بیـنوا توجروا۔

الجواب ۔ اگر بعوض مہر بیع کی یا ہبہ بالعوض کیا، یعنی یوں کہا کہ یہ مکان میں نے بعوض تیرے مہر کے تجھے دیا، اور زوجہ نے قبول کیا تو شفعہ لازم ہے، اگرچہ مکان قبضۂ زوجہ میں نہ آیا ہو، لان الشفعة تعتمد زوال الملك عن المالك والملك فی البیع الصحیح یزول بمجرد العقد من دون توقف علی القبض والهبة بعوض بیع ابتداء وانتهاء کما فی الهدایة والدر المختار وغیرهما من الاسفار، اور اگر ہبہ بشرط العوض کیا یعنی یوں کہا کہ یہ مکان میں نے تجھے ہبہ کیا بشرطیکہ تو مجھے مہر ہبہ کر دے، اور زوجہ نے مہر بخش دی، توشفعہ ثابت نہ ہوگا، جبتک مکان قبضۂ زوجہ میں نہ آجائے جب باذن شوہر زوجہ قبضۂ کاملہ کرے گی، اُس وقت شفیع کا شفعہ ثابت ہوگا، لانها هبة ابتداء فلا یزول الملك الا بالقبض، فاذا وجد القبض عادت بیعا، فتثبت الشفعة، اور اگر ہبۂ مجرد کیا تو اصلاً شفعہ نہیں، فی الهدایة

لاشفعۃ فی ھبۃ الا ان تکون بعوض مشروط لانہ بیع انتہاء، ولابد من القبض وان لایکون الموھوب والاعوضہ شائعا لانہ ھبۃ ابتداء، واللہ تعالٰی اعلم۔

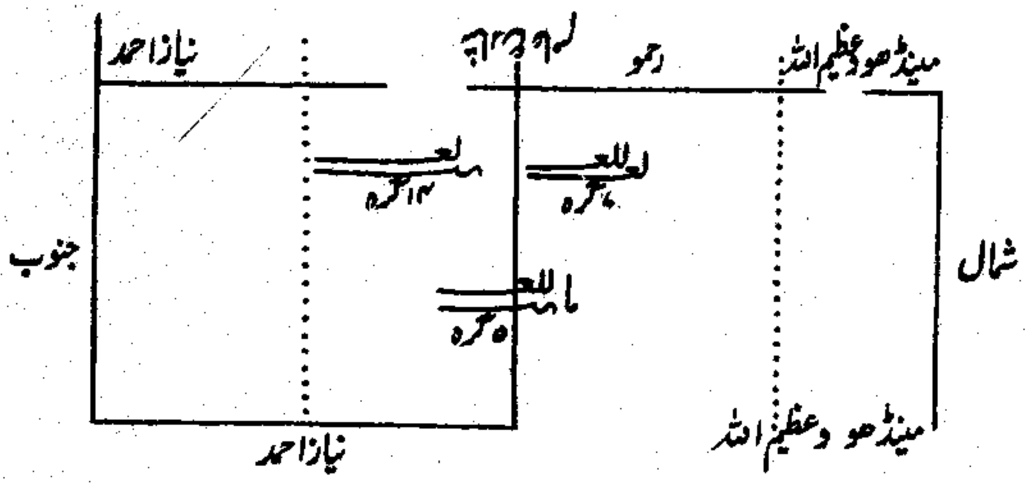
مسئلہ۔ مسئولہ مولوی سیّد محمد جان صاحب ۲۳ ربیع الثانی شریف ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ اراضی خریدا، اور واسطے ثبوت اپنے قبضہ کے ایک شاخ درخت واقع اراضی مشریہ کو قطع شروع کیا، اُس وقت بکر کو اطلاع بیع لینے اراضی کی ہوئی، بکر اسی وقت موقع پر زید کے پاس گیا، اور کہا، میں اس اراضی کا شفیع ہوں، مجھکو دیدو، زید نے کہا تمھارا شفعہ دو وجہ سے جائز نہیں، ایک نظیراً، دوسرے میں خود شفیع ہوں، پھر کچھ گفتگو نہ ہوئی، بعد ایک مہینے بارہ روز کے بکر نے زید سے کہا کہ روپیہ لے لو، جس قیمت کو یہ اراضی خریدی ہے، اور اراضی مجھ کو دیدو، زید نے روپیہ نہ لیا اور کہا کہ حق مواثبت تمھارا جاتا رہا، اور بعد چند عرصہ کے زید نے وہ اراضی بذریعۂ ہبہ مطلق منتقل کردی، اور دستاویز مصدق پر رجسٹری کردی، وقت اطلاع ہبہ شفیع مدعی ہوا کہ مجھ کو اطلاع ہبہ کی نہ تھی، اب جو مجھے اطلاع ہوئی تو میں اس انتقال کا بھی شفیع ہوں، ان صورتوں میں شفعۂ بکر جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ انتقال ہبہ قبل تصفیہ باہمی زید و بکر کے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب۔ شفیع اگر بفور استماع خبر طلب شفعہ کرکے مشتری یا مکان کے پاس جاکر طلب تقریر کرے، اور اگر مبیع ہنوز قبضۂ بائع میں ہو تو اس کے پاس طلب بھی کافی ہے، اور اس طلب دوم میں بھی بشرط قدرت دیر نہ لگائے، تو ان امور سے اس کا شفعہ مستقر ہوجاتا ہے کہ بے صدور مبطل باطل نہ ہوگا، درمختار میں ہے، یطلبھا الشفیع طلب المواثبۃ ثم یشھد علی البائع لوالعقار فی یدہٖ اوعلی المشتری وان لم یکن ذاید، اوعند العقار، وھذا لابد منہ، حتی لوتمکن ولو بکتاب اورسول، ولم یشھد بطلت شفعتہ، وان لم یتمکن منہ لاتبطل اھ ملخصا۔ ہدایہ میں ہے "الحق متی ثبت واستقر لایسقط الا باسقاطہ الخ، ردالمحتار میں ہے" تستقر بالاشھاد ای بالطلب الثانی، وھو طلب التقریر، والمعنی اذا اشھد علیھا لاتبطل بعد ذلک بالسکوت الا ان یسقطھا بلسانہ او یعجز عن ایفاء الثمن فیبطل القاضی شفعتہ" الخ پس اگر بکر تمام مدارج طلب ابتدائی و طلب ثانی کو بجالایا تو بے شک اس کا حق مؤکد ہوگیا، اور مشتری کا خود شفیع ہونا اس کے حق کا مانع نہیں، غایت یہ ہے، کہ اگر دونوں مساوی درجہ کے شفیع ہیں اور مشتری مزاحمت کرے، تو مبیع دونوں میں نصف نصف ہوجائے، فی الدرالمختار لوکان المشتری شریکا وللدار شریک اٰخر فلھما الشفعۃ، اور روپیہ بطور طلب شفعہ پیش کرنا کہ میں شفیع ہوں اپنا روپیہ لے اور شئ مشفوع مجھے دے کچھ مضر نہیں، لانہ لایدل علی الرغبۃ عنھا بل فیھا، فی الدرالمختار الاصل ان الشفعۃ تبطل باظھار الرغبۃ عنھا لافیھا، ہاں یوں روپیہ پیش کرنا کہ قیمت لے، اور مکان میرے ہاتھ بیچ ڈال، البتہ مسقط شفعہ ہے فی الدرالمختار یبطلھا ان طلب منہ ان یولیہ عقد الشراء، اور ہبہ مجرد میں اگرچہ شفعہ نہیں، مگر مشتری

بوجہ ہبہ خواہ کسی طریقہ انتقال کے حق شفیع کو ساقط نہیں کر سکتا کہ اس کا دعوٰی شفعہ بربنائے بیع ہے، جو مالک اول نے اس مشتری کے ہاتھ کی، نہ بربنا اس ہبہ کے جو یہ مشتری دوسرے کے لئے کرتا ہے، ایسی حالت میں شفیع کو اختیار ہوتا ہے کہ مشتری کے تمام تصرفات کو رد کردے اور مبیع بذریعہ شفعہ لے لے، فی الدرالمختار ینقض الشفیع جمیع تصرفاتہ ای المشتری حتی الوقف والمسجد والمقبرۃ والھبۃ زیلعی وزاھدی (جواب نامکمل)

مسئلہ ـ ۱۲ رجب ۱۳۱۶ھ، از بدایوں مردہی ٹولہ، شیخ حامد حسن صاحب مختار،

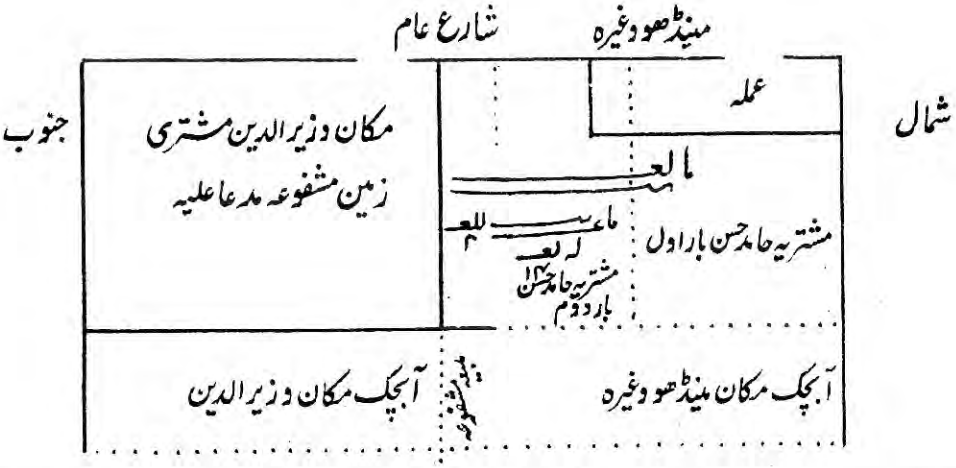


کیا فرماتے ہیں علمائے دین، اس مسئلہ میں کہ ایک مکان تعدادی ماہ للعہ ۹ گرہ جانب شمال مینڈھو وعظیم اللہ کا تھا اُس کے جانب جنوب رحمو کا مکان تعدادی صہ للعہ ۵ گرہ کا، اُس سے جنوب کو نیاز احمد کا مکان تھا، رحمو کا مکان مینڈھو و نیاز احمد نے خرید کیا، اور باہم تقسیم ہوگئی للعہ ۸ گرہ اراضی شمالی مینڈھو کو ملی، اُس نے اپنے مکان شمالی میں شامل کرلی، اب مینڈھو وعظیم اللہ کا مکان ماہ للعہ علاوہ آبچک کے ہوگیا، اور مہ للعہ ۱۴ گرہ جنوبی نیاز احمد کو ملی، اُس نے اپنے مکان جنوبی میں ملالی۔ نیاز احمد اپنا مکان جس میں اراضی مشتریہ بھی شامل تھی، بدست وزیر الدین بیع کردیا، تخمیناً دس برس ہوئے کہ وزیر الدین مشتری نے ہر چہار سمت سے بطور خود اپنا پختہ مکان تعمیر کرلیا۔ فرمائیے کہ جب تقسیم ہوکر تین مکان کے دو مکان ہوگئے، اور درمیان میں دیوار موجود ہے اور کوئی شرکت دیوار میں بھی نہیں، اور راستے دونوں مکانوں کے جانب غرب شارع عام میں ہیں، اور دونوں کی آبچکن جانب شرق اپنی اپنی جداگانہ زمین میں، تو وزیر الدین مشتری مکان نیاز احمد کو نسبت للعہ ۸ گرہ اراضی مشتریہ مینڈھو کی، حق خلیط کا حاصل ہے یا شفیع جار کا، وزیر الدین گمان کرتا ہے کہ رحمو کا مکان میرے بائع نیاز احمد اور مینڈھو نے مشترکاً خریدا تھا، لہٰذا مجھے حق خلیط حاصل ہے، یہ گمان اس کا شرعاً صحیح یا باطل ہے، بیّنوا توجروا

الجواب ـ صورت مستفسرہ میں جبکہ نہ ایک مکان کی راہ دوسرے میں نہ دونوں کی کسی کوچہ سربستہ غیرنافذہ میں نہ ایک کو دوسرے کی آبچک کا تعلق، تو بالاتفاق اُن میں کسی کے مالک کو دوسرے سے علاقۂ خلیط نہیں، بلکہ ہر ایک دوسرے کا جار محض ہے، درمختار میں

ہے، الخلیط فی حق المبیع ھو الذی قاسم وبقیت لہ شرکۃ فی حق العقار کالشرب والطریق خاصین فلوعامین فلاشفعۃ بھما، اھ ملخصا، شرح نقایہ علامہ برجندی میں ہے، جار ملاصق بابہ فی سکۃ اخرٰی، اویکون بابہ وباب ذلک الجار معًا الی الطریق العام، وزیر الدین کا خیال ہے کہ میرا بائع اور مینڈھو ایک زمین مشترک کے تھے، جس کا ایک حصّہ میرے بائع اور ایک مینڈھو کے مکان میں پڑا، لہٰذا میں اُس کا خلیط ہوں، محض باطل ہے، کہ جب تقسیمیں ہوگئیں حدیں پڑگئیں، دیواریں کھنچ گئیں، راہیں پڑگئیں، پھر خلط کہاں، حضور پُرنور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلاشفعۃ اخرجہ الامام البخاری وغیرہ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے اذا اقتسما الارض وخطاخطا فی وسطھا، ثم اعطی کل منھما شیئا حتی بنیاحائطا، فکل منھما جار لصاحبہ فی الارض، غرض اگلے وقتوں کی شرکت پر اب دعوی حق خلیط کرنا عجب دعوٰی ہے، جس کا بطلان ہر ذی عقل پر ظاہر، فضلًا عن ذی فضل، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ ۱۶ رجب ۱۳۰۷ھ، از بدایوں، مردھی ٹولہ، شیخ حامد حسن صاحب وکیل



کیا فرماتے ہیں علمائے دین، اس مسئلہ میں کہ مینڈھو وعظیم اللہ کا مکان مالعہ گز کا ہے، جس میں جانب شمال مالعہ ۹ گرہ اُن کی موروثی، اور لعہ ۷ گرہ جنوبی خاص مشتریہ مینڈھو ہے، جو اُسے بذریعہ شرار بعد تقسیم نیاز احمد ملی تھی۔ مینڈھو وعظیم اللہ نے منجملہ مکان تعدادی، مالعہ گز کے ــــ گز زمین جانب شمال میں باستثنائے آبچک شرقی وعملہ بدیں تعیین کہ شرقاً غرباً ــــ گز اور جنوباً شمالاً ــــ گز بدست حامد حسن بیع کی، ماعہ گز منجملہ مکان باقی رہی، اس بقیہ ماعہ گز سے لعہ ۱۴ گرہ گز اراضی شمالی تنہا مینڈھو نے بایں الفاظ بدست حامد حسن مذکور بیع کی کہ (منجملہ ماعہ گز کے لعہ ۱۴ گرہ گز میری اراضی بروئے تقسیم خانگی باہمی اراضی عظیم اللہ سے جانب شمال ہے، لہٰذا باستثنائے آبچک بیع کی) اس لعہ میں ــــ گز منجملہ اُس لعہ ۷ گرہ گز کے بھی شامل ہے جو خاص مشتریہ مینڈھو تھی، اور یہ کل مکان تعدادی مالعہ ۱۴ گرہ گز اُس وقت تک بلاکسی حد فاصل

کے ہے، نقشے میں جہاں جہاں نقطے دیئے گئے ہیں وہاں کوئی دیوار یا حد کا نشان نہیں، صرف تعیین سمت و مقدار گز کے اُسے ایک ذہنی امتیاز ہے، یہ قطعہ زمین جسے آنچک کہا جاتا ہے، یہ بھی بلا کسی حد و فصل کے مجموعہ مکان کا ایک غیر متمیز ٹکڑا ہے جسے بے پیمائش کے تعین نہیں کرسکتا، غرض کل مکان قطعۂ واحدہ ہے، اس میں سے بقیہ للعہ ۲ گرہ گز جنوبی و کل آنچک وحملہ واقعہ مشتریہ حامد حسن کو مینڈھو و عظیم اللہ نے بدست وزیر الدین ہمسایۂ جنوبی بیع کیا، اس مکان اور مکان وزیر الدین مشتری کے بیچ میں ایک دیوار خاص مملوک وزیر الدین فاصل ہے، دونوں مکانوں کی راہیں جانب غرب شارع عام میں ہیں، اور دونوں کی آنچکیں اپنی اپنی خاص زمین میں جانب مشرق ہیں، دونوں کا پانی اپنی خاص زمین میں ہوتا ہوا مشرقی مکانات مختلفہ میں گزر جاتا ہے، فرمایئے کہ ایسی صورت میں اراضی مبیعہ حامد حسن کو حق شفیع خلیط کا ہے یا نہیں؟ اور شرعاً اس استحقاق سے وہ کل زمین حامد حسن کو ملنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب: صورت مستفسرہ میں وزیر الدین اس مکان مینڈھو وغیرہ کا جار محض ہے، کہ نہ اوسے کوئی شرکت نفس مبیع میں نہ حق مبیع میں، اور تقریر و نقشۂ سوال سے ظاہر کہ آنچک کی زمین بھی باہم مشترک نہیں، بلکہ دونوں آنچکیں ایسے مختلف مکانوں کے جداگانہ ٹکڑے ہیں، جن میں ایک کا کوئی حق دوسرے سے متعلق نہیں، صرف اتصال ہی اتصال ہے، تو جوار سے زیادہ اُسے کوئی استحقاق نہیں، نفی خلط کے لئے بیچ میں دیوار ہی ہونا ضرور نہیں، کہ اراضی آنچک میں جہاں دیوار نہیں، شرکت و خلط نہیں بلکہ مجرد تعیین و امتیاز کافی ہے، عالمگیری میں ہے اذا کان نهرا علاہ لرجل واسفله لرجل فاشتری رجل نصیب صاحب اعلی النهر فطلب صاحب اسفل النهر الشفعة فالشفعة له بالجوار، وکذلك لو اشتری رجل نصیب صاحب اسفل النهر فالشفعة لصاحب الاعلی بالجوار، کذا فی المبسوط اھ ملخصا، اور حامد حسن خلیط فی حق المبیع ہے، کہ مکان واحد کا ایک حصہ مشاع خریدنے سے مشتری شریک فی العین ہوجاتا ہے، یونہیں اُس میں سے ایک حصہ معین محدود بتعیین سمت و مقدار خریدنے سے خلیط فی الحق ہوجاتا ہے، جب تک حدیں فاصل ہو کر انقطاع تعلق نہ ہوجائے زیر قول درمختار ان باع رجل عقارا الاذراعا مثلا فی جانب حد الشفیع فلاشفعة لعدم الاتصال، وکذا لاشفعة لو وهب هذا القدر للمشتری وقبضه، ردالمحتار میں فرمایا الظاهر ان المراد وهبه بعد بیع ما عدا هذا القدر بقرینه قوله للمشتری، ومثله مالو باعه له لانه صار شریکا فی الحقوق، فلاشفعة للجار اھ یعنی مثل الهبة فی عدم الشفعة ما لو باع البائع هذا الذراع الباقی فی البیع الاول لمشتری القطعة الاولی، لانه بشرائه القطعة الاولی صار شریکا فی حقوق القطعة الثانیة، وهی الذراع المبیع ثانیا فجار الدار وان کان له حق الجوار فی هذا الذراع، لوجود الاتصال لکن لاشفعة له لان المشتری خلیط فی الحقوق فلاشفعة معه للجار المحض، اُسی میں ہے مشتری الذراع صار شریکا فی الحقوق فیقدم علی الجار، کما قدمناه، پس حامد حسن نے جس وقت پہلا قطعہ گز بتعیین سمت و مقدار خریدا باقی تمام

زمین مملوکہ مینڈھو وعظیم اللہ میں خلیط فی الحق ہوگیا، اسی طرح دوسرے بار کی خریداری نے اُس کا بھی استحقاق قائم رکھا، اور جبکہ وہ مکان مع آنچک وغیرہ بتمامہ قطعۂ واحدہ ہے، تو اُس کے مجموع سے حق حامد حسن متعلق ہوا، جس سے کسی جز کو مستثنیٰ ماننے کی کوئی وجہ نہیں، کما لا یخفیٰ علی احد، اور خلیط فی الحق جار محض پر شرعاً مقدم کہ جار خریدے تو یہ بذریعہ شفعہ اُس سے سب واپس لے سکتا ہے، کما فی الکتب قاطبۃ، عالمگیری میں ہے، یراعی فیھا الترتیب فیقدم الشریک علی الخلیط، والخلیط علی الجار، پس ثابت ہوا کہ جس قدر زمین آنچک وغیرآنچک بدست وزیرالدین جار محض بیع کی گئی تمام وکمال حامد حسن شفیع خلیط فی حق المبیع کو بذریعہ شفعہ ملنی چاہئے، اگر وہ شرائط طلب کما ینبغی بجالایا ہو۔ اور علہ اگرچہ جب اپنی زمین سے بیچا جائے محل شفعہ نہیں، شرح مجمع علامہ ابن ملک میں ہے، وبیع النخل وحدہ او البناء وحدہ فلا شفعۃ لانھما لا قرار لھما بدون العرصۃ، مگر اُس کا بیع میں داخل ہونا زمین میں استحقاق شفعہ کا مانع نہیں، ردالمحتار میں ہے الصفقۃ وان اتحدت فقد اشتملت علی ما فیہ الشفعۃ وعلی ما لیست فیہ فیحکم بھا فیما تثبت فیہ اداءً لحق العبد کذا فی درر البحار وشرح المجمع اھ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ ۹ / ماہ رمضان مبارک ۱۳۰۷ھ ۔ از بدایوں، شیخ حامد حسن صاحب وکیل،

بدایوں سے دوبارہ یہ سوال بعبارات طوال آیا جس کا خلاصہ یہ کہ کل مکان ۲.۲ گز کا ظاہر کیا گیا ہے، اور بیع اول بدست حامد حسن میں سے ـــ گز نکل کر ما بـــ گز باقی تھا، اس میں سے منجملہ ما بـــ گز کے لہ ۱۲ گرہ گز شمالی کہ بروئے تقسیم خانگی حق مینڈھو ٹھہری، مینڈھو نے بایں حدود معینہ بدست حامد حسن بیع کی، اراضی آنچک زمین مبیعہ مملوکہ مقر وبرادر مقر وبعدہ مکان سعد اللہ وغیرہ

غربی	جنوبی	شمالی	
راستہ	اراضی عظیم اللہ	اراضی مشریہ حامد حسن ۔	

پھر باقی بدست وزیرالدین بیع ہوئی، اس مکان اور مکان وزیرالدین کا پانی اپنی اپنی خاص آنچکوں میں ہوکر شرقی مکانوں کے صحن مملوک سعد اللہ وغیرہ میں ملتا ہے، اور وہاں یہ دونوں پانی اور اُن مکانوں کے پانی سب ایک ہوکر اسی صحن مذکور کے دروازے سے نکل کر راہ میں گزر جاتے ہیں، اس صورت میں وزیرالدین کو دعویٰ شرکت فی حقوق المبیع ہے، اور حامد حسن شفیع کو بدیں وجہ کہ کوئی تمیز خارجی نہیں، دعویٰ شرکت فی نفس المبیع ہے، پس شرعاً کیا حکم ہے، اور علہ کہ اس مبیع بار سوم پر قائم اور بیع میں داخل ہے شفعہ میں داخل رہے گا یا نہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں حامد حسن کو حق شفع حاصل ہے، اور وزیرالدین کو اس کے مقابل کوئی استحقاقِ مزاحمت نہیں کہ اگرچہ زمین کا محدود بحدود معینہ ہونا ہی اُس کے امتیاز وابطال شیوع کے لئے بس ہے جس قطعہ کا آغاز وانجام جدا بتاسکیں وہ مشاع کب ہوا، مگر ازانجا کہ ہنوز مکان میں حدیں فاصل نہ پڑیں، دیواریں نہ کھنچیں، راہیں نہ پھریں، صرف ذہنی

امتیازات ہیں، تو حامد حسن کو بیع میں ایک اعلیٰ درجہ کا حق خلیط فی حقوق المبیع حاصل ہے، اور یہ استحقاق اُس کے لئے اُسی وقت سے ثابت وسلّم تھا جب سے اُس نے ۔ گز کا پہلا قطعہ خریدا، ردالمحتار میں ہے مشتری الزراع صار شریکا فی الحقوق فیقدم علی الجار، کما قدمناہ، اور مکان وزیرالدین کو اس مبیع کے مسیل آب سے جو علاقہ ہے اگر روایت تاتارخانیہ پر نظر کیجئے تو اصلاً قابلِ التفات نہیں، اُس میں صاف تصریح ہے کہ ایک مکان کا پانی خود اس دارِ مبیعہ میں بہتا ہو جب بھی یہ شرکت فی الحقوق نہ ٹھہرے گی، اور صرف جوارِ محض قرار پائے گا، عالمگیری میں ہے لرجل مسیل ماء فی دار بیعت کانت له الشفعة بالجوار لا بالشرکة ولیس المسیل کالشرب، کذا فی التتارخانیه، اور اگر روایت محیط وذخیرہ پر عمل کیجئے تو حامد حسن کہ شریک فی الطریق ہے، وزیرالدین سے جو صرف مسیل آب میں ایک علاقہ رکھتا ہے قطعاً مقدم ہے کہ اُس کے ہوتے اسے کوئی استحقاق مزاحمت نہیں، عالمگیری میں ہے صاحب الطریق اولی بالشفعة من صاحب مسیل الماء، کذا فی المحیط، ردالمحتار حاشیہ درمختار میں ہے، قال فی الدر المنتقی ونقل البرجندی ان الطریق اقوی من المسیل فراجعه انتھی قلت نقله عن الذخیرة کما رأیته فیه، بہرحال حامد حسن اس تمام زمین مبیع کو مع اُس عملہ کے جو اس مبیع پر قائم اور اس بیع میں داخل ہے بذریعہ شفعہ لے سکتا ہے، کہ عملہ جب اپنی زمین کے ساتھ بیع میں آئے تو بالتبع وہ بھی محل شفعہ ہو جاتا ہے، ردالمحتار میں ہے خرج البناء والا شجار فلا شفعة فیھما الا بتبعیة العقار وان بیع بحق القرار درمنتقی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ ۳۱ر شوال ۱۳۱۰ھ

علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کیا فرماتے ہیں اس صورت میں کہ ملّو خاں نے ایک قطعہ حویلی معہ اراضی جس کے شمال میں ملحق حویلی محمد خاں، جنوب میں ملحق حویلی رفیع الدین کی ہے، کلن خاں اور علی حسن خاں شخص غیر کے ہاتھ بیع کر دی، اور اُس کی خبر پاکر محمد خاں ورفیع الدین ہمسایہ بائع مستدعی شفعہ ہوئے، چنانچہ کلن خاں وعلی حسن خاں مشتری حال نے حسب دعوی شفعہ محمد خاں کے نام بیعنامہ لکھ دیا، رفیع الدین نے نالش شفعہ کی ہے، پس رفیع الدین مدعی بذریعہ شفعہ بمقابلہ محمد خاں مشتری شفعہ کے کامیابی شرعاً حاصل ہو سکتا ہے، یا دونوں شفیعوں کو قطعہ مشفوعہ تقسیم ہو سکتا ہے تو کس مقدار سے یعنی مساوی یا کم وبیش، بیّنوا توجروا۔

الجواب ۔ صورتِ مستفسرہ میں رفیع الدین کل مکان مشفوع بذریعہ شفعہ محمد خاں سے پائے گا، کہ محمد خاں کا اس کو مشتری اول سے خریدنا اُس کے ملک کو تسلیم کرنا ہے، اور اس کی ملک تسلیم کرنا بیع اول کے تسلیم شفعہ سے اعراض، اور شفعہ سے اعراض حق شفعہ کا مسقط، تو محمد خاں اس مکان کا شفیع نہ رہا، اور رفیع الدین کا استحقاق باقی، لہٰذا وہ کل مکان محمد خاں سے لے سکتا ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے لو کان الشفیع الحاضر اشتری الدار من المشتری ثم حضر الغائب فان شاء اخذ کل الدار بالبیع الاول، وان شاء اخذ کلھا بالبیع الثانی، اُسی میں ہے، قد بطل حق الشفیع

الحاضر بالشراء، لکون الشراء دلیل الاعراض، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ احکم۔

مسئلہ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں، بینوا توجروا

(۱) بعد علم بیع قبل قبضہ کرنے مشتری کے شئے مبیع پر دعوٰی شفعہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۲) ایک شخص کے احاطہ واحدہ میں چند منازل ہیں جن کا دروازہ ایک ہی ہے، اور حدود اربعہ اس کی ایک ہی ہیں۔ اس احاطہ کے ایک طرف زید کا مکان ملحق ہے، اب یہ کل مکان بیع کیا جائے، تو آیا اس صورت میں زید اس قطعہ کو بذریعہ شفعہ لے سکتا ہے، جو اس کے مکان سے متصل ہے یا کل مکان کو، (۳) جس محلہ میں رواج شفعہ نہ ہو، وہاں شرعاً دعوٰی شفعہ ہوسکتا ہے یا نہیں (۴) اگر قبل بیع ہمسایہ خریداری سے انکار کرے، پھر بعد بیع دعوی شفعہ کرے، تو مسموع ہوگا یا نہیں، (۵) اگر شفیع مشتری کے طرف سے وکیل خریدنے کا ہو تو اس کا شفعہ قائم رہے گا یا نہیں،

الجواب - (۱) شفعہ بمجرد بیع ثابت ہوتا ہے، قبضہ مشتری کی حاجت نہیں، ہدایہ میں ہے یشھد علی البائع ان کان المبیع فی یدہ، معناہ لم یسلم الی المشتری، درمختار میں ہے، ثم یشھد علی البائع لو العقار فی یدہ او علی المشتری وان لم یکن ذاید، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم، (۲) کل کو کہ جب احاطہ واحد، دروازہ واحد ہے، تو وہ دار واحد ہے، ہدایہ میں ہے، الدار اسم لما ادیر علیہ الحدود اور دار واحد کے کسی ٹکڑے سے جسے اتصال ہو وہ کل دار کا شفیع ہے، حتی کہ اگر ایک شخص صرف ایک جانب بقدر ایک بالشت کے اتصال رکھتا ہو اور دوسرا تینوں جانب بر وجہ کمال تو دونوں شفعہ میں برابر ہیں، ردالمحتار میں ہے، الملاصق من جانب واحد ولو بشبر کالملاصق من ثلثۃ جوانب، فھما سواء، اتفاقی، یہانتک کہ اگر دار واحد اپنے جمیع منازل کے ساتھ شخص واحد کے ہاتھ بیچے، اور شفیع چاہے کہ بذریعہ شفعہ اون میں سے صرف وہ منزل لے، جس سے اوس کا مکان متصل ہے، تو ہرگز اجازت نہ دیں گے، اگرچہ بیچنے والے جدا جدا ہوں، بلکہ کل لے یا کل ترک کرے، عالمگیری میں ہے، اذا اراد الشفیع ان یاخذ بعض المشتری دون بعض فان لم یکن ممتازاً عن البعض بان اشتری دارا واحدۃ فاراد الشفیع ان یاخذ بعضھا بالشفعۃ دون البعض، وان یاخذ الجانب الذی یلی الدار دون الباقی، لیس لہ ذلک بلاخلاف بین اصحابنا، ولکن یاخذ الکل او یدع، لانہ لو اخذ البعض دون البعض تفرقت الصفقۃ علی المشتری سواء اشتری واحد من واحد او واحد من اثنین او اکثر حتی لو اراد الشفیع ان یاخذ نصیب احد البائعین لیس لہ ذلک الخ، واللہ تعالٰی اعلم، (۳) بیشک ہوسکتا ہے، اگرچہ شہر بھر میں رواج نہ ہو، کہ شفعہ حکم شرعی ہے، رواج وغیرہ پر مبنی نہیں، وھذا ظاھر جدا، واللہ اعلم، (۴) ضرور مسموع ہوگا، حق شفعہ بعد بیع ثابت ہوتا ہے، تو قبل از بیع انکار کوئی چیز نہیں، درمختار میں ہے، یبطلھا تسلیمھا بعد البیع لاقبلہ عالمگیری میں ہے تسلیم الشفعۃ قبل البیع لایصح وبعدہ صحیح، واللہ تعالٰی اعلم۔ (۵) نعم فی الدرالمختار

تثبت لمن شری اصالۃ اووکالۃ، ہدایہ میں ہے، وکیل المشتری اذا ابتاع فلہ الشفعۃ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از اوجین، محلہ مرزا باڑی، مرسلہ میاں آفتاب حسین، ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو اپنا مکان فروخت کرتا ہے، زید ہمسایہ عمرو خریداری پر مستعد ہے، مگر مالک مکان غیر ہمسایہ کو مکان دیتا ہے، پس حق شفعہ خرید مکان میں اول درجہ ہمسایہ کو پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب ۔ شفیع کے لئے حق شفعہ بعد بیع ثابت ہوتا ہے، مکان جب تک بیع نہ ہو شفیع مزاحمت نہیں کرسکتا، ہاں جب مالک غیر ہمسایہ کے ہاتھ بیچ ڈالے اُس کے بعد ہمسایہ کے لئے بذریعہ شفعہ حق مطالبہ ہے، اگر شرائط طلب بجالا کر دعوٰی کرے گا مکان خریدار سے لیکر اسے دلا دیا جائے گا، تنویر الابصار میں ہے، تجب بعد البیع، درمختار میں ہے[1] اھ سقط الشفیع الشفعۃ قبل الشراء لم یصح لفقد شرطہ، وھو البیع انتھی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ سیگرام پور تحصیل بسولی، ضلع بدایوں، مرسلہ شیخ برکت اللہ زمیندار، ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ زید کاشتکار ہے، اُس کو زمیندار نے زمین اپنی سکونت کے واسطے دی جس میں اُس نے چوپال اور مکان بنایا، اور اس کاشتکار نے کھیت میں باغ لگایا، اب یہ مکان چوپال اُس نے فروخت بدست زمیندار کیا، ایسی حالت میں اُس بائع کے شرکا شفیع ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ۔ جبکہ کاشتکار صرف عملہ مکان و درختان کا مالک ہے، زمین اُس کی ملک نہیں تو مجرد عملہ و درخت میں کسی کے لئے حق شفعہ نہیں، فی ردالمحتار فی البزازیۃ، لاشفعۃ فی الکردار، لانہ نقلی کالبناء والاشجار ونحوہ فی النہایۃ والذخیرۃ والتاترخانیۃ عن السراجیۃ[1] اھ ملخصا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے مالعہ روپیہ قرض لئے اور تین مکان رہن کردیئے جبکہ مدت گزری اور روپیہ ادا نہ ہوا، بکر نے نالش کرکے مع سود و خرچہ مالعہ کے ڈگری پائی، اُس میں تینوں مکان جنکی حیثیت قریب پانسو روپیہ کے تھی، چھیاسٹھ روپیہ میں نیلام ہوگئے، نیلام کا رندہ بکر نے خریدا، اور بعدہٗ اپنے آقا کے لئے خریدنا ظاہر کرکے بنام بکر لکھا دیا، بکر نے اُن مکانات پر قبضہ نہ کیا، زید چھ سات برس تک بدستور قابض رہا، اُس سے قبل از نیلام خواہ اُس کے بعد کبھی کوئی بات ایسی صادر نہ ہوئی جو اس نیلام کے اجازت یا رضامندی پر دلیل ہو، یہانتک کہ دونوں انتقال کرگئے، اور بعد زید وارثان زید قابض ہوئے، اب ورثائے بکر نے نالش کرکے ڈگری دخل یابی حاصل کی، اور ہنوز دخل نہ ہوا تھا کہ ڈگری بدست خالد بیع کردی، اس خالد کو بھی دخل نہیں ملا ہے، اس صورت میں عمرو حویلی مذکور کا شفیع مدت دخل یابی خالد شفعہ طلب کرسکتا ہے یا نہیں، اور اگر خالد اپنی ڈگری ضائع کردے اور حق دخل یابی سے بعوض یا بلا عوض دست بردار ہو تو شفیع کے حق شفعہ کی کیا حالت ہوگی، بینوا توجروا،

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں اُن مکانات پر ہرگز کسی طرح دعوٰی شفعہ نہیں پہنچتا، کہ شفعہ کیلئے مکان کا ملک مالک

سے خارج ہونا ضروری ہے فی ردالمحتار فی الفتاوی الصغرٰی الشفعۃ تعتمد زوال الملك عن البائع الخ اور یہاں وہ مکانات شرعًا ملک زید سے خارج نہ ہوئے، یہ بیع نیلام جو بلا اجازت زید واقع ہوئی غیر مالک کی بیع تھی، جسے شرع میں بیع فضولی کہتے ہیں، اور وہ اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے فی فتاوی الامام قاضی خاں اذا باع الرجل مال الغیر عند نا یتوقف البیع علی اجازۃ المالك اب کہ زید خود ہی اُن مکانات پر قابض رہا، پھر وہ بلا اجازت انتقال کرگیا، بیع باطل ہوگئی، یہاں تک کہ وارثان زید کو بھی اجازت کا اختیار نہیں، فی الھندیۃ اذا مات المالك لاینفذ باجازۃ الوارث، درحقیقت نہ بکر ان مکانوں کا مالک ہے نہ اس کے ورثہ نہ خالد خریدار ڈگری، بلکہ وہ سب متروکہ زید ہیں، اور ورثائے بکر کو صرف اپنی مقدار قرض کے مطالبہ پہنچتا ہے وبس، اور دعوی شفعہ فقط عقد مبادلہ میں ہے، نہ انتقال بوراثت میں، فی العالمگیریۃ، لاتجب الشفعۃ مالیس ببیع ولا بمعنی البیع حتی لاتجب بالھبۃ والصلۃ والمیراث والوصیۃ پس عمر کو زنہار استحقاق شفعہ حاصل نہیں، شرع مطہر کا تو یہ حکم ہے، اور حکم نہیں مگر شرع مطہر کے لئے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ زید ہندو ہے، اُس نے ایک مکان بنایا، ایسی زمین دیہہ میں کہ آبادی اور اراضی اس دیہہ کی ملکیت مشترکہ ہے، دس بارہ اشخاص کی، اب اُس زید مذکور نے صرف اوس مکان و بنار بسکنی اپنی کو بہ ثمن متعدد ہاتھ ایک شخص کے کہ مکان خاص رہنے اس کے کا تخمینا پچاس قدم کے فاصلہ سے ہے، فروخت کیا، مگر اراضی داخل بیع نہیں ہے، صرف عملہ و بنار کو فروخت کیا ہے، اب بعد انقضائے عرصہ دو ماہ کے منجملہ اور شرکا کے ایک شریک کہ وہ بھی پچاس قدم اس مکان مبیعہ سے رہتا ہے، بگمان شفیع ہونے کے شفعہ شرعی بربنائے دعویٰ قائم کرتا ہے، ایسی صورت میں عندالشرع شریف اُس عملہ مبیعہ زید ہندو پر شفعہ جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب ۔ قطع نظر اس سے کہ وہ فی نفسہ شفیع ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور طلب مواثبت واشہاد وغیرہما امور لازمہ جن کے بغیر شفعہ باطل ہوجاتا ہے بجالایا یا نہیں، دعویٰ اس کا صورت مستفسرہ میں رأسًا باطل ہے، کہ بنا محل شفعہ نہیں، اور اُس میں قصدًا و بالذات شفعہ ثابت نہیں ہوسکتا، کما فی تنویر الابصار وشرحہ الدرالمختار لاتثبت قصدا الا فی عقار لابناء ونخل اذا بیعا قصدا ولو مع حق القرار خلافا لما فھمہ ابن الکمال لمخالفۃ المنقول کما افادہ شیخنا الرملی اھ ملخصا، وذکرہ من قبل فقال فردہ شیخنا الرملی وافتی بعدمھا تبعا للبزازیۃ وغیرھا فلیحفظ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک کوٹھری جس کا صحن مملوک عمرو اور اُسی صحن میں اُس کوٹھری کے آور[ع] ہے اور سقف اُس کی ملک بکر ہے، اور اُس کی دو جانب بھی مکانات بکر واقع ہیں، بکر کے ہاتھ فروخت

ع: اصل میں اسی طرح ہے، اغلب یہ ہے کہ عبارت اس طرح ہو" اسی کوٹھری کے برابر ایک کوٹھری اور ہے"۔ عبدالمنان اعظمی

کی، اس صورت میں شفیع اُس کا بکر ہے یا عمرو، اور عمرو کو بدعوی شفعہ وہ کوٹھری مل سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں شفیع اس کا عمرو ہے نہ بکر، اور اگر عمرو شرائط شفعہ بجالایا تھا تو بدعوی شفعہ اُس کوٹھری کو بکر سے لے سکتا ہے، کہ جب طریق اس مکان کا زمین عمرو میں ہے تو عمرو خلیط فی حق المبیع ہوا اور بکر اسی وجہ سے کہ مالک علو ہے اور اس کے مکانات کوٹھری کے دونوں جانب ہیں محض جوار ہے، اور خلیط جار پر شرعًا مقدم مکانات بکر دونوں جانب ہونے سے وہ صرف جار ہو سکتا ہے، اسی طرح قابض علو ہونا بھی اگر بوجہ ملک ہو تو فقط مثبت جوار ہے، ورنہ لغو محض؛ فی الفتاوی العالمگیریۃ سفل بین رجلین ولاحدھما علیہ علو بینہ وبین اٰخر فباع الذی لہ نصیب فی السفل والعلو نصیبہ فلشریکہ فی السفل الشفعۃ فی اسفل ولشریکہ فی العلو الشفعۃ فی العلو ولا شفعۃ لشریکہ فی اسفل فی العلو ولا لشریکہ فی العلو فی اسفل لان شریکہ فی اسفل جار للعلو وشریک فی حقوق العلو ان کان طریق العلو بینہ وشریکہ فی العلو جار للسفل او شریک من الحقوق اذا کان طریق العلو فی تلک الدار فکان الشریک فی عین البقعۃ اولی، وفی فتاوی قاضی خان باع صاحب السفل سفلہ کان لصاحب العلو ان یاخذ السفل بالشفعۃ لان اسفل متصل بالعلو فکانا جارین۔ غرض بہر حال بکر جار محض سے زائد نہیں، اور عمرو خلیط فی حق المبیع ہے، کہ راستہ مکان مبیع کا اُسکی زمین مملوک میں ہے، اور شرعًا خلیط جار پر مقدم، کما ھو فی عامۃ الکتب، پس صورت مسئول بہا میں برتقدیر نہ مدعی ہونے کسی شریک فی نفس المبیع کے عمرو ہے، نہ بکر اور عمرو شرائط شفعہ بجالایا تو درصورت عدم مزاحم کل مکان مبیع کو بکر سے لے سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان واقع کوچہ غیر نافذہ ایک شخص اجنبی کے ہاتھ کہ اُس مکان سے کوئی علاقہ شفعہ نہیں رکھتا فروخت ہوا، راستہ اس مکان کا اراضی پیش دروازہ زید ہے، اور راہ دونوں کی شارع عام تک مشترک، پس زید بعد بجاآوری شرائط شفعہ بسبب شفعہ دعوی کرتا ہے، اس صورت میں وہ مکان زید کو مل سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ صورت مسئولہ میں زید خلیط فی حق المبیع ہے، اور حق شفع اس کے لئے ثابت، پس جس صورت میں کہ وہ سب شرائط بجالایا اگر کوئی خلیط فی نفس المبیع مدعی شفعہ نہ ہو، تو مکان اُسے قطعًا مل سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

الجواب صحیح محمد نقی علی میاں

مسئلہ ۔ ۲۷ رصفر ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان کی اراضی میں زید کے چند ورثہ شریک ہیں، اُن میں سے بعض نے اپنے حصے عمرو شخص اجنبی کے ہاتھ بیع کر دے، پھر اُن اشخاص میں سے جنھوں نے اپنے حصے بیع نہیں کئے تھے ایک نے

اُسی عمرو کے ہاتھ اپنا حصہ بیع کردیا، اب اُن اشخاص مذکورین میں ایک شخص شفیع ہے، تو یہ شخص عمرو اجنب پر ترجیح رکھتا ہے یانہیں، اور اس اراضی مبیعہ کو عمرو سے شفعہ میں لے سکتا ہے یانہیں۔ بینوا توجروا،

الجواب۔ عمرو جبکہ ایک حصہ اسی زمین کا خرید چکا ہے، اور ہنوز حدود جدا نہ ہوئیں تو وہ بھی شریک ہوا اور یہ شفیع بھی شریک ہے تو کسی دوسرے پر ترجیح نہیں، اگر اس شریک نے بیع ثانی کی کل مبیع کا مطالبہ بذریعہ شفعہ کیا اور عمرو دینے پر راضی نہ ہوا، تو نصف شفیع کو دلادیں گے، اور عمرو راضی ہوگیا تو کل دلادیں گے، فی ردالمحتار باع احد شریکین فی دار حصته منها للاٰخر فجاء ثالث وطلب الشفعة فان کان شریکا قسمت بینه وبین المشتری لانهما شفیعان' ای اذا طلب ولم یسلم للشفیع الاٰخر اھ مختصرا، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ۔ از دیورنیا تحصیل بہیڑی　　　۱۷ / ۶ مظفر ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضع دیورنیا میں تخمیناً دو بسوہ زمینداری ہے، منجملہ اس کے تخمیناً ۱۰ کچوانسی خلیل الدین کے پاس' اور دس کچوانسی خواجہ بخش کے پاس، اور نمبرداری دونوں بسوہ پر خواجہ بخش کی ہے، دیگر شرکا نے اُسے دو بسوہ سے ۱۶ بسوانسہ خلیل الدین کے ہاتھ بیع کی، تو شفعہ خواجہ بخش اور خلیل الدین کس کو کتنا پہنچتا ہے، بینوا توجروا

الجواب۔ اگر وہ دیہہ مملوکہ ہے کہ زمیندار انہیں اپنے اپنے حصّوں کے مالک ہیں، تو بلاشبہہ اُس میں حق شفعہ جاری ہے اور خلیل الدین مشتری اور خواجہ بخش دونوں شفیع ہیں، خواجہ بخش اگر طلب مواثبت وغیرہ شرائط بجالایا اور کل مبیع ۱۶ بسوانسی پوری پر بذریعہ شفعہ دعوٰی کیا تو اگر خلیل الدین مزاحمت کرے تو آٹھ بسوانسی خلیل الدین کے پاس رہینگی اور آٹھ بسوانسی بذریعہ شفعہ خواجہ بخش کو دلادیجائینگی اس بات پر کچھ لحاظ نہ ہوگا کہ اُنہیں ایک دو کچوانسی کا مالک ہے اور دوسرا دس کا، اور اگر خلیل الدین مزاحمت نہ کرے بلکہ کل دیدے، تو کل خواجہ بخش کو ملے گی' اور اگر خواجہ بخش نے کل مبیع پر دعوٰی نہ کیا بلکہ یہ سمجھ کر کہ مجھے آدھی ملیں گی، ابتداءً آٹھ ہی بسوانسی پر شفعہ چاہا، تو اُس کا حق شفعہ ساقط ہوا، اب کچھ نہ پائے گا، ردالمحتار میں ہے ذکر فی الخیریة ان کون الارض عشریة اوخراجیة لاینافی الملك' ففی کثیر من الکتب ارض الخراج اوالعشر مملوکة یجوز بیعها وایقافها وتورث فتثبت فیها الشفعة بخلاف السلطانیة التی تدفع مزارعة لاتباع فلا شفعة فیها الخ، درمختار میں ہے لوکان المشتری شریکا وللدار شریك اٰخر فلهما الشفعة، ردالمحتار میں ہے، فی القنیة اشتری الجار دارا ولها جار اٰخر فطلب الشفعة وکذا المشتری فهی بینهما نصفین، لانهما شفیعان قال ابن الشحنة فقوله وکذا المشتری ای اذا طلب ولم یسلم للشفیع الاٰخر، وفی کلام ابن الشحنة اشارة الی ان قول القنیة فطلب الشفعة المراد به انه لم یسلم الکل للاٰخر لاحقیقة الطلب، فلا ینافی ماقدمناه عن الخانیة ان الاصیل لا یحتاج الی الطلب، تنویر الابصار میں ہے، یملك بالاخذ بالتراضی اوبقضاء القاضی بقدر رؤس الشفعاء لا الملك، درمختار میں ہے لوطلب احد الشریکین النصف بناء علی انه یستحقه فقط بطلت شفعته' اذشرط

صحتہا ان یطلب الکل کما بسطہ الزیلعی فلیحفظ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از اوجین، علاقہ گوالیار، مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خانصاحب ۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان پابند شرع برحق، اس مسئلہ میں ایک چشمہ گنگا بائی ومتھرا بائی کی مکان کا شرق رویہ ملحق مکان حکیم رحمت علی صاحب اور طرف جنوب شارع عام اور مغرب رویہ اس مکان کے صرف مکان رحمت علی صاحب ہے، اُس چشمہ کو ایک برہمن غیر محلہ کو سات سو روپیہ میں فروخت کیا ازاں جملہ دس روپیہ بیعنامہ اُس برہمن سے لے لئے، جب حکیم صاحب کو خبر پہنچی تو بوقت دستاویز دعوٰی حق شفعہ کیا تو اُس عورت نے بعلم دعوٰی حق شفعہ حکیم صاحب اس چشمہ کو جو منضم مکان حکیم صاحب ہے، اُس برہمن کو خیرات کردیا، اِس خیال سے کہ دعوٰی حکیم صاحب رد ہوجائے اس صورت میں بحق شفعہ دعوٰی حکیم صاحب درست ہے یا نہیں، بیان فرمادیں بعبارت کتب علماء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب ۔ اگر شفیع شرائط طلب بجالایا تو اس کا حق شفعہ ثابت ہے، اور اس خیرات کردینے سے شفعہ باطل نہ ہوا، جب بیع تمام ہوچکی مشتری مبیع کا مالک ہوگیا، بائعہ کی اُس میں ملک نہ رہی، اب یہ اسی کا مال اس پر خیرات کرنے والی کون؟ اور اگر خیرات یوں واقع ہوئی کہ بعد دعوٰی شفعہ بائعہ ومشتری نے باہم بیع کو فسخ کرلیا، پھر بائعہ نے مبیع مشتری پر خیرات کردی، تو یہ مشتری کا ایک تصرف تھا جسے شفیع توڑ سکتا ہے، بائع ومشتری کا باہم بیع فسخ کرلینا تیسرے شخص کے حق میں بیع جدید ہوتا ہے، یعنی مشتری نے اب وہ چیز بائع کے ہاتھ بیچ ڈالی اور مشتری کی بیع درکنار وقف تک کو شفیع رد کرسکتا ہے، ان تصرفات سے اس کے حق شفعہ میں کوئی خلل نہیں آتا، درمختار میں ہے ینقض الشفیع جمیع تصرفات المشتری حتی الوقف والمسجد والمقبرۃ والھبۃ، زیلعی وغیرہ اھ۔ عالمگیری میں ہے لوتصرف المشتری فی الدار المشتراۃ قبل اخذ الشفیع بان وھبہا وسلمہا او تصدق بہا او اٰجرھا اوجعلہا مسجدا وصلی فیہا اووقفہا وقفا اوجعلہا مقبرۃ ودفن فیہا، فللشفیع ان یاخذ وینقض تصرف المشتری کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خاں، اُسی میں ذخیرہ سے ہے المشتری لہ ان یبیع ویطیب لہ الثمن غیر ان للشفیع ان ینقض اھ مختصرا، تنویر میں ہے الاقالۃ فسخ فی حق المتعاقدین، بیع فی حق ثالث اھ ملتقطا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از شہر کہنہ بریلی، مرسلہ مولوی سید کرامت علی صاحب ۴ رمحرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت غرا محمدیہ اس صورت میں کہ زید کا ہمسایہ عمرو ہے، اور دونوں کے مکان ایک ہی قطعہ میں واقع ہیں، صرف دیوار درمیان میں ہے، اور دروازہ دونوں کا متصل ہر ایک جانب کو بفاصلہ صرف تین چار گز کے، اور کوئی دوسرا شخص ایسا قریب نہیں رہتا ہے جس کا دروازہ ملحق بدروازہ زید ہو، سوائے عمرو مذکور کے، اب

زید نے بنظر تکلیف دہی عمرو کی اپنی زمین مذکورہ کا تبادلہ بکر کے زمین سے جو بفاصلہ تقریباً دوصد گز ہے کرکے اقرارنامہ تحریر کردیا یعنی اپنی زمین کو بعوض زمین بکر کے بیع کردیا، اب اس حالت میں عمرو کو حق شفعہ زمین پہنچتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب ضرور حق شفعہ پہنچتا ہے، اگرچہ بجائے لفظ بیع مبادلہ زمین بزمین کہا، اگرچہ بجائے بیعنامہ اس مبادلہ کا اقرارنامہ لکھا، اس لئے کہ ان عقود میں معنٰی ہی معتبر ہیں، خاص لفظ کی حاجت نہیں، ہدایہ میں ہے اعطیتك بكذا او خذہ بكذا فی معنی قولہ بعت واشتریت لانہ یؤدی معناہ والمعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود، اور مال کا مال سے بدلنا بھی معنی بیع ہے، عالمگیری میں ہے اما تعریفہ فمبادلۃ المال بالمال بالتراضی ھکذا فی الکافی، اُسی میں ہے لو قال لاٰخر عوضت فرسی بفرسك فقال وانا فعلت ایضا فھذا بیع، اُسی کی کتاب شفعہ میں ہے اما شرطھا فانواع منھا عقد المعاوضۃ وھو البیع او ما ھو بمعناہ (الی قولہ) ومنھا معاوضۃ المال بالمال، ہدایہ میں ہے اذا ملك العقار بعوض ھو مال وجبت فیہ الشفعۃ، یہ خاص جزئیہ اس مسئلہ کا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از ریاست رامپور، محلہ بنگلہ آزاد خاں، مطبع دبدبۂ سکندری، مرسلہ فاروق حسن خاں، جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ

زید نے دعوٰی دلاپانے ایک قطعہ سرا کا جس کا منفرداً عمرو مشتری ہے، اور دوسرے قطعہ سرا کا جس کے عمرو مذکور و بکر و خالد و فہیم و نعیم پانچ اشخاص مشترکا خریدار ہیں، باظہار حق شفعہ بہ نمبر ہائے جداگانہ بنام مشتریان مذکور عدالت میں رجوع کیا، مشتریان مذکور بعد علم بالبیع ادائے طلب مواثبت و اشہاد زید کے منکر ہیں۔ زید نے جو شہادتیں دربارۂ طلب مواثبت عدالت میں پیش کیں، اون سے طلب مذکور ثابت نہ ہوئی، پس زید باعتراف عدم ثبوت طلب مواثبت اپنی طلب مواثبت پر خود خواستگار بجا آوری حلف کا ہے، علماء ماہرین علم فقہ سے دریافت طلب امر ہے کہ بصورت مسئلہ نسبت ادائے طلب مواثبت قول زید کا مع الیمین مقبول ہوگا، یا باقتضائے روایات مفتی بہا و اقوال مستندۂ فقہیہ بسبب ہونے تحلیف علی فعل الغیر مشتریان سے علم طلب مواثبت زید پر قسم لی جائے گی، اور فریق ثانی نے جو استفتا عدالت میں پیش کیا ہے اُسکی نقل بجنسہٖ ہمرشتہ سوال ہذا ہے، نظر بمضمون سوال ہذا و توجہ بر روایات و عبارات سوال و جواب مندرجہ استفتا گزرانیدۂ فریق ثانی بحوالہ روایات مفتی بہا باستدلال اقوال مستندۂ کتب فقہ جواب مرحمت ہو۔ بیّنوا توجروا

الجواب ۔ یہ مسئلہ معرکۃ الآرا و مزلّۃ الاقدام ہے، فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس سوال کے ورود پر عبارات کثیرۂ علما کہ بظاہر نہایت متخالف و متعارض تھیں بکثرت جمع کیں، اور اُن کے محط انظار و منزع کلام، و منظر مراد و ملحظ مرام پر بتوفیقہ تعالٰی نظریں ڈالیں، اور بعد تحقیق و تدقیق و تطبیق و توفیق وہ حکم نفیس مشید بالاصول و مؤید بتظافر العقول والنقول منقح کرلیا جس نے بحمد اللہ تعالٰی ان تمام عبارات متعارضہ کو یک زبان کردیا، اور تصادم و تزاحم یک لخت اُٹھ گیا، اور مختلف ظنون کہ مختلف مناشی سے اکابر علما مثل علامہ [illegible] ابن قاضی سماوہ و علامہ حموی و علامہ ابو السعود ازہری و علامہ سائحانی اور شامی رحمہم اللہ تعالٰی کو پیدا ہوئے تھے بعونہٖ تعالٰی سب کا کشف حجاب و اظہار صواب کیا، فقیر نے اس تحریر کامل التحریر کا نام **اَفْقَهُ الْمُحَاوَبَةِ عَنْ**

حَلَفَ الطَّالِبِ عَلٰی طَلَبِ الْمُوَاثَبَۃِ رکھا، وضاحت مرام وازاحت اوہام تو اسی تحریر پر محمول یہاں نفس حکم بحال اجمال مذکور، سوال کہ یہاں ارسال ہوا، اور دوسرا کہ فتوٰی منسلکہ میں تھا، دونوں نہایت گول اور ناتمام ہیں، اُن میں کسی پر ایک حکم قطعی کہ یہاں شفیع کا حلف لیں گے یا مشتری کا ہرگز نہیں ہوسکتا، بلکہ حق تفصیل ہے، اوّلاً نظر کی جائے، آیا شفیع نے طلب اشہاد بینۂ عادلہ سے ثابت کردی یا وہ بھی ناکام رہی، درصورت ثانیہ ہرگز شفیع کا حلف نہ لیا جائے گا، نہ مسموع ہوگا، کہ شفیع ثبوت حق شفعہ کا دعوٰی کرتا ہے، اور مشتری منکر ہے، اور شرعاً حلف منکر پر ہے نہ کہ مدعی پر، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث مشہور میں فرماتے ہیں "البینۃ علی المدعی والیمین علٰی من انکر" ولہٰذا عامہ کتب معتمدہ میں تصریح فرمادی کہ بحال انکار مشتری شفیع اپنی طلب بے گواہوں کے ثابت کر ہی نہیں سکتا، ہدایہ و تبیین الحقائق وتکملۂ طوری میں ہے لانہ یحتاج الی اثبات طلبہ عند القاضی ولایمکنہ ذٰلک الا بالاشھاد، اور اگر طلب اشہاد بینۂ شرعیہ سے ثابت ہوچکی ہے، تو اب طلب مواثبت کے باب میں تین صورتیں ہیں، اگر شفیع اپنی طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت اس طلب اشہاد مشہود معہود ثابت بالبینہ سے پہلے بیان کیا اور مدعی ہوا ہے کہ اسی وقت بمجرد علم بالبیع میں طلب مواثبت بجالایا تھا، تو ہرگز بے بینہ مسموع نہیں، نہ شفیع کا حلف اصلاً قابل سماعت کہ وہ باقرار خود سبقت علم مان چکا، اور اس کی معیت کا ایک ایسی طلب کے لئے مدعی ہے، جو ہنوز مجہول وغیر ثابت ہے، فکیف یصدق فیما ھو غیر بین ولامبین مع توقف ثبوت حقہ علیہ، وہ حصول طلب فی الماضی کا مدعی ہے، اور مشتری منکر والاصل العدم ومن ادعی خلاف الاصل فعلیہ تنویر دعواہ بالبینۃ، وہ ایک ایسی چیز کی حکایت کررہا ہے، جو اس وقت اس کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ سبقت علم کا مقر ہوا، اور طلب مواثبت کا وقت اسی فور میں تھا، اس وقت احداث طلب پر قدرت نہیں رکھتا، اور جو ایسی شیئ کا حاکی ہو اس کا قول بے بینہ مسموع نہیں، درر وغرر میں ہے من حکی مالا یملک استئنافہ للحال، لایصدق فیما حکی بلابینۃ، یہی معنی ہیں تصریحات کے کہ طلب مواثبت بے بینہ کے ثابت نہیں ہوسکتی، ای اذاکان طلب المواثبۃ وحدہ بخلاف ما یاتی فانہ لم یثبت فیہ انفرادہ عن طلب الاشھاد، کما ستعلم، وطلب واحد ربما یقوم مقام الطلبین فبعد اثبات طلب الاشھاد بالشھود او ثبوتہ باقرار المشتری لایحتاج الی اثبات طلب المواثبۃ منفرداعنہ، فان ادعی المشتری الانفراد بتقدم العلم علی الاشھاد فعلیہ البینۃ، لا علی الشفیع۔ غایۃ البیان شرح الہدایۃ للعلامۃ الاتقانی میں ہے المراد من المطالبۃ طلب المواثبۃ والاشھاد فیہ فی المجلس لیس بشرط والشرط ھو نفس الطلب، وانما یشھد فیہ لانہ لایصدق علی الطلب الا ببینۃ نہایہ امام سغناقی ومعراج الدرایہ پھر نتائج الافکار شروح ہدایہ میں ہے، طلب المواثبۃ لاینفک عن الاشھاد فی حق علم القاضی، ان دونوں صورتوں میں سبیل یہی ہے کہ شفیع چاہے تو مشتری سے حلف لے، اور یہاں حلف فعل غیر پر ہے مشتری کا حلف محض علم پر ہوگا، کہ واللہ مجھے معلوم نہیں کہ اس زید مدعی نے یہ طلب مواثبت جس کا یہ مدعی ہے،

اداکی ہو، تنویر الابصار و درمختار میں ہے، لوانکر المشتری طلب المواثبۃ فانہ یحلف علی العلم، وجیز امام کردری میں ہے، انکر طلب الشفیع مواثبۃ حلفہ علی العلم، وان طلبہ عند لقائہ فعلی البتات اشباہ میں ہے، انکر المشتری طلب الشفعۃ حین علم فالقول لہ مع یمینہ علی نفی العلم، خزانۃ المفتین میں فتاویٰ کبریٰ سے ہے، المشتری اذا انکر طلب الشفعۃ عند سماع البیع فالقول لہ مع الیمین علی العلم باللہ مایعلم ان الشفیع حین علم بالبیع طلب، ہندیہ میں ملتقط سے ہے، المشتری اذا انکر طلب الشفیع الشفعۃ عند سماع البیع یحلف علی العلم، وان انکر طلبہ عند لقائہ حلف علی البتات، اسی طرح کتب کثیرہ میں ہے اُسی میں محیط امام سرخسی سے ہے، اذا انکر المشتری طلب الشفعۃ فیقول لہ لم تطلب الشفعۃ حین علمت بل ترکت الطلب وقمت عن المجلس، والشفیع یقول طلبت فالقول قول المشتری فلابد من الاشہاد وقت الطلب توثیقا، اور اگر شفیع نے طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت اس طلب اشہاد ومشہود سے پہلے نہ بیان کیا، بلکہ صراحۃً تصریح کردی کہ جس وقت میں نے طلب اشہاد کی اُسی وقت مجھے علم ہوا تھا، اُس سے پہلے علم بالبیع نہ تھا، توشفیع ہی کا قول حلف کے ساتھ مقبول ہے، اُسے طلب مواثبت پر جداگانہ گواہ دینے کی حاجت نہیں، مشتری اگر دعویٰ کرے کہ طلب اشہاد سے پہلے شفیع کو علم بالبیع ہولیا تھا، اور اُس نے اُس وقت طلب مواثبت نہ کی تو اب مشتری مدعی ہے، یہ گواہ دے، اس لئے کہ اب یہ حصول علم فی الماضی کا ادعا کرتا اور شفیع منکر ہے، والحادث یضاف الی اقرب الاوقات، والاصل العدم فمن خالف ہذین الاصلین فعلیہ البینۃ، فتاویٰ امام قاضی خان میں ہے لوقال الشفیع لم اعلم بالشراء الا الساعۃ کان القول قولہ، وعلی المشتری البینۃ انہ علم قبل ذلک ولم یطلب، سراجیہ میں ہے الشفیع اذا طلب الشفعۃ فقال المشتری علمت بالبیع قبل ہذا ولم تطلب وقال الشفیع علمت بہ الساعۃ فالقول للشفیع، خزانۃ المفتین میں فتاویٰ ظہیریہ اور عالمگیری میں محیط سے ہے، لوقال الشفیع علمت الساعۃ وانا اطلبہا وقال المشتری علمت قبل ذلک ولم تطلب فالقول قول الشفیع، یوہیں اگر شفیع نے طلب اشہاد ثابت کردی اور طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت متقدم اصلاً معین نہ کیا، بلکہ گول مجمل کہا کہ معاً علم ہوتے ہی میں نے شفعہ طلب کیا، تو اس صورت میں بھی شفیع کا حلف معتبر ہے، اگر واقع میں اُسی وقت طلب اشہاد سے پہلے علم نہ ہوا تھا، جب تو ظاہر اور ہو چکا تھا، اور فوراً طلب مواثبت کرلی تھی، اگرچہ اُس وقت کوئی دوسرا موجود نہ تھا، تو وہ اپنے اس حلف میں عنداللہ تعالیٰ سچا ہے، اور قاضی اس گول لفظ کو اسی طلب معلوم مشہود پر حمل کرے گا، اور اس سے زیادہ تفصیل وقت کی شفیع کو تکلیف نہ دے گا، یہی منشار ہے اُن ارشادات علماء کا، کہ شفیع کو اگرچہ تنہائی میں علم بالبیع ہو، معاً زبان سے طلب شفعہ کرلے، کہ عنداللہ تعالیٰ اُس کا شفعہ ساقط نہ ہو، اور وقت حاجت حلف کرسکو

فتاوٰی بزازیہ میں ہے: یصدق علی انه طلب کما علم مع الحلف، درر میں ہے اذا سمع بالبیع فی مکان خال عن الشهود فسکت تبطل شفعته، واذا قال طلبت الشفعة ولم یسمعه احد لاتبطل حتی اذا احضر عند القاضی، وقال الشفیع طلبت الشفعة ولم اترکها وحلف علی ذلك کان بارًّا فی یمینه، ویثبت طلب المواثبة، تبیین الحقائق میں ہے ان لم یکن بحضرته احد یطلب من غیر اشهاد، لان هذا الطلب صحیح من غیر اشهاد، والاشهاد لمخالفة الجحود، والطلب لابد منه کیلا یسقط حقه فیما بینه وبین الله تعالٰی، ولیمکنه الحلف اذا احلف، کفایہ میں ہے ذکر فی المبسوط لو لم یکن بحضرته احد حین سمع ینبغی ان یطلب الشفعة، والطلب صحیح من غیر اشهاد، والاشهاد لمخالفة الجحود فینبغی له ان یطلب حتی اذا احلفه المشتری امکنه ان یحلف انه طلبها کما سمع، متتبع کلمات علماء بہت جگہ تصریح پائے گا کہ جب دربارۂ طلب شفیع ومشتری میں اختلاف ہے، قول قول مشتری ہے، اور بہت جگہ یہ کہ قول قول شفیع ہے، اس ظاہری اضطراب میں توفیق وتطبیق بتانے والی وہی عبارات کثیرہ ہیں، جن میں تفصیل فرمادی کہ شفیع نے طلب مواثبت کو وقت سابق کی طرف مسند کیا تو قول قول مشتری ہے، اور گول چھوڑا کوئی وقت اُس کا بیان نہ کیا صرف اتنا کہا کہ بمجرد علم میں نے طلب کی تو قول قول شفیع ہے، خانیہ وبزازیہ ودرر وغرر وجامع الفصولین وسراجیہ وواقعات المفتین وفتاوٰی صغرٰی ومحیط ومبسوط وفتاوٰی ظہیریہ ووہبانیہ وخزانۃ المفتین وتکملۂ طوری وحواشی رملی وشامی وشرح وہبانیہ وغیرہا کتب کثیرہ میں یہ توفیق وتفصیل ارشاد ہوئی، امام اجل قاضی الشرق والغرب شیخ المذہب سیدنا امام ابو یوسف نوادر میں فرماتے ہیں، اذا قال الشفیع طلبت الشفعة حین علمت فالقول قوله، ولو قال علمت امس و طلبت اوکان البیع امس وطلبتها فی ذلك الوقت لم یصدق الا ببینة، اھ نقله العلامة الطوری فی تکملة البحر، امام جلیل خصاف شرح ادب القاضی میں فرماتے ہیں قال المشتری اشتریت هذه الدار منذ سنة وقد علم الشفیع شرائی ولم یطلب، فاسأله عن ذلك، فان القاضی یسأل المدعی متی اشتریت هذه الدار فان قال الشفیع طلبت الشفعة حین علمت فان القاضی یکتفی منه بهذا المقدار، لانه لایمکنه ان یقول اشتراها منذ سنة لاحتیاجه الی اثباته فاحترز عنه بذکر طلب الشفعة، فان قال له المشتری طلبت حین علمت فالقول للشفیع، لانه فی هذه الحالة ظهر علمه للقاضی مقارنا للطلب، بخلاف ما اذا قال الشفیع علمت منذ کذا وطلبت، وقال المشتری ماطلبت، کان القول للمشتری، اذا لم یظهر للقاضی بالاسناد لذلك الوقت فیحتاج الی الاثبات، ونظیره البکر اذا زوجت اھ نقله العلامة الشرنبلالی فی تیسیر المقاصد شرح

نظم الفرائد۔ امام فقیہ النفس خانیہ میں فرماتے ہیں، ان قال المشتری انی قد اشتریت ھذہ الدار التی یرید ان یاخذھا بالشفعۃ منذ سنۃ وقد علم ھذا المدعی بشرائی ولم یطلب الشفعۃ، یقول القاضی للمدعی متی اشتری ھذہ الدار فان قال المدعی طلبت الشفعۃ حین علمت کان صحیحا اکفاہ ذلک، فان قال المشتری ماطلبت حین علمت کان القول قول الشفیع، وان قال الشفیع علمت منذ سنۃ وطلبت وقال المشتری لم تطلب کان القول قول المشتری، وھو کالبکر اذا زوجت فبلغہا الخبر فردت فاختصما الی القاضی فقال الزوج حین بلغہا الخبر سکتت، وقالت رددت حین علمت، کان القول قولہا، وان قالت علمت یوم کذا ورددت لایقبل قولہا (الی ان قال) ولوقیل للشفیع متی علمت، فقال امس اوفی یومی قبل ھذہ الساعۃ لایقبل قولہ الابینۃ علامہ مولٰی خسرو غرر میں فرماتے ہیں، قال الشفیع طلبت حین علمت فالقول لہ بیمینہ، ولو قال علمت امس وطلبتہ کلف اقامۃ البینۃ، درر میں فرماتے ہیں، کلف اقامۃ البینۃ ولایقبل قولہ لانہ اضاف الطلب الی وقت ماض، فقد حکی مالایملك استئنافہ للحال، ومن حکی مالایملك استئنافہ للحال لایصدق فیما حکی بلابینۃ، واذا لم یضف الطلب الی وقت ماض بل اطلق الکلام اطلاقا تاما فقد حکی مایملك استئنافہ للحال لانا نجعلہ کانہ علم بالشراء الآن، وطلب الشفعۃ الآن فلذا جعل القول قولہ کذا فی العمادیہ وغیرھا **اقول** وباللہ التوفیق، ان عبارات توفیق کا جس طرح یہ مطلب نہیں، کہ مجرد اضافت طلب بزمان ماضی شفیع کو مدعی کردے گی کہ اُسے قاضی کے حضور اضافت الی الماضی سے کیا چارہ کہ دونوں طلب مواثبت و اشہاد کا طلب عند القاضی سے پہلے ہونا لازم، یہاں تک کہ اگر بفور علم طلب تملک سے آغاز کیا اور دو طلبیں پہلے نہ کرلیں شفعہ باطل ہوجائیگا فتاوٰی خیریہ میں ہے، صرح علماؤنا قاطبۃ انہ متی تمکن من طلب الاشہاد لم یشھد بطلت شفعتہ فلو اضرب عنہ ومضی الی المحکمۃ ابتداء وطلب عند القاضی بطلت والطلب عند القاضی متأخر عن الطلبین ای طلب المواثبۃ والاشہاد فاذا قدمہ علیھما اوعلی احدھما بطلت شفعتہ، ولیس فی ھذا اختلاف بین ائمتنا فیما علمت، ناچار عند القاضی نسبت الی الماضی ہی کرے گا، ولہذا فتح اللہ المعین میں فرمایا، انہ لایستحلف الا اذا اسند الطلب الی الزمن الماضی اسی طرح یہ معنی بھی زنہار مراد نہیں ہوسکتے کہ شفیع کا اتنا کہدینا (کہ میں نے بمجرد علم طلب کی) مطلقا کافی ووافی ہے اگرچہ اس طلب کا زمانہ طلب اشہاد سے مقدم بتاچکا ہو، ایسا ہوتا تو جس صورت میں اہل توفیق نے قول شفیع معتبر نہ رکھا، یعنی علمت امس وطلبت واجب تھا کہ اس میں بھی قبول ہوتا، اور فرق محض ضائع رہتا کہ شفیع یہاں طلب مواثبت

سے خبر دے رہا ہے، اور وہ نہیں ہوتی مگر بفورِ علم، تو اُس طلبت کے معنٰی قطعاً یہی ہیں کہ طلبت کما علمت، ولہٰذا اس صورت عدمِ قبول قولِ شفیع کو سراجیہ میں بلفظ فائے تعقیب بیان کیا، کہ الشفیع لوقال طلبت الشفعۃ حین علمت کان القول لہ، ولوقال علمت منذکذا فطلبت وقال المشتری ماطلبت فالقول للمشتری، شرح مبسوط میں خاص انھیں الفاظ اتصال پر حکم عدمِ قبول دیا حیث قال کما نقل عنہ فی جامع الفصولین برمز "شصل" بلغت بکرا فقالت رددت کما بلغت، والزوج یقول سکت فالقول للزوج، فکذا لو قال طلبت الشفعۃ کما سمعت، فقال المشتری سکتَّ فالقول للمشتری، اُسی میں ہے لولم یکن عندھا شھود فاذا وجد تھم فلو بلغت بحیض تقول حضت الاٰن ونقضتہ، فاشھدوا علیہ ولو بلغت باحتلام اوبسن تقول کما بلغت نقضتہ، فاشھدوا اوتقول اشھدوا، انی بلغت و نقضتہ، فان قالوا متی بلغت تقول کما بلغت نقضتہ ولا تزید علی ھذا لانھا لو قالت بلغت قبل ھذا ونقضتہ حین بلغت لاتصدق، دیکھو! زمانہ متقدم بتانے کی حالت میں ادعائے فورِ اتصال کو بھی ۔۔ فرمادیا، غرض نہ مدارِ قبول مجرد ادعائے اتصال پر ہے نہ مناط عدمِ قبول محض اضافت بماضی، بلکہ طلب شہود تصال کا صراحۃً بیان، یا طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت متقدم علی وقت الاشہاد نہ بیان کرنا، اور رفع بیان، ۔۔ل پر قانع ہونا درکار ہے کہ عیناً یا احتمالاً یہی طلب شہود مراد ہوسکے، اور طلب مشہود سے تقدم علم کا اقرار موجب عدمِ قبول قول ہے، اگرچہ لاکھ مدعی اتصال ہو، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ جس طرح علمت کما طلبت سے طلب عندالقاضی مراد نہیں ہوسکتی، لما علمت ان اتصالہ بالعلم مبطل للشفعۃ لعدم تقدم الطلبین، یونہی کوئی طلب مجہول جس کا بیان محض مدعی کی زبان سے ہو مقصود ماننا بھی بدیہی البطلان ہے، لما تقدم انہ مدع فیہ فکیف یقبل قولہ ولما علمت انہ یضیع علی ھذا الفرق المطبق علیہ من اھل التوفیق ولما من نصوص السراجیۃ وشرح المبسوط علی بطلانہ، لاجرم اُس سے مراد وہی طلب اشہاد ہے جبکہ مشہور ومعہود اور بینہ عادلہ یا اقرارِ مشتری سے ثابت ومعروف ہو، تو حاصل تنقیح وتحقیق وعطر تنقید وتدقیق بحمد اللہ تعالٰی وہی نکلا، کہ طلب اشہاد ہرگز بے گواہان یا اعتراف مشتری ثابت نہیں ہوسکتی نہ بے اُس کے ثبوت کے طلب مواثبت پر ہرگز حلف شفیع لیا جاسکتا ہے، ہاں جب وہ ثابت ہو اور طلب مواثبت کے لئے کوئی زمانہ طلب اشہاد سے پہلے اگرچہ ایک ہی ساعت خفیفہ ہو، بیان نہ کیا، بلکہ صراحۃً اسی طلب اشہاد کو طلب مواثبت بتایا، بایں معنی کہ اسی وقت علم ہوا تھا معاً طلب اشہاد کی کہ دونوں طلبوں کے قائم مقام ہوئی، یا طلب مواثبت کے لئے اصلاً کوئی وقت نہ بتایا، صرف اتنے کہنے پر قانع ہوا کہ میں نے معلوم ہوتے ہی طلب کی، تو اس صورت میں قولِ شفیع بحلف معتبر ہوگا، ورنہ قول قولِ مشتری ہے، ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق اتقن ھذا فانک لاتجدہ فی غیر ھٰذا العبد الضعیف، واللہ بعبادہ لطیف والحمد للہ رب العٰلمین واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۔ ۱۶ / ذی القعدہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر شفعہ کی اطلاع دیدی گئی ہو دو آدمیوں کے روبرو اور اُس شخص نے لینے سے انکار کیا، تو اب وہ شفعہ مانگتا ہے، استحقاق اس کا باقی ہے یا نہیں، بینوا توجروا

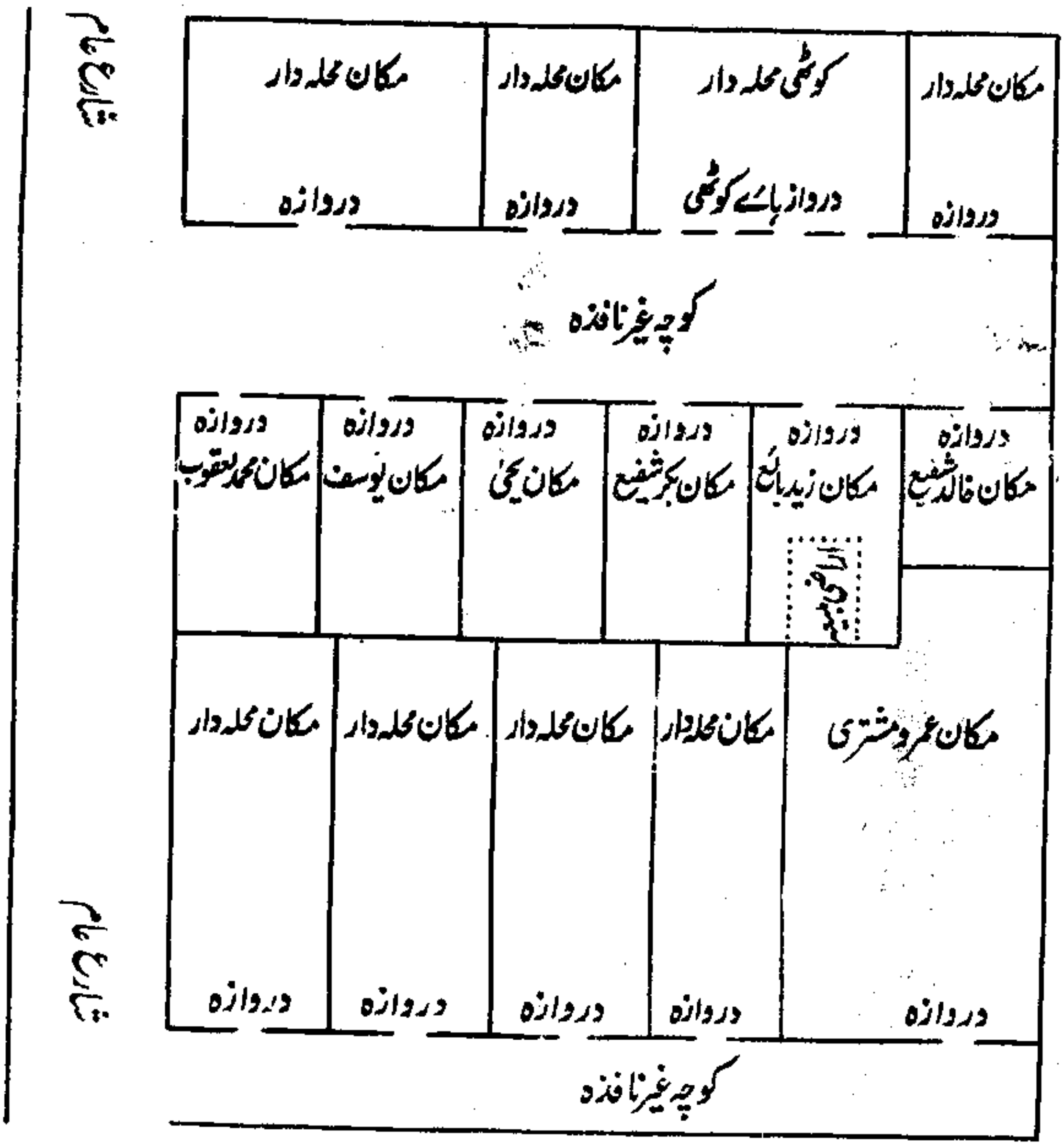
الجواب ۔ اگر بیع ہو جانے کے بعد شفیع نے شفعہ سے انکار کیا، اگرچہ ہنوز اُسے خبر بیع بھی نہ پہنچی ہو، یا خبر بیع سنکر شفعہ لینے سے منکر ہوا، یا سکوت ہی کیا، تو شفعہ ساقط ہوگیا، اب اُسے دعوی شفعہ کا استحقاق نہیں، جبکہ اس خبر میں کوئی ایسی بات نہ بیان کی گئی ہو جس سے شفعہ لینے نہ لینے میں شفیع کی غرض بدلتی ہو، ورنہ اگر پیش از بیع اُس سے کہا گیا کہ یہ مکان بکنے والا ہے، تو شفعہ چاہے گا، اُس نے انکار کر دیا، اور جب بکا تو فوراً طالب شفعہ ہوا، یا بعد بیع خبر بیع اُسی غلط طور پر پہنچی جس سے رغبت وعدم رغبت مختلف ہو، مثلاً زر ثمن زیادہ بتایا گیا، یا مشتری کسی اور شخص کو ظاہر کیا گیا، پانسو کو بکا تھا اس سے کہا گیا چھ سو کو بکا ہے، تو شفعہ لے گا، اُس نے انکار کیا، اور بعد کو معلوم ہوا کہ پانسو کو بیع ہوئی ہے، تو فوراً شفعہ طلب کیا، یا مکان زید کے ہاتھ بکا تھا شفیع کو خبر دی گئی عمرو نے خریدا ہے، اُس نے شفعہ سے انکار کیا، پھر اطلاع ہوئی کہ زید نے خریدا تو فوراً خواستگار شفعہ ہوا، تو ان سب صورتوں میں انکار سے شفعہ ساقط نہ ہوگا، وہ پا سکتا ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے،

تسلیم الشفعۃ قبل البیع لایصح وبعدہ صحیح علم الشفیع بوجوب الشفعۃ اولم یعلم، وعلم من اسقط الیہ ھذا الحق اولم یعلم کذا فی المحیط، اُسی میں ہے، مایبطل بہ حق الشفعۃ بعد ثبوتہ، اختیاری و ضروری، والاختیاری صریح ودلالۃ، اما الاول نحو ان یقول الشفیع ابطلت الشفعۃ اواسقطھا، او ابرأتك عنھا اوسلمتھا اونحو ذلك سواء علم بالبیع اولم یعلم، بعد ان کان بعد البیع، ھکذا فی البدائع اُسی میں ہے اذا قیل لہ ان المشتری فلان فسلم الشفعۃ ثم علم انہ غیرہ فلہ الشفعۃ واذا قیل لہ ان المشتری زید فسلم ثم علم انہ عمرو وزید صح تسلیمہ لزید وکان لہ ان تأخذ نصیب عمرو کذا فی الجوھرۃ النیرۃ ولو اخبر ان الثمن الف فیسلم فاذا الثمن اقل من ذلك فھو علی شفعتہ، فلو کان الثمن الفا اواکثر فلا شفعۃ، کذا فی الذخیرۃ، اُسی میں ہے فالاصل فی جنس ھذہ المسائل ان ینظر ان کان لایختلف غرض الشفیع فی التسلیم صح التسلیم وبطلت الشفعۃ وان کان یختلف غرضہ لم یصح وھو علی شفعتہ کذا فی البدائع، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین، اس باب میں کہ ایک کوچہ غیر نافذہ میں ایک مکان زید کا ایسا واقع ہے جس پر حق شفعہ خلیط فی الطریق چند اشخاص باشندگان کوچہ مذکور پہنچا ہے، اور ان میں سے بعض کو علاوہ حق شفعہ خلیط فی الطریق کے حق شفعہ جار ملاصق بھی حاصل ہے، مکان مذکور کی پچھیت کی طرف عمرو کا مکان واقع ہے، اور جس کا دروازہ دوسرے کوچہ میں ہے، اور اس کو حق شفعہ جار ملاصق ہے، زید مالک مکان مشفوعہ نے

اپنے مکان کی کچھ اراضی جو پچھیت کی طرف اور مکان عمرو سے متصل تھی، وہ بدست عمرو فروخت کی، چونکہ اراضی مذکور مکان مشفوعہ باشندگان کوچہ غیر نافذہ کا جزء ہے، اس لئے استفتا اس امر کا مطلوب کہ شفیعان خلیط فی الطریق اور شفیعان جار ملاصق کو حق شفعہ مکان مشفوعہ کے ایک جز پر شرعاً پہنچتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

واسطے سہولت کے نقشہ پشت ھذا پر تحریر کیا جاتا ھے

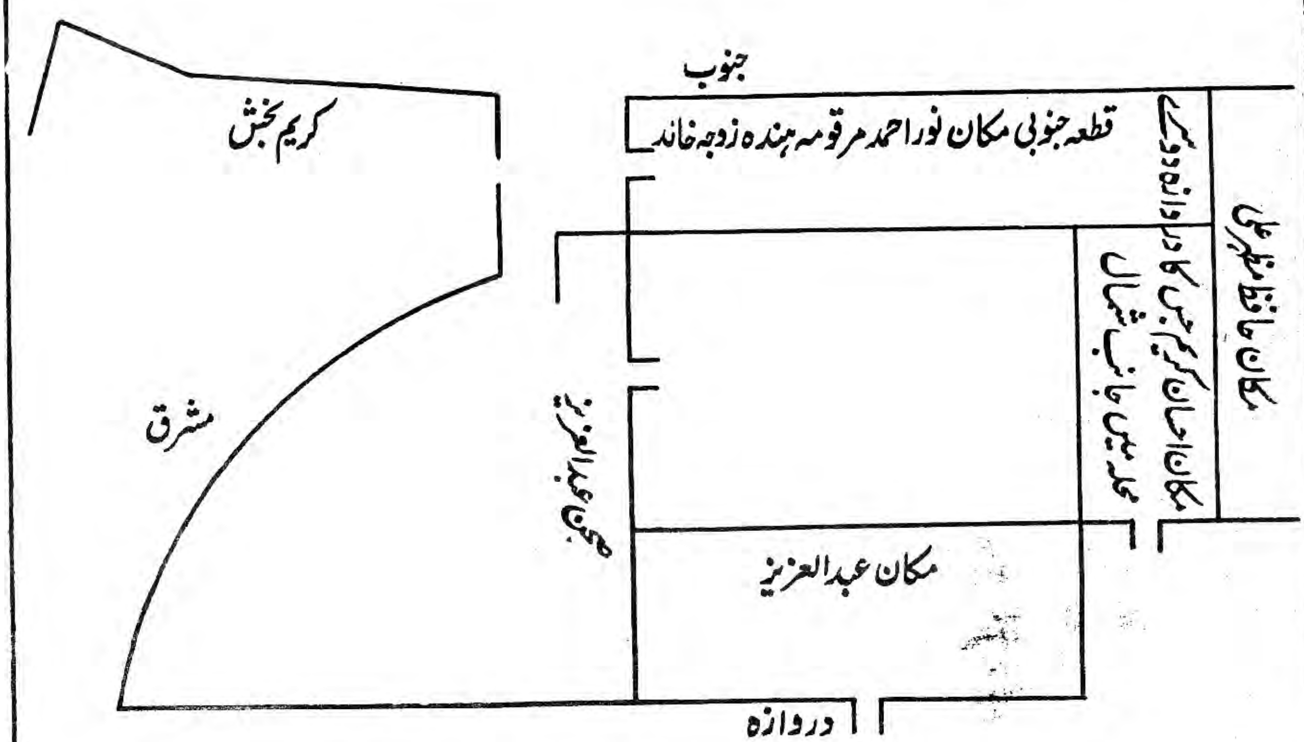


الجواب ۔ کل مکان بیع کیا جائے خواہ بعض ہر صورت میں خلیط فی نفس المبیع وشریک فی حق المبیع کا شفعہ ہے، اور جار ملاصق کا بھی اگر خاص اس جز مبیع سے اتصال رکھتا ہو، اِلّا لَا، اِلَّا عَلٰی رِوَایَۃٍ مُشْکِلَۃٍ ۔ درمختار وغیرہ عامہ کتب میں ہے،

باع عقارًا الا ذراعا مثلا فی جانب حد الشفیع فلا شفعۃ لعدم الاتصال، استشکل السائحانی ہذہ الحیلۃ بما نقلہ الشرنبلالی عن عیون المسائل، دار کبیرۃ ذات مقاصیر باع منہا مقصورۃ فلجار الدار الشفعۃ لان المبیع من جملۃ الدار وجار الدار جار المبیع وان لم یکن متصلا بہ، اھ اقول المشکل ما فی العیون لا ما ھنا، تامل اھ، ما قال العلامۃ الشامی وکتبت علیہ ان المحشی قدم صدر الکتاب عن القہستانی، ان الملاصق المتصل بالمبیع ولو حکما کما اذا بیع بیت من دار فان الملاصق لہ ولاقصی الدار فی الشفعۃ سواء، اھ وھو مثل ما فی العیون ومثلہ ایضا فی الہندیۃ عن المحیط عن شرح ادب القاضی للخصاف، ووجہ اشکالہ ان ما ھنا مصرح بہ فی عامۃ کتب المذہب المعتمدۃ متونا وشروحا وفتاوی، فما خالفہ فہو المشکل لا ھذا، اقول ولؤید ما ھنا ما نص علیہ المتون، ان سبب الشفعۃ اتصال ملک الشفیع بالمشتری، وظاہر ان المشتری اذا کان مفرزا مفصولا عن ملک الشفیع لم یکن بینہما اتصال، ولا یکفی الاتصال بالواسطۃ و الا لکان الجار الغیر الملاصق المحاذی ایضا شفیعا ولا قائل بہ، ولا ینکر علیہ بما صرحوا بہ ان الملاصق بشبر کالملاصق بجمیع حدود، وذلک لان الاتصال بجزء الشیئ اتصال بالشیئ، ولا نسلم ان الاتصال بجزء من شیئ یکون اتصالا بجزئہ الاخر، الا تری ان العمامۃ الملاصقۃ لرأس زید ملاصقۃ لزید لا لرجلہ والنعل المتصل برجل زید متصلۃ بزید لا براسہ، فاتضح ان روایۃ العیون مشکلۃ و الحاصل ان المبیع اذا کان الکل کفی الاتصال بجزئہ، واذا کان جزء معین من شیئ لم یکف الاتصال بجزئہ الاخر، فان الاتصال بالجزء اتصال بالکل مجملا، لا بکل جزء منہ فردا فردا فافترقا، شریک فی حق المبیع کے لئے مبیع سے اتصال ضرور نہیں، صرف شرکت حق مثل طریق خاص وغیرہ کافی ہے، درمختار میں ہے فی شرح المجمع وکذا للجار المقابل فی السکۃ الغیر النافذۃ الشفعۃ، ردالمحتار میں ہے، وجہ ابو السعود بان استحقاقہا فیہ للشرکۃ فی حق المبیع فلا تعتبر الملاصقۃ، اور چند شرکاء حق میں اگر ایک جار ملاصق بھی ہے باقی نہیں تو اُسے اُن باقیوں پر کوئی ترجیح نہ ہوگی، وہ سب یکساں ہیں، عالمگیریہ میں بدائع سے ہے، الشفعۃ لاہل السکۃ کلہم یستوی فیہا الملاصق وغیر الملاصق لانہم کلہم خلطا فی الطریق، پس صورت مستفسرہ میں خالد، بکر، یحیٰی، یوسف، یعقوب اور سامنے کو چاروں مکان اور کوٹھی والے سب اس جز مبیع کے یکساں شفیع ہیں، ان کے ہوتے عمرو اور اس کے برابر کے چاروں محلہ دار جن کے دروازے دوسرے کوچہ میں ہیں، شفیع نہیں ہوسکتے، جبکہ اور کوئی استحقاق نہ رکھتے ہوں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ مرسلہ عبدالعزیز ونور محمد واحسان کریم، قصبہ آنولہ ضلع بریلی، محلہ کٹڑہ پختہ، بتاریخ ۸ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ مکان مملوکہ مقبوضہ اپنا جس کا نقشہ ذیل میں درج ہے، اپنی حین حیات بروئے فرائض شرعی خالد پسر، ہندہ زوجہ، کلثوم، ومریم، زبیدہ، میمونہ دختران کو تقسیم کرکے مالکانہ قابض ودخیل کرادیا، خالد اپنے حق پر جداگانہ، اور ہندہ زوجہ، اور ہر چہار دختران مشترکا اپنے حق پر مالکانہ قابض ہوگئے، اور درمیان مکان کی دیوار سرخ رنگ قائم کرلی، قطعہ شمالی خالد کی اور جنوبی ہندہ، اور ہر چہار دختران کے قبضہ میں رہا، بعد وفات زید کے ہندہ اور ہر چہار دختران زید نے اپنا قطعہ جنوبی عبداللہ کے ہاتھ بیع کردیا، بعد فوت عبداللہ مذکور کے اُس کے ورثا نے قطعہ جنوبی مذکور بدست شیخ نور احمد فروخت کردیا، اور نور احمد ابتک مالکانہ قابض ہے، خالد کے مرنے پر عمر و پسر، رضیہ زوجہ، صفیہ، ذکیہ، رشیدہ، حمیدہ، دختران ورثا خالد شمالی متروکہ خالد پر مالکانہ قابض ہوگئے، جو کہ محدودہ بدیں حدود اربعہ ہے، مکان اور صحن مکان عبدالعزیز مکان حامظہر علی فقط مکان نور احمد مکان عبدالعزیز واحسان کریم عمرو وغیرہ، ورثا خالد نے اپنا حق قطعہ شمالی بدست عبدالعزیز بیع کرنا چاہا اور معاہدہ باہمی عبدالعزیز ہوگیا با خذ رسید مبلغ عسہ زر بیعانہ عبدالعزیز مذکور سے حاصل کرلیا، نور احمد شفیع بھی آمادہ خریداری تھا کہ احسان کریم مذکور نے خبر بیع مذکور سنکر کچھ قیمت بڑھائی۔ رشیدہ، حمیدہ دو دختران خالد نے اپنے حق حقوق کا بیعنامہ بنام نور احمد شفیع کے کردیا، ہنوز رجسٹری نہیں ہوئی ہے کہ عمرو نے خلاف معاہدہ باہمی عبدالعزیز کے مع رضیہ مادر کے کل مکان متروکہ خالد کا بیعنامہ اپنی اور رضیہ کی جانب سے بنام احسان کریم تحریر کردیا، اور ایک دست برداری لادعوٰی وراثت شفیعہ وغیرہ ہمشیر گان کی جانب سے تحریر کراکر بغرض تصدیق رجسٹری میں پیش کی، شفیعہ ذکیہ نے تصدیق اُس کی کردی، اور رشیدہ وحمیدہ نے کہ جن کی بلاعلم واطلاع کارروائی دست برداری کی ہوئی تھی، اور یہ اپنی حق کا بیعنامہ بھی بنام نور احمد تحریر کرچکی تھی، تحریر دست برداری سے انکار کردیا، اور بیعنامہ موسومہ نور احمد کی رجسٹری کرادی، چونکہ معاہدہ بیع پیشتر سے عبدالعزیز وعمرو وغیرہ منعقد ہوا تھا، حالانکہ گفتگو بیع کی نور احمد مذکور سے بھی تھی، بکر، عمرو وغیرہ نے مبلغ صہ روپیہ بطور بیعنامہ عبدالعزیز سے بہ تحریر رسید حاصل کرلی تھی، ایسی صورت میں جب کہ عبدالعزیز دو جانب سے اور نور احمد ایک جانب سے اور احسان کریم ایک جانب سے کچھ مکان کی وجہ سے استحقاق شفیع رکھتے ہیں، بلکہ نور احمد بوجہ خریداری مقدم کے شفیع خلیط بقیہ حقوق عمرو ورضیہ وشفیعہ وذکیہ پہنچ چکا ہے، تو بلحاظ واقعات متذکرہ صدر کون شخص مستحق خریداری مکان متنازعہ کا ہے، اور شرعًا کس کو پہنچتا ہے، عبدالعزیز کے مکان کا دروازہ بھی دوسرے محلہ میں ہے، بینوا توجروا۔



الجواب . بیان سائلان سے واضح ہوا کہ عبدالعزیز سے صرف گفتگو بیع ہوئی تھی، اور بیعنامہ دیا گیا عقد بیع تمام نہ ہوا تھا، نور احمد کلکتہ میں ہے، اُس نے اپنے ایک بھائی کو اس قطعہ کی خریداری کے لئے لکھا، اُس نے وکالۃً نور احمد کے لئے اُس میں سے رشیدہ وحمیدہ کے حصّے خرید لئے، عبدالعزیز و نور احمد دونوں خلیط فی حق المبیع ہیں، اور احسان کریم محض جار ملاصق کہ اس کا راستہ اس کوچۂ غیر نافذہ میں نہیں، جب عبدالعزیز کو معلوم ہوا خود اسکا بیان ہے کہ اُس نے مشتری مذکور یعنی وکیل نور احمد سے جاکر کہا کہ میری گفتگو بیع سابق سے ہے، یہ حصے جتنے کو تم نے خریدے ہیں اُنھیں داموں کو مجھے دیدو، ورنہ میں شفیع ہوں شفعہ سے لے لوں گا، اس کہنے سے عبدالعزیز کا ان دونوں حصوں میں شفعہ جاتا رہا کہ اس نے طلب شفعہ نہ کی، بلکہ ابتداءً اُنھیں داموں کو خریدنا چاہا، اور نہ دینے کی حالت میں بذریعہ شفعہ لے لینے کی دھمکی دی، یہ امر مبطل شفعہ ہے، درمختار میں ہے یبطلها ان ساومها بیعا او اجارۃ اوطلب منه ان یولیه عقد الشراء، پس نور احمد ان دو حصوں کا مالک مستقل ہوگیا جس سے کوئی نہیں لے سکتا، اگر وہاں اور کوئی شفیع مثل کریم بخش وغیرہ باداے شرائط طالب شفعہ نہ ہوا ہو۔ رہی احسان کریم کے ہاتھ بیع جس میں کل مکان صرف زوجہ وپسر خالد نے اُس کے ہاتھ بیچا، اور دختران خالد کو نامستحق قرار دیا، شفیعہ، ذکیہ تو بوجہ تصدیق واقرار نامستحق ٹھہریں، مگر رشیدہ وحمیدہ نے اقرار نہ کیا بلکہ اپنی بیع کی کہ بنام نور احمد کے تکمیل کرادی، تو بعض مبیع احسان کریم کے ہاتھ سے نکل گیا، اور بقیہ کی بیع معرض زوال میں آگئی، یعنی احسان کریم کو اختیار ہوگا، چاہے دو حصۂ رشیدہ وحمیدہ

علاوہ بقیہ مکان بحصہ قیمت لینا قبول کرے، خواہ کل بیع رد کردے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے اذا کان المشتریٰ شیئًا واحدًا واستحق بعضہ قبل القبض او بعدہ فللمشتری الخیار فی الباقی، ان شاء اخذہ بالحصۃ وان شاء ترک، پس اگر احسان کریم نے بیع رد کردی تو سرے سے مبنائے شفعہ ہی کی بیع تھی جاتا رہے گا، اور وہ بقیہ قطعہ ایسا ہو جائے گا گویا بکا ہی نہیں۔ کسی کو اُس میں حق شفعہ نہ ہوگا، اور اگر بقیہ بحصہ قیمت لینا قبول کیا، اور نور احمد شرائط شفعہ بجالایا، تو اب وہی عبدالعزیز وغیرہ سب پر مرجح رہے گا، کہ اب بوجہ خریداری حصہ رشیدہ و حمیدہ نور احمد خلیط فی نفس المبیع ہو چکا ہے، اور عبدالعزیز صرف خلیط فی حق المبیع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ - ۳۰ رشعبان المعظم ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ زید و عمرو ایک مکان اور دکان کے مالک تھے، زید عمرو کی ملکیت کا شفیع تھا، عمرو نے اپنا حصہ دکان و مکان مذکور کا بکر کے ہاتھ فروخت کیا، تو زید بفور سُننے، اس خبر کے معہ چند آدمیوں کے جو کہ گواہ طلب شفیع کے ہیں، اور جن کے سامنے کہ زید نے شرائط شفیع بفور سُننے خبر بیع کے ادا کی ہیں، جن میں سے کہ ایک زید کا قریبی رشتہ دار، و نیز عمرو بکر کا بھی رشتہ دار ہے، و دیگر لوگ زید کے ملنے والے دوست ہیں، بکر کے پاس بغرض طلب شفیع گیا، روپیہ رومال میں باندھ کر اپنے ہاتھ میں لے گیا، اور بکر سے جاکر اس نے کہا کہ میں اس حصہ دوکان و مکان کا شفیع ہوں، تم نے اس حصہ کو کیسے خرید کیا، میں خرید دوں گا، زید نے زبان سے یہ نہیں کہا کہ میں روپیہ لایا، قیمت لو اور یہ جائداد میرے نام کردو، بکر نے زید کی گفتگو کے جواب میں جائداد مذکور دینے سے انکار کر دیا، زید کے اس امر کے اظہار نہ کرنے سے کہ میں روپیہ لایا ہوں قیمت لو، اور یہ جائداد میرے نام کردو، حالانکہ روپیہ اسی نیت سے زید لے گیا تھا، اور وہ اس کے ہاتھ میں موجود تھا، صرف زبان سے اس کا ذکر نہیں کیا، تو ایسی حالت میں مراتب شفیع بموجب شرع شریف پورے طور سے ادا ہوئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب - نہ روپیہ لیجانا ضرور نہ مشتری سے روپیہ لانے کا ذکر ضرور، یہ سب بیکار و مہمل باتیں ہیں، مگر طلب مواثبت ایسے لفظ سے جس سے فی الحال طلب ثابت ہو، ضرور ہے، سائل نے بعد دریافت بیان کیا کہ میں نے خبر بیع سنتے ہی یہ لفظ کہے تھے، کہ میں اس کا شفیع ہوں، ریاض الدین نے کیسی خریدی، میں خرید دوں گا، اس سے طلب فی الحال ثابت نہیں ہوتی، "خرید دوں گا" سے اگر یہ مراد ہے کہ مشتری سے خرید دوں گا، جب تو ظاہر ہے کہ مشتری سے خریداری کا ذکر شفعہ کو باطل کرتا ہے، درمختار میں ہے یبطلہا شراء الشفیع من المشتری وکذا ان ساومہا بیعا واجارۃ اوطلب منہ ان یولیہ عقد الشراء، اور اگر یہ مراد ہو کہ بائع سے خرید دوں گا، تو یہ بھی طلب شفعہ نہیں، خریداری تملک بالرضا ہے، اور شفعہ تملک بالجبر، درمختار میں ہے تملیک البقعۃ جبرًا علی المشتری بما قام علیہ، اور اگر مجازًا یہی معنی مراد لئے جائیں، کہ بذریعہ شفعہ لے لوں گا، تو یہ بھی وعدہ و انذار ہے، طلب فی الحال نہیں، عالمگیری میں ہے

لوقال الشفعة لی اطلبھا بطلت شفعتہ، ولو قال للمشتری انا شفیعك واٰخذ الدار منك بالشفعة بطلت، لہذا صورت مسئولہ میں زید کا شفعہ ساقط ہوگیا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از ریاست رامپور، کٹرہ جلال الدین خاں مرحوم، مرسلہ پیرزادہ غلام معین الدین صاحب ۵ صفر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دعوٰی کیا کہ مسماۃ فلاں نے اراضی فلاں اتنی قیمت کو فلاں شخص سے میری غیبت میں خریدی، اور میں خلیط فی الطریق ہوں، مشتریہ جار ملاصق ہے، میرا حق مقدم ہے اور میں شرائط شفعہ بھی ادا کرچکا ہوں، مسماۃ مجیب ہوئی کہ زید نے ہرگز شرائط شفعہ ادا نہ کئے، نہ مکان مشفوع بہا زید کا مملوکہ ہے اور دعوٰی پر تمادی ہے، بلکہ زید تسلیم الشفعہ کرچکا ہے، زید اور مسماۃ سے ثبوت طلب ہوا، زید نے جو شہادت پیش کی عندالعدالت ناکافی قرار دیکر نامقبول فرمائی گئی، ایک وجہ عدالت نے یہ تحریر فرمائی ہے کہ شہادت مدعی کو نقائص سے مبرا مان لیا جائے تب بھی شہادت جو مدعی علیہا کی جانب سے گزری، اُس سے تسلیم شفعہ بعد از بیع ثابت ہے، لہذا دعوٰی خارج اور منجانب مدعی کئی استفتے پیش ہوئے ہیں، اس بارہ میں کہ خلیط فی الطریق جار ملاصق پر مقدم ہے، کیا یہ استفتے مفید مدعی ہوسکتے ہیں، مدعی نے تمادی سے بچنے کی غرض سے دو گواہوں سے یہ ثابت کرایا ہے کہ میں وقت بیع مقام رچھا میں تھا، یعنی رامپور میں نہ تھا، مدعی علیہا کی جانب سے جو شہادت تسلیم شفعہ کی پیش ہوئی ہیں، اُس سے کما حقہ ثابت ہے کہ بعد تصدیق بیعنامہ اُسی روز مدعی کو علم بیع ہوا، اور مدعی نے تسلیم شفعہ کیا، تو کیا شہادت مذکور منجانب مدعی واسطے ثبوت کے کافی ہے، اور تمادی مرتفع ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ اس مسئلہ میں زوائد سے قطع نظر کرکے صرف دو باتوں پر نظر کافی ہے، **اوّلاً** گواہان مدعیان کا اُن کی ملک، دار مشفوع بہا میں ہونے کی نسبت صرف اتنا بیان کہ وہ مکان مدعیوں کی ملک یا اون کا موروثی ہے، اظہارات شہود مدعیان دیکھے جائیں، اگر اُن کے بیان میں صرف اُسی قدر ہو، اور یہ ظاہر نہ کیا ہو کہ شرائے مشتریہ سے پہلے یہ مکان یا جزو مکان ملک مدعیان تھا اور اب تک ہے، ہمارے علم میں ملک مدعیان سے خارج نہ ہوا، تو ایسی شہادت ثبوت دعوٰی شفعہ کے لئے ہرگز بکار آمد نہیں، کہ مدعا علیہا دار مشفوع بہا میں ملک مدعیان کی منکر ہے، اور یہ اُس طریقہ پر جو شرعًا درکار ہے، یعنی ملک متقدم علی البیع و مستمر الی الآن پر اقامت بینہ نہ کرسکے، تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے،

اذطلب الشفیع سأل القاضی الخصم عن مالکیۃ الشفیع لما یشفع بہ فان اقربھا، او نکل عن الحلف علی العلم او برھن الشفیع انھا ملکہ (بان یقولا انھا ملك ھذا الشفیع قبل ان یشتری ھذا المشتری ھذا العقار وھی لہ الی الساعۃ ولم نعلم انھا خرجت عن ملکہ، فلو قالا انھا لھذا الجار لایکفی کما فی المحیط) سألہ عن الشراء ھل اشتریت ام لا اھ، جبکہ شہادت گواہان مدعیان اس طریقہ مطلوبہ شرع پر نہ تھی، حاکم پر لازم تھا، کہ فقط اسی قدر پر مقدمہ ختم کردیتا، اور دعوٰی خارج کرتا، مقدمہ کا آگے بڑھانا محض تطویل تھی

ثانیاً گواہان مدعا علیہا جنھوں نے دربارۂ تسلیم مدعیان شہادت دی ہے، کہ روز بیع بعد بیع معین الدین خاں نے مدعیوں کو اطلاع بیع اراضی مشفوعہ دی، اور اُن سے کہا، اگر تمھیں لینا منظور ہو تَلے لو، انھوں نے جواب دیا کہ ہم کو ضرورت نہیں بحیثیت ادا نہایت کافی ووافی شہادت ہے، اُس کے الفاظ پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں، بے معنیٰ ہیں، اس میں فقط اتنا دیکھنا چاہئے کہ گواہوں کی حالت کیسی ہے، اگر ان میں دو گواہ بھی قابل قبول شرع ہوں، تو فیصلہ بحق مدعا علیہا لازم ہے، ملاحظۂ تحریر سے ظاہر ہوا کہ حاکم مجوز نے گواہان مشتریہ پر اعتماد کیا، اور اُن کے بیان پر فیصلہ رہا، اور جانب مدعیان سے اُن پر کوئی جرح قابل لحاظ شرع نہ کی گئی، تو اس صورت واقعہ میں حکم یہی ہونا چاہئے، کہ دعوی شفعہ ساقط اور مشتریہ مطالبہ سے بَری ہے، اس کے مقابل مدعیوں کی یہ گواہیاں کہ ہم یہاں نہ تھے شہادت علی النفی ہیں، قابل لحاظ نہیں، نہ وہ فتوی کہ خلیط جار پر مقدم ہے، کچھ مفید مدعی ہوسکتے ہیں کہ اول تو خلیط ہونا ہی پایۂ ثبوت کو نہ پہنچا، پھر بعد تسلیم شفعہ خلیط فی نفس المبیع کا بھی کچھ حق نہیں رہتا، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۳۲۶ھ۔ از ریاست رامپور، کٹرہ جلال خاں مرحوم، مرسلہ غلام معین الدین خاں، ۱۱ ربیع الاول شریف

(۱) حاکمان شریعت مفتیان ملت کے حضور تمام کاغذات مقدمہ اصغر علی خاں عرف بنّے خاں مدعی بنام شہنشاہی بیگم مشتریہ وتصور شاہ بائع مدعا علیہا، نمبری ۱۹۳ دعوی شفعہ بر آراضی واقعہ کٹرہ جلال الدین خاں، فیصلہ مفتی عدالت ریاست رامپور واقع ۲۲ دسمبر ۱۹۰۸ء کی نقول باضابطہ پیش کرکے درخواست ہے، کہ شرع مطہر کے حکم سے اس مقدمہ میں فیصلہ بحق مدعا علیہا ہونا صحیح ہے یا نہیں؟ بیـنوا توجروا،

الجواب ۔ مقدمہ مذکورہ کے متعلق عرضی دعوی، وجوابدعویٰ، وعرضی مدعی، مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۸ء بجواب استفسار حاکم، واظہارات عبد اللطیف خاں، وڈاکٹر مدن خاں، وعلی بہادر خاں، وصفدر علی خاں ولد عباس خاں، وبشیر الدین خاں، وضیاء الدین خاں، واحمد حسن خاں، وصفدر علی خاں ولد نثار علی خاں، وعبد الغنی خاں نہ کس گواہان اصغر علی خاں مدعی وفیصلۂ مفتی صاحب حاکم مجوز کی نقول باضابطہ فقیر کے سامنے پیش ہوئیں، اور سائل نے بیان کیا کہ شہنشاہی بیگم مدعا علیہا کی طرف سے اس مقدمہ میں صرف دو گواہ نیاز حسین خاں وعزیز محمد خاں پیش ہوئے، اور اُن کا بیان اس مقدمہ میں بھی بعینہ وہی ہے، جو انھوں نے مقدمہ سید محمد شاہ بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ میں کیا ہے، اور جس کی نقول باضابطہ اس وقت یہاں دار الافتاء میں حاضر ہیں، نیز حاکم نے فیصلہ میں اُن کے بیانوں کا خلاصہ ذکر کیا، اور تحقیقات موقع پر شہادت سعید الدین خاں کا بھی بیان لکھا ہے، جس میں اصغر علی خاں وسید محمد شاہ دونوں مدعیوں کا بعد بیع تسلیم شفعہ مذکور ہے، اور مجوز نے دونوں فیصلوں میں بعد اس بیان کے کہ شہادات شہود مدعیاں میں نقائص ہیں، بر تقدیر تسلیم نقائص ان تین گواہان مدعیہ کے بیان پر مدار فیصلہ رکھا ہے، کہ ان سے دونوں مدعیوں کا بعد بیع طلب شفعہ سے انکار کردینا ثابت ہے، تو اُن کو کسی طرح استحقاق دعویٰ نہ رہا، اور گواہان اصغر علی خاں جو وقت بیع اس کا رام پور میں نہ ہونا بیان کرتے ہیں، گواہان نفی ہیں کہ مسموع نہیں، مگر ہماری

رائے میں گواہان مدعاعلیہا اس مقدمہ میں حاجت سے محض زیادہ ہیں، جن کی شہادت پر بحث کی اصلا ضرورت نہیں، و لہٰذا اُن کے اظہارات کی نقل پیش نہ ہونا اس مقدمہ میں بیان حکم سے مانع نہیں، نہ اسی پر نظر کہ عزیز محمد خاں نے اصغر علیخاں کی نسبت کیا، ولدیت نامعلوم شکل جانتا ہوں، نہ اظہار سے ثابت کہ گواہ نے مدعی کو اشارہ سے بتایا، نہ اس پر لحاظ کی حاجت کہ سعید الدین خاں دوسرے مقدمہ کا گواہ ہے، جس کا مدعی شخص آخر ہے، گو مدعاعلیہا وہی ہے، اُس کا بیان اس مقدمہ کا شاہد بنا کر کہاں تک قابل استناد ہے، یہ سب امور زوائد ہیں، دعوی شفعہ میں لازم ہے، کہ یا تو مدعاعلیہ مقر ہو، کہ دار مشفوع بہا شفیع کی ملک ہے، یا شفیع اسے بینہ سے ثابت کرے، اور یہ بھی نہ ہو تو شفیع مدعاعلیہ کا حلف چاہے، اور وہ قسم کھانے سے انکار کردے، بے ان صورتوں کے دعویٰ شفعہ ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا، زیلعی میں ہے، اذا تقدم الشفیع، وادعی الشراء وطلب الشفعۃ عند القاضی ولم یخل بنوع من شروطہ، اقبل علی المدعی علیہ وسألہ عن الدار التی شفیع بہا اھل ھی ملك الشفیع ام لا، وان کانت ھی فی ید الشفیع وھی تدل علی الملك ظاھرًا، لان الظاھر لا یصلح للاستحقاق فلابد من ثبوت ملکہ بحجۃ، فیسألہ عنہ فان انکر ان یکون ملکا یقول للمدعی اقم البینۃ انہا ملکك، فان عجز عن البینہ وطلب یمینہ استحلف المشتری ماتعلم انہ مالك للذی ذکرہ مما یشفع بہ، فان نکل اوقامت للشفیع بینۃ، اواقر المشتری بذلك ثبت ملك الشفیع فی الدار التی یشفع بہا ویثبت السبب وبعد ذلك یسأل القاضی المدعی علیہ ھل اشتریت ام لا الخ، اس مقدمہ میں ظاہر ہے کہ مدعاعلیہا ملک شفیع کی منکر ہے، نہ شفیع نے حلف چاہا، نہ اس نے حلف سے انکار کیا، تو صرف صورت شہادت رہی، اور وہ محض ناکافی گزری، یہاں شہادت اس مضمون کی درکار ہے، کہ دار مشفوعہ کی بیع سے پہلے دار مشفوع بہا شفیع کی ملک تھی، اور ابتک اُس کی ملک ہے ہمارے علم میں جب سے ابتک اُس کی ملک سے خارج نہ ہوئی، محیط و ہندیہ میں ہے ان یقر المدعی علیہ بشراء الدار وینکر کون المدعی شفیعھا بالدار التی حدھا وینکر کون الدار التی حدھا ملکا للمدعی، احضر المدعی الشھود وتشھد کل منھم، گواہی میدہم کہ خانہ کہ بفلاں موضع ست حدہائے وے کذا وکذا ملک ایں مدعی بود بیش ازانکہ ایں مدعی علیہ مرایں خانہ را خریدو برملک وے ماند تا امروز وامروز ایں خانہ ملک ایں مدعی ست"، اور یہ اس لئے کہ اگر وقت بیع دار مشفوع بہا ملک شفیع میں نہ تھی، تو اُس کے سبب سے اس میں استحقاق شفع نہیں ہوسکتا اگرچہ بعد بیع یہ دار مشفوع بہا وراثت یا بیع یا ہبہ یا وصیت وغیرہا سے ملک مدعی میں آجائے، عالمگیریہ میں ہے الشفعۃ شرطھا ملك الشفیع وقت الشراء فی الدار التی یاخذ بہا الشفعۃ، اُسی میں ہے رجل اوصی لہ بدار، ولم یعلم حتی بیعت دار بجنبھا، ثم قبل الوصیۃ فلا شفعۃ لہ، اور اگر شفیع بعد بیع وطلب شفعہ قبل قضائے قاضی دار مشفوع بہا کو بیع کردے، تو شفعہ ساقط ہوجاتا ہے، درمختار میں ہے یبطلھا بیع مایشفع بہ قبل القضاء باستفعۃ

مطلقاً، تو لازم ہے کہ قبل بیع دارِ مشفوعہ سے اس وقت تک مشفوع بہا میں شفیع کی ملک مستمر پر شہود شہادت دیں، اس کی طرف کچھ میلان اس مقدمہ میں بظاہر صرف ضیاء الدین خاں کے بیان میں ہے، کہ اس مکان مشفوعہ کے پورب کی جانب مکان اصغر علی خاں موروثی واقع ہے، اور روز قبل بیع مشفوعہ سے اس وقت تک وہ اس پر مالک وقابض ہیں، اور حقیقۃً دیکھئے تو اصلا اُسے بھی اس مطلوب سے مَس نہیں، مکان مشفوعہ سے پورب کی جانب ہزاروں میل تک ہے، نہیں معلوم کہ گواہ جس مکان کو اصغر علی خاں کا موروثی ومملوک بملک مستمر بتا رہا ہے، کس محلے بلکہ کس شہر میں واقع ہے، جبکہ دارِ مشفوع بہا کی طرف نہ اشارہ، نہ اُس کے حدود کا بیان، تو صرف اتنی تعریف کہ وہاں پورب کو ہے، کیا کام دے سکتی ہے۔ باقی آٹھ گواہیوں سے چار ذی تو ملک شفیع کا اصلا ذکر ہی نہ کیا، صفدر علی خاں ولد نثار علی خاں نے اتنا کہا کہ "یہ بات کہ کر اصغر علی خاں اپنے مکان موروثی میں گئے"، اصغر علی خاں کو چہ غیر نافذہ میں اپنے مکان موروثی کے دروازہ پر بیٹھے تھے، میں نے آٹھ روز سے نماز نہیں پڑی، داڑھی مظہر کی جو برابر ہے،، اُس کا بھی وہی حال ہے، اس سے یہ بھی نہ کھلا کہ اصغر علی خاں کا مکان موروثی دارِ مشفوعہ کے محلہ میں واقع ہے، یا شہر کے دوسرے کنارے پر، تو مشفوع بہا کی ملک سے اس میں بھی اصلا بحث نہیں، علی بہادر خاں نے کہا "سیّد تصور شاہ کے مکان سے پورب کو مکان موروثی مدعی کا ملا ہوا ہے" معلوم نہیں تصور شاہ کے کس مکان سے ؟ ہاں دو گواہیاں ملک مشفوع بہا کا پتا دے رہی ہیں صفدر علی خاں ولد عباس خاں نے کہا "مکان موروثی مدعی سے کھپریل مکان متنازعہ کے دکھن کہ دیوار درمیان میں ہے،" اس سے جار ملاصق ہونا معلوم ہوا، اگرچہ مدعی خلیط فی حق المبیع ہونے کا مدعی ہے، بشیر الدین خاں نے کہا "جس مکان کی کوٹھی کی اراضی فروخت ہوئی ہے، اس مکان سے پورب کی جانب کو مکان اصغر علیخاں کا ہے، اور وہ مکان اصغر علی خاں کا موروثی ہے، اون دونوں مکانوں کا راستہ بھی ایک ہی کوچہ میں ہے" اور یہی گواہ بمقدمہ سیّد محمد شاہ بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ بیان کر چکا ہے کہ اُس کی ڈاڑھی چٹکی میں آجاتی ہے، اول داڑھی کترواتا تھا، اب توبہ کرلی اب نہیں منڈائے گا،، ان سب گواہیوں میں یہی گواہی چُست ہے کہ اُس نے ان لفظوں سے کہ "جس مکان کی کوٹھی کی اراضی فروخت ہوئی ہے،، اپنے تنگ خیال کے مطابق تعیین مکان بھی کی، اور دونوں کا راستہ ایک ہی کوچہ میں ہونے سے خلیط فی حق المبیع بھی بتایا، مگر تمام نقائص سے قطع نظر کرکے ان میں سے کسی نے مورث کا نام تک نہ لیا، اُس کی تاریخ موت بتانا تو بڑی بات ہے، تو بزی موروثی ہونے سے کیا کھلا، کہ یہ مکان کب سے اصغر علیخاں کی ملک ہے، ممکن کہ وہ مورث جس کے ترکہ سے یہ مکان مدعی کو وراثۃً بعد بیع دارِ مشفوعہ مرا ہو، تو اس مکان کے ذریعہ سے مدعی کو کیا استحقاق شفعہ ہوسکتا ہے، شہادت اس لئے ہوتی ہے کہ حق حاکم پر ظاہر ہو، ان شہادتوں کا اجمال وا ہمال یہ ہے کہ مجوز نے فیصلہ میں لکھا کہ "گواہان مدعی نے یہ نہ بیان کیا کہ مدعی مورث کا بیٹا ہے یا بھائی ہے یا کون ہے،، جب قاضی کو مورث کا ہی پتہ نہ چلا تو تاریخ موت کیونکر معلوم ہوسکتی ہے جس سے جانا جائے کہ دارِ مشفوع بہا عند البیع ملک شفیع تھی یا نہیں، لاجرم شہادتیں محض

مہمل ہیں، اور دعوٰی اصلاً پایۂ ثبوت کو نہ پہنچا، ردالمحتار میں ہے لو قالا انہا لھذا الجار لایکفی کما فی المحیط، لہٰذا واجب تھا کہ دعوٰی خارج ہو، جیسا کہ مفتی ریاست نے کیا، اور لازم ہے کہ اپیل نامنظور ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) حکام شریعت علماء ملت کے حضور تمام کاغذات مقدمہ سید محمد شاہ مدعی بنام شہنشاہی بیگم مشتریہ و تصور شاہ بائع مدعاعلیہا نمبری ۲۰۶ دعوٰی شفعہ بر اراضی واقعہ کٹرہ جلال الدین خاں، فیصلہ مفتی ریاست رامپور واقع ۲۲ دسمبر ۱۹۰۸ء کی نقول باضابطہ حاضر کرکے معروض کہ شرع شریف کے حکم سے اس مقدمہ میں فیصلہ بحق مدعاعلیہا ہونا صحیح ہے یا کیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس مقدمہ کے متعلق عرضی دعوٰی وجوابدعوٰی از جانب شہنشاہی بیگم، وردجواب از جانب مدعی و اظہارات عثمان خاں و عبدالرزاق خاں و سید دلاور علی و نتھو خاں و بشیر الدین خاں و عبدالغفار خاں، گواہان مدعی، و نیاز حسین خاں و عزیز محمد خاں، و امین الدین خاں و سعید الدین خاں، گواہان مدعاعلیہا و روبکار مفتی صاحب حاکم مجوزہ کے نقول باضابطہ فقیر کے سامنے پیش ہوئیں، اس دعوٰی کی حالت دعوٰی اصغر علی خاں مدعی بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ سے بھی بدتر ہے شہود مدعی میں صرف تین گواہوں نے مکان مدعی ملک مدعی ہونے کی طرف توجہ کی، ازیں جملہ عبدالغفار خاں کا بیان ہے "مکان جانب مشرق مملوک بائع کا ہے، اور جانب غرب شفیع کا ہے، یکجا دونوں مکان کا مشترکہ ہے" یہ گواہ ایک ایسے دو مکانوں کا قصہ بیان کرتا ہے جس کا یکجا مشترک اور ان میں ایک مملوک بائع، دوسرا شفیع کا ہے، مگر اس کی شہادت کچھ پتا نہیں دیتی کہ وہ مکان کس شہر، یا شہر کے کس گوشہ میں واقع ہیں، شہادت میں نہ مکانوں کی تعیین، نہ ان کی طرف اشارہ، یہ شہادت اس پایہ کی ہے کہ مقدمہ اصغر علی خاں بنام شہنشاہی بیگم میں شہادت علی بہادر خاں تھی، نتھو خاں نے کہا "یہ مکان سید محمد شاہ کا جس کی وجہ سے دعوٰی شفعہ کیا ہے، موروثی ہے، سید دلاور علی نے کہا "مکان شفیع کا مملوکہ موروثی ہے" لفظ اگرچہ مطلق تھا مگر اظہار میں لکھا ہے کہ "نشاندہی کردی" تو انہیں دو گواہوں سے ملک مشفوع بہا کا پتا چلا، شہنشاہی بیگم یہاں بھی مشفوع بہا میں ملک مدعی سے منکر ہے، اور مدعی نے نہ اس سے حلف لیا نہ اس نے حلف سے انکار کیا، بلکہ مدعی نے شہادت پر اپنے کام کا مدار رکھا، اور وہ حسب قاعدۂ شرع ادا نہ ہوئی، کہ کسی شہادت میں بیع مشفوعہ سے پہلے مشفوع بہا کا ملک مدعی ہونا اور اب تک بالاستمرار اس کی ملک میں رہنا، اصلاً مذکور نہیں، مقدمہ اصغر علی خاں میں اگرچہ عرضی دعوٰی محض مجمل تھا، بجواب استفسار حاکم اور تفصیل نہ کرسکا، تو نام مورث تو بتادیا، یہاں اس قدر بھی نہیں، بیان مدعی یا بیان شاہدان کسی سے پتا نہیں چلتا کہ یہ مکان محمد شاہ کو بیع مشفوعہ کے کتنے مہینے بعد میراث میں ملا، بیع مشفوعہ ۱۶ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ہوئی، اور شہادتیں ۱۳ و ۹ جون ۱۹۰۸ء کی ہیں، کیا اگر ۸ جون ۱۹۰۸ء تک سید محمد شاہ کا کوئی مورث باپ یا بھائی یا چچا وغیرہم اس مکان مشفوع بہا کا مالک رہا، اور اس تاریخ اس کی وفات ہوئی، اور مکان ملک سید محمد شاہ میں آیا تو ۹ جون کو گواہوں کا کہنا کہ یہ مکان شفیع کا موروثی ہے، غلط ہوگا، ہرگز نہیں، ضرور صحیح و حق ہوگا، مگر مدعی کے کسی مصرف کا نہیں، اس کی

ملک تو وقت بیع مشفوعہ سے پہلے ہوا اور ابتک مستمر رہے، اس کا ثبوت درکار تھا، جس کا نام تک کسی شاہد نے نہ لیا تو ایسی شہادتیں محض ناکافی و بے معنیٰ ہیں، اور دعویٰ اصلا پایۂ ثبوت کو نہ پہنچا، اجناس وذخیرہ ومحیط وغیرہا میں ہے ینبغی ان یشھدوا ان ھٰذہ الدار التی بجوار الدار المبیعۃ ملک ھذا الشفیع قبل ان یشتری ھذا المشتری ھذا الدار وھی لہ الی ھٰذہ الساعۃ لانعلمھا خرجت عن ملکہ، فلو قالا ان ھٰذہ الدار لھذا الجار لایکفی معہذا شہنشاہی بیگم کی طرف سے جو شہادتیں نیاز حسین خاں، وعزیز محمد خاں وسعید الدین خاں نے دیں، وہ اُس پیمانے پر جو آجکل تمام ہند میں رائج اور جملہ مقدمات اور خود اس مقدمہ میں مدعی و مدعیٰ علیہ سب کے شہود اُسی رنگ پر چلتے، اور چلتے ہیں، اس امر کا ثبوت دے رہے ہیں کہ سید محمد شاہ نے بعد بیع خبر بیع سنکر تسلیم شفعہ کردی، اور طلب سے انکار کیا، اگر یہ پیمانہ مقبول نہیں تو خود شہادت شہود مدعی ایک اور وجہ سے مردود ہوئیں، اور مقبول ہو، تو بطلان شفعہ ثابت ہوگیا، جیسا کہ فیصلہ میں مذکور رہے، بہرحال دعوی شفعہ محض ناثابت ہے، اور یہ اصلا قابل منظوری نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بیعنامہ مکان کا قبل نکاح بنام زبیدہ جس کا نکاح اس کے پسر کے ساتھ ہونے والا ہے، بدیں مضمون لکھ کر زرثمن کی وصولیابی کا اقرار لکھ کر معاف کردیا، اس قسم کا بیعنامہ معافی کا شرعاً جائز ہے یا ناجائز، اگر بعد نکاح زید یا اُس کے ورثاء انکار وصولیابی زرثمن کا کرکے کہیں کہ بیعنامہ بطور قرض لکھا گیا تھا، شرعاً قرض قرار پائے گا یا نہیں؟ اور کبھی شفیع کی شفعہ اس قسم کے بیعنامہ میں ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

میں کہ فلاں ابن فلاں ساکن رامپور ہوں جو کہ ایک منزل مکان جنیں خیاں واقع رامپور محدودہ ذیل مملوکہ ومقبوضہ میرا ہے، وہ اب میں نے بحالت صحت نفس وثبات عقل بلا اکراہ واجبار ورغبت اپنے مع جمیع حقوق ومرافق بعوض مبلغ پانچسو روپیہ چہرہ دار ہمدست مسماۃ زبیدہ، جس کا نکاح حسب خواہش میری بکر پسر نطفی میرے سے بتاریخ امروز ہوگا، بیچا اور بیع کیا میں نے اور مکان مبیعہ مشتریہ مذکورہ کو مثل ذات اپنی کے مالک وقابض کردیا، میں نے زرثمن تمام وکمال مشتریہ سے وصول پایا، میں نے، یعنی زرثمن اس کا بوجہ محبت فطری بکر پسر مذکور کے زبیدہ مشتریہ کو معاف کیا میں نے، پس بخشش ومعافی مجھ کو اور قائم مقامان میرے کو دعوی زرثمن کا نہیں ہے، اور نہ ہوگا تقابض البدلین واقع ہوا، اب مجھ بائع کو مکان مبیعہ سے کچھ سروکار نہ رہا، اگر کوئی سہیم یا شریک پیدا ہو تو جواب دہ میں بائع ہوں،

الجواب۔ صورت مستفسرہ میں بیع مطلقاً صحیح ہے، اور اگر ایجاب وقبول بیع قبل معافی ثمن واقع ہوئے تھے تو معافی ثمن بھی صحیح ہے، اب زید یا وارثان زید کو اس جائداد خواہ اس کے زرثمن میں اصلا دعوی نہیں پہنچتا، ہاں اگر قبل قبول مشتریہ یا وکیل مشتریہ معافی ثمن بائع نے لکھی اور اس کے بعد مشتریہ کی طرف سے قبول واقع ہوا تو معافی صحیح نہ ہوگی، بیع صحیح

ہوگئی، اور ثمن دینا آئے گا، جبتک بائع بعد قبول مشتریہ ثمن معاف نہ کرے، رہا شفعہ وہ ہر حال میں ثابت ہے، اگرچہ ثمن معاف ہوجائے، کُل ثمن کے عوض شفیع اگر شرط بجالائے، لے سکے گا، کہ ثمن کی معافی سے شفیع کا فائدہ نہیں اُٹھا سکتا عالمگیری میں ہے اذا حط کل الثمن، اووھبہ، او أبرأہ عنہ، فان کان ذلك قبل قبض الثمن صح الکل، الخ ردالمحتار میں ہے، قال فی الذخیرۃ اذا حط کل الثمن، اووھب او ابرأعنہ، فان کان قبل قبضہ صح الکل و لایلتحق باصل العقد، فی البدائع من الشفعۃ، ولوحط جمیع الثمن ولا یسقط عنہ شیئ لان حط کل الثمن لایلتحق باصل العقد، لانہ لوالتحق لبطل البیع لانہ یکون بیعا بلا ثمن فلم یصح الحط فی حق الشفیع وصح فی حق المشتری، وکان ابراءلہ عن الثمن اھ فتاوی قاضی خان میں ہے قال بعتك ھذا الشیئ بعشرۃ دراھم ووھبت لك العشرۃ ثم فعل المشتری البیع جاز البیع، ولایبرأ المشتری عن الثمن لایجب الا بعد قبول البیع، فاذا ابرأعن الثمن قبل القبول کان ابراء قبل السبب، فلا یصح اھ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ از بدایوں، سوتھہ محلہ، مرسلہ نواب عبداللہ خاں، ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۲۸ھ

حنفی المذہب جار کو وہابی غیر مقلد پر حق شفعہ حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب بیشک حاصل ہے، تمام کتب فقہ میں حکم شفعہ عام مطلق ہے، ہدایہ میں ہے الشفعۃ واجبۃ للخلیط فی نفس المبیع، ثم للخلیط فی حق المبیع کشرب والطریق، ثم للجار، درمختار میں ہے سببھا اتصال ملك الشفیع بالمشتری بشرکۃ او جوار، اُسی میں ہے الشفعۃ للجار الملاصق، عالمگیری میں ہے، اذا اسلم الخلیط وجبت للجار، اُسی میں ہے للجار حق الشفعۃ اذا کان الجار قد طلب الشفعۃ حین سمع البیع، قاضی خاں میں ہے، الشفعۃ حق شرع نظر المن کان شریکا اوجارا، عند البیع، اصلاً کہیں یہ قید نہیں کہ بائع یا مشتری کا مقلد ہونا ضرور ہے، ورنہ حق شفع نہ ہوگا، جو اس کا ادعا کرے کسی کتاب معتبر میں دکھائے، اور ہرگز نہ دکھا سکے گا، اور جب تمام کتب میں حکم بلاشبہہ عام ہے، تو اپنی طرف سے تخصیص کب قابل سماعت ہے، ناواقف جاہل کو یہاں دو ہی شبہے عارض ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ غیر مقلد شفعۂ جار کا قائل نہیں، تو وہ اپنے زعم میں اس مطالبہ سے بری ہے، دوسرے یہ کہ غیر مقلد بہت مسائل اصول دین اہل حق کا مخالف ہے، وہ ایک دین ہی جداگانہ رکھتا ہے، تو ہمارے دین کے احکام اُسے شامل نہ ہوں گے، اور یہ دونوں شبہے محض باطل و بے معنٰی ہیں، کتابوں میں صاف تصریح ہے کہ اگر کھلے کافر نے دوسرے کے ہاتھ مکان بیچا اور مسلمان اس کا شفیع ہے، مسلمان کو شفعہ ملے گا، تو کھلے کفار جن کے یہاں شفعہ سرے سے کوئی چیز ہی نہیں اور وہ صراحۃً نفس اسلام سے منکر ہیں، جبکہ اپنے خیال میں عدم شفعہ یا تخالف دین کے سبب شفعہ سے بری نہ ہوئے تو غیر مقلد کہ اصل شفعہ کا قائل ہے، اگرچہ شفعۂ جوار میں کلام کرے، اور دین اسلام کا دعوٰی رکھتا ہے، اگرچہ اپنے دعوے میں غلط کار ہو، کیونکر اپنے خیال یا تخالف مذہب کے باعث شفعہ سے بری ہوسکتا ہے، فتاوٰی عالمگیری میں

ہے، لو اشتری ذمی من ذمی دارا بخمر اوخنزیر وشفیعھا ذمی اومسلم وجب الشفعۃ عند اصحابنا۔ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے، المسلم والکافر والکبیر والصغیر والذکر والانثی فی الشفعۃ لھم وعلیھم سواء، ہدایہ میں ہے اذا اشتری ذمی بخمر اوخنزیر ان کان شفیعھا مسلما اخذ بقیمۃ الخمر والخنزیر ۔۔۔ بالاسلام یتأکد حقہ، لان یبطل اھ ملتقطا، بالجملہ مدعا علیہ اپنے کسی خیال ومذہب کے باعث اس حق کو مدعی کے لئے باطل نہیں کرسکتا، اور وجہ اوس کی ظاہر ہے کہ شرع مطہر نے حق شفعہ شفیع سے دفع ضرر کے لئے مشروع فرمایا ہے، مدعی کہ اپنا ضرر دفع کرنا چاہتا ہے، مدعا علیہ یہ جواب کیونکر دے سکتا ہے، کہ میرے خیال ومذہب میں تو اپنے ضرر کے دفع کا استحقاق نہیں رکھتا، ایسا جواب کب قابل التفات ہوسکتا ہے، ہدایہ میں ہے، الاتصال علی ھذہ الصفۃ انما انتصب سببا فیہ لدفع ضرر الجوار اذھو مادۃ المضار علی ماعرف، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ مسؤلہ محمد حیدر حسن خاں رامپوری، ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان کا حصہ فروخت ہوا، شفیع جو خلیط فی نفس المبیع ہے، اس نے خبر بیع سنکر فوراً طلب مواثبت کی، اداکے وقت چند اشخاص شفیع کے پاس موجود تھے، اور اس جگہ سے مکان مبیعہ بھی نظر آتا ہے، شفیع طلب مواثبت کرکے خود اشخاص مذکورہ کو ساتھ لیکر مکان مبیعہ کے پاس آیا، سب آدمی مکان کے دروازے کے پاس کھڑے رہے، اور شفیع مکان کے اندر گیا اور وہاں پر وہ کرایا، اور پھر باہر آکر سب آدمیوں کو مکان کے اندر لے گیا تب شفیع نے طلب اشہاد اداکی، شفیع اگر چاہتا تو جس جگہ اُس نے طلب اول ادا کی تھی اور وہاں سے مکان مبیعہ بھی نظر آتا تھا اُس جگہ طلب ثانی بھی ادا کرسکتا تھا، مگر نہیں کیا، پھر جب مکان کے پاس آیا اور سب آدمیوں کو دروازہ پر کھڑا کیا، تب بھی طلب ثانی ادا نہیں کی، حالانکہ ادا کرسکتا تھا، یہ امر دریافت طلب ہے کہ شفیع نے جو دو تاخیریں ادائے طلب اشہاد میں کیں، یہ دونوں تاخیریں یا ان میں سے کوئی مبطل شفعہ ہے یا نہیں؟ بیـنوا توجروا۔

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں نہ شفعہ باطل ہوا، نہ طلب اشہاد میں تاخیر ہوئی، نہ یہاں طلب مکرر کی حاجت تھی، بلکہ وہی طلب مواثبت جو اُس نے دار مبیعہ کے منظر میں کی، جہاں وہ مکان نظر کے سامنے، اور حسب بیان زبانی سائل صرف پچاس قدم کے فاصلہ پر تھا، وہی دونوں طلبوں کا کام دے گئی، اصل یہ ہے کہ یہاں طلب خصومت سے پہلے شرع نے دو طلبیں لازم کی ہیں، ایک بفور علم اگرچہ اُس وقت وہاں اور کوئی نہ ہو، دوم احد العاقدین یا مبیع کے سامنے، اور اگر وقت علم احد البائعین حاضر یا مبیع پیش نظر ہے، تو یہی طلب اوّل ودوم دونوں ہوجائیں گی، پھر طلب اشہاد میں حاضرین سے یہ کہنا کچھ ضرور نہیں کہ تم گواہ ہوجاؤ، بلکہ فی الواقع دونوں میں سے کسی طلب میں گواہوں کا موجود ہونا بھی شرط نہیں، وہ صرف ثبوت دینے کے لئے درکار ہوتے ہیں، جبکہ مشتری انکار کرے تو گواہوں کے سامنے طلب مواثبت منظر مبیعہ میں کرنا بدرجہ اولٰی طلب اشہاد بھی ہے، اگرچہ گواہوں سے نہ کہا ہو کہ گواہ رہو، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ اسکو

بعد شفیع کا شہود کو دروازہ پر پھر اندر لے جانا اور طلب کرنا سب فضول، و زوائد از حاجت تھا، جس کی تاخیر بلکہ عدم سے بھی شفعہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا، درمختار میں ہے، لواشھد فی طلب المواثبة عند احد ھؤلاء (ای البائعین) والمبیع کفاہ وقام مقام الطلبین۔ عالمگیری میں ہے انما یحتاج الی طلب المواثبة ثم الی طلب الاشھاد بعدہ اذا لم یمکنه الاشھاد عند طلب المواثبة بان سمع الشراء حال غیبة عن المشتری والبائع والدار اما اذا سمع عند حضرة ھؤلاء الثلث (ای احدھم کما لایخفی) واشھد علی ذلك فذلك یکفیه، ویقوم مقام الطلبین، کذا فی خزانة المفتین، فتاوی قاضی خاں وعقود الدریة وغیرھا میں ہے، انما سمی الثانی طلب الاشھاد لا لان الاشھاد شرط بل لیمکنه اثبات الطلب عند جحود الخصم، نتائج الافکار میں بدائع سے ہے، اما الاشھاد علی ھذا الطلب فلیس بشرط وانما ھو لتوثقه علی تقدیر الانکار کما فی الطلب الاول، فتح اللہ المعین میں ہے۔ الاشھاد علی طلب التقریر لیس بشرط، کما فی البدائع، ہندیہ میں محیط سرخسی سے ہے، اما طلب الاشھاد فھو ان یشھد علی طلب المواثبة حتی یتأکد الوجوب بالطلب علی الفور، ولیس الاشھاد بشرط لصحة الطلب لکن یتوثق حق الشفعة اذا انکر المشتری طلب الشفعة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ از ریاست رامپور، مسئولہ مفتی عبدالقادر خاں صاحب مفتی ریاست رامپور، ۱۰ رجمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

مقدمہ فخر الدین خاں بنام حیدر حسن خاں ومسماۃ منور بیگم بنت محمد شفیع خاں میں مسل مع فتاوی مدخلہ بغرض ملاحظہ حاضر ہے، بعد ملاحظہ روئداد واظہارات گواہان سوالات ذیل کا جواب عطا ہو:

(۱) آیا جس حالت میں کہ شفیع کو اطلاع بیع ایسی جگہ پہنچی کہ دار مشفوعہ سے قریب ہو اور دار مشفوعہ پیش نظر ہو، اُس وقت شہود کے سامنے طلب واحد طلب مواثبت وطلب اشہاد دونوں کی جگہ کافی ہوجائے گی، یا دو طلب جداگانہ کی حاجت ہے، (۲) صورت مذکورہ میں اگر ایک بار طلب کرکے وہاں سے اُٹھ کر دار کے پاس شہود کو لے جائے اور ہنوز طلب ثانی نہ کری بلکہ اندر جاکر پردہ کرا کر شہود کو اندر لیجا کر وہاں طلب دوم کری تو یہ تاخیر موجب بطلان شفعہ ہوگی یا نہیں؟ (۳) گواہوں کے سامنے اگر طلب بروجہ شرعی کرلی اور یہ نہ کہا کہ گواہ ہو جاؤ، تو طلب اشہاد میں کوئی خلل ہے یا نہیں؟ (۴) اگر طلب اول بروجہ کافی ایسے طور پر نہ کی کہ طلب اشہاد کے بھی قائم مقام ہوتی، اور پھر کارروائی مذکورہ سوال دوم عمل میں لایا تو یہ دلیل اعراض ومسقط شفعہ ہے یا اس قیاس پر کہ مصر واحد میں اقرب کو چھوڑ کر ابعد کے پاس جانے سے حرج نہیں ہوتا شفعہ باطل نہ ہوگا (۵) طلب اول کے جو الفاظ مدعی وشاہدان نے بیان کئے ہیں آیا وہ کافی ووافی ہیں جن سے وہی طلب قائم مقام طلبین ہوجائے یا نہیں؟ بالآخر حکم اخیر مطلوب ہے کہ اس روئداد مسل کی رو سے شفعہ ثابت ہے یا ساقط؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کاغذات ملاحظہ ہوئے، پہلے تین سوالوں کا وہی جواب ہے جو قبل ملاحظہ مسل لکھا گیا تھا، شرع مطہر نے دو باتیں لازم فرمائی ہیں۔ ایک طلب بفور علم دوم اُس طلب کا بتعیین مطلوب بائع یا مشتری یا مشفوع کے سامنے ہونا طلب دوم کی اتنی ہی

حقیقت ہے، خاص اس لفظ کی کہ گواہ ہو جاؤ، کچھ حاجت نہیں، نہ یہ کہنا داخل حقیقت اشہاد ہے، اشہاد اعطائے ماخذ ہے یعنی دوسرے کے لئے اپنے تصرف پر تحصیل شہادت، اور بدیہی ہے کہ حصول شہادت کے لئے شاہد کو صرف وقوع درکار ہے، نہ یہ کہ متصرف اُسے اشہاد باللسان بھی کرے، یہاں تک کہ اگر متصرف بعد تصرف شاہد کو شہادت سے منع بھی کر دے، اصلا موثر نہیں، فتح القدیر میں ہے، الاتفاق علی ان من سمع اقرار رجل، له ان یشھد علیه بما سمع منه وان لم یشھد ہ، بل ولو منعه من الشھادۃ بما سمع منه، اور جب حصول شہادت بے اس قول کے گواہ ہو جاؤ ثابت ہے، تو جو تصرف متصرف بشہود شہود اس لئے کرے کہ وہ شاہد ہو جائیں، قطعاً وہ شاہد ہو جائیں گے، اور قطعاً ان کے لئے اس وصف شہادت کا حصول اس نے چاہا، اور اسی کے فعل مذکور سے یہ وصف اُن کو حاصل ہوا، تو بلاشبہہ اس نے دونوں کے لئے تحصیل شہادت کی، اور اسی قدر حقیقت اشہاد ہے، قال اللہ تعالٰی واشھدوا اذا تبایعتم، خرید و فروخت کرتے وقت اشہاد کر لو، وقال تعالٰی وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ، جب طلاق دو یا رجعت کرو اپنے میں سے دو ثقہ کو گواہ کر لو، عالم میں کوئی اس کا قائل نہیں، کہ عقود و فسوخ میں گواہ کرتے وقت متصرف کا زبان سے یہ کہنا ضرور ہے کہ گواہ ہو جاؤ، بلکہ طلب دوم خواہ اول کسی میں نفس وجود شہود ہی ضرور نہیں، کما نص علیه فی البدائع والخانیة والمحیط واشار الیه فی الھدایة وغیرھا، بلکہ مقصود شرع وہی دو باتیں ہیں، ایک طلب فوری، دوسرے محضر احد الثلثہ میں طلب بتعیین، اکثر یہ ہوتا ہے کہ شفیع کو خبر بیع وہاں پہنچتی ہے، کہ عاقدین و مبیع سے کچھ حاضر نہیں، ناچار دو طلبوں کی حاجت ہوئی، کہ محضر کا انتظار کرے تو فور جاتا ہے، اور فقط فور پر قانع ہو تو محضر نہیں، اور جب خبر عین محضر میں پہونچی تو تعدد طلب کی اصلا حاجت نہیں، طلب واحد ہی دونوں کا کام دے گی، لاجتماع الفور والمحضر معا، والمسئلة دوارۃ فی الکتب، وقد ذکرنا بعض نصوصھا، ولا نتنس ماقد منا من معنی الاشھاد ومن حقیقة طلب الاشھاد، کیلا تزل من ظاھر کثیر من العبارات، **جواب سوال چہارم** صورت مستفسرہ میں ضرور شفعہ باطل ہو جائے گا، اور قریب کو چھوڑ کر بعید کی طرف جانے سے استناد محض باطل و خرط القتاد، مصر واحد میں اس کا جواز اُس صورت میں ہے کہ بعید تک جانے میں قریب پر گزر نہ ہو، اور اگر راہ میں قریب پر گزرا اور اُسے چھوڑ کر بعید کی طرف گیا، قطعاً شفعہ باطل ہو جائے گا، اور یہ ضرور دلیل اعراض ہے، محیط، سرخسی، بزازیہ، خانیہ، ہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے، لو کان الکل فی مکان حقیقة وطلب من ابعدھا وترك الاقرب جاز، فکذا ھذا الا ان یصل الی الاقرب ویذھب الی الابعد فحینئذ تبطل، اور یہاں یہی ہوا، بیرون در بھی طلب اشہاد کر سکتا تھا، اور اسے چھوڑ کر اندر گیا، اور پردہ کرایا، اور شہود کو لے گیا، اُس وقت طلب کی، تو یہ اقرب پر گزر کر ابعد کی طرف جانا ہوا، اور ضرور مبطل شفعہ ہے۔ **جواب سوال پنجم** بیان مدعی و گواہان مدعی کے ملاحظہ سے جو کچھ نظر فقہی میں واضح ہوتا ہے، اُن الفاظ کا ناکافی ہونا ہے، حاضر کی تعیین اشارہ سے ہوتی ہے اور غائب کی تسمیہ

سے، کہ دار میں ذکر حدود ہے، کتب علماء انھیں احد الوجہین سے مالامال ہیں، اور تصریح ہے کہ مجہول کی طلب صحیح نہیں؛ خلاصہ و وجیز امام کردری میں ہے، تستحق بالطلب، وھو نوعان مواثبۃ وقد ذکرہ، اشہاد وھو ان یشھد قائلا اطلبھا او عبارۃ یفھم منھا طلب الدار ویذکر الحدود، محیط سرخسی و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے، انما یصلح طلب الاشہاد بحضرۃ المشتری او البائع او المبیع، فیقول عند حضرۃ واحد منھم ان فلانا اشتری ھذہ الدار اودارا ویذکر حدودھا الاربعۃ الخ فتاوٰی ذخیرہ و نتائج الافکار میں ہے صورۃ ھذہ الطلب ان یحضر الشفیع عند الدار ویقول ان فلانا اشتری ھذہ الدار او یحضر المشتری ویقول ھذا اشتری من فلان دارا التی حدودھا کذا الخ، او البائع ویقول ھذا باع من فلان دارا التی حدودھا کذا، الخ فتاوٰی قاضیخان میں ہے صورۃ طلب الاشہاد ان یقول الشفیع للمشتری حین لقیہ اطلب منک الشفعۃ فی دار اشتریتھا من فلان التی احد حدودھا کذا والثانی کذا والثالث کذا والرابع کذا (الی قولہ) ولابد ان یبین انہ شفیع بالشرکۃ، او بالجوار، او فی الحقوق، ویبین الحدود لتصیر الدار معلومۃ، ہدایہ میں ہے، صورۃ ھذا الطلب، ان یقول ان فلانا اشتری ھذہ الدار الخ یہ محضر دار میں ہے، پھر فرمایا وعن ابی یوسف، یشترط تسمیۃ المبیع وتحدیدہ، لان المطالبۃ لاتصح الا فی معلوم، یہ غیبت دار، و محضر احد العاقدین میں ہے، غایۃ البیان علامہ اتقانی میں "مختصر امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی" سے ہے یسمی الدار والارض والموضع ویحد حتی یستوثق لنفسہ، اُسی میں ہے، قال القدوری فی شرحہ وانما شرط ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی تسمیۃ المبیع والتحدید، لان المطالبۃ لاتصح الا فی معلوم، فاذا اشھد علی الطلب ولم یبین المطلوب لم یکن للمطالبۃ اختصاص بمبیع دون مبیع، ولایتعلق بھا حکم؛ یہاں جبکہ دار مشفوعہ سامنے حاضر تھی، اشارہ ضرور تھا، اُس کا ذکر مسل بھر میں کہیں نہیں، لہذا حکم وہی چاہیے، جو امام قدوری نے فرمایا، لایتعلق بھا حکم؛ ایسی مہمل طلب پر کوئی حکم نہیں ہوسکتا، دوسرا فتوٰی مدخلہ مدعی ملاحظہ ہوا، وہ صحیح نہیں، اور اُس پر کلام اسی فتوٰی فقیر سے واضح، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از ریاست رامپور محلہ، مسئولہ جناب غلام حبیب خانصاحب عرف بدھن میاں صاحب، ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین، اس باب میں کہ زید و بکر ایک باغ میں نصف نصف کے شریک تھے، زید نے اپنا حصہ نصفی بدست خالد بیع کیا، بکر بحق شفعہ دعویدار ہوا، اور بکر نے گواہان طلب مواثبت و اشہاد روبروئے عدالت پیش کیں، گواہان بکر کا بیان ہے کہ جس وقت مخبر نے حال بیع کا ظاہر کیا تو بکر گھبرا کھڑا ہوگیا، اور فوراً اس نے یہ کہا کہ جس قیمت واقعی کو کہ نصف باغ بیع ہوا ہے اسی قیمت کو میں نے بحق شفعہ خود لیا، پس یہ امر یعنی بیٹھے سے کھڑے ہوکر طلب مواثبت کرنا داخل تاخیر ہے یا نہیں، دوم یہ کہ بعد طلب مواثبت بکر کا چھڑی لینے گھر میں جانا اور گھر میں سے فوراً واپس آکر مشتری کے مکان پر جانا اور وہاں طلب اشہاد بجالانا شرعاً تاخیر میں داخل ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ جہاں طلب اشہاد کو جانا تھا اُس کے بعد اور شفیع کی حالت پر نظر کی جائے، اگر یہ اُتنی دور بے عصا

کے نہ جاسکتا تھا، توچھڑی لینے کے لئے گھر میں جانا اور اُس کے ملنے پر فوراً آکر روانہ ہونا، داخلِ تاخیر نہیں، اگرچہ اُس کی تلاش میں دس بیس منٹ ہوگئے ہوں، کہ امورِ ضرورت شرعاً مستثنیٰ ہیں، اور اگر تلاش دیر کے بعد کی، یا ملجانے کے بعد بلاضرورت دیر لگائی، یا سرے سے عصا کی حاجت ہی نہ تھی، صرف حسبِ عادت ہاتھ میں لینے کے لئے یہ دیر کی، تو یہ ضرور تاخیر ہے، اور داخل عذر نہیں، یہ طلب اشہاد میں تھا، رہا طلب مواثبت سے پہلے اس کا کھڑا ہوجانا اور بعد قیام الفاظ ملک اداکرنا، وہ مطلقاً مسقط شفعہ وقاطع فور ہے، بلکہ فور درکنار قیام سے مجلس بھی بدل گئی، تو روایت ضعیفہ پر بھی شفعہ کی گنجائش نہ رہی، ہندیہ میں ہے طلب الاشہاد مقدر بالتمکن من الاشہاد عند حضرۃ واحد، فمتی تمکن من الاشہاد عند حضرۃ واحد، من ھذہ الاشیاء ولم یطلب، بطلت شفعتہ، نفیا للضرر عن المشتری، کذا فی محیط السرخسی، اُسی میں ہے الشفیع اذا علم فی اللیل ولم یقدر علی الخروج والاشہاد الی کذا فی الحاوی الفتاوی، فتاوی امام اجل قاضی خاں میں ہے طلب المواثبۃ وقتہ فور علم الشفیع بالبیع وروی ھشام عن محمد ۔ الی ۔ یشترط الطلب فور العلم اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از موضع شوپری، تحصیل آنولہ، ضلع بریلی، مسئولہ واحد علیخاں صاحب، ۷ جمادی الاولی ۱۳۲۶ھ

ایک بڑے قطعہ اراضی میں جو صرف ایک زمیندار کی ملکیت ہے، اور بہت سے اشخاص بطور رعایا اس اراضی میں اپنے اپنے صرف لاگت سے مکان تیار کرکے رہتے ہیں، جبتک وہ آباد رہتے ہیں، اُن سے زمیندار کچھ مزاحمت نہیں کرتا، اور بروقت بھاگ جانے یا اُٹھ جانے کے اس ملبہ وغیرہ کا زمیندار مالک ہوجاتا ہے، یا بروقت فروخت کڑی، تختہ، اینٹ وغیرہ زمیندار اُس قیمت سے چہارم لیتا ہے، لیکن کسی باشندہ کو زمین فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے ایسی حالت میں جب ایک باشندہ اپنا ملبہ وغیرہ کسی دوسرے باشندے کے ہاتھ فروخت کرے، تو تیسرا شخص جو بیعہ کے ملحق رہتا ہے، دعوٰی حق شفعہ کرتا ہے، تو یہ دعوی اس کا صحیح ہے یا باطل ہے، اور اگر مالک زمین زمیندار مذکور دعوٰی اپنے حق شفعہ کرے تو وہ کرسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب ۔ جبکہ وہ زمین کا مالک نہیں، اور تنہا عملہ بیچتا ہے، تو اُس میں ہرگز حق شفعہ نہ جار کو ہے، نہ مالکِ زمین زمیندار کو، درمختار میں ہے، لاتثبت فی بناء ونخل بیعا قصدا ولو مع حق القرار، واللہ تعالٰی اعلم

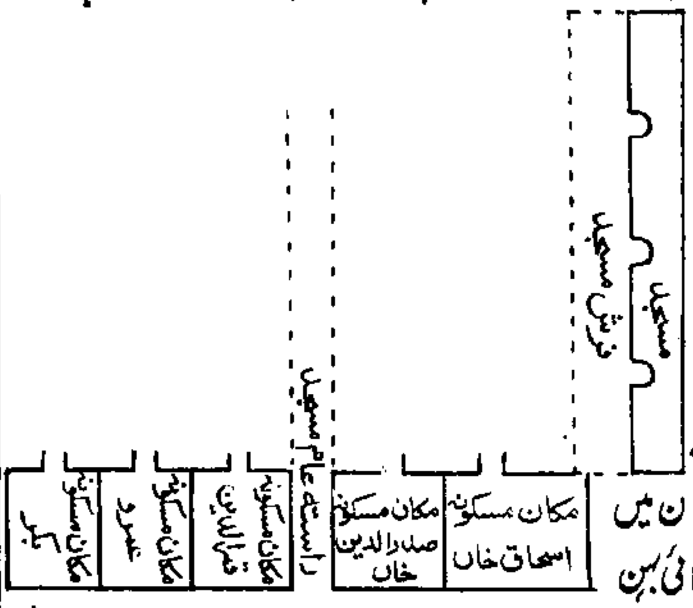
مسئلہ ۔ از شہر بریلی، فراشی محلہ، مسئولہ مقصود علی خاں، ۶ محرم ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بعمر ۱۱ سال ہے، وہ شرائط شفعہ طلب کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اُس کو اختیار طلب شفعہ کا شرعاً حاصل ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب ۔ شفعہ طلب کرسکتا ہے، اور اگر اس انتظار میں کہ مجھے طلب کا اختیار ہے یا نہیں طلب نہ کیا، تو اب نہیں کرسکتا، لفوات المواثبۃ، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ۔ از موضع ریونڈ، ڈاکخانہ مونڈہ، ضلع مراد آباد، مسئولہ محمد اسمٰعیل خاں کارندہ ۱۴ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین، اس مسئلہ میں کہ عمرو نے اپنا مکان زید کے ہاتھ فروخت کیا، زید اُس مکان میں خریداری کا نہ تو شفعہ رکھتا ہے، اور نہ اس مکان پر قابض ہے، اور نہ اُس کے پاس کرایہ پر ہے، بخلاف زید کے بکر کا مکان عمرو کے اس مکان فروخت شدہ کہ درمیان دیوار کے نیچے واقع ہے، ایک درمیانی دیوار عمرو کے مکان اور بکر کے مکان کو قطع کرتی ہے، بکر اس مکان کا شفیع ہے اور کچھ ماہ پیشتر سے یہ مکان بکر نے کرایہ پر لے کر اپنا قبضہ کر رکھا ہے، اور اس نے جامع مسجد کے پیش امام صاحب اور اکثر مسلمانوں کے روبرو اُس زید والے مکان کے خرید لینے کا اعلان کیا ہے، زید والے مکان میں کئی حصہ دار ہیں، منجملہ اُن حصہ داروں کے کہ جو آپس میں بھائی بہن



کارشتہ رکھتے، ایک حصہ دار کا معاہدہ ہوچکا ہے، کہ مکان بکر کو دیا جائے گا، اور اطمینان کے لئے پیشتر بذریعہ کرایہ نامہ قبضہ کرادیا گیا ہے، زید نے یہ مکان جامع مسجد کے لئے چندہ فراہم کرکے خرید کیا ہے، جامع مسجد اس مکان سے ہر مکان درمیان میں دے کر واقع ہے، مسجد نہ تو بکر کے مقابلہ میں شفعہ رکھتی ہے، نہ مسجد کے کسی صرف کا یہ مکان ہے، سُنا جاتا ہے کہ ایک صاحب نے کہ اپنا مکان جامع مسجد کو بلاقیمت دیتے ہیں، یہ شرط کی ہے، کہ اگر وہ مکان جو بکر کے پاس بطور کرایہ کے ہے، اور جس میں وہ شفیع ہے، بطور قیمت مسجد کے نام خرید لیا جاوے گا، تو میں بھی بلاقیمت مکان دیدوں گا، غالبًا بکر کی ایذا رسانی اور تکلیف مدنظر رکھتے ہوئے یہ شرط لگائی گئی ہے، بکر کو اول تو مکان دیا بھی نہیں جاتا، اور اگر بکر اہت دینا گوارا کیا جاتا ہے، تو قیمت بیجا اضافہ کرکے کہ دینا بیان کیا جاتا ہے، بکر اضافہ قیمت کو بالکل گوارا نہیں کرتا اور وہ ہرگز اس بات پر رضامند نہیں کہ کچھ بھی اضافہ دے۔ ایسی صورت میں کیا مسجد کو ایسی خریداری جائز ہے، اور زید کا اصلی قیمت سے اضافہ لینا کس حد تک داخلِ حسنات ہوگا، اور زید کو ایسا کرنے میں کچھ ثواب مل سکتا ہے، جبکہ بکر مکان کے شفیع کا حق باطل کیا جاکر مکان خریدا جائے، اور پھر مسجد کی منفعت کے لئے قیمت اصلی سے زائد بڑھا کر دینا گوارا کیا جائے، باہم مسلمانوں میں اس بارے میں اتفاق نہیں، اکثر اس مکان کی خریداری کے خلاف ہیں، کیونکہ مسجد ایکسٹو کئی روپیہ کی مقروض ہے وہ ادا ہونا چاہیے، پھر شامیانہ اُدھر میں پڑے ہیں، جس کے نہ ہونے سے نمازیوں کو تکلیف ہے، ایک مکان عین مسجد کے فرش پر واقع ہے اس کو خرید نہیں کیا جاتا ہے، اس عمرو والے مکان سے پہلے کچھ دن ایک مکان اور مسجد کے سامنے کا فروخت ہوگیا

وہ نہیں خرید کیا گیا، مسجد کے بعض ممبران کی رائے اس مکان کی خریداری کی نہیں، مسجد کے پیش امام کو معلوم تھا کہ یہ مکان بکر نے خریداری کی نیت سے کرایہ پر لیا ہے، اور بکر کو تنگی مکان کی سخت تکلیف ہے، جواب براہِ کرم پشت عریضہ ہذا پر مہر وغیرہ سے مرتب فرماکر مرحمت فرمایا جادے، جواب کے لئے پتہ یہ ہوگا:۔ بمقام موضع ریونڈہ ڈاکخانہ مونڈہ، ضلع مراد آباد، ڈیرہ زمیندار میں پہونچ کر محمد اسمٰعیل خاں کارندہ کو ملے،

الجواب - قبل بیع شفیع کا کوئی حق نہیں، نہ پہلے سے اُس کے پاس کرایہ پر ہونا، یا اُس کا اعلان کرنا کہ میں اس مکان کو خریدوں گا، یا پیشتر کسی حصہ دار سے معاہدہ ہوجانا، اُسے کوئی ترجیح دے سکتا ہے، بعد بیع خبر پاتے ہی اگر طلب مواثبت و طلب اشہاد بجالائے تو اس وقت اُن کا حق ثابت ہوتا ہے، اور اس حالت میں اسے اضافہ کی کیا ضرورت جتنے کو بیع ہوا اتنے ہی میں لے گا، یہاں سوال میں یہ ہے کہ بکر سے اضافہ مانگتے ہیں اور وہ اضافہ پر راضی نہیں، یہ اگر یوں ہے کہ وہ طلب مذکور بجانہ لایا، یا اُس کے بعد خریدنا چاہا، اور اضافہ پر راضی نہ ہوا تو اُس کا کوئی حق نہ رہا، اور اسے نہ دینا اصلاً ظلم نہیں، اور دوسرے کا شفیع نہ ہونا اُسے کچھ فائدہ نہ دیگا، جبکہ خود اس کا شفعہ نہ رہا، باقی جو باتیں سوال میں لکھی ہیں کہ دوسرے نے اس مکان کی خریداری پر اپنا مکان مفت دینے کو کہا، یا مسجد پر قرض ہے، یا شامیانے ادھوری ہیں، یا قریب کا مکان پہلے بکا نہ خریدا، اب موجود ہے، اُسے نہیں لیا جاتا، بعض ممبروں کی رائے اس کی خریداری کی نہ تھی، امام کو بکر کا ارادہ معلوم تھا، بکر کو مکان کی تکلیف ہے، سب بے علاقہ باتیں ہیں، چندہ چندہ دہندوں کی ملک رہتا ہے، اگر انھوں نے سپرد متولی مسجد نہ کر دیا تھا، اس سے پہلے یہ مکان مول لو اکر نذر مسجد کیا، جب تو یہ سوال ہی متعلق نہیں کہ اصل قیمت سے زیادہ لینے میں کوئی گناہ ہوا، خریدار کو اختیار ہے جتنے پر چاہے رضا دے قال اللہ تعالٰی اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ اور اگر سپرد متولی مسجد کر دیا، متولی نے اصل قیمت سے زائد کو خریدا، تو اگر زیادت فاحش ہے، اور اس میں کوئی مصلحت راجعہ مسجد کی نہیں، تو بیشک وہ گنہ گار ہوا، اور تاوان مسجد کو دے گا، یا بیع فسخ کی جائیگی، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ . از ضلع شاہجہاں پور، ڈاکخانہ جگرام پور گورہ رائے پور، مسئولہ علی حسن خاں صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زمین بیچنے کا ارادہ کیا، تو عمرو کو کہلا بھیجا، عمرو نے کل تین ہزار روپیہ اس زمین کا لگائے۔ زیادہ سے انکار کیا۔ پر بکر کے ہاتھ زید نے اپنی زمین مذکورہ فروخت کر دی پانچ ہزار پر، اب عمرو بذریعہ حق شفعہ اس زمین کو لینا چاہتا ہے، دونوں کا یعنی عمرو و بکر کا زید کی زمین سے دہرا ملا ہے، اور عمرو نے بیع زمین مذکور کے وقت سے بہت روز کے بعد اپنی ناخوشی ظاہر کی، ایسی صورت میں بکر کو حق شفعہ اس زمین مبیع کا حاصل ہے، اور بیع اول باطل ہو جائیگی، یا اس کے برعکس، بینوا توجروا

الجواب - بیع سے پہلے عمرو کا خریداری سے انکار کر دینا اس کے حق شفعہ کو ساقط نہیں کرتا، اگر بکر کے ہاتھ بیع کی خبر سنتے ہی عمرو طالب شفعہ ہوا اور اپنی طلب پر گواہ حسب قاعدہ کرے، تو اسے دعوی شفعہ پہنچتا ہے، اور اگر دیر کے بعد

ناراضی ظاہر کی اور طالب شفعہ ہوا، تو اس کا حق ساقط ہوگیا، واللہ تعالٰی اعلم۔

کتابُ القِسمَۃ

مسئلہ - از پیلی بھیت یکم جمادی الاولٰی ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمٰی اکبر نے انتقال کیا، چار پسر دوست محمد، حفیظ اللہ، کریم اللہ رحمت اللہ، دو دختر جواں، موتی وارث ہوئے، کریم اللہ نے وفات پائی، اس کا بیٹا ننھو ہے، رحمت اللہ فوت ہوا اس کی بیٹیاں اجوبہ محمدی ہیں۔ دوست محمد حفیظ اللہ، ننھو نے جائداد متروکہ مشترکہ کے تقسیم کے لئے زید کو پنچ مقرر کیا مگر جوان، موتی اجوبہ، محمدی اس پنچائت میں اصلاً شامل نہ تھیں، پنچ نے تمام جائداد متروکہ جس میں ان سب کے حصص شرعیہ تھے، صرف اُنھیں تین وارثوں پر جنھوں نے اسے پنچ کیا تھا، تقسیم کردی، اور پنچائت نامہ میں لکھ دیا کہ "حصہ شرعی دختران اکبر اور دختران رحمت اللہ کے ہرسہ فریق بقدر رسدی ذمہ دار و دیندار رہیں گے،، وہ چاروں عورتیں اس تقسیم پر راضی نہیں۔ اس صورت میں یہ پنچائت صحیح ونافذ ہے یانہیں؟ اور پنچ نے جو تقسیم کی وہ بحال رہے گی یا توڑدی جائے گی؟ بینوا توجروا

الجواب - یہ پنچائت محض جہل اور تقسیم بیہودہ و مختل ہے، پنچ کو باقی وارثوں کے حصص میں تصرف کا کس نے اختیار دیا تھا، حکم پنچ کا صرف اُنھیں تک ہوتا ہے جو اُسے پنچ کریں، باقی کسی پر کچھ ولایت نہیں رکھتا، ہدایہ میں ہے حکمہ لایلزمہ لعدم التحکیم منہ، تقسیم کے معنی یہ ہیں کہ حصے جدا جدا ہوجائیں، یہاں جدائی نہ ہوئی کہ چاروں عورتوں کے حصے سب میں مختلط ہیں، تو یہ تقسیم شرعاً تقسیم نہیں، ہدایہ میں ہے باستحقاق بعض شائع ظھر شریك ثالث لھما والقسمۃ بدون رضاہ باطلۃ، اُسی میں ہے باستحقاق جزء شائع ینعدم معنی القسمۃ وھو الافراز، علماء تصریح فرماتے ہیں، اگر چند ورثہ قاضی کے یہاں رجوع لائیں کہ مورث نے انتقال کیا اور یہ ترکہ چھوڑا ہم میں تقسیم ہوجائے، اور گواہ دیں کہ ہمارے سوا کوئی وارث نہیں، قاضی تقسیم کردے، پھر اور وارث ظاہر ہو جو کل متروکہ میں سے کسی حصہ شائعہ مثل سدس یا ثمن وغیرہ کا مستحق ہو، تو بالاجماع وہ تقسیم توڑدی جائے گی، ہدایہ میں ہے، لواستحق نصیب شائع فی الکل تفسخ بالاتفاق، اُسی میں ہے لانہ لوبقیت القسمۃ لتفرق الثالث بتفرق نصیبہ فی النصیبین، جبکہ قاضی کی تقسیم جس کی ولایت عموم رکھتی ہے، اور وہ بھی اس طرح کہ اُس نے دانستہ کسی وارث کو ضرر

نہ پہنچایا تھا، بعد ظہور وارث دیگر کہ یقیناً فسخ کی جاتی ہے تو بیچ کی تقسیم جس کی ولایت فقط اس کے بیچ کرنے والوں پر ہے، اور وہ بھی یوں کہ اس نے دیدہ و دانستہ اور وارثوں کے ہوتے ہوئے ترکہ صرف تین پر بانٹ دیا، اور باقیوں کو حصہ رسد ہر ایک کے حصہ میں سے ٹکڑا ٹکڑا لینے کا مستحق ٹھہرایا، کیونکر قابل تسلیم ہوسکتی ہے، پس صورت مستفسرہ میں واجب ہے کہ وہ پنچائت رد کی جائے، اور وہ ناروا تقسیم توڑ دی جائے، اور از سرِ نو سب وارثوں پر تقسیم شرعی عمل میں آئے، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از ریاست رامپور، محلہ کنڈہ، مسئولہ جناب محمد سعادت علی خاں صاحب، ۲۶ شوال ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص چند گھروں کے جو ایک شہر میں ہیں بالاشتراک مالک ہیں، ایک حصہ دار اُن گھروں میں سے اپنے حصہ کی تقسیم چاہتا ہے، اور وہ اپنے حصہ سے بعد علٰحدہ ہونے کے بھی نفع اٹھا سکتا ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ ہر گھر میں سے مجھ کو علٰحدہ حصہ ملے، ایسی حالت میں از روئے شرع شریف سب گھروں کی یکجائی تقسیم کی جائے گی یا ہر گھر کی جداگانہ تقسیم ہوگی، بینوا توجروا

الجواب ۔ اگر ہر مکان میں اُس کا حصہ قابل انتفاع ہے، تو ہر مکان سے جدا جدا اُسے حصہ دیا جائے گا، ہر گھر میں علٰحدہ تقسیم ہوگا، درمختار میں ہے دور مشترکۃ قسم کل وحدھا منفردۃ مطلقا ولو متلازقۃ او فی محلتین او مصرین، واللہ تعالٰی اعلم.

کتاب المزارعۃ

مسئلہ. مسئولہ محمد مبارک اللہ، از پیلیانہ ضلع مراد آباد، ۲۶ رجب ۱۳۲۹ھ

(۱) شرع شریف کے نزدیک کاشتکار کوئی حق موروثیت جیسے قانون انگریزی کے اندر ہے کہ جو شخص بارہ سال سے زائد ایک زمین کو کاشت کرے تو زمیندار کو پھر کوئی مجاز بیدخلی وغیرہ کا نہیں رہتا، حاصل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو خیر اور حق نہیں، (۲) تو یہ کاشت کار حلف تلف اور ظالم ہے یا نہیں، (۳) اور اس وقت یہ کاشتکار جو زمین کو نہیں چھوڑتا ہے، اور لگان حیثیت زمین سے کم دیتا ہے، اور زمیندار بحیثیت قانون انگریزی دعوٰی سے مجبور ہے، تو یہ کاشتکار متبع قانون انگریزی کا، اور مقدم و مرجح قانون کا حکم شریعت پر ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور یہ ظالم اور زمیندار مظلوم ہوا یا نہیں؟ (۴) اور اگر کوئی زمیندار بعد انکار کاشتکار کے دعوٰی بیدخلی مجبورًا دائر کرے، تو صرف اُس کا جو کچھ کچہری میں ہوا، اُس کے لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب. مجرد مرور مدت سے کچھ نہیں ہوتا، اگرچہ بیس برس کاشت کرے، جب مدت اجارہ ختم ہوگئی شرعًا اُس سے نکال کر زمین دوسرے کو دینا مطلقًا جائز ہے، خواہ زمین مملوک ہو، یا موقوف، یا سلطانی، ردالمحتار میں اوائل بیوع میں ہے اما مجرد وضع الید علی الدکان ونحوھا وکونہ یستاجرھا مدۃ سنین بدون شیئ مما ذکر (اویاتی) فھو غیر معتبر، فللموجر اخراجھا من یدہ اذا مضت مدۃ اجارۃ، وایجارھا لغیرہ کما اوضحناہ فی رسالتنا تحریر العبارۃ، ہاں اگر زمین ناقابل زراعت تھی، اُس نے اُسے بنایا کمایا، اُس میں چوگڑی وغیرہ کھود دے، یا اُس میں اپنی دوسری زمین سے لاکر مٹی بچھائی یا پیڑ لگائے یا کوئی عمارت بنائی، ویقال للاولی الکراب والاخر دھوما، اذا اضاف فیھا شیئا من ملکہ کتراب وغیرہ، وبناء الکردار، والقیمۃ، واذا فعل ھذا فی الحوانیت یسمی جدکا، اوکدکا، فان کان مما لاینقل ویرکب للقرار کالبناء والاغلاق، یسمی سکنٰی والکل یقال لہ مسکۃ، ومشد مسکۃ، وھناک اطلاقات اخر کما یعلم من مساقاۃ العقود و بیوع ابن عابدین، تو اگر وہ زمین مملوک نہیں بلکہ سلطانی ہے، یعنی بیت المال کی جسے یہاں سرکاری کہتے ہیں، یا وقف ہے تو البتہ ان کارروائیوں سے اُس کے لئے حق قرار ثابت ہوگا، کہ بلا وجہ شرعی وہ زمین کبھی اُس کے قبضہ سے نہ نکالی جائے گی، اور وہ مرجائے تو اُس کا بیٹا اُس کے قائم مقام ہوگا، مع تفاصیل مذکورہ فی الفقہ، جامع الفصولین

وغیرہ میں ہے بنی المستاجر اوغرس فی ارض الوقف صار لہ فیہا حق القرار، وھو المسمی بالکردار' لہ الاستبقاء باجر المثل، خیریہ میں ہے وقد صرح علماء نا بان لصاحب الکردار حق القرار، وھو ان یحدث المزارع والمستاجر فی الارض بناء، او غرسا، او کبسا بالتراب باذن الواقف، او الناظر، فتبقی فی یدہ، عقود الدریہ میں ہے اذا کان لوقف ارض سلیخۃ معطلۃ غیر صالحۃ للزراعۃ، فاذن متولی الوقف لیزید بحرثہا، واصلاحہا، وکبسہا، وزراعتہا لیدفع قسمہا بجھۃ الوقف، ففعل زید ذلک کلہ ثبت لہ حق القرار' فیہا، تبقی بیدہ باجر مثلہا، او بان یؤدی قسمہا المتعارف لجھۃ الوقف المذکور، *ہاں اُس کے سبب وقف پر اندیشہ ہو، یا اجرت نفس زمین کی بڑھ جائے، اور یہ اضافہ پر راضی نہ ہو، تو بیدخل کر دیا جائے گا، یوہیں اگر تین سال زمین معطل چھوڑ دے گا، اُس کا حق قرار جاتا رہے گا*

بیوع رد المحتار میں ہے فی اوقاف الخصاف حانوت اصلہ وقف وعمارتہ لرجل، وھو لا یرضی ان یستاجر ارضہ باجر المثل، قالوا ان کانت العمارۃ بحیث لو رفعت یستاجر الاصل باکثر مما یستاجر صاحب البناء کلف رفعہ، ویوجر من غیرہ، والا یترک فی یدہ بذلک الاجر اھ، یفید انہ احق من غیرہ حیث کان ما یدفعہ اجر المثل، اسی کے وقف میں ہے، حیث کان یدفع اجر مثلہا لم یوجد ضرر علی الوقف فتترک فی یدہ فلو مات کان لورثتہ الاستبقاء، الا اذا کان فیہ ضرر علی الوقف بوجہ ما' بان کان ھو او وارثہ مفلسا، او سیئ المعاملۃ، او متغلبا، یخشی علی الوقف منہ، او غیر ذلک من انواع الضرر، عقود الدریہ میں ہے، سئل فی ذی مسکۃ فی ارض ترکہا ثلث سنوات اختیارا منہ بدون عذر شرعی، فھل سقطت مسکتہ، الجواب سقط حقہ بالترک المذکور، کما افتی بہ الخیر الرملی والشیخ اسمٰعیل ویاتی مثلہ عن المعروضات، *اور اگر زمین مملوک ہے، جیسے عام دیہات کی زمین، کہ زمیندار کی ملک ہوتی ہے، تو اس میں شرعا ہرگز کبھی کسی طرح کاشتکار کو حق قرار ثابت نہ ہوگا، اگرچہ اُس نے اُس میں باغ بھی لگایا عمارت بھی بنائی ہو، جب اجارہ یعنی اُس کے پٹہ کی مدت ختم ہوگی، زمیندار کو اختیار ہوگا کہ زمین اُس سے نکال لے، اور اُس کے درخت وعمارت کی نسبت اُسے حکم دے کہ زمین خالی کردے، اور درختوں کے کاٹنے، عمارت کے کھودنے میں، زمین کا زیادہ نقصان دیکھے، تو کٹے کھودنے کے بعد جو قیمت اُن درختوں اور عمارت کی ہو، اس سے کٹوانے کھدوانے کی اجرت مجرا کرکے کاشتکار کو دیدے، اور پیڑ اور عمارت خود لے لے، اور اگر کاشتکار سے کوئی مدت معین نہیں ٹھہری، یوہیں سال بسال کاشت کرتا ہے، تو ہر ختم سال پر زمیندار کو زمین خالی کرالے، اور آئندہ اُسے زراعت کی ممانعت کر دینے کا اختیار ہوگا، اگرچہ کاشت کرتے پچاس برس گزر گئے ہوں،* عقود دریہ میں ہے، قال فی التجنیس رجل اشتری من رجل سکنی لہ فی حانوت رجل اخر مزکیا

بمال معلوم لصاحب الحانوت ان یکلف المشتری رفع السکنی، وان کان علی المشتری ضرر لانہ شغل ملکہ، اُسی میں ہے، لکن اذا کان ھذا الحدك المسمی بالسکنی قائما فی ارض وقف، فھو من قبیل مسألۃ البناء او الغرس فی الارض المحتکرۃ لصاحبہ الاستبقاء باجرۃ مثل الارض حیث لاضرر علی الوقف وان ابی الناظر نظراً للجانبین، علی مامشی علیہ فی متن التنویر، وافتی بہ المؤلف تبعا للخیر الرملی، وقد منا الکلام علیہ فی کتاب الاجارات، ولا ینافیہ مافی التجنیس، من ان لصاحب الحانوت ان یکلفہ رفعہ، لان ذالك فی الحانوت الملك، والفرق ان الملك قد یمتنع صاحبہ عن ایجارہ، ویرید ان یسکنہ بنفسہ، او یبیعہ، او یعطلہ، بخلاف الموقوف المعد للایجار، فانہ لیس للناظر الا ان یوجرہ، فایجارہ من ذی الید باجرۃ مثلہ اولی من ایجارہ من اجنبی، لما فیہ من النظر للوقف ولذی الید، فتاوی خیریہ کتاب المزارعۃ میں ہے، لیس لصاحب الاشجار رفع ایدیھم عنھا، ولا قلع اشجارھم، اذ المفوض الیہ من السلطان تناول الخراج و لیس لہ ملك فیھا، حتی یملك نزع ید مزارعیھا الذین صار لھم فیھا کردار یغرس للاشجار، والتصرف الکائن منھم فی سائر الامصار، "ردالمحتار کتاب الاجارہ" میں **قول مصنف** لواستاجر ارض وقف وغرس فیھا، ثم مضت مدۃ الاجارۃ، فللمستاجر استبقاءھا باجر المثل، اذا لم یکن فی ذلك ضرر ولو ابی الموقوف علیھم الا القلع، لیس لھم ذلك، کے تحت فرمایا قید بالوقف بمافی الخیریۃ عن حاوی الزاھدی عن الاسرار من قولہ، بخلاف ما اذا استاجر ارضا ملکا، لیس للمستاجر ان یستبقیھا کذلك ان ابی المالك الا القلع، بل یکلفہ علی ذلك، الا اذا کانت قیمۃ الغراس اکثر من قیمۃ الارض، فیضمن المستاجر قیمۃ الارض للمالك، فیکون الاغراس والارض للغارس، وفی العکس یضمن المالك قیمۃ الاغراس فتکون الارض والاشجار لہ، وکذا الحکم فی العاریۃ اھ اھ مافی الشامی **اقول** واستثناءہ ما اذا کانت قیمۃ الغراس اکثر مبنی علی مسألۃ غضب الساحۃ بالمھملۃ، وفیھا معترك عظیم، والارجح عندنا انہ لا یتملك الارض کرھا وان کانت قیمۃ بناءہ وغرسہ اکثر، لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیس لعرق ظالم حق، درمختار میں ہے فان مضت المدۃ قلعھا وسلمھا فارغۃ، الا ان یغرم لہ الموجر قیمۃ البناء والغرس مقلوعا ویملکہ، قال فی البحر، افاد انہ لا یلزمہ القلع ولو رضی الموجر بدفع القیمۃ، لکن ان کانت تنقص یتملکھا جبراً علی المستاجر والا برضاہ، ردالمحتار میں ہے قولہ مقلوعا، فی الشرنبلالیۃ، ای مامورا مالکھما بقلعھما وانما فسرناہ بکذا، لان قیمۃ المقلوع ازید من قیمۃ المامور بقلعہ، لکون المؤنۃ مصروفۃ للقطع

کذا فی الکفایۃ اھ اقول وبما ذکرنا تبین ان ما وقع فی حاوی الزاھدی من قولہ، یثبت حق القرار فی ثلثین سنۃ فی الارض السلطانیۃ، والملک، وفی الوقف، فی ثلث سنین الخ فھو واضح فی العقود الدریۃ علی الکردار، حیث قال المراد بہ (ای بحق القرار) الاعیان المتقومۃ لا مجرد الامر المعنوی، ویدل علی ذلک قولہ فی البزازیۃ لاشفعۃ فی الکرداری البناء، ویسمی بخوازم حق القرار لانہ نقلی اھ مع ان فی ھذا الحسل ایضا کلاما عندی لان حق القرار بمعنی الکردار لایتوقف علی مرور الاعصار، وانما مبناہ علی النظر للجانبین ورفع الضرار، کما تقدم، وفی اجارۃ الخیریۃ لہ الاستبقاء حیث لاضرر علی الجھۃ (ای جھۃ الوقف) ولزوم القرار علی الغارس، وانت علی علم ان الشرع یابی الضرر خصوصا والناس علی ھذا، وفی القلع ضرر علیھم، وفی الحدیث الشریف عن النبی المختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، لاضرر ولاضرار فی الاسلام اھ وفی وقف الدرر المنیۃ، حانوت لرجل فی ارض وقف، فابی صاحبہ ان یستاجر الارض باجر المثل، ان العمارۃ لو رفعت تستاجر باکثر مما استاجرہ، امر برفع العمارۃ وتوجر لغیرہ والا تترک فی یدہ بذلک الاجر ومثلہ فی البحر اھ قال الشامی لان فیہ ضرورۃ، بحر عن المحیط۔ وظاھر التعلیل ترکھا بیدہ ولو بعد فراغ مدۃ الاجارۃ لانہ لو امر برفعھا لتوجر من غیرہ یلزم ضررہ، وحیث کان یرفع اجرۃ مثلھا لم یوجد ضرر علی الوقف، فتترک فی یدہ لعدم الضرر علی الجانبین، الخ، وعلی کل، فلفظۃ الملک لامحل لہ ھنا کما قدمنا عن نفس حاوی الزاھد عن الاسرار فضلا عن سائر معتمدات الاسفار، بالجملہ دیہات مملوکہ میں کاشتکار کے لئے کسی حال کسی مدت میں حق قرار جسے آج کل حق موروثی کہتے ہیں شرعا ہرگز حاصل نہیں ہوتا، وہ صرف قانونی بات ہے، تو اگر بے رضائے زمیندار بدعوے موروثی جبرًا قابض ہے، یا لگان اس کی مرضی سے کم دے تو عنداللہ وہ کاشتکار ضرور ظالم وغاصب، وگناہگار، اور حق العبد میں گرفتار ہے، یہاں اگرچہ قانونی مجبوری زمیندار کو عاجز رکھے، مگر روز قیامت اللہ عزوجل کے حضور کاشتکار کو کوئی عذر نہ ہوگا، بایں ہمہ اگر زمیندار دعوی بے دخلی دائر کردے تو کاشتکار کے خرچہ پانے کا مستحق نہیں کہ مدعی کو خرچہ دلانا بھی حکم شریعت کے بالکل خلاف ہے، اگرچہ مدعی مظلوم ہی ہو، عقود دریہ میں ہے، سئل فی رجل کفل اٰخر عند زید بدین معلوم ثم طالبہ زید بہ ثم الزمہ بہ لدی القاضی، فطلب زید ان یدفع لہ الرجل قدر ماصرفہ فی کلفۃ الالزام، فدفعہ لہ، ویرید الرجل مطالبۃ زید بما قبضہ من کلفۃ للالزام، فھل لہ ذلک، الجواب نعم اھ وکتب المولی المنقح رحمہ اللہ تعالٰی علی ھامشہ لایلزم بکلفۃ الالزام، ہاں اگر زمیندار اُس سے کہدے، کہ آئندہ سے اس زمین پر اتنی لگان تجھے دینی ہوگی اور

کاشتکار نہ اضافہ کرے نہ زمین چھوڑے، بلکہ خاموش رہے، اور زراعت کئے جائے، تو اس کا وہ سکوت ہی شرعاً قبول ٹھہرے گا، اور اُس دن سے وہی لگان اس پر لازم ہوگی، مگر زمیندار اُس سے وصول نہیں کرسکتا، تو یہ خرچہ کی رقم اُس آتے ہوئے میں وصول کرلے، کہ اُس کا لینا قانوناً بنام خرچہ ممکن ہے، اور شرعاً بوجہ اضافہ جائز ہے، درمختار میں ہے، السکوت للاجارۃ رضا وقبول، فلو قال للساکن اسکن بکذا والا فانتقل، او قال الراعی لا ارضی بالمسمی بل بکذا، فسکت، لزم ما سمی، ردالمحتار میں ہے، فی التتارخانیۃ، اکتری داراً سنۃ بالف، فلما انقضت قال ان فرغتھا الیوم والا فھی علیک کل شھر بالف، والمستاجر مقر له بالدار، فانا نجعل فی قدر ما ینقل متاعه باجر المثل، وبعد ذلک بما قال المالک، اسی طرح اگر خود زمین کی لگان بڑھ گئی، وہ اور اسکے گرد وپیش کی زمینیں پہلے ایک روپے بیگھا تھیں، اب مثلاً دو روپے بیگھا ہوگئیں، اور اُس کی مدت اجارہ ختم ہوگئی، اور مالک نے اضافہ چاہا، تو اس پر بھی شرعاً دو روپے کی شرح لازم ہوگئی، اگرچہ نہ صرف سکوت بلکہ کاشتکار صراحۃً انکار کرتا رہا ہو، لانه لما تمت اجارته، وطلب المالک الزیادۃ، فابی صار غاصبا، والارض معدۃ للاستغلال، ولیس لمزارع تاویل ملک لعدمه، ولا عقد لانتھائه، فیجب علیه باجرۃ المثل، وھی الاٰن دو بیتان، درمختار میں ہے منافع الغصب لا تضمن عندنا، الا فی ثلث، فیجب اجر المثل ان یکون المغصوب وقفا، او مال یتیم، او معدا للاستغلال، الا اذا سکن فی المعد للاستغلال، بتاویل ملک، او عقد فلا شیئ علیه اھ ملتقطا، تو بنام خرچہ جو کچھ ملے، اس اضافہ میں جو شرعاً اس پر لازم ہوچکا وصول کرلے لانه ظفر بجنس حقه، ردالمحتار میں ہے اذا لم یمکنه الرفع للحاکم، فاذا ظفر بمال مدیونه له الاخذ دیانۃ، بل له الاخذ من خلاف الجنس علی ما نذکرہ قریبا، اور اگر اجارہ کی کچھ مدت مقرر نہ کی، یونہی سال بسال کاشت کرتا چلا آتا ہے، جب تو ختم ہر سال پر زمیندار کو اختیارات مذکورہ حاصل، اور احکام مذکورہ نافذ ہیں، کہ اُس سے ہر سال پر نیا اجارہ منعقد ہوتا ہے، کما اشرنا الیه، درمختار میں ہے، أجرھا لو قال کل شھر بکذا، صح فی واحد فقط، واذا مضی الشھر، فلکل فسخھا بشرط حضور الاٰخر لانتھاء العقد الصحیح، وفی کل شھر سکن فی اوله صح العقد فیه ایضا الخ، بالجملہ یہ قاعدہ کلیہ نفیسہ جلیلہ حفظ رکھنے کا ہے کہ جب کسی کا دوسرے پر کچھ آتا ہو، یا اس سے لینے کا شرعاً حق رکھتا ہو، اور اپنے اس حق تک قانوناً نہ پہنچ سکتا ہو، تو اس کے وصول کے لئے کسی ایسے امر کا ارتکاب جو قانوناً ناجائز ہو، اور جرم کی حد تک پہنچے شرعاً بھی ناجائز ہوگا کہ ایسی بات کے لیے جرم قانونی کا مرتکب ہوکر اپنے آپ کو سزا اور ذلت کے لئے پیش کرنا شرعاً بھی روا نہیں، قال تعالٰی لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ، وقد جاء الحدیث عنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ینھی المومن ان یذل نفسه، مگر جب کوئی ایسا ذریعہ پائے کہ قانوناً کوئی رقم اس سے وصول

کر سکے، تو اجازت ہے کہ اُس نیت جائزہ سے اسے لے، اگرچہ قانوناً کسی دوسرے نام سے ملے، فان الشیئ اذا وصل الی مستحقه من المستحق علیه، جعل واصلا من الجهة التی یستحقه، کما فی الدر المختار، وقد قال صلی الله تعالی علیه وسلم انما الاعمال بالنیات، وانما لکل امرئ مانوی، اور یہ ضرور ہے کہ شرعی اجازت سے آگے نہ لے، مثلاً سو روپے آتے تھے تو سو یا سو سے کم لے سکتا ہے، زیادہ جائز نہیں، اور یہ بھی لحاظ رہے کہ شرع مطہر جس طرح بُرے کام سے منع فرماتی ہے، یوہیں بُرے نام سے، تو ایسے ذریعہ سے بچے جس میں اگرچہ یہ اپنی نیت کے سبب لیتا آتا، یا ایک شئی مباح لیتا ہو جس میں اُس پر مواخذہ نہیں، مگر وہ ظاہری ذریعہ ایسا ہو جس سے بدنامی ہو، لوگ اسے مرتکب حرام سمجھیں، غیبت کریں، جیسے سود کا نام، تو اس سے بھی بچے اور صبر کرے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از موضع نگلہ ہریہ، وتحصیل موانہ، ڈاکخانہ بہلا دود، ضلع میرٹھ، مرسلہ سید اکبر علی، ۲ر شعبان ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کاشتکار موروثی ہے، اور لگان بحساب دو روپیہ فی بیگہ زمیندار کو ادا کرتا ہے، اور وہ زمین جو زیر کاشت موروثی زید ہے، اصل میں للعہ فی بیگہ کے لگان کی ہے، کیونکہ اُس اراضی سے ملحقہ اور ہم حیثیت اراضی مبلغ للعہ فی بیگہ لگان پر کاشت کرائی جارہی ہے، اور دوسرے کاشتکار خوشی سے للعہ فی بیگہ لگان پر کاشت کرتے ہیں، زمیندار کا بہت بڑا نقصان ہے، اور کاشتکار مذکور زمیندار کے کہنے سے لگان میں اضافہ نہیں کرتا، اور کہتا ہے کہ شرعاً نالش کردو، بعد ہو جانے ڈگری کے لگان زیادہ دوں گا، اور زمیندار خود تو اضافہ نہیں کرسکتا، کیونکہ کاشتکار رضامند نہیں، اور کچہری سے بچند وجوہ ہو نہیں سکتا، اس معاملہ میں وکلا سے بہت زیادہ تحقیق کرلی گئی ہے، اگر کاشتکار لگان اس وقت جبکہ قانون نے اُس پر واجب کیا ہے نہ ادا کرے، اور زمیندار محض اپنے نقصان کی تلافی کی غرض سے لگان کے روپیہ پر سود لگادے، اور کہدے کہ میں اپنے لگان میں لیتا ہوں، تو کچھ گناہ تو نہیں ہے، اس طریقہ سے کچھ تلافی نقصان ہو جائے گی، دوم یہ کہ اگر زمیندار کچہری میں ایک سچی بات کو چھپائے، اور جھوٹی بات کو ظاہر کرے، تو اپنے نقصان کی معمولی سی تلافی کرسکتا ہے، اور اراضی موروثی کا اسکے قبضہ سے نکل جانا بھی ممکن ہے، اس جھوٹی بات کو ظاہر کرنے سے جو زمیندار محض اپنے نقصان کی تلافی کی غرض سے کرتا ہو کوئی گناہ ہوگا یا نہیں، سوم یہ کہ کاشتکار موروثی کا کوئی حق ہے یا نہیں، چہارم یہ کہ شریعت مطہرہ کے نزدیک زمیندار کی مالی نقصان کی تلافی مال سے کیونکر ممکن ہے؟ فقط

الجواب ۔ جواب سوال اول وسوم وچہارم ۔ شرع مطہر کے نزدیک مملوک زمینوں میں جیسی عام دیہات کی زمینیں ہیں، کہ زمیندار اُن کے مالک ہیں اصلاً کبھی کسی طرح حق موروثی حاصل نہیں، شرعاً زمیندار کو اختیار ہے کہ جب پٹہ کی میعاد ختم ہو، یا اگر کاشتکار سے کوئی میعاد معین نہ ٹھہری تو جس ختم سال پر چاہے کاشتکار سے کہدے، کہ اب سے کاشت چھوڑدے مجھے زمین تجھکو دینا منظور نہیں، اس کہنے سے وہ زمین سے شرعاً بے تعلق ہو جائے گا، اور اسے حرام ہوگا کہ

قبضہ نہ چھوڑے، اگر نہ چھوڑے گا غاصب ہوگا، اور اس کے بعد سے عندالشرع اُس پر وہی چار روپے بیگھا واجب ہوگا، جو وہاں اُس حیثیت کی زمینوں کی عام شرح ہے، اگر نہ دے گا، اور وہی دو روپے بیگھا ادا کرتا رہیگا تو بحکم شرع وہ فی بیگھا دو روپے سال کا مدیون ہوتا رہے گا، مثلاً ایسی زمین پچاس بیگھے اُس کی کاشت میں ہے، تو زمیندار کے سو روپے سال ہمیشہ اُس پر چڑھتے رہیں گے، جبتک زمین نہ چھوڑے، نیز زمیندار کو اختیار ہے کہ ختم میعاد یا صورت ثانیہ میں جس ختم سال پر چاہے اس سے زمین نکالنے کو نہ کہے، بلکہ یوں کہے کہ آج سے یہ زمین چار روپے یا دس روپے بیگھا ہے، (جو وہاں اس زمین کی عام شرح ہو رہی ہے، خواہ اس قدر کہے، یا اس سے کم، یا جس قدر چاہے زیادہ، مثلاً سو روپے بیگھا، ہزار روپے بیگھا) اگر کاشتکار اپنے اس زعم پر کہ یہ بغیر چارہ جوئی قانونی کیا کر سکتا ہے، خاموش رہا، اور کاشت کی، تو جتنا اس نے کہدیا تھا اُس پر دین ہو رہے گا، اور اگر وہ سکوت نہ کرے، بلکہ رد کردے، مثلاً کہے میں تو وہی دو روپے دوں گا، زیادہ نہ دوں گا، تو یہ پھر اپنے کلام کا اعادہ کر دے، یہاں تک کہ وہ خاموش ہو رہے، اور دیکھے کہ نہیں چیتا تو کہہ دے مجھے تجھکو دینا منظور نہیں، اس کے بعد کاشت کرے گا، تو وہی عام شرح مثلاً چار روپے اُسپر لازم آئیں گے، ان طریقوں سے یہ تو ہوگا نہیں کہ زمیندار قانوناً دو روپے بیگھا سے زائد لے سکے، جب تک باضابطہ اضافہ نہ کرائے، جو ہزار دقتیں رکھتا ہے، نہ یہی ممکن کہ زمیندار اس بنا پر کہ شرعاً اس کے اجارہ سے نکل گئی، اُسے خود بیدخل کردے، اور نہ صرف قانوناً بلکہ عندالشرع بھی زمیندار کو جائز نہ ہوگا کہ شرع مطہر ایسی بات کے لئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے یا ذلّت کے لئے پیش کرنے کی سخت ممانعت فرماتی ہے، تو ایسی صورت کا ہر جرم قانونی اس عارض کی وجہ سے خود جرم شرعی اور گناہ ہے، ان طریقوں سے یہ نفع ہوگا کہ جب کاشتکار عندالشرع اس کا مدیون ہو لیا، اور وہ دین قانوناً وصول ہو نہیں سکتا، تو کاشتکار سے جو رقم زمیندار قانوناً وصول کر سکے، اور شرعاً وہ رقم نا واجب ہو، اُسے قانونی ذریعہ کے نام سے وصول کرے، اور اپنے اُسے آتے ہوئے میں مجرا کرلے، جبکہ یہ رقم اُس قدر دین سے زائد نہیں، مثلاً کاشتکار پر لگان یا اضافہ یا بیدخلی یا کسی قسم کی کوئی نالش کرے، جس کی حاجت زمینداروں کو اکثر پڑتی ہے، اور وہ نالش ڈگری ہو تو شرعاً مدعی کو اگرچہ حق پر ہو، مدعا علیہ سے خرچہ لینا جائز نہیں، یہ خرچہ لے، اور اُسے اپنے دین میں محسوب سمجھے، یا زمینداریوں میں اکثر معمول ہے کہ کاشتکاروں سے لکڑی اوپلا بھُس وغیرہ اوگھائی لیتے ہیں، یا ہل بیل گاڑی سبیل وغیرہ میں، اور یہ شرعاً جائز نہیں، ان کو وصول کرے، اور اُس میں مجرا لے، لکڑی وغیرہ قیمت کے اعتبار سے، اور بیل وغیرہ اجرت کے لحاظ سے، یوہیں اگر قسط چوکنے سے، یا لگان تقاوی وغیرہ پر سود کا نام کرے، اور سود کی نیت نہ ہو، بلکہ اسی دین میں وصول کرے، تو یہ رقم بھی شرعاً اُس کے لئے مال حرام نہ ہوگی، مگر اس سے احتراز یوں لازم ہے کہ شرع نے جس طرح بُرے کام سے منع فرمایا، بُرے نام سے بھی منع فرمایا، اور اپنے آپ کو بلا ضرورت شرعیہ مطعون کرنا مسلمانوں کو اپنی غیبت و بدگوئی میں مبتلا کرنا شرعاً منع ہے، سود کے نام لگانے سے لوگ اصل حقیقت کو

نہ جانیں گے، اور اُسے معاذ اللہ سود خوار کہیں گے، بدنام کریں گے، یہ کس کس کو اپنی نیت اور معاملہ کی اصل حالت بتاتا پھرے گا، ایسی بات سے احتراز چاہئے، بخلاف خرچہ اوگھائی، سہیل بیگار، معمولی و رائج اشیاء کے، کہ عوام ان پر مطعون و بدنام نہ کریں گے، غرض کاشتکار کہ شرعاً ناجائز قبضہ رکھے، مدیون بنانے کے وہ طریقے ہیں اور اپنے مالی نقصان کی تلافی کی یہ صورتیں، بغیر اُن طریقوں کے صرف اس وجہ سے کہ گرد و پیش کی زمینوں کی شرح بڑھ گئی ہے، کاشتکار پر دو روپے بیگھا سے کچھ زائد واجب نہ ہوگا، اور یہ زیادہ لے گا تو ناواجب لے گا، اس مجمل بیان کو خوب سمجھ لینا چاہئے، کہ اس میں شرعی اطاعت بھی ہے، اور قانونی رعایت بھی، اور مالی حفاظت بھی، اور ان اصول و مسائل سے آجکل کے بہت ذی علم بھی غافل ہیں، عوام تو عوام، اب ہم بعض عبارات ذکر کریں کہ تفصیل موجب تطویل، فی رد المحتار عن الخیریۃ عن الحاوی عن الاسرار اذا استاجر ارضا ملکا لیس للمستاجر ان یستبقیھا کرھا لکن ان ابی المالک الا القلع بل یکلفہ علی ذلک، در مختار میں ہے قال للساکن اسکن بکذا والا فانتقل، فسکت، لزم مایسمی، اُسی میں ہے یجب اجر المثل فی المعد للاستغلال، اسی میں ہے الاصل ان المستحق بجھۃ اذا وصل الی المستحق بجھۃ اخری اعتبر واصلا بجھۃ مستحقۃ ان وصل الیہ من المستحق علیہ والا فلا، وتمامہ فی جامع الفصولین رد المحتار میں ہے، اذا لم یمکنہ الرفع للحاکم فاذا ظفر بمال مدیونہ لہ الاخذ دیانۃ، بل لہ الاخذ من خلاف الجنس، اُسی میں ہے الفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرۃ من ای مال کان، واللہ تعالٰی اعلم،

جواب سوال دوم: جھوٹ بولنا حرام ہے، ہاں اپنا حق وصول کرنے یا اپنے اوپر سے ظلم دفع کرنے کے لئے پہلو دار بات کی اجازت ہے، جس کا ظاہر کذب ہو، اور باطن میں صحیح معنی مراد ہوں، وہ بھی اُسی حالت میں کہ صدق محض سے وہ حق نہ ملے، اور ظلم نہ ٹلے، ورنہ یہ بھی جائز نہیں، در مختار میں ہے، الکذب مباح لاحیاء حقہ ودفع الظلم عن نفسہ، والمراد التعریض، لان عین الکذب حرام، رد المحتار میں ہے حیث یباح التعریض لحاجۃ لایباح لغیرھا، لانہ یوھم الکذب، ہاں اگر ظلم شدید ایسا ہو کہ قابل برداشت نہیں، ضرر ایسا سخت ہے جس کا مفسدہ کذب کے مفسدہ سے بڑھ کر ہے، اور اس کا دفع بے کذب ناممکن ہو، تو مجبوری اجازت پاسکتا ہے، لان الضرورات تبیح المحظورات، در مختار میں منقول، ینبغی ان یقابل مفسدۃ الکذب بالمفسدۃ المرتبۃ علی الصدق فان کانت مفسدۃ الصدق اشد فلہ الکذب، وان بالعکس اوشک حرم وقد فصّلنا القول فیہ فی فتاوٰنا، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ: از کرتولی، مرسلہ حکیم رضا حسین خاں سلمہ، ۷ رجمادی الآخرۃ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مشترک گاؤں میں اگر ایک شریک بے اذن دیگر شرکا خود کاشت کرے، تو جائز ہے یا نہیں؟ اور دیگر شرکا، اس سے اپنے حصے کی لگان لیں گے یا کیا؟ بینوا توجروا

الجواب ۔ زمین مشترک میں ایک شریک کا زراعت کرنا اگر باذن جمیع شرکاء ہے، بلاشبہہ روا ہے، پھر جبکہ وہ زمین گاؤں کی ہے، اور دیہات کی زمین اجارہ ہی کے لئے ہوتی ہے، تو جبتک تصریح نہ ہو جائے کہ لگان نہ لیا جائے گا، شرکاء کے حصے کا اُس پر لگان آئے گا، لان الاجارۃ من الشریك جائزۃ لعدم الشیوع فی المنافع الحادثۃ اذا لکل تحدث علی ملکه اما الملکه او للاجارۃ، بخلاف الاجارۃ من احد شریکیه، او اجارۃ البعض من غیر الشریك حیث لاتجوز للشیوع کما فی الهدایة والدر، اور اگر شرکاء کے خلاف مرضی زراعت کرے گا گنہ گار و غاصب ہوگا، پھر اگر اس کی زراعت سے زمین کو نقصان پہنچا تو حصص شرکاء کے لئے اس نقصان کا تاوان دے گا، اور اگر کوئی نقصان نہ پہنچا تو کچھ نہ دے گا، اس صورت میں لگان عائد نہیں ہو سکتا لانها وان کانت معدۃ للاستغلال فالشریك یتصرف فیها بتاویل الملك، والتصرف به بتاویل العقد یمنع الاجر فی المعد بخلاف الوقف ومال الیتیم حیث یجب فیهما مطلقا کما بینه فی الدر المختار، ورد المحتار، اور اگر نہ شرکاء کا صریح اذن تھا نہ ممانعت بلکہ اُن سے بے پوچھے، بطور خود اس نے زراعت کی تو اس میں حکم منقول و منصوص تو یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ زراعت یا اس خاص زراعت سے زمین کو نقصان پہنچے گا، یا زراعت نہ کرنے سے زمین کی طاقت بڑھے گی، تو اس صورت میں شرکاء سے بے پوچھے اس کا زراعت کر لینا صورت غصب میں داخل ہے، اور حکم وہی ہے کہ نقصان کا تاوان ہے لگان کچھ نہیں، اور اگر معلوم ہے کہ زراعت سے زمین کو منفعت ہوگی، تو یہ صورت، صورت اجازت میں داخل ہے کہ اگرچہ صراحۃً اذن نہ ہوا، مگر بوجہ منفعت دلالۃً اذن ہے، اس صورت میں بھی حکم یہ لکھتے ہیں کہ لگان دینا نہ آئے گا، ہاں شرکا کو یہ اختیار ہوگا کہ اپنے اپنے حصوں کی قدر وہ بھی اتنی اتنی مدت تک اُس کی زراعت کرلیں مثلاً دو شریک تھے، ایک ایک ثلث کا دوسرا دو ثلث کا ثلث والے نے ایک سال زراعت کی، تو دو ثلث والا دو سال زراعت کرسکتا ہے۔ **اقول** مگر یہ حکم اُس صورت کا ہے کہ زمین اجارہ کے لئے معد و معروف نہ ہو، کہ اس صورت میں اگرچہ بوجہ منفعت دلالۃً اذن ہے، مگر اذن عاریت و اجارہ دونوں کو محتمل ہے، اور عاریت اقل ہے، تو وہی متعین ہے، اور اجارہ بلا دلیل ثابت نہیں، لہٰذا اجر واجب نہ آیا، مگر جو زمین معد للاستغلال ہے، جیسے زمین دیہات، اُس میں ثبوت اذن بحکم اعداد وعہد بر وجہ اجارہ ہی مانا جائے گا، جبتک صراحۃً نفی اجازت یا تصریح عاریت نہ کردیں لان المعروف کالمشروط وھذا ظاھر جدا۔ تو یہ صورت مثل صورت اولیٰ یعنی زراعت باذن صریح شرکا ہوگی، اور لگان لازم آئے گا، اسے نہ مانیے تو بحال منفعت اذن دلالۃً ثابت ہونا، اگر وہاں چل سکے جہاں کوئی مزارع موجود نہیں، تو آباد دیہات میں اس کا ثبوت سخت دشوار ہے، کہ غیر شخص زراعت کرتا تو شریک دیگر کو اپنے حصہ کی اجرت ملتی، اور شریک نے خود کاشت کی، اور لگان دلائیں نہیں، صرف یہ اختیار دیں کہ اتنی مدت یہ بھی زراعت کرلے، اور ممکن کہ یہ زراعت کے لئے آمادہ نہ ہو، اس کے اسباب نہ رکھتا ہو، اس کے کاموں کا متحمل

نہ ہو، اُن کی فرصت نہ پاتا ہو، تو اس کا حصہ بلا معاوضہ دوسرے کے تصرف میں رہا، اس پر رضا واذن دلالۃً ماننا بہت مشکل ہے، بخلاف اس صورت کے کہ لگان لازم کریں کہ صریح نفع حاصل ہے، یہ دونوں صورتیں علم کی تھیں، اور اگر کچھ نہ معلوم ہو، کہ زراعت سے زمین کو مضرت پہنچے گی، یا منفعت، اس کا حکم نہیں لکھتے، **اقول** وہ صورت مضرت کے حکم میں ہے، کہ دلالۃً ثبوت اذن بوجہ علم منفعت تھا، جب یہ نہیں وہ نہیں، تو نہ ہوا مگر مطلقاً بلا اذن تصرف، اور یہی غصب ہے، وذلك لان الاصل فی التصرف فیما فیه ملك لغيره الحظر الا باذنه ولو دلالةً، ولم يوجد هو ولا هی، جامع الفصولین فصل ۳۳ بحث "انتفاع بمشترک" میں ہے، يغرم الزارع لشريكه نقصان نصف الارض لو انتقصت لانه غاصب فی نصيب شريكه (رمز) وعن مز رحمه الله تعالى، لو غاب احدهما فلشريكه ان يزرع نصف الارض، ولو اراد الزراعة فی العام الثانی زرع النصف الذی كان زرعه، ويفتی بانه لو علم ان الزرع ينفع الارض ولا ينقصها فله ان يزرع كلها، ولو حضر الغائب فله ان ينتفع بكل الارض مثل تلك المدة، لرضا الغائب فی مثله دلالة، ولو علم ان الزرع ينقصها او الترك ينفعها ويزيدها قوة فليس للحاضر ان يزرع فيها شيئا اذ الرضا لم يثبت هنالك كذا، (**قفظ**) ردالمحتار کتاب الغصب میں ہے، نقل (ای فی تنویر البصائر) اولا عن العادية عن محمد (فذكر ما قدمنا عن الجامع قال) ثم نقل عن القنية "ان الحاضر لا يلزمه فی الملك المشترك اجر وليس للغائب استعماله بقدر تلك المدة، لان المهاياة بعد الخصومة، قال وبينهما تدافع الا ان يفرق بين الارض والدار، وهو بعيد او انهما روايتان، ثم نقل عن الخانية ان مسئلة الدار كمسئلة الارض، وان للغائب ان يسكن مثل ما سكن شريكه، وان المشائخ استحسنوا ذلك وهكذا روی عن محمد وعليه الفتوی نیز جامع الفصولین میں بعد عبارت مذکورہ ہے (فص) سكن دارا مشتركة بغيبة شريكه لا يلزمه اجر حصته ولو معدة للاستغلال، (الی قوله) علل فی (ذ) بانه سكن بتاويل الملك فلا اجر، (واقعة الفتوى) زرع ارضا بينه وبين غيره هل لشريكه ان يطالبه بربع او ثلث بحصة نفسه كما هو عرف ذلك الموضع اجيب بانه لا يملك ذلك ولكن يغرمه نقصان نصيبه فی الارض لو انتقصت **اقول** یہ ہے وہ حکم کہ اس صورت زراعت بے اطلاع شرکا پر کتب میں مذکور ہے، مگر یہ احکام عرف کے ساتھ دائر ہیں، اور یہاں دیہات میں عموماً عرف دائر وسائر یہ ہے کہ زمین کا اجارہ پر اٹھنا ہی منفعت جانتے ہیں، اور اس کا پڑا رہنا ہی نقصان سمجھتے ہیں، کہ وہ صرف معد للاجارہ ہوتے ہیں، اس کے بعد اس پر کوئی نظر نہیں ہوئی، کہ زراعت اس کے لئے نفع ہے، یا ترک، تو یہاں یہ صورت، صورت اولیٰ یعنی اذن دلالۃً میں منحصر ہے، اور بوجہ اعداد اجر لازم، مگر کوئی خاص زراعت ایسی فرض کی جائے کہ زمیندار اس پر راضی نہ ہوتے ہوں، اور اُسے مُضر ارض جانتے ہوں، تو وہ مستثنیٰ رہے گی، اس

تقریر پر دربارۂ دیہات خلاصۂ حکم یہ ہے کہ شریک کو زراعت کرنا مطلقاً جائز اور حصہ شرکا کا لگان مطلقاً لازم ہے، مگر اُس صورت میں کہ دیگر شرکا نے صراحۃً منع کر دیا ہو یا کوئی ایسی زراعت کرے جس سے زمین بگڑتی ہو، اور زمیندار اس پر راضی نہ ہوتے ہوں، ان دونوں صورتوں میں نقصان زمین کا تاوان دے گا، اگر واقع ہو اور لگان نہ آئے گا، اور اگر شرکا نے صراحۃً بلا لگان اجازت دی، تو لگان نہیں، اور زراعت جائز ہے، ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ مسئولہ محمد سعید علی صاحب طالب العلم، از کانپور مسجد حاجی بدنو شطرنجی محل، ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ملک بنگالہ میں ظاہرًا ملک تین قسم پر منقسم ہے، اوّل ملک شاہی، دوّم ملک زمینداری، سوّم ملک رعیتی، رعایا زمیندار کو خراج دیتے ہیں، اور زمیندار بادشاہ کو، بادشاہ ہی اصل مالک زمین کا ہے، اور بالکل تصرفات کا اختیار رکھتا ہے، زمینؔ بادشاہ کے تحت میں زمین کا مالک ہے، اور زمیندار کے تصرفات بادشاہ کے تصرفات کے تابع ہیں، اور رعیت زمیندار کے تابع ہے، زمیندار رعایا کو زمین و مکان میں جتنے تصرفات کے لئے حکم دیتا ہے، اُسی کا اس کو اختیار ہوتا ہے زیادہ نہیں، اس حالت میں کوئی رعیت دوسری رعیت کے پاس اگر اپنی رعیتی زمین کو بیچے تو قیمت کے فی تولہ چار آنہ حساب سے (یا کم وبیش) زمیندار کی سرکار میں نذرانہ دینا ہوتا ہے، مثلاً زید اگر اپنی رعیتی زمین کو عمرو کے پاس قیمت دوسو روپے بیچے، اور عمرو دوسو روپے دے کر قبالہ کرلے، اور زید عمرو میں خرید و فروخت ہو گیا، تو اب عمرو زمیندار کے سرکار میں فی تولہ چار آنہ کے حساب سے دوسو کی نذر پچاس روپے علاوہ خراج کے جبتک ادا نہ کرے گا، تب تک خریدی ہوئی زمین کی بابت زید کے نام کو خارج کرکے عمرو کے نام کو اپنے دفتر میں ثابت نہ کریگا، عمرو کو اس زمین پر تصرف کرنے نہ دے گا، پس نذر مذکور علاوہ خراج کے زمیندار کو لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا بالدلائل،

الجواب ۔ جو زمیندار آبا و اجداد کے وقت سے وراثۃً مالک زمین چلے آتے ہیں، یا جس نے ایسے مالکوں سے بیع وہبہ وغیرہ کسی عقد صحیح شرعی سے ملک حاصل کی، وہ زمیندار اُس زمین کا شرعاً مالک ہے۔ اب یہ زمین جو ایک کاشتکار نے دوسرے کے ہاتھ بیع کی، اس بیع سے اگر وہ خریدنے والا کاشتکار اس زمین کا مالک متقل نہیں سمجھا جاتا بلکہ زمیندار کو نذرانہ دینے کے بعد بھی کاشتکار ہی سمجھا جاتا ہے، تو یہ بیع محض باطل ہے۔

کاشتکار اول نے جو ثمن کاشتکار دوم سے لیا وہ اس کے لئے ناجائز ہے، اُس پر واجب ہے کہ کاشتکار دوم کو واپس دے۔ اور یہ نذرانہ کہ زمیندار کو دیا جائے گا، کہ اگر سال اول اجرت زمین میں اضافہ تصور کیا جاتا تو زمیندار کو جائز ہوتا، مگر ظاہرًا وہ اضافہ نہیں سمجھا جاتا، بلکہ پہلے کاشتکار کی جگہ دوسرے کو قائم کرنے کی رشوت

عـــہ فی الاصل کذالک لعلّہ "زمیندار"

تو یہ زمیندار کو بھی جائز نہیں، ہاں جبکہ کاشتکار اول اس اجارہ سے دوسرے کے لئے دست بردار ہوچکا، اور زمیندار نے دوسرے کو مستاجر قبول کرلیا، تو یہ دوسرا شرعًا مستاجر ہوگیا، خراج کہ زمیندار اس سے لے گا، زمیندار کو حلال ہے، ظاہرًا صورت یہی واقع ہوتی ہوگی، نہ یہ کہ کاشتکار کی بیع، بیع صحیح شرعی سمجھی جائے، اور کاشتکار دوم زمین کا مالک مستقل قرار پائے، اور اگر بالفرض کہیں ایسا ہو، اور کاشتکار اول کا دوسرے کے ہاتھ بیچنا بیع فضول ہو، اور زمیندار کا اس نذرانہ پر قبول کرنا ثمن میں اضافہ اور بیع کی اجازت ہے، تو وہ روپیہ جو کاشتکار اول کو ملا، برضائے زمیندار اس کے لئے حلال ہے، اور وہ نذرانہ کہ زمیندار نے لیا اس کے لئے جائز ہے، مگر اب جو خراج زمیندار اس کاشتکار دوم سے لے گا، یہ حرام و باطل ہے، کہ اس تقدیر پہ کاشتکار دوم زمین کا مالک مستقل ہوگیا غیر مالک کا مالک سے خراج لینا کیا معنی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از شہر بریلی، محلہ فراشی ٹولہ، مرسلہ مقصود علی خاں، ۲۷ر ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، کہ اگر زمیندار بٹائی کے کھیت کو، خواہ وہ کفار کی کاشت میں ہو، یا مسلمان کاشتکار ہو، چار اشخاص اہل ہنود، یا مسلمان کے بیچ اس بٹائی کے کھیت کی کنکوت کرادے، اور کاشتکار جو زمین کی کاشت کرتا ہو اُس سے کہدے، کہ اگر تجھکو یہ تخمینہ منظور ہو تو اس کو کاٹ لے، اور زمیندار کا حصہ جو طے پایا ہو دیدینا، اور اگر منظور نہ کرے تو اس تخمینہ کو منسوخ کردے، ایسی صورت میں جبکہ کاشتکار بھی تخمینہ منظور کرلے، تو یہ تخمینہ جائز شرعًا ہوگا یا نہیں، اور اُس کی کمی بیشی کا مواخذہ ہوگا یا نہیں، جبکہ زمیندار کو اگر اس تخمینہ سے بیشی ہو تو اس کا کچھ خیال یعنی بیشی کا نہ ہو، اور اگر اس تخمینہ سے کم ہو تو زمیندار پہ کاشتکار کا مواخذہ جبکہ وہ تخمینہ منظور کرچکا ہو، ہوگا یا نہیں؟ بیینوا توجروا

الجواب ۔ کنکوت باطل ہے، شرعًا اس کا کچھ اعتبار نہیں، نوے من تخمینہ ہوا اور زمیندار کاشتکار دونوں نے منظور کرلیا، اور آدھے پر بٹائی ہے، تو اگر سو من پیدا ہوا، زمیندار کے پانچ من کاشتکار پر اور رہے، اسے جائز نہیں کہ پچاس من کی جگہ پچپن من خود لے، اور ۴۵ من زمیندار کو دے، اور اگر اسّی من پیدا ہوا تو زمیندار کا حق صرف ۴۰ من ہے پانچ من زیادہ لینا اُسے حرام ہے، ورنہ مسلمان کاشتکار کے حق میں ماخوذ رہے گا، اُس کی باطل منظوری کہ برخلاف مقتضائے عقد و بے اذن شرع ہے، کچھ معتبر نہیں، ہدایہ میں ہے، من اشتری زیتا علی ان یزنہ بظرفہ، فیطرح عنہ مکان کل ظرف خمسین رطلا، فھو فاسد، وان اشتری علی ان یطرح بوزن الظرف جاز، لان الشرط الاول لا یقتضیہ العقد، والثانی یقتضیہ، ہاں ہندو کاشتکار سے اُس کی مرضی و منظوری کی بنا پر اگر ایسے زیادہ مل جائے تو حرج نہیں، لجواز ان یاخذ منھم بغیر غدر، ولو بعقد ان وقع بین مسلمین کان فاسدا کما بیناہ فی بیوع فتاوٰنا، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ - از بنارس گرانٹ بازار، مسجد نواب ٹونک، مرسلہ محمد شفیع صاحب، ۴ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

ایک زمیندار نے کاشتکار کو بخوشی و رضامندی اپنی بیس بیگہ آراضی کا پٹہ دوامی لکھ دیا، اس شرط پر کہ فی بیگہ اڑھائی روپے لگان جس کا جملہ پچاس روپیہ ہوتا ہے، اس قدر مال گزاری سال بسال ادا کیا کرو، اور ان اراضی کو چاہے خود کاشت کرو یا دوسروں سے کاشت کراؤ، مگر مال گزاری اس کی حسب تحریر مندرجہ تم سے ادا کریں گے، اگر قسط پر ادا نہ کروگے تو بنالش حق ادا کرنے کا ہم زمیندار کو ہوگا، اب کاشت کار اُن اراضی کو خود ہی کاشت کرتا ہے، اور دوسروں سے بھی کاشت کراتا ہے، اور جب دوسرے کاشتکار کے ساتھ بند وبست کرتا ہے تو فی بیگہ پانچ روپے لیتا ہے، اور جب بارہ برس گزر گیا، تو وہ آراضی انگریزی کاغذات میں قانوناً موروثی لکھی گئی، یعنی اب اُن اراضیوں کو زمیندار زبردستی بے دخل کرنے کا مستحق نہیں، اگر بخوشی و رضامندی اپنی کاشتکار واپس کردے تو زمیندار واپس کرسکتا ہے، یا اگر مال گزاری کاشتکار نے ادا نہ کیا تو بنالش گورنمنٹ زمیندار کو بذریعہ ڈگری کاشتکار سے وصول کرادے گا، اور اراضیوں کو بھی واپس کرادے گا، اگر کاشتکار بعد ڈگری زمیندار کے مال گزاری کچہری میں داخل کردیا، یا زمیندار کو دے کر رسید حاصل کیا، تو پھر کاشتکار اُن اراضیوں سے بے دخل نہ ہوگا، بدستور قائم رہے گا، ایسی حالت میں کاشتکار کو کاشتکار شکمی سے نفع لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور کاشتکار جو خود کاشت کرتا ہے، اُس کی پیداوار سے کھانا جائز ہے یا نہیں، اگر زمیندار کاشتکار کو زبردستی بیدخل کرے تو کچہری میں استغاثہ کرنے کا حق شرعاً پہنچتا ہے یا نہیں۔

الجواب - پٹہ دوامی شرع میں کوئی عقد لازم نہیں، ہر سال تمام پر وہ عقد ختم ہوتا، اور طرفین کی رضا سے نیا شروع ہوتا ہے، ہر سال ختم ہونے پر شریعت مطہرہ کے نزدیک طرفین کو اختیار ہے، کہ اس عقد سے باز رہیں، مملوک زمین میں مدت گزرنے سے شریعت کے حکم میں عقد لازم نہیں ہوجاتا، یہ قانونی بات ہے، شرعی حکم نہیں، اگر رضائے زمیندار ہے تو جبتک بھی ہو کاشتکار اسمیں کاشت کرسکتا ہے، اور دوسروں کو ذیلی بھی بنا سکتا ہے، مگر زر لگان جتنا خود ادا کرتا ہے اُس سے زیادہ دوسرے سے نہیں لے سکتا، اگر لے گا تو مال خبیث ہوگا، مگر تین صورتوں میں، ایک یہ کہ لگان کی جنس بدل دے، مثلاً زمیندار سے روپے ٹھہرے ہیں، یہ ذیلی سے سونا یا نوٹ ٹھہرائے، یا اُس زمین میں کوئی مالیت کی چیز مثل کوئیں کے اضافہ کرے، یا اس زمین کے ساتھ دوسری زمین ملا کر مجموع کو ذیلی کی کاشت میں دے، مثلاً ڈھائی روپے بیگہ پر اُس سے لی ہے، یہ ایک بیگہ زمین اس میں اور شامل کرکے مجموع ۲۱ بیگہ بلا تفصیل، ذیلی کو ایک سو پانچ روپے پر دے، یہ صورتیں جائز ہیں، اور اگر زمیندار کی رضامندی نہ ہو، اور وہ اس سے زمین چھوڑ دینے کو کہے، اور یہ موروثیت کے دباؤ سے جبراً نہ چھوڑے، تو شریعت کے نزدیک گنہگار ہوگا، اور اُس میں جوتنا اس کو ناجائز، جو ناج پیدا ہوگا خباثت سے خالی نہ ہوگا اور ذیلی کو دے گا تو وہ روپیہ بھی اس کے لئے ناجائز ہوگا، اور اسے حکم ہوگا کہ زمیندار کو دیدے، یا فقیروں پر تصدق

کرے، اور اوّل اولیٰ ہے، جو شخص ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے حکمِ شریعت پر عمل کرنا چاہے، تو حکم یہ ہے ورنہ وہ جانے اور اُس کا کام، واللہ تعالیٰ اعلم، اللھم ارزقنا حسنًا واسعًا بحق مولانا محمد النبی الامی نبی الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ۔

مسئلہ ۔ از پنڈول بزرگ، ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفرپور، مرسلہ نعمت علی صاحب ۴ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں :-

(۱) کہ مالک کافر ہو یا مسلمان، رعایا اس کو بعض زمین کی مال گزاری دے، اور بعض کی نہیں، اس کے لئے کیا حکم ہے، آیا وہ رعایا عنداللہ وعندالرسول ماخوذ ہوگا یا نہیں، (۲) جس زمین کی رعایا مال گزاری دیتا ہے، اس میں درخت لگایا، اب اس درخت کے فروخت کرتے وقت مالک اُس کی قیمت کا چوتھائی حصہ مانگتا ہے، نہ دینے پر اللہ ورسول کے نزدیک ماخوذ تو نہیں ؟ (۳) کسی کھیت کے قریب مالک کی زمین غیر آباد ہے، رعایا نے اپنی زمین کے ساتھ اُس غیر آباد زمین کو آباد کر لیا تو یہ جائز ہے یا نہیں، (۴) ایک شخص کی زمین مثلاً ۲ کٹھا ہے سروے ناپ نے غیر کی زمین لیکر ۵ کٹھا لکھدیا ہے، اب اُس زمین کو وہ شخص اپنے تصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں، اگر تصرف میں لائے تو عنداللہ ماخوذ ہوگا یا نہیں ؟

الجواب ۔ (۱) جو مال گزاری مقرر ہوئی اُسی کا نہ ادا کرنا ظلم وحرام ہے، اگرچہ زمین والا کافر ہو، قال اللہ تعالیٰ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ، (۲) مالک زمین کا اس درخت میں کچھ حق نہیں، اس کا مانگنا ظلم ہے، (۳) جائز ہے جبکہ مالک کو لگان دے یا وہ معاف کر دے، واللہ تعالیٰ اعلم، (۴) اگر وہ کٹھا اُس دوسرے کی ملک ہے تو بے اُس کی اجازت کے غصب وحرام ہے، اور اگر وہ بھی کاشتکار ہے اور اُس کے پٹے کی میعاد ابھی باقی ہو تو بے اُس کی اجازت کے ناجائز ہے، لانہ ان لم یملک رقبتھا فقد ملک منفعتھا اور اگر یہ بھی نہیں تو سابقًا یا لاحقًا اجازت زمیندار درکار ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ مسئولہ مولوی محمد رضا خاں سلمہٗ　　۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۳ھ

زید سے اس کی رعایا نے جس میں مسلم ومشرک دونوں ہیں، بیس روپے ایک سال کے واسطے قرض مانگے اور لگان کھاتے کا جو قرض چاہ رہا ہے بیس روپے ہے، اس نے کہا کہ بیس روپے تم کو بلا سودی بغیر کسی نفع کے دیئے جاسکتے ہیں، مگر تم کو اپنے کھاتے پر معہ سال بھر کے اضافہ کرنے ہوں گے، یہ صورت جائز ہے یا نہیں ؟ جن اسامیوں سے کہ بقایا پچھلی وصول کرنا، خواہ وہ تمسک ہے، یا معاہدہ زبانی، ان سے ۳ روپیہ یا چھ آنہ روپیہ اس صورت میں لینا، اول اپنا اصلی مطالبہ لے لیا گیا تھا، پھر زید نے مشرک کاشتکار سے کہا کہ مطالبہ تیرا ادا ہوگیا، اب تو بیع سلم کے اس قدر روپے اور دے، یہ رقم لینا جائز ہوگی یا نہیں، اگر کاشتکار نے اپنا حساب سمجھا تو وہ رقم جو زائد ہے، اُس کو حساب میں

بتائی جاسکتی ہے یا نہیں، جو سکّات کہ ۱۳۲۲ف میں لکھے جاچکے اُن کا وصول بھی اسی طرح ہوسکتا ہے یا نہیں، کہ تمہارا اصل مطالبہ ادا ہوگیا، اب اتنا بیع سلم کا دیدو، اگر دس روپے کسی مسلمان سے زائد لیے گئے اور اُس کا مطالبہ صحیح اول لے لیا اور اُن دس روپوں کے عوض مسلم یا مشرک کو سیر بھر گیہوں یہ کہکر دیدیئے کہ ہم یہ گیہوں اتنے کو فروخت کرتے ہیں، اور اُس نے بخوشی لے لیئے، تو یہ جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو کیا صورت ہے کہ مال مشرک سے منتفع ہوں؟

الجواب۔ (۱) یہاں کے مشرکین کے ساتھ یہ صورت جائز ہے، مسلمان کے ساتھ حرام ہے، کہ یہ قرض سے نفع لینا ہے، اور حدیث میں ہے کل قرض جر منفعة فهو ربا، قرض کے ذریعہ جو نفع حاصل کیا جائے سود ہے، خلاصہ میں ہے القرض بالشرط حرام والشرط لغو بان یقرض علی ان یکتب به الی بلد کذا لیوفی دینه اھ کذا[5] فی الدر المختار، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲) یہاں کے مشرکین کے ساتھ اگر ابتداءً معاہدہ کاشت اس صورت پر کیا جائے کہ یہ زمین مثلاً اتنے سال کے لئے روپے بیگھے پر ہمیں دی، اگر کسی فصل یا سال تمام پر (جو باہم ٹھہر جائے) بقایا رہے گی، تو سوائی یا ڈیوڑھی یا دونی (جو قرار پائے) اُس زمین کی اجرت متصور ہوگی، تو حسب قرارداد لے سکتا ہے، اور اگر پہلے معاہدہ صرف روپے بیگھے پر ہوا، اور باقی ٹوٹنے کے بعد باقی میں اُس سے زیادہ کیا چاہے تو یہ حرام ہے، کہ خلاف معاہدہ ہے، قال اللہ تعالیٰ یا ایها الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود، اور اگر باقی میں زیادہ نہ دے بلکہ اُس سے صاف کہدے کہ باقی پوری ادا ہوگئی، اُس کا تم پر کچھ نہ رہا، مگر وقت پر ادا نہ کرنے کا اتنا حرجہ دے تو یہ یہاں کے مشرکین سے جائز ہے چاہے اُس کا فرضی نام بیع سلم رکھے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) پہلی صورت میں کہ وہ داخل معاہدہ تھی حساب میں بتائی جاسکتی ہے، اور دوسری صورت میں اس کا حساب سے ادا کرنا لازم ہوگا، یعنی یوں کہے گا کہ بقایا لگان تو تجھ پر اس قدر ہے، اور بوجہ تاخیر اتنا بیع سلم کا دینا ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) ہاں ہوسکتا ہے جبکہ مزارع یہاں کا مشرک ہے، واللہ تعالیٰ اعلم مسلمان سے مطلقاً ناجائز، اور فرض ہے کہ اُسکو وہ روپے اُسے واپس دے، وہ نہ رہا ہو، اس کے ورثہ کو دے، اُن کا پتہ نہ چلے تو اس کی طرف سے تصدق کرے بخوشی کا لفظ بے معنی ہے، بغیر دباؤ کے ناممکن ہے، کہ کوئی دس روپے کے بدلے سیر بھر گیہوں پر راضی ہو، اور اگر یہاں کا مشرک ہے، اور اُس سے قید معاہدہ پر زیادہ لیا گیا تو وہ بھی حسب بیان جواب دوم ناجائز ہے، گیہوں کا یہ معاملہ اُس سے کرنا فضول ہے، کہ یہ دس روپے بروجہ خبیث آئے، اُس مشرک کی ایسی رضا سے وہ خبیث نہ جائے گا، کہ وہ دباؤ کی رضا ہے نہ کہ حقیقۃً، اور حقیقۃً بھی ہو تو اُس پر مواخذہ حق اللہ کا ہے، کہ خلاف حکم کیا، بلکہ سیر بھر گیہوں کسی مسلمان محتاج کے ہاتھ جتنے کو وہ بخوشی راضی ہو بیع کرے، پھر وہ روپیہ بہ نیت تصدق مال خبیث اس محتاج کو دے، پھر اس سے گیہوں کے زرثمن میں لے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

[5] فی الاصل "درمختار میں ہے" والمراد ان عبارۃ الخلاصۃ فی الدر المختار (عبد المنان الاعظمی)

مسئلہ ۔ از سنبھل ضلع مراد آباد، محلہ دہلی دروازہ، مرسلہ محمد ظہیر الدین، ۱ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید زمیندار نے ایک کاشتکار کو اپنی آراضی بنا بر کاشت بدیں شرط دس روپیہ لگان پر دی، کہ پانچ روپیہ فصل خریف پر اور پانچ روپیہ فصل ربیع پر ادا کرتا رہے، بحالت عدم ادائے زر بقایا سوایا یعنی بجائے ایک روپیہ کے سوا روپیہ لگان کا لیا جائے گا، وقت مقررہ پر لگان کے نہ ادا کرنے کی صورت میں فصل بہ فصل و سال در سال لگان میں زیادتی ہوتی رہے گی، یہ زیادتی لگان کے بمقابلہ اراضی کے کی گئی ہے، آیا یہ زیادتی لگان کی جائز ہے یا ناجائز داخل سود ہے؟

الجواب ۔ یہ محض حرام و سود ہے، بلکہ اس شرط کی وجہ سے وہ اجارہ ہی فاسد و حرام ہوگیا، فان الاجارۃ تفسد بالشرط الفاسد کالبیع لانہا احد البیعین، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از سنگرام پور، ڈاکخانہ خاص، ضلع بدایوں، مسئولہ شیخ ضیاء الدین،

جناب مولنا مولوی احمد رضا خان صاحب!

بعد سلام علیک کے گذارش ہے، کہ میرے قریب میں ایک موضع دھنو پورہ ہے، وہاں پہ ٹھاکر دلاور سنگھ زمیندار موضع مذکور کے ہیں، اُس پہ ایک ہزار روپیہ ۳؍ آنے کے سود سے دیگر اشخاص کا قرض ہے، اب دلاور سنگھ ایک ہزار ہم سے بلا سود مانگتے ہیں، اور دسے پختہ آراضی سیر واسطے پانچ سال بالعوض ایک ہزار روپیہ کے دیتے ہیں، بعد پانچ سال کے اُن کی اراضی چھوٹ جائے گی، اور ہمارا روپیہ بے باق ہو جائے گا، شرعاً جائز ہے یا ناجائز، اور اگر ناجائز ہے تو کس طریقہ سے جائز ہو سکتی ہے، فقط زیادہ والسلام،

الجواب ۔ یہ صورت بلاشبہہ جائز ہے، زمیندار اپنی مملوکہ خالی زمین کہ دوسرے کے رہن یا اجارے میں نہیں، ایک مدت معینہ پانچ برس کے لئے ایک اجرت معینہ پر ہزار روپیہ پر اجارہ دیتا ہے، اور باہمی رضا سے زر اجرت پیشگی دینا قرار پاتا ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از موضع دیورینا ضلع بریلی، مسئولہ عنایت حسین صاحب، ۲۹ر رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین، کہ ایک آراضی کا لگان بندوبست میں عہ مقرر ہوا اب اُسی آراضی کی حیثیت ہے؍ کی ہے کسی شخص نے مبلغ صہ پیشگی پانچ سال کا لگان اس وقت کی حیثیت سے ادا کرکے لی اُس طرح پر اس کا لینا جائز ہے یا نہیں، یا کسی شخص نے بجائے ہے؍ روپیہ کی شرح کے ۶؍ سے بھی وہ جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہوگی تو کن کن وجوہات سے جائز ہوگا،

الجواب ۔ بندوبست میں جو مقرر ہوا اس کی پابندی عاقدین پر لازم نہیں، باہم زمیندار و کاشتکار میں جس قدر پر رضامندی ہو جائے کم پر خواہ زائد پر، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از موضع دیورنیا، ضلع بریلی، مسئولہ شرف الدین وسیع الدین زمیندار، ۳۰ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ کاشتکار کو اپنی موروثی اراضی مصدقہ بندوبست بشرح عہ بیگہ خام کو کسی دوسرے شخص یعنی اپنے ذیلی کاشتکار کو مبلغ صہ لیکر پانچ سال کو پٹہ پر دینا جائز ہے یا نہیں اور یہ مبلغ پچاس روپے اسی میعاد پنجسالہ میں ذیلی کاشتکار کے وصول ہو جائیں گے، اور عہ لگان زمیندار کو بنی ذیلی کاشتکار ادا کرے گا، مکرر یہ کہ شرح لگان مصدقہ بندوبست عہ لحاظ نہ کیا جائے خواہ بجائے عہ کے ہر باہم کاشتکار اصلی و ذیلی طے ہو یا مبلغ ہے یا اور کم و بیش، بینوا توجروا،

الجواب ۔ کاشتکار کو جائز نہیں کہ جو زمین اس کے پاس جتنے لگان کو ہے، اُس سے ایک پیسہ زائد پر ذیلی کو دے، جتنا زیادہ مقرر کرے گا، اسے لینا ناجائز ہوگا، مگر تین صورتوں میں جائز ہے:۔

(۱) اس کے ساتھ اپنے پاس سے اور کوئی چیز ملا کر دونوں کو مجموعۃً زیادہ پر دے۔ (۲) اس زمین کو کنواں کھود کر یا اور کام نفع کا بڑھا کر کرایہ پر دے۔ (۳) کرایہ کی جنس بدل دے، مثلاً اس کے پاس دس روپے سال پر ہے یہ ذیلی کو ایک اشرفی کرایے پر دے یا جتنی اشرفیاں ٹھہریں یوہیں نوٹ یا پیسہ یا اکنیاں، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از ضلع سکھر سندھ، ڈاکخانہ ڈھرکی، مقام بھرچونڈی شریف، درگاہ عالیہ سلسلۂ قادریہ

مسئولہ خدابخش صاحب ۲۳ رمضان چہارشنبہ ۱۳۳۹ھ

بخدمت عظامی منزلت شمس الشریعت حضرت مولٰنا صاحب سلمہ ربہ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزی قانون کے مطابق جو شخص پانچ برس متواتر اپنی غیر آباد زمین کا محصول (یعنی خراج) نہیں دیتا، وہ زمین اُس کی ملک سے نکل کر گورنمنٹ کی ہو جاتی ہے، کہ بعد دس برس گزرنے کے بغیر رضامندی شخص مذکور کے دوسرے کو دیدیتے ہیں، آیا زمین مذکور بالا بموجب شرع شریف مالک کی ملک سے نکل کر گورنمنٹی بنتی ہے یا نہیں، اور اس زمین کا لینا درست ہے یا نہیں، اگر کسی نے خریدی ہو تو واپس دے یا نہیں، اگر دے تو جو خرچ اس زمین پر کیا ہے، اُس سے واپس لے یا نہیں، نیز یہ کہ اگر مشتری مالک کو دے جب بھی گورنمنٹ اس کو نہیں بغیر درخواست کے اور درخواست بسبب مفلسی کے وہ نہیں دیتا، بینوا توجروا،

الجواب ۔ شریعت میں اس وجہ سے زمین ملک مالک سے نہیں نکل سکتی، اس کا خریدنا ناجائز ہوگا، اور خریدی تو مالک کو واپس دینا واجب ہوگا، اور جو قیمت وغیرہ دینے میں خرچ ہو وہ مالک سے واپس نہیں لے سکتا۔ لانہ ھو المضیع لمالہ اس پر حکم شرعی یہ ہے یہ بجالائے اگرچہ اس کے کرنے کو گورنمنٹ تسلیم نہ کرے، اس کا الزام اس پر نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم،

کتاب الذبائح

مسئلہ ۔ ۲۳ شوال ۱۳۱۳ھ ، مسئولہ از عزیز الدین ، محلہ ابراہیم پورہ ، شہر بریلی ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ذبیحہ بعد غروب آفتاب و قبل طلوع آفتاب مکروہ ہے یا نہیں ؟ اور اگر مکروہ ہے تو کس طرح کا ؟ اور اگر ایسے ہی وقت مذکور میں بلی کسی پرند یا مرغ کو ہلاک کرے ، اور ذبح کچھ تھوڑا خون ذبیحہ فوراً یا کچھ دیر بعد دیوے ، تو اُس کے واسطے کیا حکم ہے ؟ آیا ذبیحہ جائز ہوگیا یا نہیں ؟ اور وہ ذبیحہ اگر جائز ہوگیا تو وہ بھی مکروہ ہے یا نہیں ؟ اور اگر مکروہ ہے تو کیسا ؟ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ رات کو ذبح کرنا اندیشۂ غلطی کے باعث مکروہ تنزیہی خلاف اولیٰ ہے ، اور ضرورت واقع ہو مثلاً صبح کے انتظار میں جانور مرجائے گا تو کچھ کراہت نہیں ، لانہ الاٰن مامور بہ حذرا عن اضاعۃ المال اھ پھر کراہت اس فعل میں ہے ، ذبح اگر صحیح ہو جائے ، ذبیحہ میں کچھ کراہت نہیں لتبین ان الغلط لم یقع ، درمختار میں ہے ، کرہ تنزیھا الذبح لیلا لاحتمال الغلط ، حرمت حلت کا مدار خون نکلنے نہ نکلنے پر نہیں ، بلکہ یہ ثابت ہونا چاہئے کہ وقت ذبح جانور زندہ تھا ۔ اگر یہ معلوم ہو اور خون اصلاً نہ دے ، حلال ہے ، اور اگر نہ ثابت ہو اور خون زندہ کا سا دے تو بعض دفعہ کہیں رُکا ہوا خون کچھ دیر بعد مردے کے بھی نکلتا ہے ، جانور حلال نہ ہوگا ، حیات کی علامت یہ ہے کہ جانور تڑپے ، یا منہ یا آنکھ بند کرے ، یا پاؤں سمیٹے ، یا اُس کے بدن کے بال کھڑے ہو جائیں درمختار میں ہے ، ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت وخرجت الدم حلت ، والا لا ان لم تدر حیاتہ عند الذبح وان علم حیاتہ حلت مطلقا ، وان لم تتحرک ولم یخرج الدم ، ذبح شاۃ لم تدر حیاتھا وقت الذبح ان فتحت فاھا لاتوکل ، وان ضمتہ اکلت ، وان فتحت عینیھا لا توکل ، وان ضمتھا اکلت ، وان مدت رجلھا لاتوکل ، وان قبضتھا اکلت ، وان نام شعرھا لاتوکل ، وان قام اکلت ، وھذا کلہ اذا لم تعلم الحیاۃ وان علمت وان قلّت اکلت مطلقا بکل حال ، زیلعی ، ردالمحتار میں ہے قولہ اوخرج الدم ای کما یخرج من الحی ، قال فی البزازیۃ وفی شرح الطحاوی ، خروج الدم لایدل علی الحیاۃ الا اذا کان یخرج کما یخرج فی الحی عند الامام وھو ظاھر الروایۃ ، واللہ تعالیٰ اعلم ،

مسئلہ ۔ از شہر کہنہ بریلی ۹ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

ایک مولوی صاحب آئے ہیں، وہ کہتے ہیں بسم اللہ واللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ اللھم منك ولك کہنا چاہئے بسم اللہ اللہ اکبر بغیر واو کے جو رائج ہو رہا ہے مکروہ ہے، اس میں کیا حکم ہے، بینوا توجروا

الجواب ۔ بغیر واو کے مستحب ہے، اسے مکروہ کہنا صحیح نہیں، بلکہ تنویر الابصار وغیرہ میں واو بڑھانے کو مکروہ فرمایا، بہرحال بلا واو کے خالی از کراہت و پسندیدہ و مستحب ہونے میں کلام نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ذبح کرتا ہے، دوسرا پاؤں یا سر ذبیحہ کا پکڑے ہے، دونوں پر بسم اللہ ضرور ہے یا ذابح کی کافی ہے، اور اگر مددگار نے بسم اللہ ترک کی قصدًا یا یہ مددگار کوئی کافر مشرک ہندو وغیرہ تھا، تو ذبیحہ حلال رہا یا مردار ہوا؟ بینوا توجروا،

الجواب ۔ اصل ذابح پر تکبیر کہنی لازم اور اُسی کی تکبیر کافی ہے، سر یا پاؤں پکڑنے والے کی تکبیر کی اصلاً حاجت نہیں، نہ اس کا کافر مشرک ہونا کچھ مضر، فان الذبح انما ھو قطع العروق لا الاخذ بالراس والقوائم کما لا یخفٰی، ہاں اگر ایک نے دوسرے کو نفس ذبح میں مدد دی، مثلاً زید ذبح کرتا ہے، عمرو نے دیکھا اس کا ہاتھ ضعیف ہے، ذبح میں دیر ہوگی، اپنا ہاتھ بھی چھُری پر رکھ دیا، اور دونوں نے مل کر چھُری پھیری، تو بیشک دونوں میں جو کوئی قصدًا تکبیر نہ کہے گا جانور حرام ہو جائے گا، یونہی اگر اُن میں کوئی کافر مشرک تھا تو بھی ذبیحہ مردار ہو گیا، فی الدر المختار تشترط التسمیۃ من الذابح وفیہ عن القنیۃ اراد التضحیۃ فوضع یدہ مع ید القصاب فی الذبح واعانہ علی الذبح، سمّی کل وجوبا فلو ترکھا احدھما، او ظن ان تسمیۃ احدھما تکفی حرمت اھ، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم بالصواب،

مسئلہ ۔ ۱۳ صفر ۱۳۳۲ھ

چہ فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ، کہ بہنگام ذبح کردن حیوان و ذابح سوئے کدامے باید استاد، و راس حیوان کدام جانب می کند، استقامۃً اشاعت ست کہ بوقت ذبح حیوان سر وی بجنوب می کند و چہرہ ذابح بقبلہ می کند، خلاصہ آنکہ اگر بجانب شمال وجنوب و مشرق شدہ ذبح سازد، پس چہ حکم دارد، آیا کہ جائز می شود یا بدعت، اگر بدعت شود کدام بدعت، وکدام اولٰی ست، مع ادلّہ تصریحًا تحریر فرمایند، بینوا توجروا،

الجواب ۔ سنت متوارثہ آن ست کہ روئے خود و روئے ذبیحہ ہر دو سوئے قبلہ کند، و سر ذبیحہ در بلاد ما کہ قبلہ سوئے مغرب ست جانب جنوب بود تا ذبیحہ بر پہلوئے چپ خودش خوابیدہ باشد، و پشت او جانب مشرق تا روئے سمت قبلہ بود، و ذابح پائے راست خود بر صفحۂ راست گردنش نہادہ ذبح کند، اگر توجہ یا توجیہ بہ قبلہ ترک کند مکروہ است، و اگر بر پہلوئے راستش خواباند نزد بعض اجلۂ ائمہ مالکیہ حرام گردد، خوردنش روا نبود،

پس احتراز ازاں مناسب ومؤکد ترشد خروجًا عن الخلاف، احمد ودارمی وابوداؤد وابن ماجہ ازجابر رضی اللہ تعالٰی عنہ راوی قال ذبح النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوأین، فلما وجھھما قال اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الحدیث، وبخاری ومسلم[عہ] اسامی وابن ماجہ ازانس رضی اللہ تعالٰی عنہ آوردند قال ضحی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بکبشین املحین، فرأیتہ واضعا قدمہ علی صفاحھما یسمی ویکبر فذبحھما بیدہ، امام عینی درعمدۃ القاری فرمود، فالتکبیر مع التسمیۃ مستحب وکذا وضع الرجل علی صفحۃ عنق الاضحیۃ الایمن، واما التسمیۃ فھی شرط، وہمدرانست، قال ابن القاسم الصواب ان یضجعھا علی شقھا الایسر، وعلی ذلک مضی عمل المسلمین، فان جھل فاضجعھا علی الشق الاخر لم یحرم اکلھا، درتنویر الابصار کرہ ترک التوجہ الی القبلۃ، در درمختار ست لمخالفتہ السنۃ، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ۔ از شہر لاہور، مرسلہ انوار الحق، تحصیل چونیاں، روز جمعہ، ۱۲ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس طرح ذابح پر تسمیہ پڑھنا ضروری ہے اسی طرح معین ذابح پر تسمیہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور معین ذابح کس کو کہتے ہیں؟

الجواب۔ معین ذابح سے یہی مراد ہے، کہ ذابح کا ہاتھ کمزور ہو، ذبح میں دقت دیکھے، تو دوسرا اس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھ کر دونوں مل کر ہاتھ پھیریں، اس صورت میں دونوں پر تکبیر واجب ہے، اگر ان میں سے کوئی بھی قصدًا تکبیر نہ کہے گا، ذبیحہ مردار ہو جائے گا، اگرچہ دوسرا تکبیر کہے، دیوبندی قول محض غلط وجہالت ہے، تکبیر ذبح پر لازم فرمائی گئی ہے، اور ہاتھ پاؤں پکڑنا ذبح نہیں، ہاتھ پاؤں پکڑنے والا مثل رسّی کے وہی کام دے رہا ہے جو ایک رسّی دیتی ہے، اُس پر تکبیر لازم ہونا درکنار، اگر مجوسی یا بت پرست ہاتھ پاؤں پکڑے گا ذبیحہ میں خلل نہ آئیگا تنویر الابصار میں تھا تشترط التسمیۃ، درمختار میں اُس کی شرح فرمادی، من الذابح، رد المحتار میں فرمایا شمل ما اذا کان الذابح اثنین، فلو سمّی احدھما وترک الثانی عمدا حرم اکلہ، درمختار میں خانیہ سے ہے وضع یدہ مع ید القصاب فی الذبح واعانہ علی الذبح، سمی کلہ، وجوبا، فلو ترکھا احدھما، او ظن تسمیۃ احدھما تکفی، حرمت شرح نقایہ علامہ برجندی میں ہے، یشترط تسمیۃ من اعان الذابح بحیث وضع یدہ علی المذبح کما وضع الذابح حتی لو ترک احدھما التسمیۃ لایحل، ذکرہ فی فتاوٰی قاضی خاں، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ۔ مرسلہ بھولا گھمیار، دوکاندار، سیہراؤں، ڈاکخانہ پٹی تحصیل قصور، ضلع لاہور، ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

[عہ] ھکذا فی الاصل، لعلہ "الدارمی"

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حنفیہ اس مسئلہ میں کہ ذبح کے وقت جس بکرے کی گھنڈی سر کی طرف ایک چھلہ بھی نہ رہے، وہ عند الشرع حلال ہے یا حرام، بینوا توجروا،

الجواب - اس مقام میں تحقیق یہ ہے کہ ذبح میں گھنڈی کا اعتبار نہیں، چاروں رگوں میں سے تین کٹ جانے پر مدار ہے، اگر ایک یا دو رگ کٹی حلال نہ ہوگا، اگرچہ گھنڈی سے نیچے ہو، اور اگر چاروں یا کوئی سی تین کٹ گئیں، تو حلال ہے، اگرچہ گھنڈی سے اوپر ہو، ردالمحتار میں ہے ان کان بالذبح فوق العقدۃ حصل قطع ثلثۃ من العروق فالحق ماقالہ شراح الھدایۃ تبعا للرستغفنی، والا فالحق خلافہ، اذلم یوجد شرط الحل باتفاق اھل المذھب، ویظھر ذلک بالمشاھدۃ، اوسوال اھل الخبرۃ، فاغتنم ھذا المقال ودع عنک الجدال وہو تعالٰی اعلم،

مسئلہ - از چونی زیریں، مسجد کلاں، ضلع ڈیرہ غازی خاں، مرسلہ جناب عبداللہ صاحب، ۱۲ رمضان ۱۳۳۵ھ

جناب حضرت مولٰنا و بالفضل اولٰنا، جناب شمس العلماء مفتی العصر سلامت، حضور انور، مذبوحہ فوق العقدہ کا مسئلہ جو اختلاف میں ضبط ہے، آں صاحب مہربانی فرما کر مرجح قول کو بدلائل تحریر فرما کر دستخط فرمادیویں، تکلیف سے بالکل عفو کریں۔

الجواب - اس مسئلہ میں تحقیق و قول فیصل یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ سے اگر چاروں یا تین رگیں کٹ گئیں ذبح ہوگیا، جانور حلال، اور اگر صرف دو ہی کٹیں، حلقوم و مری دونوں نیچے رہ گئے، ذبح نہ ہوا، اور جانور مردار، یہ بات دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہے، خود پہچان نہ ہو تو پہچان والوں کے بیان سے، ردالمحتار میں ہے، والتحریر للمقام ان یقال ان کان بالذبح فوق العقدۃ حصل قطع ثلثۃ من العروق، فالحق ماقالہ شراح الھدایۃ تبعا للرستغفنی والا فالحق خلافہ، اذلم یوجد شرط الحل باتفاق اھل المذھب، ویظھر ذلک بالمشاھدۃ، اوسوال اھل الخبرۃ، فاغتنم ھذا المقال، ودع عنک الجدال اھ وفیما کتبت علیہ فان قلت سیأتی عن البدائع ان الاوداج متصلۃ من القلب بالدماغ، فیحصل فریھا بالذبح فوق العقدۃ ایضا لامحالۃ، ولا شک ان ذلک بین اللبۃ واللحیین، فیجب الحل، قلت سنذکرھناک ان المراد ثمہ بالاوداج الودجان اذھما المتصلان من الدماغ الی القلب لا الحلقوم والمری، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم،

مسئلہ - از شہر گورکھپور، محلہ اسمٰعیل پور، مرسلہ محمد عبدالواسع صاحب حنفی، مورخہ ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص ذبیحہ کو ذبح کرتا ہے، اور اس کے ساتھ دوسرا ایک اور جو شریک حال ہوکر ذبیحہ کے بقیہ اعضا پکڑے ہوئے ہے، اگر ذبح کرنے والے کے علاوہ یہ ایک اس کا شریک حال تکبیر نہ کہے، تو کیا ذبیحہ حرام ہوجائے گا؟ یعنی کیا ذبح کرنے والے اور اس کے شریک حال

دونوں کے لئے ذبح کے وقت تکبیر کہنا لازمی و ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب۔ ذبیحہ کا ہاتھ پاؤں پکڑنے والا بندش کی رسّی کی طرح ہے، اُس پر تکبیر کچھ ضروری نہیں، بلکہ وہ اہل تکبیر میں سے بھی ہونا ضروری نہیں، اگر مشرک یا مجوسی ہو جب بھی ذبیحہ میں فرق نہ آئے گا، وہ معین ذابح جس پر تکبیر کہنا ضرور ہے، وہ ہے کہ ذابح کا ہاتھ ضعیف ہو تنہا اس کی قوت سے ذبح نہ ہو سکتا ہو، یہ شخص نفس فعل میں اس کی امداد کرے اس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھے، اور ذبح دونوں قوتوں کے اجتماع سے واقع ہو، اس حالت میں دونوں پر تکبیر لازم ہے، ایک بھی قصداً چھوڑے گا ذبیحہ مردار ہو جائے گا لانہ اذا اجتمع المبیح والمحرم غلب المحرم، درمختار میں ہے وتشترط التسمیۃ من الذابح حال الذبح اھ فدل علی عدم اشتراطھا من غیر الذابح، ردالمحتار میں ہے اذا کان الذابح اثنین فلو سمی احدھما وترك الثانی عمدا حرم اکلہ کما فی التاترخانیۃ، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ۔ از چوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان، مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ فرمایند علمائے دین دریں مسائل :۔

(۱) حکم ذبح فوق العقدہ نوشتہ شدہ بمن رسید، لیکن جناب اعلیحضرت فیصلہ بانہ کردہ، ہمیں اختلاف دریں ملک بسیار است، کسے می گوید کہ ہر چار رگ بریدہ شود، کسے می گوید کہ نہ، براہِ کرم مولٰنا صاحب بکدام روایت قائل است، ہرچہ رائے مولوی صاحب، و اتفاق فتوٰی است، تحریر فرمایند تاکہ براں عمل درآمد کردہ باشد۔

(۲) بریتیم قربانی واجب ست یانہ،

الجواب۔ (۱) اجماع ائمہ ماست کہ اگر سہ رگ بریدہ شود ذبیحہ حلال ست، وایں معنی بمشاہدہ یا رجوع باہل خبرت تواں دریافت، ہمیں درفتوٰی سابقہ نوشتہ شدہ وہمین است فیصلہ علامہ شامی در ردالمحتار، وانچہ یکبار برائے امتحان مشہود فقیر شد آنست کہ بذبح فوق العقدہ نیز رگہا بریدہ می شود، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ۔ از سرال ڈاکخانہ بشندور، تحصیل وضلع جہلم، مرسلہ حافظ سجاد شاہ، ۱۸ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقدہ مذبوح بطرف صدر ہو جائے تو کیا حکم ہے، قال عینی و ذکر العقدۃ لا فی کلام اللہ ولا فی کلام رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس مسئلہ میں تردد ہے،

الجواب، کم از کم تین رگیں کٹنا لازم ہے، اگر عقدہ طرف راس رہا اور تین سے کم رگیں کٹیں مردار ہو گیا، اور عقدہ طرف صدر رہا اور ذبح بین اللبہ واللحیین ہوا، اور تین رگیں کٹ گئیں حلال ہو گیا، ھو التحقیق الذی لایحید العدل عنہ، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ۔ از مدرسہ اسلامیہ عربیہ، ریلوی ہمایوں، پوسٹ پٹ میاں، تعلقہ شکارپور، ضلع سکھر،

مسئولہ محمد محسن علی ہاشمی، مدرس اول، ۸ شوال ۱۳۳۵ھ

چہ می فرمایند علمائے عظام دریں مسئلہ کہ مذبوح فوق العقدہ حلال ست یا حرام؟ بینوا توجروا،

الجواب - قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الذکاۃ ما بین اللبۃ واللحیین، ولاشك ان ما فوق العقدۃ مما یلیھما بین المحلین وکلام التحفۃ والکافی وغیرھما یدل علی ان الحلق یستعمل فی العنق کما فی ابن عابدین فتحریر العلامۃ عندی ما افادہ فی ردالمحتار، اذ قال والتحریر للمقام ان یقال ان کان بالذبح فوق العقدۃ حصل قطع ثلثۃ من العروق، فالحق ما قالہ شراح الھدایۃ تبعا للرستغفنی، والا فالحق خلافہ اذا لم یوجد شرط الحل باتفاق اھل المذھب، ویظھر ذلك بالمشاھدۃ اوسؤال اھل الخبرۃ فاغتنم ھذا المقال ودع عنك الجدال واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ - از شہر بریلی، محلہ بہاری پور، مسئولہ جناب مولوی نواب سلطان احمد خاں صاحب زید مجدہم بتاریخ ۴ صفر المظفر قدسی ۱۳۳۰ھ

بندوق سے ایک ہرن شکار ہوا، چونکہ اس وقت چاقو یا چھری موجود نہ تھے، تو ایک سوار کو گاؤں کی طرف چھری لینے کو دوڑایا، اتنے میں ہرن قریب مرنے کے ہوگیا، تو ایک زمیندار سے جو اتفاقیہ وہاں موجود تھا، درانتی جس سے چارہ کاٹا جاتا ہے دندانہ دار ہوتی ہے، لی گئی، اور ایک مرد عادل مسلمان نے ذبح کیا، اس شکار کو کھایا گیا، اس پر چند لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسے آلہ سے ذبح کیا ہوا حرام ہے، تو یہ اعتراض ان کا بجا ہے یا بیجا؟ بینوا توجروا.

الجواب - درانتی بھی آلاتِ ذبح سے ہے، ردالمحتار کتاب الصید میں ہے، لونصب شبکۃ وکان لھا التجاذ حدۃ کمنجل وسمّی علیہ وجرحہ حل عندنا کما لو رماہ بھا، انتھی مختصرا، تاج العروس شرح قاموس میں ہے، المنجل کمنبر، حدیدۃ ذات اسنان یقضب بھا الزرع وقیل ما قضب بہ العود من الشجر، مگر اس سے ذبح کرنا ممنوع وگناہ ہے کہ بے سبب ایذا ہے، جیسے کند چھری یا اس سے بھی زائد، ذبائح الہندیہ میں محیط امام سرخسی سے ہے، الکلیلۃ یجوز الذبح بھا ویکرہ، لیکن ایسی صورت میں کہ جانور مرا جاتا ہے، اور اس کے سوا کوئی آلہ نہیں اجازت بعید نہیں، فان الضرورات تبیح المحذورات، وربما یفیدہ قول درالمختار کل تعذیب بلا فائدۃ، مثل قطع الراس، والسلخ قبل ان تبرد ای تسکن عن الاضطراب اھ، فھذا وان کان تعذیبا فلا فائدۃ بل للضرورۃ پھر اگر اکثر رگیں کٹنے سے پہلے جانور میں مذبوح کی حیات سے زیادہ حیات باقی تھی، جب تو بالاتفاق حلال ہوگیا، اور اس کا کھانا بے تامل روا، اور اس پر اعتراض محض باطل و بے جا، اور اگر آلہ کُند تھا اور بہت سختی کرنی پڑی کہ اکثر رگیں کٹنے سے پہلے ہی دانتوں کی رگڑوں، صدموں سے اس کی روح فنا ہوگئی، یا رہی تو صرف اوتنی ہی رہی جو بعد ذبح ہوتی ہے، کہ فقط موت کا تڑپنا باقی ہوتا ہے، اس کے بعد دو چار پہر جی نہیں سکتا، تو اس صورت میں یہاں کہ اور کوئی آلہ ملتا ہی نہ تھا

اختلاف علماء ہے، بعض فرماتے ہیں حرام ہوگیا کہ ذکوٰۃ اختیاری یعنی رگوں کے کاٹنے سے اس کی موت نہ ہوئی، بلکہ سبب موت قطع عروق سے پہلے ہی متحقق ہولیا، اور بعض نے کہا حلال ہے، کہ جب آلہ میسر ہی نہ تھا تو یہ بھی ایک ذکوٰۃ اضطراری کی شکل میں آگیا، اور رجحان موجودہ جانب حرمت ہی پایا جاتا ہے، اور اسی میں احتیاط، نقل المصنف ان من التعذر ما لو ادرك صيده حيا، او اشرف ثوره على الهلاك، وضاق الوقت عن الذابح، او لم يجد ألة الذبح، فجرحه حل فی رواية، ردالمحتار میں ہے الاولى ان يقول فی قول لانه نقله المصنف عن القنية معزوا الى بعض المشائخ، وقال البعض الأخر لا يحل اكله، الا اذا قطع العروق، افادہ ط، اور ہندیہ کی عبارت یہ ہے اشرف ثوره على الهلاك وليس معه الا ما يجرح مذبحه، ولو طلب آلة الذبح لايدرك ذكاته فجرح مذبحه لايحل، الا اذا قطع العروق، قال القاضی عبدالجبار كل ان جرحه كذا فی القنية، تنویر الابصار، و درمختار، و ردالمحتار کتاب الصید میں ہے، ان ادركه الرامی والمرسل حيا ذكاه وجوبا، فلو تركها حرم، وكذا يحرم لو عجز عن التذكية، بان لم يجد الة اولا يبقى من الوقت ما يمكن تحصيل الألة والاستعداد للذبح لان العجز عن التذكية لا يحل الحرام، اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم،

مسئلہ ۔ از ڈیرہ اسمٰعیل خاں ملک وزیرستان، چھاؤنی ٹانک پوسٹ کرگٹی ورکس کپنی، مرسلہ مولوی اکبر حسین صاحب اسٹون میڈ بمقام ۲۶/۴، ۱۳ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، لوہے کی پتی کی چھری بنی ہو، نہ اس میں دستہ ہو، نہ دستہ کی جگہ پر کوئی سوراخ ہو، اُس سے ذبح کرنا درست ہے یا نہیں، یہ جگہ فیلڈ ہے، اور گرمی بہت سخت اور کام دھوپ میں کرنا پڑتا ہے، یہاں روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب ۔ اگر اس میں کسی طرف دھار رکھی گئی ہو، جیسے چھری میں تو دھار سے ذبح جائز ہے، اور دھار نہ ہو تو ذبح ناممکن اور جانور مردار ہو جائے گا۔ نص علیہ الامام النسفی فی الکافی، اگر دھوپ میں کام کرنے کے ساتھ روزہ ہو سکے اور آدمی مقیم ہو مسافر نہ ہو تو روزہ فرض ہے، اور اگر نہ ہو سکے، روزہ رکھنے سے بیمار پڑ جائے، ضرر قوی پہنچے، تو مقیم غیر مسافر کو ایسا کام کرنا حرام ہے۔ اگر ترک پر قدرت نہ ہو، اور کسی طرح نہ ممکن ہو قضا رکھے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از سرنیا، ضلع بریلی، مرسلہ امیر علی صاحب قادری، ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

کوئی جانور دیوار سے دب گیا۔ گردن مٹی میں دب گئی، تو کس ترکیب سے ذبح کرے؟

الجواب ۔ اگر اندیشہ ہے کہ نکالنے تک اس کا دم نکل جائے گا، تو جہاں چاہے تکبیر کہہ کر خون نکال دے، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ مرسلہ مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی، پیلی بھیت، ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بھنگی نے ظاہر کے نام کا بکرا مانا، اُسے ایک فقیر مسلمان نے بھنگی کے گھر جاکر ذبح کیا، اور اُس کا کلیجا نکال کر بھونا، اور اُس فقیر کے ہمراہ چار مسلمان اور تھے پانچوں نے کھایا، فقیر کافر ہوا یا مسلمان رہا، مرتکب حرام ہوا یا نہیں، اور بقیۂ آکلین کا کیا حکم ہے، اور یہ ذبیحہ حلال ہے یا حرام مثل میتہ ہے، یا اُس سے کچھ اوترا، اور جو اس ذبیحے کو حلال بتائے، وہ برتقدیر حرمت کافر ہے یا نہیں، بیّنوا توجروا

الجواب ۔ ذابح اگر غیر خدا کے نام پر ذبح کرے، یعنی وقت ذبح جس طرح تکبیر کا حکم ہے، یہ غیر خدا کا نام لے مثلاً بسم اللہ کی جگہ باسم فلاں کہے، تو ذبیحہ قطعاً حرام ہے قال تعالٰی وما اھل بہ لغیر اللہ، اسی طرح اگر مسلمان[1] کلمہ گو نے اُس ذبح سے غیر خدا کی عبادت کا قصد کیا اور اہل اسلام اراقتِ دم لوجہ اللہ سے جس طرح کا تقرب اللہ جلّ جلالہ کی طرف چاہتے ہیں، اس نے اس ذبح سے اُسی نوع کا تقرب غیر خدا کی طرف چاہا، تو بھی حرمت ذبیحہ میں کلام نہیں، اگرچہ اس پر زبان سے خالص تکبیر ہی کہی ہو، کہ جب اس نے غیر خدا کو معبود قرار دیا، یا اُس ذبح سے اس کی عبادت کا قصد کیا، مرتد ہوگیا، اور مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں، مگر نازلۂ مسئولہ سائل ان صورتوں سے بری ہے، کہ یہ تو یقیناً معلوم کہ کوئی کلمہ گو ذبح کرتے وقت بسم اللہ کی جگہ مثلاً باسم ظاہر ہرگز نہیں کہتا، نہ زنہار کسی مسلمان پر یہ گمان ہوسکتا ہے کہ وہ غیر خدا کی عبادت چاہے، اور ظاہر وا ہر بھنگیوں وغیرہم کفار کے باطل معبود ان کو معاذ اللہ معبود قرار دے، تو لاجرم اُسنے اللہ ہی کے نام ذبح کیا، اور عبادت غیر خدا کا خیال بھی اس کے دل میں نہ آیا، بلکہ اصلاً اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کہ اسکی جان دینے سے فقیر مسلم اس معبود باطل کی مجرد تعظیم (جو مثل تعظیم اہل دنیا بوجہ غنا انحائے تعظیم الٰہی سے نہیں ہوسکتی) منظور

---

[1] خصصت الکلام بالمسلم لان المشرک لاتحل ذبیحتہ مطلقا وان سمی اللہ تعالٰی وقصد بہ التقرب الیہ وحدہ عزوجل والکتابی تحل ذبیحتہ اذا سمی اللہ تعالٰی وحدہ وان قصد بہ التقرب الی غیرہ تعالٰی، قال النیشا پوری فی تفسیرہ قال مالک والشافعی وابو حنیفۃ واصحابہ اذا ذبحوا علی اسم المسیح فقد اھلوا بہ لغیر اللہ فوجب ان یحرم واذا ذبحوا علی اسم اللہ فظاھر اللفظ یقتضی الحل ولاعبرۃ بغیر اللفظ اھ وقال فی الھندیۃ عن البدائع لو سمع منہ یعنی من الکتابی ذکر اسم اللہ تعالٰی لکنہ عنی باللہ تعالٰی عزوجل المسیح علیہ السلام قالوا توکل الا اذا نص فقال بسم اللہ الذی ھو ثالث ثلثۃ فلا یحل الخ اقول والسر فیہ ما اشرنا الیہ ان الکتابی لایخرج بھذا عن کونہ کتابیا فتحل اذا جرد التسمیۃ للہ تعالٰی کما ان المشرک لا یخرج عن الاشراک بتجرید التسمیۃ فلا تحل وان سمی اللہ تعالٰی اما المسلم فیخرج بھذا القصد عن الاسلام فلا تحل ھکذا ینبغی ان یفھم ھذا المقام ۱۲

منہ قدس سرہ العزیز

رکھی ہو، کہ مسئلۂ ذبح عند قدوم الامیر کو اُس سے تعلق ہوسکے، انصاف یہ ہے کہ اس طرح کے فقیروں کو صرف اپنے کھانے سے غرض ہوتی ہے کافر بلا کرے گیا، انھوں نے تکبیر کہکر بطور مسلماناں ذبح کیا اور اپنے کھانے کے قابل کردیا، اس کے سوا انھیں دوسری نیت فاسدہ کا مرتکب جاننا مسلمان پر نری بدگمانی ہے، جو بنص قطعی قرآن حرام قال اللہ تعالٰی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کہ کچھ گمان گناہ ہیں، وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث، گمان سے دور رہو کہ گمان سے بڑھ کر کوئی بات جھوٹی نہیں، رواہ الائمۃ مالك والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، اور دل کے ارادے پر حکم کرنا خصوصا ایسا کہ صراحۃً خلاف ظاہر وموہوم مضمحل بلکہ محض غلط باطل ہے، بیشک جرم عظیم ہے قال اللہ تعالٰی وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا بے یقین بات کے پیچھے نہ پڑ بیشک کان آنکھ دل سب سے سوال ہونا ہے، وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم اقالھا ام لا، تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا، کہ دل کے عقیدے پر اطلاع پاتا، اخرجہ مسلم عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما، سیدی عارف باللہ احمد زرّوق روّح اللہ تعالٰی روحہ فرماتے ہیں انما ینشؤ الظن الخبیث عن القلب الخبیث خبیث گمان خبیث دل سے نکلتا ہے، ذکرہ سیدی عبدالغنی النابلسی فی الحدیقۃ الندیۃ، تفسیر کبیر میں فرمایا انما کلفنا بالظاھر لا بالباطن فاذا ذبحہ علی اسم اللہ وجب ان یحل ولا سبیل لنا الی الباطن، منیہ وذخیرہ وشرح وہبانیہ ودرمختار وغیرہا میں ہے انا لا نسیئ الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الآدمی بھذا النحو، دیکھو ائمۂ دین وعلمائے معتمدین کیونکر صاف تصریحیں فرماتے ہیں کہ ہمیں باطن کی طرف کوئی راہ نہیں، ظاہر پر عمل کا حکم ہے، جب مسلمان نے خدا کا نام لیکر ذبح کیا واجب ہوا کہ ذبیحہ حلال ہو، ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ اس نے ذبح سے آدمی کی طرف تقرب چاہا ہو، جبکہ فقہائے عدول کے یہ اقوال خدا ورسول کے وہ ارشاد تو اب سوئے ظن پر بنانہ کرے گا، مگر خبیث الباطن کج نہاد۔ وما اللہ بغافل عما تعملون ان اللہ لا یحب الفساد، پس صورت مستفسرہ میں وہ ذبیحہ قطعاً حلال ہے، اور اس فقیر اور اس کے ساتھ والوں نے لحم مذکّی کھایا نہ مردار، فقہائے کرام نے خاص اس جزئیہ کی تصریح فرمائی، کہ مثلاً مجوسی نے اپنے آتشکدے یا مشرک نے اپنے بتوں کے لئے مسلمان سے بکری ذبح کرائی، اور اس نے خدا کا نام پاک لیکر ذبح کی، بکری حلال ہے، کھائی جائے، فتاوٰی عالمگیری وفتاوٰی تاتارخانیہ وجامع الفتاوٰی میں ہے مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم، او الکافر لآلھتھم توکل، لانہ سمی اللہ تعالٰی، البتہ مسلمان کے لئے اس صورت میں کراہت لکھتے ہیں، ہندیہ میں عبارت مذکورہ کے بعد ہے ویکرہ للمسلم۔ ظاہر ہے کہ مسلمان کو ایسا فعل کرنا نہ تھا کہ اس میں

بظاہر گویا اُس کافر کا کام پورا کرنا، اور اس کے زعم میں اس کے قصد مذموم کا آلہ بنتا ہے، اگرچہ حقیقت امر بالکل اس کے مباین ہے، کما لا یخفی، بالجملہ اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ یہاں صرف وقت ذبح قول و نیت ذابح کا اعتبار ہے، اگر ذابح مسلم نے اللہ ہی کے لئے ذبح کیا، اور وقت ذبح اللہ ہی کا نام لیا، تو ذبیحہ قطعاً حلال، اگرچہ مالک نے کسی کے نام پر مشہور کر رکھا ہو، قال تعالیٰ وَمَا لَكُمْ اَنْ لَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، یوہیں کتابی کا ذبیحہ اگر وقت ذبح خالص نام خدا لے، قال تعالیٰ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ، واللہ سبحٰنہ و تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھال مذبوح حلال مثل گائے بھینس بکری مرغ وغیرہ کے حلال ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ۔ مذبوح حلال جانور کی کھال بیشک حلال ہے، شرعاً اس کا کھانا ممنوع نہیں، اگرچہ گائے بھینس بکری کی کھال کھانے کے قابل نہیں ہوتی فی الدر المختار اذا ماذکیت شاۃ فکلہا، سوی سبع ففیہن الوبال، فحاء ثم خاء ثم غین، ودال ثم میمان وذال۔ انتہی فالحاء الحیاء وھو الفرج، والخاء الخصیۃ والغین الغدۃ، والدال الدم المسفوح، والمیمان المرارۃ والمثانۃ والذال الذکر، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بدن حیوان ماکول اللحم میں کیا کیا چیزیں مکروہ ہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ۔ سات چیزیں تو حدیثوں میں شمار فرمائی گئیں (۱) مرارہ یعنی پتہ (۲) مثانہ یعنی پھکنا (۳) حیا یعنی فرج (۴) ذکر (۵) انثیین (۶) غدہ (۷) دم یعنی خون مسفوح اخرج الطبرانی فی المعجم الاوسط عن عبد اللہ بن عمر وابن عدی، والبیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ یکرہ من الشاۃ سبعا المرارۃ والمثانۃ والحیاء والذکر والانثیین والغدۃ والدم وکان احب الشاۃ الیہ مقدمہا، ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا خون تو حرام ہے کہ قرآن عظیم میں اس کی تحریم منصوص، اور باقی چیزیں میں مکروہ سمجھتا ہوں، کہ سلیم الطبع لوگ اُن سے گھن کرتے ہیں، اور انھیں گندی سمجھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ویحرم علیہم الخبٰئث، یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن پر سب گندی چیزیں حرام فرمائیگا حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اما الدم فحرام بالنص واکرہ الباقیۃ لانہا مما تستخبثہ الانفس، قال اللہ تعالیٰ ویحرم علیہم الخبٰئث، اسی طرح ینابیع میں ہے کماسیاتی۔ اور مختار و معتمد یہ ہے کہ کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے، یہاں تک کہ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہٗ نے بلفظ حرمت تعبیر کی، عالمگیری میں ہے اما بیان ما یحرم اکلہ من اجزاء الحیوان سبعۃ الدم المسفوح والذکر والانثیان والقبل والغدۃ والمثانۃ والمرارۃ۔ تنویر الابصار میں ہے کرہ تحریما من الشاۃ سبع الخ درمختار میں

ہے وقیل تنزیہا، والاول اوجہ، ردالمحتار میں ہے وھوظاھر اطلاق المتون الکراھۃ، مغنی المستفتی عن سوال المفتی میں ہے المکروہ تحریما من الشاۃ سبع الخ یہ تو سات تو بہت کتب مذہب، متون وشروح وفتاوٰی میں مصرح، اور علامہ قاضی بدیع خوارزمی صاحب غنیۃ الفقہاء وعلامہ شمس الدین محمد قہستانی شارح نقایہ وعلامہ سیدی احمد مصری محشی درمختار وغیرہم علماء نے دو چیزیں اور زیادہ فرمائیں (۸) نخاع الصلب یعنی حرام مغز اس کی کراہت نصاب الاحتساب میں بھی ہے (۹) گردن کے دو پٹھے جو شانوں تک ممتد ہوتے ہیں، اور فاضلین اخیرین وغیرہما نے تین اور بڑھائیں، (۱۰) خون جگر (۱۱) خون طحال (۱۲) خون گوشت یعنی دم مسفوح نکل جانے کو بعد جو خون گوشت میں رہ جاتا ہے، بحرالمحیط میں ہے الغدد والذکر والانثیان والمثانۃ والعصبان اللذان فی العنق والمرارۃ والقضیب مکروہ اھ ملخصا، جامع الرموز میں اس کے بعد ہے وکذا الدم الذی یخرج من اللحم والکبد والطحال، ذبائح الطحاوی میں ہے الذکر والانثیان والمثانۃ والعصبان اللذان فی العنق والمرارۃ تحل مع الکراھۃ، وکذا الدم الذی یخرج من اللحم والکبد والطحال دون الدم المسفوح، وھل الکراھۃ تحریمیۃ اوتنزیھیۃ قولان، اسی میں مسائل شتی میں ہے وزید نخاع الصلب، اقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی اوج التحقیق، علماء کی ان زیادت سے ظاہر ہوگیا کہ سات میں حصر مقصود نہ تھا، بلکہ صرف باتباع نظم حدیث، ونص امام ان پر اقتصار واقع ہوا، اور خود اُن علمائے زائدین نے بھی قصد استیعاب نہ فرمایا، یہ امر انھیں عبارات مذکورہ سے ظاہر، اور اس پر دوسری دلیل واضح یہ کہ جگر وطحال وگوشت کے خون گنے اور (۱۳) خون قلب چھوڑ گئے، حالانکہ وہ قطعاً ان کے مثل ہے، یہانتک کہ عنایہ وخزانہ وقنیہ وغیرہا میں اس کی نجاست پر جزم کیا، اور اسی طرف امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ نے کتاب التجنیس والمزید میں فرمایا، اگرچہ ضیاء وناطفی ومراقی الفلاح ودرمختار وردالمحتار وغیرہا اسفار میں طہارت کو مختار رکھا، اور ظاہر ہے کہ نجاست مثبت حرمت ہے اور طہارت مفید حلت نہیں، حلیہ میں ہے فی القنیۃ دم قلب الشاۃ نجس والیہ مال کلام صاحب الھدایۃ فی التجنیس، وفی خزانۃ الفتاوٰی دم القلب نجس ودم الکبد والطحال لا، رحمانیہ میں ہے فی العنایۃ دم القلب نجس، ودم الکبد والطحال لا، اور نیز عدم حصر پر ایک اور دلیل قاطع یہ ہے، کہ عامہ کتب میں دم مسفوح، اور ان کتابوں میں دم لحم وکبد وطحال کو شمار کیا، تو اس سے واضح، کہ کلام اعضا سے اخلاط تک متجاوز ہوا، اور بیشک اخلاط سے (۱۴) مرہ بھی ہے یعنی وہ زرد پانی کہ پتّہ میں ہوتا ہے جسے صفرا کہتے ہیں، اور ہمارے علماء کتاب الطہارۃ میں تصریح فرماتے ہیں کہ اُس کا حکم مثل پیشاب کے ہے، بلکہ بعض نے تو مثل خون کے ٹھہرایا، درمختار میں ہے مرارۃ کل حیوان کبولہ، حلیہ میں ہے قیل مرارۃ الشاۃ کالدم وقیل کبولہا، خفیفۃ عندھما، طاھرۃ عند محمد، بہرحال کھانا اس کا بیشک ناجائز ہے، کما ھو المذھب فی البول، باوجود اس کے یہاں شمار میں نہ آیا، یونہیں اخلاط سے بلغم ہے

کہ جب براہ بینی مندفع ہو جیسے بھیڑ وغیرہ میں مشاہد ہے، اُسے عربی میں مخاط، اور فارسی میں آب بینی کہتے ہیں، (۱۵) اس کا کھانا بھی یقیناً ناجائز، صرح بہ فی العقود الدریۃ تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، یہ بھی یہاں غیر معدود اور منجملہ دماء، (۱۶) وہ خون بھی ہے جو رحم میں نطفہ سے بنتا ہے منجمد ہو کر علقہ نام رکھا جاتا ہے، وہ بھی قطعاً حرام، نہایہ وتبیین الحقائق و ردالمحتار وغیرہا میں ہے العلقۃ والمضغۃ نجسان کالمنی، یہ بھی نہ گنا گیا، تو واضح ہوا کہ عامہ کتب میں لفظ سبع صرف باتباع حدیث ہے، جس طرح کتب کثیرہ میں شاۃ کی قید، کماھو عن تنویر الابصار و مغنی المستفتی ومثلہ فی غیرھا، حالانکہ حکم صرف بکری سے خاص نہیں، یقیناً سب جانوروں کا یہی حکم ہے، حاشیہ طحطاویہ میں ہے قولہ من الشاۃ ذکر الشاۃ اتفاقی لان الحکم لا یختلف فی غیرھا من الماکولات، تو جیسے لفظ شاۃ محض باتباع حدیث واقع ہوا، اور اس کا مفہوم مراد نہیں، یوہیں لفظ سبع، اور اہل علم پر مستتر نہیں کہ استدلال بالغوی یا اجرائے علت منصوصہ خاصہ مجتہد نہیں، کما نص علیہ العلامۃ الطحطاوی تبعا لمن تقدمہ من الاعلام، اور یہاں خود امام مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشیائے ستہ کی علت کراہت پر نص فرمایا کہ خباثت ہے، اب فقیر متوکلاً علی اللہ تعالیٰ کوئی محل شک نہیں جانتا کہ (۱۷) دُبر یعنی پاخانے کا مقام (۱۸) کرش یعنی اوجھڑی (۱۹) امعا یعنی آنتیں بھی اس حکم کراہت میں داخل ہیں، بے شک دُبر فرج و ذکر سے اور کرش و امعا مثانہ سے اگر خباثت میں زائد نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں، فرج و ذکر اگر گزرگاہ بول و منی ہیں، دُبر گزرگاہ سرگین ہے، مثانہ اگر معدنِ بول ہے شکنبہ و رُوُدَہ مخزن فرث ہیں، اب چاہے اسے دلالۃ النص سمجھئے، خواہ اجرائے علت منصوصہ الحمد للہ بعد اس کے فقیر نے ینابیع سے تصریح پائی کہ امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دُبر کی کراہت پر تنصیص فرمائی، رحمانیہ میں ہے فی الینابیع کرہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من الشاۃ سبعۃ اشیاء، الذکر والانثیین والقبل والدبر والغدۃ والمثانۃ والدم، قال ابوحنیفۃ الدم حرام بالنص، والستۃ نکرھھا لانھا تکرھھا الطبائع، اور بیشک (۲۰) وہ گوشت کا ٹکڑا جو رحم میں نطفہ سے بنتا ہے جسے مضغہ کہتے ہیں، اجزائے حیوان سے ہے، اور وہ بھی بلاشبہہ حرام، عام ازیں کہ مخلقہ ہو یا غیر مخلقہ، یعنی ہنوز اس میں اعضا کی کلیاں پھوٹی ہوں یا صرف لوتھڑا ہو، فقد اسلفنا عن السغناقی والزیلعی والشامی انھا نجسۃ، ومعلوم ان کل نجس حرام، وقد قال فی الھدایۃ فی الجنین التام الخلقۃ انہ جزء من الام حقیقۃ لانہ متصل بھا حتی یفصل بالمقراض الخ قلت ویدل علیہ صحۃ الاستثناء، وھو حقیقۃ فی الاتصال، واذا کان ذلک کذلک فالمضغۃ اولی بالجزئیۃ، وھذا یدل ان السبع لم تستوعب الاجزاء، فضلا من الاخلاط اخوات الدماء (۲۱) ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بچہ تام الخلقۃ بھی کہ من وجہ جزء وحیوان ہے یتصل بالام ویتغذی بغذائھا، ویتنفس بتنفسھا، حرام ہے، خواہ اُس کے پوست پر بال آئے ہوں یا نہیں

مگر جبکہ زندہ نکلے، اور ذبح کرلیں، ہدایہ میں ہے من نحرناقۃ او ذبح بقرۃ، فوجد فی بطنھا جنینا میتا لم یوکل، اشعر اولم یشعر، شامی میں علقہ ومضغہ کی نجاست لکھ کر فرماتے ہیں وکذا الولد اذا لم یستھل (۲۲) یونہیں نطفہ بھی حرام ہے، خواہ نر کی منی مادہ کے رحم میں پائی جائے، یا خود اسی جانور کی منی ہو، ردالمحتار میں ہے، فی البحر والتتارخانیۃ ان منی کل حیوان نجس، اب سات کے سہ گونہ سے بھی عدد بڑھ گیا اور ہنوز اور زیادات ممکن، وہ سات اشیاء حدیث میں آئیں، اور پانچ چیزیں کہ علماء نے بڑھائیں اور دس کہ فقیر نے زیادہ کیں، ان بائیس مسائل اور باقی فروع وتفاریع سب کی تفصیل تام وتحقیق تمام فقیر کے رسالہ المنح الملیحۃ فیما نھی من اجزاء الذبیحۃ میں دیکھی جائے، الحمدللہ علی ما الھم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم،

مسئلہ - ازجبڑ ودہ، ضلع میرٹھ، مرسلہ سید صابر جیلانی صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، اس مسئلہ میں کہ جانور کی کونسی چیز جائز اور حلال ہے، اور کونسی چیز ناجائز وحرام ہے؟

الجواب - حلال جانور کے سب اجزاء حلال ہیں، مگر بعض کہ حرام یا ممنوع یا مکروہ ہیں (۱) رگوں کا خون (۲) پتا (۳) پُھکنا (۴) و (۵) علاماتِ مادہ ونر (۶) بیضے (۷) غدود (۸) حرام مغز (۹) گردن کے دو پٹھے کہ شانوں تک کھنچے ہوتے ہیں (۱۰) جگر کا خون (۱۱) تلی کا خون (۱۲) گوشت کا خون کہ بعد ذبح گوشت میں سے نکلتا ہے (۱۳) دل کا خون (۱۴) پت یعنی وہ زرد پانی کہ پتے میں ہوتا ہے (۱۵) ناک کی رطوبت کہ بھیڑ میں اکثر ہوتی ہے (۱۶) پاخانہ کا مقام (۱۷) اوجھڑی (۱۸) آنتیں (۱۹) نطفہ (۲۰) وہ نطفہ کہ خون ہوگیا (۲۱) وہ کہ گوشت کا لوتھڑا ہوگیا (۲۲) وہ کہ پورا جانور بن گیا اور مردہ نکلا یا بے ذبح مرگیا،

مسئلہ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زندہ جانور کا کوئی عضو مثلاً دُنبہ کی چکی کاٹ کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب - جو عضو مچھلی اور ٹیڈی کے سوا کسی زندہ جانور سے جدا کرلیا جائے، مُردہ ہے، اور کھانا اس کا حرام روی الحافظ ابوعیسٰی محمد الترمذی عن ابی واقد اللیثی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قدم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المدینۃ وھم یجبون اسنمۃ الابل، ویقطعون الیات الغنم فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مایقطع من البھیمۃ وھی حیۃ فھو میتۃ، قال الحافظ والعمل علی ھذا عند اھل العلم فی الھدایۃ فی مسائل السمک اذا قطع بعضھا فمات یحل اکل ما ابین ومابقی لان موتہ بآفۃ وما ابین من الحی، وان کان میتا فمیتتہ حلال، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

مسئلہ ۔ موضع بکہ جیبی والہ، علاقہ جاگل، تھانہ ہری پور، ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خان،
مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب، ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذبح کس شخص کا جائز، اور کس کا ناجائز ہے۔

الجواب ۔ جنّی، مرتد، مشرک، مجوسی، مجنون، ناسمجھ، اور اُس شخص کا جو قصداً تکبیر ترک کرے ذبیحہ حرام و مردار ہے، اور ان کے غیر کا حلال، جبکہ رگیں ٹھیک کٹ جائیں، اگرچہ ذابح عورت، یا سمجھ والا بچہ یا گونگا، یا بے ختنہ ہو، اور اگر ذبیحہ صید ہو تو یہ بھی شرط ہے کہ ذبح حرم میں نہ ہو، ذابح احرام میں نہ ہو، فی الدر المختار شرط کون الذابح مسلما حلالا او کتابیا و لو مجنونا اوامرأۃ اوصبیا یعقل التسمیۃ والذبح ویقدر او اقلف او اخرس لا وثنی ومجوسی ومرتد وجنی وتارك تسمیۃ عمدا اھ ملخصا فی ردالمحتار قولہ مجنونا المراد بہ المعتوہ کما فی العنایۃ عن النہایۃ لان المجنون لاقصد لہ ولانیۃ لان التسمیۃ شرط بالنص وھی بالقصد الخ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از اوجین، مرسلہ ملا یعقوب علی خاں، یکم رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے نامدار مفتیان ذوی الاقتدار اس مسئلہ میں کہ اقوام بواہرا[عہ] اور عورات اور خردعنی اور کتابی اور مجوسی اور نصرانی اور مردم مشرک یہ سب بہ تکبیر اللہ اکبر ذبح کریں، درست ہے یا نہیں؟ اور اہل اسلام ذبح کرے، اور ہندو جانور کو دباوے، تو مددگار اور ذابح دونوں پر تکبیر کہنا واجب ہے یا فقط ذبح کنندہ پر؟ اور سوائے ذابح کے اور نے تکبیر نہ کہی تو وہ جانور حلال ہے یا حرام؟ بسند عبارت کتب بیان فرماویں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ مسلمان وکتابی کا ذبیحہ حلال ہے، اگرچہ عورت یا عنین ہو، اوران کے سوا مشرک، مجوسی، مرتد، کسی کا ذبیحہ اصلا حلال نہیں، اگرچہ تکبیر کہہ کر ذبح کریں، درمختار میں ہے شرط کون الذابح مسلما اوکتابیا ولوامرأۃ لاذبیحۃ غیر کتابی من وثنی ومجوسی ومرتد اھ، ملخصا، قوم بوہرہ میں جو شخص صرف بدعت رفض وغیرہ رکھتا ہو، اوراس کے ساتھ ضروریات دین کا منکر نہ ہو، تو اس کا بھی ذبیحہ حلال، کہ اگرچہ بدعتی مذہب ہے مگر اسلام رکھتا ہے، اور اگر ضروریات دین سے کسی امر کا انکار کرے، گو دعوی اسلام رکھتا اور کلمہ طیبہ پڑھتا ہو، جیسے آج کل اکثر روافض زمانہ کا حال ہے، تو کافر مرتد ہے اوراس کا ذبیحہ حرام مطلقا کما حققناہ فی السیر من فتاونا بتوفیق اللہ سبحنہ تعالٰی، نصاریٰ زمانہ کہ علی الاعلان الوہیت وابنیت بندہ خدا، وزادہ کنیز خدا سیدنا مسیح عیسٰی بن مریم علیہما الصلاۃ والسلام کے قائل ہیں، ان کے بارہ میں علماء مختلف، بہت مشائخ کرام انکی

عہ ھکذا فی الاصل ۱۲

ذبیحہ کو حرام فرماتے ہیں، یہاں تک کہ کہا گیا، اسی پر فتوٰی ہے، مگر ظاہر الروایہ اطلاق حل ہے والتحقیق فی سیر فتاوٰنا، بہرحال اس قدر ضروری ہے کہ مسلمان کو اُن کے ذبیحہ سے احتراز چاہئے، بلکہ مجمع الانہر میں ہے النصارٰی فی زماننا یصرحون بالابنیۃ قبحھم اللہ تعالٰی، وعدم الضرورۃ متحقق، والاحتیاط واجب لان فی حل ذبیحتھم اختلاف العلماء کما بیناہ فالاخذ بجانب الحرمۃ اولٰی، پھر یہ بھی اُس حالت میں ہے کہ وہ ذبح بطور ذبح کریں ورنہ جانور کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا، یا گلے میں ایک طرف چُھری بھونک دی رگیں نہ کاٹیں جیسا کہ فقیر نے جہاز میں بچشم خود معاینہ کیا، تو اُس کے حرام قطعی ہونے میں اصلاً کلام نہیں، کہ ایسا مقتول تو مسلمان کے ہاتھ کا بھی مردار ہے، نہ کہ کافر کا، اور جو شخص جانور کو دبائے، یا ہاتھ پاؤں پکڑے، ایسے مددگار پر تکبیر ضرور نہیں نہ اس کے ہندو وغیرہ ہونے سے کچھ حرج، کہ وہ ذابح نہیں، ہاں جو نفس فعل ذبح میں مدد دے، یعنی ذابح کا ہاتھ مثلاً کمزور تھا، اُس نے بھی اُس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھ کر پھیرا، کہ دونوں کے فعل سے ذبح واقع ہوا، تو ایسی حالت میں دونوں پر تکبیر لازم ہے، ان میں جو قصداً تکبیر نہ کہے گا، یا حرام الذبیحہ مثلاً ہندو، مجوسی، مرتد ہوگا، تو جانور حرام مردار ہو جائے گا، درمختار میں ہے تشترط التسمیۃ من الذابح، اُسی میں ہے اراد التضحیۃ فوضع یدہ مع ید القصاب فی الذبح واعانہ علی الذبح سمی کل وجوباً فلو ترکھا احدھما اوظن ان تسمیۃ احدھما تکفی حرمت، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از کلکٹ چھاؤنی جوئنال، مرسلہ سید محمد یوسف علی صاحب، ۷ شعبان معظم ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعہ کے یہاں کا ذبح کرا کھانا، دیگر جس کا عقیدہ درست نہ ہو، اُس کا ذبح، کھانا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا،

الجواب ۔ آج کل کے رافضی، تبرائی علی العموم کافر مرتد ہیں، شاید اُن میں گنتی کے ایسے نکلیں جو اسلام سے کچھ حصہ رکھتے ہوں، اُن کا عام عقیدہ یہ ہے کہ یہ قرآن شریف جو بحمد اللہ تعالٰی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد پورا نہ رہا، اس میں سے کچھ پارے، یا سورتیں، یا آیتیں صحابہ کرام، یا اور اہلسنت نے معاذ اللہ کم کر دیں، اور یہ بھی اُن کے چھوٹے بڑے سب مانتے ہیں کہ حضرت مولا علی و دیگر ائمہ اطہار کرم اللہ تعالٰی وجوہہم اگلے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے افضل تھے، یہ دونوں عقیدے خالص کفر ہیں، جو شخص قرآن مجید سے ایک حرف ایک نقطہ کی نسبت ادنٰی احتمال کے طور پر کہے کہ شاید کسی نے گھٹا دیا، یا بڑھا دیا، یا بدل دیا ہو، وہ کافر ہے، اور قرآن عظیم کا منکر، یونہیں جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل بتائے وہ بھی کافر، اور جبکہ ان اشقیا نے باوصف ادعائے اسلام عقائدِ کفر اختیار کئے، تو مرتد ہوئے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے ھؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین، اور مرتد کے ہاتھ کا ذبیحہ نرا حرام، و مردار سوئر کی مانند ہے، اگرچہ اس نے لاکھ تکبیریں پڑھ کر ذبح کیا ہو، درمختار میں ہے لا تحل ذبیحۃ غیر کتابی من وثنی، ومجوسی، ومرتد، اسی طرح جب

بدمذہب کا عقیدہ حدِ کفر تک پہنچا ہو، جیسے نیچری، کہ وجود ملائکہ و وجود جن و وجود شیطان، و وجود آسمان، وصحت معجزات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام وحشر ونشر و جنت و نار بطور عقائد اسلام وغیر ہا بہت ضروریات دینیہ سے منکر ہیں، یونہیں وہ وہابی کہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مثل سات یا چھ یا دو یا ایک خاتم النبیین کسی طبقہ زمین میں کبھی موجود مانے، یا ہماری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو نبوت ملنی جائز جانے، اور اُسے آیہ وخاتم النبیین کے مخالف نہ سمجھے، یا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین شان اقدس کے لئے حضور کو بڑا بھائی، اپنے آپ کو چھوٹا بھائی کہے، یا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت یہ ناپاک کلمہ لکھے کہ مر کر مٹی میں مل گئے، وعلیٰ ہٰذا القیاس جو بدمذہب ضروریات دین اسلام میں سے کسی عقیدہ کا منکر ہو، یا اُس میں شک کرے، یا تاویلیں گڑھے، باجماع تمام علمائے اسلام وہ سب کے سب کافر و مرتد ہیں، اگرچہ لوگوں کے سامنے کلمہ، نماز، قرآن پڑھتے، روزہ رکھتے، اپنے آپ کو سچا پکا مسلمان جتاتے ہوں، کہ جب وہ ضروریات اسلام کے منکر ہوئے تو انہوں نے خدا و رسول و قرآن کو صاف صاف جھٹلایا، پھر یہ جھوٹے طور پر کلمہ وغیرہ کیا نفع دے سکتا ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی منافق لوگ کلمہ و نماز پڑھتے، اور اپنے آپ کو قسمیں کھا کھا کر مسلمان بتاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کی ایک نہ سُنی اور صاف فرمادیا وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بڑا جھوٹا دعویٰ اسلام کرتے ہیں،

غرض ایسے لوگوں کے کفر میں ہرگز شک نہ کیا جائے، کہ جو اُن کے عقیدہ پر مطلع ہو کر، پھر سمجھ بوجھ کر اُن کے کفر میں شک کرے، وہ خود کافر ہو جاتا ہے، درمختار میں ہے من شك فی كفرہ وعذابہ فقد كفر اھ، واما ارتدادھم فھو الصحیح الثابت المنصوص علیہ، كما اوضحناہ بتوفیق اللہ تعالیٰ فی السیوف فتاوٰنا وفی رسالتنا "المقالة المسفرة عن احكام البدعة المكفرة" اس قسم کے ہر بدمذہب کا ذبیحہ مردار و حرام، اُن کے ساتھ نکاح حرام و باطل و محض زنا، اُن کے ساتھ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، ملنا، جُلنا، کوئی برتاؤ مسلمان کا سا کرنا ہرگز ہرگز کسی طرح جائز نہیں، ہاں جو بدمذہب دین اسلام کی ضروری باتوں سے کسی بات میں شک نہ کرتا ہو، صرف اُن سے نیچے درجہ کے عقیدوں میں مخالف ہو جیسے رافضیوں میں تفضیلی، یا وہابیوں میں اسحاقی وغیرہم وہ اگرچہ گمراہ ہے کافر نہیں، اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از گونڈہ، ملک اودھ، مدرسہ اسلامیہ، مرسلہ حافظ عبد العزیز صاحب مدرس مدرسہ مذکورہ

۱۷ر جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

یہ جو اکثر کتب دینیہ میں لکھا ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ درست ہے، تو آجکل یہود و نصاریٰ جو ہیں ان کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں ؟

الجواب ۔ شک نہیں کہ یہ نصاریٰ الوہیت وابنیت، عبداللہ وابن امتہ، سیدنا مسیح ابن مریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ وسلم کی صاف تصریح کرتے ہیں، جو نصاریٰ ایسے ہیں اور یونہیں وہ یہود کہ ابنیت عبداللہ عزیر علیہ الصلٰوۃ والسلام مانیں، ان کا ذبیحہ حلال ہونے میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے، جمہور مشائخ جانب حرمت گئے، اور کہا گیا کہ اسی پر فتوٰی ہے، اور بکثرت محققین تحقیق جواز فرماتے ہیں، یہی ظاہر الروایۃ، اور یہی اقوی من حیث الدلیل ہے، وقد حققناہ فی فتاوٰنا بما یتعین المراجعۃ الیہ، مستصفٰی میں ہے فی مبسوط شیخ الاسلام یجب ان لایاکلوا ذبائح اھل الکتاب اذا اعتقدوا ان المسیح الٰہ، وان عزیر اآلۃ، ولا یتزوجوا نساءھم، وقیل علیہ الفتوٰی لکن بالنظر الی الدلائل ینبغی ان یجوز الاکل والتزوج، درمختار میں ہے صح نکاح کتابیۃ، وان اعتقدوا المسیح الٰہا، وکذا حل ذبیحتھم علی المذھب، بحر اھ مختصرا ہاں کراہت میں شک نہیں کہ جب بضرورت کتابی خالص کے ذبیحے کو علماء ناپسند فرماتے ہیں، تو یہ بدتر درجے میں ہیں، فتح القدیر میں ہے یجوز تزوج الکتابیات والاولٰی ان لایفعل، ولا یاکل ذبیحتھم الا للضرورۃ، مجمع الانہر میں ہے النصارٰی فی زماننا یصرحون بالابنیۃ قبحھم اللہ تعالٰی، وعدم الضرورۃ متحقق، والاحتیاط واجب، لان فی حل ذبیحتھم اختلاف العلماء، کما بیناہ فالاخذ بجانب الحرمۃ اولٰی عند عدم الضرورۃ، یہ سب اس صورت میں ہے کہ وہ ذبح بطور ذبح کریں، اور وقت ذبح خالص اللہ عزوجل کا نام پاک لیں، مسیح علیہ الصلٰوۃ والسلام کا نام شریک نہ کریں، اگرچہ دل میں مسیح ہی کو خدا جانیں، بالجملہ نہ قصداً تکبیر چھوڑیں، نہ تکبیر میں شرک ظاہر کریں ورنہ جو ذبیحہ ان شرائط سے خالی ہو وہ تو مسلمان کا بھی حرام ومردار ہوتا ہے، چہ جائیکہ کتابی، ردالمحتار میں ہے لاتحل ذبیحۃ من تعمد ترک التسمیۃ مسلما اوکتابیا لنص القرآن، درمختار میں ہے شرط کون الذابح مسلما اوکتابیا ذمیا اوحربیا الا اذا سمع منہ عند الذبح ذکر المسیح، ردالمحتار میں ہے فلو سمع منہ ذکر اللہ تعالٰی لکنہ عنی بالمسیح، قالوا یوکل الا اذا نص فقال باسم اللہ الذی ھو ثالث ثلثۃ ہندیۃ نصارائے زمانہ کا حال معلوم ہے کہ نہ وہ تکبیر کہیں نہ ذبح کے طور پر ذبح کریں، مرغ وپرند کا تو گلا گھونٹتے ہیں اور بھیڑ بکری کو اگرچہ ذبح کریں رگیں نہیں کاٹتے، فقیر نے بھی اسے مشاہدہ کیا ہے، ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں کپتان کی ملک سمور کا ایک مینڈھا جہاز میں دیکھا جسے وہ چالیس روپے کی خرید بتاتا تھا، مولٰینا چاہا، کہ گوشت درکار تھا، نہ بیچا اور کہا جب ذبح ہوگا گوشت کا حصہ خرید لینا، ذبح کیا تو گلے میں ایک کروٹ کو چھری داخل کردی تھی رگیں نہ کاٹیں اس سے کہدیا گیا کہ اب یہ سوئر ہے، ہمارے کسی کام کا نہیں، بلکہ نصاریٰ کے یہاں صدہا سال سے ذبح شرعی نہیں، فتاوٰی امام قاضیخاں میں نقل فرمایا النصرانی لاذبیحۃ لہ، وانما یاکل ھو ذبیحۃ المسلم او یخنق، تو نصارائے زمانہ کا ذبیحہ ضرور حرام ہے، یہود کا حال معلوم نہیں، اگر ان کے یہاں بھی ترک تکبیر یا ذبح کی تغییر ہو، تو حکم حرمت ہے، ورنہ بے ضرورت ناپسندی وکراہت، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، کہ اگر کوئی شخص فرقہ غیر مقلدین یا فرقہ قادیانی یا وہابیہ سے ہو، اس کے ہاتھ کا ذبیحہ واسطے اہلسنت والجماعت کے کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟ **الجواب** - قادیانی صریح مرتد ہیں، ان کا ذبیحہ قطعی مردار ہے، اور غیر مقلدین وہابیہ پر بوجہ کثیرہ التزام کفر ہے، اُن میں جو منکر ضروریات دین ہیں وہ تو بالاجماع کافر ہیں، ورنہ فقہائے کرام اُن پر حکم کفر فرماتے ہیں اور ذبیحہ کا حلال ہونا نہ ہونا حکم فقہی ہے، خصوصاً وہی احتیاط کہ مانع تکفیر ہو، یہاں اُن کے ذبیحہ کے کھانے سے منع کرتی ہے کہ جمہور فقہائے کرام کے طور پر حرام ومردار کا کھانا ہوگا، لہذا احتراز لازم ہے - واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از بریلی محلہ قرادلان مسئولہ عبدالکریم خیاط قادری رضوی، ۲۳ر محرم ۱۳۳۹ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید کا خسر دیوبندی ہے وہ اپنی قیمت سے گوشت خرید کر بھیجتا ہے، لانے والا بھی دیوبندی ہے، تو یہ گوشت حلال ہے یا نہیں، نیز دیوبندی کی، قربانی کا گوشت کیسا ہے؟ بینوا توجروا - **الجواب** - دیوبندی کا ذبیحہ مردار ہے، اور دیوبندی کا بھیجا ہوا گوشت اگرچہ مسلمان کا لایا ہوا ہو مردار ہے - واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از نجیب آباد مسئولہ جناب احمد حسن خانصاحب رضوی بتاریخ ۲۸ر محرم ۱۳۳۹ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض اوقات وہابیوں سے ذبیحہ کرایا جاتا ہے، جسکا گوشت گھر میں پکتا ہے، کھانا کیسا ہے؟ **الجواب** - وہابی رافضی قادیانی وغیرہم جن جن کی گمراہی حد کفر تک ہے اُنکا ذبیحہ مردار ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ - از بشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ حاجی غنی رضا خانصاحب رضوی - ۲۸ر محرم ۱۳۳۹ھ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہابی یا رافضی، کا ذبیحہ گائے، یا بکری، یا مرغی، کا جائز ہے یا نہیں، اور وہابیہ، اور رافضی کے یہاں کا گوشت پکا ہوا، بطور دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ **الجواب** - وہابیہ اور رافضی کا ذبیحہ مردار ہے، اور انکے یہاں کا گوشت کھانا حرام ہے، فتاوی ظہیریہ وفتاوی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے احکامھم احکام المرتدین - واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از ڈونگرپور، ملک میواڑ راجپوتانہ، مکان جمعدار سمندر خاں، مسئولہ عبدالرؤف خاں - ۱۵ر رمضان ۱۳۳۹ھ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین (۱) کہ بوہروں کے یہاں کا ذبیحہ کیا ہوا، گوشت ان کے یہاں کا پکا ہوا کھانا اہلسنت وجماعت کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ (۲) اور کوئی شخص ذبیحہ کرتا ہو، اور اس سے اپنی اور اپنے بچوں کی گزر اوقات کرتا ہو، وہ خدا کے یہاں مواخذ حشر میں تو نہ ہوگا، یا نامۂ اعمال میں اس کے کچھ لکھا جائیگا؟ بینوا توجروا

الجواب - بوہرے کہ اسمٰعیلی رافضی ہیں، انکے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے، اور انکے یہاں کا گوشت پکا ہوا بھی حرام ہے، مگر یہ کہ مسلمان نے ذبح کیا اور اس وقت سے اس وقت تک مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہوا ہو، گوشت کے علاوہ باقی کھانوں پر اگرچہ قطعی حکم حرمت نہیں، مگر بہر حال احتراز ہی مناسب ہے۔
(۲) ذبح کا پیشہ شرعاً ممنوع نہیں، نہ اس پر کچھ مواخذہ ہے، اگرچہ گائے ذبح کرنے کا پیشہ ہو، وہ جو حدیث لوگوں نے دربارۂ ذابح بقر وقاطع شجر بنا رکھی ہے محض باطل وموضوع ہے - واللہ تعالیٰ اعلم -

مسئلہ :- از شہر کہنہ بریلی، محلہ کوٹ مرسلہ محمود علی صاحب بنگال - ۲ر صفر ۱۳۲۱ھ
عورت کا ذبح کیا ہوا، حلال اور درست ہے یا نہیں - **الجواب** :- عورت کا ذبیحہ جائز ہے، جبکہ ذبح کرنا جانتی ہو، اور شرائط حلت مجتمع ہوں درمختار میں ہے، شرط کون الذابح مسلما اوکتابیا، ولو امرأۃ -
واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ - مرسلہ احمد شاہ خاں، از موضع نگریا سادات ضلع بریلی - (۱) عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب - (۱) مسلمان عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے، جبکہ وہ ذبح کرنا جانتی ہو، اور ٹھیک ذبح کر دے - واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - مسئولہ سید احمد حسین صاحب ازمقام سیدپور، ڈاکخانہ وزیر گنج ضلع بداوں - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نماز روزہ کرتا ہے، لیکن شراب خور ہے، سفلہ، و چنڈو، و بھنگ وغیرہ زنا وحرام خوری، چوری، آگ دیتا ہے، مگر ان فعلوں کو بُرا جانتا ہے تو ایسے شخص کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب - اس صورت میں زید فاسق ہے، مستحق عذاب جہنم ہے، مگر اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے - واللہ تعالیٰ اعلم -

مسئلہ ۔ از بھوٹا بھوٹی، موٹولا نگر، علاقہ جام نگر کاٹھیاواڑ، مرسلہ حاجی اسمٰعیل میاں صدیقی حنفی ابن ابراہیم
۲۲ صفر ۱۳۳۶ھ

اگر ایک مرد نے طاہر عورت کو بغیر نکاح کے گھر میں رکھی ہے، آیا اُس شخص کا ذبیحہ کھانا درست ہے یا نہیں؟ (۲) قربانی کرنا واجب ہے، اگر کوئی شخص ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد اور نماز سے پہلے قربانی کیا تو وہ قربانی جائز ہے یا نہیں؟ (۳) قربانی کا حصہ تین کرنا، ایک حصہ اپنا، دوسرا خویش و اقارب کا، تیسرا مسکینوں کا، آیا اگر مساکین لوگ اسلام میں سے نہیں ہیں، تو وہ حصہ کا کیا حکم ہے، اور اگر کوئی شخص قربانی کیا اور تین حصہ نہیں کیا، اور گھر میں رکھ لیا آیا قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب ۔ اگر بالفرض اس پر زنا ثابت بھی ہو، جب بھی زانی کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے، کہ ذبح کے لئے دین سماوی شرط ہے، اعمال شرط نہیں، اور اتنی بات پر کہ گھر میں رکھا ہے، اور ہمارے سامنے نکاح نہ ہوا، نسبتِ زنا کر بھی نہیں سکتے، بنص قطعی قرآن مجید حرام شدید ہے، بلکہ اگر گھر میں بیبیوں کی طرح رکھتا ہو، اور بیبیوں کا سا برتاؤ برتتا ہو، تو ان کو زوج و زوجہ ہی سمجھا جائے گا، اور اُن کی زوجیت پر گواہی دینی حلال ہوگی، اگرچہ ہمارے سامنے نکاح نہ ہوا، کما فی الھدایۃ، والدر المختار، والھندیۃ، وغیرھا، واللہ تعالیٰ اعلم (۲) دیہات میں نماز عید جائز نہیں، قربانی اگر گاؤں میں ہو، طلوع صبح کے بعد ہو سکتی ہے، اگرچہ شہری نے اپنی قربانی وہاں بھیج دی ہو، اور اگر قربانی شہر میں ہو، جہاں نماز عید واجب ہے، تو لازم ہے، کہ بعد نماز ہو، اگر نماز سے پہلے کرلی، قربانی نہ ہوئی، اگرچہ قربانی دیہاتی کی ہو، کہ اُس نے شہر میں کی، درمختار میں ہے (اول وقتھا بعد الصلاۃ ان ذبح فی مصر) ای بعد اسبق صلاۃ عید ولو قبل الخطبۃ لکن بعدھا احب (وبعد طلوع فجر یوم النحر ان ذبح فی غیرہ) والمعتبر مکان الاضحیۃ لامکان من علیہ، فحیلۃ مصری اراد التعجیل ان یخرجھا لخارج المصر فیضحی بھا اذا طلع الفجر، مجتبیٰ، واللہ تعالیٰ اعلم (۳) تین حصے کرنا صرف استحبابی امر ہے، کچھ ضروری نہیں، چاہے سب اپنے صرف میں کرلے، یا سب عزیزوں قریبوں کو دیدے، یا سب مساکین کو بانٹ دیں، یہاں اگر مسلمان مسکین نہ ملے تو کافر کو اصلاً نہ دے کہ یہ کفار ذمی نہیں، تو ان کو دینا قربانی ہو خواہ کوئی صدقہ، اصلاً کچھ ثواب نہیں رکھتا، درمختار میں ہے، اما الحربی ولو مستامنا فجمیع الصدقات لایجوز لہ اتفاقا، بحر عن الخانیۃ وغیرھا، بحر الرائق میں معراج الدرایہ شرح ہدایہ سے ہے صلتہ لاتکون برا شرعا، ولذا لم یجز التطوع الیہ فلم یقع قربۃ، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از سرنیا، ضلع بریلی، مرسلہ امیر علی صاحب قادری، ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

زید نماز روزے سے بالکل بیخبر ہے، اور ذبح کے وقت کلّی بھی نہیں کرتا، تو اُس کا ذبح کیسا ہے؟

الجواب ۔ اگر مسلمان ہے اور ذبح کرنا جانتا ہے اور تکبیر کہے تو ذبح ہو جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۔ از گوری، ڈاکخانہ رائے پور، ضلع مظفر پور، مرسلہ عبدالجبار صاحب، یکم شعبان ۱۳۳۶ھ

ایک شخص مسلمان کلمہ گو اپنی بدقسمتی سے اکثر اداے نماز میں غفلت کرتا ہے، پس اس صورت میں ذبیحہ وضیافت اُس کا مسلمانوں کو کھانا و نماز جنازہ، دفن مقبرۂ مومنین میں جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کس دلیل سے ذبیحہ اہل کتاب وضیافت مسلمانوں کو جائز کیا گیا؟

الجواب ۔ ضرور اس کا ذبیحہ جائز، اور اس کے جنازہ کی نماز، اور اُسے اسلامی طور پر دفن کرنا مسلمانوں پر فرض، لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اما الدیوان الذی لایعبؤ اللہ بہ شیئا فظلم العبد نفسہ فیما بینہ وبین ربہ، من صوم یوم ترکہ، اوصلاۃ ترکھا، فان اللہ تعالیٰ یغفر ذلک ان شاء ویتجاوز، ضیافت بھی جائز ضرور ہے، اس سے بچنے نہ بچنے میں عمل سلف مختلف ہے کما فصلہ الامام حجۃ الاسلام فی الاحیاء، اس کا بیان ہمارے فتاوی میں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از مدرسہ مڈھاوی، ڈاکخانہ کوراولی، ضلع مین پوری، مرسلہ محمد بختیار صاحب مدرس ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ

قصاب پیشہ شخص جو ذبح کرے، اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے؟

الجواب ۔ درست ہے جبکہ تکبیر کے ساتھ ذبح کرے، فتاوی بزازیہ میں ہے میلزم ھذا الجاھل ان لایاکل ماذبح القصاب، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از کانپور مدرسہ فیض عام، مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب، ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ قصاب کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ۔ ذبح میں قصاب وغیرہ سب کا ایک حکم ہے، مسلمان یا کتابی، عاقل ہونا چاہئے کہ ذبح جانتا ہو اور عمداً تسمیہ ترک نہ کرے، کسی قوم یا پیشہ کی تخصیص محض جہالت ہے، درمختار میں ہے لایعطی اجرالجزار منھا لانہ کبیع، ردالمحتار میں ہے لانہ یعطی الجزار بمقابلۃ جزرہ، خانیہ میں ہے وضع یدہ مع ید القصاب فی الذبح واعانہ علی الذبح، سمی کل وجوبا الخ، بزازیہ میں ہے لاریب ان القصاب یذبح للربح ولوعلم انہ بخس لایذبح، فیلزم ھذا الجاھل ان لایاکل ماذبحہ القصاب، واللہ سبحٰنہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۔ از اوجین، علاقہ گوالیار، مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ، مرسلہ حاجی محمد یعقوب علی خاں صاحب ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

خنثٰی جانور کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ۔ خنثٰی کہ نر و مادہ دونوں کی علامتیں رکھتا ہو، دونوں سے یکساں پیشاب آتا ہو، کوئی وجہ ترجیح نہ رکھتا ہو، ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں، کہ اس کا گوشت کسی طرح پکائے نہیں پکتا، ویسے ذبح کر حلال

ہو جائے گا، اگر کوئی کچا گوشت کھائے، کھائے، درمختار میں ہے ولا بالخنثیٰ لان لحمها لا ینضج، شرح وہبانیہ قتاوی عالمگیریہ میں ہے لا تجوز التضحیۃ بالشاۃ الخنثیٰ لان لحمها لا ینضج، کذا فی القنیۃ، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۔ از کلکتہ، دھرم تلا اسٹریٹ ۱۹۲، مرسلہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب، ۳ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری بچہ جنی، اور بعد جننے کے مرگئی، اب وہ بچہ ایک کُتیا کا دودھ پیکر سیانا ہوا، پس وہ بچہ حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا،

الجواب ۔ اگر ایسا سیانا ہوگیا، کہ دودھ چھٹے کچھ مدت گزری، جب تو بالاتفاق بلاکراہت حلال ہے، یونہی دودھ پیتے کو چند روز اس دودھ سے جدا رکھ کر حلال جانور کا دودھ یا چارا دیا اور اس کے بعد ذبح کیا، جب بھی بالاتفاق بے کراہت حلال ہے، اور اگر اُسی حالت میں ذبح کرلیا تو اس کا کھانا مکروہ ہے، اس صورت میں کراہت بھی محل نزاع نہیں، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے یعنی کھانا بہتر نہیں، اور کھائے تو گناہ نہیں، یا تحریمی یعنی کھانا ناجائز وگناہ ہے، عامہ کتب معتمدۂ مذہب مثل نوازل، وخلاصہ وخانیہ وذخیرہ وبزازیہ وتبیین الحقائق وتکملہ لسان الحکام للعلامۃ ابراہیم الحلبی ودرمختار وغیرہا میں قول اول ہی پر جزم فرمایا، اور خود محرر مذہب سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس پر نص صریح آیا، اور شک نہیں کہ وہی اقویٰ من حیث الدلیل ہے، درمختار میں ہے حل اکل جدی غذی بلبن خنزیر لان لحمہ لایتغیر وماغذی بہ یصیر مستہلکا، لایبقی لہ اثر، خلاصہ میں ہے فی النوازل لوان جدیا غذی بلبن الخنزیر فلا باس باکلہ، فعلی ھذا قالوا لاباس باکل الدجاج الذی یخلط ولا یتغیر لحمہ، والذی روی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ قال تحبس الدجاجۃ ثلثۃ ایام کان للتنزیہ، اُسی سے تکملۂ لسان میں نقل فرمایا، اسی طرح بقیۂ کتب مذکورہ میں ہے، ہندیہ کی کتاب الکراہیۃ میں قنیہ سے ہے ذکر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ جدی ا ... یرضع بلبن الاتان یحل اکلہ ویکرہ، اسی قنیہ میں بعض علما سے قول ثانی نقل کیا، وہی ظاہر اکلام فتاوی کبریٰ وخزانۃ المفتین کا مفاد، اور امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشاد سے مستفاد، ردالمحتار میں ہے فی شرح الوھبانیۃ عن القنیۃ ر اقما انہ یحل اذا ذبح بعد ایام والا لا۔ سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین حاشیۂ کنز میں فرماتے ہیں الجدی اذا ربی بلبن الاتان، قال ابن المبارک یکرہ اکلہ قال واخبرنی رجل عن الحسن، قال اذا ربی الجدی بلبن الخنزیر لاباس بہ، قال معناہ اذا اعتلف ایاما بعد ذلک کالجلالۃ لہ کذا بخط شیخنا عن الخانیۃ، ہندیہ کی کتاب الصید والذبائح میں ہے الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما، فلاباس لانہ بمنزلۃ الجلالۃ، والجلالۃ اذا حبست ایاما فعلفت لاباس بہا فکذا ھذا، کذا فی الفتاوی الکبری اسی طرح خزانۃ المفتین میں برمز ک، فتاوی کبریٰ سے منقول، فقد علق نفی الباس علی الاعتلاف فافاد وجود کا

عند عدمه، والباس انما هو فیما ینهی عنه، لہذا اختلاف علماء سے بچنے کے لئے اسلم وہی ہے کہ چند روز کا وقفہ دے کر ذبح کریں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از شیر پور، ضلع پیلی بھیت، مرسلہ محمد منگل خانصاحب تعلقہ دار، ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بچہ ہرنی کا کتی کا دودھ پی کر پرورش ہوا، اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ۔ اگر اب دودھ چھوڑے ہوئے ایک زمانہ گزرا، تو اس کا گوشت حلال ہے، اور اگر اب بھی پیتا ہے، تو چند روز وہ دودھ چھڑائیں، پاک دودھ پلائیں، یا چارہ کھلائیں، یہاں تک کہ پیٹ میں وہ دودھ بالکل نہ رہے، اس وقت اُسے ذبح کرکے کھا سکتے ہیں، عالمگیریہ میں ہے الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلاباس، لانه بمنزلة الجلالة والجلالة اذا حبست ایاما فعلفت لاباس بها فكذا هذا، كذا فی الفتاوی الكبری، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از شہر کہنہ اپر بریلی، مرسلہ محمد یعقوب صاحب امام مسجد شہر مذکور، ۷ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی جانور آدمی کا دودھ پیئے گا، تو اس کا گوشت کھانا کیسا ہے، بینوا توجروا،

الجواب ۔ جس جانور نے آدمی کا دودھ پیا ہو، وہ اس کے باعث حرام نہیں ہو جاتا، اگرچہ پوری پرورش انسان بلکہ خنزیر کے دودھ سے پائی، غایت یہ کہ چند روز بند کرکے چارہ کھلائیں۔ یا حلال جانور کا دودھ پلائیں اس کے بعد ذبح کریں، خانیہ میں ہے لو ان جدیا غذی بلبن الخنزیر لاباس باكله، ہندیہ میں ہے الجدی اذا كان ربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلاباس، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ مرسلہ مولا بخش ہولا پاڈنگ، چاہ بگان، ڈاکخانہ ٹاکور باڑی، ضلع ڈونگ، بتاریخ، ۳ شعبان ۱۳۳۲ھ

جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب مصدر اشفاق فراواں و مخزن الطاف بیکراں برحال بیکساں، بعد سلام مسنون اسلام مشہود، ضمیر مبین باد، کے عرصہ بعید منقضی ہوتا ہے کہ خاکسار نے حضور کے گوش گزار کیا تھا، کہ کوئی مشرک یا کافر کسی جانور کو کالی یا بھوانی کے بھوگ چڑھاوے، اور بل دینے کو بیا وے، اور بل نہ دے، یعنی گردن نہ مارے صرف کان کاٹ کر چھوڑ دیوے، یہ کہکر کے یا بھوانی یا کالی یہ تمہارا بھوگ ہے، تو اُس جانور کو ذبح کرنا، اور کھانا مسلمانوں کو جائز اور درست ہے یا نہیں، ہم نے اُن کو بموجب آیہ شریف وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ منع کیا کہ جس جانور یا مٹھائی وغیرہ کو مشرک یا کافر اپنے بتوں کو چڑھادیں وہ نہ کھانا چاہئے۔ تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ عالموں نے فتویٰ دیا ہے کھانے کے لئے، اس وجہ سے ہم لوگ چڑھائے ہوئے جانور کو کھاتے ہیں، چونکہ اُس

زمانہ میں بہت سا اختلاف ہو رہا ہے، اور لوگوں نے کئی ایک طریقہ اختیار کیا ہے، اس لئے آپ سے التجا ہے کہ آپ گویا اس وقت کے امام ہیں، ہادیٔ گمراہاں سمجھ کر درخواست کرتے ہیں، شاید ہم غلطی پر ہوں، اور آپ کے باعث ہم کو راہِ راست نصیب ہو، للہ جواب خط سے ضرور سرفراز فرمادیں، اس کا اجر آپ کو اللہ تعالیٰ عطا فرمادے گا، جواب کے لئے لفافہ خط کے شامل خدمت والا میں ارسال کرتا ہوں،

الجواب - مشرکین اپنے بتوں کے لئے سانڈ چھوڑتے، اُسے سائبہ کہتے جسے کان چیر کر چھوڑتے، اُسے بحیرہ کہتے، اور ان جانوروں کو حرام جانتے، اللہ تعالیٰ نے اُن کا رد فرمایا کہ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِيۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيۡلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰـكِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡـكَذِبَ وَاَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ یعنی یہ باتیں اللہ نے تو ٹھہرائیں نہیں، لیکن کافر اُس پر جھوٹ باندھتے ہیں، تو اُن جانوروں کو حرام بنانا کافروں کا قول، اور قرآن مجید کے خلاف ہے، اور آیہ ما اھل بہ لغیر اللہ اُس جانور کے لئے ہے جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا جائے، چھوڑے ہوئے جانور سے اُسے کوئی تعلق نہیں، نہ کہ مٹھائی تک پہنچے، یہ تعصب وہابیوں کے جاہلانہ خیال ہیں، کہ جاندار یا بیجان، ذبیحہ ہو یا غیر، جس چیز کو غیر خدا کی طرف منسوب کرکے پکاریں گے، حرام ہو جائے گی، ایسا ہو تو اُن کی عورتیں بھی اُن پر حرام ہوں کہ وہ بھی اُنھیں کی عورتیں کہہ کر پکاری جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کا نام ان پر نہیں لیا جاتا، ایسے بیہودہ خیالوں سے بچنا لازم ہے، ہاں بت کے چڑھاوے کی مٹھائی پرشاد مسلمانوں کو نہ لینا چاہئے کہ کافر اسے صدقہ کے طور پر بانٹتے ہیں، وہ لینا ذلت بھی ہے، اور معاذ اللہ جو چیز انھوں نے تعظیم بت کے لئے بانٹی، اُس کا اُن کے موافق مراد استعمال بھی ہے، بخلاف چھوڑے ہوئے جانور کے کہ اس کا کھانا کافروں کے خلاف مراد اور اُن کی ذلت ہے، اسمیں حرج نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو، ورنہ فتنہ سے بچنا لازم ہے قال اللہ تعالیٰ اَلۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ،

واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - مسئولہ مسلمانان کاٹھیاواڑ جام جودھپور، معرفت شیخ عبدالستار پوربندر، کاٹھیاواڑ ۲۰ رجب الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

اس ملک میں یہ رواج ہے کہ اہل ہنود بکریوں کے چرواہے مندروں پر بکرا چڑھانے کے واسطے لیجاتے ہیں اور اُس کے ذبح کرنے کے واسطے مسلمان قصاب کو بلاتے ہیں، اور اکثر قصاب نہیں ہوتے تو پیش امام کو لیجاتے ہیں، اور بعد ذبح کے وہ گوشت انھیں لوگوں پر تقسیم کیا جاتا ہے، اس گوشت کا لینا جائز ہے یا نہیں، اور ذبح کرنے کے واسطے جانا چاہئے یا نہیں، اور قصاب وہاں سے گوشت لیکر فروخت کرتے ہیں، اُن سے خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب - ذبح میں ذابح کی نیت شرعاً معتبر ہے، اگر کافر اپنے معبودوں کے لئے ذبح کرائے، اور مسلمان اللہ عزوجل کے لئے اس کا نام پاک لیکر ذبح کرے، جانور حلال ہو جائے گا، مگر یہ فعل مسلمان کے لئے مکروہ ہے، اور اُس گوشت کا اس سے لینا بھی نہ چاہئے، کہ اُس میں کافر کے زعم میں اُس کے مقصد باطل کا پورا کرنا ہے، اور یہ گوشت گویا اسکی

طرف سے تصدق لینا ہے، والید العلیا خیر من الید السفلیٰ، ولا ینبغی لید کافر ان تکون اعلیٰ من ید مسلم، والمسئلۃ منصوص علیہا فی العالمگیریۃ، والتاتارخانیۃ، انہ یحل ویکرہ للمسلم، ہاں قصاب وغیرہ جس مسلمان نے اُس سے گوشت لیا، اور بعد ذبح مسلم، نظر مسلم سے غائب نہ ہوا تھا، اُس کے خرید نے میں حرج نہیں

واللہ تعالےٰ اعلم

مسئلہ ۔ مرسلہ شیخ گھورا، موضع یکسڑا، ڈاکخانہ ایٹاری، ضلع شاہ آباد آرہ، ۱۷ر صفر ۱۳۳۵ھ

اگر ہندو کسی جانور، یعنی بکرا، بکری، بھیڑا، بھیڑی وغیرہ کو کسی اپنے دیوتا کے نام پر، یا دیوتا کی جگہ پر لیجاکر اُس کا کان کاٹ ڈالے، اور بعد میں اس جانور کو کسی مسلمان کے ہاتھ بیچ ڈالے، اور وہ مسلمان اس جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کرکے کھائے، تو وہ جانور یا اُس کا کھانا حلال ہے یا حرام، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ حلال ہے قال اللہ تعالیٰ وَمَا لَکُمْ اَلَّا تَاْکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از چتوڑ گڑھ، علاقہ اودیہ پور، راجپوتانہ مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب، ۲ر ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ بروز شنبہ

سانڈ حرام ہے یا حلال، فتاوی عبدالحی صاحب لکھنوی جلد سوم میں حرام لکھا ہے، اس بناپر کہ وہ سانڈ مالک کی ملک سے خارج نہیں۔ خراطین یا کسی مکروہ تحریمی یا حرام شئی کا جلا کر کھانا، یا جس شئی میں جلائی ہے مثلاً گھی وغیرہ، اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب الملفوظ ۔ ۱ سانڈ اگر اللہ کے لئے ذبح کر دیا جائے گا تو اس کے گوشت کی حلت میں تو کوئی کلام ہی نہیں، قال اللہ تعالیٰ مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ کافروں کا یہ اعتقاد تھا کہ کان چیر کر چھوڑ دیا یا بجار کر دیا تو اس کا کھانا حرام ہے، قرآن عظیم نے اس کا رد فرما دیا، رہا ملک غیر کی وجہ سے حرام ہونا یہ معصوم وغیر معصوم میں عدم تفرقہ سے ناشی ہے، کافر کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن نہ مستامن منہ، یعنی نہ وہ اس کی امان میں ہو، نہ یہ اس کی امان میں، اس سے صرف غدر حرام ہے، ہاں ایک اور راہ سے یہاں عدم جواز آسکتا ہے، وہ یہ کہ یہ صورت اگر قانوناً جرم ہو تو ایسا مباح جو مسلمان کو معاذ اللہ ذلت پر پیش کرے شرعاً ممنوع ہو جاتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، ۲ حرام شئی جلنے کے بعد بھی حرام ہی رہے گی، اور دوسری شئی میں اگر ایسی مخلوط ہوگی، کہ تمیز ناممکن ہے، تو اُسے بھی حرام کر دے گی، اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از ملک آسام، مقام نوعلی کل گاؤں، ضلع شیب ساگر، مرسلہ پیر ملا مولوی سید عبدالمجید صاحب، ۱۶ر رمضان ۱۳۱۲ھ

علمائے دین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں، کہ ایک بیل غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا ہے، آیا اس جانور کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں یہاں پر بہت اختلاف ہے، اس کو مع دلیل تحریر فرمادیں،

الجواب ۔ اس چھوڑ دینے سے وہ جانور حرام نہیں ہو جاتا، قال اللہ تعالیٰ مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ وَّلَا وَصِیْلَۃٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰکِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَاَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ، تفسیر مدارک شریف

میں ہے "یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ فی نسبتھم ھذا التحریم الیہ، وَاَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ان اللہ تعالٰی لا یحرم ذٰلک" مگر اس چھوڑ دینے سے وہ ملک مالک سے بھی خارج نہیں ہوتا، اُسی کی ملک پر باقی رہتا ہے، کہ بیل چھوڑنے والے چھوڑتے وقت نہ یہ کہتے ہیں، کہ جو اسے پکڑ لے اس کا مالک ہو جائے، نہ وہ ہرگز اس کا پکڑنا روا رکھتے ہیں، بلکہ اُن کی نیت یہی ہوتی ہے کہ یہ یونہیں چھوٹا پھرے، تو یہ جانور بدستور انھیں کا مملوک رہتا ہے فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے "لو سیب دابۃ، وقال لاحاجۃ لی الیھا، ولم یقل ھی لمن اخذھا فاخذھا الانسان لاتکون لہ"، اس وجہ سے اس کا پکڑنا، ذبح کرنا، کھانا، کچھ جائز نہیں، کہ وہ ملک غیر ہے، یہانتک کہ اگر مالک اجازت دیدے بلا شبہہ حلال ہو جائے، یا اگر کسی شخص کا اس بیل چھوڑنے والے پر کچھ دین آتا ہو، مثلاً اس نے کچھ مال اسکا چھینا، یا چرایا، یا سود، یا رشوت میں لیا ہو، اور اس سے وصول کی امید نہیں، تو یہ شخص اپنے آتے میں اس بیل کو لے سکتا ہے، جبکہ اس کی قیمت اُس کے مقدار حق سے زائد نہ ہو، "وھی مسئلۃ الظفر بخلاف جنس الحق المفتی الاٰن بجواز اخذہ کما فی رد المحتار وغیرہ"، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از اودے پور، میواڑ، مہارانا ہائی اسکول، مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب، ۱۸ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں بکرا جو شیخ سدو کے نام سے، یا دوسرے کسی بزرگ کے نام سے موسوم کیا جائے، اور وہ بکرا اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا جاوے، اس کا کھانا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں، اور "وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ" سے مراد قبل ذبح کے پکارا جانا ہے یا وقت ذبح کے؟

الجواب الملفوظ ۔ اصل کلی اس میں یہ ہے کہ ذابح کی نیت اور وقت ذبح اس کے تسمیہ کا اعتبار ہے، اس کے سوا کسی بات کا لحاظ نہیں، اگر مالک نے خاص اللہ عزوجل کے لئے نیت کی، اور ذابح نے بسم اللہ کی جگہ بسم فلاں کہا، یا بسم اللہ ہی کہا، اور اراقتِ دم سے عبادت غیر خدا مقصود رکھی، ذبیحہ مردار ہو گیا، اور اگر مالک نے کسی غیر خدا اگرچہ بُت یا شیطان کے لئے نیت کی، اور اُسی کے نام کی شہرت دی اور اُسی کے لئے ذبح کرنے کے واسطے ذابح کو دیا، اور ذابح نے خاص اللہ عزوجل کے لئے اُس کا نام پاک لیکر ذبح کیا، بنص قطعی قرآن حلال ہو گیا، قال اللہ تعالٰی "وَمَا لَکُمْ اَلَّا تَاْکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ" تمھیں کیا ہوا کہ اُس چیز میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا، عالمگیری میں ہے "مسلم ذبح شاۃ المجوسی، لبیت نارھم، او الکافر لاٰلھتھم، توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم" کذا فی التاتارخانیۃ، اس مسئلہ کی تحقیق و تفصیل ہمارے رسالے "سبل الاصفیا فی حکم الذبح للاولیاء" میں ہے، اور شیخ سدو کوئی بزرگ نہیں بلکہ ایک روح خبیث ہے، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از قصبہ کلی ناگر، تھانہ مادھوٹانڈہ، پرگنہ پورنپور، ضلع پیلی بھیت، مرسلہ محمد اکبر علی صاحب، ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے شیخ سدو کے نام سے مرغ وغیرہ ذبح کرایا، اور میلاد بھی زید نے پڑھوایا، تو زید کے مکان پر میلاد پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اور کھانا زید کا میلاد خواں نے کھایا تو وہ اس کے حق میں کیسا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب۔ ذکر میلاد شریف بہ نیت ہدایت پڑھے، اور اس میں ایسی ارواح کی تکریم سے ممانعت کرے جن کا اسلام تک معلوم نہیں، بلکہ بعض علماء نے اُنھیں ارواح خبیثہ لکھا، اور وہ مرغ وغیرہ ذبیحہ نہ کھائے، جو ایسوں کے لئے ذبح ہوا، اور بہتر یہ ہے کہ اُس کے یہاں کا اور کھانا بھی نہ کھائے، جب تک وہ توبہ نہ کرے زجرًا له وتوبیخًا، اور اگر یہ عالم مقتدیٰ ہے تو ایسوں کے ساتھ، اور اُن کے یہاں کھانا کھانے سے احتراز اور اہم ہے کما نص علیه فی الهندیة وغیرها، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ۔ از کلی ناگر، ضلع پیلی بھیت، مرسلہ اکبر علی صاحب ۶ رجمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان میں چچا اور بھائی اور بھتیجا رہتے ہیں، اور حقہ پانی ان سب کا ایک ہے، اور بھتیجے نے شیخ سدو کے نام سے جانور ذبح کیا، اور کوئی مولوی صاحب اس کے چچا یا بھائی کے یہاں آکر ٹھہرے، اور مولوی صاحب کو معلوم ہوگیا کہ ان کا بھتیجا غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح کرواتا ہے، اور چچا اور بھائی کو کھلاتا ہے، تو جو مولوی صاحب اس کے چچا کے یہاں مقیم ہیں اُن مولوی صاحب کو ان کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں، اور مولوی صاحب سے کہا گیا کہ اس کے گھر کا کھانا نہ کھاؤ، تو در جواب مولوی صاحب نے کہا کہ تم کون ہو ہم کسی کا کہنے کو نہیں مان سکتے ہیں، مولوی صاحب کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب۔ جانور جو اللہ عزوجل کے نام پر ذبح کیا جائے، اور اس سے اللہ عزوجل ہی کی طرف تقرب مقصود ہو، اگرچہ اُس پر باعث مسلمان کا اکرام، یا اولیاء کرام کا، خواہ اموات مسلمین کو ایصال ثواب، یا اپنے کوئی جائز مثل تقریب شادی نکاح وغیرہ یا جائز انتفاع، مثل گوشت فروشی قصاباں ہو تو اس کے جائز وحلال ہونے میں شک نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ تمھیں کیا ہوا کہ اس چیز سے نہ کھاؤ جس پر اللہ سبحٰنہ کا نام پاک لیا گیا، مگر خبیث روحوں کو منافا تقرب الی اللہ نہیں ہوسکتا، شیخ سدو بھی ارواح خبیثہ سے شمار کیا گیا ہے، تو ذبح کرنے والے کی نیت اگر شیخ سدو کی طرف تقرب کی ہو، جانور بلاشبہہ مردار ہو جائے گا، اگرچہ بظاہر تکبیر ہی کہہ کر ذبح کیا گیا ہو، یہاں ذابح کی ہی نیت کا اعتبار ہے، اگرچہ مالک کی نیت کچھ ہو، مثلاً مالک نے خاص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کرنے کو جانور دیا ہو، ذابح نے اُسے کسی بُت کی بھینٹ چڑھا دیا، جانور بیشک حرام ہوگیا، مالک کی نیت کچھ نفع نہ دے گی، یونہیں مالک نے اگر کسی بت یا شیطان ہی کے لئے ذبح کرنے کو کہا، اور ذابح نے خاص معبود برحق جل جلالہ کے لئے ذبح کیا، جانور بیشک حلال ہے، مالک کی نیت کچھ نقصان نہ دے گی، پس صورت مذکورہ میں اگر ذابح نے سدو کی طرف تقرب کی نیت سے ذبح کیا، اور ان مولوی

کو اُس کا یہ حال معلوم تھا، پھر اُس گوشت سے کھایا، تو یہ شخص مردار خوار ہوا، اور اُس کے پیچھے نماز منع ہے، اور اگر اُسے ذابح کی نیت معلوم ہوگئی تھی، کہ اُس نے وہ نیت فاسدہ نہ کی بلکہ خالص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کیا، تو اگرچہ جانور حلال ہوگیا، مگر بہتر اس سے بچنا تھا، جبکہ مالک نے غیر خدا کے تقرب کے لئے دیا تھا، خصوصاً اس شخص کو جو مولوی کہلاتا ہو، اور لوگ اُس کے فعل کو حجت جانتے ہوں، عالمگیری میں ہے مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم او الکافر لاٰلھتھم توکل لانہ سمی اللّٰہ تعالٰی ویکرہ للمسلم، اور اگر نیت معلوم نہ تھی، اور یہ جان چکا تھا، کہ یہ لوگ شیخ سدو کے منانے والے ہیں، اور بچنا اور اہم تھا، کہ ارواح خبیثہ کے منانے والوں اور اس سے استعانت کرنے والوں کا ظاہر حال سخت مخدوش ہے، اور ایسی جگہ شبہات سے احترام لازم، اور اگر گوشت نہ کھایا بلکہ اوروں کو کھلایا، تو جب بھی مولوی کہلا کر ایسے لوگوں کے یہاں اکل طعام کہ قلوب مسلمین میں شبہہ ڈالے ہرگز مناسب نہ تھا،

واللہ تعالٰی اعلم

سُبُلُ الاَصْفِیَاء فِی حُکْمِ الذَّبْحِ لِلْاَوْلِیَاء

۱۳۱۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۔ دررد فتوائے بعض معاصرین۔　　۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

از لشکر گوالیار، ڈاک دربارِ بجواب سوال مولوی نور الدین صاحب اوائل ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے ایک بکرا میاں کا اور عمرو نے ایک گائے چہل تن کی اور مرغ مدار کا پالا، اور پال کر ان کو باتکبیر ذبح کیا یا کرایا، اس کا کھانا مسلمانوں کو عند الشرع جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب ۔ حامدًا للّٰہ ومصلیًا ومسلمًا علٰی حبیبک واٰلہ یا وھاب اَللّٰھُمَّ ھدایۃ الحق والصواب۔ **اقول** وباللہ التوفیق، حق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ حلت وحرمت ذبیحہ میں حال وقول ونیت ذابح کا اعتبار ہے، نہ مالک کا، مثلاً مسلمان کا جانور کوئی مجوسی ذبح کرے تو حرام ہوگیا، اگرچہ مالک مسلم تھا، اور مجوسی کا جانور مسلمان ذبح کرے تو حلال، اگرچہ مالک مشرک تھا، یا زید کا جانور عمرو ذبح کرے اور قصداً تکبیر نہ کہے، حرام ہوگیا، اگرچہ مالک برابر کھڑا سو بار بسم اللہ اللہ اکبر کہتا رہے۔ اور ذابح تکبیر سے ذبح کرے تو حلال، اگرچہ مالک ایک بار بھی نہ کہے، ذابح کلمہ گو نے غیر خدا کی عبادت وتعظیم مخصوص کی نیت سے ذبح کیا تو حرام ہوگیا اگرچہ مالک کی نیت خاص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کی تھی،

یوہیں ذابح نے خاص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کیا تو حلال، اگرچہ مالک کی نیت کسی کے واسطے تھی۔

تمام صورتوں میں حالِ ذابح کا اعتبار ماننا اور اس شکلِ خاص میں انکار کر جانا محض تحکم باطل ہے، جس پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں، ولہٰذا فقہائے کرام خاص اس جزئیہ کی تصریح فرماتے ہیں کہ مثلاً مجوسی نے اپنے آتش کدہ یا مشرک نے اپنے بتوں کے لئے مسلمان سے بکری ذبح کرائی اور اُس نے تکبیر کہہ کر ذبح کی، حلال ہے، کھائی جائے، اگرچہ یہ بات مسلم کے حق میں مکروہ، فتاوٰی عالمگیری و فتاوٰی تاتارخانیہ و جامع الفتاوٰی میں ہے مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم او الکافر لاٰلھتھم توکل لانہ سمّی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم۔

پھر مسلمان ذابح کی نیت بھی وقت ذبح کی معتبر ہے، اس سے قبل و بعد کا اعتبار نہیں، ذبح سے ایک آن پہلے تک خاص اللہ عزوجل کے لئے نیت تھی، ذبح کرتے وقت غیر خدا کے لئے اس کی جان دی ذبیحہ حرام ہوگیا، وہ پہلی نیت کچھ نفع نہ دے گی، یوہیں اگر ذبح سے پہلے غیر خدا کے لئے ارادہ تھا، ذبح کے وقت اُس سے تائب ہوکر مولٰی تبارک وتعالٰی کے لئے اراقتِ دم کی تو حلال ہوگیا، یہاں وہ پہلی نیت کچھ نقصان نہ دے گی، ردالمحتار میں ہے اعلم ان المدار علی القصد عند ابتداء الذبح۔

غرض ہر عاقل جانتا ہے کہ تمام افعال میں اصل نیتِ مقارنہ ہے، نماز سے پہلے خدا کے لئے نیت تھی تکبیر کہتے وقت دکھاوے کے لئے پڑھی، قطعاً مرتکب کبیرہ ہوا، اور نماز ناقابل قبول، اور اگر دکھاوے کے لئے اٹھا تھا، نیت باندھتے وقت تک یہی قصد تھا، جب نیت باندھی قصد خالص رب جلّ وعلا کے لئے کرلیا، تو بلاشبہہ وہ نماز پاک وصاف وصالح قبول ہوگئی، تو ذبح سے پہلے کی شہرت، پکار کا کچھ اعتبار نہیں نہ نافع، نفع دے، نہ مضر ضرر۔ خصوصاً جب کہ پکارنے والا غیر ذابح ہو کہ اسے تو اس باب میں کچھ دخل ہی نہیں کما قد علمت وھذا کلہ ظاھر جدًا لایصلح ان یثنا طح فیہ قرناء وجمّاء، پھر اضافت معنی عبادت میں منحصر نہیں کہ خواہی نخواہی مدار کے مرغ یا چہل تن کی گائے کے معنی ٹھہرالئے جائیں کہ وہ مرغ وگاؤ جس سے ان حضرات کی عبادت کی جائے گی، جس کی جان ان کے لئے دی جائے گی، اضافت کو ادنٰی علاقہ کافی ہوتا ہے، ظہر کی نماز، جنازہ کی نماز، مسافر کی نماز، امام کی نماز، مقتدی کی نماز، بیمار کی نماز، پیر کا روزہ، اونٹوں کی زکوٰۃ کعبہ کا حج، جب ان اضافتوں سے نماز وغیرہ میں کفر و شرک و حرمت درکنار نام کو کراہت بھی نہیں آتی، تو حضرت مدار کے مرغ، حضرت احمد کبیر کی گائے، فلاں کی بکری کہنے سے یہ خدا کے حلال کئے ہوئے جانور کیوں جیتے جی مردار اور سور ہوگئے کہ اب کسی صورت حلال نہیں ہوسکتے، یہ شرع مطہر پر سخت جرأت ہے، خود حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اِنَّ اَحَبَّ الصِّیَامِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی صِیَامُ دَاوٗدَ وَاَحَبُّ الصَّلٰوۃِ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ صَلٰوۃُ دَاوٗدَ۔	بیشک سب روزوں میں پیارے اللہ تعالٰی کو داؤد کے روزے ہیں، اور سب نمازوں میں پیاری داؤد کی نماز ہے علیہ الصلاۃ والسلام۔

رواہ الائمۃ احمد والستۃ عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما الا الترمذی فعندہ فضل الصیام وحدہ۔

علماء فرماتے ہیں مستحب نمازوں میں صلاۃ الوالدین یعنی ماں باپ کی نماز ہے، فی ردالمحتار عن الشیخ اسمعیل عن شرح شرعۃ الاسلام من المندوبات صلٰوۃ التوبۃ وصلٰوۃ الوالدین۔

سبحان اللہ! داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی نماز، داؤد (علیہ السلام) کے روزے، ماں باپ کی نماز کہنا صواب پڑھنا ثواب اور جانور کی اضافت وہ سخت آفت کہ قائلین، کفار۔ جانور مردار۔ کیا ذبح نماز روزے سے بڑھکر عبادتِ خدا ہے یا اس میں شرک حرام ان میں روا ہے۔

خود اضافاتِ ذبح کا فرق سنئے:۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں لعن اللّٰہ من ذبح لغیر اللّٰہ خدا کی لعنت ہے اُس پر جو غیر خدا کے لئے ذبح کرے رواہ مسلم والنسائی عن امیر المؤمنین علی ونحوہ احمد عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہم۔

دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ من ذبح لضیفہٖ ذبیحۃ کانت فداءہ من النار جو اپنے مہمان کے لئے جانور ذبح کرے وہ ذبیحہ اس کا فدیہ ہو جائے آتش دوزخ سے، رواہ الحاکم فی تاریخہ عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما۔

تومعلوم ہوا کہ ذبیحہ میں غیر خدا کی نیت اور اس کی طرف نسبت مطلقاً کفر کیا حرام بھی نہیں، بلکہ موجبِ ثواب ہے، تو ایک حکم عام کفر و حرام کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔

ولہٰذا علماء فرماتے ہیں، مطلقاً نیت غیر کو موجب حرمت جاننے والا سخت جاہل اور قرآن وحدیث و عقل کا مخالف ہے، آخر قصاب کی نیت تحصیلِ نفعِ دنیا اور ذابح شادی کا مقصود براتی کو کھانا دینا ہے، نیتِ غیر تو یہ بھی ہوئی، کیا یہ سب ذبیحے حرام ہو جائیں گے، یوں ہی مہمان کے واسطے ذبح کرنا درست و بجا ہے کہ مہمان کا اکرام عین اکرام خدا ہے، درمختار میں ہے لو ذبح للضیف لایحرم لانہ سنۃ الخلیل واکرام الضیف اکرام اللّٰہ تعالٰی۔ ردالمحتار میں ہے قال البزازی ومن ظن انہ لایحل لانہ ذبح لاکرام ابن اٰدم فیکون اھل بہ لغیر اللّٰہ تعالٰی فقد خالف القراٰن والحدیث والعقل فانہ لاریب ان القصاب یذبح للربح ولوعلم انہ بخس لایذبح فیلزمہ ھٰذا الجاھل ان لایاکل ماذبحہ القصاب وماذبح للولائم

والاعراس والعقیقۃ۔

دیکھو! علمائے کرام صراحۃً ارشاد فرماتے ہیں کہ مطلقاً نیت ونسبتِ غیر کو موجب حرمت جاننا اور مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ میں داخل ماننا نہ صرف جہالت بلکہ جنون و دیوانگی اور شرع وعقل دونوں سے بیگانگی ہے کہ جب نفع دنیا کی نیت مخل نہ ہوئی تو فاتحہ اور ایصالِ ثواب میں کیا زہر مل گیا، اور اکرام جہان عین اکرام خدا ٹھہرا تو اکرام اولیاء بدرجۂ اولیٰ۔

ہاں اگر کوئی جاہل اجہل یہ نسبت واضافت بقصد عبادتِ غیر ہی کرتا ہے تو اس کے کفر میں شک نہیں، پھر بھی اگر ذابح اس نیت سے بری ہے تو جانور حلال ہو جائے گا، کہ نیتِ غیر اس پر اثر نہیں ڈالتی کما حققنا آنفاً مگر جب کہ ہم حدیثاً وفقہاً دلائل قاہرہ سے ثابت کر چکے کہ اضافت معنیٔ عبادت ہی میں منحصر نہیں، تو صرف اس بنا پر حکم کفر محض جہالت وجرأت وحرام قطعی اور مسلمانوں پر ناحق بدگمانی ہے، تم سے کس نے کہدیا کہ وہ آدمیوں کا جانور کہنے سے عبادت آدمیان کا ارادہ کرتے اور انھیں اپنا معبود و خدا بنانا چاہتے ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘-اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ اے ایمان والو! بہت سے گمان سے بچو بیشک کچھ گمان گناہ ہیں۔

اور فرماتا ہے:۔

وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌؕ-اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـٴُـوْلًا۔ بے یقین بات کے پیچھے نہ پڑ، بیشک کان، آنکھ اور دل سب سے سوال ہونا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اِیَّاکُمْ وَالظن فان الظن اکذب الحدیث گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔

رواہ الائمۃ مالک والشیخان وابوداؤد والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:۔

افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم اقالھا ام لا تونے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ دل کے عقیدے پر اطلاع پاتا رواہ مسلم، عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

امام عارف باللہ سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

انما ینشأ الظن الخبیث عن القلب الخبیث، نقلہ سیدی عبد الغنی النابلسی فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ (بدگمانی، خبیث دل سے ہی پیدا ہوتی ہے)

ولہٰذا منیہ و ذخیرہ و شرح وہبانیہ و درمختار وغیرہا میں ارشاد فرمایا:۔

انا لا نسیئ الظن بالمسلم انه یتقرب الی الآدمی بهذا النحر ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے آدمی کی طرف تقرب چاہتا ہو،

ردالمحتار میں ہے :- ای علی وجه العبادة لانه المکفر وهذا بعید من حال المسلم یعنی اس تقرب سے تقرب بروجہ عبادت مراد ہے کہ اسی میں کفر ہے اور اس کا خیال مسلمان کے حال سے دور ہے

بلکہ علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود ذابح خاص وقتِ ذبح تکبیر میں یوں کہے بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو یہ کہنا مکروہ تو بیشک ہے مگر کفر کیسا، جانور حرام بھی نہ ہوگا، جبکہ اس لفظ سے اس کی نیت حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم محض ہو، نہ معاذ اللہ حضور کو رب عزوجل کے ساتھ شریک ٹھہرانا،

امام اجل فقیہ النفس قاضی خاں اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں :-

رجل ضحی وذبح وقال بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد علیہ السلام قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالیٰ ان اراد الرجل بذکر اسم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بتبجیلہ و تعظیمہ جاز ولا باس وان اراد بہ الشرکۃ مع اللہ تعالیٰ لا تحل الذبیحۃ۔

بلکہ اس سے بھی زائد خاص صورتِ عطف میں مثلاً "بنامِ خدا و بنام فلاں" جس سے صاف معنیٰ شرکت ظاہر ہے اگرچہ مذہب صحیح حرمتِ جانور ہے، مگر حکم کفر نہیں دیتے کہ وہ امر باطنی ہے، کیا معلوم کہ اس کی نیت کیا ہو،

درمختار میں ہے ان عطف حرمت نحو باسم اللہ واسم فلان ۔ ردالمحتار میں ہے ہو الصحیح وقال ابن سلمۃ لا تصیر میتۃ لانہا لو صارت میتۃ یصیر الرجل کافرا، خانیہ، قلت تمنع الملازمۃ بان الکفر امر باطنی والحکم بہ صعب فیفرق کذا فی شرح المقدسی، شرنبلالیۃ،

اللہ اکبر! خود ذابح خاص تکبیر ذبح میں نامِ خدا کے ساتھ نامِ غیر ملا کر پکارے اور کافر نہ ہو،

جبتک معنیٰ شرک کا ارادہ نہ کرے بلکہ بے حرفِ عطف "بنامِ خدا بنامِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کہے اور اس نام پاک کے لینے سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہی چاہے، حضور کی عظمت ہی کے لئے خاص وقت ذبح بنامِ خدا کے ساتھ بنامِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہے تو جانور میں اصلا حرمت و کراہت بھی نہیں، مگر پیش از ذبح اگر کسی نے یوں پکار دیا کہ فلاں کا بکرا، فلاں کی گائے، تو پکارنے والا مشرک اور اس کے ساتھ یہ لفظ منہ سے نکلتے ہی جانور کی بھی کایا پلٹ ہو کر فوراً بکری سے کتا، گائے سے سور، اگرچہ وہ منادی غیر ذابح ہو، اگرچہ ابھی نہ وقتِ ذبح نہ دمِ تکبیر۔ معاذ اللہ۔ وہ لفظ کیا تھے جادو کے انچھر تھے کہ چھوتے ہی جانور کی ماہیت بدل گئی، ایسے زبردستی کے احکام شرع مطہر سے بالکل بیگانہ ہیں۔

بڑی دلیل ان کے قصدِ عبادتِ غیر و معنی شرک پر یہ پیش کی جاتی ہے کہ اس ذبح کے بدلے گوشت خرید کر تصدق کرنا ان کے نزدیک کافی نہیں ہوتا، تو معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب مقصود نہیں، بلکہ خاص ذبح للغیر و شرکِ صریح مراد ہے، اگرچہ وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ ہمارا مطلب صرف ایصالِ ثواب ہی ہے۔

اقول اس سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ خاص ذبح مراد ہے، ذبح للغیر کہاں سے نکلا، کیا ثواب ذبح کوئی چیز نہیں یا گوشت دینے میں وہ بھی حاصل ہو جاتا ہے، عنایہ میں ہے:

التضحیۃ فیھا افضل من التصدق بثمن الاضحیۃ لان فیھا جمعا بین التقرب باراقۃ الدم والتصدق والجمع بین القربتین افضل اھ ملخصا۔

معہذا عوام ایسی اشیاء میں مطلقاً تبدیل پر راضی نہیں ہوتے، مثلاً جو آٹے کی چٹکی روزانہ اپنے گھر کے خرچ سے نکالتے اور ہر ماہ لے پکا کر حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز دلا کر محتاج کو کھلاتے ہیں، اگر ان سے کہئے کہ یہ آٹا جو جمع ہوا ہے اپنے خرچ میں لائیے اور اس کے عوض اور پکائیے، کبھی نہ مانیں گے حالانکہ آٹے میں کوئی ذبح کا محل نہیں، اور ذبح میں بھی اگر اس جانور کے بدلے دوسرا جانور دیجئے ہرگز نہ لیں گے۔ حالانکہ ادائے ذبح میں دونوں ایک سے، تو اُس کا کافی نہ سمجھنا اسی خیال تعیین و تخصیص کی بنا پر ہے نہ معاذ اللہ اس توہم باطل پر خصوصاً جبکہ وہ بیچارے صراحۃً کہہ رہے ہیں کہ حاشا للہ ہم عبادت غیر نہیں چاہتے، صرف ایصال ثواب مقصود ہے،

اور اگر انصاف کیجئے تو دربارۂ عدم تبدیل ان کا وہ خیال بے اصل بھی نہیں، اگرچہ انھوں نے اس میں تشدد زیادہ سمجھ لیا ہو جن چیزوں پر نیت قربت کرلی گئی، شرع مطہر بھی بلا وجہ ان کا بدلنا پسند نہیں لاسیما اذا کان النزول الی الناقص کما ھھنا وکل ذٰلک ظاھر جدًا۔

ولہٰذا اگر غنی قربانی کے لئے جانور خریدے اور اس معین کی نذر نہ ہو تو جانور متعین نہیں ہو جاتا اسے اختیار ہے کہ اس کے بدلے دوسرا جانور قربانی کرے پھر بھی بدلنا مکروہ ہے کہ جب اس پر قربت کی نیت کرلی تو بلا وجہ تبدیل نہ چاہیے، ہدایہ میں ہے بالشراء للتضحیۃ لا یمتنع البیع۔ اُسی میں ہے ویکرہ ان یبدل بھا غیرھا۔ اسی تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے۔

بالجملہ مسلمانوں پر بدگمانی حرام اور حتی الامکان اس کے قول و فعل کو وجہ صحیح پر حمل واجب، اور یہاں ارادۂ قلب پر بے تصریح قائل حکم لگانے کی اصلا راہ نہیں، اور حکم بھی کیسا کفر و شرک کا، جس میں اعلیٰ درجہ کی احتیاط فرض یہاں تک کہ ضعیف سے ضعیف احتمال بچاؤ نکلتا ہو تو اسی پر اعتماد لازم، کما حقق کل ذٰلک الائمۃ المحققون فی تصانیفھم الجلیلۃ۔

اگر بالفرض بعض کودن احمقوں پر بہ ثبوت شرعی ثابت بھی ہو کہ ان کا مقصود معاذ اللہ عبادتِ غیر ہے تو حکم کفر صرف انھیں پر صحیح ہوگا اُن کے سبب حکم عام لگا دینا، اور باقی لوگوں کی بھی یہی نیت سمجھ لینا محض باطل قال اللہ تعالٰی لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ج، پس حق یہ ہے کہ نہ مطلقًا اس نام پکارنے پر حکم شرک صحیح نہ اس وجہ سے جانور کو مردار مان لینا درست بلکہ حکم ترک کے لئے قائل کی نیت پوچھیں گے، اگر اقرار کرے کہ اس کی مراد عبادتِ غیر ہے تو بیشک مشرک کہیں گے، ورنہ ہرگز نہیں، اور حکم حرمت میں صرف قول وفعل ونیت ذابح خاص وقتِ ذبح پر مدار رکھیں گے۔ اگر مالک خواہ غیر مالک کسی کلمہ گو نے معاذ اللہ اسی نیتِ شرک کے ساتھ ذبح کیا تو بیشک حرام کہ وہ اس نیت سے مرتد ہوگیا، اور مرتد کا ذبیحہ نہیں، اور اگر اللہ عزوجل کے لئے جان دی اور قصدًا تکبیر ترک نہ کی تو بیشک حلال، اگرچہ اس پر باعث ایصال ثواب یا اکرام اولیاء یا نفع دنیا وغیرہا مقاصد ہوں، اگرچہ مالک غیر ذابح کی نیت معاذ اللہ وہی عبادتِ غیر ہو، اگرچہ پیش از ذبح یا غیر ذابح نے وقت ذبح کسی کا نام پکارا ہو، مالک سے وہ نیتِ ناپاک ثابت ہونا بھی ذابح پر کچھ مؤثر نہیں، جب تک خود اس سے بھی اسی نیت پر جان دینا ثابت نہ ہو کہ جب اس سے وہ نیت ثابت نہیں، اور مسلمان اپنے رب عزوجل کا نام لیکر ذبح کر رہا ہے تو اس پر بدگمانی حرام وناروا ہے، اوہامِ تراشیدہ پر مسلمان کو معاذ اللہ مرتکب کفر سمجھنا حلالِ خدا کو حرام کہدینا، نامِ الٰہی عزوجل جو وقت تکبیر لیا گیا باطل وبے اثر ٹھہرانا ہرگز وجہ صحت نہیں رکھتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ؕ تمھیں کیا ہوا کہ نہ کھاؤ اس جانور سے جس کے ذبح میں اللہ کا نام یاد کیا گیا

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

انما کلفنا بالظاہر لا بالباطن فاذا ذبحہ علی اسم اللہ وجب ان یحل ولا سبیل لنا الی الباطن،

(یعنی ہمیں شرع مطہر نے ظاہر پر عمل کا حکم فرمایا ہے باطن کی تکلیف نہ دی، جب اس نے اللہ عزوجل کا نامِ پاک لے کر ذبح کیا جانور حلال ہوجانا واجب ہوا کہ دل کا ارادہ جان لینے کی طرف ہمیں کوئی راہ نہیں)

یہ چند نفیس وجلیل فائدے حفظ کے قابل ہیں کہ بہت ابنائے زمان ان میں سخت خطا کرتے ہیں، وباللہ العصمۃ والتوفیق وبہ الوصول الی التحقیق، واللہ سبحٰنہ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم،

مسئلہ ۔ از شہر بریلی مسئولہ عبدالجلیل طالب علم ۲۹ رمحرم الحرام ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گائے ذبح کی گئی، اور اس کا پیٹ جب چاک کیا تو اس میں ایک بچہ زندہ کامل اعضا کا نکلا، مگر اُس کے جسم میں بال نہیں آیا ہے، اس حالت میں بچہ کا گوشت حلال ہو جائے گا یا نہیں، ذبح کرنے سے، اور مردہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے۔

الجواب ۔ بچہ کہ مردہ نکلے حرام، اور زندہ نکلا اور ذبح کرلیا تو حلال، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از اوجین، مکان میر خادم علی، اسسٹنٹ، مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں ۳ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے مدقق ومحققین، ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو بچہ مردہ بکری مذبوحہ کے شکم سے برآمد ہو، بمذہب امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ حلال ہے یا حرام؟ بیان فرمائیں بعبارت کتب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب ۔ ناجائز ہے، ہدایہ وعالمگیریہ میں ہے من نحر ناقۃ اوذبح بقرۃ فوجد فی بطنہا جنینا میتا لم یوکل اشعر اولم یشعر وھذا عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، وقال ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالٰی اذا تم خلقہ اکل، اسی طرح درمختار وغیرہ عامہ کتب میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از ریاست کوٹہ راجپوتانہ، ملک ہاڑوتی، قصبہ سانگور، مسئولہ مسلمانان سانگور، ۲۱ رمضان ۱۳۳۵ھ

ہادیٔ دین، پناہ شریعت، علمائے عظام ومفتیان کرام سلمکم اللہ تعالٰی، بعد سلام علیک کے گذارش ہے کہ یہاں پر قصبہ سانگور، ریاست کوٹہ راجپوتانہ میں کھٹیک لوگ قدیم زمانے سے گوشت کی دوکان کرتے چلے آرہے ہیں، اور مسلمان بھی انھیں کے یہاں سے خریدتے ہیں، اُن کھٹکوں کا دو ایک مرتبہ کچہری میں مردار گوشت کا مقدمہ جاچکا ہے، اس لئے بوجہ شک کے اب اُن کے یہاں سے مسلمانوں نے گوشت لینا قطعاً بند کردیا، اور مسلمان قصائی آباد کرکے اُس کے یہاں سے خریدنا شروع کردیا ہے، مگر دو ایک مسلمان جن کا تجارتی تعلق چمڑے وغیرہ کا کھٹکوں کے ساتھ ہے، وہ ایسا کہتے ہیں کہ یہ ضد اور نیا مسئلہ ہے، جب ایک مدت سے مسلمان کھٹکوں کے یہاں کا گوشت لیتے چلے آرہے ہیں، اور تمام جگہ کھٹک ہی لوگ فروخت کرتے ہیں، تو یہ ایک نئی بات پیدا کرکے کھٹکوں کو ناحق نقصان دیا جارہا ہے، کیا پہلے زمانے میں کوئی عالم نہ تھے، وہ کیوں کھاگئے۔ اُن کے ایسا کہنے پر بہت سے مسلمان برگشتہ ہورہے ہیں، لیکن ساتھ ہی اُس کے دنیا کی بدنامی کا خوف ہے، اور اصلی جواب کے منتظر ہیں، مسلمانوں کی طرف سے کھٹکوں کے ساتھیوں کو سمجھایا گیا کہ تم اُن سے بموجب شرع اس طرح پر انتظام کرادو۔ ۱ نگراں مسلمان رہیں، ۲ گوشت مختلف مکان پر نہ رہو، جہاں مسلمان تجویز کریں، ۳ دبانے والا، ۴ ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔ ان چاروں شرطوں میں سے وہ شرط اول ودوم وچہارم پر رضامند ہوتے ہیں لیکن

یہ رضامندی بھی اُن کی قیاساً نئے انتظام کو قطع کرنے کے لئے معلوم ہوتی ہے، دائمی نہیں معلوم ہوتی ہے، اس لئے حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں، ،

۱ کیا دو شخص کے ورغلانے سے مسلمانوں کو پرانی بات پر جما رہنا چاہئے، اور جو شخص اس پر صاد کرے، اور حکم شرع ایک فضول اور بناوٹی بات بتائے، اور آج تک تائب نہ ہو، مسلمان اُن کے ساتھ کیا سلوک کریں،

۲ کیا مسلمانوں کو ہندو کھٹکوں کے یہاں پر گوشت خریدنے کی ممانعت کا حکم سُنایا جاتا ہے، یہ نیا مسئلہ اور بناوٹی بات ہے؟ ۳ جو شخص مسلمان باوجود سمجھانے کے مسلمان قصائی کو چھوڑ کر پرانی روش پر ضداً ہندو کھٹکوں کے یہاں پر گوشت لینے پر آمادہ ہو، اس پر کیا حکم ہے، ۴ کیا کسی شخص کی خاطر سے ہمارے مذہب کے ایسے حکم کو جس سے ہمارے ایمان میں خلل آنے کا ڈر ہو چھوڑ دینا روا ہے، بینوا توجروا،

الجواب ۔ حکم شرعی یہ ہے کہ مشرک یعنی کافر غیر کتابی سے گوشت خریدنا جائز نہیں، اور اُس کا کھانا حرام ہے، اگرچہ وہ زبان سے سو بار کہے کہ یہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے، اس لئے کہ امور دینی میں کافر کا قول اصلاً مقبول نہیں، درمختار میں ہے خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات، نہایہ وغیرہا میں ہے من الدیانات الحل والحرمۃ، ردالمحتار میں ہے فی التاترخانیۃ قبیل الاضحیۃ عن جامع الجوامع لابی یوسف من اشتری لحما فعلم انہ مجوسی، واراد الرد، فقال ذبحہ مسلم یکرہ اکلہ اھ ومفادہ ان مجرد کون البائع مجوسیا یثبت الحرمۃ، فانہ بعد اخبارہ بالحل بقولہ ذبحہ مسلم کرہ اکلہ فکیف بدونہ، ہاں اگر وقت ذبح سے وقت خریداری تک وہ گوشت مسلمان کی نگرانی میں رہے، بیچ میں کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو، اور یوں اطمینان کافی حاصل ہو کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے تو اُس کا خریدنا جائز اور کھانا حلال ہوگا، جب یہ حکم شرعی معلوم ہوگیا، جواب سوالات ظاہر ہوگیا، وہ پورا طریقہ شرعاً محض حرام تھا، اُس پر جمنا حرام، سخت حرام، اگرچہ دو نہیں دو لاکھ ورغلائیں، جو حکم شرع کو بناوٹی بتائے اگر جاہل ہے سمجھایا جائے، ورنہ اس پر لزوم کفر ہے، توبہ کرے، تجدید اسلام کرے، اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید، یہی حکم اس کے ساتھیوں کا ہے، یہ لوگ جب تک تائب نہ ہوں مسلمان ان سے میل جول نہ کریں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (۲) یہ ممانعت خاص حکم شریعت ہے، اور اس کے بناوٹی کہنے والے کے ایمان پر خطرہ ہے کما تقدم انفا (۳) ایسا شخص حرام خوار، حرام کار، مستحق عذاب پروردگار، سزاوار عذاب نار ہے، تعزیر شرعی یہاں کون کیسے دے سکتا ہے، یہی بس ہے کہ مسلمان اس سے یک لخت قطع تعلق کردیں، قال اللہ تعالٰی لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (۴) ہرگز روا نہیں، اور ایسی خاطر ملعون۔ وہ شرطیں جو اُن سے کیجا رہی ہیں، انہیں مسلمان

کی نگرانی اس طرح کی ہو، جیسی ہم نے بیان کی، کہ وقت ذبح سے وقت خریداری تک کسی آن مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو، ورنہ کافی نہیں، اور دبانے والے کا مسلمان ہونا کچھ ضرور نہیں، ذبح کرنے والا مسلمان چاہئے۔

مسئلہ ۔ از اٹاوہ، محلہ اورنگ آباد، مرسلہ فضل حسین صاحب، سوم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شہر میں گوشت ہندو کھٹک فروخت کرتے ہیں، اور انتظام ذبح یہ ہے کہ گورنمنٹی مذبح بنا ہوا ہے، بعد ملاحظہ ڈاکٹر انگریزی کے (عام اس سے کہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہو) اُسی مذبح میں کل جانور ذبح ہوتے ہیں، کھٹک گوشت بناکر بازار میں لاکر فروخت کرتے ہیں، مذبح پر ایک مسلمان جاتا ہے جس کی نسبت معلوم ہوا کہ ذبح وہی شخص کرتا ہے، اگرچہ عادت مستمرہ وطریقۂ مقررہ تو یہی ہے، لیکن ممکن ہے کہ بخلاف ورزی اس حکم گورنمنٹ کے کوئی جانور خفیۃً اپنے گھروں پر ذبح کرکے اُس کا گوشت بھی اُنھیں جانوروں کے گوشت میں ملاکر فروخت کریں، چنانچہ ایسے مقدمات بھی ہوتے، اور وہ لوگ سزا پاتے ہیں، شہادت اس امر کی کہ گوشت جو فروخت ہو رہا ہے، اُس جانور کا ہے جس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے، بجز قول اُس کافر کے جو گوشت فروخت کر رہا ہے، اور کوئی نہیں ہے، اور نہ وقتِ ذبح سے وقت فروخت تک بالاتصال وہ گوشت کسی مسلمان کے زیرِ نظر رہا، اگرچہ عادتِ معہودہ کے موافق کہا جاسکتا ہے کہ مذبح گورنمنٹی میں ذبح ہوا ہے، اور وہاں مسلمان معمولاً جاتا ہے، اور ایسے مقدمات بھی پیش آتے ہیں، کہ بیمار مویشی وغیرہ بخوف ڈاکٹر کے معائنہ کے گھر پر ذبح کرلیتے ہیں، اور اس گوشت میں شامل کرلیتے ہیں، جو مذبح کے مذبوح جانوروں کا ہے، پس ایسی حالت میں اُس ہندو کھٹک سے خرید کیا ہوا گوشت کھانا جائز وحلال ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں اس سے گوشت کا خریدنا، کھانا، کھلانا، ناجائز ہے، کہ حیوان جبتک زندہ تھا حرام تھا، ذبح شرعی سے حلال ہوگا، اور اُس کا حصول ثابت نہ ہوا، والیقین لا یزول بالشك، اور وہ کافر غیر کتابی اگر کہے بھی کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے، تو یہ خبر مقصوداً امر دیانت وحلت وحرمت میں ہے، اور ان امور میں کافر کی خبر محض باطل ونامعتبر، درمختار وہدایہ وتبیین وہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لافی الدیانات، اشباہ میں اسی قاعدہ کے تحت میں ہے الشاۃ فی حال حیاتھا محرمۃ فالمشتری مستمسك باصل التحریم الی ان یتحقق زوالہ، فتح القدیر میں ہے لا تحل حتی یعلم انھا ذکاۃ مسلم لانھا اصلھا حرام، وشککنا فی الذکاۃ المبیحۃ، تاتارخانیہ میں جامع الجوامع امام ابویوسف سے ہے من اشتری لحما فعلم انہ مجوسی واراد الرد، فقال ذبحہ مسلم یکرہ اکلہ اھ، ردالمحتار میں اسے نقل کرکے فرمایا، ومفادہ

ان مجرد کون البائع مجوسیا یثبت الحرمۃ فانہ بعد اخبارہ بالحل بقولہ ذبحہ مسلم کرہ اکلہ فکیف بدونہ، تأمل، بخلاف اس کے کہ مسلمان اپنے کسی نوکر یا مزدور مشرک کو گوشت لینے بھیجے، اور وہ خرید کر لائے، اور کہے میں نے مسلمان سے خرید اہے، اُس کا کھانا جائز ہوگا، جبکہ قلب میں اس کا صدق جمتا ہو کہ اب یہ اصالۃً دربارۂ معاملات قول کافر کا قبول ہے، اگرچہ حکم دیانت کو متضمن ہو جائے گا، تبیین الحقائق پھر ہندیہ میں ہے لایقبل قول الکافر فی الدیانات الا اذا کان قبول قول الکافر فی المعاملات یتضمن قبولہ فی الدیانات' فح تدخل الدیانات فی ضمن المعاملات، فیقبل قولہ فیھاضرورۃ، ردالمحتار میں ہے' الجواب ان قولہ شریتہ من المعاملات، وثبوت الحل والحرمۃ فیہ ضمنی، فلما قبل قولہ فی الشراء، ثبت ما فی ضمنہ، بخلاف ما یاتی، وکم من شیئ یثبت ضمنا لاقصدا، ولہٰذا اگر وہ نوکر کہے کہ بائع مشرک تھا، گوشت حرام ہوگا، معلوم ہوا کہ بیچنے والے کا مشرک ہونا ہی حرمت گوشت کے لئے کافی ہے، تنویر الابصار و درمختار میں ہے قال اشتریت اللحم من کتابی فیحل، اوقال اشتریتہ من مجوسی فیحرم، ہاں جب تک وہ گوشت ذابح مسلم خواہ اور کسی مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو، تو اُس مسلمان اور نیز دوسرے کو اس مسلم کی خبر پر، کہ یہ وہی گوشت ہے' جو مسلمان نے ذبح کیا، خریدنا اور کھانا سب جائز ہے کہ اب خبر مسلم ہے نہ کافر، مگر وہ مخبر ثقہ نہ ہو تو قلب پر اُس کا صدق جمنا شرط ہوگا، فی التنویر شرط العدالۃ فی الدیانات ویتحری فی الفاسق والمستور

واللہ تعالٰے اعلم

مسئلہ ۔ ، محرم الحرام ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ایک شخص مسلم نے گوسفند ذبح کیا ہوا اپنے ایک ملازم غیر کتابی کے ہاتھ مکان کو بھیجا، اور آورندۂ ذبیحہ نے یہاں کہا کہ یہ ذبیحہ فلاں شخص مسلم نے بھیجا ہے، کھانا اُس کا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ۔ اگر قرائن کی اُسے اُس کافر کے اس قول میں شک نہ پیدا ہو، ظن غالب اُس کے صدق ہی کا ہو، تو مسلمان کے لئے اُس ذبیحہ کے کھانے میں کوئی حرج نہیں، کہ ہدیہ لانا از قبیل معاملات ہے' اور معاملات میں کافر کی بات مقبول، اور جب یہ مان لیا گیا کہ یہ ذبیحہ فلاں مسلم کا بھیجا ہوا ہے، تو اُسکے ضمن میں حلت بھی مسلم ہوگئی، اگرچہ ابتداءً حلت، حرمت، طہارت، نجاست وغیرہا امور خالصہ دینیہ میں کافر کا قول مقبول نہیں، ہدایہ میں ہے من ارسل اجیراً لہ مجوسیا اوخادما فاشتری لحما فقال اشتریتہ من یھودی اونصرانی اومسلم وسعہ اکلہ، لان قول الکافر مقبول فی المعاملات

الخ، تبیین الحقائق و درمختار میں ہے المعاملات یقبل فیھا خبر کل ممیز حرا کان او عبدا مسلما کان او کافرا، کبیرا کان او صغیرا، لعموم الضرورۃ فان الانسان قلما یجد المستجمع لشرائط العدالۃ لیعاملہ او یستخدمہ او یبعثہ الی وکلائہ، ونحو ذٰلک، ولا دلیل مع السامع سوی الخبر الخ، عالمگیری میں ہے یقبل قول الواحد فی المعاملات مسلما کان او کافرا، دفعا للحرج، ومن المعاملات الوکالۃ والمضاربات والرسالات فی الھدایا، والاذن فی التجارات، کذا فی الکافی، اھ ملخصاً، نیز تبیین میں ہے فاذا قبل فیھا قول الممیز وکان فی ضمن قبولہ فیھا قبولہ فی الدیانات تقبل فی الدیانات ضمنا ضرورۃ، وکم من شیئ لا یصح قصدا یصح ضمنا۔ ولان کل معاملۃ لا تخلو عن دیانۃ، فلو لم یثبت فیھا فی ضمن المعاملات لادی الی الحرج، بخلاف الدیانات المقصودۃ، ہاں اگر بنظر قرائن اُس کی بات میں شک پڑے، کچھ فریب معلوم دے، تو ہرگز نہ کھائے کہ ذبیحہ کی حلت مشکوک وموہوم بات سے ثابت نہ ہوگی، فان الحیوان ماکان حیا کان حراما، وانما یحل بذبح مشروع فلا یثبت الطاری بالشك، درمختار میں ہے یقبل قول المملوك ولو انثی، والصبی، فی الھدیۃ، وقیدہ فی السراج بما اذا غلب علی رائہ صدقھم، اھ ملخصا، ردالمحتار میں ہے ثم قال کما فی المنح وان لم یغلب علی رائہ ذٰلك لم یسعہ قبولہ منھم، لان الامر مشتبہ علیہ، اھ قال الاتقانی لان الاصل انہ محجور علیہ، والاذن طاری، فلا یجوز اثباتہ بالشك، الخ

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ ۔ از ضلع لاہور، مقام چونیا مسئولہ انوار الحق، بروز چہار شنبہ، بتاریخ ۱۴ صفر المظفر ۱۳۳۳ھ

اس شہر میں حلال خور یعنی چوہڑے درپردہ گائے ذبح کرا کے گوشت فروخت کرتے ہیں، بعض مسلمان ان سے خرید لیتے ہیں، اگر ان سے منع کیا جائے تو زید کہتا ہے کہ مولوی عبدالحی کے فتاوٰی میں لکھا ہے اگر جانور کو مسلمان ذبح کرے اور فروخت کافر کرے تو کھانا جائز ہے جب شریعت جائز کرتی ہے تو تم کیوں نفرت کرتے ہو۔ یا حضرت چوہڑوں سے گوشت کھانا مسلمان کو بہت بُرا معلوم ہوتا ہے۔ برائے مہربانی تحریر فرمادیں کہ اگر جائز ہو تو نفرت نہ کی جائے فقط

الجواب ۔ گوشت میں اصل کہ جانور مثلاً گائے جبتک زندہ ہے اُس کا گوشت حرام ہے، اگر کوئی ٹکڑا کاٹ لیا جائے، مردار اور حرام ہوگا، "ما ابین فی حی فھو میت" حلت ذکات شرعی سے ثابت ہوتی ہے، تو جب ذبح شرعی معلوم ومتحقق نہ ہو تو حکم حرمت ہے، کافر نے مسلمان سے راس ذبح کرائی اور قبل اس کے کہ مسلمان کی نگاہ سے غائب ہو انھیں سے خرید لیا، یہ جائز ہے، اور اگر مسلمان نے ذبح کیا، اور اس کے بعد جانور اُس کی نظر سے غائب ہوگیا "اور کافر گوشت اُس کی حلت وطہارت کرنا چاہتا ہے"

ـــہ اصل میں اسی طرح ہے، مگر ہونا اس طرح چاہیے " اور کافر گوشت فروش اسکی حلت وطہارت ثابت کرنا چاہتا ہے" ۱۲ عبدالمنان اعظمی

اور حلت وحرمت وطہارت ونجاست خالص امور دیانت ہیں، اور امور دیانت میں کافر کی خبر محض نامعتبر
قال اللہ تعالیٰ لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا o
مسلمان اُس کے گوشت کی خریداری سے نفرت واعراض کرتے ہیں، بہت صحیح وبجا ہے، یہی حکم شرع ہے
بلکہ چوہڑے، چمار اگر مسلمان سے ذبح کرائیں، اور ہنوز نگاہ سے غائب نہ ہو جب بھی خریدنا نہ چاہئے جبکہ قلوب
اس سے تنفر کرتے ہوں، قال صلی اللہ علیہ وسلم: بشروا ولا تنفروا۔ وعنہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایاك
وما یتعذر منہ فان الخبر لا یتخذ منہ۔ وعنہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاك وما یسوء الاذن، ھذا
وفصلناہ فی فتاوٰنا بتوفیق اللہ تعالیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از رامہ، ڈاکخانہ جاتلی، تحصیل گوجرخاں، ضلع راولپنڈی، مرسلہ قاضی تاج محمود صاحب
۱۸ ر شوال ۱۳۳۸ھ

مذبوحہ شدہ مالک کو دستیاب ہو جائے، ذابح نامعلوم ہے، کیا یہ مذبوحہ حلال ہوگی یا نہیں؟

الجواب ۔ حلال ہے، مگر جب کہ اس گمان کا محل ہو کہ ذابح مرتد یا مشرک یا مجوسی ہے، حلبی وشامی علی الدر
میں ہے الاولی ان یقال ان کان الموضع مما یسکنہ او یسلك فیہ مجوسی لا یوکل والا اکل و
لا یعترض بشأن ترك التسمیۃ عمداً، فان ھذا موھوم لا یعارض الراجح۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از موضع بکاجبی والہ، علاقہ جاگل، تھانہ ہری پور، ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خاں، مرسلہ مولوی شیر محمد
۲ ر رمضان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ اگر کوئی شخص کسی کی بکری یا اور کوئی حلال جانور چُرا کر ذبح کرے
تو وہ جانور اُس کے ذبح کرنے سے حلال ہو جائے گا یا نہیں؟ اور اُس کا کھانا کیسا ہے، اور اس ذبح کرنے والے کے
لئے کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ یہ شخص ملک غیر میں بے اس کی اجازت کے تصرف کرنے سے گنہگار ہوا، مگر اگر یہ ذبح کرنے والا
اہل ذبح ہے، اور تکبیر اس نے قصداً ترک نہ کی تو جانور کا ذبح صحیح ہوگیا، یہاں تک کہ اگر یہ جانور مالک نے خاص
قربانی کے لئے خریدا تھا، اور اس شخص نے ایام قربانی میں اپنی طرف سے ذبح کرلیا، اور مالک نے یونہی ذبح
کیا ہوا اُس سے لے لیا، تو مالک کی قربانی ادا ہوگی، اور اگر مالک نے تاوان لے لیا تو ذابح کی قربانی ادا ہوگئی،
اور اگر کوئی شخص کسی کا جانور چوری یا غصب سے لیکر ذبح کرے، اور ابھی پکانے یا بھوننے نہ پایا ہو، تو مالک کو اُس کا
لے لینا اور خود کھانا حلال، اور جسے وہ اجازت دے اُسے بھی حلال، ہاں بے اُس کی اجازت کے یہ ذبح کرنے والا
نہ خود کھا سکتا ہے، نہ دوسرے کو کھلا سکتا ہے، اُسے حرام ہے، جب تک اُس کا تاوان ادا نہ کرے، یہ حرمت تعلق

حقِ غیر کے سبب ہے نہ اس وجہ سے کہ ذبح صحیح نہ ہوا، جس طرح ذابح کے پکا لینے یا بھوننے کے بعد مالک کو اُسکے لے لینے کا اختیار نہیں، کہ اب ذابح اُس کا مالک ہوگیا، اصل مالک کو صرف تاوان لینے کا اختیار رہا، جب یہ تاوان لے لیگا ذابح کو اُس کا کھانا حلال ہوجائے گا، درمختار میں اشباہ سے ہے لو شراھا بنیۃ الاضحیۃ فذبحھا غیرہ بلا اذنہ، فان اخذ ھا مذبوحۃ ولم یضمنہ اجزأتہ، وان ضمنہ لا تجزئہ وھذا اذا ذبحھا عن نفسہ، واما اذا ذبحھا عن مالکھا فلا ضمان علیہ، عالمگیری میں محیط سرخسی سے ہے رجل ذبح اضحیۃ غیرہ عن نفسہ بغیر امرہ، فان ضمنہ المالك قیمتھا یجوز عن الذابح دون المالك، لانہ ظھر ان الاراقۃ حصلت علی ملکہ وان اخذ ھا مذبوحۃ تجزئ من المالك لانہ نواھا فلیس یضرہ ذبح غیرہ لھا، تنویر میں ہے ان غصب وغیّر فزال اسمہ واعظم منافعہ ضمنہ وملکہ بلاحل انتفاع قبل اداء ضمانہ، کذبح شاۃ وطبخھا او شیھا، اھ ملخصا، اُسی میں ہے ذبح شاۃ غیرہ طرحھا المالك علیہ، واخذ قیمتھا، او اخذھا، وضمنہ نقصانھا، ردالمحتار میں ہے لانہ اتلاف من وجہ لفوات بعض المنافع کالحمل والدر والنسل وبقاء بعضھا وھو اللحم، درر، اسی طرح ہدایہ وغیرہا میں ہے، فظھر ان ما وقع فی اٰخر الصید من الدر المختار بما نصہ رأیت بخط ثقۃ سرق شاۃ فذبحھا بتسمیۃ فوجد صاحبھا ھل تؤکل، الاصح لا، لکفرہ بتسمیتہ علی الحرام القطعی بلا تملك ولا اذن شرعی اھ فیحرر اھ فغیر معتمد ولا محرر، لمخالفتہ لما فی الدر وغیرہ عامۃ معتمدات المذھب، ولذا قال فی ردالمحتار المعتمد، خلافہ، بدلیل قولھم لصحۃ التضحیۃ بشاۃ الغصب، واختلافھم فی صحتھا بشاۃ الودیعۃ، ولذا قال السائحانی، اقول ھذا ینافی ما تقدم فی الغصب، وفی الاضحیۃ فلا یعول علیہ، اھ مافی ردالمحتار، **اقول** ویؤیدہ حدیث شاۃ ذبحت بغیر اذن مالکھا، وقدمت للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاخبرہ بذلك لحمھا، فلم یتناول منہ وامر بحملہ الی الاساری، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی کافر نے ایک بکری پر اہلال لغیر اللہ کیا، اور بنام غیر خدا ذبح کرنا چاہا، پھر کسی کے کہنے سے ذبح موقوف کرکے ایک شخص کو ہبہ کردیا، نہ اُس غیر کے نام پر بلکہ جیسے آپس میں ایک دوسرے کو ہبہ کرتے ہیں، آیا موہوب لہ کو خدا کے نام پر ذبح کرکے کھانا اُس کا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب - عند التحقیق کریمۂ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں اہلال وقتِ ذبح مقصود، یعنی اُس وقت اگر نام غیر خدا لیا گیا حرام ہے، اس معنیٰ پر آیۂ کریمہ کو صورتِ مسئولہ سے کچھ علاقہ ہی نہیں، اور بعض نے جو پیش

از ذبح جانور پر نامِ غیر خدا پکار دینا مراد رکھا، اُن کے نزدیک بھی استمرار اُسی کا تا دمِ ذبح شرط حرمت ہے، استدلال شاہ عبدالعزیز صاحب کا حدیث ملعون من ذبح لغیر اللہ، اور عبارت نیشاپوری اجمع العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحھا التقرب الی غیر اللہ صار مرتدا ذبیحتہ ذبیحۃ مرتد" سے اس کا صاف مؤید ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جب ایک بار اُس پر نامِ غیر خدا پکار دیا گیا، نجس العین ہوگیا، اب اگرچہ وہ نیت جاتی بھی رہے، اور وقتِ ذبح تقرب الی اللہ ہی مقصود ہو، اور نام بھی خدا ہی کا لیا جائے، حرام رہیگا، حالانکہ علتِ حرمت مرتفع ہوگئی، اور ارتفاعِ علت کو ارتفاعِ معلول لازم، شاہ صاحب اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں "آرے ذکر نام خدا براں جانور وقتے فائدہ می دہد، کہ تقرب بغیر خدا از دل دور کردہ، وخلاف آں شہرت دادہ زدیگر دہند کہ ما ازیں کار برگشتیم"

اس عبارت سے صاف ظاہر کہ اگر بعد اہلال للغیر وہ نیت فاسدہ زائل ہو جائے، تو جانور قطعاً حلال ہے، خصوصاً صورت مسؤلہ میں کہ یہاں تو وہ بکرا صاحب اہلال کی ملک ہی نہ رہا دوسرے شخص کا مملوک ہوگیا، کیا صرف ایک بار نام غیر خدا پکار دینے سے اُس میں وہ حرمت ابدی ونجاست سرمدی آگئی کہ اب اگرچہ وہ نیت بھی جاتی رہی، اور اہلال للغیر بھی موقوف ہو جائے، بلکہ جانور صاحب اہلال کی ملک بھی نہ رہے، اور مالک ثانی خاص خدا کے نام پر ذبح کرے، بااینہمہ اس کی حرمت نہ جائے، یہ امر بالبداہتہ باطل اور اس بکرے کی حلت میں باتفاق فریقین کوئی شبہہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم وحکمہ عزاسمہ احکم،

مسئلہ ۔ ۱۴ رمضان المکرم ۱۳۱۴ھ

جنگل میں صبح کے وقت بیل مذبوحہ پایا، مگر ذابح معلوم نہیں کہ کافر ہے یا مسلمان، اگر مسلمان ہے تو بسم اللہ اللہ اکبر کہی ہو یا نہ، آیا یہ مذبوحہ حلال ہے یا حرام؟ اگر حلال ہے تو یہ جزئیہ کون سی کتاب میں ہے اور کون سے باب میں ہے، یا ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل کیا جاوے، کون سی دلیل کے ساتھ، بینوا توجروا

الجواب ۔ ان بلاد میں کہ مومن اور کافر مشرک ملحد مرتد زندیق ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں، ایسا نامعلوم الحال ذبیحہ حلال نہ سمجھا جائے گا، کما بینہ فی الدر المختار ورد المحتار من اٰخر الصید فراجعھما وفیہ تفصیل لا یبعد وما قلناہ، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۔ از بریلی، محلہ بہاری پور، مسؤلہ عبدالرشید خاں، ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ

اور مدار صاحب کا مرغہ کرنا کیسا ہے، اور کھانا اُس کا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ۔ جو جانور مسلمان نے اللہ کا نام لیکر ذبح کیا اور اللہ عزوجل کے لئے اُس کی جان دے وہ حلال ہے، مرغ مزار پر لیجانا نہ چاہئے، نہ مرغ کی خصوصیت ضروری سمجھنا چاہئے، جو ذبح جہاں ہو اللہ کے لئے

کرے، اُس کا ثواب اُن کی روح پاک کو پہنچا دے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ مسئولہ انوار الحق، چونیاں، ضلع لاہور، بروز یکشنبہ، بتاریخ ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

فتاوی شاہ عبد العزیز صاحب کا حنفی المذہب کے مطابق ہے، یا کہ نہیں، اور نیز اس میں لکھا ہے کہ پیر کے نام کا بکرا حرام ہے خواہ بوقت ذبح تکبیر کہی جائے، اب اے وارث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تحریر فرمائیے کہ شاہ صاحب اس مسئلہ میں غلطی پر ہیں، یا کہ اس فتاوی کی عبارت سمجھنے میں غلطی ہے، اس فتوے کی تمام عبارت دو تین ورق پڑھ کر تحریر فرمائیں، اور نیز حضور نے کئی دفعہ پڑھا بھی ہوگا،

الجواب ۔ اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ نیت ذابح کا اعتبار ہے، اگر اُس نے اراقتِ دم تقرباً الی اللہ کی اور وقتِ ذبح نام الٰہی لیا، جانور بنص قطعی قرآن عظیم حلال ہوگیا، قال اللہ تعالیٰ مَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، تفصیل فقیر کے رسالہ "سبل الاصفیاء" میں ہے، شاہ صاحب سے اس مسئلہ میں غلطی ہوئی، اور وہ نہ فقط فتاوی بلکہ تفسیر عزیزی میں بھی ہے، اور نہ ایک اُن کا فتاوی بلکہ کسی بشر غیر معصوم کی کوئی کتاب ایسی نہیں، جس میں سے کچھ متروک نہ ہو، سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کل ماخوذ من قولہ ومردود علیہ الا صاحب ھذا القبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از رام گڑھ سیٹھان، علاقہ سیکر شیخاوٹی، مدرسہ نور الاسلام، مسئولہ عبد العزیز، ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ پیروں کا بکرا جو مانتے ہیں، جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب ۔ ذبح اللہ عزوجل کے نام پاک پر کیا جائے، اور ثواب پیروں کو پہونچایا جائے، نہ اس میں حرج نہ اُس کے ماننے میں حرج، مسلمان یہی کرتے ہیں اور یہی اُن کا مقصود ہوتا ہے، اس کے خلاف سمجھنا بدگمانی ہے، کما فی الدر المختار، اور یہ بدگمانی حرام ہے کما فی القرآن العظیم، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از ریاسی، ریاست جموں، مولانا امام الدین کا ذر، مرسلہ پیر سید غلام شاہ کشمیری، ۱۷ صفر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک بکری کو شیر یا چیتے نے گلے سے پکڑا اور خون پینے کے لئے رگوں کو چھید ڈالا، یا سنایہ، اور بکری زندہ ہے، اگر ذبح کی جائے تو حلال ہوسکے گی یا نہیں، ادھر کشمیر اور پونچھ کے مفتی عدم حلت کا فتویٰ دیتے ہیں، کہ کہتے ہیں کہ وجیز اور فتاوی عالمگیری میں ایسے جانور کو حرام لکھا ہے، شاۃ قطع الذئب اوداجها لا تحل بالذکوۃ وھی حیۃ، سے استدلال کرتے ہیں، اور نیز کہتے ہیں کہ چار رگیں کاٹنی فرض تھیں، وہ شیر نے کاٹ ڈالیں، حالانکہ شیر رگیں بالکل نہیں کاٹتا صرف انھیں بیچ میں سے چھید ڈالتا ہے، مثلاً رگ کی اصل صورت یہ ہے ـــــ زخمی اس طرح ـــــ کر دیتا ہے، لبا اوقات دو ہی رگوں کو دانت مارتا ہے، موافق مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جواب ارشاد فرمایا جائے، اگر (ولو فرض) عُقدہ

توڑ جائے اور سب مذبح کھا جائے، تو اس صورت میں کیا حکم ہوگا، بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب

الجواب ۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَا اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور سوئر کا گوشت اور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام لیا گیا، اور گلا گھونٹی، اور لاٹھیوں سے ماری، اور اوپر سے گرنے والی، اور جسے کسی نے سینگ مارا، اور درندہ کی کھائی ہوئی، مگر جسے تم ذبح کرلو، یہ استثنا تمام مذکورات کی طرف راجع ہے، جن سے متعلق ہوسکتا ہے، ظاہر ہے کہ خون اور گوشت ذبح نہیں ہوسکتے عجب نہیں کہ اضافہ لفظ لحم میں یہی حکمت ہو کہ صلاحیت استثنا نہ رہے، اور مردار اور جو ایک بار ذبح ہوچکی صالح ذبح نہیں، بحمد اللہ تعالٰی یہاں سے وہابیہ کا مذہب رد ہوگیا مَا اُھِلَّ سے اگر مَا ذُبِحَ مراد لیتے ہیں جیسا کہ یہی حق اور یہی تفسیر ماثور ہے، تو قبل ذبح کسی کا نام پکارنے سے کیوں حرام بتاتے ہیں، اور مطلق پکارنا مراد لیتے ہیں تو جب اسے نام خدا پر ذبح کیا گیا، کیونکر حرام کہتے ہیں، حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ یہ چیزیں حرام ہیں مگر جسے تم ذبح کرلو وہ حلال ہے، پہلی صورت میں تو یہی تھا کہ بغیر خدا کے بتائے وہابیہ نے اپنی طرف سے حرام کہدیا، اور دوسری صورت جو خود وہابیہ لیتے ہیں اُس سے بھی سخت تر ہے کہ جسے اللہ عزوجل نے حلال بتایا اُسے حرام بتاتے ہیں والعیاذ باللہ تعالٰی پانچ اشیا باقی ماندہ میں جو مرگئی صالح ذبح نہ رہی، اور جس میں کچھ بھی حیات باقی ہے اگرچہ کتنی ہی خفیف ہو، اگرچہ اس کی حالت کتنی ہی ردی ہو، اگرچہ وہ کیسی ہی شدید زخمی ہو، اگرچہ اُس میں صرف مذبوح کی سی تڑپ باقی ہو، جب ذبح کرلی جائیگی مطلقاً حلال ہوجائیگی، اگرچہ ذبح کے بعد نہ خون دے نہ تڑپے بایں کہ وقت ذبح اُس میں حیات ثابت ہو، اسلئے کہ رب عزوجل نے استثنا میں کوئی تفصیل نہ فرمائی، یہی ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے، اور اسی پر فتوی درمختار میں ہے ذبح شاة مریضة فتحرکت اوخرج الدم حلت والا لا، ان لم تدر حیاته عند الذبح، وان

---

[1] ایضا فتوائے مولوی محمد مرتضٰی از بلکوٹ، ڈاک خانہ اوڑی، ریاست کشمیر کہ در تحریم مقطوع الاوداج من السبع بود ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ این عبارت نوشتہ شد فی الواقع اگر درندہ محل ذبح کہ مابین اللبة واللحیة ست دو یا بیشتر اوداج را برید کہ اتصال آنہا بدماغ یا سینہ منقطع شد حالا ذبح نتواں شد لفوات محلہ پس اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ صادق نیاید آرے اگر دندان زدہ رگ را قدرے شگافتہ است کہ خرق باشد نہ قطع یا در غیر محل مذکور چنانکہ در سر یا بر صدر و مجروحہ ہنوز زندہ است آں ذبح کردہ شد حلال می شود لبقاء محل الذبح فیدخل فی قولہ تعالٰی اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ تحقیق و تفصیل این مسئلہ در فتاوائے فقیر جلد ہفتم کتاب الذبائح است وباللہ التوفیق واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

علم حیاته حلت مطلقاً وان لم تتحرك ولم يخرج الدم، وهذا يتأتى فی منخنقة ومتردية ونطيحة والتی بقر الذئب بطنها، فذكاة هذه الاشياء تحلل وان كانت حياتها خفيفة، وعليه الفتوى لقوله تعالى الا ماذكيتم من غير تفصيل۔ ولہٰذا ہمارے علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر درندہ نے جانور کا پیٹ چاک کردیا، یا بالکل سرجدا کرکے لے گیا، اور ابھی اُس میں حیات باقی ہے ذبح کرنے سے حلال ہوجائے، وجیز کردری جس سے بحوالہ عالمگیری سوال میں استدلال ہے، اس کی پوری عبارت کتاب السیر سے چند سطر پہلے یہ ہے شاة قطع الذئب اوداجها وهی حية لاتذكی لفوات محل الذبح ولو بقر الذئب بطنها وهی حية تذكی لبقاء محل الذبح فتحل لو ذبحت ولو انتزع الذئب راس الشاة وبقيت حية تحل بالذبح بين اللبة واللحيين۔ صورت مسؤلہ کا آیۂ کریمہ کے اطلاق اور ہمارے امام اعظم کے مذہب مفتی بہ میں داخل ہونا ظاہر ہے، اور عبارت وجیز اس سے متعلق نہیں، وجیز میں وہ صورت منع کی ہے، درندہ رگیں قطع کردے، اور سوراخ کرنا قطع کردینا نہیں کہ اس میں سینہ سے سرتک رگوں کا اتصال بحال رہتا ہے، اور قطع اُس وصل کا فصل کردینا ہے، ردالمحتار میں علامہ علی مقدسی سے ہے المراد بقطعها فصلها من الراس او عن الاتصال باللبة، جواب مسئلہ کو اسی قدر بس ہے، اور اگر تحقیق مقام درکار ہو فاقول وباللّٰہ التوفیق:۔

وجیز کی عبارت مذکورہ میں تین فرعیں ہیں، اول بھیڑیا نے بکری کی رگیں اُس کی گردن کاٹ دیں، دوم پیٹ چاک کردیا، سوم سرجدا کردیا، پہلی میں حکم دیا ہے کہ ذبح نہیں ہوسکتی، اور دو باقی میں فرمایا ذبح کرلیں حلال ہوجائیگی، اول وسوم کے حکم میں بظاہر صریح تناقض ہے، یہ رگیں دماغ سے دل تک ہوتی ہیں، بدائع و فتاوائے امام قاضی خاں و ردالمحتار وغیرہا میں ہے، الاوداج متصلة من القلب بالدماغ، توجب سرجدا کردیا قطعاً یہ رگیں قطع کردیں تو فرع اول کے حکم سے فرع سوم میں بھی حرمت چاہئے تھی اور حکم یہ دیا کہ ذبح کرے تو حلال ہے، اب اگر یوں توفیق کیجئے کہ ہمارے امام کے نزدیک صحت ذبح کے لئے مطلقاً حیات درکار ہے، اگرچہ اسی قدر جو مذبوح میں بعد ذبح ہوتی ہے، اور صاحبین کے نزدیک اتنی حیات کافی نہیں، امام محمد فرماتے ہیں بس اس سے زائد ہو، اور شرط نہیں، اور امام ابویوسف فرماتے ہیں نہیں بلکہ یہ چاہئے کہ اتنے زخم کے بعد جانبر ہوسکے، ہدایہ میں ہے لوانه ذكاه حل اكله عند ابی حنيفة رضی اللّٰه تعالٰی عنه فيه حياة خفية، او بينة، وعليه الفتوى، لقوله تعالى الا ماذكيتم مطلقاً من غير فصل وعند ابی يوسف رحمه اللّٰه تعالٰی اذا كان بحال لايعيش مثله لايحل لانه لم يكن موته بالذبح، وقال محمد رحمه اللّٰه تعالٰی ان كان يعيش مثله فوق ما يعيش المذبوح يحل والا فلا لانه لامعتبر بهذه الحياة، فرع اول قول صاحبین پر مبنی ہے کہ قطع اوداج کے بعد حیات، حیات مذبوح سے اصلاً زائد نہیں ہوتی، لہٰذا وہ حکماً میت ہے، اور میت محل ذبح نہیں تو اب ذبح نہیں کرسکتے لفوات

محل الذبح، اور فرع سوم قول امام پر مبنی ہے کہ اگرچہ سر جدا ہوگیا مگر جبکہ جانور ابھی تڑپ رہا ہے حیات باقی ہے، اگرچہ حیات مذبوح سے زائد نہیں سہی، لہذا محل ذبح ہے، ذبح کرلیں حلال ہوجائیگا، اور فرع دوم میں اگر صرف جلد چاک ہوئی کہ سی کر اندمال وحیات متصور ہو تو بالاجماع ہے، اور نا متصور ہو تو صرف قول امام پر، یوں اگر توفیق کریں جب تو ظاہر ہے کہ فرع اول سے استناد صحیح نہیں، کہ وہ خلاف قول امام وخلاف مذہب مفتی بہ ہے، اور اگر ایسی تاویل چاہیے کہ وہ بھی قول امام کی طرف رجوع کرآئے تو اب فوت محل ذبح میں تنقیح مناط کرنی ہوگی، فاقول وبہ نستعین اس فوت کے یہ معنی تو بداہۃً نہیں کہ محل ذبح مابین اللبۃ واللحیین تھا وہ معدوم ہوگیا کہ کلام قطع اوداج میں ہے نہ اس صورت میں کہ بھیڑیا سینہ تک ساری گردن کاٹ کرلے گیا، نہ یہ معنی ہیں کہ محل ذبح اوداج تھیں وہ فنا ہوگئیں کہ قطع تفریق اتصال ہے نہ اعدام، لاجرم یہ معنی ہیں کہ محل اگرچہ باقی ہے، مگر اس میں قابلیت فعل ذبح کی نہ رہی، تو محل من حیث ہو محل فوت ہوگیا، اگرچہ ذات باقی ہے، اب فنائے قابلیت میں نظر چاہیے کہ کس صورت میں اس کا فوت ہوتا ہے، یہاں اس کی تین صورتیں متصور، اول یہ کہ اب معنی ذبح متحقق نہیں ہوسکتے، دوم مقصود ذبح فوت ہوگیا، اور شے جب مقصود سے خالی ہو باطل ہوجاتی ہے، سوم معنی ذبح قبل ذبح فعل غیر ذبح شرعی سے متحقق ہولئے، اور ذبح صالح تکرار نہیں، مذبوح کو ذبح نہیں کرسکتے، ولہذا اگر مسلمان نے جانور ذبح کردیا اور وہ ابھی پھڑک رہا ہے دوبارہ مجوسی نے ذبح کیا حرام نہ ہوگا، اور اس کا عکس ہو تو حلال نہ ہوسکے گا، فان الذبح لایعاد، اول کی طرف راہ نہیں کہ معنی ذبح قطع اوداج حی بین اللبۃ واللحیین ہے، کنز میں فرمایا الذبح قطع الاوداج پھر فرمایا والذبح بین الحلق واللبۃ، تبیین فرمایا والمیت لیس بمحل للذکاۃ، جبتک جانور زندہ ہے اور گلا اور اس پر وہ رگیں باقی ہیں، ضرور قابل قطع ہیں، تو معنی ذبح متحقق نہ ہوسکنا کیا معنی، قطع اوداج کا جواب اوپر معلوم ہولیا کہ فرع سوم میں بھی قطع اوداج متحقق ہے، اور حکم حلت ہے، یوہیں دوم کی گنجائش نہیں، اگر کہئے مقصود ذبح انہار دم تھا اور وہ فعل سبع سے ہولیا، تو یہ وجوداً وعدماً ہر طرح باطل ہے، فرع سوم میں بھی انہار دم ہوگیا، اور قابلیت ذبح باقی ہے اور وقت ذبح حیات معلوم ہو اور ذبح سے خون نہ نکلے حلت ہوجائے گی، کما تقدم، حالانکہ انہار دم نہیں، اگر کہئے مقصود ذبح ازہاق روح ہے، اور وہ اس صورت میں فعل سبع کی طرف منسوب ہوگا، نہ جانب ذبح، تو یہ وہی قول صاحبین غیر مفتی بہ ہے، کما قدمنا عن الھدایۃ، معہذا فرع سوم اس پر بھی نقض کو موجود، لاجرم صورت سوم مقصود یعنی جہاں قبل ذبح قطع اوداج بین اللبۃ واللحیین واقع ہولے، وہاں محل ذبح نہ رہا، یعنی محلیت وقابلیت ذبح فوت ہوگئی، کہ ذبح دوبارہ نہیں ہوتا، اور جہاں یہ معنی قبل ذبح متحقق نہ ہوئے عام ازیں کہ سرے سے اوداج قطع ہی نہ ہوئیں، یا کسی ایسے فعل سے کہ انسان کی طرف منسوب نہ ہو قطع تو ہوئیں، مگر موضع ذبح پر قطع نہ ہوئیں، اور ہنوز حیات باقی ہے، وہاں محل ذبح فوت نہ ہوا، ذبح کرسکتے ہیں، اور موجب حلت ہوگا، اب فروع میں تطابق ہوگیا، اور صورت مسئولہ کا حکم

بھی کھل گیا، فرع سوم سے مراد اس طرح سر جدا کرنا ہے کہ بین اللبۃ واللحیین قطع اوداج نہ ہو کہ اگرچہ قطع واقع ہو مگر محل ذبح میں نہ ہوا تو معنی ذبح قبل ذبح متحقق نہ ہوئے، اور فرع اول سے مراد وہ قطع اوداج ہے کہ بین اللبۃ و اللحیین ہو کہ اب تقدم معنی ذبح سے قابلیت ذبح، اور اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ کے تحت میں داخل ہونے کی صلاحیت نہ رہی اور یہی صورت اُس فرع ملتقط میں مراد ہے، جو بظاہر فرع سوم کے صریح مناقض ہے، اسی عالمگیری میں عبارت وجیز سے پہلے ہے، سنور قطع راس دجاجۃ فانھا لا تحل بالذبح، وان کان یتحرک کذا فی الملتقط، اور فرع دوم خود ظاہر ہے کہ اُس میں سرے سے قطع اوداج ہی نہیں، اب تمام فروع متفق، اور سب مذہب امام ہمام رضی اللہ تعالٰی عنہ پر منطبق ہیں، ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق، ظاہر ہے کہ صورت سوال فرع دوم کے مثل ہے، اور اُس میں بھی قطع نہیں اور ذبح قطع ہے، تو معنی ذبح قبل ذبح متحقق نہ ہوئے، کیا اگر جانور کی رگہائے گردن برمے سے چھید دیں ذبح ہو جائے گا، ہرگز نہیں، کہ چھیدنا قطع کرنا نہیں، تو محلیت ذبح ضرور موجود ہے، اور بعد ذبح حلت لازم، یہیں سے وہ سوال باقی کا جواب ظاہر ہو گیا اور سب مذبح کھایا محل ذبح نہ رہا، یونہی اگر عقدہ توڑ لیا تو قطع اوداج محل ذبح میں واقع ہوا، بہرحال اب قابلیت ذبح نہ رہی، حلت نہیں ہو سکتی، اور اگر عقدہ سے اوپر صرف سر جدا کر لیا، کہ بین اللبۃ واللحیین قطع اوداج نہ ہوا تو محل ذبح باقی ہے، بعد ذبح حلت چاہئے اگر ہنوز روح باقی ہو، ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ مسئولہ والی علی صاحب کانسٹبل، از تھانہ بہیڑی، ضلع بریلی، ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ کتا کسی جانور کو پکڑ لے، اور اس جانور کے زخم کتے کے پکڑ لینے کا ہو جائے، اور بعد میں جانور ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہے یا حرام؟

الجواب ۔ شکاری کتا جبکہ بسم اللہ کہہ کر چھوڑا گیا، اگر جانور اس کے زخم سے مر جائے تو حلال ہے، اور اگر زندہ ملے اور ذبح کر لیا جائے تو حلال ہے، اس کے زخم سے جانور میں کوئی حرج نہیں آتا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ اگر ذبیحہ ذبح کیا جائے، اور وہ بعد ایک دیر کے خون دے، تو کھانا اس کا جائز ہے یا نہیں، اور عورت یا لڑکے کا ذبیحہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ۔ پہلی صورت میں حلت میں کوئی شبہہ نہیں، خروج خون علامت حیات ہے، اور بعد دیر کے نکلنا اُس کا غیر مانع بلکہ اگر خون بھی نہ دے[عہ] فقط حرکت کرے اور تڑپے تاہم کھانا اس کا جائز ہے کہ شرط حلت حیاۃ عند الذبح ہے نہ خروج دم، فی تنویر الابصار ذبح شاۃ فتحرکت او خرج الدم حلت، اور عورت و لڑکے کا ذبیحہ اگر وہ قواعد و شرائط ذبح سے واقف ہیں، اور مطابق شرع ذبح کر سکتے ہیں، بلاریب حلال ہے، فی الدر المختار و

عہ لکنہ فیہ اختلاف ذکرہ فی الھدایۃ فی کتاب الصید ۱۲ منہ

شرط کون الذابح مسلما ولو امرأۃ او صبیا یعقل التسمیۃ والذبح ویقدر، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤ میش قریب المرگ کو ذبح کیا گیا، اختلاف اس امر میں ہے کہ وہ زندہ تھی یا مرچکی تھی، ذبح کرنے والا نیز چند اور شخص کہتے ہیں کہ وہ زندہ تھی، لیکن دو شخص کی یہ رائے ہے کہ وہ مرچکی تھی، بعد ذبح کے کسی عضو نے جنبش نہ کی، دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں، واقعات یہ ہیں کہ یہ بھینس بعد ذبح کرنے کے ایک قصاب کے ہاتھ دس روپیہ میں فروخت کردی تھی، وہی دونوں شخص جو کہتے ہیں وہ مرگئی تھی، قصاب کو بہکا دیا، قصاب مذکور نے اس کا گوشت دفن کردیا، اور کھال لے گیا اور بریلی فروخت کر آیا، گوشت کی قیمت اس کو معاف کردی گئی، صرف کھال کی قیمت جو چھ روپے اس کو طے کردی گئی تھی، اور وہ اس نے بریلی میں بہت منافع کے ساتھ فروخت کیا، طلب کی جاتی ہے، لیکن وہ چھ روپے دینے سے بھی انکار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ تم لوگوں نے مردہ جانور کی کھال نکلوا کر مجھے ناپاک کردیا، میرے برادری والے مجھے نکال دیں گے، میں قیمت نہیں دونگا دریافت طلب یہ بات ہے کہ اُس قصاب پر کیا برآئی آسکتی ہے، اگر یہ خیال کرلیا جائے کہ وہ مرگئی تھی، اور دھوکہ میں ایسا کیا گیا،

الجواب ۔ ذبح ہوتے وقت بھینس کا زندہ ہونا خوب معلوم تھا، یا ذبح کے بعد وہ تڑپی، یا ایسا خون دیا جیسا زندہ جانور سے نکلتا ہے، یا اور کوئی علامت زندہ کی پائی گئی، مثلاً منہ یا آنکھ بند کی، یا پاؤں سیٹے، یا بدن کے بال کھڑے ہوئے، تو وہ حلال ہے، اور کھانا جائز، اور قصاب پر دس روپے واجب، اور اگر وقت ذبح اُس کا زندہ ہونا تحقیق نہ تھا، نہ بعد ذبح کوئی علامت زندگی کی پائی گئی، نہ ایسا خون نکلا نہ وہ حرکت کی، بلکہ بالکل ساکن رہی، یا منہ یا آنکھ کھل گئی، یا پاؤں پھیل گیا، یا بال بچھ گئے، تو بھینس حرام ہے، اور قصاب پر ایک پیسہ بھی واجب نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ مسئولہ احمد حسن بنگالی، طالب علم مدرسہ اہلسنت وجماعت، ۲۸ ربیع الاول شریف سنہ ۱۳۳۴ھ

صدقہ کا جانور بلا ذبح کئے جانور ہی کسی مصرف صدقہ کو دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب الملفوظ ۔ اگر صدقہ واجبہ ہے اور وجوب خاص ذبح کا ہے، تو بے ذبح ادا نہ ہوگا، مگر اُس حالت میں کہ ذبح کے لئے وقت معین تھا جیسے قربانی کے لئے ذی الحجہ کی دسویں گیارہویں[۱] ، اور وہ وقت نکل گیا، تو اب زندہ تصدق کیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ مسئولہ شیخ محمد وزیر صاحب پٹیل، از قصبہ تحصیل اَڈن، ضلع ایوت محال، ملک برار ؛ ؛ ؛ ؛

ے اصل میں تحریر ہے "ڈلی گئی" ۱۲ ۔ عبدالمنان الاعظمی ۔ ۱ بارہویں ۔ اصل میں بارہویں نہیں ہے غالباً ناقل کا سہو ہے ۱۲ عبدالمنان الاعظمی

مسئلہ از شیخ محمد وزیر صاحب پٹیل از تحصیل اُون ضلع ایوت محل برار ۔ ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا بیٹا بکر چالیس روپیہ کا ملازم سرکار ہے، زید کا آبائی و اجدادی پیشہ یہ ہے کہ روزانہ ہر بز قصاب کے مکان پر جانا، اور جس قدر بکریاں ذبح کرنے کی ہوں، اُن کو ذبح کر دینا، اور انکی اجرت میں فی راس ایک آنہ پیسہ یا پاؤ بھر گوشت لینا چلا آتا ہے، اور نیز ہر مواضعات قریب میں جاکے قوم ہندو کے مکان پر جو اُن کی پرستش کا بکرا ہوتا ہے، اسکو ذبح کر دیتا ہے، اور اس کی اجرت لیتا ہے، یہ پیشہ اس وقت تک جاری ہے، اور سنا گیا ہے کہ ذابح البقر وقاتل الشجر و دائم الخمر کی بخشش میں احتمال ہے، اگر اس مسئلہ کی کچھ بنیاد ہے، اور یہ سچ ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، براہ کرم بو اپسی ڈاک جواب باصواب سے سرفراز فرمائیے، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ گائے بکری کا ذبح کرنا جائز ہے قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً وہ قول کہ لوگوں میں مشہور ہے محض بے اصل ہے، قطع شجر کی بھی اجازت قرآن عظیم میں موجود ہے قال اللہ تعالیٰ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَۃٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْھَا قَآئِمَۃً عَلٰۤی اُصُوْلِھَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ، ہاں دائم الخمر البتہ مرتکب سخت کبیرہ اور مستحق عذاب نار ہے، مگر یہ کہنا اُس کی نسبت بھی باطل ہے کہ اُس کی مغفرت کبھی نہ ہوگی، یہ صرف کافر کے لئے ہے مسلمان کیسا ہی گنہ گار ہو زیر مشیت ہے، چاہے عذاب فرمائے تو اُس کا عدل ہے، چاہے بلا عذاب بلکہ بلا حساب بخش دے تو اُس کا فضل ہے، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ، پھر مسلمانوں میں سے جس پر عذاب فرمائے گا ہرگز وہ عذاب دائم نہ ہوگا، انجام بلا شبہہ مغفرت ہے، اور جب ان جانوروں کا ذبح جائز ہے، اُس پر اُجرت مقرر کرکے لینا بھی جائز ہے کما ھو حکم کل مباح یحتاج الی عمل،

اب یہاں متعدد صورتیں ہیں، سائل دو اجرتیں بتاتا ہے، ایک آنہ یا پاؤ بھر گوشت، یہ اگر یوں ہے کہ کبھی ایک آنہ مقرر کر لیا جاتا ہے، کبھی پاؤ بھر گوشت، تو وہ آنہ جائز ہے، اور گوشت کہ اُسی جانور کا قرار پاتا ہے نا جائز ہے، لانہ کقفیز الطحان بلکہ اگر اُس جانور کا نہ ٹھہرے جب بھی گوشت کثیر التفاوت چیز ہے، لانہ قیمی فلا یصلح دینا علی الذمۃ، ویقع فیہ النزاع وکل ما کان کذلک یورث الفساد، اور اگر یہ معنی ہیں کہ تعین کچھ نہیں ہوتا کبھی ایک آنہ دیتے ہیں، کبھی گوشت، تو یہ جہالت اجر ہے، جہالتِ اجر مفسد اجارہ ہے،

بہر حال جہاں اجرت میں گوشت کا قدم درمیان ہے اجارہ فاسدہ ہے، اور عقد فاسد حرام و از قبیل ربا ہے، اور اس کا عادی ہونا ضرور موجب فسق، اور اُس کا پیشہ کرنے والا فاسق معلن، اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ، اور اُس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، کہ پڑھنا منع، اور پڑھی تو پھیرنا واجب، فتاوی حجہ وغنیہ میں ہے ولو قدموا فاسقا یأثمون، زیلعی وغیرہ میں ہے لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا، رہا یہ کہ وہ ہندو

کی پرستش کا بکرا اس کے یہاں جاکر ذبح کرتا ہے، اور اس کے ذبح سے تعظیم الٰہی کی نیت کرتا، اور اللہ عزوجل کا نام لیتا ہے، تو جانور حلال ہو جائے گا، مگر یہ فعل اس کے لئے مکروہ ہے، فی الھندیۃ حل وکرہ للمسلم، اور اگر اس کافر ہی کی نیت پر ذبح کرتا ہے تو جانور تو مردار ہوا ہی، اس ذابح کا ایمان بھی بچنا مشکل ہے، مگر ظاہر یہ ہے کہ مسلمان پر حتی الامکان بدگمانی کی اجازت بھی نہیں، کہ اُس کا مقصود فقط اپنے ٹکے سیدھے کرنا ہوگا نہ معبود باطل کی تعظیم کہ مسلمان سے متوقع نہیں، نہ معبود حق کی تعظیم کا خیال آتا ہوگا، تو یوں بھی یہ فعل سخت شنیع اور جانور کی جان کی ناحق تضییع ہے، پھر اس کی امامت سے احتراز چاہیئے، کہ وہی احتیاط جو ہمیں بدگمانی نہیں کرنے دیتی، نماز میں اُسے امام نہ بنانے دے گی فان سوء الظن شیئ، والحزم شیئ اٰخر، وھٰذا من باب الخروج، ومن اتقی الشبہات فقد استبرأ لدینہ وعرضہ، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ مرسلہ غلام نبی صاحب، ساکن موضع میانہ ٹھٹھہ، ضلع گوجرانوالہ، ڈاکخانہ موزہ، اتوار ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی چراغ دین امام مسجد نے ایک بکرا ذبح کیا، اور اس کا چمڑا مسمی حاکو قوم خاک روب نے اتارا، اور گوشت بنایا اور گوشت مذکور کو چند مسلمانوں نے مل کر تقسیم کرلیا اور اپنے گھروں میں پکا کر کھایا، کیا وہ گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں، اس بات کا خلاصہ حال مع ثبوت حدیث وقرآن شریف ارسال فرمائیں، اور اس مسئلہ کو اخبار دبدبہ سکندری میں شائع کرا دیں،

الجواب ۔ جب وہ جانور مسلمان نے اللہ عزوجل کے لئے تکبیر کہہ کر ذبح کیا تو حلال ہو جانے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں رہا، خاک روب کا گوشت بنانا وہ اگر اس وجہ سے ہے کہ بکرا اُسی کی ملک تھا، اور اُس نے اپنے ظاہر پیر وغیرہ کسی معبود باطل کے لئے ذبح کرایا تو اُس کا کھانا مسلمانوں کو مکروہ ہے، کما نص علیہ فی الھندیۃ، اسی طرح اگر کسی معبود باطل کے لئے ذبح نہ کرایا، بلکہ اُس نے اُن کی دعوت کی تھی، تو اُس دعوت کا ہی قبول کرنا نامناسب تھا، اور اگر بکرا مسلمان کی ملک تھا اور اس سے بنوایا، اور وہ اپنا ناپاک پیشہ کرتا ہے، اور اُس کے ہاتھ خوب پاک نہ کرالئے تھے تو سخت بے احتیاطی کی، اور اگر اس کے ہاتھ پاک کرالئے تھے یا وہ قوم کا خاک روب ہے، یہ پیشہ نہیں کرتا، تو یہ دیکھا جائے کہ وہاں کے عرف میں خاک روب کی چھوئی ہوئی چیز سے پرہیز کرتے اور اُس کے استعمال کو معیوب جانتے ہیں، یا نہیں، اگر جانتے ہیں، اور ان لوگوں نے بے پروائی کی تو مصلحت دینی کے خلاف کیا، اور نافرمانی کے مرتکب ہوکر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں بشروا ولا تنفروا، دوسری حدیث میں ہے ایاك ومایسوء الاذن تیسری حدیث میں ہے ایاك وما یعتذر منہ فان الخیر لا معتذر منہ، یہ سب اس صورت میں ہے کہ بکرا وقت ذبح سے مسلمانوں کے ہاتھ میں پہنچنے تک مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہوا، اور اگر ذبح کرکے اُسے دیدیا، اور کوئی

مسلمان دیکھتا نہ رہا، اُس نے گوشت بنایا اور مسلمانوں کو دیا، تو اب اس کا کھانا سرے سے حلال ہی نہ رہا فان الکافر لا یقبل قولہ فی الدیانات، ہاں اگر اس کو اجیر کیا ہو تو جواز رہے گا لان الکافر یقبل قولہ فی المعاملات وان تضمنت شیئا من الدیانات، وکم من شیئ یثبت ضمنا ولا یثبت قصدا، وتبیینہ فی التبیین وغیرہ، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ از ملک بنگالہ ضلع نواکھالی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گھوڑے کا گوشت کھانا از روئے شرع شریف کے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو احادیث سے ثابت ہے، یا قول فقہا سے، اور فتوی اور قول امام اعظم کے ہے یا صاحبین؟ بینوا توجروا

الجواب ۔ صاحبین کے نزدیک حلال ہے، اور امام مکروہ فرماتے ہیں، قول امام پر فتوی ہوا، کہ کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی، اور اصح وارجح کراہت تحریم ہے، صححہ الامام قاضی خان فی فتاواہ، وقد قالوا انہ فقیہ النفس فلا یعدل عن تصحیحہ وقال الشامی ثم نقل ای القہستانی تصحیح کراھۃ التحریم عن الخلاصۃ والہدایۃ والمحیط والمغنی والقاضی خان والعمادی وغیرھا و علیہ المتون اھ ومعلوم ان الترجیح للمتون وانہا الموضوعۃ لنقل المذھب فلا یعارضہا مافی کفایۃ البیہقی بخلافہ، انہ ظاھر الروایۃ ولا الفتوی الجمہورعــہ المنقول بقیل بعدماعــہ قدمنا من التصحیحات الجلیلۃ للائمۃ الجلۃ۔ بہرحال مسئلہ اس قابل نہیں کہ اس پر فتوی دیا جائے، یا فریق بندی عمل میں آئے، واللہ الموفق، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از بریلی، مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خانصاحب، ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

ماقولکم غفر اللہ لکم فی ھذہ المسئلۃ افیدونا یرحمکم اللہ تعالٰی، درباره اکل فرس بعض قائل بکراہت تحریمی وبعض بکراہت تنزیہی ولیکن بہرصورت شیرش جائز داشتہ اند، تحقیق دریں باب چیست؟

الجواب ۔ درمسئلۂ گوشت اسپ علمارا معترک عظیم ست، وتصحیح نیز مختلف وکراہت قول امام ست بس اسلم احتراز تام ست، ہمچناں بر مذہب امام در شیر او نیز اختلاف کردہ اند، امام قاضی خاں بتحریم رفتہ و در دُرّ مختار جواز را وجہ گفتہ، بریں روایت وجہ فرق خود پیدا است، کہ در تحلیل لحم تقلیل آلۂ جہاد ست بخلاف لبن۔ باز ایں ہمہ بر تقدیرے ست کہ بحد سکر نہ رسد، ورنہ تعدا ایں مقدار بالاتفاق ممنوع باشد کما لایخفی واللہ تعالٰی اعلم

عــہ لفظ جمہور اندازہ سے بنایا گیا ۱۲ عبدالمنان ۔ عــہ اندازہ سے بعد کا لفظ بڑھایا ۱۲ ۔ عبدالمنان

مسئلہ۔ از دارا گنج، ضلع بجنور، مرسلہ ممتاز مسیح صاحب ایم اے مشن، مورخہ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ

ہادی دین جناب مولانا صاحب! عرض مدعا یہ ہے کہ اہل سنت وجماعت حنفی مذہب میں گھوڑا اور اقسام اور اس کے مثل خچر و گدھے کے حلال ہیں یا حرام، یا ان تینوں جانوروں میں سے کونسا جانور حلال ہے، مہربانی فرما کر بحوالہ حدیث شریف یا قول علماؤں کے جواب سے مشرف فرمایئے۔

الجواب۔ گدھا حرام ہے، یونہی وہ خچر جو گدھی سے پیدا ہو، اگرچہ باپ گدھا نہ ہو، اور ہمارے امام اعظم علیہ الرضوان کے مذہب میں گھوڑا مکروہ تحریمی ہے، یعنی قریب بحرام، یونہی وہ خچر جس کی ماں گھوڑی ہو، حدیث میں نھٰی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام یوم خیبر عن لحوم الحمر الاھلیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ از اوجین، مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ، مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں ۱۷ صفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ڈپٹی امداد علی صاحب نے رسالہ امداد المسلمین میں اُلّو کے بارہ لکھا ہے کہ عالمگیری میں لکھا ہے البوم یوکل، اور طحطاوی میں یوکل القمری والسوارین والزرزور والصلصل والھدھد والبوم والطاؤس، اور شامی میں فی غرر الافکار، وعندنا یوکل الخطاف والبوم، اور میزان میں من ذلک قول الائمۃ الثلثۃ فی المشہور عنھم انہ لاکراھۃ فی ما نھی عن قتلہ کالخطاف والھدھد والخفاش والبوم والببغا والطاؤس مع قول الشافعی فی ارجح القولین انہ حرام، اور حیاۃ الحیوان دمیری شافعی سے بھی ثابت ہے، شافعی کے نزدیک حرام ہونا، نہ حنفیہ کے نزدیک تمام کتبہائے معتبرۃ فقہ سے بوم کا حلال ہونا ثابت ہے، یہاں تک خلاصۂ کلام ڈپٹی صاحب مذکور ہے، اور فتاوی ہندیہ ترجمہ فتاوی عالمگیری کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ قول ظاہر بوم سے مراد یہی اُلّو ہے، کہ پرند معروف ہے، اور شاید کوئی اور معنی مراد ہوں واللہ اعلم، اس واسطے مترجم ذبعینہ لفظ چھوڑ دیا، اس مسئلہ میں جو تحقیق ہو بیان فرمادیں، کہ صداقت و کذب وہابیہ ظاہر ہووے، فقط۔

الجواب۔ عبارت عالمگیری جو امداد المسلمین میں نقل کی، اُس کے شروع میں لفظ قیل واقع ہے، اصل عبارت یوں ہے قیل الشقراق لایوکل والبوم یوکل، یعنی بعض نے کہا کہ شقراق نہ کھایا جائے، اور بوم کھایا جائے، یہ لفظ اُس قول کے ضعف پر دلیل ہوتا ہے، اور یہ بتاتا ہے کہ اُس کی طرف بعض گئے ہیں، اکثر علماء خلاف پر ہیں، اور حیاۃ الحیوان کا حوالہ تو سرے سے غلط ہے، اُس میں کہیں نہیں لکھا کہ حنفیہ حلال جانتے ہیں، اُس میں صرف شافعیہ کے دو قول لکھے ہیں، عبارت اُس کی یہ ہے الحکم یحرم اکل جمیع انواعھا، قال الرافعی ذکر ابوعاصم العبادی ان البوم حرام کالرخم، وکذلک الضوع، وعن الشافعی رحمہ اللہ قول انہ حلال، خیر ان سب سے قطع نظر کرکے اصل مسئلہ کی طرف چلیے، یہی عالمگیری و طحطاوی و شامی و میزان جن سے امداد المسلمین میں یہ عبارتیں نقل کیں، ان میں اور ان کے سوا ہماری تمام کتب مذہب اور صحاح احادیث سید المرسلین صلی اللہ

تعالیٰ علیہم اجمعین میں صاف صریح حکم قطعی کلی بلا استثنا و تخصیص موجود ہے کہ ہر پرند اپنے پنجہ سے شکار کرنیوالا حرام ہے، جیسے ہر درندہ دانتوں سے شکار کرنے والا، عالمگیری میں بدائع سے ہے لایحل کل ذی مخلب من الطیر، یعنی حرام ہے ہر پنجہ والا، طحطاوی میں ہے لایحل سباع الوحوش والطیر اھ ملخصا درندے وحشی و پرند سب حرام ہیں، حموی، پھر طحطاوی، پھر شامی میں ہے الدلیل علیہ انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نھیٰ عن اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر، رواہ مسلم وابوداؤد وجماعۃ، والسر فیہ ان طبیعۃ ھٰذہ الاشیاء مذمومۃ شرعا فیخشی ان یتولد من لحمھا شیئ من طباعھا فیحرم اکراما لبنی آدم کما انہ یحل ما احل اکراما لہ یعنی دلیل اس پر یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر درندے کیلے والے اور ہر پرند پنجہ والے کے کھانے سے منع فرمایا، مسلم وابوداؤد وغیرہما ایک جماعت محدثین نے یہ حدیث روایت کی، اور اس میں راز یہ ہے کہ ان چیزوں کی خصلت شرعاً بد ہے، تو اندیشہ ہے کہ اُن کا گوشت کھانے سے کچھ خصلت اُن کی سی آدمی میں پیدا ہو جائے، لہٰذا انسان کی عزت کے لئے اُن کا کھانا حرام ہوا، جیسے کہ اسکی عزت ہی کے لئے حلال جانور حلال کئے گئے، میزان امام شعرانی میں ہے من ذٰلک اتفاق الائمۃ الثلثۃ علیٰ تحریم کل ذی ناب من السباع ومخلب من الطیر یعدو بہ علی غیرہ (الیٰ ان قال) لان فیہ قسوۃ من حیث انہ یقسر غیرہ ویقھرہ من غیر رحمۃ بذٰلک الحیوان المقسور فیسری نظیر تلک القسوۃ فی قلب الاٰکل لہ، واذا قسی قلب العبد صار لا یحن قلبہ الی موعظۃ وصار کالحمار، یعنی انھیں مسائل سے ہے امام ابوحنیفہ وامام شافعی وامام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اتفاق کہ ہر کیلے والا درندہ اور ہر پنجہ والا پرند جو دوسرے پر اس کیلے یا پنجے سے حملہ کرتا ہے، حرام ہے، اس لئے کہ اس میں سنگدلی ہے، کہ وہ بے دردی سے مجبور ومغلوب کرتا ہے، تو ایسی ہی سنگدلی اُس کے کھانے والے میں سرایت کرے گی، اور جب آدمی کا دل سخت ہو جاتا ہے، تو کسی نصیحت کی طرف میل نہیں کرتا، اور آدمی سے گدھا ہو کر رہ جاتا ہے، میں کہتا ہوں یونہیں کتب طبیہ سے ثابت کہ اُلّو کھانے والا آدمی سے اُلّو ہو کر رہ جاتا ہے والعیاذ باللہ رب العلمین،

غرض یہ قاعدہ کلیہ شرعیہ ہے جس پر ائمہ حنفیہ کا اجماع ہے، اور اُس سے ہرگز کوئی پنجہ والا پرندکہ سباع طیر سے ہو مستثنیٰ نہیں، اور شک نہیں کہ اُلّو پنجہ والا پرند ہے، بلکہ اُس کے پنجے بہت شکاری پرندوں سے زیادہ قوی اور تیز ہیں، اور شک نہیں کہ گوشت اُس کی خوراک ہے، اور شک نہیں کہ وہ اپنے سے کم طاقت پرندوں پر حملہ کرتا ہے، یہ سب باتیں یقیناً معلوم ہیں، اور فقیر کے سامنے بہت شکار پیشہ مسلمانوں نے بیان کیا کہ پرندہ شکاری ہے، پانچ سکان بریلی نے کہ اُن میں چار صاحب قوم کے قراول، اور پانچوں نمازی نیک سُنّی صحیح العقیدہ ہیں،

۱؎ نیاز محمد خان ابن رحم خان و نذیر خان ابن وزیر خان وعنایت اللہ خان ابن کرم علی خان و غلامی خان ابن حسن خان قراولان ساکنان بہار پور محلہ قراولان و محمد خان ابن گل خان افغان ساکن شہر کہنہ ۱۲

ہفدہم ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کو میرے سامنے اس مضمون کی شہادت ادا کی، اور اُن میں بعض نے کہا، ہمارے سامنے توتے کو شکار کرلے گیا، بعض نے کہا کھونٹی پر شکرہ بندھا تھا شکرہ کو مار کرلے گیا، حالانکہ شکرہ اتنا بڑا اور قوی اور خود شکاری جانور ہے، اور اُلو کی منقار بہت چھوٹی ہوتی ہے کہ چونچ سے اُس کا قابو میں آنا معقول نہیں، نہ کہ ایسا زور کہ بندش توڑ کر زندہ لے جائے، لاجرم پنجہ سے شکار کیا، اور یہ امر اس جانور کی قوت سے کچھ عجیب نہیں، کہ وہ شکرہ سے بھاری جانور کو شکار کرلیتا ہے، علامہ زکریا بن محمد بن محمود انصاری قزوینی کتاب عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات میں اُس کا حال لکھتے ہیں، یصطاد السنانیر الضعاف ویعادی الغراب وھو ذلیل بالنھار اما باللیل فلا یقتدر علیہ شیئ من الطیور، اُلو کمزور بلیوں کو شکار کرلیتا ہے، کوّے سے اس سے دشمنی ہے، دن کو ذلیل ہوتا ہے، مگر رات میں کوئی پرند اس پر قدرت نہیں رکھتا، مرآت الاصطلاحات عنبر شاہی میں ہے، چنگ بالفتح بروزن سنگ قلاب آہنی وپنجۂ آدمی وحیوان درندہ، شکاری چوں باز وشاہین وشیر وپلنگ وامثال آں، واز شعر طوطی ہند امیر خسرو دہلوی چنگ بوم واقع شدہ وبوم ہرچند جانور شکاری نیست، بدیں معنی کہ مردم بداں شکار نمی کنند، لیکن فی الحقیقۃ ذومخلب ست کہ صیدمی نماید، چنانچہ دیدہ شد، وشعر مذکور این ست ؎

بوم کہ باشد کہ بچنگ دراز طعمہ برو از دہن جرہ باز

غرض جب وہ شکاری جانور ہے تو اُس کے حرام ہونے میں اصلاً جائے کلام نہیں، رہا بعض عبارت حنفیہ میں لفظ بوم کی نسبت لفظ یوکل وارد ہونا، **اقول** نہ وہ اجماعی قاعدہ فقہ حنفی وحدیث نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقابل ہوسکتا ہے، نہ مشاہدات کو رد کرسکتا ہے اُس سے بالتعیین اُلو کی حلت ثابت ہی نہیں ہوتی، زبان عرب میں لفظ بوم خاص اُلو کے لئے موضوع نہیں، بلکہ ہر اُس پرند پر اطلاق کیا جاتا ہے جو شب کو اپنے آشیانہ سے نکلتا ہے، علامہ دمیری حیاۃ الحیوان میں فرماتے ہیں قال الجاحظ وانواعھا الھامہ والصدی والضوع والخفاش وغراب اللیل والبومۃ وھذہ الاسماء کلھا مشترکۃ ای تقع علی کل طائر من طیر اللیل یخرج من بیتہ لیلا، قال وبعض ھذہ الطیور یصید الفار وسام ابرص والعصافیر وصغائر الحشرات وبعضھا یصید البعوض، ومن طبعھا ان تدخل علی کل طائر فی وکرہ وتخرجہ منہ وتاکل فراخہ وبیضہ وھی قویۃ السلطان باللیل لا یحتملھا شیئ من الطیر توجن کتابوں میں ذکر اکل ہے اُن میں بوم سے اُلو مراد نہیں بلکہ وہ پرند شب مقصود ہے جو پنجۂ شکاری نہیں رکھتا جیسے چمگادڑ وغیرہ، یہ معنی امام عتابی کی تصریح سے ثابت ہیں، علامہ قہستانی جامع الرموز میں لکھتے ہیں، لاباس بما لیس بذی مخلب کالبوم فی روایۃ عن ابی یوسف کما فی العتابی، پس حنفیہ کی طرف حلت چغد کی نسبت ایک دھوکا ہے، کہ اشتراک لفظ بوم سے پیدا ہوا، وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ از اوجین، مرسلہ حاجی یعقوب علی خانصاحب، ۲۹ رجادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

مولٰنا صاحب مجمع فضائل و منبع فواضل فرید العصر، وحید الزمان، مخدومی مکرمی دام افضالکم

بعد تمہید مراسم فدویت، و آرزوئی حصول سعادت مواصلت کہ عمدۂ مقاصد ہر دو جہان ہے، التماس پرداز ہے کہ حضرت نے حرمت بوم کے باب میں جو فتوٰی ارسال فرمایا، اُس میں یہ عبارت مرقوم ہے وہ سمجھ میں نہ آئی کہ جن کتابوں میں ذکر اکل ہے، اُن میں بوم سے مراد اُلو نہیں، بلکہ وہ پرندۂ شب مقصود ہے، جو پنجۂ شکاری نہیں رکھتا جیسے چمگادڑ وغیرہ یہ معنی عتابی کی تصریح سے ثابت ہیں لاباس بما لیس بذی مخلب کالبوم الخ تو کیا چمگادڑ اور باگل بھی حلال ہے، جواب بالتشریح بیان فرمائیے، زیادہ نیاز　بینوا توجروا،

الجواب ۔ چمگادڑ چھوٹا ہو یا بڑا جسے ان دیار میں باگل [illegible]، اس کی حلت حرمت ہمارے علمائے رحمہم اللہ تعالٰی میں مختلف فیہ ہے، بعض اکابر نے اُس کے کھا[illegible] ممانعت فرمائی، اس وجہ سے کہ وہ ذی ناب ہے، مگر قواعد حنفیہ کے موافق وہی قول حلت ہے، مطلقاً [illegible] موجب حرمت نہیں بلکہ وہ دانت جن سے جانور شکار کرتا ہو، ظاہر ہے کہ چمگادڑ پرند شکاری نہیں، ولہذا [illegible]ختار میں قول حرمت کی تضعیف فرمائی ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے اما الخفاش فقد ذکر فی بعض المواضع انہ یؤکل، وفی بعض المواضع انہ لا یؤکل لان لہ نابا اھ ورأیتنی کتبت علی ھامشہ مالفظہ فیہ انہ لایصید بنابہ، ولا یصول ولیس کل مالہ ناب حراما، برجندی میں ہے ذکر فی المحیط ان [illegible]اش اختلاف العلماء اھ درمختار میں ہے وقیل الخفاش لانہ ذوناب، ردالمحتار میں ہے قال [illegible] فیہ نظر لان کل ذی ناب لیس بمنھی عنہ اذا کان لایصطاد بنابہ اھ، برجندی میں ہے المراد الناب الذی ھو سلاح و ذوالناب الحیوان الذی ینھب بالناب اھ، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم،

مسئلہ ۔ از درو تحصیل کچھا، ضلع نینی تال، مرسلہ عبدالعزیز خاں، ۲۲ رجب ۱۳۱۵ھ

جو کواکہ دانہ کھاتا ہے، اور رنگ میں بالکل سیاہ ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے، اور جو کواکہ دانہ اور نجاست دونوں کھاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب ۔ دانہ خوار کواکہ صرف دانہ کھاتا اور نجاست کے پاس نہیں جاتا جسے غُراب زرع یعنی کھیتی کا کوا کہتے ہیں، چھوٹا سا سیاہ رنگ ہوتا ہے، اور چونچ اور پنجے غالبًا سُرخ وہ بالاتفاق جائز ہے، اور مردار خوار کوا جسے غراب البقع بھی کہتے ہیں، کہ اس کے رنگ میں سپیدی بھی سیاہی کے ساتھ ہوتی ہے بالاتفاق ناجائز ہے، اور اسی حکم میں پہاڑی کوا بھی داخل کہ بڑا اور یک رنگ سیاہ ہوتا اور موسم گرما میں آتا ہے، اور خلط کرنے والا جسے عقعق کہتے ہیں کہ اُس کے بولنے میں یہی آواز عَق عَق پیدا ہوتی ہے، اس میں اختلاف ہے

اور اصح حل مگر کراہت تنزیہ میں کلام نہیں ہذا خلاصۃ مافی الدر المختار و رد المحتار والمقام بعد یحتاج الٰی زیادۃ تحریر وضبط وتقریر لعل اللہ ییسرہ فی تحریر اٰخر، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ـ مسئولہ مولوی محمد ایوب صاحب، سنبھلی، مرادآبادی، ۳ رجمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کوا حرام ہے یا نہیں۔ الو حرام ہے یا نہیں۔

الجواب ـ یہ کوے کہ ہمارے دیار میں پائے جاتے ہیں سب حرام ہیں، الو حرام ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از شاہجہانپور، ڈاکخانہ نادر شاہیان، محلہ نادر شاہیان، مقام میران پور، یعقوب شاہ خان

بروز یکشنبہ، ۱۸ ر ۱۳۳۴ھ

جناب قبلہ دام اقبالہ، بعد سلام علیکم عرض ہے کہ پیلو کر انڈی اور گوشت اور پالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ـ سب جائز ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے کی حلت کا حکم کس وقت سے جاری ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی اس کا گوشت تناول فرمایا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ـ گائے کی حلت شریعت قدیمہ ہے اللہ عزوجل قرآن عظیم میں فرماتا ہے ہَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰھِیْمَ الْمُکْرَمِیْنَ اِذْدَخَلُوْا عَلَیْہِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْکَرُوْنَ ○ فَرَاغَ اِلٰٓی اَھْلِہٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ ○ دوسری جگہ فرمایا بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ یعنی کیا آئی تیرے پاس خبر ابراہیم کے عزت دار مہمانوں کی، جب وہ اس کے پاس آئے بولے سلام کہا سلام انجانے لوگ ہیں، پھر جلدی کرتا اپنے گھر گیا، سو ان کے کھانے کو لے آیا ایک فربہ بچھڑا بھنا ہوا، احادیث سے ثابت ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے قربانی کی، اور قربانی کا گوشت کھانے کا حکم فرماتے، مگر خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تناول فرمایا یا نہیں، اس بارے میں کوئی تصریح حدیث میں اس وقت پیش نظر نہیں، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ـ از شہر بریلی، محلہ قاضی ٹولہ شہر کہنہ، مرسلہ محمد عمران صاحب، ۲۶ رجمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گوشت گائے کا کھایا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گائے کی قربانی فرمائی اور اس کے کھانے کھلانے کا حکم فرمایا خود بھی ملاحظہ فرمایا یا نہیں، اس[۱] کا ثبوت نہیں، دنیا کی ہزاروں نعمتیں ہیں کہ حضور نے قصداً تناول نہ فرمائیں، گوشت گاوکی

۱؎ حدیث مسلم کتاب الزکاۃ کہ بریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کیلئے گوشت گاو صدقہ میں آیا، وہ حضور کے پاس لایا گیا اور حضور سے عرض کیا گیا کہ یہ صدقہ ہے کہ بریرہ کو آیا، فرمایا اس کیلئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ، اس سے بظاہر تناول فرمانا معلوم ہوتا ہے ۱۲ حجۃ الاسلام حامد رضا رضی اللہ تعالٰی عنہ

مذمت میں جو حدیث ذکر کی جاتی ہے صحیح نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ۔ مسئولہ معرفت سیٹھ آدم جی، گونڈل کاٹھیا واڑ ہاشم بیگ، سہ شنبہ یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) کبوتر کے کھانے میں کسی قسم کی کراہت ہے۔ (۲) عقیقہ کا گوشت ماں باپ کھائیں یا نہ،

الجواب۔ (۱) کچھ نہیں (۲) کھائیں اس کا حکم مثل قربانی ہے، تین حصے مستحب ہیں، ایک اپنا، ایک عزیزوں قریبوں کا، ایک مسکینوں کا، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ۔ مرسلہ محمد حکیم الدین از ضلع پورنیہ، موضع چوپڑا، ۲ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ خرگوش پنجہ والا ناخن دار مگر شتر کی مانند ہے اور ہر چاند میں حیض مثل عورتوں کے ہوتی ہے، اسکو کھانا حلال ہے یا حرام، لہٰذا بعض علما کی زبانی سنا گیا ہے کہ خرگوش پنجہ والا ناخن دار حرام ہے جو خرگوش کہ حلال ہے اسکا کھر ہوتا ہے مانند بکری و بیل وغیرہ کے، جناب والا اس پر بھی ہم کو اطمینان کلی نہیں ہوتا ہے، اس لئے بخدمت فیضدرجت یہ کمترین بطور عریضہ ہذا روانہ کرتا ہے، ضرور بالضرور جواب سے اس ذرۂ بیمقدار کو آفتاب درخشاں فرمائیگے زیادہ والسلام

الجواب۔ خرگوش ضرور حلال ہے، اسے حرام جاننا رافضیوں کا مذہب ہے، خرگوش کے پنجے ہی ہوتے ہیں، کھُر والا خرگوش دنیا کے پردہ پر کہیں نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ۔ مرسلہ مولوی حافظ مصاحب علی صاحب از مقام جاورہ مورخہ یکم رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:۔

بعض کفار جو کہ گوشت خور نہیں ہیں، تالاب یا ندی سے مچھلیاں پکڑ کر دیگر تالاب یا ندی محفوظ میں ڈلوا دیں اس غرض سے کہ مسلمان مچھلیاں پکڑ کر نہ کھا سکیں، تو کیا ایسے تالاب یا ندی سے مسلمانوں کو مچھلیاں پکڑوا کر کھانا جائز ہے یا نہیں، زید، بکر، عمرو، خالد نے مل کر ایک کمپنی قائم کرکے ایک کارخانہ جاری کیا، اور عام طور پر اعلان کر دیا کہ جس کا دل چاہے اس کارخانہ میں شریک ہو جائے۔ فی حصہ ایک صد روپیہ قرار پایا ہے جو شخص جس قدر حصے خریدنا چاہے اسی قدر روپیہ کا منافع دیا جائے گا، اور اگر کارخانہ میں نقصان و نفع ہوگا تو حصہ کے تناسب سے نقصان کا زیر بار ہونا پڑے گا، خریدار حصہ سے خواہ ایک حصہ خریدے یا دس حصہ تین مرتبہ کرکے روپیہ کمپنی میں وصول کیا جائے گا، کارخانہ کو اختیار ہے جو کام چاہے جاری کرے، کسی خریدار حصہ کو امور کارخانہ میں داخل کارخانہ یعنی مینجر وغیرہ کے امور میں دخل اندازی کا اختیار نہ ہوگا، خریدار کو صرف نفع یا نقصان سے غرض ہے، اور خریدار حصہ اپنے خرید شدہ حصہ کو نفع یا نقصان سے فروخت کرنے کا مجاز ہوگا، پس سوال یہ ہے کہ ایسے کارخانہ میں شرکت اور اس کے بعد خرید و فروخت حصہ مذکور جائز ہے یا نہیں، نیز یہ خرید و فروخت کس بیع میں داخل ہے۔

الجواب۔ ؁۱ مچھلیاں پکڑنے سے ملک ہو جاتی ہے، اور دوسرے دریا میں چھوڑنے سے ملک سے خارج نہیں ہوتیں، نہ دوسرے کو اُن کا لینا جائز ہوتا ہے، مسلم ہو یا کافر جب تک چھوڑنے والے نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ اسکی ہیں جو اُن کو لے، تو ملک غیر ہونے کے سبب سے اُن میں ممانعت آئے گی، مگر از انجا کہ یہ کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن نہ اُن سے اس بارہ میں کوئی معاہدہ ہے، لہٰذا اب بھی وہ مچھلیاں حکماً ایسی ہی ہیں جیسی پکڑنے سے قبل تھیں، ان کا ارادہ فاسد اُن پر رد کیا جائے گا، اور مسلم کافر جو کوئی پکڑے اُس کے لئے مباح ہوگی واللہ تعالٰی اعلم۔

؁۲ اگر وہ تجارت بر وجہ شرعی ہو عقود فاسدہ یا ربا کو دخل نہ ہو تو اُس میں شرکت جائز مگر اپنا روپیہ کا حصہ دوسرے کے ہاتھ بیچنا اور اس کا خریدنا دونوں حرام واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ۔ از کلکتہ ایجنسی، مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۱؍ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کے ہاتھ کا ذبح ناجائز ہے، جیسے کہ ہنود اس کے ہاتھ کی پکڑی ہوئی مچھلی کھانا کیسا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب۔ جائز ہے، اگرچہ اس کے ہاتھ میں مرگئی، یا اُس نے مار ڈالی ہو کہ مچھلی میں ذبح شرط نہیں جس میں مسلم یا کتابی ہونا ضرور ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ از بنگالہ ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اُس حیوان کے بارے میں جو کہ عجائب المخلوقات میں بایں طور بیان کیا گیا ہے، ومنہا سمکۃ مدورۃ ذنبہا اطول من ثلثۃ اذرع وعلی وسط ذنبہا شوکۃ معقفۃ شبہ کلاب وھی سلاحہا تضرب بہا وھی غراء بیاضہا فی غایۃ البیاض ونقط سوادھا فی غایۃ السواد ولہا منخران علی ظہرھا وفم علی بطنہا وفرج کفرج النساء۔ انتہٰی، اگر یہ مچھلی ہو تو اس کو عربی میں کیا کہتے ہیں، اور فارسی میں اس کا کیا نام ہے اور ہندی میں اس کا اسم مخصوص بہ کیا ہے بحوالہ کتاب تحریر فرمائیے۔

؁۲ اور جریث کو اہل ہند کیا کہتے ہیں، اور وہ کونسی مچھلی ہے اس کی عوارضات مختص بہا کو بوضاحت بیان فرمائیے۔ غایۃ الاوطار میں لکھا ہے کہ جریث کو بعض اہل ہند سنگی کہتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے، اگر غلط ہے تو پھر سنگی کیا شے ہے، بینوا توجروا۔

الجواب۔ یہ مچھلی کہ عجائب المخلوقات میں ذکر کی اگر اس کا وجود ہر دو عالم مثالی و خیالی سے باہر ثابت ہو تو اُن نوادر سے ہے جو بمرور دہور کبھی کسی سیاح کی نظر پڑے اور عامہ ناس اُن کے رسم و اسم سے آگاہ

نہیں، وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ، علامہ قزدینی کو خود اس کا نام معلوم ہوتا تو لکھتے، وہ خود اس کے عجائب دہر سے ہونے کے معترف ہیں، عبارت مذکورہ سوال کے بعد کہا ذا البحر لا تحصی عجائبہ، اسے جریث گمان کرنا صحیح نہیں، جریث ایک کثیر الوجود مچھلی سواحل پر ارزانی سے بکنے والی ہے، محرر المذہب سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مبسوط میں روایت فرماتے ہیں عن عمر بن شوذب عن عمرۃ بنت ابی طبیخ قالت خرجت مع ولیدۃ لنا فاشترینا جریثۃ بقفیز حنطۃ فوضعناها فی زنبیل فخرج راسها من جانب وذنبها من جانب فمر بنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال بکم اخذت قالت فاخبرتہ فقال ماطیبہ وارخصہ واوسعہ للعیال یعنی عمرہ بنت ابی طبیخ نے کہا میں اپنی کنیز کے ساتھ جا کر ایک جریثا ایک قفیز گیہوں کو خرید کر لائی جو زنبیل میں نہ سمائی، ایک طرف سے سر نکلا رہا ایک طرف سے دم، اتنے میں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کا گزر ہوا، فرمایا کتنے کو لی، میں نے قیمت عرض کی، فرمایا کیا پاکیزہ چیز ہے اور کتنی ارزاں اور متعلقین پر کتنی وسعت والی، ولہذا علامہ قزدینی نے اسے عجائب میں ذکر نہ کیا، البتہ جرّی کا نام لیا، اور اسے مارماہی سے تفسیر کیا کہ بزعم بعض وہی جرّیث ہے، اس تقدیر پر خود انھوں نے اس نادر مچھلی اور جریث میں فرق کیا، اُسے عجائب بحر فارس، اور اِسے عجائب ہند میں لکھا، اس کی وسط دُم پر کانٹا بتایا تھا، اور جرّی کی پیٹھ پر ایک چیز مثل عمود لکھی، اور وہ منخرین وفم وفرج کا ذکر یہاں نہ کیا، حیث قال منها (ای من عجائب بحر الهند) سمکۃ مدورۃ یقال لها مارماهی علی ظهرها شبه عمود محدد الراس لا تقوم لها فی البحر سمکۃ الا تضربها بذالک العمود وتقتلها، اور تحقیق یہ ہے کہ یہ دوسری مچھلی بھی نہ مارماہی ہے نہ مارماہی جرّیث مارماہی گول نہیں بلکہ لنبی بالکل سانپ کی شکل پر ہوتی ہے، عربی میں اُسے جِرّی بکسر جیم وتشدید را، اور جَرّی بالفتح اور جرّیت بتائے فوقانیہ بروزن جرّیث اور صِلَوّر وسِلَوّر اور انقلیس وانکلیس بفتح ہمزہ ولام ہردو اِنکلیس وانکلیس بکسر ہر دو اور فارسی میں مارماہی اور ہندی وبنگلہ میں بام کہتے ہیں جاحظ نے کہا وہ پانی کا سانپ ہے یعنی صورۃً نہ حقیقۃً، بعض نے کہا وہ سانپ اور مچھلی کے جوڑے سے پیدا ہے، قزدینی نے اسی پر جزم کیا، اور صحیح یہ کہ یہ بھی بے ثبوت ہے بلکہ وہ سانپ سے جدا ایک خاص نوع ماہی ہے، اہل فن نے ان اسمائے مذکورہ اعنی جرّی وصلّور وانقلیس میں بہت اختلاف کیا، بہت نے انھیں مارماہی کا غیر جانا، کسی نے کہا جرّی بے سنے کی مچھلی کو کہتے ہیں، کسی نے کہا ایک قسم ماہی ہے جس کے سر ودم باریک اور پشت چوڑی ہوتی ہے، کسی نے کہا انکلیس چھوٹی مچھلی کی شکل پر ایک جانور ہے جس کی دم کے پاس مینڈک کے پاؤں کے مثل دو پاؤں ہوتے ہیں اور ہاتھ نہیں ہوتے، بصرہ کی نہروں میں پایا جاتا ہے، بعض نے کہا بحر زن کی مچھلی ہے، اس جانور کو شلق بالکسر یا شلق مثل کشف کہتے ہیں، کسی نے کہا شلق بھی انکلیس اور

انکلیس جریث ہے، کسی نے کہا انکلیس مارماہی اور صلّور جریث ہے، بہرحال اس قدر میں شک نہیں کہ مارماہی ایک معروف مشہور مچھلی مستطیل الخلقۃ مشابہ مار ہے، نہ مدوّر، ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں زیر حدیث قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما طعامہ میتۃ الا ما قذرت منھا والجرّی لا تاکلہ الیھود ونحن ناکلہ، فرمایا الجرّی بکسر الجیم والراء والتحتیۃ المشددتین وبفتح الجیم، والجریث بمثناۃ فوقیۃ بعد التحتیۃ ضرب من السمک یشبہ الحیات، وقیل سمک لا قشرلہ، وقیل نوع عریض الوسط دقیق الطرفین، مجمع بحار الانوار میں علامہ زرکشی سے ہے الجرّی بکسر جیم ورائ مشددۃ وتشدید یاء ضرب من السمک یشبہ الحیات، وقیل نوع غلیظ الوسط دقیق الطرفین، وقیل ما لا قشرلہ، اُسی میں ہے لا تاکلوا الانکلیس بفتح ھمزۃ وکسرھا سمک شبیہ بالحیات ای مارماھی والانقلیس لغۃ، وکرھہ لرداءۃ غذائہ، لا لانہ حرام، اسی میں ہے لا تاکلوا الصلور والانقلیس ھما الجری والمارماھی نوعان من السمک کالحیۃ، قاموس میں ہے الصلور کسنور الجری فارسیتہ المارماھی، تاج العروس میں ہے وھو السمک الذی یکون علی ھیأۃ الحیات ومنہ حدیث عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ لا تاکلوا الصلور ولا الانقلیس، اُسی میں ہے قال احمد بن الحریش قال النضر الصلور الجریث، والانقلیس مارماھی، انتہی دونوں میں ہے (الانقلیس) الصلّور الجرّی قال اللیث ھی (سمکۃ کالحیۃ) وقال غیرہ الجریث کانکلیس وھو قول ابن الاعرابی، حیاۃ الحیوان الکبرٰی میں ہے الانکلیس بفتح الھمزۃ واللام وکسرھما معا سمک شبیہ بالحیات ردئ الغذاء، وھو الذی یسمی الجری والمارماھی، وقال الزمخشری قیل انہ شلق وقال ابن سیدہ ھو علی ھیأۃ السمک صغیر لہ رجلان عند ذنبہ کرجلی الصفدع، ولا یدلہ، یکون فی انھار البصرۃ، ولیس لفظہ عربیا، اھ ملخصا قاموس وتاج میں ہے (الشلق بالکسر او ککتف سمکۃ صغیرۃ) او علی خلقۃ السمکۃ لھا رجلان عند الذنب کرجلی الصفدع لا یدان لھا، تکون فی انھار البصرۃ، وقیل ھی من سمک البحرین ولیست بعربیۃ (او) ھی (الانکلیس) من السمک وھو الجری والجریث عن ابن الاعرابی عجائب قزوینی بیان حیوانات بحریہ میں ہے جری ھو الذی یقال لہ مارماھی متولد من الحیۃ والسمک قال الجاحظ انہ یاکل الجردان، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے ما قیل ان المارماھی متولد من الحیۃ لیس بواقع بل ھو جنس شبیہ بھا صورۃ، جس طرح ان اسامی میں اختلافات ہوئے یونہی ایک جماعت نے جریث بھی مارماہی کا نام جانا، اور اُسے وہی مچھلی مشابہ مار مانا، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں

ہے، الجری قال عیاض ھومن السمك مالا قشرله وقال ابن التین ویقال له ایضا الجریث وقال الازھری الجریث نوع من السمك یشبه الحیات ویقال له ایضا المارماھی، والسلّور وقیل سمك عریض الوسط دقیق الطرفین اھ مختصرا، مجمع البحار میں ہے الجری قیل ھوالجریث المارماھی اھ ملخصا اُسی میں نہایہ سے ہے فی ح علی رضی الله تعالٰی عنه انه قال الجریث ھونوع من السمك یشبه الحیات ای المارماھی، تاج العروس میں ہے (الجریث کسکیت سمك) معروف ویقال له الجری وھونوع من السمك یشبه الحیات، ویقال له بالفارسیة المارماھی اھ ملتقطا، حیاۃ الحیوان میں ہے الجریث ھوھذا السمك الذی یشبه الثعبان جمعه جراثی ویقال له ایضا الجرّی بالکسر والتشدید وھونوع من السمك یشبه الحیة، ویسمی بالفارسیة مارماھی، وقد تقدم فی الھمزة انه الانکلیس، قال الجاحظ انه یاکل الجرذان وھوحیة الماء وحکمه الحل اھ باختصار، مگر فقہائے کرام جسے جریث کہتے ہیں وہ یقیناً مار ماہی کے سوا دوسری مچھلی ہے کہ متون وشروح وفتاوٰی میں تصریحاً دونوں کانام جدا جدا ذکر فرمایا، لاجرم مُغرِب میں کہا ھوغیر المارماھی علامہ ابن کمال باشا اصلاح وایضاح میں فرماتے ہیں (والجریث والمارماھی) الجریث نوع من السمك غیر المارماھی ذکرہ فی المغرب، وانما افردھما بالذکر لمکان الخفاء فی کونھما من جنس السمك، ولمکان الخلاف فیھما لمحمد، ذکرہ صاحب المغرب، حاشیۃ الکنثری علی الانوار میں ہے الجریث نوع من السمك غیرمارماھی، یہ ایک سیاہ رنگ گول مچھلی ڈھال کی مانند ہے اُسے فارسی میں ماہی کول کہتے ہیں، درمختار میں ہے (الحریث) سمك اسود (والمارماھی) سمك فی صورۃ الحیة وافردھما بالذکر للخفاء، وخلاف محمد، عمدۃ القاری میں بعدعبارت مذکورہ ونقل اقوال مسطورہ ہے، قلت الجریث سمك اسود، فتح اللہ المعین حاشیۃ الکنز للعلامۃ الازہری میں ہے الجریث سمکة سوداء قاله العینی وقال الوانی الجِرِّیث بکسر الجیم والراء وتشدیدھا نوع من السمك مدوّر کالترس، اسی طرح طحطاوی وشامی وغیرہما میں ہے عازیبه لابی السعود وزل قلم العلامة ط فجعله عن العینی وانما ذلك صدر الکلام فقط، اما الاخیر فعن الوانی کما اسمعناك نصه، ذخیرۃ العقبٰی میں ہے یقال له بالفارسیة ماھی کول، یہ کَگی میری زبان کا لفظ نہیں، غایۃ الاوطار والے دونوں مترجم دہقانی تھے، دیہاتیوں کی زبان دیہاتی جانیں، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم،

مسئلہ - از بریلی، مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خانصاحب ۷، ۲ رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

ماقولکم غفراللہ لکم فی ھذہ المسئلة افیدونا یرحمکم اللہ خوردن ماہی بسیار کوچک بحاشیۂ بالابدمنہ مکروہ تحریمی نوشتہ است؟

الجواب - ماہی ریزہ کہ شایان شق جوف نباشد وہچناں شکم چاک ناکردہ بریاں کنندش، نزد امام شافعی حرام ست

ونزد سائر ائمہ حلال رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کما نص علیہ فی معراج الدرایۃ، ثم رد المحتار، ونصہ لو وجدت سمکۃ فی حوصلۃ طائر توکل، وعند الشافعی لا توکل لانہ کالرجیع ورجیع الطائر عندہ نجس، وقلنا انما یعتبر رجیعا اذا تغیر، وفی السمک الصغار التی تقلی من غیر ان یشق جوفہ، فقال اصحابہ لا یحل اکلہ لان رجیعہ نجس وعند سائر الائمۃ یحل اھ آرے در جواہر الاخلاطی دیدم کہ بکراہت تحریم تصریح، وہمیں را تصحیح کردہ است حیث قال السمک الصغار کلھا مکروھۃ کراھۃ التحریم ھو الاصح، پس اسلم اجتناب ست، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ مرسلہ محمد علی اکبر گوڑا سال سویم، ڈھاکہ، تاریخ ۱۴ر جمادی الاول ۱۳۳۳ھ

کہ سوکھی مچھلی (جو دیار بنگالہ میں معروف ومشہور ہے) کھانا جائز ہے یا نہیں، اور برتقدیر حلال ہونے کے اگر کوئی حرام کہے تو اس کا واسطے کیا حکم ہے۔

الجواب ۔ مچھلی تر ہو یا خشک مطلقاً حلال ہے قال تعالٰی واُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ سوائے طافی کے جو خود بخود بغیر کسی سبب ظاہر کے دریا میں مرکر اترا آتی ہے، عالمگیریہ میں ہے السمک یحل اکلہ الا ماطفا منہ، خشک مچھلی کا کسی ذی استثناء نہ کیا اگر حرام کہنے والا جاہل ہے، اسے سمجھایا جائے اور ذی علم ہے تو اس پر حلال خدا کے حرام کہنے کا الزام عائد ہے، اُسے تجدید اسلام وتجدید نکاح چاہیے، ہاں اگر وہاں سوکھی مچھلی ماہی دریا کے سوا کسی خشکی کے جانور کا نام ہے، جیسے ریگ ماہی، تو اُس کا حال معلوم ہونا چاہیے، اگر ریگ ماہی کی طرح حشرات الارض سے ہے، تو ضرور حرام ہے، عالمگیریہ میں ہے جمیع الحشرات وھوام الارض لاخلاف فی حرمۃ ھذہ الاشیاء، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ مسئولہ مولوی غلام گیلانی صاحب، شمس آباد، ضلع کیمبل پور ۲۵ر شعبان ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض ملکوں میں مچھلی خشک اور گوشت خشک کھایا جاتا ہے، قبل پکانے کے تو اس میں سخت بدبو ہوتی ہے، مگر بعد پکنے کے بھی بدبو باقی رہتی ہے، کیا اُس کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا

الجواب ۔ فی الواقع ایسی سخت بدبودار چیز علاوہ اس کے کہ نفاست طبع کے خلاف ہے، نظافت دین سے بھی جدا ہے، وبنی الدین علی النظافۃ، مسموع ہوا کہ اس کے مستعملین کے بدن و دہن میں اس کی بو بس جاتی ہے، یہ علاوہ کراہت اکل کے اور بلائے شدید اور ملائکہ کو ایذا ہے قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان الملٰئکۃ تتأذی مما یتاذی بہ بنو اٰدم، ایسی حالت میں اُن کو قرآن مجید پڑھنا منع ہے، حدیث میں ہے طیبوا افواھکم فانھا طرق القراٰن بلکہ جو بدبو پر مشتمل ہو اسے مسجد میں جانا حرام ہے، اور جماعت میں شامل ہونا ممنوع ہے، اور جبکہ اُس سے ضرر غالب متحقق ہو، تو حرمت میں کیا شبہہ ہے، فان المضار کلھا حرام، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ مرسلہ از چاند پور ضلع بجنور، محلہ سیتیا پاڑہ، مکان محمد حسین خاں زمیندار،

مچھلی بے ذبح کیوں جائز ہے؟

الجواب۔ خون مسفوح ناپاک ہے، وہ بدن میں رہے اور جانور مرجائے تو تمام گوشت پوست نجس وحرام ہوجاتا ہے، ذبح سے مقصود اُس کا جدا کرنا ہے، ولہٰذا حدیث صحیح میں ارشاد ہوا ما انھر الدم وذکر اسم اللہ علیہ فکلوا الحدیث رواہ الستۃ عن رافع بن خدیج عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور فرمایا انھر الدم بما شئت واذکر اسم اللہ، رواہ احمد والنسائی وابوداؤد وابن ماجۃ وابن حبان والحاکم عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور وارد ہوا کل ما فری الاوداج الحدیث رواہ ابن ابی شیبۃ عن رافع بن خدیج والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما، مچھلی اور ٹیڑی میں خون ہوتا ہی نہیں کہ اس کے اخراج کی حاجت ہو، غیر دموی جانوروں میں ہمارے یہاں صرف یہی دو حلال ہیں لہٰذا صرف یہی بے ذبح کھائے جاتے ہیں، شافعیہ وغیرہم کے نزدیک کہ اور دریائی جانور بھی کل یا بعض حلال ہیں، وہ انھیں بھی بے ذبح جائز جانتے ہیں کہ دریا کے کسی جانور میں خون نہیں ہوتا، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ۔ شمس الہدیٰ طالب علم مدرسہ منظر الاسلام، بریلی محلہ سوداگران، ۱۲ صفر ۱۳۳۹ھ

حضور پرنور کا اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے کہ مچھلی کو مع اسکی آنت وغیرہ کے کھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب۔ مکروہ ہے، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ۔ ۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ، مسئولہ شوکت علی صاحب،

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ کھانا جھینگا کا درست ہے یا نہیں مکروہ ہے یا حرام؟

الجواب، حمادیہ [illegible] کے دونوں قول نقل کئے کہ بعض حرام کہتے [illegible] اور بعض حلال حیث قال الدود الذی یقال لہ جھینکہ حرام عند بعض العلماء لانہ لایشبہ السمک [illegible] یباح عندنا من صید البحر انواع السمک، وھذا لایکون کذلک، وقال بعضھم حلال لانہ [illegible] اسم السمک **اقول** عبارت حمادیہ سے ظاہر یہی ہے کہ اُن کے نزدیک قول حرمت ہی مختار ہے، کہ اُسی کو تقدیم دی والتقدیم اٰیۃ التقدیم اور جھینگے کو دود یعنی کیڑا کہا، اور کیڑے حرام ہیں، اور اہل حلت کی طرف سے دلیل میں یہ نہ کہا کہ وہ مچھلی ہے، بلکہ یہ کہ اس پر مچھلی کا نام بولا جاتا ہے، تحقیق مقام یہ ہے کہ ہمارے مذہب میں مچھلی کے سوا تمام دریائی جانور مطلقاً حرام ہیں، تو جن کے خیال میں جھینگا مچھلی کی قسم سے نہیں اُن کے نزدیک حرام ہوا ہی چاہئے، مگر فقیر نے کتب لغت وکتب طب وکتب علم حیوان میں بالاتفاق اسی کی تصریح دیکھی کہ وہ مچھلی ہے، قاموس میں ہے الاربیان بالکسر سمک کالدود، صحاح وتاج العروس میں ہے الاربیان بیض من السمک کالدود یکون بالبصرۃ، صراح میں ہے "اربیان نوعے از ماہی ست" منتہی الارب میں ہے نوعے از ماہی کہ آنرا بہندی جھینگا میگویند، مخزن میں ہے روبیان واربیان نیز آمدہ وبفارسی ماہی روبیان نامند"، اسی طرح تحفہ میں ہے تذکرہ داؤد انطاکی میں ہے روبیان

اسم لضرب من السمك يكثر ببحر العراق والقلزم احمر كثير الاجل نحو السرطان لكنه اكثر لحما حیاۃ الحیوان الکبری میں ہے الروبیان ھو سمك صغير جدا احمر، جامع ابن بیطار میں ہے روبیان سمك بحری یسمیہ اھل مصر الفرندس، واھل الاندلس يعرفونه بالقمرون، انوار الاسرار میں ہے الروبیان سمك صغار جدا احمر، تو اس تقدیر پر حسب اطلاق متون وتصریح معراج الدرایہ مطلقا حلال ہونا چاہیے کہ متون میں جمیع انواع سمک حلال ہونے کی تصریح ہے، والاطلاق ليس نوعا براسه، بل وصف يعتري كل نوع، اور معراج میں صاف فرمایا کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں جن کا پیٹ چاک نہیں کیا جاتا اور بے آلائش نکالے بھون لیتے ہیں، امام شافعی کے سوا سب ائمہ کے نزدیک حلال ہیں، ردالمحتار میں ہے وفی معراج الدرایہ ولو وجدت سمكة فی حوصلة طائر تؤكل، وعند الشافعي لا تؤكل لانه كالرجيع ورجيع الطائر عنده نجس، وقلنا انما يعتبر رجيعا اذا تغير وفی السمك الصغار التی تقلی من غیر ان یشق جوفه فقال اصحابه لا يحل اكله لان رجيعه نجس وعند سائر الائمة يحل، مگر فقیر نے جواہر الاخلاطی میں تصریح دیکھی کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں سب مکروہ تحریمی ہیں اور یہ کہ یہی صحیح تر ہے حیث قال السمك الصغار كلها مكروهة كراهة التحريم هو الاصح، جھینگے کی صورت تمام مچھلیوں سے بالکل جدا، اور گنگچے وغیرہ کیڑوں سے بہت مشابہ ہے، اور لفظ ماہی غیر جنس سمک پر بھی بولا جاتا ہے جیسے ماہی سقنقور حالانکہ وہ ناکے کا بچہ ہے، کہ سواحل نیل پر خشکی میں پیدا ہوتا ہے، اور ریگ ماہی کہ قطعاً حشرات الارض، اور ہمارے ائمہ سے حلت روبیان میں کوئی نص معلوم نہیں، اور مچھلی بھی ہے تو یہاں کے جھینگے ایسے ہی چھوٹے ہیں، جن پر جواہر اخلاطی کی وہ تصحیح وارد ہوگی، بہرحال ایسے شبہہ واختلاف سے بیفرورت بچنا ہی چاہیے، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از بریلی، مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خانصاحب، ۲ رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

ما تولکم غفر الله لكم فی هذه المسائل افیدونا یرحمکم الله تعالٰی

۱۔ جھینگا خوردن چہ حکم دارد ۲۔ پوست بیضہ خوردن ۳۔ نسج عنکبوت خوردن ۔؟

الجواب ۔ ۱۔ مختلف فیہ است، ہرکہ از جنس ماہی دانستہ حلال گفتہ فان السمك بجميع انواعه حلال عندنا، ہر کہ غیر او گمان بردہ بحرمت رفتہ اذ کل مائی ماخلا السمك حرام عندنا، اسلم درہمچوں مسائل اجتناب است الحمدللہ فقیر واہل بیت فقیر عمرہاست کہ نخوردہ ایم ونہ ہرگز ارادہ خوردنش داریم، واللہ تعالٰی اعلم،

۲۔ پوست بیضہ جزو اوست پس در حلت وحرمت بحکم اوست ہمچوں جلد حیوان، واللہ تعالٰی اعلم،

۳۔ تصریح ایں جزئیہ ایدا فی الخیال نیست نہ اینجا کتب حاضر دارم اما ظاہر ممانعت است ہمچوں خانہ زنبور کما نص علیہ فی الهندية عن الملتقط عن الامام خلف بن ایوب رحمه الله تعالٰی زیرا کہ نسجش متولد از لعاب اوست واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ از موضع ڈرہال ، ضلع مرادآباد ، مرسلہ شیخ محمد اسمٰعیل صاحب ۲۱ / شوال ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ ملائم ہڈی کو چبا لیتے ہیں ، یہ جائز ہے یا نہیں ، اور ایک ہڈی ملائم گائے کے شانہ میں ہوتی جس کو چپنی کہتے ہیں ، اور اسے گوشت کے ساتھ کھالیتے ہیں ، بینوا توجروا ،

الجواب ۔ جانور حلال مذبوح کی ہڈی کسی قسم کی منع نہیں ، جبتک اس کے کھانے میں مضرت نہ ہو ، اگر ہو تو ضرر کی وجہ سے ممانعت ہوگی ، نہ اس لئے کہ ہڈی خود ممنوع ہے ، واللہ تعالیٰ اعلم ،

کتاب الصید

مسئلہ ۔ ۱۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

ما قولکم اندریں مسئلہ کہ ایک شخص روز شکار بندوق کا شوقیہ کھیلتا ہے، پس بحکم شرع شریف کے کس قدر شکار کھیلنا جائز ہے، اور کس وقت میں، اور وہ شکاری ہر روز شکار کھیلنے سے گنہگار ہوتا ہے یا نہیں، دریں امور چہ حکم دارد، بینوا مفصلاً توجروا کثیرا

الجواب ۔ شکار کہ محض شوقیہ بغرض تفریح ہو، جیسے ایک قسم کا کھیل سمجھا جاتا ہے، ولہذا شکار کھیلنا کہتے ہیں، بندوق کا ہو خواہ مچھلی کا، روزانہ ہو، خواہ گاہ گاہ مطلقا بالاتفاق حرام ہے، حلال وہ ہے جو بغرض کھانے یا دوا یا کسی اور نفع یا کسی ضرر کے دفع کو ہو، آجکل کے بڑے بڑے شکاری جو اتنی ناک والے ہیں کہ بازار سے اپنی خاص ضرورت کے کھانے یا پہننے کی چیز لانے کو جانا اپنی کسر شان سمجھیں، یا نرم ایسے کہ دس قدم دھوپ میں چل کر مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہونا مصیبت جانیں، وہ گرم دوپہر، گرم لُو میں گرم ریت پر چلنا اور ٹھہرنا، اور گرم ہوا کے تھپیڑے کھانا گوارا کرتے اور دو دو پہر بلکہ دو دو دن شکار کے لئے گھر بار چھوڑے پڑے رہتے ہیں کیا یہ کھانے کی غرض سے جاتے ہیں، حاشا وکلا بلکہ وہی لہو و لعب ہے اور بالاتفاق حرام، ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ ان شکاریوں سے اگر کہئے مثلاً مچھلی بازار میں بھی ملے گی وہاں سے لے لیجئے، ہرگز قبول نہ کرسکیں گے، یا کہئے کہ اپنے پاس سے لائے دیتے ہیں، کبھی نہ مانیں گے، بلکہ شکار کے بعد خود اس کے کھانے سے بھی چنداں غرض نہیں رکھتے، بانٹ دیتے ہیں، تو یہ جانا یقیناً وہی تفریح و حرام ہے، درمختار میں ہے الصید مباح الا للتلھی کما ھو ظاھر، اسی طرح اشباہ وبزازیہ ومجمع الفتاوٰی وغنیہ ذوی الاحکام وتاتارخانیہ وردالمحتار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ معرفت مولوی امام بخش صاحب طالب علم مدرسہ منظر الاسلام، مسئولہ وحید احمد خاں ۱۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شکار تفریحاً کھیلنا حرام ہے، زید کہتا ہے کہ شکار اگر گوشت کھانے کے واسطے کھیلا جائے تو کچھ حرج نہیں، کیونکہ ہم روز گوشت ہی کھاتے ہیں، اور چونکہ آج کل گوشت مہنگا ہے، اسواسطے شکار سے ہم کو فائدہ ہوگا، اور اگر یہ کہو کہ کسی کی جان بے فائدہ لینا ٹھیک نہیں، تو روز گوشت کیوں کھاتے ہو، زید کی اس گفتگو پر یہ سوال کیا گیا کہ تم مہنگے کا سوال پیش کرتے ہو، اور اگر تمھیں شکار سے پیٹ ہی بھرنا مقصود ہے، تو روز شکار کیوں نہیں

کھیلنے تاکہ تم کو پوا فائدہ حاصل ہو، گاہے گاہے کیوں شکار کھیلتے ہو، وہ بھی اپنے ہمعمروں کو ساتھ لیجاکر، اس سے یہ ظاہر ہوا کہ تم تفریحًا ہی شکار کھیلتے ہو جس کی اجازت شرع شریف نہیں دیتی، یہ بے نوا حضور سے مستفتی ہے کہ زید کی گفتگو صحیح ہے یا نہیں، اور زید کی یہ تاویل قابل سماعت ہوگی یا نہیں، جبکہ نہ مجبوری ہے نہ کسی بیماری کی صحت شکار کے گوشت سے مد نظر ہے

الجواب ۔ تفریح کے لئے شکار حرام ہے، اور غذا یا دوا کے لئے مباح ہے، اور نیت کا علم اللہ کو ہے، اگر واقعی وہ کھانے ہی کے لئے شکار کو جاتا ہے، تفریح مقصود نہیں تو حرج نہیں، اور اس کی علامت یہ ہے کہ مچھلی کے شکار کو جانا چاہیئے، اور مچھلیاں بازار میں ملتی ہوں اور دام رکھتا ہو، نہ خریدے بلکہ شکار ہی کرکے لائے، اور وہ تکالیف و مصائب جو اُس میں ہوتی ہیں گوارا کرے تو ہرگز اُسے کھانا مقصود نہیں، بلکہ وہی تفریح، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ مسئولہ علی احمد صاحب ۱۵ر جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شکار مچھلی کا کھانا جائز ہے یا ناجائز، شکار چارہ تلی سے وگھیسے سے کھیلا جاتا ہے۔

الجواب ۔ کسی جانور کا شکار اگر غذا یا دوا یا دفع ایذا یا تجارت کی غرض سے ہو جائز ہے، اور جو تفریح کے لئے ہو جس طرح آجکل رائج ہے، اور اسی لئے اُسے شکار کھیلنا کہتے اور کھیل سمجھتے ہیں، اور وہ جو اپنے کھانے کے لئے بازار سے کوئی چیز خرید کر لانا عار جانیں، دھوپ اور لؤ میں خاک اُڑاتے اور پانی بجاتے ہیں، یہ مطلقًا حرام ہے کما نص علیہ فی الاشباہ والدر المختار وغیرھما، پھر مچھلی کا شکار کہ جائز طور پر کریں، اس میں زندہ گھیسا پرونا جائز نہیں، ہاں مار کر ہو، یا تلی وغیرہ بے جان چیز تو مضائقہ نہیں، یہ سب اس فعل کی نسبت احکام تھے، رہی شکار کی ہوئی مچھلی اُس کا کھانا ہر طرح حلال ہے، اگرچہ فعل شکار اُن ناجائز صورتوں سے ہوا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از حیدرآباد دکن محلہ افضل گنج اقامت گاہ مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھ جج ریاست حیدرآباد مرسلہ جناب صاحبزادہ مولوی سید احمد اشرف میاں صاحب متوطن کچھوچھا شریف ضلع فیض آباد شاگرد رشید مفتی صاحب مذکور ۳ر محرم الحرام شریف ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بندوق کی گولی سے مارا شکار حلال ہے یا حرام، گولی کو حلت صید میں تیر کا حکم ہے یا نہ، لمبی شکل کی جو گولیاں ہوتی ہیں، اُن کا حکم کیا ہے، بینوا توجروا،

الجواب ۔ بندوق کی گولی دربارۂ حلت صید حکم تیر میں نہیں، اُس کا مارا ہوا شکار مطلقًا حرام ہے، کہ اس میں قطع و خرق نہیں، صدم و دق و کسر و حرق ہے، شامی میں ہے لا یخفی ان الجرح بالرصاص انما ھو بالاحراق، والثقل بواسطۃ اندفاعہ العنیف، ولیس لہ حد فلا یحل وبہ افتی ابن نجیم، مطول شکل کی جو گولیاں ہیں اولًا وہ بھی دھاردار نہیں ہوتیں بلکہ تقریبًا بیضوی شکل پر سنی جاتی ہیں، اور آلہ کا حدید یعنی تیز ہونا اگرچہ شرط نہیں مگر محدد یعنی باڑھ دار ہونا کہ قابل قطع و خرق

ہو ضرور ہے، ثانیاً اگر بالفرض گولی تیر کی طرح دھار دار ہی بنائی جائے، اور اُسے بطور معہود بندوق سے سر کریں، جب بھی ثبوت حلت میں نظر ہے کہ صرف دھار دار کا وجود ہی کافی نہیں، بلکہ یہ تیقن بھی ضروری ہے اس کی دھار سے قطع ہونا ہی باعث قتل ہوا، اور یہاں ایسا نہیں کہ اُس کا احراق وصدمۂ شدید قاتل ہے کما سمعت آنفا تو محتمل کہ یہی وجہ قتل ہوا ہو، نہ قطع، اور بحالت شک واحتمال حکم حرمت ہے، ہدایہ میں ہے الاصل فی ھذہ المسائل ان الموت اذا کان مضافا الی الجرح بیقین کان الصید حلالا واذا کان مضافا الی الثقل بیقین کان حراما وان وقع الشك ولا یدری مات بالجرح اوبالثقل کان حراما احتیاطا، اُسی میں ہے لا یوکل مااصابه البندقة فمات بها لانها تدق وتکسر ولا تجرح وکذلك ان رماہ بالحجر وکذلك ان جرحه، قالوا تاویله اذا کان ثقیلا وبه حدة لاحتمال انه قتله بثقله الخ واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - ۹ ربیع الآخر شریف سنہ ۱۳۲۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں باب کہ ایک شخص نے بسم اللہ کہہ کر شکار پر بندوق چلائی، پس جس وقت جاکر دیکھا تو کوئی آثار اس میں زندگی کے نہ تھے، اور نہ جنبش تھی، جس وقت کہ اسکو ذبح کیا تو خون نکلا اچھی طرح سے، پس وہ شکار حلال ہے یا حرام، اور اگر اس کو حلال نہ کرتے تو حلال ہوتا یا حرام، اور درصورت نہ نکلنے خون کے بھی جواب تحریر فرمایئے،

الجواب - اگر ذبح کرلیا اور ثابت ہو کہ ذبح کرتے وقت اس میں حیات تھی، مثلاً پھڑک رہا تھا یا ذبح کرتے وقت تڑپا، اگرچہ خون نہ نکلا، یا خون ایسا دیا جیسا مذبوح سے نکلا کرتا ہے، اگرچہ جنبش نہ کی، یا کسی اور علامت سے حیات ظاہر ہوئی تو حلال ہے، اور اگر بندوق سے مار کر چھوڑ دیا، ذبح نہ کیا، یا کیا مگر اس میں وقت ذبح حیات کا ہونا ثابت نہ ہوا تو حرام ہی، غرض مدار کار اس پر ہے کہ ذبح کرلیا جائے، اور وقت ذبح اس میں رمق حیات باقی ہو، اگرچہ نہ جنبش کرے، نہ خون دے، حلال ہوجائے گا، ورنہ حرام، درمختار میں ہے ذبح شاۃ مریضة فتحرکت اوخرج الدم حلت والا لا ان لم تدرحیاته عندالذبح وان علم حیاته حلت مطلقا، وان لم تتحرك ولم یخرج الدم وھذا یتاتی فی منخنقة ومتردیة ونطیحة، والتی فقر الذئب بطنها فذکاۃ ھذہ الاشیاء محلل وان کانت حیاتها خفیفة وعلیه الفتوی لقوله تعالیٰ الا ماذکیتم من غیر فصل اھ وفی ردالمحتار عن البزازی عن الاسبیجابی عن الامام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خروج الدم لایدل علی الحیاۃ الا اذا کان یخرج کما یخرج من الحی قال وھو ظاھر الروایة اسی کی کتاب الصید میں ہے المعتبر فی المتردیة واخواتها کنطیحة وموقوذة وما اکل السبع والمریضة مطلق الحیاۃ وان قلت کما اشرنا الیه وعلیه الفتوی، مدارک التنزیل میں ہے الموقوذۃ التی اثخنوها ضربا بالعصی اوحجر۔ معالم میں ہے قال قتادۃ کانوا یضربونها بالعصی فاذا ماتت اکلوها۔ اھ فظھر

ان المضروب بکل مثقل کالبندقۃ ولو بندقۃ الرصاص کلہ من الموقوذۃ فیحل بالذکاۃ وان قلت الحیاۃ۔ ردالمحتار میں ہے لایخفی ان الجرح بالرصاص انما ھو بالاحراق والثقل بواسطۃ اندفاعہ العنیف اذلیس لہ حد فلایحل وبہ افتی ابن نجیم، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از گونڈہ بہرائچ، مکان مولوی مشرف علی صاحب مرسلہ حضرت سید حسین حیدر میاں صاحب

۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بندوق کا شکار کھانا جبکہ تکبیر کے ساتھ سر کی جائے کیا حکم رکھتا ہے، بینوا توجروا

الجواب ۔ اگر زندہ پایا اور ذبح کرلیا ذبح کے سبب حلال ہوگیا ورنہ ہرگز نہ کھایا جائے، بندوق کا حکم تیر کی مثل نہیں ہوسکتا، یہاں آلہ وہ چاہئے جو اپنی دھار سے قتل کرے، اور گولی چھرے میں دھار نہیں آلہ وہ چاہئے جو کاٹ کرتا ہو، اور بندوق توڑ کرتی ہے نہ کاٹ، ردالمحتار میں ہے لایخفی ان الجرح بالرصاص انما ھو بالاحراق والثقل بواسطۃ اندفاعہ العنیف اذلیس لہ حد فلایحل وبہ افتی ابن نجیم فتاوی امام قاضی خاں میں ہے لایحل صید البندقۃ وما اشبہ ذلک وان جرح لانہ لایخزق الا ان یکون شیئ من ذلک قد حددہ وطولہ کالسہم وامکن ان یرمی بہ، فان کان کذلک وخرقہ بحدہ حل اکلہ انتہی، وبہ اندفع ماظن بعض اجلۃ علماء کانفورمن الحرمۃ بالرصاص لکبیر لثقلہ دون الحبات لخفتہا، وذلک لان مناط الحل لیس ھی الخفۃ بل الحد والخرق، وبدیہی ان لاشیئ من ذلک فی الحبات الاتری الی ماقال فی الدرالمختار لوکانت یعنی البندقۃ خفیفۃ بہاحدۃ حل حیث لم یقتصر علی الخفۃ حتی زاد بہاحدۃ، ولابد من قید اٰخر ترکہ لوضوحہ بہ وھوان تصیبہ بحدہا کما امر عن الامام فقیہ النفس، وھی مسئلۃ المعراض الشہیرۃ فی الکتب، فالصواب اطلاق المنع واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۔ از کراچی بندر محلہ جمعدار گل محمد مکرانی، مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب مکرانی ۲۵ شعبان ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے کرام رحمکم ربکم اندریں مسئلہ کہ اگر شخصے شکار بہ تفنگ یعنی بندوق کرد، وبذریعہ بندقی رصاص یعنی گولی یا چھرہ شکار زخمی شد وشخص مذکور وقت سر کردن بندوق بسم اللہ اللہ اکبر ہم گفتہ اما بانہ مذکور قبل از ذبح مرد، آیا آں جانور شرعاً حلال ست یا حرام، دریں مسئلہ درمیان علمائے بندر کراچی مباحثہ واختلاف افتادہ است، آخرالامر طرفین بریں قرار دادہ اندکہ ہر جوابیکہ علمائے کرام بریلی وہند، جانبین تسلیم نمایند، بینوا توجروا یوم الحساب۔

الجواب ۔ حلال نیست زیراکہ آلہ آں باید کہ دمِ بُرندہ دارد، نہ آنکہ صدمہ شکنندہ، یا گرمی سوزندہ کما فی ردالمحتار، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتے کا پکڑا ہوا شکار مسلمان کھاسکتا ہے یا نہیں، ایک خرگوش کو کتے نے اس طرح پکڑا ہے کہ اس کے دانت خرگوش کے جسم میں پیوستہ ہوگئے ہیں، اور بہت سا جسم اس کا چبا ڈالا ہے کہ خرگوش کے جسم میں خون جاری ہے، ہنوز ابھی جان باقی ہے، پس اس کو ذبح کرکے کھاسکتا ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ بسم اللہ کہہ کر تعلیم یافتہ کتے کو جو شکار کرکے مالک کے لئے چھوڑ دیا کرے خود نہ کھانے لگے غیر حرم کے حلال جانور، وحشی پر جو اپنے پاؤں یا پروں کی طاقت سے اپنے بچاؤ پر قادر تھا چھوڑا، اور کتا اس کے چھوڑنے سے سیدھا شکار پر گیا یا اس کے پکڑنے کی تدبیر میں مصروف ہوا بیچ میں اور طرف مشغول یا غافل نہ ہوگیا اور اس نے شکار کو زخمی کرکے مار ڈالا یا ایسا مجروح کردیا کہ اس میں اُتنی ہی حیات باقی ہے جتنی مذبوح میں ہوتی ہے کچھ دیر تڑپ کر ٹھنڈا ہوجائے گا اور کتے کو چھوڑنے میں کوئی کافر مجوسی یا بت پرست، یا ملحد، یا مرتد جیسے آجکل کے نصاری، رافضی، نیچری، وہابی، قادیانی وغیرہم، خلاصہ یہ کہ مسلمان یا کتابی کے سوا کوئی شریک نہ تھا نہ شکار کے قتل میں کتے کی شرکت کسی دوسرے کتے نا تعلیم یافتہ یا سگ نیچری یا اور کسی جانور نے کہ جس کا شکار ناجائز ہو، اور چھوڑنے والا چھوڑنے کے وقت سے شکار پانے تک اسی طرف متوجہ رہا، بیچ میں کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا، تو وہ جانور بے ذبح حلال ہوگیا، اور ان چودہ شرطوں سے ایک میں بھی کمی ہوا ور جانور بے ذبح مرجائے تو حرام ہوجائیگا ورنہ حرم کا شکار تو ذبح سے بھی حلال نہیں ہوتا، باقی صورتوں میں ذبح شرعی سے حلال ہوجائے گا، تنویرالابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے الصید مباح بخمسة عشر شرطا خمسة فی الصائد وھو ان یکون من اھل الذکاة وان یوجد منه الارسال وان لا یشارکه فی الارسال من لا یحل صیده، وان لا یترك التسمیة عامدا، وان لا یشتغل بین الارسال والاخذ بعمل اٰخر، وخمسة فی الکلب ان یکون معلما، وان یذھب علی سنن الارسال، وان لا یشارکه فی الاخذ ما لا یحل صیده وان یقتله جرحا، وان لا یاکل منه، وخمسة فی الصید ان لا یکون من نبات الماء الا السمك وان یمنع نفسه بجناحیه او قوائمه، وان لا یکون متقوما بنابه، او بمخلبه، وان یموت بھذا قبل ان یصل الی ذبحه اھ قلت ومعنی قوله ان یموت ای حقیقة او حکما بان لا یبقی فیه حیاة فوق المذبوح، کما نص علیه فی الدر، واوضحه المحشی، انہیں میں ہے شرط کون

الذابح مسلما حلا لاخارج الحرم، ان کان صید) فصید الحرم لاتحله الذکاة مطلقا (اوکتابیا او لو مجنونا) اھ ملخصا والمراد به المعتوہ کما فی العنایۃ عن النھایۃ لان المجنون لاقصد له ولانیۃ لان التسمیۃ شرط بالنص وھی بالقصد وصحۃ القصد بما ذکرنا یعنی قوله اذا کان یعقل التسمیۃ والذبیحۃ، ویضبط اھ ش ان سب شرائط کے ساتھ جس خرگوش کو کتے نے مارا مطلقاً حلال ہے، اور اگر ہنوز مذبوح سے زیادہ زندگی باقی ہے، تو بعد ذبح حلال ہے، اس کے دانت جسم میں پیوستہ ہوجانا وجہ ممانعت نہیں ہوسکتا، قرآن عظیم نے اس کا شکار حلال فرمایا، اور شکار بے زخمی کئے نہ ہوگا اور زخمی جبھی ہوگا کہ اس کے دانت اس کے جسم کو شق کرکے اندر داخل ہوں، اور یہ خیال کہ اس صورت میں اس کا لُعاب کہ ناپاک ہے شکار کے بدن کو نجس کردے گا، دو وجہ سے غلط ہے، اولاً شکار حالتِ غضب میں ہوتا ہے، اور غضب کے وقت اس کا لعاب خشک ہوجاتا ہے، ولذا فرق جمع من العلماء فی اخذہ طرف الثوب ملاطفا فینجس او غضبا فلا، ثانیاً اگر لعاب لگا بھی تو آخر جسم سے خون بھی نکلے گا، وہ کب پاک ہے، جب اس سے طہارت حاصل ہوگی اس سے بھی ہوجائے گی، واللہ تعالٰی اعلم،

کتاب الاضحیۃ

مسئلہ - از موضع مہپنڈری، ضلع پیلی بھیت، مرسلہ حاجی نصرالدین صاحب ۱۴ محرم ۱۳۱۹ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جلد چہارم کتاب شرح وقایہ کتاب الاضحیہ ص ۳۳ میں تحریر ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو شخص دیکھے تم میں سے چاند ذی الحجہ کا اور ارادہ کرے قربانی کا تو چاہیے کہ اپنے بال اور ناخون کو روک رکھے یعنی نہ کاٹے، روایت کیا جماعت نے، اب ایک شخص اہل اسلام کا ارادہ قربانی کرنے کا ہے تو وہ شخص دیکھنے چاند ذی الحجہ کے سے اپنے بال اور ناخون نہ روک رکھے یا حجامت کرائے، یا اس نے یہ حکم نہ مانا اور رسول مقبول کی حکم عدولی کرے، تو اس کے واسطے شرع شریف سے کیا حکم ہے، اور کیا کہا جائے گا، جواب تحریر فرمائیے، اور قربانی اس کی صحیح طور پر ہوگی یا کوئی نقص اس کی قربانی میں عائد ہوگا، بینوا توجروا،

الجواب - یہ حکم صرف استحبابی ہے، کرے تو بہتر نہ کرے تو مضائقہ نہیں، نہ اس کو حکم عدولی کہہ سکتے ہیں، نہ قربانی میں نقص آنے کی کوئی وجہ، بلکہ اگر کسی شخص نے (۳۱) دن سے کسی عذر کے سبب، خواہ بلا عذر ناخن نہ تراشے ہوں، خط نہ بنوایا ہو، کہ چاند ذی الحجہ کا ہوگیا، تو وہ اگرچہ قربانی کا ارادہ رکھتا ہو، اس مستحب پر عمل نہیں کرسکتا کہ اب دسویں تک رکھے گا تو ناخن وخط بنوائے ہوئے اکتالیسواں دن ہوجائے گا، اور چالیس دن سے زیادہ نہ بنوانا گناہ ہے، فعل مستحب کے لیے گناہ نہیں کرسکتا۔ فی رد المحتار فی شرح المنیۃ فی المضمرات، عن ابن المبارک فی تقلیم الاظفار وحلق الرأس فی عشر ذی الحجۃ، قال لا تؤخر السنۃ، وقد ورد ذلک ولا یجب التاخیر اھ فھذا محمول علی الندب بالاجماع الا ان نفی الوجوب لاینافی الاستحباب فیکون مستحبا الا ان استلزم الزیادۃ علی وقت اباحۃ التاخیر، ونھایتہ مادون الاربعین، فلا یباح فوقھا اھ مختصرا، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ - مرسلہ ڈاکٹر واعظ الحق سعد اللہ پوری، ڈاکخانہ خسرو پور ضلع پٹنہ بوساطت مولوی ضیاء الدین صاحب
۵ ربیع الآخر ۱۳۲۲ھ
قربانی ایام تشریق تک جائز ہے یا نہیں،

الجواب ۔ قربانی یوم نحر تک یعنی دسویں سے بارہویں تک جائز ہے، آخر ایام تشریق تک کہ تیرہویں ہے جائز نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ مرسلہ مولوی حاجی الہ یار خاں صاحب، تاجر کتب، ۲۱ / ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

رامپور میں عید اضحی شنبہ کے دن ہوئی، اور بریلی میں یکشنبہ کو، اب درصورت عدم اطلاع کے جن لوگوں نے شنبہ کو قربانی کی، اور بعد اس کے مطلع ہوئے، ان لوگوں کی قربانی درست ہوئی یا نہیں، اب ان پر کیا حکم ہے، بینوا توجروا،

الجواب ۔ دوسرے شہر کی رویت مجرد حکایات و اخبار سے ہرگز ثابت نہ ہوگی، مثلاً چند آدمی اگرچہ کیسے ہی عادل ثقہ ہوں یہاں آکر بیان کریں، وہاں فلاں دن رویت ہوئی، یا عید کی گئی، یا حکم دیا گیا، یا ہمارے سامنے گواہیاں گزریں یا منادی پھری، کچھ قابلِ التفات نہیں، کہ امر شرعی کا ثبوت بروجہ شرعی چاہئے، خانگی طور کا یقین کوئی چیز نہیں، گو عوام تو عوام اس زمانے کے بہت ذی علم بھی یقین شرعی و عرفی کے فرق سے غافل ہیں، فی الدر المختار وحاشیۃ رد المحتار (لا) لو شھدوا برؤیۃ غیرھم لانہ حکایۃ، فانھم لم یشھدوا بالرؤیۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم، کذا فی فتح القدیر، قلت وکذا لو شھدوا برؤیۃ غیرھم، وان قاضی تلک المصر امر الناس ان یصوموا رمضان لانہ حکایۃ لفعل القاضی ایضا ولیس بحجۃ بخلاف قضائہ الخ پس اگر رامپور کی خبر اسی طرح یہاں آئی، جب تو شنبہ کی قربانیوں میں اصلا خلل نہیں، لانھم بنوھا علی امر شرعی وھو اکمال العدۃ ثلثین عند الغمۃ ولم یثبت ما یردہ فلا یخاطبون الا بما وقع عندھم، اگرچہ انھوں نے خلاف احتیاط بیشک کیا، کہ قطع نظر اس سے کہ افضل و فاضل یعنی دہم و یازدہم چھوڑ کر سب میں گیا درجہ اختیار کیا، جب اگلے چاند کی تاریخ میں بھی احتمال تھا، اور بے رویت و شہادت صرف تیس پورے کرنے پر بنائے کار ہوئی تھی تو شنبہ کی عید بھی ایک احتمال رکھتی تھی، ایسی حالت میں فی التاخیر آفات پر نظر کرکے شنبہ تک بیٹھا رہنا نہ چاہئے تھا، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بحالت احتمال مستحب ہے بارہویں تک دیر نہ لگائے، اور دیر ہو جائے تو مستحب ہے کہ اس قربانی سے کچھ اپنے یا اور اغنیاء کے صرف میں نہ لائے، بلکہ بالکل راہ خدا میں اٹھائے۔ شرح نقایہ قہستانی میں ہے لو شک فی یوم الاضحیٰ فاحب ان لا یؤخر الی الیوم الثالث والا فاحب ان یتصدق کلہ، با ایں ہمہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی قربانی قضا ہوگئی، البتہ افضل یہ ہے کہ جس قدر گوشت وغیرہ اپنے یا اور اغنیاء کے صرف میں آگیا ہو اس کی قیمت لگاکر تصدق کریں، اور نیز جانور مذبوح و زندہ میں بوجہ ذبح جو تفاوت قیمت ہوگیا وہ بھی خیرات کریں، مثلاً زندہ ایک روپیہ کو آیا تھا اور ذبح کیا ہوا بارہ آنے کو جاتا، تو چار آنے اور تصدق کئے جائیں، عالمگیری میں ہے اذا شک فی یوم الاضحیٰ فالمستحب ان لا یؤخر الی الیوم الثالث، فان اخر

یستحب ان لایاکل منہ ویتصدق بالکل ویتصدق بفضل مابین المذبوح وغیر المذبوح لانہ لووقع فی غیر وقتہ لایخرج عن العہدۃ الا بذلک، کذا فی المحیط السرخسی، درمختار وغیرہ میں ہے: فان اکل تصدق بقیمۃ ما اکل، اھ ذکرہ فی الناذر، وافاد الشامی ان النذر لیس بقید بل کذلک الحکم فی کل ما وجب التصدق بہ، قلت واذا وجب ھذا فی واجب التصدق، ندب الیہ فی مندوبہ کالتصدق باللحم وبفضل مابین المذبوح الی غیر المذبوح کما لایخفی لان المقصود الاحتیاط للخروج عن العہدۃ بالیقین، فکل ماکان علی العہدۃ لو تیقن القضاء یکون مستحبا ھنا، لدفع المراء ھذا ما لایظن بہ خفاء۔

ہاں اگر بطریق موجب شرعی وہاں کی خبر ثابت ہو، مثلاً دو گواہ عادل نے آکر خود اپنی رؤیت پر گواہی دی، یا دارالقضا میں قاضی شرع نے باستجماع شرائط ان کے سامنے حکم دیا، انھوں نے اس حکم پر شہادت ادا کی، یا وہاں کے دو عادل اہل رؤیت نے انھیں بعبارت معتبرہ شرع اپنی شہادت کا حامل کیا، انھوں نے شہادۃ علی الشہادۃ باستیعاب شرائط گزاری، یا وہاں کی خبر مستفیض و مشتہر ہوگئی، بایں معنی کہ رامپور سے متعدد گروہ آئے اور سب یک زبان یہی خبر لائے تو نہ یہ کہ اصلی مخبر و حاکی دو تین شخص تھے ان کی زبانی نقل در نقل ہوکر شہر میں شہرت ہوگئی، کہ یہ اصلا قابل اعتبار نہیں وان اشتبہ کثیرا علی العوام ومن ضاھاھم ایسی حالتوں میں بیشک وہاں کی رؤیت بروجہ شرعی ثابت ہوجائے گی، فی فتح القدیر ورد المحتار ما اسمعناک ففی الدر المختار وحاشیتہ للعلامۃ الطحطاوی (یلزم) ثبوت الھلال سواء کان ھلال الصوم او الفطر (اھل المشرق برویۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب) کان یتحمل اثنان الشہادۃ او یشہدان علی حکم القاضی، او یستفیض الخبر، بخلاف ما اذا اخبرا ان اھل بلدۃ کذا راٰوہ، لانہ حکایۃ اھ حلبی الخ۔

علامہ مصطفی رحمتی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں معنی الاستفاضۃ ان تأتی من تلک البلدۃ جماعات متعددون کل منھم یخبر عن اھل تلک البلدۃ انھم صاموا عن رؤیۃ الخ نقلہ الشامی وقواہ، اور علامہ شامی نے اگرچہ دربارہ اضحیہ اختلاف مطالع کو معتبر ماننے کا استظہار فرمایا، حیث قال اختلاف المطالع انما لم یعتبر فی الصوم لتعلقہ بمطلق الرؤیۃ، وھذا بخلاف الاضحیۃ فالظاھر انھا کاوقات الصلوات یلزم کل قوم العمل بما عندھم، فتجزئ الاضحیۃ فی الیوم الثالث[1] عشر وان کان علی رؤیا غیرھم ھو الرابع عشر مگر یہاں اس کی گنجائش نہ ملے گی، کہ مسئلہ قربانی

[1] لایخفی ان الثالث والرابع عشر وقعا سھوا وانما مقصودہ رحمہ اللہ تعالٰی الثانی والثالث عشر ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز

میں مطالع شمس سے کام نہیں، جو ایک ہی فرسخ یعنی تین میل پر مختلف ہو جاتے ہیں، کما نص علیہ علماء الھیئۃ قلت بل الحق انھا تختلف فی میل واحد بل اقل من ذلک، غیر ان التفاوت لقلتہ جل لا یتبین لنا الا فی نحو فرسخ، بلکہ یہاں غرض مطالع قمر سے ہے، کہ چوبیس فرسخ یعنی بہتر میل سے کم میں نہیں بدلتے جن کی اس حساب سے کہ ایک میل کوس کے پانچ ثمن کا نام ہے کما تشھد بہ التقادیر الدائرۃ بین اھل اللسان اذا قیست الی الامیال المنصوبۃ فلا عبرۃ بما تلھج بہ معلموا النصاری، پینتالیس کوس ہوئے، فی رد المحتار، وفی شرح المنہاج للرملی، وقد نبہ التاج التبریزی، علی ان اختلاف المطالع لا یمکن فی اقل من اربعۃ وعشرین فرسخا وافتی بہ الوالد والاوجہ انھا تحدیدیۃ کما افتی بہ ایضا اھ فلیحفظ انتھی اقول والمنفی ھو الامکان العادی وان زعمت الفلاسفۃ ما زعمت فان اللہ علی کل شیئ قدیر۔ اور بریلی سے رامپور کا فاصلہ براہ دائرۂ طول کہ علم ہیئت میں اسی کا لحاظ ہے، اس مقدار کے[1] نصف کو بھی نہیں پہنچتا، اور اگر حساب عامہ ہی لیجئے تو بھی اس سے بہت کم ہے، بہرحال وہ تفاوت ہرگز نہیں جس کے باعث چاند کے مطلع بدلتے ہیں، لاجرم جب ثبوت شرعی پہنچے گا قطعاً ظاہر ہو جائے گا کہ سہ شنبہ کی قربانیاں ایام نحر گزر جانے کے بعد تیرہویں تاریخ واقع ہوئیں اب وہ احکام تصدق جو صورت بالا میں بطور افضلیت واستحباب مذکور ہوئے تھے سب واجب ہو جائیں گے کما ظھر مما مر، تحقیق ان مسائل کی فقیر کے رسالہ "ازکی الاھلال بابطال ما احدث الناس فی امر الھلال" میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از ایرایاں، محلہ سادات، ضلع فتح پور، مسئولہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب، ۲۳ محرم ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امسال اخبار وغیرہ سے معلوم ہوا کہ بقرعید کو ۲۹ کا چاند ہوا، مگر معقول سند نہ ملنے سے تیس کے حساب سے عید اضحی ہوئی، تو قربانی ۱۲ تاریخ کو ۳۰ کے حساب سے کرے یا احتیاطاً اختلاف کی وجہ سے ۱۱ تک کرے ۱۲ کو نہ کرے،

الجواب ۔ دربارۂ رویت اخبار کا کچھ اعتبار نہیں، ہمیں حکم ہے کہ ۲۹ کا چاند اگر ثابت نہ ہو تو ۳۰ دن پورے کرلیں فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین۔ ۳۰ کے حساب سے بارہویں تک قربانی بے تکلف کریں، احتمالات کا شریعت میں کچھ اعتبار نہیں، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از بنگالہ، شہر اسلام آباد، چاٹ گام، موضع ادصونگر، مرسلہ مولوی عبد الجلیل صاحب، ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ

چہ فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ درخانہ شخصے دہ کس موجود است، وقربانی

---

[1] طول رامپور قیدلو یعنی ... طول بریلی قید نط یعنی ... فصل بقدر یلکح یعنی ... میل تقریباً ۲۵ ... جن کے ستر کوس سے بھی کم ہوئے ولہذا دونوں شہر کے نصف النہار میں تفاوت صرف بقدر یا الب ہوتا ہے یعنی جب یہاں ۱۲ بجتے ہیں وہاں بارہ بجنے میں ڈیڑھ منٹ باقی ہوتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز۔

برہریک ایشاں واجب است، پس شخصے مذکور گا وے خرید از طرف ہفت کس قربانی نمود، واز جانب سہ کس ہیچ نکرد، ووقت قربانی فوت گردید، پس از بواقی ساقط شود یا بمقدار آں مر فقرا ومساکین را صدقہ کنند شرعاً چہ حکم است، بینوا بسنۃ الکتاب توجروا من الملک الوہاب،

الجواب: از سہ باقی ساقط نشود فان الاضحیۃ واجبۃ عینا لاکفایۃ، وچوں وقت گزشتہ است واجب است کہ ہریک ازیں سہ کساں قیمت گوسپندے کہ در اضحیہ کافی شود، بر فقرا صدقہ کند فی الدر المختار ترکت التضحیۃ ومضت ایامها تصدق غنی بقیمۃ شاۃ تجزئ فیہا، اھ ملتقطا واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ: ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زید کے پاس مکان سکونت کے علاوہ دو ایک اور ہوں تو اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: واجب ہے جبکہ وہ مکان تنہا یا اس کے اور مال سے کہ حاجت اصلیہ سے زائد ہو ملکر چھپن روپے کی قیمت کو پہنچیں، اگرچہ ان مکانوں کو کرایہ پر چلاتا ہو یا خالی پڑے ہوں یا سادی زمین ہو بلکہ مکان سکونت اتنا بڑا ہے کہ اس کا ایک حصہ اس کے جاڑے گرمی کی سکونت کے لئے کافی ہو، اور دوسرا حصہ حاجت سے زائد ہو، اور اس کی قیمت تنہا یا اُسی قسم کے مال سے مل کر نصاب تک پہنچے جب بھی قربانی واجب ہے، اسی طرح صدقۂ فطر بھی فی الہندیۃ عن الظہیریۃ ان کان لہ عقار ومستغلات ملک اختلف المشائخ المتأخرون رحمہم اللّٰہ تعالٰی فالزعفرانی والفقیہ علی الرازی اعتبر قیمتہا، وابو علی الدقاق وغیرہ اعتبر الدخل، واختلفوا فیما بینہم، قال ابو علی الدقاق ان کان یدخل لہ من ذلک قوت سنۃ فعلیہ الاضحیۃ ومنہم من قال قوت شہر ومتی فضل من ذلک قدر مائتی درہم فصاعدا فعلیہ الاضحیۃ الخ ونحوہ فی ردالمحتار ولم یذکر ترجیحا ورأیتنی کتبت علی ہامشہ ما نصہ اقول بہ جزم فی الخانیۃ من صدقۃ الفطر ولم یحک خلافا حیث قال وما زاد علی الدار الواحدۃ والدستجات الثلثۃ من الثیاب یعتبر فی الغناء اھ ثم قال واذا کان لہ دار لایسکنہا ویؤاجرہا اولا یؤاجرہا یعتبر قیمتہا فی الغناء وکذا اذا سکنہا وفضل عن سکناہ شیئ یعتبر فیہ قیمۃ الفاضل فی النصاب، ویتعلق بہذا النصاب احکام وجوب صدقۃ الفطر والاضحیۃ وحرمۃ وضع الزکاۃ فیہ ووجوب نفقۃ الاقارب، اھ وہکذا نقل الکلام عنہا برمزہ، فی خزانۃ المفتین وکذلک ذکر فی البزازیۃ، اقوال المتأخرین کالزعفرانی والدقاق وغیرہما مقدما قول الزعفرانی ان العبرۃ بالقیمۃ ثم قال وعند الثانی رحمہ اللّٰہ ہو موسر بالضیاع، اھ وفی الہندیۃ عن الخلاصۃ

عن الاجناس لوکان الدار فیھا بیتان شتوی وصیفی وفرش شتوی وصیفی لم یکن بھا غنیا فان کان له فیھا ثلث بیوت وقیمۃ الثالث مائتی درھم فعلیہ الاضحیۃ، الخ ومثله فی البزازیۃ وقال قبله لوکان فی دار اجارۃ فاشتری ارضا بنصاب وبنی فیھا منزلا یسکنه لزمت اھ وبالجملۃ قد تظافرت الروایات علی الایجاب وھو الموافق لاطلاق المتون والشروح، من قولھم کما فی الھدایۃ وغیرھا واجبۃ علی الحر المسلم، اذا کان مالکا لمقدار النصاب فاضلا عن مسکنه، وثیابه واثاثه و فرسه وسلاحه وعبیدہ وھو المنقول من احد شیخی المذھب والخلاف انما جاء عن المتأخرین ثم ھو الاحوط فعلیه فلیکن التعویل، فان قلت الیس قد احالوا یسار الاضحیۃ علی یسار صدقۃ الفطر واحال فی التنویر ویسارھا علی نصاب یحرم الصدقۃ، حیث قال صدقۃ الفطر تجب علی کل مسلم ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلیۃ وان لم ینم وبه تحرم الصدقۃ، اھ وقال فی الدار من مصارف الزکاۃ لا یصرف الی غنی، یملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الاصلیۃ من ای مال کان اھ وقال فی رد المحتار ذکر فی الفتاوی فیمن له حوانیت ودور للغلۃ، لکن غلتھا لا تکفیه ولعیاله انه فقیر ویحل له الصدقۃ عند محمد، وعند ابی یوسف لا یحل، وکذا لو له کرم لا تکفیه غلته اھ وفی التتارخانیۃ عن الصغری له دار یسکنھا لکن تزید علی حاجته بان لا یسکن الکل یحل له اخذ الصدقۃ فی الصحیح، وفیھا سئل محمد عمن له ارض یزرعھا، او حانوت یستغلھا، او دار غلتھا ثلثۃ الاف، ولا تکفی لنفقته ونفقۃ عیاله سنۃ یحل له اخذ الزکاۃ، وان کانت قیمتھا تبلغ الوفا، وعلیه الفتوی وعندھما لا یحل، اھ الکل ملخصا قلت نعم افتی بھذا فی حرمۃ الصدقۃ، وبه جزم فی الخانیۃ، وخزانۃ المفتین، قالا لوکان له حوانیت اودار غلۃ تساوی ثلثۃ الاف، وغلتھا لا تکفی لقوته وقوۃ عیاله یجوز صرف الزکاۃ الیه ولکن الوکان له ضیعۃ تساوی ثلثۃ الاف ولا یخرج منھا مایکفی له ولعیاله یجوز له اخذ الزکاۃ اھ ثم لم یمنعھا ھذا علی جزمھما فی مسئلۃ الاضحیۃ بما رأیت ولا تلازم بین حل الصدقۃ وسقوط الواجبات المالیۃ، حتی صرح العلماء ان من له نصاب سائمۃ لا تساوی مائتی درھم تحل له الزکاۃ، وتلزمه الزکاۃ، فی رد المحتار عن الشرنبلالیۃ عن الجوھرۃ عن الامام المرغینانی اذا کان له خمس من الابل قیمتھا اقل من مائتی درھم تحل له الزکاۃ وتجب علیه اھ وتمام تحریرہ فیه ولا شك ان الزکاۃ اضیق وجوبا من صدقۃ الفطر، والاضحیۃ، فلا غرو ان وجبتا علی صاحب الضیاع، والمستغلات لملکه نصابا فاضلا، وحلت له الصدقۃ لعدم کفایۃ الغلۃ له ولعیاله له

نعم یبقی خلاف مفھوم ما افادہ فی التنویر ولاحرج فیہ بعد ماجاءت من العلماء تلک النصوص بالتکثیر، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ مسئولہ مولوی ظفر الدین صاحب از بانکی پور پٹنہ　　۲۳ صفر ۱۳۳۲ھ

ایک شخص برائے نام صاحب جائداد ہے، سو روپیہ سالانہ آمدنی کی جائداد ہے، وہ شخص سہ ۵۰۔ للعہ ماہوار کا نوکر بھی ہے، جو اس کی ضروریات دنیویہ کو کافی ہے، کسی سال میں کچھ نہیں بچتا، اس کی بیوی کے پاس تقریباً ستّر روپیہ کا زیور ہے ۵۰ کا طلائی باقی نقرئی، اب ایسی صورت میں یہ تو ظاہر ہے کہ زکوٰۃ میاں بی بی دو میں کسی پر واجب نہیں، مگر صدقۂ فطر و قربانی ان دونوں یا ایک پر واجب ہے یا نہیں، اور ہے تو کس پر۔

الجواب۔ ستّر روپیہ کا زیور اگر مملوک زن ہے اور اس پر قرض نہیں تو اس پر نہ صرف اضحیہ و صدقۂ فطر بلکہ زکوٰۃ بھی فرض ہے کہ اگرچہ ۲۰ کے سونے ۲۰ کی چاندی میں کسی کی نصاب کامل نہیں، مگر سونے کو چاندی کرکے چاندی کی نصاب کامل مع زیادۃ ہو جائے گی، ہاں شوہر پر صدقہ و اضحیہ بھی نہیں، اگرچہ زیور مذکور بھی اسی کی ملک ہو کہ تمام کا قرض محیط ہے، مگر ان علماء کے نزدیک کہ ایجاب صدقہ و اضحیہ میں قیمت جائداد کا اعتبار کرتے ہیں اور راجح و مفتی بہ اول ہے، واللہ تعالٰی اعلم، ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے ان کان لہ عقار و مستغلات ملک اختلف المشائخ المتاخرون، فالزعفرانی والفقیہ علی الرازی اعتبرا قیمتہا، وابو علی الدقاق وغیرہ اعتبروا الدخل، واختلفوا فیما بینہم، قال ابو علی الدقاق ان کان یدخل لہ من ذلک قوت سنۃ فعلیہ اضحیۃ ومنہم من قال قوت شہر، ومتی فضل من ذلک قدر مائتی درھم فصاعدا فعلیہ الاضحیۃ، ردالمحتار میں بدائع سے ہے سئل محمد عمن لہ ارض یزرعہا اوحانوت یستغلہا اودار غلتہا ثلثۃ الاف ولا تکفی لنفقتہ و نفقۃ عیالہ سنۃ یحل لہ اخذ الزکاۃ، وان کانت قیمتہا تبلغ الوفا وعلیہ الفتوی، وعندھما لا یحل، درمختار کے صدقۂ فطر میں ہے تجب علی کل مسلم ذی نصاب فاضل عن حاجتہ الاصلیۃ وان لم ینم، وبھذا النصاب تحرم الصدقۃ، وتجب الاضحیۃ ونفقۃ المحارم علی الراجح اھ قلت فالذی لہ ارض قیمتہا الوف کما وصف لوکان تجب علیہ الاضحیۃ لحرمت علیہ الزکاۃ لکنہا لم تحرم فالاضحیۃ لم تجب، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ از سرکار مارہرہ شریف مرسلہ حضور سید ناسید مہدی حسن میاں صاحب سجادہ اقدس دامت برکاتھم ۷ رذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

اعلٰحضرت محترم سلام خادمانہ عرض ہے، فقیر رضوی کی عمر گیارہ سال کچھ ماہ کی ہے، زیور اس کے پاس غالباً ساٹھ روپے کا ہے، بالغ نہیں ہے، قربانی اس کے ذمہ واجب ہے یا نہیں، پیر برکات عمر سترہ سالہ

خلف بھائی جان مرحوم بے ماں باپ کا ہے، لیکن اس کی والدہ کا زیور و ظروف مسی و پارچہائے پوشیدنی ہیں جو بغصب ایک شخص کے پاس ہیں جن کے ملنے کی کسی قسم کی امید اس کو کسی زمانہ میں نہیں، وہ مالک و وارث اُن چیزوں کا ضرور ہے مگر اس کے قبضہ سے قطعی باہر ہیں، اور صحیح طور سے یہ بھی نہیں معلوم کہ اُن چیزوں کا وجود ہے یا نہیں، اس کے ذمہ قربانی ہے یا نہیں۔

الجواب - حضور والا آداب غلامانہ معروض۔ نابالغ اگرچہ کسی قدر مالدار ہو نہ اس پر قربانی ہے نہ اسکی طرف سے اس کے باپ وغیرہ پر، حضرت صاحبزادہ صاحب اگر اس مال کے سوا اپنی حاجت اصلیہ کے علاوہ چھپن روپے کے مال کے مالک ہیں، تو ان پر قربانی ہے ورنہ نہیں، وہ مال کہ نہ کبھی اس کے ملنے کی امید نہ اُس کا وجود ہی معلوم مثل معدوم ہے، اس کے سبب وجوب نہ ہوگا، زیادہ حد ادب،

مسئلہ - ۲۲ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، سائل دریافت کرتا ہے کہ قربانی ولی کرے تو سب گھر والوں کی طرف سے ہو جائے گی، کیونکہ سب اولاد شامل ہے، مثلاً بیٹے اور بیٹیوں کی اولاد، نواسے وغیرہ اور سب مال اسباب کا دادا جو کہ ولی ہے مالک ہے، اور دوسروں کو اختیارات بالکل نہیں ہیں، اور ولی اپنے دل میں خیال کرکے قربانی یا دیگر صدقات یا زکاۃ، یا میلاد شریف کرتا ہے، اس صورت میں سب کی طرف سے قبول ہوگی یا ولی کی طرف سے، بینوا توجروا،

الجواب - ایک قربانی نہ سب کی طرف سے ہو سکتی ہے، نہ سوا مالک نصاب کے کسی اور پر واجب ہے، اگر اس کی بالغ اولاد میں کوئی خود صاحب نصاب ہو تو وہ اپنی قربانی جدا کرے، یونہی زکوٰۃ جس جس پر واجب ہے، یہ الگ الگ دیں، ایک کی زکوٰۃ سب کی طرف سے نہیں ہو سکتی، جو چیز واجب شرعی نہیں مثلاً صدقہ نفل و میلاد مبارک وہ بھی ایک کے کرنے سے سب کی طرف سے نہ قرار پائے گا، ہاں کرنے والا ہر ایک کا اگرچہ فرض ہو اپنی اولاد اور گھر والوں جن کو چاہے پہنچا سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ - از مدرسہ منظر الاسلام، مرسلہ مولوی احسان علی صاحب متعلم مدرسہ، مورخہ ۷ رذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نصاب کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ۵۲ ½ تولہ چاندی یا ۷ ½ تولہ سونا یا بمقدار اس کے روپیہ موجود ہوں جب قربانی واجب ہے، یا کہ اتنے مقدار کی مالیت ہو چاہے اس کے پاس کاشت ہو یا چوپائے ہوں، اگر ایک شخص کے پاس ۲۰۰ روپیہ کی بھینس یا بیل ہے تو اس پر قربانی ہے یا نہیں، کسی شخص کو ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے لیکن بزمانہ قربانی ایک روپیہ بھی اس کے پاس موجود نہیں وہ شخص قرض لیکر قربانی کرے گا، یا کہ نہیں، علیٰ ہذا القیاس کاشت فروخت کرکے قربانی کرے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ قربانی واجب ہونے کے لئے صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ ایام قربانی میں اپنی تمام اصلی حاجتوں کے علاوہ ۵۶ روپیہ کے مال کا مالک ہو، چاہے وہ مال نقد ہو یا بیل یا بھینس یا کاشت۔ کاشتکار کے ہل بیل اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں اُن کا شمار نہ ہو۔ ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی والا آدمی قربانی کے دن ۵۶ روپیہ کا مالک نہ ہو، یہ صورت خلاف واقعہ ہے۔ اور اگر ایسا فرض کیا جائے کہ اُس وقت وہ فقیر ہے تو ضرور اسپر قربانی نہ ہوگی، اور جس پر قربانی ہے، اور اس وقت نقد اس کے پاس نہیں وہ چاہے قرض لیکر کرے۔ یا اپنا کچھ مال بیچے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ۔ ۱۳ ذوالحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری پارسال قربانی کے ارادہ سے لی گئی، اُس نے گھر میں آکر دودھ دیا، اور لوگوں نے کہا یہ بکری دودھ کی ہے، اس کی قربانی مت کرو، تو اسکے عوض ایک مینڈھا قربانی کردیا، اور بکری کو گاؤں بھیجدیا، وہاں جاکر وہ گابھن ہوگئی، پھر اس کو مکان پر بلالیا یہاں آکر دو بکری بیائی، اور ان کا بھی یہی ارادہ کیا کہ جب یہ دونوں بکری سال بھر کی ہو جاویں گی ان کی بھی قربانی کردی جائے گی، اس کا دودھ بھی اپنے کام میں آیا، بعد کو بکری مع اس کے بچوں کے گاؤں بھیج دی گئی، پھر اب اس کو گاؤں سے منگوالیا، قربانی کے لئے تو اس کے آثار سے معلوم ہوا کہ گابھن ہے، اس کی قربانی نہیں کی، بلکہ اسکے عوض میں ایک مینڈھا قربانی کردیا گیا۔

پس اس صورت میں بکری کا دودھ اپنے کام میں آسکتا ہے یا نہیں، اور آیا اس بکری کو فروخت کرنا یا لینا جائز ہے، اپنے لئے یہ بکری ڈھائی روپیہ میں پارسال خریدی گئی تھی، اور پارسال جو مینڈھا اس کے عوض میں قربانی کیا گیا اس کی قیمت یاد نہیں، اور اب کی جو مینڈھا قربانی کیا گیا دو روپیہ چھ آنہ میں خریدا گیا تھا، بینوا توجروا

الجواب۔ دودھ کے جانور یا گابھن کی قربانی اگرچہ صحیح ہے مگر ناپسند ہے، حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی سائلہ جب کہ غنیہ مالکہ نصاب ہے تو بہ نیت قربانی بکرے خریدنے سے خاص اسی کی قربانی اس پر لازم نہ ہوئی، اسے بدل لینے کا اختیار تھا، دودھ دیتی دیکھکر اس کے عوض مینڈھا کردیا، اس سال گابھن خیال کرکے بھی مینڈھا کیا، کچھ حرج نہ ہوا، اس بکری کا پالنا، بیچنا، دودھ پینا سب روا ہے

وکراھۃ الانتفاع بلبن الاضحیۃ وصوفھا قبل التضحیۃ انما کان لانہ التزم اقامۃ القربۃ بجمیع اجزائھا کما فی الدر فاذا اقام القربۃ بغیرھا بقیت علی حکم ملکہ المطلق المتصرفات علی ان منھم من اجازھما اعنی الانتفاع باللبن والصوف للغنی مطلقا لوجوبھا فی الذمۃ فلا یتعین کما فی الدر عن الزیلعی قال الشامی والجواب ان المشتراۃ للتضحیۃ متعینۃ للقربۃ الی ان یقام غیرھا مقامھا۔

اما کراھۃ الاستبدال فشیئ خارج عما نحن فیہ لان الکلام فی حل الانتفاع بھا بیعًا وحلبًا بعد ما ابدلت بل ھل الکراھۃ فی غیرھا اذا وجد ھا ذات در اوحمل لورود الحدیث بالنھی عنھما، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از شہر بریلی، مسئولہ منشی شوکت علی صاحب رضوی محرر چونگی شب ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ (۱) قربانی کس پر ہے اور واجب ہے یا فرض (۲) آج کل ہندوستان میں گائے کی قربانی کو بعض مسلمان مشرکوں کی خوشنودی کے لئے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں بکری کی قربانی کی جائے۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ (۱) صاحب نصاب جو اپنے حوائج اصلیہ سے فارغ چھپن روپے کے مال کا مالک ہو اس پر قربانی واجب ہے، (۲) مشرکوں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی بند کرنا حرام حرام سخت حرام ہے، اور جو بند کرے گا جہنم کے عذاب شدید کا مستحق ہوگا، اور روز قیامت مشرکوں کے ساتھ ایک رسّی میں باندھا جائیگا، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از موضع غنی پور ضلع نواکھال، ڈاکخانہ صفدر گنج، مرسلہ مولوی عبدالعزیز ۲۷ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں مثلاً تین بھائی ہیں، کہ تینوں ایک ساتھ ہی رہتے ہیں، جبکہ قربانی کا وقت آیا تو تینوں آپس میں مل کر بڑا بھائی کو حکم کیا، کہ تم ہمارے نام کی ایک بکری خرید کر قربانی کرو، اس میں دو تین روپیہ جو بھی خرچ ہوں اس کا دعوٰی ہم نہیں رکھتے ہیں، اس حالت میں قربانی ہوگا یا نہیں میرے یہاں بعض علماء فرماتے ہیں کہ قربانی بالکل جائز نہیں ہوگی، کیونکہ شریک دار کا حصہ معاف کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا ہے، اس فساد میں بہت سے لوگوں نے قربانی چھوڑ دیا، کیونکہ بعض تو ایسے ہیں کہ انھوں کے مال حصہ کرنے سے صاحب نصاب نہیں رہتے ہیں، اُن علماؤں نے فرماتے ہیں کہ جنھوں کا مال حصہ کرنے سے صاحب نصاب نہیں رہتے ہیں انھوں کو قربانی نا کرنا چاہئے، اگر قربانی جائز ہے تو اُن علماؤں کے حق میں کیا حکم ہے۔

الجواب المطول ۔ مال شرکت میں جس کا حصہ بقدر نصاب نہ ہو نہ اس کے پاس اپنا اور کوئی خاص مال اتنا ہو کہ حصہ کے ساتھ مل کر نصاب کو پہنچ جائے اس پر قربانی واجب نہیں، یعنی نہ کرے گا تو گنہگار نہ ہوگا نہ یہ کہ اس کو قربانی نہ چاہئے یہ محض غلط ہے بلکہ کرے گا تو ثواب پائے گا، بلکہ بہ نیت قربانی جانور خریدے گا تو اُس پر بھی خاص اُس جانور کی قربانی واجب ہوجائے گی، نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا، اور اس جانور کو دوسرے سے بدل نہیں سکتا کہ اس پر خاص اسی جانور کی قربانی واجب ہوئی، درمختار میں ہے، وفقیر ما شراھا لھا لوجوبھا علیہ بذلک حتی یمتنع علیہ بیعھا ایک شریک اگر دوسرے شرکاء کے اذن سے زر مشترک سے جانور خاص اپنی قربانی کے لئے خرید کر اپنی طرف سے قربانی کرے تو بلاشبہہ جائز ہے، اور قربانی صحیح ہوجائے گی، خواہ ان میں شرکت عقد ہو یا شرکت ملک، بیان اس کا یہ کہ یہاں پانچ صورتیں ہیں، ایک شرکت ملک کی

اور چار شرکت عقد کی، کہ شرکت[2] مفاوضہ ہو یا شرکت[3] عنان، مطلق ہے خرید و فروخت میں، جیسے یہ کہیں کہ جو کچھ ہم خریدیں وہ ہمارے آپس میں مشترک ہے، یا شرکت[4] جن خاص اجناس میں قرار پائی ہے، یہ جانور کہ اسے قربانی کو خریدا اُن اجناس سے ہے، اخیر صورت[5] یہ ہے کہ یہ شرکت خاص ہے، اور جانور اس کی جنس تجارت سے نہیں، اوّل و اخیر یعنی شرکت ملک و شکل اخیر میں تو ظاہر ہے کہ یہ جانور خاص اس خریدنے والے کی ملک ہوگا لان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ کما فی الاشباہ وغیرھا، بل قال فی الدر وغیرہ لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ الخ قال الشامی لانہ اذا لم یکن وکیلا بالشراء وقع الملك لہ فلا اعتبار بالاجازۃ بعد ذلك لانہا انما تلحق الموقوف لا النافذ، ردالمحتار میں ہے شریك العنان لہ ان یشتری مالیس من جنس تجارتہما ویقع الشراء لہ ویطالبہ بالثمن وکذا یقع الشراء لہ من جنس تجارتہما بعد ماصار المال عروضا، اھ قلت ولما ذکرہ ان الاخیر لان الفرض انہ اشتری بدراھم الشرکۃ غایت یہ کہ ثمن جو مال شرکت سے ادا کیا ہے، اس میں حصہ دیگر شرکا کا اسے تاوان دینا ہوگا، جبکہ شرکا رنے قیمت خریداری ثمن میں اپنے اپنے حصہ اسے ہبہ کئے ہوں کہ شے قابل قسمت میں ہبہ صحیح نہیں یا قبل شراء اپنے حصوں سے ابراء کیا ہو کہ ابراء یعنی معافی دین سے ہوتی ہے یہاں ابھی دین نہیں، یا ابرائے معلق کیا ہو، یعنی جب تو اپنے لئے شرکت کے مال سے خریدے تو ہم نے تجھے اپنے حصے معاف کئے، کہ ابراء صالح تعلیق نہیں، عالمگیریہ میں ہے احد الشریکین اذا قال لشریکہ، وھبت لك حصتی من الربح قالوا ان کان المال قائما لا یقع لکونہا ھبۃ المشاع فیما یقسم، وان کان الشریك استھلك المال صحت الھبۃ لکونہا اسقاطا حینئذ کذا فی الظہیریۃ، عینی پھر بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے انہ ای الابراء تملیك من وجہ حتی یرتد بالرد، وان کان فیہ معنی الاسقاط فیکون معتبرا بالتملیکات فلا یجوز تعلیقہ بالشرط ایضاح الکرمانی پھر غزمیہ پھر شامیہ میں ہے قال ان دخلت الدار فقد ابرأتك وقال لمدیونہ او کفیلہ اذ ادیت الی کذا، او متی ادیت، او ان ادیت الی خمسمائۃ فانت بریئ عن الباقی فھو باطل ولا ابراء، ہندیہ میں قنیہ سے ہے قال ائمۃ بلخ التحلیل علی ماھو واجب فی الذمۃ لا علی عینہ قائم، مگر اس سے جانور میں شرکا رکی ملک نہیں ہوتی، خیریہ میں ہے لا یلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المشتری للاب، ردالمحتار میں ہے ما اشتراہ احدھم لنفسہ یکون لہ ویضمن حصۃ شرکائہ من ثمنہ اذا دفعہ من المال المشترك اور تین صورتوں میں اگرچہ جانور سب شرکار کی ملک مشترک ٹھہرے گا، مگر جبکہ وہ سب اسے اذن دے چکے کہ خاص اپنی طرف سے قربانی کردے، اور یہ ناممکن ہے بے اس کے کہ جانور خاص اس کی ملک ٹھہرے، تو ان کا یہ اذن جانور میں سے اپنا اپنا حصہ اس کو ہبہ کرنا ہوگا، اور جانور قابل قسمت نہیں اور جو شے ناقابل قسمت ہو اس میں ہبہ مشاع صحیح ہے، تو تنہا یہی اس جانور کا مالک ہوگیا، اور قربانی اس کی بلا دغدغہ صحیح ہوگئی، اور اب اس نر

ثمن میں حصہ شرکا کا بھی تاوان نہیں آسکتا۔ محیط پھر بحر الرائق پھر رد المحتار میں ہے الشراء لشرکۃ الشرکۃ لو من جنس تجارتھما فھو للشرکۃ، وان اشھد عند الشراء انہ لنفسہ لانہ فی النصف بمنزلۃ الوکیل بشراء شیئ معین، وان لم یکن بین تجارتھما فھو لہ خاصۃ ۔۔ ہدایہ میں ہے اذا اذن احد المتفاوضین لصاحبہ ان یشتری جاریۃ یطأھا ففعل فھی لہ بغیر شیئ، لان الجاریۃ دخلت فی الشرکۃ علی البتات جریا علی مقتضی الشرکۃ، اذھما لا یملکان تغییرہ، فاشبہ حال عدم الاذن غیر ان الاذن یتضمن ھبۃ نصیبہ منہ لان الوطئ لا یحل الا بالملک، ولا وجہ الی اثباتہ بالبیع (ای انہ ھلک بالشراء لما بینا انہ مخالف مقتضی الشرکۃ فاثبتناہ بالھبۃ الثابتۃ فی ضمن الاذن اھ مختصرا بزیادۃ ما بین الھلالین للایضاح، یہ لوگ جنھوں نے قربانی ناجائز ہونے کا فتوی دیا، اور لوگوں سے قربانیاں چھڑادیں فقہ سے بے بہرہ معلوم ہوتے ہیں اور جو ایسا ہو اُسے فتوی دینا حرام ہے، نسأل اللہ العفو والعافیۃ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، واللہ تعالٰی اعلم۔

الجواب المختصر ۔ صورت مستفسرہ میں قربانی بلاشبہہ جائز ہے، اور بعض کا وہ شبہہ محض بے اصل و باطل ہے اجازت اباحت ہے، اور اباحت و ہبہ میں زمین آسمان کا فرق ہے، قربانی تو یوں ناجائز کرلی، مال مشترک سے شریکوں کا کھانا پینا کہ زمانہ رسالت سے بلانکیر رائج ہے، سب حرام ہو جائیگا، کہ ہبہ مشاع ہوا، اور ہبہ مشاع ناجائز ہے حالانکہ رب عزوجل فرماتا ہے وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ اور فرماتا ہے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا، اس فتوی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتوی دینے والے لوگ فقہ نہیں جانتے، نہ اس کام کے اہل ہیں، اور نااہل کو فتوی دینا حرام اور سخت کبیرہ ہے، حدیث میں ہے من افتی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء والارض جو بغیر علم کے فتوی دے آسمان و زمین کے فرشتے اُس پر لعنت کریں والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ بمقام گھوسیا، ضلع مرزاپور، ڈاک خانہ اورائی، مرسلہ جناب کمال الدین صاحب مورخہ ۲۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع اس بارے میں، کہ ہمارے موضع میں زمانہ قدیم سے تمام مسلمان حنفی المذہب ہوتے چلے آرہے ہیں، مگر عرصہ چند روز ہوا کہ سات آدمیوں نے مذہب اہل حدیث کو اختیار کرلیا ہے، اور ہمارے بزرگوں نے بڑی سعی کوشش سے قید کی مصیبت کو برداشت کرکے گورنمنٹ سے تین کی قربانی کا حکم جاری کرالیا تھا، لیکن اس سال اُسی فرقہ اہل حدیث میں سے ایک شخص نے کپتان کے روبرو دستخط کردیئے کہ ہم لوگ ایک روز قربانی کریں گے، لہٰذا ہم لوگوں کے خیال میں یہ بات آئی ہے، کہ اسی سال میں دستخط کرنے کی وجہ سے دو روز کی قربانی منسوخ ہوگئی، آئندہ خدا جانے ایک دم سے منع ہو جائے تو کیا تعجب ہے، اور یہ گروہ تقلید کے بالکل منکر ہیں، لہٰذا دستخط کنندہ کے ذمہ عائد ہوتا ہے یا نہیں، اگر عائد ہوتا ہے

یا نہیں، اگر عائد ہوتا ہے تو مع دلیل کے تحریر فرمایئے، اور ان لوگوں کو اپنے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے دیا جائے یا نہیں، دوسرے یہ کہ ثناء اللہ اپنی کتاب "اہل حدیث کا مذہب" کے صفحہ ۵۲ میں لکھا ہے، کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ رکوع کے وقت چونکہ تطبیق کرگئے تھے، دونوں ہاتھوں کو زانو پر نہ رکھتے تھے، چنانچہ صحیح مسلم میں ان کا یہی مذہب ثابت ہے، بلکہ اپنے شاگردوں کو تاکید مزید اسی عمل کی کیا کرتے، لہذا اسکی سند صحیح ہے یا لغو۔

الجواب - غیر مقلدین گمراہ بددین ہیں، اُن پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم ہے، جس کی کچھ تفصیل "الکوکب الشہابیۃ" میں ہے، کہ حسب تصریحات قرآن عظیم و احادیث و ائمہ ستر وجہ سے لزوم کفر بیان کیا ہے، اُن کا مساجد میں کوئی حق نہیں، اور قربانی کے دو دن چھوڑ دینے کا اُن سے کیا تعجب، وہ سارا دین ہی قربان کئے بیٹھے ہیں جن کی تفصیل الکوکبۃ الشہابیۃ و سل السیوف الہندیۃ و الاستمداد علی اجیال الارتداد وغیرہا کتب میں شائع ہوچکی، خوشنودی ہنود کے لئے گاؤکشی بند کرنا یا اس کی توسیع میں جو اللہ و رسول نے دی، کمی قبول کرنا مسلمانوں کا کام نہیں، قال اللہ تعالٰی وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ، وقال اللہ تعالٰی وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ - ۱۴ رجادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، شہر میں قبل نماز عید بعد طلوع شمس قربانی جائز ہے یا نہیں، اور اہل قریہ یا کہ شہر والے اپنی قربانی کو گاؤں میں بھیجدے تو ان کو بعد صبح قبل نماز عید قربانی کرنی تو جائز ہوگا یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب - شہر میں قربانی اگرچہ ساکن دہ کی طرف سے ہو روز اول پیش از نماز عید (اور اگر نماز عید کسی عذر سے نہ پڑھیں تو پیش از خروج وقت نماز عید) ناجائز و نامعتبر ہے، اور بیرون شہر اگرچہ فنائے مصر غیر متصل بمصر ہو، اگرچہ قربانی ساکن شہر کی ہو، پیش نماز بعد طلوع فجر بارتخ دہم جائز ہے فی الدر المختار اول وقتہا بعد الصلوۃ ان ذبح فی مصر ای بعد سبق صلوۃ ولو قبل الخطبۃ، لکن بعدہا احب وبعد مضی وقتہا لو لم یصلوا لعذر، ویجوز فی الغد وبعدہ قبل الصلوۃ لان الصلوۃ فی الغد تقع قضاء لا اداء، زیلعی وغیرہ، وبعد طلوع فجر یوم النحر ان ذبح فی غیرہ و المعتبر مکان الاضحیۃ لا مکان من علیہ فحیلۃ مصری اراد ان یخرجہا لخارج المصر فیضحی بہا اذا طلع الفجر اھ، فی ردالمحتار لخارج المصر ای الی مایباح فیہ القصر، قہستانی اھ، وفیہ من باب صلاۃ المسافر بشرط مفارقۃ ما کان من توابع موضع اقامۃ کربض المصر، وھو ما حول المدینۃ من بیوت و مساکن فانہ فی حکم المصر وکذا القری المتصلۃ بالربض فی الصحیح، بخلاف البساتین ولو متصلۃ بالبناء لانہا لیست من البلدۃ، امداد، واما الفناء وھو المکان المعد لمصالح البلد کربض الدواب ودفن

الموتی والقاء التراب، فان القصل بالمصر اعتبر مجاوزتہ وان انفصل بغلوۃ اومزرعۃ فلا ۱ھ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ - از مخدوم پور، ڈاکخانہ ترہٹ ، ضلع گیا ، مرسلہ سیّد رضی الدین حسین صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

جناب مستطاب مخدومنا زاد مجدہم، دیہات میں قربانی حسب دستور ہو یا نہ ہو، کیونکہ مسئلے اسکے جمعہ کے مسئلے سے ملتے ہیں ، زیادہ حدِ نیاز،

الجواب - قربانی میں شہر و دہ بلکہ آبادی و جنگل سب برابر ہیں، جن شرائط سے شہر والوں پر واجب ہوتی ہے، انھیں شرائط سے گاؤں، بلکہ جنگل کے رہنے والے پر بھی واجب ہے، فقط مقیم ہونا چاہئے کہ سفر میں نہ ہو، پھر مسافر سے بھی اس کا وجوب ساقط ہے، نہ یہ کہ ممانعت ہو، اگر کرے گا نفل ہوگا ثواب پائے گا، فی الدرالمختار تجب التضحیۃ علی حر مسلم مقیم بمصر اوقریۃ اوبادیۃ ،عینی فلا تجب علی مسافر ،اھ ملتقطا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم،

ھادی الاضحیہ بالشاء الھندیہ

مسئلہ - از کانپور، مسجد رنگیان، مرسلہ مولوی احمد حسن صاحب مدرس اعلٰی مدرسہ فیض عام کانپور، اواخر رمضان مبارک ۱۳۱۴ھ

علم الھدی، سمی المصطفٰی باسمہ الذی بشربہ عیسٰی، بزیادۃ لفظ معناہ المرتضٰی دامت عنایتکم

از احمد حسن عفی عنہ ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، وبعد ازیں آنکہ دریں وقت یک استفتا از پنجاب آمدہ است، وبہایت غور طلب ست، اکثر علمائے پنجاب دریں امر کوشیدہ اند لکن بمنزل مقصود نرسیدہ اند، و جواب استفتا یک شخصے کہ مایہ علم اتم دارد نوشتہ، لکن چونکہ جواب مخالف معمول ست قبول نمی کنند، اکنوں جواب رانقل کردہ ، بخدمت سامی ارسال ست، ہرچہ تحقیق جناب ست ارسال فرمایند، اگر مخالف رائے جناب باشد امید کہ بوجہ احسن روشن کنند، واگر موافق باشد نیز بزیادۃ ادلہ ثبت فرمایند۔ ماقول العلماء الحنفیۃ المحمدیۃ علیہ افضل الصلٰوۃ واکمل التحیات ، فی حیوان ذات صوف ولاالیۃ لہ، ویقال فی اللغۃ الملتانیۃ لانثاہ بھینڈ ولذکرہ گھٹہ، اتجوز بہ التضحیۃ ام لا، بینوا وتوجروا من الملک العلام

الجواب - اقول وبہ نستعین ، انی رأیت کتب الحنفیۃ الموجودۃ عندی، من شرح الوقایۃ و حاشیتہا للچلپی ودرالمختار وشرحہ للشامی، ومفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام، والتعلیق الممجد شرح موطا امام محمد رحمہ اللہ، واشعۃ اللمعات ووجدت فیہا انہم یخصون

الاضحیۃ فی الشاۃ والبقر والابل او الغنم والبقر والابل ویعمون الشاۃ بقولہ ضانا کان اومعزا وکذلک الغنم ویفسرون الضان بما تکون لہ الیۃ ویدخلون الجاموس فی البقر ویقولون انہ نوع منہ فصارت انواع الاضحیۃ خمسۃ الضان والمعز والبقر والجاموس و الابل ذکورا کانت او اناثا فتلک عشرۃ کاملۃ وحسبت ان الحیوان المذکور والمسئول عنہ لیس داخلا فی الخمسۃ لانہ لوکان داخلا فیھا لما فسروا الضان بان تکون لہ الیۃ، بل عمموہ بما تکون لہ الیۃ اولا حتی صارت انواع الشاۃ اوالغنم ثلثۃ والکل ستۃ، واذلیس فلیس فان قیل یدخلون الجاموس فی البقر فما السر فی عدم ادخال الحیوان المسئول عنہ فی الضان مع انہ یؤید ادخالہ فیہ تفسیر اھل اللغۃ لفظ الضان بمیش، کما فی الغیاث وغیرہ، قلت لعلہ ان الجاموس اکمل من البقر فی اللحم والقیمۃ، والحیوان المسئول عنہ ناقص عن الضان فی العضو ای الالیۃ، فالحاق الاکمل بالکامل اولی من الحاق الناقص بالکامل، واما تفسیر اھل اللغۃ فمعناہ ان العرب کما یطلقون لفظ الضان علی ماتکون لہ الیۃ، کذلک الفرس یطلقون علیہ لفظ میش فموداھما واحد کما یشعر بہ عبارۃ الغیاث، "گوسفند بمعنی میش مقابل بُز چنانکہ معز در عربی مقابل ضان ست کما استفاد من القاموس والصراح، وبعضے نوشتہ اند کہ اطلاق گوسفند بر میش وبُز ہر دو آمدہ، از سراج، انتہی، عبارۃ الغیاث" پس ازیں عبارت صاف معلوم می شود کہ آں حیوان کہ عرب آں را ضان گویند فرس آں را میش گویند، وانچہ عرب آنرا معز گویند فرس آنرا بُز گویند، لا ان لفظ میش عام یطلق علی الضان وعلی الحیوان المسئول عنہ و لوسلم ان لفظ میش فی لغۃ الفرس بمعنی ذوات الصوف اعم من ان یکون لھا الیۃ اولا لیشتمل الضان والحیوان المسئول عنہ، فتفسیر اھل اللغۃ لفظ الضان بلفظ میش تفسیر بالاعم وھو جائز اذا کان المقصود ھو التمییز عن بعض ماعداہ، ذکرہ الفاضل اللاھوری فی بحث خواص الاسم، وھھنا کذلک اذ المقصود من تفسیرہ بہ تمییزہ عن بعض ماعداہ کالمعز والبقر، فانھما من ذوات الشعر، ولو قیل ان غرضھم من تفسیر الضان بلفظ میش ان الضان ماکان من ذوات الصوف سواء کان لہ الیۃ اولا کما ان میش کذلک فبعد التسلیم لا یصیر حجۃ علینا لان الحجۃ علینا تفسیر الفقھاء لا تفسیر اھل اللغۃ، ووجب علینا اتباع الفقھاء لا اھل اللغۃ وھم کثیرا ما یخالفون اھل اللغۃ عمدا کما قال الجلپی علی شرح الوقایۃ، فی باب الاضحیۃ قولہ الجذع شاۃ لھا ستۃ اشھر ای فی مذھب الفقھاء، وانما قیدناہ بھذا لان عند اھل اللغۃ الجذع من الشاۃ

ماتمت لھا سنۃ کذا فی النھایۃ والعینی علی الکنز، فی باب الاضحیۃ، وجاز الجذع من الضان

لاغیر، وھوماتمت لہ ستۃ اشھر عند الفقھاء، وفی کتاب الزکاۃ والمعز کالضان ویؤخذ الثنی فی زکاتھا لا الجذع وھوما اتی علیہ اکثرھا، وھذا تفسیر الفقھاء، وعند اھل اللغۃ الجذع ماتمت لہ سنۃ، وطعن فی الثانیۃ، واما تفسیر الضأن بما کان من ذوات الصوف، والمعز بما کان ذوات الشعر، کما فعل بعضھم فتفسیر کل واحد منھما تفسیر بالاعم، کما یشعر بہ من، لا المساوی، وغرضھم من ھذا التفسیر تمییز کل واحد من الاٰخر، الاترٰی ان البقر والجاموس من ذوات الشعر، فلوکان تعریف المعز بالمساوی بطل الطرد، فھکذا تعریف الضان ـ الاٰن نکتب عبارات الکتب الموجودۃ فانظر فیھا حق النظر حتی یتبین لک الحق، والحق احق بان یتبع ھ۔ وصح الجذع من الضان ش الجذع شاۃ لھا ستۃ اشھر، والضان بما تکون الیتم والثنی فصاعدا من الثلثۃ ش، ای من الشاۃ اعم من ان یکون ضانا اومعزا، ومن البقر، ومن الابل، شرح وقایۃ، من عینی، قولہ وصح الجذع الی قولہ من الثلثۃ اشارۃ الی بیان الانواع اللتی لا تجوز الاضحیۃ الابھا، وتصریح بسنھا التی لا تجوز فیما دونھا، چلپی علی شرح الوقایۃ، من عینی، وصح الجذع ذو ستۃ اشھر من الضان ان کان بحیث لوخلط بالثنایا لایمکن التمییز من بُعد، وصح الثنی فصاعدا من الثلثۃ والثنی ھو ابن خمس من الابل وحولین من البقر والجاموس، وحول من الشاۃ اھ در مختار من عینی، قولہ من الضان ھو ما لہ الیۃ، منح، قید بہ لانہ لایجوز الجذع من المعز وغیرہ بلاخلاف، کما فی المبسوط قہستانی، والجذع من البقر ابن سنۃ، ومن الابل ابن اربع، بدائع، قولہ من الثلثۃ، ای الاٰتیۃ وھی الابل، والبقر، بنوعیہ، والشاۃ بنوعیہ رد المحتار من عینی، ومن سنن الاسلام التضحیۃ بالانعام التضحیۃ ذبح الاضحیۃ، والانعام بالفتح جمع نَعَم بفتحتین وھو ذوات القوائم الاربع یعنی ان من السنۃ التضحیۃ بالجذع من الضان، وھو ماتم لہ ستۃ اشھر، وقیل بسبعۃ اشھر وبالثنی فصاعدا من الشاۃ، اعم من ان یکون ضانا اومعزا، ومن الابل والبقر مطلقا، وھو ای الثنی ابن خمس من الابل، وحولین من البقرۃ وحول من الشاۃ، والمعز، والجذع بفتحتی الجیم والذال، وقیدناہ بالضان، وھو ما لہ الیۃ، لان الجذع من المعز لا تجوز بہ التضحیۃ فقولنا مطلقا اشارۃ الی انہ یجوز المذکر والانثی من جمیع ماذکر، وان الجاموس داخل فی البقر ھکذا ذکرہ فی الفروح، اھ ویختار من الشاۃ الکبش ای الذکر من الغنم فان الانثی منہ اعنی النعجۃ وکذا المعز وان جاز لٰکن الکبش ھو الاولٰی، انتھٰی ما اردناہ مفاتیح الجنان

ع۵ عبدالمجیب ھکذا والعبارۃ فی الاصل ھکذا الضان ما کان من ذوات الصوف، والمعز من ذوات الشعر، قہستانی ۱۲ اعظمی
عبدالمنان الاعظمی

قاموس والمحا
شرح شرعة الاسلام من عینی، والکبش افضل من النعجة ھی الانثی من الضان
من عینی، قولہ الجذع من الضان ھو ذوات الصوف من الغنم التی لہ الیة، کما فی منح الغفار وغیرہ
التعلیق الممجد علی مؤطا امام محمد من عینی، وعن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ
تعالٰی علیہ وسلم لاتذبحوا الامسنة، بضم میم وکسر سین ونون مشددہ، فرمود ذبح نہ کنید مگر مسنہ
الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان، مگر آنکہ دشوار شود بہم رسانیدن مسنہ برشما، پس ذبح
کنید جذعہ را از میش، جذع بفتح جیم وذال رواہ مسلم، شرح ایں حدیث تفصیلے دارد آنرا موافق مذہب حنفی بیان
کنیم، ودر شرح موافق مذاہب اربعہ ذکر کردہ شدہ است بدانکہ اضحیہ جائز نیست، مگر از ابل وبقر وغنم ووارد نیت
کردہ نشدہ است از آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونہ از اصحاب وے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، جز اصناف ثلثہ
از ذبائح وغنم دو صنف معز کہ آنرا بز گویند، وضان کہ آنرا میش خوانند، وجاموس بسین مہملہ کہ معرب گاومیش ست
نوع از بقر ست وجائز است، از جمیع ایں اقسام ثنی انتہٰی ما اردناہ، اشعة اللمعات علی المشکوٰة فان قیل
قلت فیما سبق الحجة علینا تفسیر الفقہاء لاتفسیر اھل اللغة، ورأیت الاٰن ترجمة الشیخ لفظ
الضان بمیش وھو من اعاظم مقلدی فقہ الحنفیة وانت نقلتہ ایضا للسند، فلم لاتقول بجواز اضحیة
الحیوان المسئول عنہ بعد، قلت لاتفرح بترجمة الشیخ مثلا کما فرح العامة بہا، وجوزوا التضحیة
بالحیوان المسئول عنہ، فضلوا واضلوا نعوذ باللہ منہا، فان لفظ میش لغة الفرس لالغتنا، فاما حقیقة
فیما لہ الیة ومجاز فی الحیوان المسئول عنہ، لکونہ من ذوات الصوف مثل ما لہ الیة، او بالعکس
واما مشترک بینہا، فعند تفسیر الضان بہ کما فسرہ الشیخ بہ لایجوز ان یراد بہ معا لانہ
یلزم الجمع بین الحقیقة والمجاز، ولو بین معنیی مشترک فی اطلاق واحد، وبطلانہما لایخفی
علی الکل، مع انہ حینئذ یصیر للغنم او الشاة اصناف ثلثة، المعز وما لہ الیة وما لاالیة
لہ ویخالف قول الشیخ فیما بعد وغنم دو صنف است، وقال الشامی والشاة بنوعیہ، وھکذا
وان ارید بہ عموم المجاز ای ما کان من ذوات الصوف فلایلزم الجمع بالمعنیین الا
ان التخالف بینہ وبین قول الشیخ وغیرہ المذکورین باق وھو ظاھر، وکاف فی عدم
ارادتہم، فاما ان یراد بہ الحیوان المسئول عنہ فقط حقیقة کان او مجازا، فیخرج ما لہ
الیة من باب التضحیة، ویصیر النوع الخامس، من الانواع الخمسة بہا الحیوان المسئول
عنہ لاما لہ الیة وھو خلاف الاجماع، او یراد بہ ما لہ الیة فقط حقیقة کان او مجازا فیحرم
الحیوان المسئول عنہ من البین کما ھو حقہ وھو المطلوب، واجراء ھذا التفصیل بعینہ فی لفظ

الضان کما وقع فی الحدیث والمتون بان یقال لفظ الضان لفظۃ لغۃ العرب لا لغتنا فاما حقیقۃ فیما لہ الیۃ ومجاز فی الحیوان المسئول عنہ الی قولنا وھو المطلوب، فقیل تفسیرہ بما تکون لہ الیۃ یمکن ویحصل الفائدۃ منہ، وھی الاستقلال علی المطلوب، واما بعد تفسیرہ بما لہ الیۃ کما فعل الفحول من العلماء، فلا فائدۃ فیہ لانہ یعلم من ھذا التفسیر ان مراد الفقہاء بالضان مالہ الیۃ سواء کان معنی حقیقیا او مجازیا فما مطلبنا فی الاجراء وتطویل المسافۃ فظننت بل علمت من ھذہ النقول ان التضحیۃ بالحیوان المسئول عنہ لا تجوز، وقد سمعت تحقیقہ بما لا مزید علیہ انفا، فاقول ما انا علیہ وعلیہ التعویل ھو عدم جواز التضحیۃ بہ، فان اصبت فمن اللہ تعالٰی، وان اخطأت فمنی ومن الشیطان، وان وجد الکتب الاخر المعتمدۃ علیہا الغیر الموجودۃ عندی جوازھا، فترک التضحیۃ بہ اولٰی لان مقتضی الاحتیاط ھو عدم الجواز علی ما علم من اصول الفقہ، ھذا بالنواجذ ولا یلتفت الی قول المخالفین القائلین بالجواز، فان اقوی دلائلھم وجدنا علیہ اسلافنا ونعلم حالہ وما سوی ھذا الدلیل من تفسیر الضان بلفظ میش، وما کان من ذوات الصوف، فاوھن من بیت العنکبوت کما مر ھذا ما ظھر لی ولعل عند غیری احسن من ھذا۔ المجیب نظام الدین مدرس مدرسہ اسلامیہ احمد پور شرقیہ۔

الجواب۔ الحمد للہ الذی خصنا بالاکرام وعمنا بالانعام، خلق لنا الانعام، للتقرب والاطعام وکثیر من الحاج، ثمانیۃ ازواج من الضان اثنین، ومن المعز اثنین، ءالصوف حظر ام الشعر حجر، ابالاذناب امر، ام علی الالایا قصر، ومن الابل اثنین، ومن البقر اثنین، ابالبخت جل، ام فی العراب حصر، ءالجاموس رد، ام لطاف البقر، ابطول وقصر وصغر وکبر فی عضو او شعر للنوع غیر، او بالحصر ضیر، نبئونی بعلم ان کان لکم خبر، والصلاۃ والسلام علی السید الاعز والہ وصحبہ کل کریم معز، عدد اصواف الضان، واشعار المعز، وبعد فلا شک ان ھذا الحیوان من بھیمۃ الانعام، ومن الاغنام، ومما تجوز التضحیۃ بہ بالاجماع اھل الاسلام، مسئلۃ واضحۃ جلیۃ التبیان، غنیۃ عن البیان، لا تتناطح فیھا عنزان وقد توارث التضحی بہ المسلمون، وعلماؤھم، متظافرون، طبقۃ فطبقۃ وجیلا بعد جیل من دون نکیر منکر، ولا مراء عقیل فمن نسبھم جمیعا الی الضلال والاضلال، فقد غتا وعصی، وشق العصا، یولی ماتولی، ولسوف یری، وقد کان الاعراض عن مثل ھذا امثل، واحری، فان الامر اذا انتھی الی انکار الواضحات

کان السبیل ترك التحاور، فانها هی المقاطیع للحجج الشامخات، والبراهین الغرّ، فمن یماری
فیها فبماذا یوقن، وبای حدیث بعدها یؤمن، ولکن وجوب اخماد الباطل، وارشاد الغافل
والرفق بضعفاء المسلمین، کیلا یقعوا فی ضلال مبین، وتحسین الظن بالمسلم العاقل فانه
ربما عثر، فاذا ذکر تذکر، واذا بُصّر ابصر، وانما العاقل من اقر، وما اصرّ، فاذا علم الخبر هجر
الهجر، وانکر المنکر، وربك غفار لمن استغفر، کل ذلك یدعونا ان نأتی فی الباب بعدة تنبیهات
تقرر الصواب، وتمیط الحجاب، ویا سبحٰن الله هل من حجاب، علی وجه شمس تجلت من سحاب
هذا وایاك ثم ایاك ان یلهیك الامل، او یطغیك الملل، او یستخفك الطیش، فیاخذك
العجل، قبل ان تجمع الکلمات الاُخر بالاُول، فانی ارید ان استدرجك من الرفیع الی الرفیع
ومن ذی سمو الی اشم، حتی اوقفك علی شمس تتضاءل دونها الظلم، فعسی ان یعتریك وهم
ویاتیك ما یزیح، او تمسی فی حلم، وتستصبح فیما یریح، علی انی قد علمت ان السبیل وعر الی
ایضاح الجلیات، وانما الجادة المسلوکة اظهار الخبیات، لکنی اتنزل لك الی وهدة وقعت
ولا اٰلوان ارفعك الی الحق ما استطعت، فاقول وتوفیقی بالقریب المجید، علیه توکلت والیه
اُنیب، الاول قال ربنا عز من قائل اُحِلَّتْ لکم الانعام، الی قوله عزوجل ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَی الْبَیْتِ
وقال سبحنه وتعالیٰ وَلِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ
فقد افاد جل جلاله ان الانعام کلها محل المنسك، وانها التی یتقرب بنحرها وذبحها الی ربنا
دون سائر البهائم والحیوانات، قال الامام محی السنة البغوی، فی معالم التنزیل لِیَذْکُرُوا
اسْمَ اللّٰهِ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ، عند نحرها وذبحها، سماها بهیمة الانعام، لانها
لاتتکلم، وقال بهیمة الانعام، قید بالنعم لان من البهائم ما لیس من الانعام، کالخیل و
البغال والحمیر، لایجوز ذبحها فی القرابین اھ، ولا اری مرتابا یرتاب فی ان حیواننا هذا من بهیمة
الانعام، فانه اهلی ذات قوائم اربع وظلف، قال فی المصباح المنیر لغة الفقه، الانعام ذات الخف
والظلف، وهی الابل، والبقر، والغنم اھ، فان کنت فی ریب من هذا فانبئنا مما ذا تراه، امن الوحوش
امن السباع، ام من الطیور، ام من الهوام، ام ذوات الحوافر، ام نوع اٰخر مقطوع الدابر
ما به علم ولا عنه مخبر، الثانی قال جل ذکره وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا، قال الشاه
عبدالقادر الدهلوی رحمه الله تعالیٰ فی ترجمة الکریمة، پیدا کئے مواشی میں لدنے والے اور دبے
وقال فی فوائدها لدنے والے اونٹ اور بیل، اور دبے بکری اور بھیڑ، الثالث اجمع المسلمون واعترف

الرجل، ان الغنم من الاضاحی، وقد علم من یفرق بین البهم والبهمر، ان هذا من الغنم قال الله عزوجل ومن البقر والغنم حرمنا علیهم شحومهما، قال الفاضل رفیع الدین الدهلوی فی ترجمته اور گائے سے اور بھیڑ بکری سے حرام کیں ہم نے اوپر اُن کے چربیاں ان کی، الرابع انما المرجع فی امثال الامور الی علماء اللسان، وکما علم کل من یعلم اللسن، الثلث ان الحیوان الذی یسمی بالهندیة بکری وذکره بکرا، هو الذی یسمی بالفارسیة بُز، وفی الاطلاق الاعم گوسپند، وبالعربیة معزا، وفی الاعم غنما وشاة، وذکره تیسا وماعزا، وانثاه عنزا، وماعزة، کذلك علموا ان الحیوان الذی یسمی بالهندیة بھیڑ، وذکره مینڈھا، وعند قوم وانثاه بھیڑ ولقوم بھیڑی هو الذی یسمی بالفارسیة میش، وبالاطلاقین الاخص والاعم گوسفند، وذکره المناطح قوچ، وبالعربیة ضانا، وبالاطلاقین شاة، وغنما، وذکره کبشا وضانا، وانثاه نعجة، وضائنة، قال الله عزوجل ثمٰنیة ازواج من الضان اثنین ومن المعز اثنین قال فی موضح القراٰن پیدا کئے آٹھ نر و مادہ بھیڑ میں سے دو، اور بکری میں سے دو، وفی ترجمة الرفیعة آٹھ جوڑے بھیڑ میں سے دو، اور بکری میں سے دو، وقال الشاہ ولی الله الدهلوی فی ترجمتها آفرید ہشت قسم را از گوسفند دو قسم، و از بُز دو قسم، وقال الفاضل یوسف چلپی فی ذخیرة العقبیٰ حاشیة شرح الوقایة، ضانا جمع ضائن خلاف الماعز، وهما نوعان من جنس الغنم، یقال للاول بالفارسی میش، وللثانی بُز، والشاة اسم جنس یشملها کالغنم ویقال لها بالفارسی گوسفند، کذا فی الصحاح، والاسماء اھ باختصار، وقد ترجم فی النفائس بھیڑا بالفارسیة بمیش نر، وبالعربیة بکبش، وضان، وقال فی تحفة المؤمنین بھیڑ بهندی غنم است، ثم قال غنم ضان ست، ثم قال ضان بفارسی میش نامند، وفی المنتخب الرشیدی ضان میش ضائن میش نر، وفی الصراح ضائن میش نر، خلاف ماعز، والجمع ضان، خلاف معز، اھ فان کان فی مریة بعد، فلیقم ولیعدُ، فلیذهب بقطیع منه الی العرب، والفرس، ولیدر فیهما، بلادا و قری، وجبالا، ومفاوز، ولیسأل کل اهل نادٍ من حاضر، وباد، ورجل، وامرأة، وحر وامة، وعالم و جاهل، وسائر وقافل، فان اخبره العرب جمیعا ان هذا ضان، غنم، شاة، کبش، نعجة، وقالت الفرس این ست میش، وگوسپند، نر و ماده، فلیصدق بالحق، وان اعربت العرب ان هذا عصفور، اوکلب، عقورا وقیل ماسور، وتفرست الفرس، فقالت خرگور، اوچرغ پرزور او چغد شبکور، فهو معذور، الخامس ارأیت ان انکر منکر، ان هذا المهیب الثقیل ذا الخرطوم الطویل، الذی یقال له بالهندیة ہاتھی وگج، لیس هو الذی یقال له بالعربیة فیل، وبالفارسیة پیل، فهل عندك علیه من حجة، ودلیل، الا الرجوع الی اهل اللسن، وابانة ان اطباقهم

علی امثال ذلك من باب التواتر المورث للیقین، کما ان من جحد وضع بمبئی اوکلکتہ، مثلاً لهذا البلد المعلوم، فلادواء له، الا الانباء بان الناس مطبقون علی ان هذا البلد بهذا مسمی و به موسوم، فان عاند وعاد وعاود اللداد، فماله من طب الا الافتصاد، السادس من الظن من عمر الحاق الجوامیس بالبقر، وانما عرفت الاضحیة علی خلاف القیاس لکونها تقربا باراقة دم، وازهاق روح، فکیف یسوغ الالحاق فیها، ولو ساغ لکانت المها والوعول، والظباء احق ان تلحق بالبقر والمعز، قال العلامة الاتقانی فی غایة البیان التضحیة امر مستفاد بالشرع بخلاف القیاس، لان کون اراقة الدم قربة غیر معقول المعنی فاقتصر علی مورد الشرع، ولهذا لم تجز التضحیة بشیئ من الوحش اھ وقال العینی فی رمز الحقائق انها عرفت بالنص علی خلاف القیاس فیقتصر علیه اھ وقال العلامة الطوری فی تکملة البحر الرائق جوازها عرف بالشرع فی البقر الاهلی دون الوحشی والقیاس ممتنع، اھ ومثل ذلك فی کثیر من الکتب، وانما الشان انهم علموا انها من نوع البقر فتناولهما النص تناولا اولیا من دون حاجة الی الحاق، بهذا علل کما نص علیه فی الهدایة، والخانیة، والدرر، ورمز الحقائق، وتکملة البحر للطوری مستخلص الحقائق، وشرح مسکین، والطحطاوی علی الدر، وشرح النقایة للبرجندی، وفی جامع الرموز عن جامع المضمرات، ومجمع الانهر عن المحیط، وفتح الله المعین عن التبیین، والبحر الرائق عن الولوالجیة، والهندیة عن البدائع، ورد المحتار عنها، وعن المغرب، وان اقترحت جلیت لك نقولها، فانی لم اثر فی هذه الرسالة شیئا الا من الکتب التی منحنی ربی فهی عندی فی ملکی ویدی، حتی انهم اخذوا علی لفظة توهم التغایر بینهما کقول الکنز الجاموس کالبقر کما فی التبیین، والبحر، والنهر، والشرنبلالیة، ومجمع الانهر، وابی السعود، وغیرها مع انه انما هو کقوله ایضا البخت کالعراب بید ان اول المسئلة کان هناك بلفظ الابل فلم یوهم التشبیه وههنا بلفظ البقر فاوهم، ثم لماذا استکثر من هذا الفصل وانت الناقل عن رد المحتار قوله البقر بنوعیه اھ، وعن مفاتیح الجنان ان الجاموس داخل فی البقر اھ، وعن الاشعة جاموس نوعے از بقرست اھ، فمالی اراك نقل العبارات وتنبؤ عنها کان لم تسمعها، کلا بل تسمع وتفهم ثم تحید، اما سمعناك تقول انهم یدخلون الجاموس فی البقر، ویقولون انه نوع منه، ثم عدت تعد الانواع خمسة وتجعل النوع یقابل جنسه، وبالجملة قد تبین بطلان تخمیس الانواع، وعد الجاموس نوعا براسه ثم لا یخفی علی کل ذی حجی ما لم یکن اغلظ طبعا من الجوامیس، ما بین البقر والجاموس من البون

البین صورۃ ومعنی، یباین الوضع الوضع، والطبع الطبع، واللحم واللحم، واللبن اللبن، والطعم الطعم والحمل الحمل، والمزاج المزاج، والأثار الأثار، والافعال الافعال، والخواص الخواص حتی حکم القیاس انھما نوعان متباینان، وان الجوامیس لا تجوز التضحیۃ بھا، وانما الاجزاء حکم الاستحسان، قال فی الخلاصۃ ثم الاتقانی فی شرح الھدایۃ والحلبی فی تکملۃ لسان الحکام الجاموس، یجوز فی الضحایا والھدایا استحسانا، اھ وفی شرح مختصر الوقایۃ للفاضل عبد العلی الجاموس کالبقرۃ لانہ نوع منھا، فی الروضۃ ھذا استحسان والقیاس انہ لایجوز، اھ وتغایرھما فی العرف ظاھر، ولذا لوحلف لایا کل لحم البقر لم یحنث باکل لحم الجاموس، کما فی زکوۃ الھدایۃ ولابعکسہ، کما فی ایمان الخانیۃ، وماذا یعنی مجرد الوفاق، فی عدد الاعضاء مع الخلاف فی جمیع مامر، فان ذلك حاصل فی الخیل، والعیر، ایضا مع انھما نوعان متباینان قطعا عرفا وشرعا، بل لك ان تقول لاوفاق فی العدد ایضا، فان البقر جلد امتد لیا من مبدأ حلقہ الی منحرہ، ولیس ذلك للجاموس، والشعر یعم بدن البقر ولیس علی جسم الجاموس الا شذر مذر، فاذا استحسنوا مع کل ذلك ان الجوامیس لیست الا من نوع البقر، کانت ضئین الھند احق بان تعد من نوع اضؤن العرب، فانھا لاخلف بینھما فی شیئ مما وصفنا، حتی لو ان ضائنین منھما متشابھی اللون، والجثۃ نظرھما ناظر من قدام لم یکد یمیز بینھما کضائنین کذلك من ارض واحدۃ، نعم الالیۃ من احدھما عریضۃ قصیرۃ ومن الاخری ضئیلۃ طویلۃ، ومثل ھذا الخلف بل اکثر منہ کثیرا مایوجد فی افراد نوع واحد باختلاف الاراضی واختلاف المادۃ وغیر ذلك، الاتری الی غلظ شفاہ الحبش، وصغر عیون الترك، وفطس انوف الصین، ولبعض من اتراك الوحوش علی عصعصہ لحمۃ زائدۃ قدر شبر یشبہ الذنب، والھنۃ النابتۃ بین الشفرین لاتوجد خلقۃ فی نساء المغرب، وربما یکون لانسان ستۃ اصابع، وذکر الفقہاء ما اذا کان للسوء یدان فی ید، اور جلان فی رجل، اوکفان فی کف ھل یجب غسلھما فی الوضوء، کما فی البحر، والنھر، والدر، والھندیۃ، وغیرھا، ولقد رأیت لبعض البلاد جمالا جمیلۃ المنظر، لطاف الجسم، صغار الحجم، طوال الوبر، لکل منھا علی ظھرہ سنامان رفیعان، بینھما مجلس الراکب یکونان لہ کعودی الرحل، وقد قال العلامۃ القزوینی فی عجائب الموجودات، ثم الامام الدمیری فی حیوۃ الحیوان انہ یجلب من الھند نوع من الضأن علی صدرہ الیۃ، وعلی کتفہ الیتان، وعلی فخذیہ الیتان، وعلی ذنبہ الیۃ وربما تکبر الیۃ الضأن حتی

تمنعه من المشی، زاد القزوینی فیتخذ لالیتها عجلة توضع علیها وتشید الی صدرها، فتمشی الضان وتجرّ العجلة والالیة علیها، اھ فهذه اختلافات فی الاعضاء باصل الوجود، والعدم، فضلا عن الصغر، والکبر، والطول، والقصر، فهل یجوز لعاقل ان یحکم لذلك باختلاف النوع، وان احدا من صنفی الابل ذات کومین وذات کوم، مثلا لیس من نوع الابل، لاتجوز التضحیة به، ولاتجب الزکوٰة فی سائمته، السابع اطبق اهل التفسیر، والحدیث، والفقه، واللغة، من العرب والعجم، ان الغنم نوعان ضان، ومعز، میش وبز، وان الضان ومیش، خلاف المعز وبُز، والمعز وبُز خلاف الضان ومیش، قال العلامة الخفاجی فی عنایة القاضی وکفایة الراضی حاشیته علی تفسیر البیضاوی۔ الضأن خلاف الماعز، وجمعه ضأن اھ وقال فی مجمع بحار الانوار ضوائن ذات صوف جمع ضائنة، وهی الشاة من الغنم خلاف المعز، اھ وقال فی المرقات الضان خلاف المعز من الغنم اھ وقال العلامة مسکین فی شرح الکنز الغنم اسم جنس یطلق علی الذکر والانثی، من الضان، والمعز والضان خلاف المعز، اھ وقال فی القاموس المعز هو خلاف الضان من الغنم، اھ وفیه الضائن خلاف الماعز من الغنم، جمع ضأن اضئن ضأنك اعزلها من المعز، وفی مختار الصحاح للعلامة الرازی الضائن ضد الماعز، والجمع الضأن والمعز، اھ وفیه المعز من الغنم ضد الضأن، اھ وتقدمت آنفا عبارات ذخیرة العقبی، والصراح، وانت المحتج بقول الغیاث گوسفند بمعنی میش مقابل بز چنانکہ، معز در عربی مقابل ضان ست الخ وحشیت علیه بقولك ازیں عبارت صاف معلوم می شود کہ آں حیوان کہ عرب آں را ضان گویند فرس آں را میش گویند، وانچہ عرب آں را معز گویند فرس بُز گویند، ونقلت عن الشیخ المحقق قدس سرہ غنم دو صنف ست معز کہ آں را بُز گویند وضان کہ آں را میش خوانند، واید ته بقول الشامی الشاة بنوعیه، اھ فکان اجماعا علی ان ما کان من الغنم خارجا عن الضان ومیش فهو داخل فی المعز وبُز وما کان منها خارجا عن المعز وبُز، فهو داخل فی الضان ومیش، وقد بینا ان حیواناهذا من الغنم، وان سترتبت فیه فلن یسترتبن احد ممن له قسط من العقل، انه من بهیمة الانعام، ثم لعلك تزهو بنفسك ان تدعی کونه ابلا اوبقرا، فاما ان یکون من المعز اومن الضان، اذ الانعام منحصرة فی الاربع بتصریح العلماء کافة کما نص الامام البغوی فی المعالم، والامام الرازی فی المفاتیح، والعلامة الرومی فی ارشاد العقل، والمولی القاری فی المسلك المتقسط، والفاضل طاهر فی مجمع البحار، وغیرهم فی غیرها، لکن الاول باطل اذ المعز ذات شعر، وهذا باعترافك ذات صوف، والمعز بُز وبکری وهذا لیس بها عند احد من الصبیان، فضلا عن علماء اللسان، فتعین ان یکون من الضان فانظر الی حججك کیف کرت

علیك بالحجاج، فان الضان ومیش لوکان مختصة عند العرب والعجم بماله الیة وھذا لاالیة له بزعمك توجب ان یکون خارجا منھا، فوجب ان یکون داخلا فی المعز وبُز، وقد قفیت علی نفسك انه لیس منھا، فبطل انحصار الغنم فی نوعین، وقد کنت لھجت به نقلا واستنارا، و تعویلا واعتمادا، ثم بطلانه یقتضی ببطلان دعوٰك، فان مدار التضحیة علی النعمیة، دون خصوص الالیة والضانیة، الثامن کل ماشقق، ورقق، وظن ان قد دقق، من کون میش حقیقة فی کذا ومجازا فی کذا اومشترکا بینھما" الخ انما ھو علی زعم ان ماله الیة مغائر بالنوع لمالیست له الیة بالمعنی الذی توھم فظن ان ادخالھما جمیعا یؤدی الی التثلیث ولم یدر انه ھو الواقع فیه لما بینا ان ھٰذا الحیوان من الانعام قطعا واذ لیس من البدن فمن الغنم: فلوکان نوعا مغایرا لذوات الالیات لوجب التثلیث التاسع احسنت اذ ایقنت ان التفسیر بالاعم انما یجوز حیث یقصد التمییز عن بعض الاغیار ولٰکن دعواك ان ھٰھنا کذٰلك فمفسرو الضأن بمیش انما قصد التمییز عن البعض کلمة انت قائلھا لا برھان لك علیھا بل الحجة ناطقة بخلافھا فھا حیث کان المحل لبیان حکم لایعد والضان لجواز الجذع کما فی عبارة الشیخ المحقق رحمه اللّٰه تعالٰی فی اشعة اللمعات وغیرھا، العاشر انما الخطاب بلغة العرب، فما لم یثبت النقل فالاحتجاج باللغة تام قطعا، ولا یدفع بالاحتمال بناء علی ان اھل الشرع قد یصطلحون علی معنی اٰخر، بذٰلك استدل الامام المحقق علی الاطلاق محمد بن الھمام علی تحریم البنت من الزنا، قال فی الفتح لانھا بنته لغة والخطاب انما ھو باللغة العربیة مالم یثبت النقل، وتبعه علیه البحر فی البحر، والشامی فی ردالمحتار، وغیرھما من العلماء الکبار، وھذا اذا لم یظھر منھم الوفاق، فکیف وقد ثبتت مواطاتھم علیه کما مر، ویاتی بتوفیق اللّٰه تعالٰی الحادی عشر تظافرت کلمات علماء التفسیر، والحدیث، والفقه، واللغة، وغیرھا علی المیز بین الضان والمعز بالصوف والشعر، قال الامام محی السنة البغوی فی معالم التنزیل الضأن والنعاج ھی ذوات الصوف من الغنم والمعز ھی ذوات الشعر من الغنم، اھ مختصرا وقال الامام الرازی فی التفسیر الکبیر الضان ذوات الصوف من الغنم، والمعز ذوات الشعر من الغنم، اھ ملخصا وفی المصباح المنیر وحیٰوة الحیوان وغیرھما الضان ذوات الصوف من الغنم، اھ وفی شرح النقایة، ثم الطحطاوی، وردالمحتار الضان ما کان من ذوات الصوف والمعز من ذوات الشعر، وبه فرق بینھما فی البحر الرائق، وغنیة ذوی الاحکام، وفتح اللّٰه المعین جمیعا، عن معراج الدرایه، والیه یشیر حدیث الامام احمد، وابن ماجة، والحاکم

وقال صحیح الاسناد عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ قال، قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یارسول اللہ ماھذہ الاضاحی قال سنۃ ابیکم ابراھیم علیہ الصلٰوۃ و السلام، قالوا فما فیھا یارسول اللہ، قال بکل شعرۃ حسنۃ، قالوا فالصوف یارسول اللہ قال بکل شعرۃ من الصوف حسنۃ، قال فی المرقاۃ لما کان الشعر کنایۃ عن المعز، کنوا عن الضان بالصوف، الخ والیہ مآل النصوص التسعۃ المذکورۃ فی التنبیہ السابع، عن العنایۃ، والمجمع والمرقاۃ، وشرح الکنز، وذخیرۃ العقبٰی، والقاموس، والصراح، ومختار الصحاح، وغیاث الذی استغثت بہ من تفسیر الضان بما یخالف المعز وبالعکس، اذ لوکان الفصل بینھما بشیئ اخص من الصوف لم یکن کل مالیس بضان معزا ولا بالعکس بقاء مادۃ تفارق الصوف من ذلک الاخص خارجا منھما جمیعا عدم الضاینہ لعدم الاخص وعدم المعزیۃ لوجود الصوف، فھذہ احد وعشرون نصوصًا، سبعۃ اضعاف ماجئت بہ، کلھا قاضیۃ بھذا التفسیر، ولعل ماترکنا اکثر مما سردنا وقد اعترف الرجل وان لم یعرف فسیقضی العیان ان ھذا الحیوان من ذوات الصوف فھو من خصوص الضان فضلا عن عموم الغنم او الانعام، والتعریف بالاعم وان جاز عند الاوائل فلیس بجید بالاجماع، قال المولی المحقق السید الشریف قدس سرہ الشریف فی شرح المواقف، اعلم ان اشتراط المساواۃ فی الصدق مما ذھب الیہ المتأخرون، واما المتقدمون فقالوا الرسم منہ تام یمیز عن کل ما یغایرمنہ وناقص یمیز عن بعض، وصرحوا بان المساواۃ شرط لجودۃ الرسم، کیلا یتناول مالیس من المرسوم، ولا یخلو عما ھو منہ اھ، مختصرا وقال العلامۃ حسن چلپی فی حاشیۃ التلویح لاخلاف فی اشتراط المساواۃ لجودۃ التعریف، اھ فحمل کلامھم علی مالیس بجید لیس بجید، الثانی عشر لو فرضنا التساوی فی الجودۃ فلا یرتاب من لہ عقل ورزق سلیقۃ ما فی فھم الکلام، ان الظاھر المتبادر من التعریف انما ھو التساوی، ولا یجوز العدول عن الظاھر الا بدلیل، الا تری ان العلامۃ المحقق سعد الدین التفتازانی رحمہ اللہ تعالٰی صرح فی حاشیۃ الکشاف کما نقلہ حسن چلپی فی حواشی التلویح، ان قول الفائق الحمد ھو المدح صریح فی الترادف، اھ مع انہ ھو القائل فی التلویح ان کتب اللغۃ مشحونۃ بتفسیر الالفاظ بما ھو اعم من مفھوماتھا، الخ فلم یمنعہ تصریحہ ھذا عن جعلہ تفسیر الفائق الحمد بالمدح صریحا فی الترادف، وھل ھو الا لان الظاھر ھو التساوی مالم یدل علی خلافہ دلیل، وبہ یجاب عن بحث چلپی، وھکذا قال المولی السید الشریف فی شرحہ للکشاف، قولہ الحمد المدح

اخوان ای مترادفان، ویدل علی ذلك انه قال فی الفائق والحمد هو المدح، والوصف بالجمیل الخ فقد استدل بتفسیر اللغة علی الترادف مع انه المصوب لجواز التفسیر بالاعم کما سیأتی، و بالجملة فجواز شیئ شیئ وجواز الحمل علیه شیئ أخر، فقد یجوز شیئ فی نفسه ولا یجوز حمل الکلام علیه لکونه خلاف الظاهر فلا عدول عنه الا بدلیل زاهر، الثالث عشر الحق عندی ان التفسیر بالاعم انما یجوز ان جاز حیث وضح المفاد وقامت القرینة علی المراد، والا فلا قطعاً قطعاً لعرق التغلیط، لما فیه ح من التلبیس، والتخلیط، وطریقة اهل اللغة معروفة، انهم اذا نکروا عرفوا، واذا عرفوا نکروا، فاذا قیل أُحد جبل، وسعدانة نبت، لم یفهم منه الا انه جبل معین ونبت مخصوص، ولئن قال ان أُحد الجبل وسعدانة النبت لکان مخطئا قطعا، وان کان لم یرتکب الا تفسیرا بالاعم، کیف وانه افهم ان احد ایرادف الجبل، والسعدانة النبت و هذا ان کان خفیا علی غبی، فلیس یخفی علی ذکی، واذا کان هذا فی اللغة، فما ظنك بالشرعیات، حیث المحل لبیان الاحکام الالهیة الخاصة بالشرع، فان التفسیر بالاعم ثم من ابین الاباطیل من دون اقامة قرینة وایتاء دلیل، الا تری ان من علیه کفارة صوم، اذا سأل ما تحریر رقبة، فزعم زاعم انه رفع قید عن شیئ حی، فقد اخطأ، وجعل سائله عرضة للخطأ فانه ان قنع بقوله فسیظن انه یجزئ عنه، اطلاق انسان، اواطلاق نسوان، اوتسبیب حیوان ولذا تری العلماء المحققین من الفقهاء والمحدثین، لم یزالوا یؤاخذون بترك القیود، وباثلام فی عکس، اوانخرام فی طرد، یاخذون علی الحدود، ولقد احسن واجاد المولی المحقق ابوعبدالله محمد بن عبدالله الغزی، فی منح الغفار کما اثر عنه فی رد المحتار اذیقول فی بیان شنیعة الاطلاق فی محل التقیید، مانصه، فیظن من یقف علی مسائله الاطلاق، فیجری الحکم علی اطلاقه، وهو مقید، فیرتکب الخطأ فی کثیر من الاحکام فی الافتاء والقضاء اھ مثلا فی مانحن فیه ان کان تفسیر الضان بذات الصوف بخلاف المعز وبهیش کل ذلك تفسیر بالاعم، فمن وقف علی کلماتهم المتظافرة المتکاثرة المتوافرة فی ذلك، فربما یجترئ فی التضحیة بذات صوف لیست من الضان فیأثم بترك الواجب والاصرار علیه سنین متطاولة، کما هو حال عامة المسلمین بالدیار الهندیة عاملهم وجاهلهم، عند هذا الرجل، قد حکم علیهم بالضلال والاضلال فما اضلهم ان ضلوا الا الی هذه التفاسیر بالاعم، وان کان رجل علق ابانة عرسه بالتضحیة، فضحی بهذا یحکم الواقف علی کلماتهم بوقوع البینونة، وهی لم تبن، فیحرم الحلال، اویعدمها فیفعل ذلك

یحکم بعدم الوقوع، وھی قد بانت فیحلل الحرام، الی غیر ذلك الشنائع العظام، ما ھجمت تلك الامن تلقاء ذلك التفسیر بالعام، فکیف یسوغ ان یحمل کلامھم علی مثل ھذا الا ببرھان، و این البرھان ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین، الرابع عشر مسألۃ التحدید ان کانت تؤخذ من جھۃ التقلید، کما یدل علیہ الاستناد بالاھوری، فاجلۃ ائمۃ الدین وجھابذۃ النقاد المحققین مثل الامام فخر الدین الرازی فی شرح الاشارات، والامام صدر الشریعۃ فی التنقیح، والعلامۃ القاضی عضد الدین فی المواقف، والقاضی النحریر ناصر الدین البیضاوی فی طوالع الانوار، والعلامۃ سعد الدین التفتازانی فی التھذیب، والفاضل قطب الدین الرازی فی شرح الشمسیۃ، و المحقق شمس الدین محمد بن حمزۃ الفناری فی فصول البدائع فی اصول الشرائع وغیرھم من الاکابر المصرحین بان المعرف لابد لہ من التساوی، فلا یجوز التعریف بالاعم، ولا بالاخص احق بالاتباع، وان شئت نقلت لك نصوصھم، ولا یخفی علیك ان المسألۃ شھیرۃ دائرۃ، و فی کتب الکلام والاصول والمیزان، سائرۃ، فالاسناد الی اللاھوری کیفما کان من العاد البحۃ لاسیما وکتابہ فی النحو، ولیست المسألۃ من مسائل ذا النحو، والخامس عشر الاوائل ان جوزوا التعریف بالاعم، وھو الاقرب حیث لا بعد، کما قدمت فقد جوزوا التعریف بالاخص ایضا والدلیل الدلیل فان عندھم لیس من شریطۃ التفسیر الا التمییز عن بعض مایغایرہ وھو حاصل فی الکل بل قد یمکن ان یحصل بالمباین فالقصر قصور، بل لك ان تقول ان من قبل الاعم فھو للاخص اقبل، لانہ یمیز المعرف عن کل ماعداہ، کما ھو ظاھر وقد نص علیہ الحسن چلپی فی حواشی المواقف، وغیرہ فی غیرھا، قال المحقق الشریف فی شرحھا اما ا　　　مون فقد جوزوا بالاعم والاخص، وایدہ بان المعرف لابد ان یفید التمییز عن بعض الاغیار، واما عن جمیعھا فلیس شرطا لہ، فالمساواۃ شرط للمعرف التام دون غیرہ، حدا کان اورسما، اھ وکذلك ایدہ ایضا فی حواشیہ علی شرح المطالع کما نقلہ چلپی فیھا، وقال قدس سرہ فی حواشیہ علی شرح الشمسیۃ الصواب ان المعتبر فی المعرف تمییزہ عن بعض ماعداہ، اما عن الکل فلا، فالاعم و الاخص یصلحان للتعریف اھ، وکذلك صححہ المولی العلامۃ بحرالعلوم قدس سرہ فی شرح السلم، فقال المتقدمون قالوا ان کان الغرض الامتیاز عن کل ماعداہ، فلا یجوز الا بالمساوی او الاخص، ان لم یکن الاعم ذاتیا لہ، وان کان الغرض الامتیاز عن بعض الاغیار، فیجوز بالاعم والاخص والمساوی، واما المباین فان کان یورث الامتیاز فلا حجر فی التعریف بہ، لکنہ نادر

جدا، ووجه حقية هذا المذهب ظاهر، فان الحاجة الى جميع الاقسام المذكورة ثابتة، فاسقاط البعض عن درجة الاعتبار غير لائق اهـ الكل مختصرا. واذ اجاز الامران، فمن اين لك ان اطباق المترجمين قاطبة على التفسير بميش، وتفسيرا كابر العلماء من الفقهاء، والمفسرين، والمحدثين، واللغويين، بذات الصوف، او بخلاف المعز، هو الخارج عن جادة الجودة، دون تفسير البعض لصاحبة الالية، ومايدريك لعل الثلثة الاول هي التفسير بالمساوى، وهذا تفسير بالاخص ولم تكن بيديك علقة شبهة، تدعوك الى ما ادعيت، الا الاغترار بهذا اللفظ "حسب" وقد شردعنك وبردلنا ما قدمنا وما نذكر بعد، ولله الحمد من قبل ومن بعد، السادس عشر استشهادك بمن التبعيضية ان تمشى، ففى عبارة شرح النقاية دون سائر عبارات التى نقلنا بعضها، ثم لاحجة لك فيها ايضا فان ما فى قوله ما كان من ذوات الصوف للاستغراق والفردية تأتى بالبعضية، فمن فى محلها قطعا من دون دلالة على عموم الحد، والمعنى ان الضان اسم كل فرد من ذوات الصوف، كان تقول على ما اشتهر باقتفاء اثار الفلاسفة المبطلة ان الانسان اسم كل من كان من اهل النطق، افيفهم منه ان الناطق يعم الانسان وغيره والظر الى عبارة نفسك حيث نزلت عن ادعاء التفسير بالاعم، واتيت على تعبير المساواة بين الضان وذات الصوف على قول لمخالفك، فقلت لو قيل ان غرضهم من تفسير الضان بميش ان الضان ما كان من ذوات الصوف سواء كان له الية اولا، كما ان ميش كذلك الخ، فاين ذهب عنك ههنا من التبعيضية، السابع عشر استنادك بعموم حد المعز لايغنى عنك شيئا، فان عموم قرين لايدل على عموم صاحبه، وقد نص العلماء على ان الاستدلال بالقران فى الذكر من افسد الدلائل، وايضا ليس اسلوب الكلام فيه كمثله فى الضان لعدم ما الافرادية هنا، وكان هذه هى نكتة التغيير ان كان القهستانى لايخص الشعر بالمعز، على انا رأينا العلماء يخصون قال العلامة على القارى فى المرقاة تحت حديث زيد المذكور رضى الله تعالٰى عنه ان الشعر مختص بالمعز كما ان الوبر مختص بالابل، قال تعالٰى وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ، ولكن يتوسع بالشعر فيعم اهـ، وسيأتيك من كلام المفسرين ما يميل اليه ميلا ظاهرا، مع ان الكلام ههنا فى الغنم فغيره خارج عن المقسم، فلم يكن فى شیء من التعريف بالاعم، الثامن عشر كلا بل لامساغ ههنا لادعاء العموم، فان العلماء صرحوا ان الصوف مختص بالضان، قال العلامة كمال الدين الدميرى فى حيوة الحيوان ليس الصوف الا للضان اهـ، وقال الامام الرازى فى

مفاتیح الغیب تحت الأیة المتلوۃ أنفاً قال المفسرون واھل اللغة الاصواف للضان، والاوبار للابل، والاشعار للمعز، اھ، وقال القاضی فی انوار التنزیل الصوف للضائنة، والوبر للابل والشعر للمعز، اھ، قال العلامة المفتی ابوالسعود فی ارشاد العقل، الضمائر للانعام علی وجه التنویع، ای وجعل لکم من اصواف الضان، واوبار الابل، واشعار المعز، اثاثا الخ وقال محی السنة فی المعالم یعنی اصواف الضان، واوبار الابل، واشعار المعز، اھ فلو وجد الصوف لشیئ من الانعام سوی الضان والکنایة الالٰھیة انما ھی للانعام، ماساغ لھم الحکم علی کلام اللّٰه عزوجل بخصوص العنایة مع عموم الکنایة، وقد اسمعناك کلام المرقاۃ مفرقا فی موضعین، فاجمعه فانه یدلك بفحواہ علی ان الصوف مختص بالضان، وھو المستفاد من تفاسیر اللغة، وبالجملة من عرف لسان العرب لم یغرب عنه ان الصوف لیس الا للضان، فاما ان یعم افرادہ کما ھو الواقع فمساواۃ او لا فاخص وعلی الکل فلا تکون ذات الصوف الامن الضان، وقد اعترفت ان حیوانا ھذا امن ذوات الصوف فوجب ان یکون من الضأن، وفیه المطلوب باتم شان، التاسع عشر کان من قولی فیما سلف ما یدریك لعل الثلثة الاُول ھی التفسیر بالمساوی وھذا بالاخص، والاٰن اقول قابضا للعنان بعد ما ارخیت مالی ترجیت وقد قضیت، اما تفطنت بما فی السابع والحادی عشر القیت، ان لوقصرت الضانیة علی شیئ اخص من الصوف بطل حصر الغنم فی نوعین فوجب ان یکون التفسیر بذات الصوف ھو التفسیر بالمساوی، والتعریف بذات الالیة التعریف بالاخص، علی ما توھمت مزمعنا ما وانتظر حقیقة لم تبلغ مرماھا، العشرون ھل لك اجالة نظر فی کلمات الائمة الکرام، فانھم یتکلمون فیما اذا خلقت شاۃ بلا الیة ھل تجوز التضحیة بھا، فمذھب امامنا الاعظم الھمام الاقدم سراج الامة کاشف الغمة امام الائمة ابی حنیفة رضی اللّٰه عنه وعنھم ان نعم وھو الاصح عند الائمة الشافعیة رحمھم اللّٰه تعالٰی، وقال محمد رحمه اللّٰه تعالٰی لاتجوز التضحیة بشاۃ کذا، وانا اسمعك اولا کلمات العلماء قال الامام الاجل فقیه النفس فخرالدین الاوزجندی فی الخانیة، الشاۃ اذا لم یکن لھا اذن ولا ذنب خلقة تجوز، قال محمد رحمه اللّٰه تعالٰی لایکون ھذا ولو کان لایجوز، وذکر فی الاصل عن ابی حنیفة رضی اللّٰه تعالٰی عنه انه یجوز اھ، ثم قال وان کان لھا الیة صغیرة مثل الذنب خلقة جاز، اما علی قول ابی حنیفة رحمه تعالٰی فظاھر لان عندہ لو لم یکن لھا اذن ولا الیة اصلا جاز، فصغیرۃ الاذنین اولی، واما علی قول محمد رحمه اللّٰه تعالٰی صغیرۃ الاذنین جائزۃ، وان لم تکن لھا الیة ولا اذن خلقة لاتجوز اھ، وفی الاجناس، ثم الخلاصة

ثم الهندية، وعن الاخيرين، نقلت واللفظ للوسطى، فى الاجناس ان كانت للشاة الية صغيرة خلقت شبه الاذن تجوز، وان لم تكن لها الية خلقت كذلك قال محمد رحمه الله تعالٰى لاتجوز اھ و فى وجيز الامام الكردرى التى لها الية صغيرة تشبه الذنب تجوز، وان لم تكن لها الية خلقة فكذلك وقال محمد رحمه الله تعالٰى لاتجوز اھ وفى خزانة المفتين لاتجوز السكاء وهى التى لا اذن لها خلقة، كما لاذنب لها خلقة اولا الية لها خلقة اھ وفى الانوار للامام يوسف الاردبيلى الشافعى تجزئ التى خلقت بلاضرع اوالية اوقرن اھ، وفى حيوة الحيوان للكمال الدميرى الشافعى، تجزئ الشاة التى خلقت بلاضرع اوبلا الية على الاصح اھ، فظهر باتفاق القولين ان الالية ليست من اركان حقيقة الضان بحيث ان لوعدمت لم تكن ضأنا، اما على قول الامام الاعظم فظاهر فانه يجيز التضحية بها وان لم تكن لها الية خلقة اصلا، واما على قول محمد رحمه الله تعالٰى فلانه يتكلم على شاة لاالية لها، فلوكانت الالية ركن حقيقتها لكان معنى قوله ان لولم تكن الشاة شاة لم تجز الاضحية بها، وهذا قول غسل رذل اشبه شیئ بالهزل، لايجوز صدوره عن عاقل، فضلا عن امام مجتهد كامل، فانظر الاٰن الى دندنتك اين مدت عنك، فى غاية ام تفاريل اجتثت من فوق الارض مالها من قرار، والحمدلله على توالى اٰلائه كقطر المطر وامواج البحار، الحادى والعشرون ياهذا اصنع ولاتبع، ان اطعتنى ذهبت بك الى حيث يلمع الحق من دون حجاب، ويزيل عنك كل تحير واضطراب، حقيقة الامر ان الاطراف فى الحيوان تجرى مجرى الاوصاف، كما نصوا عليه قاطبة، ولذا لايقابلها شیئ من الثمن حتى انه اذا اشترى جارية فاعورت فى يد البائع قبل التسليم لاينتقص شیئ من الثمن، وكذلك اذا اشترى جارية فاعورت فى يد المشترى، ثم اراد ان يبيعها مرابحة كان له ذلك من دون حاجة الى البيان كما فى الهداية وشروحها، كفتح القدير وغاية البيان وغيرها وان سألت سردت لك نصوصها واوصاف الشیئ لاتدخل فى سنخ قوامه، وقد افاد واكما علمت انها كالاعراض المفارقة، لا انتفاء للحقيقة بانتفائها، فانعدام الالية رأسا لايخرج الضأن عن الضأنية، كما لوخلق انسان بلايد لايخرج عن الانسانية، وانما مدار التعريف ههنا ان هذا الوصف لايوجد الا فى هذه الحقيقة فينتقل اليها الذهن منه بهذا الوجه لانها لاتوجد الابه، فمعنى قول القائل الضأن ماهو الية انه النوع الذى تحقق فيه الالية لا انه لايكون ضانا مالم تكن له الية، اتقن هذا فقد جليت لك جلية الحال بغير مرية۔

الثانى والعشرون هذا ماسايرناك فيه، وانت تزعم ان الالية هى الضخمة الكبيرة العريضة السمينة المحتوية على لحم كثير وشحم غزير المعروفة فى لسان الهند بچکتی، وهو زعم باطل

لادلیل علیہ، وانما الالیۃ طرف الشاۃ لایشترط فیہا کبر ولا صغر ولا طول ولا قصر، قال فی مجمع البحار نقلا عن نہایۃ ابن الاثیر الیات جمع الیۃ وہی طرف الشاۃ اھ وفسرہا فی القاموس بما یرکب العجز من شحم ولحم وشحم اھ وقد شرحنا عن ذا العضو لہذا الحیوان الذی نتحاور فیہ، فوجدناہ یحتوی علی لحم وشحم فتم معنی الالیۃ، وقدمنا کلمات العلماء الکرام ان الالیۃ ان کانت صغیرۃ تشبہ الذنب جازت الاضحیۃ، وہذہ الالیا الشاۃ التی توجد فی بلادنا، فجزئیتہا منصوص علیہا فی الکتب المذہبیۃ، وظہر انہا یصدق علیہا ما لہا الیۃ، وان ابیت الا اللجاج فابرز لنا ما عندك فی الحجاج، واین ما حد الالیۃ ورسمہا، وعلی ای حد یجب ان یکون حجمہا بحیث لو صغرت منہ لم تکن الیۃ، وبین الالیۃ التی تشبہ الذنب خلقۃ، وکیف تکون ہذہ فی ہیأتہا، وکم تکون فی بسطتہا واثبت کل ذلك بکلام ائمۃ الشان، لا بہوی النفس وہفوات اللسان، فان لم تفعل ولن تفعل فاتق الحق حیث ظہر، فان من امیر الشمس وہی بازغۃ، فعلیہ التسلیم لاہل النظر،

الثالث والعشرون تقرر مما تحرر، ان الفقہاء فسروا الضان بثلثۃ تفاسیر، ذات الصوف وذات الالیۃ، وخلاف المعز من الغنم، وترجموہ بمیش، والقینا علیك ان عند بیان الاحکام لایجوز التعریف، وکذا الترجمۃ الا بالمساوی، لما فی غیرہ من المساوی، فثبت ان الاربعۃ بل الخمسۃ خامسہا بھیڑ، کلہا متساویۃ فیما بینہا، ومساویۃ لمحدودہا، وان کل ذات صوف، ذات الیۃ، وبالعکس وانما مطمح النظر کما وصفنا الشان النوعی، لا الفعلیۃ الفردیۃ، کما ہو المرسوم فی کثیر من الرسوم کالتحرك الارادی، والمشی، والضحك، والکتابۃ، فی الحیوان، والانسان، کما لایخفی علی ذوی الشان فظہر ان الذی بضئین بلادنا الیۃ جزما، وان کان شابہ الذنب حجما، وانہ المنصوص علیہ صورۃ، وحکما وان لاخلاف بین التفاسیر، وان لیس ہنا باعم، ولا اخص، تفسیر، وان الکل متحد مآلا، وان لا تثلیث فی الانواع، بما لہ الیۃ، وما لا، وانما کان کل ذلك شقشقۃ ہدرت، عن واہمۃ، بدرت، ہکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق،

الرابع والعشرون بہ تبین ان صغر الالیۃ ودقتہا بحیث تشبہ الذنب کما فی اضؤنا ہذا لیس من النقص فی شیئ، ولذا اجازت التضحیۃ معہ کما نصوا علیہ، فزعم ان ہذا ناقص فلا یلحق بالکامل قول ناقص، خالف نصوص الائمۃ الاکامل۔

الخامس والعشرون لئن تنزلنا عن کل ہذا وسلمنا ان لا الیۃ لہا، فہ تاتی الخلافیۃ بین الامام الاعظم، والامام الثالث رضی اللہ تعالٰی عنہما، ویجب بحکما الجواز بناء علی ان الفتوی علی

قول الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ علی الاطلاق، ای مالم یتفق ائمۃ الفتیا علی الفتوی بقول صاحبیہ اواحدھما کما نص علیہ فی الفتح والبحر والخیریۃ وردالمحتار وغیرھا من معتمدات الاسفار، وقد سردنا نصوصھا فی کتاب النکاح من فتاونا، ھذا اذا لم یرجح قول الامام فکیف اذا رجح، وقد رجح ھٰھنا قولہ رضی اللہ تعالٰی عنہ من نصوا علی انہ لایعدل عن تصحیحہ لانہ فقیہ النفس اتدری من ھو ھوالامام قاضی خاں کما قالہ العلامۃ قاسم فی تصحیح القدوری، ونقلہ السید الحموی فی غمز العیون، وسیدالشامی فی حاشیۃ الدر، فان کنت عارفا بھذہ المسالک مدرکا لتلک المدارک فقد عرفت تصحیحہ ھنالک وان لم تعرف فاسمع منی فانی لک زعیم بذلک، الم ترہ قد قدم قول الامام وھو رحمہ اللہ تعالٰی کما صرح بہ فی صدر فتاواہ لاتقدم الا الاظھر الاشھر، قال السیدان الفاضلان الطحطاوی والشامی، فی حواشی الدران مایقدمہ قاضیخاں یکون ھو المعتمد، وانی قد اجملت لک ھٰھنا القول ظنابک ان لک اشتغالا بالعلم فتکون قد وقفت علٰی ھٰذہ المطالب، اللائقۃ السائرۃ الظاھرۃ الزاھرۃ، فان خفی علیک شیئ منھا فراجعنی، ولا تیأس من التفھیم فقد قلت لک انی لک باظھار کل ذلک زعیم، فثبت بحمد اللہ تعالٰی ان لو فرض عدم الالیۃ لھذا الحیوان لکان جواز التضحیۃ بہ ھوالمذھب وقول امامنا الاعظم الاوحد، وھوالماخوذ ای الصحیح المعتمد، والحمد للہ الاحد الصمد علینا ما اسبغ من نعم لاتعد،

تذییل الکتب السبعۃ التی اسندت الیھا لیس فی ثلثۃ منھا اعنی ذخیرۃ العقبٰی والدرالمختار واشعۃ اللمعات اثر من التفسیر الضأن بمالہ الیۃ، بل فی الاول والثالث مایرد علیک کما سمعت باذنیک، واما عبارۃ تعلیق الممجد لبعض ابناء الزمان فقد کانت تستاھل ان ترد الی الحق، وتحمل علی ما اعطاہ کلام العلماء بجعل الوصف لزیادۃ الکشف، دون الاحتراز، بید انی احطت علما بان الرجل ینکرکون ضئین الھند من الضئین اعتراہ الوھم، کما اعتراک انھا لاالیۃ لھا، ومایدریني لعلک انما قلدتہ فیہ لکنہ وقف دونک ولم یتجاوز قد تجاوزک بانکار التضحیۃ بھا اصلا، وانما زعم انھا لاتجوز التضحیۃ بجذع منھا، حیث قال فی فتیاہ بکری اور بھیڑ اور ایسے ہی گائے اور اونٹ چھ مہینہ کا نہیں درست ہے، فقط دنبہ چھ مہینے کا درست ہے،

فالظاھر ان مرادہ ھو التقیید زعما منہ بان الصوف اعم من الالیۃ، لکن لیس کلام المنح الذی عزا الیہ بھذا الاسلوب، وانما عبارتھا کما نقل بنفسہ ثمہ، والسیدان الفاضلان الطحطاوی والشامی فی حواشی الدران الضأن ماتکون لھا الیۃ اھ فلیس فیھا ذکر الصوف، ثم التقیید بالالیۃ ویالیتک اذ قلدتہ اتممت تقلیدہ، فلم تعد الی ماعدوت من المحال، ولم تنسب المسلمین الی الضلال والاضلال، وقد

کان سألنی بعض تلامذۃ ھذا العصر اعنی صاحب التعلیق الممجد من بنارس فی اول ھذہ السنۃ عن فتیاہ المذکورۃ، فاجبت باحرف تکفی وتشفی وبینت ان الجذع من ھذہ یجزیٔ ویکفی، وماذکرنا لا بجذعھا، فانہ اذ قد جاز التضحیۃ فقد کانت من الانعام ولا انعام الا الانواع الاربعۃ واذ لیست من ابل وبقر ومعز، وجب ان تکون من الضان فوجب اجزاء الجذع منھا اذا کان بحیث لو خلط بالثنایا لم یتمیز من بُعد، بل الرد اشد علی من یجز التضحیۃ بھا، فھو حافل کافل بدفع کلا الوھمین، وللّٰہ الحمد تعالٰی من قبل ومن بعد، وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد، وألہ اجمعین کان الفراغ عن ھذہ العجالۃ، المسماۃ ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ۔

۱۳۱۴ ھجری

خلاصہ رسالہ ہادی الاضحیہ بالشاۃ الہندیہ

مسئلہ ازمولٰنا حضرت علامہ مولوی احمد حسن صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ

ہدایت کے نشان، حضرت مسیح کی بشارت والے نام میں رسول مقبول کے ہم نام، اور جناب مرتضٰی کے اسم مبارک کے ہم مادہ، مولانا احمد رضا خاں صاحب زید مجدہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پنجاب سے ایک سوال آیا ہے جس کے جواب کیلئے بہت سے علما سرگرداں ہیں لیکن منزل مقصود مفقود ہے، ایک پُرمغز عالم نے ایک جواب تحریر کیا، وہ معمول قدیم کے خلاف ہے، اس لئے عوام اور علماء کوئی قبول نہیں کرتا، میں سوال وجواب دونوں ہی خدمت میں ارسال کررہا ہوں، جواب اگر صحیح نہ ہو تو وجہ غلط بتائیں، اور صحیح ہو تو تائید مزید سے مزین فرمائیں۔

سوال علمائے اسلام، بالخصوص اعلام احناف بھیڑ اور بھیڑے (نرومادہ) کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، ان کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ ع[۵]۔

جواب شرح وقایہ، اور اس کے ۲ دو حاشئے از علامہ چلپی، درمختار اور شامی، مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام، تعلیق الممجد، اشعۃ اللمعات کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ قربانی کے جانوروں کی ابتدائی تین قسمیں ہیں

(۱) شاۃ یا غنم، (یہ دونوں لفظ بطور ترادف قربانی کے جانور کی ایک ہی قسم کے لئے بولے جاتے ہیں۔

(۲) بقر (اس کی دو قسمیں کرتے ہیں، گائے اور بھینس)

(۳) جمل (اس کی ایک قسم شمار کرتے ہیں)

ع[۵] سائل کی الجھن اصل یہ ہے کہ عرب میں دنبہ ہوتا ہے اور بکری، بھیڑ جو ہمارے یہاں ہوتی ہے جس کی صرف دم دنبہ سے مختلف ہے، یہ کس میں داخل ہے، دنبہ میں یا بکری میں، یا کوئی تیسری قسم ہے، تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں۔ عبدالمنان اعظمی

شاۃ کو پھر دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں :۔ ضاؔن اور معزؔ، اور بقر کی بھی دو قسم کرتے ہیں :۔ بقر وجاموس، اس طرح اصل اور ذیلی قسموں کو ملا کر کل پانچ قسمیں ہوئیں۔ ۱

(۱) جمل (اونٹ) (۲) بقر (گائے) (۳) جاموس (بھینس) (۴) ضان (دنبہ) (۵) معز (بکری) اور مذکر ومؤنث دونوں کو شامل کر دیا جائے تو کل دس قسمیں ہوتی ہیں۔

پہلی دلیل | سوال میں ذکر کی ہوئی ہندوستانی بھیڑ اپنی شکل وصورت کے لحاظ سے اگر شامل ہو سکتی ہے تو ضان (دنبہ) میں اگر اس میں شمار نہ ہوئی تو پھر کسی قسم میں شمار نہیں ہو سکتی، اور جہاں تک اس کے دنبہ میں شمار ہونے کا سوال ہے یوں غلط ہے، کہ ضان یعنی دنبہ کی تعریف میں یہ قید ہے کہ اس کے الیہ (چکی) ہوتی ہے، اور بھیڑ کے چکی نہیں ہوتی ہے، اس لئے ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ بھیڑ قربانی کا جانور ہے ہی نہیں، اس لئے اس کی قربانی جائز نہیں۔

اس امر پر قرینہ یہ ہے کہ اگر بھیڑ کو بھی قربانی کے جانور میں شریک کرنا مقصود ہوتا، تو دنبہ کی تعریف میں چکی ہونے کی قید نہ لگاتے، بلکہ ایسا لفظ بولتے جو بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام ہو، اور ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ مقصد اس نوع کو شریک کرنا ہی نہیں ہے

دوسری دلیل | ایک بات یہ بھی ہے، از روئے شرع غنم یا شاۃ کی دو ہی قسم بتائی گئی ہے، ضان اور معز اگر بھیڑ کو بھی قربانی کا جانور مان لیا جائے، تو ایک کے اضافہ کے بعد غنم کی ۳ قسم ہو جائے گی، اور سب کا مجموعہ پانچ کے بجائے چھ ہو جائے گا، جو تصریحات علماء کے بالکل خلاف ہے، اس لئے ثابت یہی ہوا کہ یہ قربانی کا جانور ہی نہیں ہے۔

ایک شبہہ | شکل وصورت، رنگ وروپ، فوائد اور تاثیر میں ہزار اختلاف ہوتے ہوئے بھینس کو بقر میں شامل مانا، تو صرف دم کے اختلاف کی وجہ سے بھیڑ دنبہ میں کیوں شامل نہیں کی گئی۔

جواب | بھینس قیمت اور گوشت میں گائے سے عمدہ ہے۔ اور بھیڑ دنبہ سے چکی میں ناقص ہے، اس لئے یہ بات قرین قیاس ہے کہ اکمل اور عمدہ کو کامل کیساتھ شمار کیا جائے، اور یہ بات غلط ہے کہ ناقص کو کامل کیساتھ جوڑا جائے، اسی لئے بھینس کو گائے میں شمار کیا، اور بھیڑ کو دنبہ میں نہیں،

دوسرا شبہہ | اہل لغت نے ضان کا ترجمہ فارسی کے لفظ میش سے کیا ہے جو بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام ہے، پس اہل لغت کے اس محاورہ کے موافق اہل شرع کو بھی بھیڑ کو دنبہ میں شامل ماننا چاہئے۔

جواب | اہل لغت کی تشریح کے موافق فارسی لفظ میش بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام نہیں، بلکہ میش صرف دنبہ کو کہتے ہیں۔

فارسی میں لفظ گوسفند بھی لفظ میش کی طرح لفظ بز کا مقابل ہے جیسا کہ عربی میں لفظ معز ضان کا مقابل ہے، قاموس و صراح دونوں سے یہی ثابت ہے۔

البتہ بعض اہل لغت یہ کہتے ہیں کہ فارسی کا لفظ گوسفند لفظ میش کا ہم معنی نہیں، بلکہ میش وبز (دنبہ وبکری) دونوں کو عام ہے۔ (غیاث اللغات)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اہل عرب کے نزدیک جو جانور ضان کہلاتا ہے، اہل فارس اسی کو میش کہتے ہیں، (اور اہل اردو دنبہ کہتے ہیں) اور اہل عرب جس کو معز کہتے ہیں، اہل فارس اسی کو بُز (بکری) کہتے ہیں، نہ یہ کہ لفظ میش کے اطلاق میں بھیڑ داخل ہے۔

ایک اور جواب اور اگر بطور تنزل ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ اہل لغت کے نزدیک میش کا اطلاق اون والے پر ہوتا ہے، تب بھی ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں، کہ اس سے ان کی مراد بھیڑ ہے، اس کے بیان کے لئے ہم کو تھوڑی تفصیل میں جانا ہوگا۔

کسی چیز کی تعریف اس کے مساوی لفظ سے بھی کی جاتی ہے، جیسے انسان کی تعریف لفظ ناطق سے کی جائے (کہ جن جن افراد پر انسان دلالت کرتا ہے ناطق بھی اس پر دلالت کرتا ہے) اور کبھی تعریف کے لئے معرَّف سے عام لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے السعدانة نبت (کہ سعدانہ ایک مخصوص گھاس کا نام ہے جبکہ نبت ہر گھاس کو کہا جاتا ہے) اول الذکر تعریف کامل ہے اور ثانی ناقص الغرض تعریف دونوں ہی ہے۔

اگر معرَّف کو بعض امور سے ممتاز کرنا ہے، تو عام لفظ سے بھی تعریف جائز ہے (فاضل لاہوری بحث خواص اسم)

تو یہاں بھی ضان کا ترجمہ لفظ میش سے کردیا جس کا مفہوم اُون والا۔ لیکن اس سے اہل لغت کی غرض ضان میں بھیڑ کو شامل کرنے کی نہیں تھی، بلکہ دنبہ کو گائے، بھینس اور بکری سے ممتاز کرنا ہے کہ وہ اُون والے جانور نہیں، اور دنبہ اون والا جانور ہے، اور جب ضان کو بھیڑ سے بھی ممتاز کرنا ہوا تو اس کی تعریف چکّی والے جانور سے کی۔

جواب الجواب اگر ہماری بات کا یہ جواب دیا جائے کہ اہل لغت کے اطلاق کو یہاں تعریف مساوی سے پھیر کر تعریف عام قرار دینا ایک بے دلیل اور ادعائی بات ہے، اس لئے قابل تسلیم نہیں، ظاہر ہے کہ ان کا منشا ضان کا ترجمہ میش کرکے یہی ظاہر کرنا ہے کہ وہی جانور ہے جس کے اون ہوتا ہے، چکّی ہو یا نہ ہو، اس سے ان کو کوئی غرض نہیں، تو لغۃً بھیڑ دنبہ میں شامل ہوئی۔

جواب چلئے اہل لغت کا مطلب وہی ہے جو آپ کہتے ہیں، لیکن ہمارے لئے حجت اہل لغت کی بات نہیں ہے، اہل فقہ کی بات ہے۔ جب وہ ضان کے معنی چکّی والا کہتے ہیں، تو وہی مانا جائے گا، اور بھیڑ دنبہ میں شامل نہ ہوگی۔

رہ گئی یہ بات کہ اہل فقہ اور اہل لغت کے معانی میں اختلاف ہوتا ہے، تو اس کی نظیر قربانی کے جانور میں ہی لفظ جذع ہے، کہ اہل فقہ چھ ماہ کے بچے کو کہتے ہیں، اہل لغت ایک سالہ بچہ کو، اور مسئلہ کا حکم اہل فقہ کے قول پر ہی دیا جاتا ہے۔ (عینی علی شرح الوقایہ، عینی علی الکنز)

شبہہ نمبر ۳ بعض فقہاء نے بھی تو ضان کی تعریف ماله صوف (جس کے اون ہو) سے کی ہے، جس کے معنی صاف یہی ہوئے کہ بھیڑ بھی اس میں شامل ہے۔

جواب جی ہاں قہستانی نے یہ تعریف کی ہے "الضان ما کان من ذوات الصوف والمعز ما کان ذوات الشعر" لیکن اس کا جواب ہم پہلے ہی دے چکے ہیں کہ یہ تعریف بالاعم ہے، بکری اور بیل سے دنبہ کو ممتاز کرنے کے لئے ہے، بھیڑ سے ممتاز کرنے کے

لئے نہیں (جب اس کی ضرورت ہوئی تو یہ تعریف کیا "مالہ الیۃ" جس کی چکتی ہو، تاکہ بھیڑ نکل جائے)
ہماری اس بات پر قرینہ یہ ہے، کہ تعریف میں لفظ مِنْ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی بعض ہوتے ہیں، تو تعریف کی عبارت کا ترجمہ یہ ہوا ضان اون والے جانوروں میں سے بعض ہے، اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ بکری کی تعریف میں بھی یہی کہا گیا ہے "ما کان ذوات الشعر" جو بال والی ہو، تو اگر اس عبارت کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ بکری بال والے جانوروں میں سے بعض ہے تو بیل بھینس وغیرہ بھی بکری میں شامل ہو جائیں گے، پس اس مجبوری سے جب بکری والی تعریف بالاعم قرار دیا، تو ضان والی تعریف کو بھی تعریف بالاعم قرار دیں (کیونکہ دونوں جلے ساتھ ساتھ ہیں تو دونوں کا حکم یکساں ہونا چاہئے)

حوالے | اب ہم کتابوں سے حوالے پیش کرتے ہیں، جس سے حق واضح اور روشن ہو جائے گا۔

(۱) ضان کا جذعہ قربانی میں جائز ہے، یعنی شش ماہا بچہ اور ضان چکتی والے جانور کو کہتے ہیں
ثنی اور اس سے بڑی عمر والے جانور تینوں اقسام کے جائز ہیں یعنی شاۃ میں دنبہ ہو یا بکری اور گائے میں گائے ہو یا بھینس اور اونٹ (شرح وقایہ من عینی)

(۲) مصنف کے مذکورہ بالا قول میں ان جانوروں کی طرف اشارہ ہے جن کے علاوہ قربانی جائز نہیں۔ اور ایسی عمروں کا بیان ہے جن کے علاوہ قربانی جائز نہیں۔ (حاشیہ شرح وقایہ چلپی من عینی)

(۳) ضان کا اتنا بڑا بچہ جو چھ ماہ کا ہو، لیکن دور سے دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو۔ (در مختار عینی)
ضان جس کے چکتی ہو۔ یہ چکتی کی قید اس لئے لگائی کہ بکری، گائے اور اونٹ کے جذعہ کا استثنار مقصود تھا، بکری کا جذعہ چھ ماہ کا ہوتا ہے، اور گائے کا سال بھر کا، اور اونٹ کا چار سال کا، اور من الثلاثۃ کا لفظ جس کا ذکر آگے آرہا ہے یہ اونٹ اور بقران کی دونوں نوعوں کے ساتھ، اور اسی طرح شاۃ اپنی دونوں قسموں کے ساتھ (رد المحتار من عینی)

(۴) اور انعام کی قربانی مسنون ہے۔ انعام چوپایہ کو کہتے ہیں، اضحیہ کے معنی قربانی ہیں، مطلب یہ ہے کہ ضان کا چھ ماہہ بچہ، یا سات ماہہ بچہ کی قربانی مسنون ہے، اور یکسالہ بچہ کی بھی، لیکن اس کے لئے کوئی پابندی نہیں ہے، ضان ہو کہ معز اور اونٹ اور بقر کا ثنی بھی قربانی کے لئے جائز ہے۔ اونٹ کا ثنی پانچ سالہ، اور بقر کا دو سالہ اور شاۃ کا ایک سالہ۔
اور جذعہ کے لئے ضان کی قید اس لئے لگائی، کہ بکری چھ ماہا جائز نہیں، اور ضان چکتی والے جانور کو کہتے ہیں اوپر کی عبارت میں ایک جگہ مطلقاً کا لفظ آیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکر ہو کہ مؤنث، اور بھینس گائے میں داخل ہے۔
اور شاۃ میں افضل مادہ نہیں بلکہ نر ہے، دونوں نوعوں کا یہی حکم ہے (مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام)

(۵) اور مصنف نے "جذع من الضان" کہا اور ضان وہ اون والا جانور ہے جس کے چکتی ہو، ایسا ہی منح الغفار وغیرہ

تیس ہے۔ (تعلیق الممجد من عینی)

(۶) اور نر مینڈھا مادہ سے افضل ہے۔ اور یہ ضان کا مؤنث ہے، قاموس (رد المحتار)

(۷) مُسِنّہ ہی ذبح کرو، یہ نہ ملے تو ضان کا جذعہ اس حدیث کی شرح میں تفصیلات ہیں، ہم مذہب حنفی کے موافق بیان کرتے ہیں، قربانی کے جانور کی صرف تین نوعیں ہیں، اونٹ، بقر، غنم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے ان علاوہ کی قربانی ثابت نہیں، غنم کی دو قسمیں ہوتی ہیں، معز کو فارسی میں بُز کہتے ہیں، اور ضان کو میش، اور جاموش گا دُمیش کا معرب ہے، یہ گائے کی ہی ایک قسم ہے، اور ان سب کا ثنی جائز ہو (اشعۃ اللمعات)

سوال | آپ نے اس سے قبل کہا کہ ضان کا ترجمہ میش (بھیڑ) اہل لغت کرتے ہیں، اگر اہل فقہ یہ ترجمہ کرتے تو ہم بھی تسلیم کر لیتے کہ ضان بھیڑ کو شامل ہے، اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب اشعۃ اللمعات تو ائمہ فقہ وحدیث میں سے ہیں، اور انہوں نے بھی وہ اہل لغت والا ترجمہ کیا ہے تو آپ کو کیا عذر ہے۔

جواب | شیخ محقق کے اس ترجمہ سے جاہلوں کی طرح خوش ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ شیخ کے اس لفظ میش سے دُنبہ اور بھیڑ دونوں ہی مراد ہوں گے یا ان میں سے کوئی ایک، اور دونوں مراد ہوں گے تو بطور حقیقت ومجاز، یا اشتراک، یا عموم مجاز، تو حقیقت ومجاز، یا اشتراک کے طور پر دونوں معانی کا ایک ساتھ مراد لینا، اصول لسان کے اعتبار سے ناجائز ہے، اور بطور عموم مجاز دونوں ایک ساتھ مراد لینے پر یہ خرابی لازم آتی ہے، کہ قربانی کے کل چھ قسم کے جانور ہوجاتے ہیں، حالانکہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ پانچ ہی ہیں، اور ایک ہی مراد لیں، اور وہ بھیڑ ہو تو دنبہ چھوٹ جاتا ہے، جو بالاتفاق قربانی کا جانور ہے۔

مزید سوال | آپ کی یہ ساری تقریر ضان کے معنی دُنبہ مراد لینے پر بھی جاری ہوتی ہے، تو یہ مراد لینا بھی ممنوع ہوا۔

جواب | جب فقہاء نے چکتی والا کہہ کر اسی جانور کو متعین کر دیا، تو اب ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ معنی مجازی ہیں، یا حقیقی، یا بطور اشتراک،

پس ان نصوص فقہیہ کی روشنی میں ہمارا فیصلہ تو یہی ہے کہ بھیڑ کی قربانی ناجائز ہے، اگر دوسری کسی کتاب میں اس کے جواز کا حکم ہو بھی تو احتیاط اس سے بچنے میں ہی ہے، کہ عدم جواز کے یہ دلائل قاہرہ ہم نے ظاہر کر دیئے۔

اور یہ کہنا کہ بزرگوں سے ایسا ہوتا آیا ہے، یا میش کے معنی بھیڑ ہیں، یہ تار عنکبوت سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔

یہ فتوی صحیح ہو تو اللہ تعالی کی طرف سے، اور غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے، واللہ تعالی اعلم،

(نظام الدین مدرس مدرسہ اسلامیہ احمدیہ)

الجواب | اس خدا کی تعریف جس نے ہم کو اکرام کے ساتھ خاص فرمایا، اور انعام کو ہم پر عام فرمایا، اور حاجیوں کیلئے، اور ہمارے لئے چارپائے بنائے کہ کھائیں بھی اور قربانی بھی کریں۔

یہ آٹھ جوڑے ہیں، ضان کے دو، اور معز کے دو، تو کیا اون والے ممنوع ہیں یا بال والے، یا دُم والوں پر روک ہے یا چکتی والوں پر، اور اونٹ کے دو، اور گائے کے بھی دو، تو کیا بُختی اونٹوں پر انحصار ہے، یا اعراب پر، اور بھینس مردود ہے یا گائے کی مختلف اصناف لانبی اور ناٹی، یا کسی عضو یا بال کی چھوٹائی بڑائی، نوع کو بدلنے والی اور حصر کو قائم کرنے والی ہے، تمھیں علم ہو تو مجھے بتاؤ۔

اور صلاۃ وسلام ہو تمام معززین کے سردار پر، اونکی آل پر، اصحاب پر جو کریم اور معزز ہیں، بھیڑوں کے اون اور بکریوں کے بال برابر،

حمد وصلاۃ کے بعد، بلاشبہ بھیڑ بکریوں اور انعام میں شمار ہوتی ہے، مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے، اور اس کی قربانی جائز ہے، یہ مسئلہ خود واضح اور بیان سے بے نیاز ہے، اس کی قربانی مسلمانوں میں شروع ہی سے متوارث ہے، علماء کے تمام گروہ اور مختلف جماعتوں نے اس میں کبھی کوئی اختلاف اور جدال نہیں کیا، تو بلا امتیاز سبھی کو گمراہ اور گمراہ گر کہنا، سرکشی اور جُرم ہے، اور امر محبوب سے روگردانی، جس کا انجام آئندہ معلوم ہوگا۔

اس مسئلہ پر خامہ فرسائی سے چشم پوشی ہی بہتر تھی، کیونکہ یقینیات، جہاں دلائل کے پَر جلتے ہیں، جو ایسی باتوں کا انکار کرے، پھر کس بات کا اقرار کرے گا اور کس پر ایمان لائے گا،

لیکن باطل کو بجھانا، اور غافل کو بتانا، کمزور اہل اسلام کو گمرہی سے روکنا، اور یہ خوش گمانی بھی کہ پھسلنے والا سنبھلے سنبھل بھی جاتا ہے، راہ دکھاؤ تو کوئی کوئی دیکھ بھی لیتا ہے، اور واقعی عقل مند وہ ہے جو ہر بات پر خواہ مخواہ اصرار نہ کرے، اور حقیقت آشکار ہو تو یاوہ گوئی اور انکار چھوڑ دے تو پروردگار غفور ورحیم ہے۔

ان سب باتوں نے ہمیں چند تنبیہات پر مجبور کیا، سبحٰن اللہ چمکتے سورج پر کیا حجاب، میں تمھیں ہدایت کرتا ہوں کہ بیکار امیدوں یا ملال کے چکر، یا طیش کے فوران میں پھنس کر پوری بات دیکھے سُنے بغیر جلد بازی نہ کر بیٹھنا، میں تمھیں ادنی سے اعلٰی تک آہستہ آہستہ لے چل کر سورج کے پاکھڑا کردوں گا، جہاں تاریکیاں کافور ہیں، کیونکہ جہاں وہم پیدا ہوتا ہے اس کا ازالہ بھی ہوتا ہے اور رات کے بھیانک خواب سے صبح کو چھٹکارا بھی مل جاتا ہے۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ توضیح تو پوشیدہ امور کی ہوتی ہے، اور بدیہیات کی تفہیم مشکل ہے، میں نے حق کی طرف رہنمائی میں کوتاہی نہیں کی۔

تنبیہ اول اس بات کے بیان میں کہ صرف انعام ہی قربانی کے جانور ہیں

اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے:

تمھارے لئے حلال کئے گئے انعام سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے تو دور ہو بتوں کی گندگی سے، اور بچو جھوٹی بات سے، ایک اللہ کے ہو کر پھر اس کا ساجھی کسی کو نہ کرو، اور جو اللہ کا شریک کرے وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اسے اچک لے جاتے ہیں، یا ہوا اسے کسی دوسری جگہ پھینکتی ہے، بات یہ ہے، اور جو

اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے، تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے، تمھارے لئے انعام میں فائدے ہیں، ایک مقرر میعاد تک پھر ان کا پہونچنا ہے اس آزاد گھر تک۔

اور ہر امت کے لئے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی، کہ اللہ کا نام لیں اس کے دیئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر، تو تمھارا معبود ایک معبود ہے، تو اسی کے حضور گردن رکھو۔ (سورہ حج۔ پارہ ۱۷)

ان آیات کا مفاد یہ ہے کہ جانوروں میں صرف انعام ہی قربانی اور ہدایا کے لئے مخصوص ہیں۔ حضرت امام بغوی نے اس مضمون پر تفسیر معالم میں دوسری آیت کے تحت تصریح فرمائی، یعنی ان جانوروں کے ذبح اور نحر کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہو، ان جانوروں کو انعام کہنے کی وجہ اُن کا نہ بولنا ہے، انعام کی قید اس لئے لگائی کہ کچھ بہائم ایسے ہیں کہ قربانیوں میں ذبح نہیں کئے جاتے، جیسے گھوڑا، خچر، گدھا۔

اتنا ثابت ہو جانے کے بعد اس کی ضرورت تو نہ تھی کہ ہم بھیڑ کا انعام ہونا بھی ثابت کریں، اور یہ کہ یہ اہلی ہے وحشی نہیں ہے، وہ گھر والا چوپایہ ہے، مگر ہم شہادتیں فراہم کر رہے ہیں:۔

انعام گھردار جانور اور خف والے، یہ ابل، بقر، غنم ہیں۔ (مصباح المنیر)

اگر اس کے بعد بھی شبہہ ہو تو بتاؤ، کیا یہ وحشی ہے، یا درندہ ہے، کہ پرندہ ہے، یا حشرات الارض میں سے ہے، سُم والوں میں ہے، یا کوئی ایسی قسم جس کی نسل ختم ہو گئی ہے۔

تنبیہ دوم اس بات کے ثبوت میں کہ بکری انعام میں سے ہے

ارشاد الٰہی ہے "وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَۃً وَّفَرْشًا" شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں فرمایا: "پیدا کئے مواشی میں لدنے والے اور دبے" اور فوائد میں فرمایا "لدنے والے، اونٹ اور بیل، اور دبنے والے بھیڑ اور بکری"

تنبیہ سوم بھیڑ کے قربانی کے جانور ہونے پر اجماع ہے

مفتی سابق نے اعتراف کیا، اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ غنم قربانی کے جانوروں میں سے ہے، اور چوپایوں کے درمیان فرق جاننے والے یہ خوب جانتے ہیں، کہ بھیڑ غنم میں شامل ہے، قرآن عظیم کی آیت "وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْھِمْ شُحُوْمَھُمَا" کا ترجمہ فاضل رفیع الدین دہلوی فرماتے ہیں، اور گائے سے اور بھیڑ بکری سے حرام کیں ہم نے اوپر اُن کے چربیاں اُن کی"

ایضاً تنبیہ چہارم

اس بات کا فیصلہ کہ بھیڑ غنم میں داخل ہے یا نہیں، وہی حضرات علماء کر سکتے ہیں جن کو تینوں زبانوں میں مہارت ہو تو ان زبانوں کا عالم یہ خوب جانتا ہے کہ جس جانور کو ہندی میں بکری، اور اس کے نر کو بکرا کہتے ہیں، فارسی میں اسی کو بُز اور عام بول چال میں گوسپند اور عربی میں معز، اور عام بول چال میں غنم وشاۃ کہتے ہیں، اس کے مذکر کو "تیس" اور ماعز کہتے ہیں، اور مؤنث کو عنز اور ماعزہ کہتے ہیں۔

اسی طرح یہ بھی معروف بات ہے کہ ہندی میں جس جانور کو بھیڑ جس کا مذکر مینڈھا، اور بعض کی زبان میں بھیڑا کہتے ہیں

اسی کی مؤنث کو بعض لوگ بھیڑ اور بعض بھیڑی کہتے ہیں، اسی کو فارسی میں میش، اور عام بول چال میں گوسفند۔ اس کا مذکر منا ڑھ، قوچ کہلاتا ہے، یہی عربی میں ضان اور دونوں اطلاقوں میں شاۃ و غنم کہلاتا ہے، اس کا مذکر ضان و کبش، اور مؤنث کو نعجہ کہا جاتا ہے۔

"ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ"، پیدا کئے آٹھ نر و مادہ بھیڑے اور بکری سے دو۔ (از موضح القرآن)

آٹھ جوڑے بھیڑوں میں سے دو، بکری میں سے دو، (شاہ رفیع الدین)

آفرید ہشت قسم از گوسفند دو قسم، و از بز دو قسم، (شاہ ولی اللہ)

ضان ضائن کی جمع ماعز کے خلاف، اور یہ غنم کی ہی دو نوعیں ہیں، پہلے کو فارسی میں میش، اور ثانی کو بز کہتے ہیں، اور غنم کے ہی ہم معنیٰ لفظ شاۃ ہے جس کا اطلاق دونوں نوعوں پر ہوتا ہے، اور اسی معنی میں فارسی لفظ گوسفند بولا جاتا ہے، اسماء اور صحاح میں ایسا ہی ہے، (مختصراً) (ذخیرہ عقبیٰ چلپی)

بھیڑا فارسیہ میں میش نرؔ، اور عربی میں ضان ہے، (نفائس)

بھیڑ ہندی میں غنم ہے، اور غنم ضان ہے، اور ضان فارسی میں میش ہے، (تحفۃ المومنین)

ضان میش، ضائن میش نر (منتخب رشیدی)

ضائن میش نر، خلاف ماعز، اور اس کی جمع ضان خلاف معز، (صراح)

اس سب شہادتوں میں ضان اور میش ایک ہی چیز قرار دی گئی ہے، اور اسی کو ہندی بھیڑ بتایا گیا ہے، اگر اس کے بعد بھی شبہہ ہو، کہ یہ دونوں ایک نوع نہیں ہیں، تو بھیڑوں کا ایک گلہ لیکر عرب اور فارس کے شہروں اور دیہاتوں میں پھر کر، جنگلوں اور پہاڑوں، آبادیوں اور ویرانوں میں گھوم گھوم کر، ہر ایک شہری و دیہاتی، عالم و جاہل سے سوال کرو، تو سارے عرب یہ کہیں یہ ضان ہے، غنم ہے، شاۃ ہے، کبش ہے، نعجہ ہے۔ اور فارسی کہیں یہ میش ہے، گوسپند ہے، تو حق بات تسلیم کرو، اور اگر عرب اس کو گوریا، کلکھنا کتا یا ہاتھی، یا اہل فارس اس کو گورخر، یا چیتا، یا اتو کہیں تو تم معذور ہوگے

تنبیہ پنجم تائید مزید لمبی اور دراز سونڈ والے ہاتھی کو کوئی فیل نہ مانے تو اس کے علاوہ کیا سبیل ہے، کہ اہل عرب سے یہ کہلا دیا جائے، کہ ہمارے یہاں سب لوگ اسے فیل ہی کہتے ہیں، جیسے اگر کوئی بمبئی کا انکار کرے، تو اس کی سبیل بھی یہی ہے، کہ اسے بمبئی شہر دکھا کر لوگوں سے کہلا دیا جائے، کہ سب لوگ اسی کو بمبئی کہتے ہیں۔

تنبیہ ششم بھینس کو گائے کیساتھ لاحق نہیں کیا گیا یہ کہنا کہ بھینس کو گائے کے ساتھ ازروئے قیاس لاحق کیا گیا، غلط ہے، کیونکہ یہ مسئلہ قیاسی ہے ہی نہیں، اگر قیاس پر مدار ہوتا، تو سفید نیل گائے کو گائے کے ساتھ، اور پہاڑی بکرے اور ہرن کو بکری کے ساتھ لاحق کرنا بدرجہ اولیٰ بہتر ہوتا، لیکن ایسا جائز نہیں،

علامہ اتقانی نے غایۃ البیان میں فرمایا:۔

"قربانی کا مسئلہ بالکلیہ غیر قیاسی ہے، کیونکہ خون بہانا کار ثواب ہو، یہ بات غیر معقول ہے، اس لئے جن جانوروں کو شرع نے جائز قرار دے دیا ان کے علاوہ مثلاً وحشی جانوروں کی قربانی شرعاً جائز نہیں"۔

علامہ عینی نے رمز الحقائق میں تحریر فرمایا:

"قربانی حکم الٰہی سے خلاف قیاس ثابت ہوتی ہے، تو اسی پر انحصار کیا جائے گا"

علامہ طوری تکملہ بحرالرائق شرح کنز الدقائق میں تصریح فرماتے ہیں:۔

"قربانی کا جواز شرع مطہر میں انھیں جانوروں میں ثابت ہے، جو اہلی ہوں، وحشی میں نہیں، اور یہاں قیاس کو باریابی کی اجازت نہیں"۔

توحقیقت حال یہ نہیں ہوئی کہ اکمل کو کامل کے ساتھ لاحق کیا گیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علماء کے نزدیک بھینس کا گائے کی ہی نوع میں ہونا ثابت ہوا، تو انھوں نے کہا کہ قرآن کا لفظ البقر بھینس کو شامل ہے، اس لئے مسئلہ ہذا کے لئے الحاق والے قاعدہ کے سہارے کی بالکل ضرورت نہیں۔

یہ امور ہدایہ، خانیہ، رمز الحقائق، تکملہ طوری، مستخلص الحقائق، شرح ملا مسکین، طحطاوی علی الدر، شرح نقایہ برجندی جامع الرموز، جامع المضمرات، مجمع الانہر عن المحیط، فتح اللہ المعین عن التبیین، بحرالرائق، ولوالجیہ، ہندیہ عن البدائع، ردالمحتار عن البدائع وعن معرب، منصوص ہیں، ضرورت پر ساری کتابیں پیش کی جاسکتی ہیں، الحمدللہ ساری کتابیں میری ذاتی ہیں۔

ہاں ان حضرات نے ایک لفظ ایسا ضرور کہا ہے جس سے یہ شبہہ ہو کہ گائے اور بھینس میں تغایر ہے، اور وہ کنز، تبیین، بحر، نہر، شرنبلالیہ، مجمع الانہر ابی سعود وغیرہ میں ذکر کیا ہوا لفظ "الجاموس کالبقر" ہے، لیکن اس سے دھوکہ کھانا غلط ہے، کیونکہ یہ ایسے ہی ہے، جیسے علماء اونٹ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں "البخت کالاعراب" بیان مسئلہ میں اونٹ مقسم کی طرح پیش کیا گیا ہے، اس کے باوجود جب بخت واعراب دو نوع نہ ہوئے، تو صرف کاف تشبیہ کی وجہ سے بقر و جاموس دو نوع کیسے ہوں گے، اور خاص کر مجیب صاحب کو تو یہ شبہہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ انھوں نے خود ہی کواختیار کی عبارت "البقر بنوعیہ" اور "مفاتیح الجنان" کا حوالہ "ان الجاموس داخل فی البقر" (بھینس گائے میں شامل ہے) اور اشعۃ اللمعات سے "جاموس نوع از بقر" (بھینس گائے کی ایک قسم ہے) نقل کیا ہے

حیرت ہوتی ہے کہ اس کے باوجود کس طرح مجیب نے قربانی کے جانور کی پانچ قسمیں کیں، اور بھینس کو الگ ایک نوع قرار دیا، بس واضح ہوا کہ پانچ نوع قرار دینا غلط، اور بھیڑ کو چھٹی قرار دیکر اس سے انکار کرنا غلط در غلط ہے۔

ایک بات یہ بھی قابل غور ہے، کہ گائے اور بھینس میں صورۃً اور معنیً بناوٹ، طبیعت، گوشت اور دودھ، مزے اور اعمال و آثار میں تباین ظاہری ہے جس کے پیش نظر عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ ان دونوں میں تباین نوعی ہے، اور بھینس کی قربانی نہ ہونا چاہیے۔ مگر جائز ہے، تو یہ ایک خلاف قیاس حکم ہے۔

خلاصہ اتقانی جلبی میں ہے :- "بھینس کی قربانی استحساناً جائز ہے"
فاضل عبدالحی لکھنوی کی شرح مختصر وقایہ میں ہے :- "گائے کی طرح ہے ، یہ اسی کی ایک نوع ہے"
روضہ میں ہے :- "اس کی قربانی استحساناً جائز ہے، قیاس میں تو جائز نہ ہونا چاہیئے"
عرف کے اعتبار سے گائے اور بھینس کا تغایر ظاہر ہے ، اسی لئے اگر کوئی قسم کھائے کہ گائے کا گوشت نہیں کھائیگا، تو بھینس کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا ، یہ مسئلہ ہدایہ کتاب الزکوٰۃ میں ہے ، اور خانیہ میں ہے "بھینس کی قسم کھائی تو گائے کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا۔

اور اگر خالی اعضار کی تعداد میں موافقت کی وجہ سے گائے اور بھینس کے ایک نوع ہونیکا خیال کیا جائے ، تو گھوڑے گدھے میں اس سے زیادہ یکسانیت ہے ، حالانکہ وہ دونوں عرفاً اور شرعاً ہر لحاظ سے دو متبائن نوعیں ہیں ۔
اور تم چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ گائے اور بھینس میں اعضار کی تعداد میں بھی موافقت نہیں ہے ، کیونکہ گائے کی گردن میں فاضل کھال لٹکتی ہے ، جو بھینس میں نہیں ہوتی ، اور گائے کے جسم پر گھنا بال پورے بدن پر اُگا رہتا ہے ، اور بھینس کے جسم پر چند قلیل بال ہوتے ہیں، پس جب ان سارے اختلافات کے باوجود استحسان میں گائے اور بھینس ایک جنس ہوئے ، تو دنبہ اور بھیڑ کے ایک جنس ہونے میں کیا شبہہ ہوسکتا ہے ، کیونکہ ان میں تو مذکورہ بالا اوصاف میں سے کسی میں اختلاف نہیں ، اگر ایک رنگ کے دنبہ اور بھیڑ کو آگے سے دیکھئے تو فیصلہ مشکل ہوگا ، کہ کون بھیڑ اور کون دنبہ ہے ، ہاں صرف یہ بات ہے کہ دنبہ کی دُم چوڑی اور چھوٹی ہوتی ہے ، اور بھیڑ کی دُم لمبی اور بالدار ہوتی ہے ، لیکن یہ کوئی بات نہیں ، اس سے بڑے بڑے اختلافات ایک نوع کے افراد میں اختلاف آب وہوا کی وجہ سے پائے جاتے ہیں ، اور ان کا لحاظ کرکے کوئی اختلاف نوع کا حکم نہیں لگاتا۔
امثلہ (۱) آدمیوں میں حبشیوں کا ہونٹ نہایت موٹا ہوتا ہے ، (۲) ترکیوں کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں ، (۳) چینیوں کی ناک چپٹی ہوتی ہے ، (۴) اور بعض وحشی ترکیوں کی دم کی ہڈی پر دُم ہی کی طرح ایک بالشت تک لمبا گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے (۵) عام عورتوں کی شرمگاہ میں جو پارہ گوشت ابھرا ہوا ہوتا ہے ، مراکشی عورتوں میں خلقۃً نہیں ہوتا ۔ (۶) ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ آدمی کے کبھی چھ انگلی ہوجاتی ہے ، چنانچہ فقہار کا جزیہ ہے اگر کسی آدمی کے دو دو ہاتھ ہوں ، یا دو دو پاؤں ، یا ایک ہاتھ میں دو ہتھیلیاں ، تو کیا وضو میں دونوں کا دھونا واجب ہے ؟ یہ مسئلہ بحر ، نہر ، درر ، اور ہندیہ میں مصرح ہے ۔
(۷) میں نے بعض شہروں میں اونٹ دیکھے ہلکے پھلکے ، لمبے بال والے ، جن کے پشت پر دو کوہانیں تھیں ، جن کے بیچ میں ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی ۔

(۸) امام قزوینی نے عجائب المخلوقات میں ، اور دمیری نے حیواۃ الحیوان میں تحریر کیا ، ہندوستان کے بعض دنبے آتے ہیں جن کے سینے پر چکتی ہوتی ہے ، اور دونوں مونڈھوں پر دو چکتی ، اور رانوں پر دو چکتی ، اور دُم پر ایک چکتی ہوتی ہے ، جو اتنی بڑی ہوتی ہے کہ لکڑی کی چھوٹی گاڑی پر وہ چکتی رکھ دی جاتی ہے ، اور گاڑی دنبہ کے سینہ سے باندھ دی جاتی ہے جسے وہ کھینچتا جاتا ہے ،

مذکورہ بالا سارے اختلافات جو اعضاء کی کمی بیشی میں واقع ہوئے، چہ جائیکہ ان کے بڑے اور چھوٹے ہونیکا اختلاف، تو کیا کوئی عاقل اس کی وجہ سے جانوروں کی نوع میں اختلاف ہونے کی بات کرے گا، اور کہے گا کہ یہ دو کوہان والے اونٹ، اونٹ ہی نہیں، نہ اُن کی قسم باقی ہو سکتی ہے، نہ یہ سائمہ جانور میں شمار ہوں گے، نہ اُن پر زکوٰۃ ہوگی،

تنبیہ ہشتم توضیح مزید عربی و عجمی اہل تفسیر و حدیث، اہل فقہ و لغت اس بات پر متفق ہیں، کہ بکری کی دو قسمیں ہیں، ضان اور معز جس کی تعبیر فارسی میں میش اور بُز سے کی جاتی ہے، اور دونوں میں ایسا اختلاف ہے، کہ جو معز ہے، ضان نہیں، اور جو ضان ہے معز نہیں۔

حوالے
- ضائن ماعز کے خلاف، اور اس کی جمع ضان ہے، (علامہ خفاجی حاشیہ بیضاوی)
- ضوائن اون والی، ضائنہ کی جمع، یہ بکری کی ایک قسم خلافِ ماعز ہے، (مجمع بحار الانوار)
- ضائن معز کے خلاف غنم میں سے، (مرقات)
- غنم اسم جنس ہے، یہ ضان و معز مذکر و مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے، اور ضان اور معز میں اختلاف ہے (شرح کنز علامہ مسکین)
- معز ضان کے خلاف ہے، غنم کی ہی ایک قسم ہے، (قاموس)
- ضائن، بکریوں میں معز کے خلاف، اور جمع ضان، محاورہ ہے، اپنے ضانوں کو ماعز سے الگ کرو، (قاموس)
- ضائن ماعز کا ضد ہے، اور جمع ضان اور معز ہے، (مختار الصحاح رازی)
- معز بکریوں میں ضان کا ضد ہے (" ")
- ذخیرہ عقبی، اور صراح کی عبارتیں اوپر گذریں۔
- گوسفند معنی میں میش کے، جو بُز کا مقابل ہے، جیسا کہ معز عربی میں ضان کا مقابل ہے۔ (غیاث اللغات بحوالہ مجیب)
- جس حیوان کو عرب ضان کہتے ہیں، فارسی میں میش کہتے ہیں، (تقریر مجیب)
- غنم کی دو قسم ہے، معز کہ اس کو بز کہتے ہیں، اور ضان کہ اس کو میش کہتے ہیں، (شیخ محقق بحوالہ مجیب)
- بکری اپنی دونوں نوعوں کے ساتھ، (شامی بحوالہ مجیب)

تو ایک طرح اجماع ہو گیا کہ غنم صرف دونوں میں منحصر ہے، جو غنم معز نہیں، وہ ضان ہے، اور جو ضان نہیں وہ معز ہے، تو لامحالہ بھیڑ کو بھی ضان یا معز کسی میں داخل ماننا پڑے گا، اور اگر کچھ شبہہ ہو تو اتنا تو قطعی ہے کہ یہ بہیمۃ الانعام میں داخل ہے، اور بہ اتفاق علماء انعام کی صرف چار قسمیں ہیں۔

اس امر کی تصریح، امام بغوی نے معالم میں، اور رازی نے مفاتیح میں، رومی نے ارشاد میں، ملا علی قاری نے

مسلک المتقسطامیں، اور فاضل طاہر نے مجمع البحار میں کی ہے، اور ان کے علاوہ نے دوسری کتابوں میں کی ہے،

اور آپ اس کو گائے یا اونٹ میں شامل کرنے کی جرأت کر ہی نہیں سکتے، لامحالہ یہ ضان میں ہی شامل ہوگا، معز یا بکری تو ہوگا نہیں کہ اس کے اون ہوتا ہے، اور معز کے اون نہیں ہوتا، کیونکہ آپ کا یہ خود کا اعتراف ہے کہ یہ اون والی ہے، تو دیکھئے آپ ہی کی دلیل نے آپ کا کیسا رد کیا، اور صاف ظاہر ہوگیا کہ چکتی نابہ الامتیاز نہیں، ورنہ بھیڑ کو معز میں داخل کرنا ہوگا، اور آپ اس کو دونوں ہی سے خارج کرنے پر تلے ہوئے تھے، اور اسی سے آپ کے دعویٰ کا رد بھی ہوگیا، کہ یہ قربانی کا جانور نہیں۔

تنبیہ ہشتم حقیقت ومجاز والی تدقیق کا جواب اس پر مجیب کی اس قسم کی ساری تدقیقات کہ میش ذوات الیہ" میں حقیقت ہوگا یا مجاز یا مشترک سب کا مبنیٰ یہ تھا کہ چکتی کو میش کی حقیقت میں بنیادی دخل ہے، اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ بنیاد ہی غلط ہے، تو یہ تدقیقات بھی بے حقیقت ہوگئیں۔ اور انھیں پر مبنی یہ حکم بھی کہ غنم کی دو ہی قسم نہ رہیں گی، بھیڑ کے بعد اس کی تین قسمیں بنیں گی،

تنبیہ نہم ذات الصوف تعریف بالاعم نہیں یہ بات بلاشبہہ صحیح ہے کہ کبھی کبھی تعریف وتفسیر لفظ اعم سے بھی ہوتی ہے، جیسا کہ مجیب نے دعویٰ کیا ہے، لیکن یہ بات کہ لفظ ضان کی تفسیر میں میش کا ذکر بھی یونہی ہے، بے حقیقت بات ہے، بلکہ شہادت اس کے خلاف ہے، کیونکہ یہ تفسیر ایک ایسے حکم کے بیان کے سلسلہ میں ہے، جو ضان کے ساتھ ہی خاص ہے، جیسے صاحب اشعۃ اللمعات کا یہ کہنا کہ ضان کا چھ ماہہ بچہ بھی جائز ہے۔

تنبیہ دہم درباره لغت فقہار وادبار نیز یہ بات بھی صحیح نہیں ہے، کہ اعتبار فقہار کی لغت کا ہے نہ ادیبوں کی لغت کا، جب خطاب زبان عرب میں ہے، تو جبتک منقول ہونے کا ثبوت نہ ہو، ضروری ہے کہ لغوی معنیٰ ہی مراد ہوں گے، اس کی تائید ابن ہمام رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ

> لغۃً زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی کو بنت ہی کہا جاتا ہے، اس لئے قرآن کے فرمان وَبَنَاتُكُمْ میں یہ بھی داخل ہوگی، اور زانی کا نکاح ایسی لڑکی حرام ہوگا۔ (امام ابن ہمام، بحر، شامی) ___

تنبیہ یازدہم تفسیر بالاعم کی حقیقت یہ امر بھی قابل غور ہے، کہ علمار تفسیر وحدیث اور فقہ ولغت کی بڑی تعداد نے ضان اور معز کی تفریق میں صوف اور بال کا لفظ استعمال فرمایا ہے، تو تفسیر بالاعم وغیرکی تاویل ان کے کلام میں نہیں کرنی چاہئے بلکہ ان قلیل التعداد علمار کے کلام میں جو ایک لفظ خاص "ذات الیۃ" (چکتی والی) سے تعبیر کرتے ہیں۔

حوالے • بغوی معالم التنزیل :-

> ضان ونعجۃ، نر ومادہ اون والی بکری کو کہتے ہیں، اور بال والی کو معز، ___

• امام رازی تفسیر کبیر :-

> اون والی بکری ضان ہے، اور بال والی معز۔ ___

• مصباح المنیر وحیوۃ الحیوان :-

بکری کی اون والی قسم ضان کہلاتی ہے،

• طحطاوی شرح نقایہ، ردالمحتار :-

ضان اون والی، اور معز بال والی۔

• بحر الرائق، غنیۃ ذوی الاحکام، فتح اللہ المعین عن معراج الدرایہ (ایضاً)

• حدیث امام احمد ابن حنبل، ابن ماجہ کا اشارہ یہی ہے :-

زید ابن ارقم کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا تمھارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت، پوچھا ہم کو کیا ملے گا، فرمایا، اس کے ہر بال کے برابر نیکی، لوگوں نے عرض کیا اون کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا اس کے بھی ہر بال کے برابر نیکی ملے گی،

• مرقات میں ہے :-

حدیث شریف میں بال سے اشارہ بکری کی طرف تھا، تو لوگوں نے صوف کہہ کر ضان کے بارے میں پوچھا۔

• ساتویں تنبیہ میں عنایہ، مجمع، مرقات، شرح کنز، ذخیرہ عقبیٰ، قاموس، صراح، مختار الصحاح، غیاث اللغات کی عبارتوں کا مفاد بھی یہی ہے، کیونکہ ضان اور معز کے علاوہ کوئی اور نوع ہوتی جس کی وجہ امتیاز چکتی ہو تو ضان اور معز میں جنس غنم کا انحصار باطل ہوا جاتا ہے۔

یہ ۲۱ نصوص ہیں، اور جو مذکور نہ ہوئے، اس سے بہت زیادہ ہیں، سب اس بات کا فیصلہ کر رہے ہیں، کہ ضان اور معز میں فرق اون سے ہے، چکتی سے نہیں، اس طرح مجیب نے لاعلمی میں ہی سہی یہ اعتراف کر لیا کہ بھیڑ ضائن میں شامل ہے، آگے علی الاعلان اعتراف کرنا پڑے گا، عام سے تفسیر ماننے میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ متقدمین نے اسے صرف مباح مانا ہے، ایسی تعریف عمدہ نہیں ہے،

میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواقف میں فرمایا :-

"متأخرین نے تعریف میں مساوات کی شرط لگائی، اور متقدمین نے کہا کہ جو تمام مشارکات سے تمیز دیدے وہ رسم تام ہے، اور جو بعض سے ممتاز کرے رسم ناقص ہے، اور تعریف تبھی عمدہ ہے، کہ مساوی سے ہو تاکہ امتیاز کامل حاصل ہو" اور حسن چلپی نے بھی حاشیہ تلویح میں فرمایا :- "تعریف کی عمدگی کے لئے مساوات شرط ضروری ہے،،

تو یہ علماء جس بات کو غیر عمدہ بتادیں، ان کے کلام کو اسی پر حمل کرنا کوئی عمدہ بات نہیں ہے۔

تنبیہہ دوازدہم تشریح مزید | ایک بات یہ بھی قابل غور ہے، کہ بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عام اور مساوی دونوں کے ساتھ تعریف ہم پلہ ہی ہے، پھر بھی سخن فہم خوب جانتے ہیں کہ لفظ تعریف سے ذہن کی سبقت تساوی کی طرف ہی ہوتی

اور بغیر کسی قرینہ کے متبادر کو چھوڑ کر اعم مراد لینا خلافِ نقل وعقل ہے۔

امام تفتازانی نے حاشیہ توضیح میں تصریح فرمائی کہ "کتب لغت میں عام کے ساتھ تفسیر عام ہے"۔

اس کے باوجود "فائق" کے قول "الحمد هو المدح" کی شرح میں فرماتے ہیں، کہ

"اس کا مطلب یہ ہے کہ حمد اور مدح دو مرادف لفظ ہیں"، (شرح حاشیہ کشاف بحوالہ چلپی)

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوا کہ احتمال اعم ہونے کے باوجود انھوں نے ظاہر متبادر ومساوی پر کلام "فائق" کو محمول کیا، ٹھیک اسی طرح میر سید شریف نے بھی یہ اقرار کرتے ہوئے کہ تعریف اعم بھی جائز ہے۔ شرح کشاف میں "المدح والحمد اخوان" فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا محتمل اور جائز ہونا اور بات ہے، اور اس کا محمول اور مراد ہونا اور بات ہے۔

پس ثابت ہوا کہ متبادر سے پھرنے اور محتمل پر کلام حمل کرنے کے لئے واضح قرینہ ضروری ہے۔

تنبیہ سیزدہم توضیح مزید اور جو سچ پوچھو تو ہمارے نزدیک اعم سے تفسیر اسی وقت جائز ہے، جبکہ اس سے مراد خاص ہو، مثلاً اہل لغت کا یہ دستور ہے، کہ نکرہ بول کر معرفہ، اور معرفہ بول کر نکرہ مراد لیتے ہیں، اب انھوں نے کہا "اُحُدٌ جَبَلٌ" و "سَعْدَانَۃٌ نَبتٌ" تو اس کا ترجمہ ہوا (احد ایک خاص پہاڑ ہے) اور (سعدانہ ایک خاص گھاس ہے) تو یہاں تعریف اُحد میں ایک عام لفظ جَبَلٌ بول کر بھی مراد خاص پہاڑ ہو، اور محاورہ نکرہ بول کر معرفہ مراد لیا، اس موقع پر کوئی جبل کے بجائے "الجبل" بولے تو خلاف محاورہ اور غلط ہوگا، حالانکہ اس بیچارے نے معرفہ کی تعریف میں لفظ معرفہ ہی استعمال کیا ہے، لیکن اس عبارت سے کوئی یہ نہ سمجھے گا کہ احد اور الجبل میں ترادف ہے، تو سر اس میں یہی ہے کہ تعبیر اول میں محاورہ عام سے مراد خاص ہے، اور ثانی میں خاص سے مراد عام ہے، اور محاورے کا یہ فرق ہر صاحب فہم پر واضح ہے۔

تو جب لغت کا یہ حال ہے کہ بولیں عام اور مراد لیں خاص، تو شریعت غرّا جس میں خاص شئے کے احکام مخصوص کا بیان ہوتا ہے، عام بول کر عام ہی کس طرح مراد لیں گے؟ یہاں بغیر قرینہ کے تفسیر بالاعم غلط اور باطل ہوگی،

دلیل تنویری روزہ کا کفارہ قرآن مجید میں ایک گردن آزاد کرنا آیا ہے، اگر اب کوئی شخص لفظ تحریر رقبہ کے معنیٰ عام (زندہ کی قید دور کرنا) مراد لے تو غلط ہوگا، کیونکہ ترجمہ کی بنیاد پر، بندھے آدمی کو کھولنا، عورت کو طلاق دینا، اور جانور کو چھوڑ دینا، سبھی مراد ہو سکتے ہیں، تو لازم آئے گا کہ یہ سب چیزیں روزہ کا کفارہ بنیں۔

یہیں سے علمائے محققین، فقہاء ومحدثین کے اس طرز عمل کی وجہ سمجھ میں آتی ہے، کہ وہ عام طور سے تعریفات میں قیود احترازی اور جمعیت ومنعیت کا لحاظ کیوں نہیں کرتے، حالانکہ جو کچھ بیان کرتے ہیں اس کی مراد ایک جامع مانع محدود ہی ہوتا ہے، ــــــ علامہ غزی تمرتاشی سے "شامی" نے نقل کیا کہ :۔

حضرت علامہ نے الفاظ عامہ کو محل تقیید میں بھی عام مراد لینے والوں کے خلاف فرمایا:۔

"جو مقام تقیید میں لفظ کے اطلاق کا سہارا لیکر احکام عامہ جاری کرے گا، وہ بیشمار احکام کے فیصلہ میں قضائر اور افتائر غلطی کریگا"۔

مثلاً ہم مسئلہ دائرہ میں ہی لے لیں، ضان کی جتنی تفسیریں ہیں، جیسے اون والی، جو معز نہ ہو، اور ریش، یہ سب تعریفیں تعریف بالاعم ہیں، اب کوئی اون والی تعریف کے الفاظ پر غور کرکے بھیڑ ذبح کردے، تو اس نے بقول مجیب غلط نہیں کیا، مگر آپ پڑھ آئے ہیں کہ انھوں نے ایسے تمام لوگوں کو جاہل اور جاہل گر بنایا، یا مثلاً کسی نے اپنی عورت کے طلاق کو قربانی کرنے پر معلق کیا، اور بھیڑ کی قربانی کردی، تو ایک ایسا شخص جو کلماتِ علمار کے مفہوم ومراد کو سمجھتا ہے، بھیڑ کی قربانی کو قربانی قرار دے کر طلاق بائن واقع ماننے گا، جبکہ مجیب صاحب عام کو عام رکھتے ہوئے بھی اس کو قربانی کے جانور سے نکال کر طلاق نہ واقع ہونے کا فتویٰ دیں گے، اب ان دونوں باتوں میں حقیقت امر سے قطع نظر جن کو پہلے صاحب حرام کہہ رہے ہیں، دوسرے صاحب حلال ہونے کا فتویٰ دے رہے ہیں، تو یہ سارے قبائح اسی تفسیر بالعام کا شاخشانہ ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ قول ہی غلط ہے۔

تنبیہ چہاردہم حد کے تقلیدی ہونیکی بحث تعریف کا مسئلہ اجتہادی نہیں، تقلیدی ہے، مطلب یہ کہ عام سے اگر تعریف جائز ہے تو بزور قیاس اس کو رد نہیں کرسکتے، جیسا کہ مجیب نے اس مسئلہ میں فاضل لاہوری کی سند پکڑی ہے ___ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مسئلہ تقلیدی ہے، لیکن یہ بھی تو دیکھنا ہوگا کہ تقلید کن لوگوں کی کیجائے اور جن کی تقلید کرتا ہے، وہ کیا کہتے ہیں۔

تو امام رازی شرح اشارات میں، صدر الشریعۃ تنقیح میں، قاضی عضد الدین مواقف میں، قاضی بیضاوی طوالع الانوار میں، تفتازانی تہذیب میں، قطب رازی شرح شمسیہ میں، امام فناری اصول بدائع میں، وغیرہ اکابر علمائے اعلام تصریح فرماتے ہیں کہ تعریف کے لئے تساوی ضروری ہے، نہ تو معرّف عام تعریف میں چلے نہ خاص، تو ان علمار کی بات مانی جائے کہ فاضل لاہوری کی، جبکہ ان کی کتاب فنِ نحو کی کتاب ہے، اور یہ مسئلہ علم نحو کا نہیں۔

تنبیہ پانزدہم متقدمین کا مسلک متقدمین نے جس طرح اعم سے تعریف جائز رکھی (اور اس میں کوئی بُعد بھی نہیں جیسا کہ ہم نے بھی بیان کیا) انھوں نے اخص سے بھی تعریف کو جائز رکھا، اور مبائن سے بھی امتیاز ہوجائے تو اس سے بھی تعریف جائز ہوگی، کیونکہ ان کے یہاں جمیع ماعدا سے امتیاز ضروری نہیں، بعض مشترکات سے بھی تمیز حاصل ہوجائے تو تعریف جائز ہے۔

پس لفظ عام کی ہی کوئی خصوصیت نہیں رہی، اخص بلکہ مبائن سے بھی تعریف جائز ہوئی، بلکہ اخص تو جمیع ماعدا سے ممتاز بھی کردیتا ہے، البتہ کچھ فرد کو اپنے سے بھی خارج کردیتا ہے۔

شہادتیں • متقدمین نے اعم اور اخص دونوں سے تعریف جائز رکھی

دلیل یہ دی کہ تمام مشترکات سے تمیز دینا مقصود نہیں، بعض اغیار سے تمیز مقصود ہوتی ہے، البتہ معرف تام کے لئے مساوی ہونا ضروری ہے، اور یہ بات حد ورسم سب کے لئے عام ہے۔

(حاشیہ شرح مواقف میر سید شریف و شرح مطالع حسن چلپی)

- معرف میں بعض ماعدا سے امتیاز مطلوب ہوتا ہے، تمام ماعدا سے نہیں، تو خاص اور عام دونوں تعریف کی صلاحیت رکھتے ہیں، (شرح شمسیہ میر سید شریف)
- متقدمین نے کہا کہ کل ماعدا سے امتیاز مطلوب ہو، تو مساوی یا اخص کے سوا جبکہ عام اس کا ذاتی نہ ہو، کسی سے بھی تعریف جائز نہیں، اور اگر غرض بعض ماعدا سے امتیاز ہو تو اعم واخص اور مساوی سبھی سے جائز ہے، اور مبائن سے امتیاز ہو سکے تو اس سے بھی تعریف جائز ہے، لیکن ایک نادر الوجود بات ہے، اور اس مذہب کی حقانیت ظاہر ہے کیونکہ وقت وقت سے ضرورت سارے ہی اقسام کی پڑتی ہے، تو بعض کو ترجیح دینا اور بعض کو ترک کرنا غلط ہے۔

(شرح سلم بحر العلوم)

تو ثابت ہوا کہ عام کی کوئی تخصیص نہیں، خاص وعام دونوں ہی سے تعریف ہو سکتی ہے۔ پس آپ کو یہ حق کب پہنچتا ہے کہ علمائے محققین، مفسرین ومحدثین کی ان تینوں تعریفوں کو (میش اون دار، خلاف ماعز) تو آپ ساقط الاعتبار گردانیں، اور بعض حضرات نے "صاحب الیہ" تفسیر کردی تو وہ قابل اعتبار ہوگئی، کیا ایسا ممکن نہیں کہ وہ تینوں تعریفیں مساوی کے ساتھ ہوں اور حکیمی والی تعریف، تعریف بالاخص ہو، ہمارے اس نظریے کے خلاف خوش اعتمادی کے سوا اور کوئی دلیل نہیں، تو مسئلہ بالکلیہ ہمارے موافق ہوگیا۔

تنبیہ سالز دہم تعریف میں مِن تبعیضیہ کی تحقیق صرف شرح نقایہ کی عبارت میں لفظ مِن آیا ہے: ماکان من ذوات الصوف (جو اون دار میں سے ہو) اس کو بعض کے معنیٰ میں لیکر یہ سہارا پکڑنا کہ یہاں مراد تمام صوف والے نہیں، بلکہ بعض صوف والے ہیں (یعنی دنبہ) غلط ہے، کیونکہ اس سے قبل لفظ ماکان ہے، جو استغراق کے لئے ہے، تو یہاں مِن جو تبعیض کیلئے آتی ہے کلی کے افراد پر فرداً فرداً دلالت کے لئے ہے، اور معنیٰ یہ ہے کہ "ضان نام ہے اون والے جانور میں سے ہر ہر فرد کا، تو مِن کی تبعیض بھی سلامت رہی، اور ما کا استغراق بھی،

یہ ایسے ہی ہے کہ فلاسفہ نے انسان کی اوندھی سیدھی جو تعریف کی ہے:- الانسان حیوانٌ ناطقٌ، اس کی تعبیر کوئی یوں کرے:- الانسان اسم لکل ماکان من اهل النطق (انسان ہر اس کا نام ہے جو نطق والوں میں سے ہو) تو کیا اس مثال میں کوئی یہ گمان کر سکتا ہے کہ ناطق انسان سے اعم ہے۔

مجیب اگر خود اپنی عبارت پر غور کرے تو اپنے اس غلط استشہاد سے رجوع کرے، کیونکہ جب اس پر یہ اعتراض ہوا

کہ علماء نے فارسی میں ضان کو میش کہا، اور یہی چیز اردو میں بھیڑ کہی جاتی ہے، لہذا بھیڑ ضائن میں داخل ہوئی، تو اس نے کہا، اس تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ "ما کان من ذوات الصوف میش سواء کان له الیة اولا" (جو اون والی ہے میش ہے، اس کے چکتی ہو یا نہ ہو)

دیکھئے یہاں بھی مِنْ تبعیضیہ ہے، لیکن مجیب نے اس کو چکتی دار اور غیر چکتی دار دونوں میں عام مانا، یہاں مِنْ تبعیضیہ کا سہارا لیکر صوف دار کو ضان سے عام نہیں مانا۔

پس معلوم ہوا کہ ان تعریفوں میں مِنْ کا سہارا لینا بھی غلط ہے

تنبیہ مفید ہم قران فی اللفظ کی بحث

(علماء نے ضان کی تعریف میں ماکان من ذوات الصوف کہا (جس کے اون ہو) اور معز کی تعریف میں ماکان ذوات الشعر (جو بال والا ہو) کہا، اس سے ان لوگوں کی تائید ہوتی تھی جو بھیڑ کو ضان میں داخل مانتے ہیں، کہ علماء نے ضانیت کا مدار اون پر رکھا چکتی پر نہیں)

اس کا جواب مجیب نے یہ دیا تھا کہ یہ توجیہ ہو، جب ہم یہ تسلیم کریں کہ مَالَهٗ صُوْفٌ کا لفظ ضان کے مساوی ہے حالانکہ یہ لفظ یہاں بھی ضان سے اعم ہے، دلیل یہ ہے کہ اسی کے ساتھ ماله شعر کہہ کے بکری کی بھی تعریف کی گئی ہے، تو اگر اس تعریف میں بھی مدار بال پر رکھا جائے، تو گائے اور بھینس بھی جو بالدار ہیں، بکری میں شامل ہو جاتے ہیں، اس لئے حقیقت یہی ہے کہ اس مقام پر علماء نے ضان اور معز دونوں ہی کی تعریفیں لفظ عام سے فرمائی ہیں۔

مجیب کی یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ اس جواب کا مدار اس قاعدے پر ہے، کہ "جو دو جملے لفظ میں ساتھ ساتھ ہوں، ان دونوں کا حکم بھی ایک ہی ہوتا ہے"، جبھی تو [illegible] ہے کہ معز کی تعریف "مَالَهٗ شَعْرٌ" میں شَعْر عام ہے تو "ماله صوف" میں صُوْف عام ہونا چاہیئے، حالانکہ یہ استدلال ہی سرے سے فاسد اور غلط ہے۔

الف۔ علماءِ اسلام کا فیصلہ ہے، کہ "قِران فی اللفظ قران فی الحکم" لفظ میں ساتھ ہونا حکم میں ساتھ ہونے کو مستلزم نہیں ہے، اس لئے یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ مَالَهٗ شَعْرٌ عام ہو، تو مَالَهٗ صُوْفٌ بھی عام ہو۔

ب۔ شاید اسی لئے قہستانی نے ضان کی تعریف میں "مَاکَانَ مِنْ ذَوَاتِ الصُّوْفِ"، لفظ ماکان کے ساتھ، اور معز کی تعریف میں صرف "من ذوات الصوف" لفظ ماکان کے بغیر کہا، یعنی یہ اسلوب بدلنا اسی لئے ہوا، کہ ایک جگہ عام اور ایک جگہ مساوی مراد ہو۔

ج۔ معز کی تعریف میں بھی لفظ شعر معز کے مساوی ہے، یہ خیال غلط ہے کہ عام ہے، مُلّا علی قاری وغیرہ علماء کے نزدیک بکری کے بال کو ہی شعر کہا جاتا ہے، اس لئے بھینس اور گائے کے شمول کا کوئی سوال نہیں۔

بیشک بال بکری کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ وَبَر اونٹ کے ساتھ خاص ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں "مِنْ

اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا "، فرمایا ، کہ صوف ضان کے لئے ، وَبَر اونٹ کے لئے ، اور شعر بکری کے لئے ، البتہ محاورہ میں مجازاً دوسرے بال کے لئے بھی شعر کا اطلاق ہوجاتا ہے ، (ملا علی قاری مرقات زیر حدیث زید)

د ۔ گائے ، بیل اور بھینس سے اعتراض بیکار ہے ، کہ وہ یہاں مُقسم میں شامل ہی نہیں ، کلام تو غنم میں ہے ، کہ غنم کی دو قسمیں ہیں مالہ صوف و مالہ شعر ، تو لفظ مساوی مان کر بھی حصر کامل ہوگیا ،

تنبیہ ہیز دہم لفظ ضان اور صوف کی تحقیق

ضان کی تعریف مَالَهٗ صُوْفٌ میں لفظ صوف ضان سے اعم ہو ہی نہیں سکتا ، اور یہ کہنے کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ تعریف بالاعم ہے ، کیونکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ صوف ضان کے بال ہی کو کہتے ہیں ،

- صوف صرف ضان کے بال کو کہتے ہیں ، (حیوٰۃ الحیوان دمیری)
- اہل تفسیر و لغت فرماتے ہیں ، کہ صُوف ضان کا بال ، وَبَر اونٹ کا بال ، اور شعر معز کے بال کیلئے خاص ہے ،۔ (مفاتیح الغیب للرازی) ــــــ
- صُوف ضائنہ کے لئے ، اور وَبَر اونٹ کے لئے ، اور شعر معز کے لئے ، (قاضی بیضاوی)
- ضمائر انعام کے لئے ہیں ، اور اس کے ہر نوع پر تقسیم بھی ہے ، یعنی تمہارے لئے ضان کے صوف ، اونٹ کے وبر ، اور معز کے بال بنائے ۔ (ارشاد العقل لمفتی ابو مسعود)
- یعنی ضان کے صوف ، اونٹ کے وبر ، اور معز کے بال ، (تفسیر خازن)

کلام الٰہی میں ان تینوں ضمیروں کا مرجع جو تینوں بالوں کے ساتھ ہیں ، لفظ انعام ہے ، تو اگر فی نفسہ انعام میں سے کسی اور جانور کا بال بھی صوف کہلاتا ، تو مفسرین کو ہرگز یہ جرأت نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو عام فرمایا ، یہ خاص کریں ،

صاحب مرقات کے متفرق کلام جو ہم نے دو جگہ لکھا ، ملاؤ تو ان کا فرمان بھی یہی ہے ، کہ صوف صرف ضان کے لئے ہے ، پس ایسی صورت میں صُوف کو اگر دونوں (بھیڑ اور دنبہ) کے لئے عام مانا جائے ، تو مساوی کے ساتھ تعریف ہوئی ، ورنہ اخص کے ساتھ ، اعم کے ساتھ تعریف کا تو کوئی سوال ہی نہیں ۔

تو ثابت ہوا کہ ضان صوف والا ہے ، اور ہمارا یہ جانور بھی صوف والا ہے ، لہٰذا اب بات واضح طور پر ثابت ہوگئی کہ بھیڑ بھی ضان ہی ہے ۔

تنبیہ نوزدہم تعریف بالاعم اور تعریف بالاخص

میں نے پہلے کہا تھا ، ہوسکتا ہے کہ ضان کی پہلی تعریف لفظ مساوی سے ہو ، اور "الیۃ" چکتی والی تعریف اخص کے ساتھ ہو ، اب میں قطعیت کے ساتھ اسی بات کو دُہراتا ہوں ، کیونکہ میں بتا چکا ہوں کہ اعم ماننے میں "غنم" کا حصر اس کی دو نوعوں میں ختم ہوجائے گا ، اور بھیڑ تیسری قسم ہوجائے گی ،

تنبیہ بستم ائمہ وعلماء کے فتاوے

یہ لطیفہ بھی قابل ملاحظہ ہے ، دنبہ جس کے چکتی ہوتی ہے ، اگر کسی کے خِلقۃً چکتی ہو ہی نہیں ، اس کی قربانی جائز ہوگی یا نہیں ؟

امام اعظم ہمام اقدم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ " ایسے دنبہ کی قربانی جائز ہے"۔
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ "یہی صحیح ہے"
امام محمد بن حسن فرماتے ہیں:۔ " ایسے کی قربانی صحیح نہیں ہے"
بکری کا کان اور دُم پیدائشی طور پر غائب ہو، تو قربانی جائز ہے یا نہیں ؟
امام محمد فرماتے ہیں:۔ "ناجائز ہے"
امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے " جائز ہے" (مبسوط)
اگر دنبہ کی چکتی دم ہی کی طرح خلقۃً چھوٹی ہو ؟
"امام اعظمؒ جب بے کان اور دم کی جائز قرار دیتے ہیں تو چھوٹے کان میں کیا رکھا ہے، یہ بھی جائز ہوگی"
"امام محمدؒ کے یہاں صرف صغیر الاذن کی جائز ہے، خلقی کان چکتی نہ ہو تو جائز نہیں"
(قاضی خان لامام فقیہ النفس) محمد
"اجناس میں ہے کہ اگر دنبہ کی چکتی کان کی طرح چھوٹی ہو، قربانی جائز ہے، اور اگر مطلقاً ہو ہی نہیں تو امام کے یہاں ناجائز ہے" (اجناس، خلاصہ، عالمگیری، اخیرین میں میں نے خود دیکھا عبارت خلاصہ کی ہے)
" وہ دنبہ کہ اس کی چکتی چھوٹی دم کے مشابہ ہو یا ہو ہی نہیں اس کی قربانی جائز ہے۔ امام محمد کے یہاں ناجائز ہے" (وجیز امام کردری)
"شکار جس کے خلقۃً کان نہ ہو، اس کی قربانی جائز نہیں، ایسے ہی جس کی دم یا چکتی نہ ہو"
(خزانۃ المفتین)
"جس کے خلقۃً تھن یا چکتی نہ ہو، یا سینگ ہی نہ ہو، اس کی قربانی جائز ہے" (امام ابویوسف اردبیلی شافعی)
"جو پیدائشی طور پر بے تھن اور چکتی کا جانور ہو، صحیح یہی ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے
(حیٰوۃ الحیوان دمیری)

ان دونوں فتووں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چکتی ضان کی حقیقت کا جز نہیں کہ یہ نہ ہو تو جانور ضائن کے بجائے کچھ اور ہو جائے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر تو یہ امر بالکل واضح ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر بھی، کیونکہ بے چکتی والے کو ضان مان کر ہی وہ اس کی قربانی کے جواز اور عدم جواز کا قول کر رہے ہیں، اگر بے چکتی والے کو وہ ضان مانتے ہی نہیں تو ان کی عبارت "لا الیۃ لہ" کے معنی یہ ہو جائیں گے، اگر بکری بکری ہی نہ ہو تو اس کی قربانی ناجائز ہے، اور ایسی ردی عبارت تو کوئی عام عربی بھی نہیں بول سکتا، چہ جائیکہ

امام اللغۃ والفقہ امام محرر المذہب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ۔

تنبیہ بست ویکم حیوان کے اعضاء کا حکم

میری مانو تو میں تم کو نور حق کی سامنے کھڑا کر دوں گا، جہاں کوئی حجاب نہ ہوگا، اور ہر قسم کے خطرات دور ہو جائیں گے،

واقعہ یہ ہے کہ جانوروں کے اعضاء وجوارح اوصاف کے مرتبہ میں ہوتے ہیں، جس کے مقابلہ میں دام کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، اس پر سارے فقہاء کا اتفاق ہے

"کسی نے ایک باندی خریدی، ابھی بائع کے ہی پاس تھی کہ بھینگی ہوگئی، دام میں سے کچھ کم نہ ہوگا، یونہی کسی نے باندی خریدی، وہ مشتری کے قبضہ میں اگر بھینگی ہوگئی، اور مشتری کسی دوسرے کے ہاتھ اس کو منافع پر (مرابحۃ) بیچنا چاہتا ہے، تو اُسے بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ میرے یہاں آکر عیبی ہوگئی ہے"

میں اس موضوع پر کثیر نصوص پیش کر سکتا ہوں کہ اطراف حیوان کا حکم اوصاف کا ہے، اور اوصاف کسی شئے کی حقیقت میں داخل نہیں ہوتے، جیسا کہ علماء نے بیان فرمایا ہے، اور آپ بھی جانتے ہونگے، یہ اُن اعراضِ مفارقہ کی طرح ہیں، جن کے انتفاء سے حقیقت منتفی نہیں ہوتی، تو ضان بھی چکتی نہ ہونے کی صورت میں ضان سے نہیں نکل سکتا، جیسے وہ آدمی، آدمی ہی رہتا ہے جس کے پیدائشی ہاتھ نہ ہو، اس وصف کے ساتھ تعریف کرنے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے، کہ یہ وصف صرف اس حقیقت میں پایا جاتا ہے، تو اس وصف سے ذہن صرف اس حقیقت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ حقیقت اس وصف کے بغیر پائی ہی نہیں جاتی

"ما تکون لہ الیۃ" کا مطلب یہ ہوا کہ ضان جانور کی وہ قسم ہے کہ اس میں چکتی ہوتی ہے، یہ مطلب نہیں کہ بے چکتی کا ضان ہوگا ہی نہیں۔

تنبیہ بست ودوم چکتی کی بحث

اب تھوڑی دیر چکتی پر بحث ہو جائے، آپ سوچتے ہوں گے کہ "الیۃ" (چکتی) جبھی ہوگی، جب اس پر خوب گوشت، خوب چربی، اور وہ خوب چوڑی ہو، جس کو ہندی میں چکتی کہتے ہیں، تو یہ ایک زعم باطل اور بلا دلیل ہے، "الیۃ" بکری کی دُم کو کہتے ہیں، اس میں چھوٹے اور بڑے، لانبے اور ناٹے ہونے کی شرط نہیں، حوالے ملاحظہ ہوں:۔

" الیات" الیۃ کی جمع، بکری کی دم کو کہتے ہیں (مجمع نقلاً عن ابن اثیر)

" ریڑھ کی آخری ہڈی پر جو چربی، یا چربی اور گوشت دونوں چڑھ جاتی ہیں، اسی کو الیۃ کہتے ہیں"

(قاموس)

اور بھیڑ کا بھی یہی حال ہے کہ اس کی دم پر بھی گوشت، چربی آلود ہوتا ہے، تو اس کو الیہ کون نہ کہیگا علماء کے حوالہ سے ہم لکھ آئے ہیں کہ معمولی چکتی والے کی قربانی جائز ہے، تو کیا یہی مسئلہ بھیڑ کا جزیہ نہ تھا تو بیشک اس بھیڑ پر بھی لیھا الیۃ کی تعریف صادق ہے۔

اور اگر اس پر بھی تسلی نہ ہو، تو سوال یہ ہے کہ چکتی کی لمبان، چوڑان کیا ہوگی کہ اس سے کم کو چکتی کے بجائے دم کہا جائے، اور ذرا اس چکتی کا بھی خیال رہے، جس کو فقہاء نے دم کی طرح چھوٹی کہا ہے، ظاہر ہی کہ یہ سب باتیں ائمہ اعلام کے کلام سے ثابت کرنی ہوگی، زبانی جمع خرچ کی سند نہیں۔

تنبیہ بست وسوم، تعریفوں میں عدم تضاد

گذشتہ تحریروں سے یہ واضح ہوچکا ہے، کہ علماء نے ضان کی تین تفسیریں کی ہیں، اون والا، چکتی والا، معز کے علاوہ، اور فارسی والوں نے اس کا ترجمہ میش کیا، اور ہم یہ ثابت کر آئے کہ احکام مخصوصہ کے بیان کے وقت ترجمہ ہو یا تعریف، مساوی کے علاوہ نہیں ہوسکتی، تو پتہ چلا کہ مذکورہ بالا چاروں لفظ بلکہ ہندی کا بھیڑ ملکر کل پانچوں لفظ آپس میں مساوی ہیں، ان کا محدود ومفہوم شئے واحد ہے، تو جو اون والی ہے وہی چکتی والی ہے، اور جو چکتی والا ہے وہی اون والا بھی ہے، کیونکہ ایسے مواقع پر تعریف کا مقصد وصف نوعی بیان کرنا ہوتا ہے، افراد کے وصف فعلی کا ذکر نہیں ہوتا، کہ یہ تو عام طور پر رسم میں ملحوظ ہوتا ہے، جیسے انسان اور حیوان کی تعریف میں تحرک ارادی یا مشی یا ضحک اور کتابت وغیرہ اوصاف۔

تو ہماری تقریر سے ثابت ہوگیا کہ بھیڑ کی دم جو ہمارے بلاد میں ہوتی ہے، وہ چکتی ہی ہے، اور فقہ حنفیہ میں اسکی صورت اور حکم دونوں کا جزئیہ موجود ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان بظاہر مختلف تعریفوں میں کوئی تضاد نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں تعریف نہ تو اعم کے ساتھ ہے، نہ اخص کے ساتھ، بلکہ سب مساوی ہیں، اور یہ کہ غنم میں چکتی اور بے چکتی کی بنیاد پر ایک تیسری قسم نہیں پیدا ہوتی، یہ سب دماغی خدشات اور وہمی خیالات ہیں،

تنبیہ بست وچہارم، ناقص کامل کی نفی

یہ بھی واضح ہوا کہ بھیڑ کی دم میں کوئی نقصان اور کمی نہیں کہ کہا جائے وہ ناقص ہے اور چکتی کامل ہے، لہٰذا دنبہ کے ساتھ لاحق نہیں ہوسکتی،

تنبیہ بست وپنجم امام اعظم کے فتوی کی بنیاد پر فیصلہ

اور اگر ہم سب چھوڑ چھاڑ کر یہی مان لیں کہ بھیڑ بے چکتی کا ہے، تب بھی یہ انعام میں داخل ہے، تو قربانی کا جانور ہے، اور اسی جانور کی قربانی جائز ہونے نہ ہونے میں امام اعظم اور امام محمد رحمہم اللہ کا اختلاف ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ائمہ جب تک کسی مسئلہ میں امام اعظم کے خلاف کسی اور امام کے قول پر متفق نہ ہوں، فتوی امام کے قول پر ہے، یہ مسئلہ فتح، بحر، نہر، خیریہ، شامی، وغیرہ معتمد اسفار میں منصوص ہے، میں نے ان سب کو اپنے فتادے کی جلد کتاب النکاح میں تفصیل سے نقل کیا ہے۔

یہ حکم تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا ہے جس کی ائمۂ ترجیح میں سے کسی نے ترجیح نہ دی ہو، اور اس قول کی تو امام فقیہ النفس قاضیخاں نے ترجیح فرمائی ہے کہ اپنے اصول کے موافق اسی کو مقدم کیا، یہ مسئلہ بھی امام شامی اور امام طحطاوی نے منصوص فرمایا

پس ایسی صورت میں بھیڑ کی قربانی کے جواز کا فتویٰ دیئے بغیر چارہ نہیں۔

تذئیل آپ کی سات مستند کتابوں میں سے تین (ذخیرہ عقبی، درمختار، اشعۃ اللمعات) میں تو ضان کی تفسیر میں "بمالہ الیۃ" کا کہیں پتہ نہیں، بلکہ ذخیرہ عقبیٰ اور اشعۃ اللمعات میں تو آپ کے مدعا کے خلاف ہے، جیسا کہ مذکور ہوا، لیکن صاحب تعلیق مجدد نے تو انھوں نے حق کی تلاش میں تساہل برتا، اور کلام علما میں ذکر وصف کو زیادتی کشف کے بجائے قید احترازی سمجھا، اور بھیڑ کو ضان میں شامل نہ ماننے میں وہ بھی اسی طرح وہم میں گرفتار ہوئے، جیسے آپ نے "الیۃ" کے لفظ سے دھوکہ کھایا، اغلب ہے کہ آپ نے اس معاملہ میں انھیں کی تقلید کی ہو، مگر ان سے آگے بڑھ گئے، کیونکہ وہ تو صرف یہ کہہ کر رہ گئے، کہ چونکہ یہ ضان نہیں، اس لئے اس کے ششماہہ بچے کی قربانی جائز نہیں، اور آپ نے سرے سے اس کو قربانی کے جانور سے ہی خارج کر دیا،

یہ بات فاضل لکھنوی کے فتویٰ سے ظاہر ہے، وہ کہتے ہیں، بکری اور بھیڑ، ایسے ہی گائے اور اونٹ کا چھ ماہہ بچہ درست نہیں ہے، فقط دنبہ چھ ماہہ درست ہے۔

اس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ "منح الخالق" کی عبارت میں (جس کا حوالہ انھوں نے دیا ہی) ضان کے بیان میں صوف کا ذکر ہے، جس کو "مالہ الیۃ" سے مقید کیا ہے، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ الیہ کی قید احترازی ہے، حالانکہ خود ان کی عبارت، اور امام طحطاوی اور شامی کی روایت میں صوف کا ذکر نہیں ہے، صرف مالہ الیۃ ہی تو آپ کو بھی انکی تقلید کرنی تھی تو اتنی ہی بات میں کرتے، نہ کہ آگے بڑھ کر ایک محال بات کا دعویٰ کر دیا، اور سب مسلمانوں کو گمراہ اور گمراہ گر کا خطاب دیا،

مجھ سے لکھنوی صاحب کے ایک شاگرد نے ان کا یہ فتویٰ ذکر کرکے صورت حال دریافت کی تھی، میں نے چند جملوں میں اس کا خلاصہ لکھ دیا تھا، اور مسئلہ حق واضح کر دیا تھا، یہ کلام تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حافل اور کافل ہے، ان دونوں وہموں کو دفع کرنے والا، بلکہ اس کا تو رد شدید ہے جو ان کی قربانی جائز کرتا ہے، اور ان کے بچے کی نہیں۔

بلاشبہہ بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ جو دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو، اس کی قربانی جائز ہے وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحبہ اجمعین۔

اس رسالہ "ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ" سے ۱۳۱۶ھ میں فراغت حاصل ہوئی۔

مسئلہ - ازبنارس محلہ کنڈی گڈ ٹولہ، مسجد بی بی راجی، شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

ما قولکم ایہا العلماء اس مسئلہ میں کہ قربانی بھیڑ ششماہہ کی درست ہے یا نہیں، اکثر حدیثوں میں جو لفظ جذعہ من الضان آیا ہے، اُس سے ششماہہ بھیڑ مراد ہے یا دنبہ یا دونوں۔ عبارت نہایہ شرح ہدایہ مندرجہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی ششماہہ بھیڑ کی جائز نہیں، اسی پر مولانا و استاذنا مولوی عبدالحی صاحب نے عمل فرمایا ہے، چنانچہ یہ مسئلہ مولوی صاحب مرحوم کے مجموعہ فتاوی کی جلد اول ص۱۹۱ میں موجود ہے، عبارت شرح ہدایہ ویجزئ من ذلک کلہ الثنی فصاعدا الا الضان فان الجذع منہ یجزی، والتقیید بالضان لان الجذع من الابل والبقر والغنم لا یجزئ منہا الا الثنی۔ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب

الجواب - ششماہہ بھیڑ کی قربانی بلاشبہہ جائز ہے جبکہ یکسالہ بھیڑوں میں دور سے متمیز نہ ہوسکے فی الدرالمختار صح الجذع ذوستۃ اشہر من الضان ان کان بحیث لو خلط بالثنایا لایمکن التمییز من بعد یہی شرط دنبہ میں ہے، اور دنبہ اور بھیڑ ایک ہی نوع ہیں اور دونوں کا ایک ہی حکم، اس قدر میں تو کسی کو کلام ہو ہی نہیں سکتا، کہ جواز ششماہہ کا حکم احادیث صحیحہ وکتب فقہیہ سب میں بلفظ ضأن وارد ہے، اب مدار صرف ادراک معنی ضأن پر رہا، اگر یہ لفظ اس بھیڑ کو بھی شامل، تو قطعا یہ بھی اس حکم میں داخل والا لا، مگر بالیقین معلوم کہ ضان وہی چیز ہے جسے فارسی میں میش، اردو میں بھیڑ، اور اسی کی ایک صنف کو دنبہ کہتے ہیں، عرب دونوں معز وضأن کے سوا نہیں جانتے، نہ یہاں تیسری نوع ہے۔

(۱) قال اللہ تعالٰی ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی مرحوم موضح القرآن میں اس آیہ کریمہ کا ترجمہ فرماتے ہیں (پیدا کئے آٹھ نر و مادہ بھیڑوں سے دو، اور بکری میں سے دو) دیکھو ضان کا ترجمہ بھیڑ کیا، اسی طرح مولانا رفیع الدین نے ترجمہ کیا، یوہیں نفائس میں اس کا عکس یعنی بھیڑ کو میش نر وکبش وضأن سے مترجم کیا، تحفۃ المومنین میں کہا، بھیڑ بہندی غنم ست، پھر لکھا غنم ضان ست

(۲) سب جانتے ہیں کہ بھیڑ کا ترجمہ میش ہے، اور اہل لغت نے یہی ترجمہ ضأن کیا، منتخب رشیدی میں ہے ضأن میش، ضائن میش نر، صراح میں ہے، ضائن میش نر خلاف ماعز، والجمع ضأن خلاف معز تحفہ ومخزن میں ہے ضأن بفارسی میش نامند۔

(۳) علمائے لغت وتفسیر وحدیث وفقہ ضأن کی تعریف اون والی غنم فرماتے ہیں، اور معز کی تفسیر بالوں والی مصباح المنیر وحیوۃ الحیوان وغیرہما میں ہے الضان ذوات الصوف من الغنم، تفسیر کبیر میں ہے الضان ذوات الصوف من الغنم، والمعز ذوات الشعر من الغنم، معالم التنزیل میں ہے الضان والنعاج ھی ذوات الصوف من الغنم

والمعز والمعزی ذوات الشعر من الغنم، جامع الرموز پھر ردالمحتار میں ہے الضان ماکان من ذوات الصوف والمعز من ذوات الشعر، اب دیکھے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ بھیڑ کے بدن پر اون ہوتی ہے یا بال،

(۴) علامہ دمیری نے حیوۃ الحیوان الکبرٰی میں صاف حصر فرمادیا کہ اون صرف ضان کے لئے ہوتی ہے لفظ غنم میں فرماتے ہیں صوف الضان افضل من شعر المعز واعز قیمۃ ولیس الصوف الا للضان، اب بھیڑ کو ضان سے خارج ماننے والے پر لازم ہوگا کہ بھیڑ کی اون سے انکار، اور اس کی پشت پر بکری کے سے بال آشکارا کرے، وانی له ذلك۔ (۵) زبان عرب وخود قرآن شاہد ہے کہ نوع غنم میں صرف دو صنفیں ہیں، ایک وہ جسے عربی میں مَعز، نر کو تَیس، مادہ کو عَنز، فارسی میں بُز کہتے ہیں، دوسری جسے عربی میں ضأن نر کو، کبش مادہ کو، نعجہ فارسی میں گوسپند دمیش کہتے ہیں، رب العزت جل وعلا نے آیۂ مذکورہ میں آٹھ ہی جوڑے بتائے، ضأن، معز، ابل، بقر، ہر ایک سے دو، مادہ ونر، اہل زبان نے مَعز کو خلاف ضان، ضان کو خلاف معز سے تفسیر کیا، معلوم ہوا کہ اُن کے لئے ثالث نہیں، قاموس میں ہے المعز خلاف الضان من الغنم، اُسی میں ہے الضائن خلاف الماعز من الغنم ج ضائن، اضأن ضائنك اعز ۔۔ المعز ۔ مختار رازی میں ہے الضائن ضد الماعز، والجمع الضأن والمعز، اُسی میں ہے المعز من الغنم ضد الضان، مجمع بحار الانوار میں ہے فی ح شقیق مثل قراء ھذا الزمان کمثل غنم ضوائن ذات[1] صوف عجاف، ھو جمع ضائنۃ، وھی الشاۃ من الغنم، خلاف المعز، کوئی ادنٰی فہم والا بھی نہیں کہہ سکتا کہ بھیڑ معز میں داخل ہے، کیا بھیڑ کو فارسی میں بُز کہتے ہیں، کیا مینڈھے کو عربی میں تیس، مادہ کو عنز بولتے ہیں، جتنا صاف ترجمہ بکرا بکری ہے لاجرم بھیڑ ضأن ہی ہے، اور ضأن ہی میں داخل ہے، اور حکم ضان اُسی کا حکم ہے، اسے قطعاً شامل شیخ محقق قدس سرہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:۔

بدانکہ اضحیہ جائز نیست مگر از ابل وبقر وغنم، وغنم دو صنف ست، مَعز کہ آنرا بُز گویند، وضأن کہ آنرا میش خوانند ودر جمیع ایں اقسام ثنی شرط ست، مگر از ضان کہ جذعہ ہم درست ست، ودرست نیست از معز، کیا اس ارشاد سے بھی زیادہ کوئی تصریح صریح درکار ہے اور بفرض باطل اگر بھیڑ کو ضان میں داخل نہ مانئے، اور اس کا ابل وبقر ومعز اونٹ گائے بکری سے نہ ہونا بدیہی، تو حاصل یہ رہے گا کہ وہ بہیمۃ الانعام کی چاروں قسم سے خارج ہے، اور بالاجماع قربانی صرف انھیں چار قسم پر محدود، تو بھیڑ اگر ضان نہیں، تو واجب کہ سرے سے اس کی قربانی بھی باطل ہو، اگرچہ کتنی ہی عمر کی ہو، نہ یہ کہ قربانی جائز ہونے کو تو وہ ضان میں داخل، اور ششماہہ جائز نہ ہونے کو ضان سے خارج، یہ جہل صریح وتعسف قبیح ہے، غرض حکم واضح ہے، اور مسئلہ روشن، اور اس کا خلاف نہ بین، نہ مبین، بلکہ باطل بیّن، عبارت نہایہ منقولہ استفتاء مذکورۂ فتاوٰی کو اگر بعد ادراک معنی ضان لحاظ کیجئے تو صراحۃً ہمارا ہی مطلب اس سے ثابت، اور تحقیق معنی ضان کی نظر سے دیکھئے تو راساً بے علاقہ

---

[1] احترازا عما اذا جز صوفہا فاستبان عجفہا والمقصود ان باطنہم علی خلاف ظاہرہم ۱۲ منہ قدس سرہ۔

وساکت، ہاں مجیب لکھنوی کو وجہ اشتباہ عبارت منح الغفار واقع ہوئی کہ الضان ما تلون لہ الیۃ وہم گزرا کہ الیہ خاص چوڑی چکلی چکتی کو کہتے ہیں جس میں بکثرت چربی ہو، لہذا ضان بالتخصیص صنف دنبہ کا نام خیال کیا حالانکہ غنم میں اَلْیَہ مطلقًا دم گوسپند کا نام ہے، کبر وصغر وطول وقصر وغیرہا کچھ اس میں شرط نہیں، نہایہ ابن اثیر ومجمع بحار الانوار میں ہے الیات جمع الیۃ وھی طرف الشاۃ، صراح میں ہے اَلْیَہ بالفتح ذنب، برہان میں ہے ذُنب بضم بمعنی دُم، لاجرم فتاوی امام اجل قاضی خاں وردالمحتار وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ اگر الیہ خلقۃً صغیر ومشابہ دم ہو روا ہے، خانیہ میں ہے ان کان لھا الیۃ صغیرۃ مثل الذنب خلقۃ جاز، یہ بعینہ ہمارے بلاد کی بھیڑوں کی صورت ہے، ہم نے ان بھیڑوں کی دُم کو تشریح کرکے دیکھا وہ ضرور گوشت اور چربی پر مشتمل ہوتی ہے بخلاف دُم بز، بس یہی فرق الیہ و ذنب میں ہے، طول وقصر، عظم وصغر وکثرت و قلت لحم وشحم کو ہرگز اس میں نہ لغۃً دخل ہے نہ فقہاً، وھذا مما لا یخفی علی جاھل فضلاً عن فاضل، بات یہ ہے کہ جانوروں بلکہ آدمیوں کے بھی بعض اعضا صورت وہیئت بلکہ نفس وجود وعدم میں اختلاف ممالک سے مختلف ہوتے ہیں، اس سے نہ وہ دو نوعیں ہوجائیں گے نہ اُن کے احکام مختلف، فقیر نے بعض بلاد کے اونٹ دیکھے چھوٹے چھوٹے نہایت خوشنما، بدن پر بڑے بڑے بال مشابہ بہ یال، پشت پر دو کوہان بلند ومرتفع، بیچ میں نشست کی جگہ خالی کہ سوار کو آگے پیچھے دو تکیوں کا کام دیتے، چینیوں کی ناکیں کس قدر پست دبی، تاتاریوں کی آنکھیں چھوٹی، زنگیوں کے لب فروہشتہ وسطبر ہوتے ہیں، ہنہ ناتیہ جین الاسکتین کہ خفاض کیا جاتا ہے، زنان مغربیہ میں خلقۃً نہیں ہوتا، بعض اتراک وحوش کے عصعص پر لحمہ زائدہ بقدر یک بالشت مثل ذنب ہوتا ہے، امام کمال الدین دمیری وعلامہ ذکریا بن محمد بن محمود انصاری قزوینی نے ایک قسم کی بھیڑ ذکر کی، جس کے چھ اَلْیَہ ہوتے ہیں، ایک سینہ پر، دو شانوں پر، ایک پیچھے، دو رانوں پر، یہی اختلاف ممالک دم گوسپند میں ہے، ان دیار میں پتلی لمبی ہوتی ہے، جس میں اُسی کے لائق گوشت اور چربی، عرب میں اکثر چوڑی چھوٹی قدرے زیادہ گوشت اور چربی مشتمل، اور بعض خوب پہن و دراز بکثرت لحیم شحیم، یہ کابل وغیرہ میں کثیر الوجود ہے، اور بعض کی چکتی تو اتنی بڑی ہوتی ہے کہ اُسے چلنے سے معذور کردیتی ہے، ایک ہلکی گاڑی بنا کر اُسے جوتتے اور دُم گاڑی پر رکھ دیتے ہیں جسے وہ کھینچتی چلتی ہے، کیا ان اختلافات سے یہ انواع مختلفہ ہوجائیں گی، اور ان کے احکام جُدا، ایسا کوئی عاقل خیال نہیں کرسکتا، عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات میں ہے یجلب من الھند نوع من الضان علی صدرہ الیۃ، وعلی کتفہ الیتان، وعلی فخذیہ الیتان، وعلی ذنبہ الیۃ، وربما تکبر الیۃ الضان حتی تمنعہ من المشی فیتخذ لالیتھا عجلۃ توضع علیھا، وتشد الی صدرھا فتمشی الضان، وتجر العجلۃ والالیۃ علیھا، اسی طرح حیوۃ الحیوان میں ہے الی قولہ تمنعہ من المشی، جسے اس قدر کافی نہ ہو، ہمارا رسالہ عربیہ ھادی الاضحیہ بالشاۃ الھندیہ ملاحظہ کرے کہ بتوفیق علام تحقیق مرام بما لامزید علیہ ہے، وللہ الحمد واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ - از ضلع آرہ، ڈاک خانہ وقصبہ دائی ساگر، مسئولہ محمد یوسف

خصی سال سے کم عمر والے پر قربانی جائز ہے یا نہیں،

الجواب - چھ مہینے تک کا ایسا فربہ مینڈھا کہ سال بھر والوں کے ساتھ ہو تو دور سے تمیز نہ ہو، اس کی قربانی جائز ہے، اگرچہ خصی نہ ہو، اور بکرا سال بھر سے کم کا جائز نہیں اگرچہ خصی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ - از ریاست جے پور سوائی، تکیہ آدم شاہ گھاٹ دروازہ، مرسلہ مولانا عبدالرحمٰن اعظمی مئوی صاحب

مورخہ ۲ ذی الحجہ ۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکرا بکری اگر سال بھر سے کسی قدر کم کا ہو، مثلاً گیارہ مہینہ یا کم وبیش کا، تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں تو اس جانور کو جس پر نیت قربانی کی ہو چکی ہے، اور پورے سال بھر کا نہیں ہے تو کیا کرنا چاہئے، اور اگر جائز ہے یک سال سے کم مدت کا، تو اُس کتاب کا نام درج کردیا جائے، تاکہ یہاں دیکھکر اطمینان حاصل کیا جاوے۔ بینوا توجروا،

الجواب - بکرا بکری ایک سال سے کم کا قربانی میں ہرگز جائز نہیں، نہ اس پر قربانی کی نیت صحیح، وہ اسکی ملک ہے جو چاہے کرے، قربانی کے لئے دوسرا جانور لے، ہاں اگر یہ نیت کی ہو کہ آئندہ سال اس کی قربانی کروں گا تو اُسے قربانی ہی کے لئے رکھے، اُس کا بدلنا مکروہ ہے، درمختار میں ہے صح ابن خمس من الابل، وحولین من البقر والجاموس، وحول من الشاۃ والمعز، ردالمحتار میں ہے، فی البدائع تقدیر ھذہ الاسنان لمنع النقصان و لا الزیادۃ، فلو ضحی بسن اقل لا یجوز، وباکبر یجوز، وھو افضل، ہدایہ میں ہے لو اشتری بقرۃ یرید ان یضحی بھا عن نفسہ ثم اشرک فیھا ستۃ معہ جاز استحسانا، وفی القیاس لا یجوز، لانہ اعدھا للقربۃ فیمنع عن بیعھا متمولا، وجہ الاستحسان دفع الحرج والاحسن ان یفعل ذلک قبل الشراء لیکون ابعد عن صورۃ الرجوع فی القربۃ، وعن ابی حنیفۃ انہ یکرہ الاشتراک بعد الشراء لما بینا واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ - مرسلہ عبداللہ خاں، از شہر انبالہ، محلہ وکیل پور یکم صفر ۱۳۳۵ھ

جناب مولانا صاحب بعد سلام علیک کے واضح ہو کہ بقرعید کی قربانی میں بکرا خصی جائز ہے یا نہیں، اور جو کہ قربانی کرے اُس کو روزہ رکھنا جائز ہے کہ نہیں،

الجواب - خصی کی قربانی افضل ہے، اور اس میں ثواب زیادہ ہے، اور عید کے دن کا روزہ حرام ہے، ہاں پہلی سے نویں تک کے روزے بہت افضل ہیں، اُس پر قربانی ہو یا نہ ہو، اور سب نفلی روزوں میں بہتر روزہ عرفہ کے دن کا ہے، ہاں قربانی والے کو یہ مستحب ہے کہ عید کے دن قربانی سے پہلے کچھ نہ کھائے، قربانی ہی کے گوشت میں سے پہلے کھائے، مگر یہ روزہ نہیں، نہ اس میں روزہ کی نیت جائز، کہ اُس دن اور اُس کے بعد تین دن روزہ حرام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

انفس الفکر فی قربان البقر

مسئلہ عجیبہ از مراد آباد شوال ۱۲۹۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مذہب حنفیہ اس مسئلہ میں کہ گاؤکشی کوئی ایسا امر ہے جس کے نہ کرنے سے کوئی شخص دین اسلام سے خارج ہوجاتا ہے یا اگر کوئی معتقد اباحت ذبح ہو مگر کوئی گائے اس نے ذبح نہ کی ہو، یا گائے کا گوشت نہ کھایا ہو، ہر چند کہ اکل اس کا جائز جانتا ہے، تو اس کے اسلام میں کچھ فرق نہ آئے گا، اور وہ کامل مسلمان رہے گا، گاؤکشی کوئی واجب فعل ہے کہ جس کا تارک گنہگار ہوتا ہے یا اگر کوئی شخص گاؤکشی نہ کرے صرف اباحت ذبح کا دل سے معتقد ہو تو وہ گنہگار نہ ہوگا، جہاں بلاوجہ اس فعل کے ارتکاب سے ثوران فتنہ وفساد ہو اور مفضی بہ ضرر اہل اسلام ہو، اور کوئی فائدہ اس فعل پر مرتب نہ ہو اور عمل داری اسلام بھی نہ ہو، تو وہاں بدیں وجہ اس فعل سے کوئی باز رہے تو جائز ہے، یا یہ کہ بلاسبب ایسی حالت میں بقصد اثارت فتنہ وفساد ارتکاب اس کا واجب ہے، اور قربانی اونٹ کی بہتر ہے یا گائے کی، بینوا توجروا۔

الجواب (واللہ سبحٰنہ موفق الصدق والصواب) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللھم صل وسلم وبارک علٰی سیدنا محمد والہ وصحبہ اجمعین اللھم بک نستعین۔ اصل مسئلہ کے جواب سے پہلے دو امر ذہن نشین کرنا لازم۔

اوّل یہ کہ ہماری شریعت مطہرہ اعلٰی درجہ حکمت ومتانت ومراعات دقائق مصلحت میں ہے، اور جو حکم عرف ومصالح پر مبنی ہوتا ہے انھیں چیزوں کے ساتھ دائر رہتا ہے، اور اعصار وامصار میں ان کے تبدل سے متبدل ہوجاتا ہے، اور وہ سب احکام، احکام شرع ہی قرار پاتے ہیں، مثلاً زمان برکت نشان حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بوجہ کثرت خیر ونایابی فتنہ وشدت تقوٰی وقوت خوف خدا عورتوں پر ستر واجب تھا نہ حجاب، اور زنان مسلمین پنجگانہ مساجد میں جماعتوں کے لئے حاضر ہوتیں بعد حضور کے جب زمانے کا رنگ قدرے متغیر ہوا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا لوان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأی من النساء مارأینا لمنعھن من المسجد کما منعت بنو اسرائیل نساءھا یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے زمانے کی عورتوں کو ملاحظہ فرماتے انھیں مساجد جانے سے ممانعت کرتے جیسے بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو منع کردیا تھا، (رواہ احمد والبخاری ومسلم) جب زمانہ رسالت سے اور بعد ہوا، ائمہ دین نے جوان عورتوں کو ممانعت فرمادی، جب اور فساد پھیلا علماء نے جوان وغیر جوان کسی کے لئے اجازت نہ رکھی، درمختار میں ہے یکرہ حضورھن الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید ووعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذھب المفتی بہ لفساد الزمان، فتح القدیر میں فرمایا عمم المتاخرون

المنع للعجائز والشواب فی الصلوات کلها لغلبة الفساد فی سائر الاوقات، حالانکہ صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اذا استأذنت احدکم امرأته الی المسجد فلا یمنعها (جب تم میں کسی کی عورت مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اسے منع نہ کرے) رواہ احمد والشیخان والنسائی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، دوسری حدیث میں فرمایا لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ (اللہ کی کنیزوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو) رواہ احمد ومسلم عن ابن عمر واحمد وابوداؤد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم، پھر ان ائمہ وعلماء کے یہ احکام ہرگز حکم اقدس کے خلاف نہ ٹھہرے، بلکہ عین مطابق مقصود شرع قرار پائے اسی طرح رفتہ رفتہ حاملان شریعت وحکمائے امت نے حکم حجاب دیا، اور چہرہ چھپانا کہ صدر اول میں واجب نہ تھا واجب کردیا، نہایہ میں ہے سدل الشیئ علی وجهها واجب علیها، شرح لباب میں ہے دلت المسئلة علی ان المرأة منهية علی اظهار وجهها للاجانب بلا ضرورة، تنویر میں ہے تمنع من کشف الوجه بین رجال لخوف الفتنة، اسی قسم کے صدہا احکام ہماری شریعت میں ہیں ومن القواعد المقررة فی شریعتنا المطهرة ان الحکم یدور مع علته،

دوم واجبات ومحرمات ہماری شریعت میں دو قسم ہیں، ایک لعینہ یعنی جس کی نفس ذات میں مقتضی ایجاب وتحریم موجود ہے، جیسے عبادت خدا کی فرضیت اور بت پرستی کی حرمت، دوسرے لغیرہ یعنی وہ کہ امور خارجہ کا لحاظ ان کی ایجاب وتحریم کا اقتضا کرتا ہے، اگرچہ نفس ذات میں کوئی معنی اس کو مقتضی نہیں، جیسے تعلم صرف ونحو کا وجوب کہ ہمارے رب تبارک وتعالٰی کی کتاب اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کلام زبان عربی میں ہے، اور اس کا فہم بے اس علم کے متعذر، لہٰذا واجب کیا گیا، اور افیون اور بھنگ وغیرہا مسکرات کی حرمت کہ ان کا پینا ایک ایسی نعمت یعنی عقل کو زائل کرتا ہے جو ہر خیر کی جالب اور ہر فتنہ وشر سے بچانے والی ہے، اسی قبیل سے ہے شعار کہ مثلاً انگرکھے کا سیدھا پردہ ہماری اصل شریعت میں واجب نہیں، بلکہ ہمارے شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی انگرکھا نہ پہنا، نہ حضور کے ملک میں اس کا رواج تھا، مگر اب کہ ملک ہندوستان میں شعار مسلمین قرار پایا اور الٹا پردہ کفار کا شعار ہوا، تو اب سیدھا پردہ چھوڑ کر الٹا اختیار کرنا بلاشبہہ حرام، اسی طرح بوجہ عرف وقرارداد امصار وبلاد جس مباح کا فعل عزت وشوکت اسلام پر دلالت کرے اور اسے چھوڑ دینے میں اسلام کی توہین اور کفر کا غلبہ سمجھا جائے، قواعد شرعیہ بالیقین اس سے باز رہنے کی تحریم کرتے ہیں، اور مبنی اس کا وہی نظر مصالح واعتبار عرف ومراعات اقتضائے امور خارجہ ہے، جیسے ہم دونوں مقدمہ سابقہ میں بیان کر آئے جب یہ امور منقح ہولیے تو اب اصل مسئلہ کا جواب لیجئے:

گاؤکشی اگرچہ بالتخصیص اپنے نفس ذات کے لحاظ سے واجب نہیں نہ اس کا تارک باوجود اعتقاد اباحت نظر بنفس ذات فعل گنہگار، نہ ہماری شریعت میں کسی خاص شیئ کا کھانا بالتعیین فرض، مگر ان وجوہ سے صرف اسقدر

ثابت ہوا کہ گاؤکشی جاری رکھنا واجب لعینہ، اور اس کا ترک حرام لعینہ نہیں، یعنی ان کے نفس ذات میں کوئی امر ان کے واجب یا حرام کرنے کا مقتضی نہیں، لیکن ہمارے احکام مذہبی صرف اسی قسم کے واجبات و محرمات میں منحصر نہیں، بلکہ جیسا ان واجبات کا کرنا اور ان محرمات سے بچنا ضروری و حتمی ہے، یونہیں واجبات و محرمات لغیرہا میں بھی امتثال و اجتناب اشد ضروری ہے، جس سے ہم مسلمانوں کو کسی طرح مفر نہیں، اور اُن سے بالجبر باز رکھنے میں بیشک ہماری مذہبی توہین ہے، جسے حکام وقت بھی روا نہیں رکھ سکتے،

ہم ہر مذہب وملت کے عقلاء سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کسی شہر میں گاؤکشی قطعاً بند کر دی جائے، اور بلحاظ ناراضی ہنود اس فعل کو کہ ہماری شرع ہرگز اس سے باز رہنے کا ہمیں حکم نہیں دیتی، یک قلم موقوف کیا جائے، تو کیا اس کی ذلتِ اسلام متصور نہ ہوگی، کیا اس میں خواری و مغلوبی مسلمین نہ سمجھی جائے گی کیا اس وجہ سے ہنود کو ہم پر گردنیں دراز کرنے اور اپنی چیرہ دستی پر اعلٰی درجہ کی خوشی ظاہر کرکے ہمارے مذہب واہل مذہب کے ساتھ شماتت کا موقع ہاتھ نہ آئے گا، کیا بلاوجہ وجیہ اپنے لئے ایسی دنارت و ذلت اختیار کرنا اور دوسروں کو دینی مغلوبی سے اپنے اوپر ہنسوانا ہماری شرع مطہر جائز فرماتی ہے، حاشا وکلا ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، ہماری شرع ہرگز ہماری ذلت نہیں چاہتی، نہ یہ متوقع کہ حکامِ وقت صرف ایک جانب کی پاسداری کریں، اور دوسری طرف کی توہین وتذلیل روا رکھیں،

سائل لفظ ترک لکھتا ہے، یہ صرف مغالطہ اور دھوکا ہے، اُس نے ترک اور کف میں فرق نہ کیا، کسی فعل کا نہ کرنا اور بات ہے اور اُس سے بالقصد باز رہنا اور بات، ہم پوچھتے ہیں کہ اس رسم سے جس میں صدہا منافع ہیں یک قلم امتناع آخر کسی وجہ پر مبنی ہوگا، اور وجہ سوا اس کے کچھ نہیں کہ ہنود کی ہٹ پوری کرنا، اور مسلمانوں نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کے اسبابِ معیشت میں کمی وتنگی کر دینا، ہم اہل اسلام کی ابتدائے عہد سے بڑی غذا جس کی طرف ہماری طبیعتیں اصل خلقت میں راغب اور اس میں ہمارے لئے ہزاروں منافع اور اس سے ہمارے خالق تبارک وتعالٰی نے قرآن عزیز میں جابجا ہم پر منت رکھی، گوشت ہے قال ربنا تبارک وتعالٰی وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ قُلْ ءٰاَلذَّکَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ (اس نے تمہارے لئے بنائے اونٹ میں سے دو (نر و مادہ) اور گائے میں سے دو (ان کافروں سے) فرمادو کیا اللہ تعالٰی نے دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ جو دونوں مادہ کے پیٹ میں ہے وقال تعالٰی اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِکُوْنَ ۝ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَکُوْبُهُمْ وَمِنْهَا یَاْکُلُوْنَ ۝ وَلَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ ۝ (کیا انھیں نہیں سوجھتا کہ ہم نے اپنی قدرتی بنائی ہوئی چیزوں میں سے اُن کے لئے چوپائے پیدا فرمائے تو وہ اُن کے مالک ہیں، اور ہم نے اُن چوپاؤں کو اُن کا مسخر کر دیا تو ان میں کسی پر سوار ہوتے ہیں اور کسی کا گوشت کھاتے ہیں، اور اُن کے لئے اُن میں منافع ہیں اور پینے کی چیز، تو کیا شکر نہ کریں گے) الٰی غیر ذلک

من الآیات، اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث میں گوشت کو دنیا وآخرت کے سب کھانوں کا سردار اور سب سے افضل وبہتر فرمایا والحدیث مخرج بطریق عدیدۃ عن عدۃ من الصحابۃ الکرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین، اور بیشک بکری کا گوشت دواماً ہمارے ہر امیر وفقیر کو دستیاب نہیں ہوسکتا، خصوصاً مسلمانانِ ہندوستان کہ ان میں ثروت بہت کم اور افلاس غالب ہے، غریبوں کی گزر بے گوشت گاؤ کے نہیں، اور کتب حکمت بھی شاہد کہ اصل غذا انسان کی گوشت ہی، عناصر غذائے نباتات، نباتات غذائے حیوانات، حیوانات غذائے انسان، اور بیشک اس کے کھانے میں جو منفعتیں اور ہمارے جسم کی اصلاحیں اور ہمارے قوی کی افزائشیں ہیں، اس کے غیر سے حاصل نہیں، اور مرغوبی کی یہ کیفیت کہ ہر شخص اپنے وجدان سے جان سکتا ہے کہ کیسا ہی لذیذ کھانا ہو، چند روز متواتر کھانے سے طبیعت اُس سے سیر ہوجاتی ہے، اور زیادہ دن گزریں تو نفرت کرنے لگتی ہے، بخلاف نان گندم وگوشت کہ عمر بھر کھائے تو اُس سے تنفر نہیں ہوتا، معہذا گائے کی کھال وغیرہ سے جو ہزارہا قسم کے منافع ملتے اور ان منفعتوں میں ہنود بھی ہمارے شریک ہوتے ہیں، اور چند اقوام کی تجارتیں اور اُن کے رزق کے ظاہری سامان اُسی گاؤکشی کا نتیجہ ہیں۔

تو سائل کا یہ قول کہ "کوئی فائدہ اس فعل پر مرتب نہ ہو" محض تصویر غلط ہے، اور اس کی قربانی خاص ہمارے شعائر دین سے ہے، ہمارا مالک ومولٰی تبارک وتعالٰی صریح ارشاد فرماتا ہے وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (اور اونٹ اور گائے کو کیا ہم نے تمہارے لئے خدا کے شعاروں میں سے)، اور یقیناً معلوم کہ ہمارے ملک میں اونٹ ہماری غذا واداے واجب قربانی کے لئے کفایت نہیں کرسکتے، اول تو سخت گراں، دوسرے بہ نسبت گاؤ نہایت قلیل الوجود، اور اگر گاؤکشی موقوف کرکے اونٹ پر کفایت کی جائے، تو چند روز میں اونٹ کی قیمت دہ چند ہوجائیگی، اور یہ نفع عام جو ہمارے غربا کو پہنچتا ہے ہرگز متصور نہ رہے گا، اور عجب نہیں کہ رفتہ رفتہ بوجہ قلت اونٹ حکم عنقا کا پیدا کرے تو رفع حاجت دائمہ اُس سے متوقع نہیں، اور بکری کا گوشت کھانے کے لئے بھی تھوڑے لوگوں کو ملتا ہے، اور قربانی کے واسطے بھی ہر شخص ایک بکری جداگانہ کرے کہ سال بھر سے کم کی نہ ہو، اور اُس کے اعضا بھی عیب ونقصان سے پاک ہوں، بخلاف اس غریب پرور جانور یعنی گائے کے کہ ہمارے مسئلہ شرعیہ سے اس میں سات شخص شریک ہوسکتے ہیں، اور بیشک سات بکریاں ایک گائے سے ہمیشہ گراں رہتی ہیں

معہذا ہمارے مذہب میں اس کا جواز اور ہنود کے یہاں ممانعت ایک بلہ میں نہیں، ہماری اصل شریعت میں اس کا جواز موجود، قرآن مجید میں ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً (بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کرو) وشرائع من قبلنا، اِذَا قصّہا اللّٰہ تعالٰی علینا من دون انکار شرائع لنا، کما نص علیہ فی کتب الاصول، اور ہنود کے اصل مذہب میں کہیں اس کی ممانعت نہیں، متاخرین نے خواہ مخواہ اس کی تحریم اپنے سر باندھ لی، بلکہ کتب ہنود گواہی دیتی ہیں کہ پیشوایانِ ہنود بھی گائے کا مزہ چکھنے سے محروم نہ گئے، جسے اس کی

تفصیل دیکھنی ہو، سوط اللہ الجبار وغیرہ کتب رد ہنود مطالعہ کرے، علاوہ بریں ہم دریافت کرتے ہیں، اس کی تحریم ہنود کے یہاں دو ہی وجہ سے معقول، ایک یہ کہ جانور کی ناحق ایذا اور ہتھیا ہے، ہم کہتے ہیں اکثر اقوام ہنود بکری، مرغی، مچھلی کھاتے ہیں، کیا وہ جانور نہیں، کیا اُن کی جان، جان نہیں، کیا اُن کی ایذا حرام نہیں، کیا اُن کا قتل ہتھیا نہیں، اور خود کتب ہنود سے جورام ولچھمن وکرشن کا شکاری ہونا ثابت، اُس ہتھیا کا کیا علاج، اور ایسا ہی ناراضی ہنود کا خیال کیجئے تو اگر وہ اس ہتھیا کے حکم کو عام کردیں تو کیا شرع مطہر ہمیں ہر جانور کے ذبح وقتل سے باز رکھے گی، اور سانپ کہ انسان کی جان کا دشمن اور ہندوؤں کا دیوتا ہے، ہرگز نہ مارا جائے گا، اور مسلمانوں کے اسباب معیشت مفقود اور انسانوں کے ابواب عافیت مسدود کردیئے جائیں گے، حاشا وکلا ہماری شرع ہرگز ایسا حکم نہیں فرماتی، نہ حکام وقت ان خرافات کو روا رکھیں، کیا مزے کی بات ہے، ہندوؤں میں بعض قومیں ایسی ہیں کہ مطلقاً ہر جانور کا قتل حرام، اور ہتھیا جانتی ہیں، بلکہ بعض کو تو اس قدر غلو وتشدد ہے کہ ہر وقت مونھ پر کپڑا باندھے رہتے ہیں کہ مکھی یا بھنگا حلق میں جاکر مر نہ جائے، اور باقی طوائف ہنود ان لوگوں کا خیال اور ان کے مذہب کا لحاظ نہیں کرتے، مزے سے بکری، مرغی، مچھلی وغیرہ وغیرہ نوش جان کرتے اور مسلمانوں کی دیکھا دیکھی دیگچیوں کے بگھار کا لطف اڑاتے ہیں، جب اُن کے آپس میں یہ کیفیت ہے، تو ہم پر کیوں ہنود کا لحاظ اور ان کے مذہب کا ایسا خیال واجب کرکے گاؤکشی بند کرنے کا فتوٰی دیا جاسکتا ہے اِنْ ھٰذَا اِلَّا ظُلْمٌ صَرِیْحٌ اَوْ جَھْلٌ قَبِیْحٌ،

دوسری وجہ یہ کہ گائے ان کے یہاں معظم ہے اور اپنے معظم کا ہلاک نہیں چاہتے، ہم کہتے ہیں کہ اوّلاً گئو ماتا کی آنکھیں بند ہوتے ہی ان سعادتمندوں کی تعظیم کا حال کُھل جاتا ہے، اپنے ہاتھوں چماروں کے حوالے کرتے ہیں کہ چیریں پھاڑیں اور چرسا اپنے لیے ٹھہرا لیتے ہیں کہ کھال کی جوتیاں بناکر پہنیں جوجوتوں سے بچی وہ ڈھول پر کھنچی کہ شادی بیاہ میں کام آئے، رات بھر تپا پیٹے کھائے، ثانیاً بالغرض غلط اگر تعظیم ہے بھی تو صرف گائے پر مقتصر ہے، ہم بچشم خود دیکھتے ہیں کہ ہنود آپ بیل کی ہرگز تعظیم نہیں کرتے بلکہ اُس پر سخت تشدد کرتے ہیں، ہل میں جوتیں، گاڑی میں چلائیں، سواریاں لیں، بوجھ لدوائیں، وجہ بے وجہ سخت ماریں کہ جابجا اون کے جسم زخمی ہوجاتے ہیں، ہم نے خود دیکھا ہے کہ بعض ہنود نے باربرداری کی گاڑیوں میں اس قدر بوجھ بھرا کہ بیلوں کا جگر پھٹ گیا، اور خون ڈال کر مرگئے، تو معلوم ہوا کہ بیل اُن کے یہاں معظم نہیں، اگر یہ ممانعت بربنائے تعظیم ہے تو چاہئے کہ بخوشی بیلوں کے ذبح کی اجازت دیں ورنہ اُن کا صریح مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے،

باقی رہا سائل کا یہ کہنا کہ "اس فعل کے ارتکاب سے ثورانِ فتنہ وفساد ہو"، ہم کہتے ہیں جن مواضع میں مثل بازار و شارع عام وغیرہما گاؤکشی کی قانوناً ممانعت[عہ] ہے، وہاں جو مسلمان گائے ذبح کرے گا البتہ اثارت فتنہ وفساد اس کی

عہ فی الحال یہی صورت حال ہے کہ مختلف حکومتوں نے اپنے اپنے صوبے میں ذبیحہ گاؤ مطلقاً خلاف قانون قرار دیا ہے، لہذا باز رہا جائے ۱۲ عبدالمنان

طرف منسوب ہوسکتی ہے، اور قانوناً مجرم قرار پائے گا، اور اس امر کو ہماری شریعت مطہرہ بھی روا نہیں رکھتی کہ ایسی وجہ سے مسلمانوں پر مواخذے یا انھیں سزا ہونے کا باعث ہونا بیشک توہین اسلام ہے جس کا مرتکب یہ شخص ہوا، نظیر اس کی سب وشتم آلہۂ باطلۂ مشرکین ہے کہ شرع نے اُس سے ممانعت فرمائی، اگرچہ اکثر جگہ فی نفسہ حرج متحقق نہ تھا وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ، اور جہاں قانوناً ممانعت نہیں وہاں اگر ثوران فتنہ وفساد ہوگا تو لاجرم ہنود کی جانب سے ہوگا، اور جرم انھیں کا ہے کہ جہاں ذبح کرنے کی اجازت ہے وہاں بھی ذبح نہیں کرنے دیتے، کیا اُن کے جرم کے سبب ہم اپنی رسوم مذہبی ترک کرسکتے ہیں، یہ حکم بعینہ ایسا ہوا کہ کوئی شخص اغنیاء سے کہے تمھارا مال جمع کرنا باعث ثوران فتنہ وفساد وایذائے خلق اللہ ہے کہ نہ تم مال جمع کرو نہ چور چُرانے آئیں نہ وہ قید وبند کی سخت سخت سزائیں پائیں، اُس احمق کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ چوری چور کا جرم ہے، اُس کے سبب ہمیں جمع مال سے کیوں ممانعت ہونے لگی، اور اگر ایسا ہی خیال ہنود کے فتنہ وفساد کا شرع ہم پر واجب کرے گی تو ہر جگہ کے ہنود کو قطعاً اس رسم کے اٹھا دینے کی سہل تدبیر ہاتھ آئے گی جہاں چاہیں گے فتنہ وفساد برپا کریں گے، اور بزعم جُہّال شرع ہم پر ترک واجب کردے گی، اور اس کے سوا ہماری جس رسم مذہبی کو چاہیں گے اپنے فتنہ وفساد کی بنا پر بند کرادیں گے، اور یہی واقعہ اُن کے لئے نظیر ہوجائے گا، ایسی صورت میں تم پر اپنی رسم کا ترک شرعاً واجب ہوتا ہے،

بالجملہ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ بازار وشارع عام میں جہاں قانوناً ممانعت ہے، براہ جہالت ذبح گاؤ کا مرتکب ہونا بیشک اسلام کو توہین وذلت کے لئے پیش کرنا ہے، کہ شرعاً حرام، اور اس کے سوا جہاں ممانعت نہیں وہاں سے بھی باز رہنا اور ہنود کی بیجا ہٹ بجا رکھنے کے لئے یک قلم اس رسم کو اٹھا دینا ہرگز جائز نہیں، بلکہ انھیں مضرات ومذلات کا باعث ہے، جن کا ذکر ہم اوّل کر آئے، جنھیں شرع مطہر ہرگز گوارا نہیں فرماتی نہ کوئی ذی انصاف حاکم پسند کرسکے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ از مجلس دادخواہی مسلمانان بریلی، ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

دعوی قربانی کے جواب میں ہنود نے اپنا یہ بیان پیش کیا ہے کہ قرآن شریف میں اس فعل کی اجازت نہیں بنیاد مذہب مدعی کی اوپر قرآن شریف کے ہے، کتاب مذکور میں قربانی گاؤ کی ہدایت نہیں کرتا ہے، مدعی خلاف اس کے بحیلہ مذہب بغرض دل دکھانے مذہب ہنود کے جس کی دھرم شاستر میں سخت ممانعت ہے، یہ فعل خلاف استحقاق کرنا چاہتا ہے، فقط چونکہ یہ بیان اُن کا متعلق قرآن شریف ومسائل مذہب کے ہے، لہٰذا علماء کی خدمت میں استفتا ہے کہ آیا یہ بیان ہنود صحیح ہے یا غلط؟

الجواب ۔ بیان ہنود سراسر غلط ہے، مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن مجید، اور ہمارے سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے قربانی گاؤ کی اجازت بخوبی ثابت ہے:۔

(۱) اللہ تعالٰی قرآن مجید کے سترہویں پارہ، بائیسویں سورہ حج کے پانچویں رکوع میں فرماتا ہے وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (ترجمہ) "اور قربانی کے ڈیل دار جانوروں کو کیا ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں تمہارے لئے، اُن میں بھلائی ہے، تو اللہ کا نام لو اُن پر کھڑے ہوئے، پھر جب ان کی کروٹیں گر جائیں تو خود کھاؤ، اور صبر سے بیٹھنے والے، اور مانگنے والے کو کھلاؤ، یونہیں ہم نے اُن جانوروں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے کہ تم احسان مانو"

قربانی کے ڈیل دار جانور اونٹ اور گائے ہیں، تفسیر قادری جو ہنود کے ایک معزز رئیس منشی نولکشور سی آئی ای نے اپنی فرمائش سے منجانب مطبع تصنیف کرائی اور داخل رجسٹری کرا کر اپنے مطبع میں چھ بار چھاپی بیچی، اس کی جلد دوم طبع ششم سطر اخیر ص۷۹ و سطر اول ص۸۰ میں آیت کے ان لفظوں کا ترجمہ یوں لکھا، وَالْبُدْنَ اور اونٹ اور گائے جو قربانی کے واسطے ہانکے لئے جاتے ہیں، جَعَلْنٰهَا لَكُمْ کر دیا ہم نے انھیں، یعنی اُن کے ذبح کو تمہارے واسطے مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ دین الٰہی کے نشانیوں میں سے، اور بیشک ہم حنفی مذہب والوں کو تینوں امام یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم، اور اُن کے سب پیروؤں کا یہی مذہب ہے کہ (بدنہ) یعنی قربانی کے ڈیل دار جانور میں اونٹ اور گائے دونوں داخل ہیں، انھیں اماموں کا مذہب ہندوستان کے تمام شہروں میں رائج ہے، اور یہاں انھیں کے مذہب پر فتوٰی و عمل ہوتا ہے، ہدایہ، درمختار، قاضی خاں، عالمگیری وغیرہا مشہور کتابیں اسی مذہب کی ہیں، درمختار مطبع ہاشمی ص۲۳۵ سطر ۱ میں ہے بدنۃ ھی الابل والبقر سمیت بھا لضخامتھا (ترجمہ) بدنہ اونٹ اور گائے ہے، اُن کے ڈیل دار ہونے کے سبب اُن کا یہ نام ہوا، ہدایہ مطبع علوی جلد اول ص۱۵۳ میں ہے البدنۃ ھی الابل والبقر، قال الشافعی من الابل لنا ان البدنۃ تنبئ عن البدانۃ وھی الضخامۃ وقد اشترکا فی ھذا المعنی ولھذا یجزئ کل واحد منھما عن سبعۃ اھ ملخصا (ترجمہ) اونٹ اور گائے دونوں بدنہ ہیں، شافعی نے کہا اونٹ، ہماری دلیل یہ ہے کہ بدنہ ڈیل دار ہونے سے خبر دیتا ہے، اور اس بات میں اونٹ اور گائے برابر ہیں، اس لئے وہ دونوں سات آدمیوں کی طرف سے کفایت کرتے ہیں، فتاوٰی عالمگیری مطبع احمدی جلد اول ص۹۴ میں ہے البدن من الابل والبقر بدنہ اونٹ اور گائے دونوں سے ہے، اور یہ مضمون حدیث سے بھی ثابت ہے کہ عنقریب مذکور ہوگی۔

(۲) اللہ تعالٰی اسی رکوع کے شروع میں فرماتا ہے، وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ (ترجمہ) اور ہر گروہ کے لئے ہم نے مقرر کر دی قربانی، کہ اللہ کا نام لیں چوپایوں کے ذبح پر، جو اللہ نے انھیں دیئے، یہاں فرمایا کہ چوپایوں کو اللہ تعالٰی نے قربانی کے لئے بنایا ہے، اور

آٹھویں پارہ چھٹی سورہ انعام کے سترہویں رکوع میں چوپاؤں کی تفصیل یہ بیان فرمائی، ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ (الی قولہ تعالیٰ) وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ چوپائے آٹھ نر و مادہ میں بھیڑ سے دو، اور بکری سے دو اور اونٹ سے دو، اور گائے سے دو، تو کہہ کیا اللہ نے دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ، یا وہ جسے اپنے پیٹ میں رکھا، دونوں مادہ نے۔

ان آیتوں سے صاف معلوم ہوا کہ اونٹ گائے بکری بھیڑ سب کی قربانی اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے، اسی لئے تفسیر مذکور فرمائشی منشی نولکشور کی جلد مسطور ص۵۶ سطر ۱۱ و ۱۲ میں چوپایوں پر اللہ کا نام لینے کی تفسیر میں لکھا "بے زبان چوپایوں میں سے یعنی اونٹ گائے بکرا اس سے قربانی مراد ہے کہ خدا کے نام پر ذبح کریں، اور پچھلی آیت سے یہ بھی کھل گیا کہ گائے بیل بچھیا بچھڑا، اس کا کھانا حلال ہے جس کی حلت خود قرآن شریف میں صراحۃً مذکور ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ پہلے پارے دوسری سورت سورۂ بقر کے آٹھویں رکوع میں فرماتا ہے، وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً (ترجمہ) اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے بیشک اللہ تمھیں حکم فرماتا ہے کہ گائے ذبح کرو، اور ساتویں پارے چھٹی سورت سورۂ انعام کے دسویں رکوع میں موسیٰ و ہارون وغیرہما انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کا ذکر کرکے مسلمانوں کو حکم دیتا ہے، اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ، یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ٹھیک راستے چلایا تو تو انھیں کی راہ چل، ا

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگلے انبیاء کی شریعت میں جو کچھ تھا وہی ہمارے لئے بھی ہے جبتک ہماری شریعت اسے منسوخ نہ فرمادے، تو گائے قربانی کرنے کی ہمیں اجازت یوں بھی ثابت ہوئی، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے گائے کا ذبح کیا جانا آج کا نہیں بلکہ اگلی شریعتوں سے چلا آتا ہے،

تفسیر مذکور فرمائشی نولکشور جلد اول کے ص۱۷ سطر اخیر و ص۱۸ سطر اول میں اس حکم الٰہی ذبح گاؤ کی حکمت یوں لکھی "اس کے ذبح کرنے میں نکتہ یہ تھا کہ گوسالہ پرستوں کی سرزنش ہو، انھیں دکھا دیا کہ جسے تم نے پوجا وہ ذبح کرنے کے قابل ہے، عبادت اور مدح کے لائق نہیں"

(۴) ان سب کے علاوہ اگر فرض کیجئے کہ قرآن مجید میں گائے اور قربانی کا نام تک نہ آیا ہوتا، جب بھی گائے کی قربانی قرآن مجید سے بخوبی ثابت تھی، قرآن مجید نے مذہب اسلام کی بنیاد صرف انھیں احکام پر نہیں رکھی جن کا خاص خاص بیان قرآن مجید میں آچکا، بلکہ خود قرآن مجید نے اپنے احکام اور نبی ﷺ کے ارشادات دونوں پر بنائے اسلام رکھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا، جو کچھ رسول تمھیں دے وہ لو، اور جس سے روکے اس سے بچو، اور فرماتا ہے مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ، جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے

اللہ کی اطاعت کی، اور فرماتا ہے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی، یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا، وہ صرف خدا کا حکم ہے جو اسے بھیجا جاتا ہے، اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود گائے قربانی کی، اور مسلمانوں کو ایک ایک گائے کی قربانی میں سات سات آدمیوں کے شریک ہونے کا حکم فرمایا، مذہب اسلام میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام کی چھ کتابیں سب سے زیادہ مشہور ہیں، جنھیں صحاح ستہ کہتے ہیں، ان سب کتابوں میں یہ مضمون صراحۃً موجود ہے، صحیح بخاری شریف میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا ضحی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن نسائہ بالبقر (ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی، صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن ابی داؤد میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان نشترك فی الابل والبقر کل سبعۃ منا فی بدنۃ (ترجمہ) ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اونٹ اور گائے ہر بدنہ میں سات سات آدمی شریک ہوجائیں، صحیح مسلم شریف میں انھیں سے روایت ہے اشترکنا مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الحج والعمرۃ کل سبعۃ منا بدنۃ فقال رجل لجابر ایشترك فی البقر مایشترك فی الجزور، فقال ماھی الا من البدن (ترجمہ) حج وعمرہ میں ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کے ایک ایک ڈیل دار جانور میں سات سات آدمی شریک ہوئے، کسی نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کیا گائے کی قربانی میں بھی اُتنے ہی آدمی شریک ہوسکتے ہیں جتنے اونٹ میں، فرمایا گائے بھی تو بدنہ ہی میں داخل ہے۔ ترمذی ونسائی وابن ماجہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے قال کنا مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فحضر الاضحی فذبحنا البقرۃ عن سبعۃ (ترجمہ) ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ بقرعید آئی تو ہم نے سات آدمیوں کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔

سبحٰن اللہ! جو کام خود ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا، اور ہمیں اس کا حکم دیا، اُسے مذہبِ اسلام کے خلاف جاننا، یا مذہب اسلام میں اُس کی اجازت وہدایت نہ ماننا کیسی کھلی ہٹ دھرمی ہے۔

(۵) اس بیان میں ایک بڑی نا انصافی یہ ہے کہ ہماری تو صرف کتاب آسمانی سے ثبوت چاہا، جو ہم روشن طور پر ادا کرچکے اور اپنے لئے شاستر کا دامن پکڑا وید کا نام کیوں نہ لیا، جسے اپنے نزدیک کتاب آسمانی بتاتے ہیں، اگر سچے ہیں تو اب اپنے وید سے قربانی گاؤ کی ممانعت ثابت کریں، اور شاستر پر بنائے مذہب رکھتے ہیں تو ہماری بھی کتب فقہ کو بنائے مذہب جانیں ہدایہ درمختار قاضی خاں عالمگیری وغیرہا ہزار دس ہزار کتابیں، جو چاہیں دیکھ لیں، جس میں قربانی کا باب مذکور ہے، اُن سب میں قربانی گاؤ نہایت صریح طور پر مسطور ہے، تو اسے خلاف مذہب بتانا صریح دھوکا دینا ہے۔

(۶) یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس بیان ہنود نے خوب ثابت کردیا، کہ مورتی پوجن، اور بتوں کے آگے گھنٹا بجانا، سنکھ پھونکنا، مہادیو پر پانی ٹپکانا، ہولی دوالی وغیرہ وغیرہ صدہا باتیں کہ ہنود نے اپنی مذہبی ٹھہرا رکھی ہیں، جن کا ذکر

اُن کے ویدمیں نہیں، سب اون کے خلاف مذہب ہیں کہ جس کتاب پر بنیاد مذہب ہنود ہے ان کا پتہ نہیں دیتی، پچھلے ہنود نے محض براہ حیلہ انھیں مذہبی بنا رکھا ہے۔

(۷) سب سے زائد یہ ہے کہ وید جس پر مذہب ہنود کی بنا ہے، خود صاف صاف قربانی گاؤ کی اجازت دے رہا ہے، اخبار پانیرصٹ کالم ۴ مطبوعہ ۱۰ اپریل ۱۸۹۴ء میں ایک مضمون چھپا ہے کہ "ہندوستان قدیم میں گائے کی قربانی" اسی میں وید سے نقل کیا " اے اگنی یہ پاک نذر صدق دل سے راگ کی صورت میں تیرے حضور پیش کرتے ہیں، اور تمنا ہے کہ یہ سانڈ اور گہنیاں تجھے پسند آ دیں۔ رگ وید ۶ : ۱۶ - ۴۷ - یں تہ دل سے سوما کا عرق پینے والی اگنی خالق کی، جسے گھوڑے اور سانڈ اور بیل اور گہنیاں اور منت کے مینڈھے چڑھائے جاتے ہیں ستائش کروں گا، رگ ۱۰ : ۹۱ - ۱۴"، اسی اخبار میں برہمنہ پر ان، اور ستیا رتھ پرکاش، اور ترہنا، جلد ۲ باب ۸ اور منو کی سامرتھی، ۵ : ۴۱ وغیرہا کتب مذہب ہنود سے ہندؤوں کا گائیں ذبح کرنا بخوبی ثابت کیا ہے، اسی طرح یہ امر مہابھارت وغیرہ سے بھی ثابت، فیصلہ ہائی کورٹ مقدمہ قربانی نمبری ۷۰۸ میں تاریخ ہنود زمانہ پیشین سے حکام ہائی کورٹ نے ثابت کیا ہے، کہ اگلے ہندو اپنی دینی رسوم میں گئوعیدہ یعنی گائے کی قربانی کیا کرتے تھے، اور متقدمین حکمائے ہنود نے اس کی تاکید کی تھی تو ثابت ہوا کہ ہنود اپنے وید اور مذہبی کتابوں اور اگلے پیشواؤں سب کے خلاف بحیلہ مذہب صرف بغرض دل دکھانے مسلمانوں کے جن کے مذہب میں قربانی گاؤ کی صاف صریح اجازت ہے، امر مذہبی میں مزاحمت بیجا خلاف استحقاق کرنا چاہتے ہیں، جس کا عقلاً عرفاً قانوناً کسی طرح انھیں اختیار نہیں، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۔ از بنارس، چوک جدید، مسؤلہ حاجی محمد امیر وعبدالکریم صاحبان، گلٹ فروش ۲۹ صفر المظفر ۱۳۳۱ھ

ہمارے سنی حنفی علماء رحمہم اللہ تعالٰی اس میں کیا فرماتے ہیں کہ ہم مسلمانان ہند کو باوجود کفار کے گاؤ کی قربانی کے مٹانے پر کمربستہ رہنے کے صرف ہندؤوں سے سلطانی چندہ وصول کرنے کی غرض ومصلحت سے گائے کی قربانی کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دینا، اور بغرض مذکور اس کے ترک کر دینے کو تحریراً وتقریراً عام جلسوں میں بیان کرنا اور شائع کرنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ گائے کی قربانی ہندوستان میں اعظم شعائر اسلام سے ہے قال اللہ تعالٰی وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں ثابت کیا ہے کہ یہاں اس کی قربانی واجب ہے، اور بلحاظ ہنود اس کا ترک ناجائز، کسی دینی کام کے لئے کفار سے چندہ لینا اول تو خود ہی ممنوع اور سخت معیوب ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں انا لانستعین بمشرک ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے، ولہٰذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ کسی کتابی کافر سے قربانی کا ذبح کرانا مکروہ ہے، اگرچہ کتابی کا ذبیحہ جائز ہے، تنویر الابصار میں ہے کرہ ذبح الکتابی، ردالمحتار میں ہے لانہا قربۃ ولا ینبغی ان یستعان بالکافر فی امور الدین، امام نسفی کافی میں فرماتے ہیں امرالمسلم کتابیا بان یذبح اضحیۃ جاز، لانہ من اھل الذبائح والقربۃ اُقیمت[1] بانابتہ ونیتہ، ویکرہ لان ھذا من عمل القرب وفعلہ

[1] کافی سے مقابلہ نہ ہوسکا اس لئے یہاں کا کچھ لفظ رہ گیا ہو، واللہ اعلم

لیس بقربۃ، تو مشرک سے مسلمان مجاہدوں کے لئے چندہ لیکر اس کی نگاہ میں اسلام کو معاذ اللہ محتاج و ذلیل ٹھہرانے کے لئے اُس کے مذہب باطل کو اپنے دین پر ترجیح دینا، اور اسلام کا ایک بڑا شعار بند کر دینا اُسی کا کام ہوسکتا ہے جو سخت احمق اور اسلام کا نادان دوست، یا صریح منافق اور اسلام کا چالاک دشمن ہو، والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ مسؤلہ حافظ خورشید علی صاحب از مدرسہ خیر المعاد رہتک ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی نبیہ الکریم، اللھم ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب، کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے دوسرے مسلمانوں کی ایذادہی اور تکلیف رسانی کے لئے ہندوؤں اور آریوں سے عقد محبت اور بھائی بندی مضبوط کیا، اور کافروں کے دباؤ سے محض ان کی خوشنودی اور اپنی غرض حاصل کرنے کے لئے علی الاعلان پنچائت میں کہدیا کہ ہم گائے کی قربانی ہرگز نہیں گے، کیونکہ قرآن میں گائے کی قربانی کہیں نہیں آئی ہے۔

اب استفسار یہ ہے کہ گروہ مذکور اس عقد موافق آیہ ربانی یایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا اٰباءکم واخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان ومن یتولھم منکم فاولئک ھم الظلمون، اور حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم، خواہ تشبہ اعتقادیات میں ہو، یا عملیات میں، یا دونوں میں، کافر ہوا یا نہیں، علاوہ ازیں مسلمانوں کی ضد میں اپنے کئے پر جم جانے، اور بر تقدیر گناہ کبیرہ ہونے کے اس پر اصرار کرنے سے کافر ہوا یا نہیں، اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے، اور علماء کی شان میں کلمات بد کہنے، اور شریعت محمدیہ کی توہین سے یہ لوگ کافر ہوئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب۔ صورت مستفسرہ میں وہ لوگ سخت اشد اخبث اشنع کبیرہ کے مرتکب ہیں۔ گائے کی قربانی بلاشبہہ قرآن عظیم سے ثابت ہے، جواز کے لئے تو آیات کثیرہ ہیں، مثلاً قال اللہ تعالٰی ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کرو، اور فرماتا ہے من الابل اثنین ومن البقر اثنین قل ءالذکرین حرم ام الانثیین اما اشتملت علیہ ارحام الانثیین، اونٹ میں سے دو، اور گائے میں سے دو، تم فرماؤ کیا اللہ نے دونوں نر اونٹ اور بیل حرام کئے ہیں، یا دونوں مادہ اونٹنی اور گائے، یا بوتا اور بچھڑا، یعنی اُن میں سے کچھ حرام نہ فرمایا، سب تمہارے لئے حلال ہیں، اور خاص عبادت قربانی کے لئے فرماتا ہے والبدن جعلنٰھا لکم من شعائر اللہ، قربانی کے اونٹ اور گائے ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں سے بنائے، خصوصاً ہندوستان میں کہ یہاں تو بالخصوص گائے کی قربانی واجبات شرعیہ سے ہے، جیسے ہم نے اپنے رسالہ "انفس الفکر فی قربان البقر" میں بدلائل واضحہ ثابت کیا ہے، خوشی ہنود کے لئے اس سے باز رہنے والا بلاشبہہ بدخواہ اسلام ومسلمین ہے، دشمنان دین سے دوستی کرنے والا دشمن دین ہوتا ہے، اور روز قیامت اُن کے ساتھ ایک رسی میں باندھا جاتا ہے، قال اللہ تعالٰی ومن یتولھم منکم فانہ منھم جو تم میں اُن سے دوستی رکھے

وہ انھیں میں سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، المرء مع من احب، آدمی اُس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھے، اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انت مع من احببت تو اُس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ دوستی رکھے، اور ایک حدیث میں ہے قسم کھا کر ارشاد فرمایا ما احب رجل قوما الا حشرہ اللہ معھم او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، جو کسی قوم کے ساتھ دوستی رکھے گا ضرور اللہ تعالیٰ انھیں کے ساتھ اُس کا حشر کرے گا، گناہ کبیرہ پر اصرار اگرچہ کفر نہیں، مگر دشمنانِ دین کی دوستی اگر آج کفر نہ ہو، تو معاذ اللہ مرتے وقت کا فر اٹھاتی ہے، کہ انھیں کے ساتھ حشر ہو، اور مطلقاً علمائے دین یا کسی عالم دین کی اُن کے عالم ہونے کے سبب بُرا کہنا، یا شریعت مطہرہ کی ادنیٰ توہین کرنا، یہ تو یقیناً قطعاً کفر و ارتداد ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از رائے بریلی، مقام مدرسہ رحمانیہ عربیہ، مسئولہ مسلمانان رائے بریلی، ۲۰ رجادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لیڈران قوم رائے بریلی، جو علم شریعت سے ناواقف اور احکامِ شریعت سے بے بہرہ ہیں، انھوں نے ۔ رجنوری ۱۳۲۰ھ کو بمقام ٹون ہال ایک میٹنگ منعقد کرکے اہالیان شہر کو جمع کیا، اور قومِ ہنود کی ہمدردی کو اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ نہایت پُرزور تقریر و تائید میں دکھلاتے ہوئے، باوجود مقامی عالم دین کے اختلاف و متفق الرائے نہ ہونے کے اس امر پر بے حد مصر ہوئے کہ قوم ہنود کی ہمدردی کے صلہ میں گائے کی قربانی جو اُنکے سخت دل آزاری کا سبب، اور باہمی اتفاق اور اتحاد کے لئے سدِ باب، اور رخنہ انداز ہے، قطعاً چھوڑ دینا چاہیے، کیونکہ اسوقت اُن کی محبت اور ہمدردی بالخصوص معاملات ترکی، و خلافت عثمانیہ کے بارے میں بے حد ضروری ہے، اُن کی معیتِ معاملات مذکورہ میں قطعاً مفید، اور اُن کی علٰحدگی قطعاً مضر ہوگی، اور یہ بھی بیان کیا کہ شریعت نے ہم کو اختیار دیا ہے کہ گائے بکری بھیڑ وغیرہ جس کی چاہیں قربانی کریں، بلکہ مینڈھا کی قربانی افضل ہے، لہٰذا افضل کے ہوتے ہوئے گائے کی قربانی جس میں دل آزاریٔ قوم ہنود ہے، ہرگز نہ کرنا چاہیے، چنانچہ افسر علمائے ہند جناب مولانا عبدالباری صاحب، نیز دیگر علمائے پنجاب نے ایسا ہی فتویٰ دے دیا ہے، اور یہ بھی ظاہر کیا کہ وہ غربار جو مثلاً دس روپے کی گائے لیکر سات آدمیوں کی طرف سے قربانی کرلیا کرتے تھے، اب اُن کے لئے یہ انتظام کیا جائے گا، کہ اُن سے دس روپیہ لیکر سات بکرا یا بھیڑ ہم لوگ بہم پہنچا دیا کرینگے اور زائد روپیہ ہم لوگ اپنے پاس سے لگا دیا کریں گے، یا بھیڑ اور بکری بہ نرخ بازار مثلاً چار پانچ روپیہ راس ہم لوگ خرید کر فراہم رکھیں گے، اور غربار کو مثلاً ایک روپیہ راس دیا کریں گے، جس کے لئے کچھ چندہ بھی کیا گیا ہے، مگر اس کے لئے نہ کوئی جائداد وقف کرتے ہیں، اور نہ ہمیشہ کے لئے کوئی رجسٹری کی صورت ہے، چونکہ اس امر پر پورا اعتماد ہے، کہ یہ لوگ اِس بارِ عظیم کو ہمیشہ نہ نباہ سکیں گے، لہٰذا ضرور اور اغلب ہے کہ اس میں قومِ ہنود سے خفیہ یا صراحۃً ضرور امداد لیویں گے،

لیڈران قوم کا خیال ہے کہ جس قدر قربانیاں سالہائے گذشتہ میں گائے کی لوگوں نے کی ہیں، انھیں کو امداد دی جائے گی، اور جو لوگ جدید قربانی کرنا چاہیں گے اُن کو امداد نہ دی جائے گی، نیز جو لوگ پیغمبر علیہ السلام یا اپنے دیگر بزرگوں

کی طرف سے قربانیاں کیا کرتے تھے، چونکہ بلاضرورت ہے، اس لئے اُن کو امداد نہ دی جائے گی، اور یہ بھی خیال ہے کہ قربانی ہی پر کیا منحصر ہے، بلکہ جملہ شادی وغمی وغیرہ وغیرہ میں گائے ذبح نہ کی جائے، بجائے اُس کے بکری وغیرہ کا گوشت استعمال کیا جائے، اور رائے بریلی میں اس امر کا تجربہ بھی ہوچکا ہے، کہ جن مقامات میں گائے کی قربانیاں ہوا کرتی ہیں اُس جگہ ایک سال قربانی نہ ہونے سے پھر آئندہ سال اُس جگہ قربانی میں سخت رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے، اور نہیں ہوسکتی، چنانچہ اُس کی نظیر موجود ہے، اس موقع پر کسی قانون داں لیڈر کو حس تک نہیں ہوتی، کہ اُس کو بمقتضائے قانون جاری کرادیوے، بلکہ فتنہ وفساد کے الفاظ سے مرعوب کرکے غربار کو خاموش کردیا جاتا ہے، لہٰذا امور ذیل دریافت طلب ہیں:

(۱) قوم ہنود کی ہمدردی گذشتہ وآئندہ کے صلہ میں، اور باہمی اتحاد قائم رکھنے کی غرض سے گائے کی قربانی ترک کردینا شرعاً جائز ہے یا ناجائز،

(۲) اور اُن لوگوں کے وعدہ موہومہ مذکورہ پر بھروسہ کرنا چاہئے یا نہیں، اور اُن کے فراہم کردہ چندہ سے امداد لیکر اپنی طرف سے وجوباً خواہ استحباباً قربانی کرنا درست ہوگا یا نہیں،

(۳) اُن لوگوں کے فراہم کردہ چندہ سے جس میں شبہہ قوی ہے، کہ رقوم ہنود بھی شامل ہوگی، قربانی کرنا جائز ہوگا یا ناجائز؟

(۴) فی الواقع اگر مولوی عبدالباری صاحب وغیرہ کا اُس کے متعلق فتوٰی ہوچکا ہے، اُسپر عمل کرنا چاہئے یا نہیں،

(۵) اور ایسے محرکین کی کمیٹی میں شرکت کرنا چاہئے یا نہیں، اور اُس کے محرک اور مرتکب عنداللہ ماجور ہونگے یا گنہگار؟

(۶) گائے بھیڑ بکری اونٹ وغیرہ میں منجانب شریعت مختار ہونا، اس کے کیا معنٰی ہیں، بیّنوا توجروا،

الجواب (۱) گائے کی قربانی شعار اسلام ہے قال اللہ تعالٰی وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰھَا لَکُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللہِ، دشمنانِ دین سے اتحاد منانے کو شعار اسلام بند کرنا بدخواہی اسلام ہے،

(۲) اُن صاحبوں کا وعدہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ القائے شیطان ہے، وقال اللہ تعالٰی وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ہ شیطان تو وعدہ نہیں دیتا مگر فریب سے، ان سے چندہ سے مدد لیکر گائے کی قربانی چھوڑنا، شیطان کا داؤں چلالینا ہے، دوچار کو شیطان نے دھوکا دے لیا، اور مسلمان تو اپنی آنکھیں کھلی رکھیں،

(۳) اس کا جواب جواب دوم میں آگیا، اور اس سے اور بھی کھل گیا کہ یہ شیطان کا فریب ہے، ہرگز کفار تمھارے دین کی خیر خواہی نہ کریں گے، قال اللہ تعالٰی لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا، ضرور ہے کہ جس میں وہ ساعی ہیں اس میں تمھارے دین کا ضرر ہے، قال اللہ تعالٰی وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ اُن کے زبانی اتحاد پر پھولنا قرآن عظیم کو بھولنا ہے، قال اللہ تعالٰی قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ، اس اتحاد کی یک طرفہ تالی تو دیکھو، تم اپنا شعار دین بند

کردجیسے تم اُن سے بالکل مخفی کرتے ہو، اور وہ اتنا بھی نہ کریں کہ اتنے گھنٹے سنکھ اُن مندروں سے بند کردیں، جہاں سے تمھیں یا کم از کم کسی مسجد کو وہ مکروہ و دلخراش آوازیں جائیں، وہ اعلان نہ چھوڑیں، اور تم مخفی سے بھی باز آؤ، یہ نفیر لیڈروں سے اسلام دوستی ہے،

(۴) مولوی عبدالباری صاحب کے والد مرحوم مولانا عبدالوہاب صاحب، اور ان کے استاذ مولوی عبدالحی صاحب، اور دیگر علمائے فرنگی محل کا فتویٰ خود مجموعہ فتاویٰ مولوی عبدالحی صاحب میں چھپ چکا ہے، کہ بخاطر ہنود قربانی گاؤ بند کرنا معصیت ہے، ناجائز ہے، اس کا جاری رکھنا واجب ہے الفس الفکر بھیجتا ہوں اُس پر عمل چاہیے۔

(۵) محرکین کا حال قرآن عظیم کی آیتوں سے اوپر ظاہر ہوچکا، کہ شیطان کے فریب میں ہیں، نادانستہ خواہ ان میں بعضے دانستہ بدخواہی اسلام کررہے ہیں، اس کمیٹی میں شرکت حرام ہے، کہ قرآن عظیم کو پیٹھ دینے کا مجمع ہے، قال اللہ تعالیٰ وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّكَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ۝ وقال تعالیٰ ۔ لَا تَقۡعُدُوۡا مَعَهُمۡ اِنَّكُمۡ اِذًا مِّثۡلُهُمۡ ۔

(۶) اس کی تفصیل "انفس الفکر" سے معلوم ہوگی، قربانی کا تمھیں اختیار ہے، مگر مخالفان اسلام کی خاطر سے شعائر اسلام بند کرنے کا کسی وقت تم کو اختیار نہیں، وَاللّٰهُ یَقُوۡلُ الۡحَقَّ وَهُوَ یَهۡدِی السَّبِیۡلَ ۝ واللہ تعالیٰ اعلم ،

مسئلہ ۔ از فتح پور، محلہ ایرانیاں، مرسلہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب، مورخہ ۱۱ر ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

مولانا المعظم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ آج کل اخباروں میں علماء نے شائع فرمایا ہے، کہ مصلحتاً ضرورت ہے کہ ہندوؤں سے اتفاق کیا جائے، اور بجائے گائے کی قربانی کے بکری بھیڑ کی قربانی کی جائے، توجناب والا! اس کی نسبت کیا فرماتے ہیں، کہ قربانی گائے کی کرتا ہے، اُس کو آج کل اس مصلحت سے گائے کی قربانی نہ کرنا کیا ہے؟،

(۲) اصل میں بکری بھیڑ کی قربانی افضل ہے یا گائے کی، فقط،

الجواب ۔ یہاں گائے کی قربانی قائم رکھنا واجب ہے، اور اس ناپاک مصلحت کے لئے اُس کا چھوڑنا حرام، گائے کی قربانی اسلام کا شعار ہے، اور شعار اسلام بند کرنے کی وہی کوشش کرے گا جو اسلام کا بدخواہ ہے، ایسا شخص عالم نہیں ہوسکتا، بلکہ ظالم ہے، اور کس پر ظلم کرتا ہے، اسلام پر۔ اور ہنود سے جیسا اتحاد منایا جارہا ہے، حرام ہے حرام قطعی حرام ہے، نصوص قرآن عظیم سے حرام ہے، اور اس کے جو نتائج ہورہے ہیں کہ مسلمانوں نے قشقے لگوائے، رام لچھمن پر پھول چڑھائے، مشرک کی ٹکٹی اپنے کندھوں پر اٹھا کر اُس کی جے بولتے ہوئے مرگھٹ میں لے گئے، قرآن عظیم ایک ڈولے میں رامائن کی پوجا کراتے مندر میں لے گئے، اون کے بڑے لیڈر نے قرآن وحدیث کی تمام عمر بُت پرستی پر نثار کردی، یہ فضائح کھلے ہوئے کفر نہیں رہے، مشرک سے اتحاد ہوکر یہ نتیجہ آپ ہی ضرور تھا، قرآن کریم میں صاف ارشاد

فرمایا کہ تم میں جو اُن سے دوستی رکھے گا، وہ سب انھیں میں سے ہے، آیہ کریمہ کارڈ پر نہیں لکھی جاسکتی، ترجمہ اس کا یہی ہے، پھر کیونکر ممکن تھا کہ مشرکوں سے اتحاد کرنے والے مشرک نہ ہوجاتے، یہ یہاں ہے، اور اگر سچے دل سے تائب ہوکر باز نہ آئے تو صحیح حدیثوں کا ارشاد ہے کہ "اُن کا حشر بھی بُت پرستوں کے ساتھ ہوگا" مولٰی عزّوجل اپنے غضب سے پناہ دے، ہدایت فرماکر دل نہ اُلٹے، راہ دکھا کر آنکھیں نہ پلٹیں، اِحْفَظْنَا یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ از لکھنؤ کنٹونمنٹ روڈ، کوٹھی ۳۳ مسئولہ مولوی عبدالحمید صاحب، ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۹ھ

عالیجناب معلی القاب جناب مولانا صاحب قبلہ ادام اللہ برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج کل اہلِ ہنود جگہ بجگہ میونسپلٹی کے ذریعہ سے انسداد گاؤکشی کی کوشش کررہے ہیں، چنانچہ فیض آباد، ہاتھرس اور شہر لکھنؤ میں ہندو ممبران میونسپلٹی نے اپنی زیادتی تعداد کی وجہ سے تمامی مسلمان ممبروں کے خلاف انسداد گاؤکشی کا قانون پاس کردیا ہے، اگر خدانخواستہ گاؤکشی قانوناً ممنوع قرار دی گئی تو عام مسلمانوں کو صرف اسی قدر نہیں کہ روزمرہ کی زندگی میں اُن کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا، بلکہ تقریباً تمام غیر مستطیع مسلمان جو تعداد میں ۹۰ فیصدی سے بھی زائد ہیں، اُن سب کو عیدالاضحٰی میں قربانی کرنا بھی نہ نصیب ہوگا، اس لئے کہ غریب مسلمان کسی طرح اس کی مقدرت نہیں رکھتے کہ وہ فرداً فرداً پندرہ بیس روپے کا بکرا ہر سال خرید کرسکیں، لہٰذا دریافت طلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں عام مسلمانوں کو خاموشی اختیار کرنی چاہئے، یا انسداد گاؤکشی کے خلاف اُن کو بھی امکانی جدوجہد کرنی چاہئے، اور مذہبا اُن پر کیا واجب ہے،

یہ ایک استفتا ہے جس کا جواب براہِ کرم و برائے خدا و رسولِ اکرم جلد تر عطا فرمائیں، تاکہ مسلمانوں کے عام جلسہ میں جو کہ صرف پانچ چھ یوم میں ہونے والا ہے، آنجناب کا شرعی حکم پھر سب کو پڑھ کر سُنا دیا جائے۔

الجواب ۔ مولٰنا المکرم ذوالمجد والکرم اکرمکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

یہ مسئلہ بھی کچھ قابلِ سوال ہے، حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں من کان یحب ان یعلم منزلتہ عند اللہ فلینظر کیف منزلۃ اللہ عندہ، فان اللہ ینزل العبد منہ حیث انزلہ من نفسہ جو یہ جاننا پسند کرے کہ اللہ کے نزدیک اُس کا مرتبہ کتنا ہے، وہ یہ دیکھے کہ اُس کے دل میں اللہ کی قدر کیسی ہے، کہ بندے کے دل میں جتنی عظمت اللہ کی ہوتی ہے، اللہ اُسی کے لائق اپنے یہاں اسے مرتبہ دیتا ہے، رواہ الحاکم فی المستدرک والدارقطنی فی الافراد، عن انس وابونعیم فی الحلیۃ عن ابی ھریرۃ وعن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنھم، آدمی اگر اللہ و رسول کے معاملہ کو اپنے ذاتی معاملہ کے برابر ہی رکھے، تو دین میں اُس کی سرگرمی کیلئے بس ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ذراسی نالی یا پرنالے کی ملک بلکہ مجرد حق کے لئے کس قدر جان توڑ عرق ریزیاں کرتا ہے، اس کا مقدمہ منتہا تک پہنچاتا ہے، کوئی دقیقہ کی فروگذاشت نہیں کرتا، پیسے کے مال پر ہزار اٹھا دیتا ہے، دنیوی فریق کے

مقابل کسی طرح اپنی دبتی گوارا نہیں کرتا، گائے کشی مسلمان کا دینی حق ہے، اور حق بھی کیسا خاص شعار اسلام، اللہ عزّوجل فرماتا ہے وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اونٹ اور گائے کی قربانی کو ہم نے تمہارے لئے دین الٰہی کے شعاروں سے کیا۔

امام محمد جامع صغیر میں فرماتے ہیں وَالْبُدْنَ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ اگر شعار اسلام کو اور بھی خاص اعدائے اسلام کے مقابلہ میں اپنی ایک نالی کے برابر بھی نہ سمجھو، تو جان لو کہ اللہ واحد قہار ہے یہاں تمہاری قدر کتنی ہے، اگر وہ ضرورت و ضرر جو سوال میں مذکور ہوئے، نہ بھی ہوتے بقدر قدرت کوشش لازم تھی، حدیث میں ہے لیس منا من اعطی الدنیۃ فی دیننا، ہمارے گروہ سے نہیں جو ہمارے دین کے معاملہ میں دبتی رکھنے دے کہ اُن ضرورتوں اور ضرروں کے ہوتے ہوئے بیشک جو اس میں بے پرواہی وچشم پوشی برتے گا، اور حسب طاقت دین کی مدد نہ کریگا اور شعار اسلام کو نقصان پہنچنے دے گا، روز قیامت سخت باز پرس میں پکڑا جائے گا، اور اُس کی جزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں اُس کی شدید حاجت کے وقت اُسے بے یار ومددگار چھوڑے، جیسا اُس نے دین کی مدد سے منہ موڑا، قال اللہ تعالیٰ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى اُس سے قیامت میں فرمایا جائے گا جیسا تو نے دین کو بھلادیا تھا ویسا ہی آج تو بھلادیا جائے گا، کہ کوئی تیری خبر نہ لے گا، والعیاذ باللہ تعالیٰ، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ۔ از پرولیا ضلع مان بھوم، مسئولہ خلیفہ محمد جان شب ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ترک گاؤکشی یا ترک قربانی گاؤ مصلحت وقت سمجھ کر چھوڑ دیا جائے اس پر مذہبی نقصان ہے یا نہیں؟

الجواب۔ گاؤکشی مباح قطعی ہے، مشرکین کی خاطر سے اُسے بند کرنا مشرک کا بول بالا کرنا ہے، اور قربانی گاؤ شعار اسلام ہے، خاطر مشرک کے لئے اس کا بند کرنا حرام ہے، وہو تعالیٰ اعلم،

مسئلہ۔ از شہر بریلی صدر بازار، مکان ۴۸۹، مرسلہ جناب حافظ بنّے خانصاحب، مورخہ ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

قربانی گاؤ کے متعلق علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب۔ ہندوستان میں قربانی گاؤ کا جاری رکھنا واجب ہے، اور خوشنودی ہنود کے لئے اس کا بند کرنا حرام ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ اللہ و رسول زیادہ اس سے مستحق ہیں کہ انھیں راضی کرو، اگر تم مسلمان ہو" والتفصیل فی رسالتنا "انفس الفکر فی قربان البقر" واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ۔ از آنولہ ضلع بریلی، مرسلہ چودھری رحیم بخش صاحب، مورخہ ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید گائے قربانی کے واسطے خرید کی، چونکہ قربانی گائے کی اہل ہنود کے واسطے باعث دل آزاری ہوگی اس لئے زید خوشنودی کے واسطے گائے خرید کردہ سے

بیل یا بھینس وغیرہ بدل کر قربانی کرنا چاہتا ہے، تو عندالشرع یہ بدلنا درست ہے یا نہیں، اور گائے کی قربانی بوجہ اتحاد کے موقوف کر دینا درست ہے یا نہیں،

(۲) محض خوشنودی اہل ہنود کے لئے قربانی بجائے تین روز کے ایک دن مقرر کریں، درست ہے یا نہیں، اور ایک دن مقرر کر لینے والوں کو عندالشرع کیا حکم ہے؟ بیـنوا توجروا،

الجواب ۔ (۱) وہ گائے کہ بہ نیت قربانی خریدی، اُس کا دوسری گائے سے بدلنا بھی منع ہے، کہ اللہ کیواسطے اس کی نیت کرکے پھرنا معیوب ہے، اور ہندوؤں سے اتحاد حرام، اور اس کی وجہ سے گائے کی قربانی موقوف کرنا حرام اور حرام موجب غضب جبّار و عذابِ نار، ایسا کرنے والوں کا حشر ہندوؤں کے ساتھ ہوگا، حدیث میں ارشاد ہوا کہ "میں قسم کھا کر فرما سکتا ہوں کہ جو جس سے اتحاد رکھے گا اُس کا حشر اُسی کے ساتھ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) یہ بھی حرام ہے، ہنود کی خوشنودی کے لئے اللہ و رسول کے حکم میں تنگی کرنا مسلمان کا کام نہیں، واللہ تعالےٰ اعلم،

مسئلہ ۔ مسؤلہ عمر چودھری محلہ قصاباں بریلی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جن لوگوں پر قربانی واجب نہیں، وہ اگر برائے اظہار شوق اسلام و رشک کافران گاؤکی تعداد بڑھانے کی نیت سے بیس بیس آدمی مل کر گاؤ قربانی کرے تو جائز ہے یا نہیں، اور ہر شخص کا حصّہ برابر ہونا شرط ہے یا نہیں، اس صورت میں ایک گائے میں کتنے آدمی شریک ہو سکتے ہیں،؟

الجواب ۔ اللہ عزوجل کے نام کو گائے قربانی کرنے میں شریعتِ مطہرہ نے سات تک کی حد کر دی، زیادہ شریک نہیں ہو سکتے، اگر ہوں گے تو وہ قربانی نہ رہی، کھانے کا گوشت ہو گیا، لہٰذا سات سے زیادہ نہ ہوں، پھر چاہے حصّہ برابر ہوں یا کم و بیش، سب شریکوں کو قربانی کا ثواب ملے گا، اور اگر سات آدمی ایک گائے کی قیمت کا چندہ نہ کر سکیں، تو یہ ممکن ہے کہ سو آدمیوں سے چندہ لیں، اور وہ چندہ دہندہ فقط سات یا کم آدمیوں کو اُس چندے کا مالک کر دیں، اور یہ لوگ گائے خرید کر اپنی طرف سے قربانی کریں، کہ اُن کو عین قربانی کا ثواب ملے گا، اور اُن چندہ دینے والوں کو مدد قربانی کا، کہ وہ بھی ثواب میں قربانی کے برابر ہوگا، صحیح حدیث میں ہے من دل علیٰ خیر کان کمن مثلہ، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از شہر بریلی، بروز شنبہ، ۱۳ ذی الحجہ

قربانی نیل گاؤ دہرن، جو کچھ عرصہ تک پرورش پا چکا ہو، اور کسی شخص نے اس کو پالا ہے جائز ہے یا نہیں، اور اقسام جانوران صحرائی سے کس کس کی قربانی جائز ہے؟

الجواب ۔ جانورانِ صحرائی میں سے کسی جانور کی قربانی جائز نہیں، اگرچہ گھر میں پیدا ہوا، اور پالا گیا ہو، نہ کسی جانور اہلی کی قربانی جائز، سوائے چار کے اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، قال اللہ تعالیٰ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ الٰی قولہ تعالیٰ وَمِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ، دنبہ بھیڑ میں داخل ہے، اور بھینس گائے میں، لیکن نیل گائے اگرچہ گائے کہلاتی ہے، گائے میں داخل نہیں، جیسے گورخر گدھے میں داخل نہیں، گدھا حرام ہے اور گورخر حلال، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ مرسلہ قاضی سید واجد علی صاحب، مقام جاود، ضلع ندسور، ریاست گوالیار، نیچ دروازہ ۱۷ر صفر ۱۳۳۵ھ

ایک بچہ بکری کا ہے، اور وہ کُتیّ کے دودھ سے پرورش پایا، اس کو قربانی کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ۔ جب سال بھر کا ہو جائے اس کی قربانی جائز ہے، والمسئلۃ فی الخانیۃ وغیرھا، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم،

مسئلہ ۔ از بنگالہ میمن سنگھ، قصبہ کھولا، مرسلہ میاں جان سرکار، ۲۶ر جمادی الاول ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ کہ ہندہ نے بکری پالی تھی، اُس نے ایک بچہ جنا، بعدہ وہ بکری بقضائے الٰہی مرگئی، اس بچہ کی ہندۂ مذکورہ اپنی پستان کے دودھ سے پرورش کیا، پھر خصی کردیا، اب وہ بچہ بڑا ہوگیا، ہندہ اس کو قربانی کرنا چاہتی ہے، اگر قربانی کرے تو ہندہ مذکورہ اور اس کے خاوند کو اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ۔ بلاشبہہ جائز ہے، جس کے جواز میں اصلاً گنجائش کا کلام نہیں، فتاوی امام قاضی خاں میں ہے، لو ان جدیا غذی بلبن الخنزیر لا باس باکلہ، لان لحمہ لایتغیر، وما غذی بہ یصیر مستھلکا، لایبقی لہ اثر، فتاوٰی کبرٰی و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلاباس، لانہ بمنزلۃ الجلالۃ، والجلالۃ اذا حبست ایاما فعلفت لاباس بہا فکذا ھذا، اور شوہر کے حق میں اگر رضاعت کا خیال ہو تو محض جہل، اول تو عمر رضاعت کے بعد رضاعت نہیں، اور شوہر اتنی ہی عمر کا بچہ ہو بھی، تو شیر زن مستہلک ہوگیا، گوشت کھانا دودھ پینا نہیں، درمختار میں ہے لایحرم المخلوط بطعام وکذا الوجبنۃ لان اسم الرضاع لایقع علیہ، بحر اھ ملخصا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ مسئولہ سید منیر الدین ہیڈکلرک، محلہ کلاں ٹولہ، گیا ۱۱ر محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً کسی لامعلوم شخص کا بیل یا گائے زید کے

جانوروں میں شامل ہوگیا، اور زید نے اس کو پکڑ کر اپنے قبض وتصرف میں رکھا، اور ایام قربانی میں چونکہ وہ دو برس سے کم کا تھا، اس لئے اس کو اپنی لڑکی کو گائے سے بلاعلم لڑکی کے بدل کر اس لڑکی کی گائے کو قربانی دیا، اور غیر سے ذبح کرایا، اور اس غیر کو گائے کے کل قصۂ مذکورسے واقفیت نہیں۔

۱۔ ایسی قربانی جائز ہے یانہیں۔ ۲۔ ذبح کرنے والا گنہ گار ہوگا یانہیں، تین سال کی گائے جس کی سینگ سوز نمودار نہ ہوئی ہو، اس کی قربانی جائز ہے یانہیں؟

الجواب۔ جانور کو تصرف میں رکھنا حرام تھا۔ اُسے بیٹی کی گائے سے بدلنا حرام تھا، اس گائے کی قربانی حرام تھی۔ ذابح پر اس کا ذبح کرنا حرام تھا، دونوں سخت گنہ گار ہوئے، پھر اگر بیٹی نے اپنی گائے کی قیمت نادانی میں اپنے باپ سے لے لی، تو اس کے باپ کی قربانی ادا ہوگئی ورنہ نہیں، درمختار میں ہے یصح لوضحی بشاۃ الغصب ان ضمنه قیمتہا حیۃ ای قیمتہا لوکانت حیۃ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (۲) جب دو سال کامل کی ہوگئی قربانی کے قابل ہوگئی، اگرچہ سینگ کبھی نہ نکلیں، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ۔ مسئولہ عبداللہ عرف دین محمد صاحب، ساکن شہر کہنہ بریلی، محلہ روہیلی ٹولہ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں نے ایک اہل ہنود سے گائے مبلغ للعہ پینتالیس روپیہ میں خرید کی تھی، اس ہنود نے خرید کرتے وقت دریافت کیا تھا کہ تم کس واسطے اس گائے کو لیتے ہو، میں نے اُس شخص سے کہا کہ پالنے کو لیتا ہوں، اور اصل میں واسطے قربانی کے لی تھی، تو ایک مسلمان نے اس شخص سے کہا کہ انھوں نے قربانی کے واسطے لی ہے، اور میں ریلوے کے بڑے بابو کی ماتحتی میں کام کرتا ہوں، وہ بھی اہل ہنود ہیں، اُس نے بابو سے آکر کہا کہ وہ میری گائے واپس کرادی جائے، انھوں نے میرے مکان پر آدمی روانہ کیا، کہ اُس کو مبلغ پانچ روپیہ نفع لیکر واپس کردو، میں نے نہیں واپس کی، میں کام پر اپنے گیا تو بابو نے کہا کہ وہ گائے واپس کردو، میں نے اس سے انکار کیا، تو انھوں نے ایک پولیس کے داروغہ سے بہت ٹرا زور ڈال کر کہا، اور یہ بھی کہا کہ اگر نہیں دوگے توہم تم کو نوکری سے برخاست کردیں گے، تو میں نے بسبب نوکری جانے کے پانچ روپیہ نفع لیکر گائے واپس کردی اور مبلغ للعہ چالیس روپیہ کی فوراً اور گائے قربانی کے واسطے لایا، اب اُس میں سے دس روپیہ بچے، اس کا کیا کیا جائے، اور لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم نے پانچ روپیہ لیکر گائے دی، اور میں نے مجبوراً دی، اور مجھ کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ میری ملازمت جاتی تھی، اور مجھ کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ میں مال گودام ریلوے میں کام کرتا ہوں شاید کچھ الزام نہ لگادیں، یہ وجہ تھی فقط، بینوا توجروا

الجواب۔ اگر وہ شخص صاحب نصاب ہے، اور اگر یہ بیان واقعی ہے، تو اس پر کچھ الزام نہیں، اور پانچ روپیہ نفع کے لئے اُن کا تصدق کردینا چاہئے، اور یہ گائے جو پانچ کم کرکے خریدی اُس کی کا کوئی معاوضہ اُس پر نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ۔ از کرتوئی، ضلع بدایوں، مسئولہ برادرم عزیزم مولوی محمد رضا خاں صاحب سلمہ، ۶ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

بحضور قبلہ وکعبۂ دارین مدظلہم العالی بجاہ النبی الرؤف الرحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، سلام سنت اسلام کے بعد عرض ہے کہ قربانی کی غرض سے دو گائیں خریدنے کو چاروں کو روپیہ دے کر بھیجا، وہ دو گائیں خرید لائے، جو گراں قیمت ثابت ہوئیں، اس پر اور دو گائیں منگوائیں، وہ بھی بسبب گرانی قیمت کے، اور یہ کہ ان موخر گایوں ہی سے ایک پر گابھن کا خیال ہے، جس نے فروخت کی وہ جولاہا ہے، کہتا ہے کہ گابھن ہوگئی ہے مگر ابھی کہل تھن ہے، جس کو اور لوگ نہیں گابھن کہہ سکیں، صرف دو جانیں کا خیال قربانی کا تھا، آیا ان گایوں کا فروخت کرنا جائز ہوگا یا نہیں، ان کے عوض میں اپنی گائیں دے سکتا ہوں یا نہیں، ایک گائے پارسال قربانی کے واسطے منگوائی تھی، (ان چاروں کو وقت آنے کے قربانی کے واسطے نامزد نہیں کیا، پارسال والی کو نامزد کر دیا تھا) روانگی کے وقت لنگڑی ہوگئی بریلی جانے کے قابل نہ رہی اب اچھی ہے دو مہینہ بعد اندازاً بیا چلے گی، اس کی نسبت کیا حکم ہے، آیا وہ میرا مال ہے یا قربانی کا، قرآن مجید بائیں ہاتھ میں باوضو لیکر تلاوت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب - جان برادر بلکہ از جان بہتر مولوی محمد رضا خاں سلمہٗ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

جو گائے قربانی کے لئے تھی اور وہ لنگڑی ہوگئی اور اس کے عوض دوسری کر دی، اب وہ گائے تمہارا مال ہے، جو چاہو کرو، جب روپیہ دے کر گائیں خریدنے کو بھیجا اس سے اگر یہ نیت تھی کہ دیکھنے کے لئے خریدتے ہیں، جس کی قربانی مناسب جانیں گے کریں گے ورنہ اور لیں گے، تو وہ گائیں قربانی کے لئے مخصوص نہ ہوئیں، اور ان کے بدلے اپنے پاس سے یا اور خرید کر قربانی کرو، اور اگر مخصوص قربانی کے لئے خریدیں، اور اب اس وجہ سے کہ یہ زائد قیمت کی ہیں، انھیں نہ کرنا چاہو، اور ان کو بدل اپنے پاس سے یا اور کوئی لیکر ان سے کم قیمت کی قربانی کرو تو قربانی ہوجائے گی اور وہ پہلی گائیں بیچو یا رکھو اختیار ہے مگر ایسا کرنا جائز نہ ہوا کہ جب ان پر مخصوص قربانی کی نیت ہوئی تھی، تو ان کو اگر بدلتے تو ان سے بہتر سے بدلتے، نہ کہ کمتر سے، جبکہ کمتر سے بدلا تو جتنی زیادتی رہی، اتنے دام تصدق کرنے کا حکم ہے، مثلاً دس روپیہ کی گائے قربانی کو خریدی تھی، پھر اس کے بدلے سات روپے کی قربانی کر دی تو تین روپے تصدق کئے جائیں، یہ تو سال گزشتہ کا علاج ہے، اور امسال کہ ابھی قربانی نہیں ہوئی، وہی پہلی گائیں اگر قربانی کے لئے خریدی تھی، خواہی نخواہی قربانی کی جائیں، اور ان سے کم قیمت کی ہرگز نہ بدلی جائیں کہ قصداً خلاف کرکے جرمانہ دینا جسارت ہے، بلکہ خلاف حکم کیا ہی نہ چاہئے، قربانی میں بالخصوص ارشاد ہوا کہ دل کی خوشی سے کرو کہ وہ صراط پر تمھاری سواریاں ہیں، پہلوں کو گراں سمجھ کر جو دوسری خریدیں، اور ان میں ایک گابھن ہے یا نہیں، بہرحال ان کا تم کو اختیار ہے کہ سرکاری مطالبہ پہلی گایوں سے متعلق ہوچکا، اسی شرط پر کہ آدمی ارادہ سے بھیجے ہوں کہ جو جانور یہ لائیں قربانی کریں گے نہ اس ارادہ سے کہ دیکھ کر جو مناسب سمجھیں گے کریں گے، قرآن مجید باوضو بائیں ہاتھ میں لے کر تلاوت کر سکتا ہے، جبکہ اس کے لئے کوئی وجہ ہو مثلاً داہنا ہاتھ خالی نہیں یا تھک گیا، والسلام، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ۔ مرسلہ امام علی صاحب، از بمبئی، ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو گائیں خریدی گئیں، شرکت میں، قیمت جدا جدا نہ کی گئی چودہ حصے کئے گئے، قربانی کے بعد دونوں کا گوشت یکجائی ملا کر برابر حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، ایک گائے کم قیمت یعنی سستے کی، اور دوسری مہنگے کی ان چودہ حصوں میں ہر شخص کا برابر حصہ قیمت و گوشت میں کیا گیا، یہ صورت جواز کی ہوئی یا نہیں؟

الجواب۔ دونوں مشتریوں کی رضا سے اس میں کچھ حرج نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ۔ از موضع سرنیاں، ضلع بریلی، مرسلہ امیر علی صاحب، مورخہ ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

ایک شخص نے قصاب سے گائے منگائی، اس نیت سے خرید کر وہ گائے آجائے گی، تو جو شریک حصہ ہوں گے شریک سمجھ لوں گا۔

(۲) ایک جگہ دیکھا کہ فقرا کے گوشت میں آنت اوجھڑی بالکل ڈال کے تقسیم کرتے ہیں، دو حصوں میں نہیں (۳) ایک جگہ دیکھا ہے کہ سر اور پیر سقے اور حجام کو، اور ایک پارچہ قصاب کو۔ (۴) بعض لوگ کو دیکھا ہے قربانی یا عقیقہ یا نیاز میں کھانا بھنگی کو دیتے ہیں، (۵) قربانی گائے میں نصف ایک شخص ہووے اور نصف میں دو شریک یا تین درست ہے یا نہیں، اور نصف میں چار ہو جاویں، یہ کیونکر ہے، بینوا توجروا!

الجواب۔ (۱) جائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم (۲) یہ بیجا کرتے ہیں، مستحب یہ ہے کہ تہائی حصہ گوشت کا فقیروں کو ملے، واللہ تعالیٰ اعلم، (۳) سقے حجام قصاب کا قربانی میں کوئی خاص حق نہیں، دینے کا اختیار ہے، مگر قصاب کی اگر یہ اجرت قرار پائی تو حرام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم (۴) بہت برا کرتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم (۵) نصف میں تین تک شریک ہو سکتے ہیں، اور نصف گائے ایک کی ہو، اور دوسرے میں چار شریک ہوں تو ان پانچوں یعنی کسی کی قربانی ادا نہ ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ۔ از بلگرام شریف، ضلع ہردوئی، محلہ میدان پورہ، مرسلہ حضرت سید ابراہیم میاں صاحب، ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو یا چار یا سات آدمیوں نے ایک گائے قربانی کے واسطے خرید کی منجملہ اُن کے ایک شخص نے قیمت نہ وقت خرید کے ادا کی نہ بعد کو، اور وہ شریک رہا، پس اس صورت میں کسی کی یا اسکی قربانی میں حرج یا غیر جائز تو واقع نہیں ہوا، جواب اس کا بحوالہ عبارت مرحمت فرمایا جائے کہ ضرورت ہے، بینوا توجروا

الجواب بیع نفس ایجاب و قبول سے تمام ہو کر مبیع ملک مشتری میں داخل، اور ثمن ذمہ پر لازم ہوتی ہے، ادائے ثمن حصول ملک کے لئے شرط نہیں، اگر نہ دے گا، تو بائع کا مدیون رہے گا، مبیع میں ملک تام ہے فی التنویر اذا وجد (ای الایجاب والقبول) لزم البیع، اُسی میں ہے، صح بثمن حال و مؤجل الی معلوم، پس جبکہ شرکائے مشترین

مالک گاؤ تھے، اور انھوں نے بہ نیت اضحیہ قربانی کی، سب کی قربانی ادا ہوگئی، ثمن کا مطالبہ اس شریک پر رہا، اگر وہ نیت قربانی ہی سے دست بردار ہوکر اصلا ذبح نہ چاہتا یا خالی گوشت وغیرہ امور غیر قربت کی نیت سے ذبح چاہتا، اور ایسی حالت میں بقیہ شرکا بہ نیت قربانی ذبح کرلیتے تو کسی کی قربانی ادا نہ ہوتی، کہ اُن میں ایک شریک کی نیت تقرب نہیں، فی التنویر ان کان شریك الستة نصرانیا اومرید اللحم لم یجز عن واحد، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ - مرسلہ مصاحب علی طالب علم از جاورہ ۱۴ر صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

ایک گائے کو چھ شخصوں نے قربانی کی، ایک کے دو حصے نفلی، اور پانچ شخصوں کے واجبی، تو کیا دو حصہ والا شخص بعد ذبح گائے، قبل تقسیم گوشت کے ایک حصہ میں دوسرے شخص کو شریک کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب - قربانی اراقۂ دم کا نام ہے، اور اب اراقۂ دم ہوگئی، تو دوسرے کی طرف اُس کا انتقال ناممکن ہے، ہاں اُس کا ثواب یا گوشت جسے چاہے دے، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ - از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام، مسئولہ عزیز احمد فریدپوری، ۲۵ر ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی عید اضحی کے پوست کی قیمت گوشت کی طرح تین حصوں پر تقسیم کی جائے یا تمام وکمال قیمت خیرات کردی جائے اور کھال کا اپنے صرف میں لانا صاحب قربانی کے لئے جائز ہے یا نہیں، اور کھال قربانی کی قیمت سید کو دینا جائز ہے یا نہیں، درصورت عدم جواز کوئی شرعی حیلہ تحریر فرمائیے، بینوا توجروا

الجواب - کھال اپنے ایسے صرف میں لاسکتا ہے جس میں کھال باقی رہے، مثلاً مشک، ڈول، یا کتاب کی جلد بناسکتا ہے، کھال اگر اپنے خرچ میں لانے کی نیت سے داموں کو بیچی تو وہ دام تمام خیرات کرے، یعنی فقیر محتاج مصرف زکوٰۃ کو دے، سید کو نہیں دے سکتا، اور اگر سید کو دینے کی نیت سے بیچی تو وہ دام سید کو دے، تین حصوں کا حکم گوشت میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ - از موضع ڈوالہ دیرم، تحصیل ضلع امرتسر، مرسلہ میاں شمس الدین صاحب حنفی قادری، ر ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

مولوی غلام قادر صاحب بھیروی نے مسئلہ قربانی اور کتاب اسلام میں لکھا ہے، کہ اگر غنی قبل از ایام عید قربانی خریدے، وہ واجب بالنذر ہوجائے گا، وہ سب گوشت فقرا کو صدقہ کرے آپ نہ کھائے، ایسے ہی فقیر جس پر قربانی واجب نہیں، لیکن اس نے کتاب کا حوالہ نہ دیا، اس لئے بعض جہلا احناف کو تردد ہے، براہ مہربانی حوالۂ کتب سے ارشاد ہو، اور یہ بھی آپ تحریر فرمائیں کہ کس قریہ میں قربانی قبل از عید بعد طلوع آفتاب عند الحنفیہ جائز ہے، یا باوجود قریہ جامع ہونے کے بھی بعد طلوع قربانی درست ہے، کیونکہ کتب فقہ میں لفظ دیہ یعنی گاؤں واقع ہے، اور بعض کتب میں لکھا ہے کہ جس گاؤں میں چند کس حر بالغ آزاد ہوں جمعہ واجب ہے، جب جمعہ واجب ہوا تو عید بھی وہاں درست ہوگی، پھر بعد عید قربانی ہوگی، یا بعد طلوع، قبل از عید جواب بواپسی ڈاک مرحمت ہو، والسلام،

الجواب۔ فقیر اگر بہ نیت قربانی خریدے اس پر خاص اُس جانور کی قربانی واجب ہوجاتی ہے، اگر جانور اس کی ملک میں تھا اور قربانی کی نیت کرلی یا خریدا، مگر خریدتے وقت نیت قربانی نہ تھی، بعد کو نیت کی، تو اُس پر وجوب نہ ہوگا، غنی پر ایک اضحیہ خود واجب ہے، اور اگر او رنذر بصیغہ نذر کرے گا تو وہ بھی واجب ہوگا، اُس عبارت میں بھی یہی ہے کہ واجب بالنذر ہوجائے گا. یعنی نذر کئے سے واجب ہوگا، نہ کہ غنی پر مجرد خریداری سے، درمختار میں ہے تصدق بھا ناذر وفقیر شراھا لھا لوجوبھا علیہ بذلك، ردالمحتار میں ہے فلو کانت فی ملکہ فنوی ان یضحی بھا، او اشتراھا، ولم ینو الاضحیۃ وقت الشراء، ثم نوی بعد ذلك لا یجب، لان النیۃ لم تقارن الشراء، فلا تعتبر، بدائع، درمختار میں ہے لوماتت فعلی الغنی غیرھا لا الفقیر، ولو ضلت او سرقت فشری اخری فظھرت فعلی الغنی احدھما وعلی الفقیر کلاھما شمنی، جو شہر نہ ہو اس میں نہ نماز جمعہ ہے، نہ نماز عید، سو دو سو کی آبادی کا کچھ اعتبار نہیں، بلکہ اُس میں متعدد محلے ہوں، دائم بازار ہوں، وہ پرگنہ ہو، کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں، اُس میں فصل مقدمات پر کوئی حاکم مقرر ہو، وہ شہر ہے، جہاں ایسا نہیں، صبح سے قربانی جائز ہے ھو الصحیح الذی علیہ المحققون کما فی الغنیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سات شخصوں نے ایک راس گائے واسطے قربانی خریدی، وہ گائے فرار ہوگئی، اس کو ہرچند تلاش کیا سب کانجی ہوس، اور اس شخص کے مکان پر، اور اس کے نواح میں بھی جہاں سے اسکو خریدا تھا، آج وہ گائے بفضلہ تعالٰی ہاتھ آگئی، اب اُس گائے کے واسطے کیا حکم ہے، اور کس طرح سے ہم کو ثواب قربانی کا حاصل ہوگا

الجواب۔ ساتوں شخص اس گائے کو زندہ خیرات کردیں کسی فقیر کو دے ڈالیں، بیان سائل سے معلوم ہوا کہ انہیں پانچ شخص صاحب نصاب تھے، ان پانچوں پر واجب تھا کہ اگر وہ گائے گم ہوگئی تھی، اور گائے یا بکریاں لیکر بارہویں تاریخ تک قربانی کرلیتے، اب کہ بارہویں گزار دی اور قربانی نہ کی، یہ پانچوں گنہ گار ہوئے، ان پر توبہ و استغفار واجب ہے اور گائے کی نسبت ساتوں پر واجب ہے کہ زندہ خیرات کردیں، ردالمحتار میں ہے ذکر فی البدائع ان الصحیح ان الشاۃ المشتراۃ للاضحیۃ اذا لم یضح بھا، حتی مضی الوقت یتصدق الموسر بعینھا حیۃ کالفقیر بلا خلاف بین اصحابنا فان محمدا قال وھذا قول ابی حنیفۃ وابی یوسف وقولنا، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ۔ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پردیس میں ہے، اس کی جانب سے اُس کا کوئی عزیز قربانی کردے تو فرض زید پر سے اُتر جائے گا یا اجازت کی ضرورت ہے؟

الجواب۔ قربانی وصدقہ فطر عبادت ہے اور عبادت میں نیت شرط ہے تو بلا اجازت ناممکن ہے، ہاں اجازت کیلئے صراحۃً ہونا ضرور نہیں، دلالت کافی ہے، مثلاً زید اس کے عیال میں ہے، اُس کا کھانا پہننا سب اُس کے پاس سے ہوتا ہے، یا یہ اس کا وکیل مطلق ہے، اُس کے کاروبار یہ کیا کرتا ہے، ان صورتوں میں ادا ہوجائے گی، درمختار میں ہے لاعن زوجتہ و

ولدہ الکبیر العاقل، ولوادی عنہما بلا اذن اجزأ استحسانا للاذن عادۃ ای لو فی عیالہ والا فلا۔ قہستانی عن المحیط، فلیحفظ قلت، ومسئلۃ القائم بامورہ بامرہ اظہر و ازہر لوجود الاذن ولو فی ضمن العام، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیا آدمی پر اولاد صغار کی طرف سے قربانی مثل صدقہ فطر واجب ہے، اپنے مال سے کرے یا ہر شخص اپنی علیحدہ کرے، اور جس قدر چاہے اُس قدر کرے، بیّنوا توجروا

الجواب ۔ اولاد صغار کی طرف سے قربانی اپنے مال سے کرنا واجب نہیں، ہاں مستحب ہے، اور قربانی جس پر واجب ہے اُس پر ایک ہی واجب ہے، زیادہ نفل ہے، چاہے ہزار جانور قربانی کرے گا ثواب ہے، نہ کرے گا کچھ مواخذہ نہیں، فی الدر المختار تجب التضحیۃ عن نفسہ لا عن طفلہ علی الظاہر، بخلاف الفطرۃ، شاۃ او سبع بدنۃ اھ ملتقطا وفی الخانیۃ فی ظاہر الروایۃ انہ یستحب ولا یجب بخلاف صدقۃ الفطر، والفتوٰی علی ظاہر الروایۃ اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از دیورنیاں، ضلع بریلی، مسئولہ رحیم بخش، بروز شنبہ، تاریخ ۱۱، ۱۳۳۴ھ

جناب مولوی صاحب قبلہ بعض آدائے آداب کے عرض ہے، دیگر احوال یہ ہے، ایک شخص نے ایک راس بکری عید الضحٰی کو قربانی کی، اور اُس کی کلیجی ٹول اور خاسہ میں باندھ کر قبر کہنہ میں دفن کیا، اور راس مذکور کے گوشت سب تقسیم کردیا، اپنے لئے قطعی نہیں رکھا، محلہ والوں نے سبب دریافت کیا، تو اُس نے جواب دیا کہ مجھکو اپنے فعل کا اختیار ہے تحریر فرمایئے کہ یہ قربانی جائز ہے یا کیا قصہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے کوئی ٹوٹکا کیا ہے، تحریر فرمایئے کہ کیا وجہ ہے۔

الجواب ۔ کلیجی دفن کرنا مال ضائع کرنا ہے، اور اضاعت مال ناجائز، اگر اس نے بہ نیت قربانی جانور مولٰی تعالٰی کے لئے ذبح کیا تو قربانی ہوگئی، اور بعد کو اس کا یہ فعل منافی قربانی نہیں، اور اگر سرے سے اس کا ذبح ہی کسی ٹوٹکے یا عمل کے لئے تھا، نہ بہ نیت ادائے واجب تو قربانی نہ ہوئی، وہو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از موضع بہدور، ضلع پٹنہ، مرسلہ مولوی عبدالحکیم صاحب، ڈاکخانہ سرمرہ، بروز چہار شنبہ ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

ورثۃ الانبیاء کیا حکم دیتے ہیں اس مسئلہ میں کہ منجانب میت جو قربانی دی جائے اُس گوشت کو کس طرح تقسیم کیا جائے، اس کا رواج ہے کہ ایک حصہ خویش و اقرباء اور ایک وقف علی المساکین، اور تیسرا حصہ وقف کیا جاتا ہے، مع دلیل جواب ارشاد ہو بیّنوا توجروا۔

الجواب ۔ اس کے بھی یہی حکم ہیں جو اپنی قربانی کے، کہ کھانے کھلانے، تصدق سب کا اختیار ہے، اور مستحب تین حصے ہیں ایک اپنا، ایک اقارب، ایک مساکین کا، ہاں اگر میت کی طرف سے بحکم میت کرے، تو وہ سب تصدق کی جائے، ردالمحتار میں ہے من ضحی عن المیت یصنع کما یصنع فی اضحیۃ نفسہ من التصدق والاکل والاجر للمیت والملک للذابح قال

الصدر والمختار انه ان بامر المیت لا یاکل منها والا یاکل" بزازیة"

اور فقیر کا معمول ہے، کہ قربانی ہر سال اپنے حضرت والد ماجد خاتم المحققین قدس سرہ العزیز کی طرف سے کرتا ہے، اور اس کا گوشت پوست سب تصدق کر دیتا ہے، اور ایک قربانی حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کرتا ہے، اور اس کا گوشت پوست سب نذر حضرات سادات کرام کرتا ہے، تقبل اللہ تعالیٰ منی و من المسلمین (آمین) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از قصبہ حافظ گنج، ضلع بریلی، مرسلہ رحیم بخش منہار، ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۳۱ھ

گوشت قربانی کا جو بقرعید میں اہل اسلام میں ہوتا ہے، وہ اہل ہنود کو دیا جائے یا نہیں، اس مسئلہ کی ہم کو ضرورت ہے، جواب سے مطلع فرمائیے گا۔

الجواب ۔ قربانی اگر فقیر نے کی ہو، اس کا گوشت کسی کافر کو دینا جائز نہیں، اگر دے گا تو اتنے گوشت کا تاوان دینا لازم ہوگا، اور اگر غنی نے کی تو ذبح کرنے سے اس کا واجب ادا ہوگیا، گوشت کا اسے اختیار ہے، مگر مستحب یہ ہے کہ اس کے تین حصے کرلے، ایک حصہ اپنے لئے، ایک عزیزوں، خویشوں کے لئے، ایک تصدق کے لئے، یہاں کے کفار کو دینا ان تینوں مدوں سے خارج ہے، لہٰذا انہیں دینا خلافِ مستحب ہے، اور اپنے مسلمان بھائی کو چھوڑ کر کافر کو دینا حماقت ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از چتور گڑھ، محلہ چھیپیاں، مسئولہ جمیع مسلمانان گنہ گار، ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا، عقیقہ کا گوشت کافر کو دینا جائز ہے یا ناجائز، اسی طرح قربانی کے رودہ اور آنت کا کافر کو دینا کیسا، اور اگر کسی نے نہ جاننے کی حالت میں گوشت یا رودہ وغیرہ دلایا تو اس کی قربانی ادا ہوئی یا نہیں؟

الجواب ۔ آنت کھانے کی چیز نہیں، پھینک دینے کی چیز ہے، وہ اگر کافر لیجائے، یا کافر کو دیدی جائے تو حرج نہیں اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ یہاں کے کافروں کو گوشت دینا جائز نہیں، وہ خاص مسلمانوں کا حق ہے، وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ، پھر بھی اگر کوئی اپنی جہالت سے دے گا، قربانی میں کوئی حرج نہ کریگا واللہ اعلم

مسئلہ ۔ مسئولہ اکبر یار خاں باشندہ سوداگری[ع] محلہ بریلی سوداگر چشمہ بروز جمعہ، ۱۱ ذوالقعدہ ۱۳۳۲ھ

ایک شخص نے ایک قربانی تین آدمیوں کے نام جو مرگئے ہیں کیا، وہ فرماتے ہیں قربانی درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب ۔ قربانی اللہ عزوجل کے لئے کی، اور اس کا ثواب جتنے مسلمانوں کو پہنچانا چاہا، اگرچہ عام امت مرحومہ کو تو قربانی درست ہوگی، اور ثواب سب کو پہونچے گا، اور اگر ان تینوں میتوں نے اپنی طرف سے قربانی کی وصیتیں کی تھیں، تو ہر ایک کے مال سے جدا قربانی لازم ہے، ایک قربانی دو کی طرف سے نہیں ہوسکتی، اگر کی جائے گی تو کسی کی طرف سے نہ ہوگی محض

ع اصل میں بیاض تھی اندازہ سے درست کیا۔

گوشت ہوگا، واللہ اعلم۔

مسئلہ ۔ از سیتاپور، ڈاکخانہ خیرآباد، مدرسہ نیازیہ، مرسلہ شکور اللہ صاحب، ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے نیت قربانی کی، اور عمرو نے عقیقہ کی نیت، جانور واحد معین میں کرکے جانور حلال کیا، اور دونوں نے آپس میں برابر گوشت تقسیم کرلیا، عمرو کا عقیقہ اور زید کی قربانی صحیح ہوئی یانہیں؟

الجواب ۔ گائے یا اونٹ میں دو سے سات تک شریک ہوسکتے ہیں، اور صحیح یہ ہے کہ کسی طرح باہم حصہ کریں جبکہ ایک حصہ سے کم نہ ہو جائز ہے، ہاں اگر ایک نے سوا چھ حصے لئے دوسرے نے پون تو وہ جانور نرا گوشت ہوگیا قربانی وعقیقہ کچھ نہ ہوا، نہ اس پون والے کا نہ سوا چھ والے کا کہ ایک حصہ سے کم میں تقرب نہیں ہوسکتا، اور جب اس کی ایک جز میں نہ ہوا تو کسی جز میں نہ ہوا، اللہ عزوجل ہر شریک سے غنی ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ بعض اُس کے لئے ہو اور بعض غیر کے لئے، جس کا ایک ذرہ غیر کے لئے ہو، وہ کل غیر کے لئے ہے، یہاں جبکہ دو شخصوں میں گائے نصفا نصف ہے تو ہر ایک کے ساڑھے تین حصے ہوئے، ایک حصہ ٹوٹا مگر اور سالم حصے موجود ہیں، اور قربانی عقیقہ دونوں اللہ ہی کے لئے ہیں، لہذا دونوں صحیح ہوگئے واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ ۹ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکرے دو طرح خصی کئے جاتے ہیں، ایک یہ کہ رگیں کوٹ دی جائیں اس میں کوئی عضو کم نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ آلت تراش کر پھینک دی جاتی ہے، اس صورت میں ایک عضو کم ہوگیا، ایا ایسے خصی کی بھی قربانی جائز ہے یانہیں؟ بعض لوگ بوجہ مذکور ممانعت کرتے ہیں، بینوا توجروا،

الجواب ۔ جائز ہے کہ اس کی کمی سے اس جانور میں عیب نہیں آتا، بلکہ وصف بڑھ جاتا ہے، کہ خصی کا گوشت بہ نسبت فحل کے زیادہ اچھا ہوتا ہے فی الھندیۃ عن الخلاصۃ یجوز المجبوب العاجز عن الجماع الخ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ ۹ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گائے کا کان چرا ہوا ہے، جیسے گاؤں کے لوگ بچپن میں کان چیر دیتے ہیں، کہ طول یا عرض میں شق ہوجاتا ہے، مگر وہ ٹکڑا کان ہی میں لگا رہتا ہے، جُدا نہیں ہوتا، اور اُس کے سینگ جو گھوم کر چہرے پر آئے، اور ایک سینگ آنکھ تک، ایا جس سے آنکھ کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا، اُس کی نوک تراش دی گئی، ایسی گائے کی قربانی شرعاً جائز ہے یانہیں، بینوا توجروا،

الجواب ۔ بلاشبہہ جائز ہے، مگر مستحب یہ ہے کہ کان آنکھ ہاتھ پاؤں بالکل سلامت ہوں، فی العالمگیریۃ تجزئ الشرقاء وھی مشقوقۃ الاذن طولا، والمقابلۃ ان یقطع من مقدم اذنہا شیئ ولا یبان بل یترک معلقا، والمدابرۃ ان یفعل ذلک بمؤخر الاذن من الشاۃ، وما روی ان رسول اللہ صلی اللہ

تعالٰی علیہ وسلم نہٰی ان یضحی بالشرقاء والمقابلۃ والمدابرۃ والخرقاء فالنہی فی الشرقاء والمقابلۃ والمدابرۃ محمول علی الندب والخرقاء علی الکثیر علی اختلاف الاقاویل فی حد الکثیر کذا فی البدائع، ردالمحتار میں ہے یضحی بالجماء ھی التی لاقرن لہا خلقۃ وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنہا بالکسر اوغیرہ فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز قہستانی، وفی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزئ والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ ۱۴ رجادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

ایک راس عقیقے کے لئے خریدی اس کا سینگ ٹوٹ گیا، اب دوبارہ پھر نکل آیا، یہ راس قابل قربانی ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ سینگ ٹوٹنا اُس وقت قربانی سے مانع ہوتا ہے جبکہ سر کے اندر جڑ تک ٹوٹے، اگر اوپر کا حصہ ٹوٹ جائے تو مانع نہیں، فی ردالمحتار یضحی بالجماء وھی التی لاقرن لہا خلقۃ، وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنہا بالکسر اوغیرہ، فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز قہستانی، وفی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزئ والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین، اھ پھر اگر ایسا ہی ٹوٹا تھا کہ مانع ہوتا، مگر اب زخم بھر گیا، عیب جاتا رہا، تو حرج نہیں، لان المانع قد زال وھذا ظاھر، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ مسئولہ مولوی خلیل الرحمٰن متعلم مدرسہ منظر الاسلام اہلسنت وجماعت، بریلی،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا جانور کس قدر صحیح ہونا چاہئے اور کس قدر سینگ جانور کا ٹوٹا ہوا ہو تو قربانی ہوسکتی ہے اور جڑ سے ٹوٹ گیا ہو تو کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ آنکھ کان ہاتھ پاؤں سب اعضا سلامت ہونا ضروری ہے، سینگ ٹوٹا ہونا مضائقہ نہیں رکھتا مگر جہاں سے سینگ اُگا ہے اگر وہاں تک ٹوٹا تو ناجائز ہے، ردالمحتار میں ہے قولہ (ویضحی بالجماء) ھی التی لاقرن لہا خلقۃ وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنہا بالکسر اوغیرہ فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز قہستانی، وفی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزئ والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین اھ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ از چونیاں، ضلع لاہور ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

انجمن مذکور کے اشتہار مذکور میں ہے جس جانور کے پیدائشی کان، دم نہ ہوں وہ جائز ہے، ہمارے اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک، اور ناجائز ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک، مگر چونکہ وہ روایت اصول ہے، اس واسطے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتوٰی کے اوپر فتوٰی دیتے ہیں، کہ جس جانور کے پیدائشی کان، دم نہ ہوں وہ جائز ہے،

اب حضرت مولانا صاحب جواب خود تحریر فرمائیں کہ ایسا مذکورہ بالا جانور واقعی قربانی میں جائز ہے یا کہ ناجائز

کیونکہ میں نے سُنا ہے کہ اکثر فتاوؤں میں ایسے جانور کو نا جائز لکھا ہے، حضرت صاحب انجمن کے اشتہار شائع شدہ میں یہ دونوں مسئلے اسی طرح لکھے ہیں، آیا یہ دونوں مسئلے درست لکھے ہیں یا کہ نہیں؟ مفصّل طور پر تحریر فرمائیں بحوالۂ کتب معتبرہ،

الجواب ۔ جس جانور کی اصل پیدائش میں کان اور دم نہ ہوں امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اُس کی قربانی جائز ہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک ناجائز، اور معتمد قول امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما، خانیہ میں ہے الشاۃ اذا لم یکن لہا اذن ولا ذنب خلقۃ یجوز، وقال محمد رحمہ اللہ لا یکون ھذا، ولو کان لا یجوز، وذکر فی الاصل عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ یجوز، اسی طرح اجناس وخلاصہ وبزازیہ میں ہے غالباً یہ ہے جس پر اشتہار میں اعتماد کیا، اور واقع میں وہ قابل اعتماد نہ تھا،

اولاً متون وشروح نے عدم جواز پر جزم کیا، اور قول خلاف کا نام نہ لیا، مختصر امام کرخی پھر غایۃ البیان علامہ اتقانی میں ہے قال ھشام وسألت ابا یوسف عن السکاء التی لا قرن لہا قال تجزیٔ فان لم یکن لہا اذن لا تجزیٔ وھو قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی، ہدایہ میں ہے السکاء وھی التی لا اذن لہا خلقۃ لا تجوز لان مقطوع اکثر الاذن اذا کان لا یجوز فعدیم الاذن اولٰی، عنایہ وغایۃ البیان ونتائج الافکار وغیرہا میں اس پر تقریر کی، منسک متوسط میں ہے لا یجوز الذی لا اذن لہ خلقۃ اولہ اذن واحدۃ، مسلک متقسط میں اس پر تقریر کی، تنویر الابصار ودرمختار میں ہے، ولا السکاء التی لا اذن لہا خلقۃ، طحطاوی وشامی میں اس پر تقریر کی، بدائع امام ملک العلماء میں ہے لا تجوز مقطوعۃ احد الاذنین بکمالہا، والتی لہا اذن واحدۃ خلقۃ، تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے السکاء وھی التی لا اذن لہا خلقۃ لا تجوز، مناسک امام کرمانی پھر شلبی علی الزیلعی میں ہے لانہ فات عنہ عضو کامل، شرح طحاوی امام اسبیجابی، پھر خزانۃ المفتین میں ہے۔ لا یجوز السکاء وھی التی لا اذن لہا خلقۃ اولا الیۃ لہا خلقۃ، اتقانی علی الہدایہ میں ہے قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی الاصل بلغنا عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال استشرفوا العین والاذن، وروی فی السنن عن علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان نستشرف العین والاذن وقد اعتبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقاء الاذن فمنع فواتہا من جواز الاضحیۃ، فتح اللہ المعین میں ہے لا یضحی بالسکاء وھی التی لا اذن لہا خلقۃ بخلاف صغیرۃ الاذن، مجمع الانہر میں ہے ولا السکاء وھی التی لا اذن لہا خلقۃ، سراجیہ میں ہے لا تجزیٔ التی لم یخلق لہا اذن۔

ثانیاً یہی قضیۂ حدیث ہے، کما علمت من غایۃ البیان۔ ثالثاً اس کی وجہ اظہر وازہر ہے کما علمت من الہدایۃ ومناسک الکرمانی، ایراث نقص میں عدم طاری واصلی میں تفرقہ کی کوئی وجہ ظاہر نہیں، رابعاً یہی اکثر کتب

میں والعمل بماعلیہ الاکثر،

خاصا یہی احوط ہے، تو بوجوہ اسی کو ترجیح، اور اسی پر اعتماد وعمل وفتویٰ واجب، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - ۹ ر ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے کی دُم تہائی کے قریب کٹی ہوئی ہے، اور ایک کان چرا ہوا ہے، مگر احصہ اُس کا جدا نہ ہوا کان ہی میں لگا ہے، تو اس صورت میں اُس کی قربانی جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب - جائز ہے، فی التنویر یضحی بالجماء لا بمقطوع اکثر الاذن اوالذنب، فی الدر المختار للاکثر حکم الکل بقاء وذھابا، فیکفی بقاء الاکثر وعلیہ الفتوی فی الھندیۃ تجزیٔ الشرقاء وھی مقطوعۃ الاذن طولا، والمقابلۃ ان یقطع من مقدم اذنھا شیئ، ولا یبان بل یترک معلقا والمدابرۃ ان یفعل ذلک بمؤخر الاذن، والنھی محمول علی الندب کذا فی البدائع اھ مختصرا واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - قصبہ کوسی کلاں، ضلع متھرا، محلہ مسجد منڈی، حافظ محمد رمضان پیش امام، بروز یکشنبہ ۱۶ ر ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

قربانی کی کھال سید کو یا والدین کو دینا درست ہے یا نہیں، کتاب مالابدمنہ کے اندر صدقہ نفل سید کو جائز لکھا ہے، اب یہ امر قابل تحقیق ہے کہ کھال قربانی صدقہ واجب ہے یا نفل ہے، سید کو قربانی کی کھال دیوے یا نہیں، اکثر لوگ قربانی کی کھال دیدیا کرتے ہیں، درست ہے یا نہیں؟

الجواب - قربانی کی کھال سادات کرام کو دینا جائز ہے، اپنے ماں باپ اولاد کو بھی دے سکتا ہے، شوہر زوجہ کو زوجہ شوہر کو دے سکتی ہے، وہ بہ نیت تصدق ہو تو صدقہ نافلہ ہے، ورنہ ہدیہ، سقا کو دینے میں بھی حرج نہیں، وھو تعالیٰ اعلم

مسئلہ - مرسلہ مولوی حاجی الٰہ یار خاں صاحب، تاجر کتب، ۲۱ ر ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

قربانی کی کھال کو بہ نیت تصدق فروخت کرنا، یا اس کی قیمت سے بوریا وغیرہ خرید کر مسجد میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب - جائز ہے کہ تصدق کے لئے بیچنا یا مسجد کے صرف میں لانا دونوں قربت ہیں، اور یہاں وہی مقصود، لاعین التصدق ولا تصدق العین، عالمگیری میں ہے لا یبیعہ بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسہ وعیالہ، ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز، لانہ قربۃ کالتصدق کذا فی التبیین اھ ملخصا واللہ تعالیٰ اعلم۔ **ایضاح الجواب** اصل یہ کہ اضحیہ مثل دم قران وتمتع وذبح تطوع، دم شکر ہے ان میں قربت مقصودہ صرف اراقت دم لوجہ اللہ سے حاصل ہو جاتی ہے، ولہٰذا ان کے لحم وغیرہ کا تصدق واجب نہ ہوا، اور خود کھانے کی بھی اجازت عطا فرمائی، قال تعالیٰ فَکُلُوْا مِنْھَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ، وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کُلُوْا وَ اَطْعِمُوْا وَ ادَّخِرُوْا۔ اخرجہ احمد والشیخان عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ اور کھال کی کوئی چیز مثل مشکیزہ و غربال و پوستین و توشہ دان و فرش و تکیہ و جلد کتاب وغیرہا بنا کر اپنے تصرف میں لانا بھی روا کما نص علیہ فی عامۃ کتب المذھب وعن ام المؤمنین عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت قالوا یارسول اللہ ان الناس یتخذون الاسقیۃ من ضحایاھم ویجملون فیھا الودك فقال وما ذاك قالوا نھیت ان توکل لحوم الاضاحی بعد ثلث، قال انما نھیتکم من اجل الدافۃ فکلوا وادخروا وتصدقوا، اخرجہ احمد والبخاری ومسلم۔ اسی طرح مذہب صحیح میں جلد ولحم کی تبدیل بھی ایسی اشیاء سے جائز ٹھہری جو اپنی بقائے عین کے ساتھ استعمال میں آئیں، جیسے برتن، کتابیں، کپڑے، ہدایہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے، و اللفظ للھدایۃ تعمل منہ اٰلۃ تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوھا لان الانتفاع بہ غیر محرم ولاباس بان یشتری بہ ما ینتفع بہ فی البیت بعینہ مع بقائہ استحسانا، وذلك مثل ما ذکرنا، لان للبدل حکم المبدل، واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح، اھ ملخصا، یونہیں اغنیاء کو گوشت یا کھال یا اس کی کوئی چیز بنا کر یا اسی قسم کی اشیا اُن کے عوض خرید کر ہدیہ دینا بھی جائز ہوا، لانہ لما جاز التصرف بنفسہ، فجواز الھدیۃ من باب اولٰی کما استدل فی الھدایۃ لجواز اطعام الغنی بقولہ متی جاز اکلہ وھو غنی جاز ان یوکل غنیا، ولہٰذا فقیر کو دینے میں تملیک شرط نہ ہوئی، بلکہ اباحت بھی روا ٹھہری، یعنی دے نہ ڈالے، بلکہ دسترخوان پر بٹھا کر کھلا دے، شرح نقایہ علامہ برجندی میں ہے ویوکل ای یطعم من شاء منھا علی طریق الاباحۃ، سواء کان فقیرا اوغنیا، ویھب من یشاء علی سبیل التملیك، فقیرا اوغنیا شرح لباب میں ہے کل دم وجب شکرا، فلصاحبہ ان یاکل منہ ماشاء، ویوکل الاغنیاء، ولو بالاباحۃ والفقراء تملیکا، او اباحۃ، ولایجب التصدق بہ، لابکلہ، ولا ببعضہ، اھ ملخصا، اور یہ معنٰی خود آیت وحدیث سے مستفاد کہ اَطْعِمُوْا فرمایا نہ اعطوا، البتہ یہ ناجائز ہے کہ اپنے یا اپنے اہل وعیال یا اور اغنیا کے صرف میں لانے کو گوشت یا کھال یا کسی جز کو بعوض ایسی اشیا کے فروخت کرے، جو استعمال میں خرچ ہوجائیں، اور باقی نہ رہیں، جس طرح روپیہ پیسہ یا کھانے پینے کی چیزیں یا تیل پھلیل وغیرہ، کہ ان کے عوض اپنی نیت سے بیچنا تمول ہے، اور نیت اغنیا مثل اپنی نیت کے ہے، اور یہ جانور جس سے اقامت قربت ہوئی، اس قابل نہ رہا کہ اس کے کسی جز سے تمول کیا جائے، ہدایہ میں ہے لایشتری بہ ما لاینتفع بہ الا باستھلاکہ کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراھم، والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول، علامہ عینی بنایہ میں فرماتے ہیں والمعنی فی عدم اشتراء ما لاینتفع بہ الابعد استھلاکہ انہ تصرف علی قصد التمول، وھو قد خرج عن جھۃ التمول، بخلاف اس کے کہ اس قسم کی اشیا سے مصرف خیر میں صرف کرنے کو مبادلہ کرے، کہ اس میں معنی ممنوع یعنی تمول متحقق نہیں، تو اس نیت سے یہ استبدال بھی جائز، ولہٰذا تبیین میں فرمایا لو باعھا

بالدراھم لیتصدق بھاجاز لانہ قربۃ کالتصدق، خلاصہ یہ کہ بعد قربانی اس کے اجزا میں ہر قسم کا تصرف غنی کو حلال ہے، مگر وہ جس میں معنی تمول پائے جائیں، اسی لئے مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں تصریح کی کہ المعنی انہ لایتصرف علی قصد التمول اھ،

اس تحقیق وتنقیح سے واضح ہوا کہ علماء جو ایک شق تصدق کی لکھتے ہیں، اُس کے یہ معنی نہیں کہ تصدق عین ضروری ہے، یعنی خاص اُسی چیز کو بغیر بدلے خیرات کرے، بلکہ مطلقاً ہر شئی کے عوض بیچ کر خیرات کرنی جائز ہے، خواہ روپے پیسے ہوں یا اشیائے خوردنی یا اعیان باقیہ، نہ عین تصدق ضرور ہے، جس کے حقیقی معنی فقیر کو مالک کرنا، کما فی الزکوٰۃ من فتح القدیر حقیقۃ الصدقۃ تملیك الفقیر، بلکہ مطلقاً ہر مصرف خیر میں صرف کرنا جائز ہے، اگرچہ اُس میں کسی کی تملیک نہ ہو، جیسے کفنِ موتیٰ ونفقۂ مسجد وغیر ذلک، ولہٰذا اباحت روا ٹھہری، اور علامہ زیلعی کی عبارت مذکورنے صاف واضح کردیا کہ قربت چاہئے خاص تصدق کی کوئی خصوصیت نہیں، اور خود ظاہر ہے کہ جب بے صورت تمول اپنے اور اغنیا کے صرف میں لانا روا ہوا، اور جانور کا قربت کے لئے ہونا اس کا مانع نہ ٹھہرا تو مصارف خیر جن میں اصلا بوئے تمول نہیں اور خود امور قربت ہیں، بدرجۂ اولیٰ جائز ہوں گے،

اب حکم مسئلہ بحمد اللہ روشن ہولیا، بہ نیت تصدق داموں سے بیچنا عبارت فتاوی ہندیہ سے گزرا، اور مسجد کی چٹائی وغیرہ میں صرف کرنا بھی قربت ہے نہ اپنا تمول جو ممنوع ٹھہرا، پس دونوں صورت مسئولہ سائل کا حکم جواز ہے، یہ بحمد اللہ تعالیٰ وہ تحقیق ہے جس سے اس فصل کی تمام جزئیات کا حکم نکل سکتا ہے، فاتقن ھذا العلك لا تجدہ بھذا الایضاح والتحریر فی غیر ھذا التحریر، ولا علیك من خفائہ علی بعض[عہ] ابناء الزمان المدعین العلم العزیز، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۱۳۱۴ھ - از بنارس، محلہ کنڈی گڈ ٹولہ، مسجد بی بی راجی، شفاخانہ، مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب، ۲۵ محرم الحرام

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی واسطے تعمیر مسجد واشیائے متعلقہ مسجد مثل بوریا بدھنا فرش، شامیانہ وغیرہ یا برائے درستگی قبرستان کے دینا جائز ہے یانہیں؟ درصورت عدم جواز کے اگر کوئی شخص مصرف مذکور میں صرف کرے، یا سرا پایہ وغیرہ کسی ہندو کا فرکو دے، تو اس کی قربانی درست ہوگی یانہیں،

الجواب - قربانی اراقتِ دم لوجہ اللہ سے ہوجاتی ہے، کما نص علیہ العلماء قاطبۃ، اس کے بعد کھانے کھلانے دینے دلانے سے اُس میں کچھ فرق نہیں آتا، اگرچہ کسی کو دے، اور چرم کے باب میں ابھی بیان ہوا کہ ہر قربت روا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۱۳۱۰ھ - از موضع کٹرہ، ڈاکخانہ ادبرہ، ضلع گیا، مرسلہ مولوی سید عبدالکریم رضا صاحب، غرہ جمادی الآخرہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت پوست قربانی مرمت مسجد اور بوریا وغیرہ مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یانہیں؟ اور غسل خانہ، پاخانہ، وارد ین مسجد کیلئے اس قیمت سے بنوانا جائز ہے یانہیں، بینوا توجروا۔

[عہ] مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی

الجواب ۔ اصل یہ ہے کہ اراقت دم سے اقامت واجب کے بعد اجزائے اضحیہ سے صرف تمول ممنوع ہے خاص تصدق ضرور نہیں، بلکہ جمیع انواع خیر کہ مثل تصدق قربت ہیں، سب جائز ہیں، اور بلا بیع خود اپنے تصرف میں لانا دیگر احباب اغنیا کو ہدیہ دینا بھی جائز، کما طفحت بنقول ذلک کتب المذھب المعتمدۃ، ولنا فی خصوص ذلک رسالۃ حافلۃ سمیناھا "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کلوا وادخروا واتجروا، کھاؤ اور اٹھا رکھو، اور وہ کام کرو جس سے ثواب حاصل ہو، رواہ ابوداؤد عن نبیشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ تبیین الحقائق میں ہے، لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق۔ لباب میں ہے لایجب التصدق بہ، شرح میں ہے لابکلہ ولا ببعضہ،

بالجملہ مدار قربت وعدم تمول پر ہے، اور شک نہیں کہ مسجد کی مرمت، اس میں بوریا وغیرہ آلات کا رکھنا، غسل خانہ بنانا، سب افعال قربت ہیں، تو ان میں اس کا صرف ضرور جائز، اسی طرح واردین مسجد کے لئے پاخانہ بنوانا، اگر فنائے مسجد سے جدا اور زمین وقف میں خلاف مشروط تصرف سے برکراں ہو، باعث اجر ہے، کما لایخفی، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھالیں تعمیر دیوار مسجد کے لئے دیدینا جائز ہے یا نہیں، اور اگر کھالیں بیچ کر دام کرلئے ہیں تو یہ دام صرف مسجد میں دیدینا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب ۔ اگر کھالیں صرف مسجد کے لئے پہلے سے دیدی جائیں، یا ان کا داموں کے عوض بیچنا اپنے صرف میں لانے کے لئے نہ ہو، بلکہ امور قربت وثواب کی غرض سے ہو، تو ان داموں کا مسجد کے صرف کے لئے دیدینا، یہ دونو صورتیں جائز ہیں، اور اگر کھالیں اپنے صرف میں لانے کے لئے داموں کو بیچ ڈالیں، تو یہ دام مسجد میں صرف نہیں ہوسکتے، بلکہ مساکین کو دیئے جائیں، جس مسکین کو دے وہ اپنی طرف سے مسجد میں لگادے، تو مضائقہ نہیں، وذلک لان الطریق فی الجلود اما الادخار واما الاتجار، فاذا اعطاھا المسجد، او باعھا لامور القرب، و اعطی الثمن فیہ، فقد اتی بما ینبغی، اما اذا باعھا للتمول، فقد خالف فما حصل خبیث، وسبیلہ التصدق، وانما التصدق تملیک للفقیر، اما اذا ملک فقیرا، فاعطی المسجد فلاحرج، فان الصدقۃ قد بلغت محلھا، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ مرسلہ جناب حکیم سراج الحق صاحب، شہر الہ آباد دروازہ جناب حضرت شاہ محمد اجمل صاحب

۵ ذی الحجہ یکشنبہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا چمڑا فروخت کرکے مسجد کی جانماز

اور مسجد کی مرمّت کرنا، اور مسجد میں لگانا، عام اس سے کہ مسجد کی دیوار ہو یا مسجد کا پائخانہ، غسل خانہ، وغیرہ ہو، جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ۔ قربانی کی کھال ہر اس کام میں صرف کرسکتے ہیں جو قربت وکارِ خیر وباعث ثواب ہو، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قربانی کی نسبت فرماتے ہیں کلوا وادخروا وائتجروا، کھاؤ اور اٹھا رکھو، اور وہ کام کرو جس سے ثواب ہو، رواہ ابوداؤد عن نبیشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے لوباعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز، لانہ قربۃ کالتصدق، مگر فنائے مسجد میں پائخانہ بنانا قربت نہیں، بلکہ ممنوع ہے کہ مسجد کو بوئے بد سے بچانا واجب، اور اس کی فنا کا ادب بھی اسی کی مانند ہے، یہاں تک کہ علماء نے فنائے مسجد میں بعد مسجدیت جدید دکان بنانے کی ممانعت فرمائی، کہ باعثِ بیحرمتی ہے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے، قیم المسجد لا یجوزلہ ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائہ، لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسکنا یسقط حرمتہ، وھذا لایجوز والفناء تبع المسجد، فیکون حکمہ حکم المسجد، کذا فی محیط السرخسی، ہاں اگر حدود وفنائے مسجد سے دور کوئی پائخانہ مسافروں اور بے گھر نمازیوں کے لئے متعلق مسجد ہے تو اس کی تعمیر یا مرمّت ضروری بھی نیت صالحہ سے ضرور قربت وموجب اجر ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۲۴ھ۔ مولانا مولوی بشیر احمد صاحب علی گڈھی بالائے قلعہ مدرس اول مدرسہ منظر الاسلام ۱۹ ذی الحجہ یوم یکشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کھال قربانی بیچ کر مسجد بنانا درست ہے یا نہیں، اور کوئی عمارت مثل مسافرخانہ، نشست کی چوپال جس میں مسافر یا اپنے ہم قوم مقیم ہوسکیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ مسجد یا لوجہ اللہ مسافرخانہ وغیرہ آرام مسلمانان کی عمارت بنانا جس میں اجر ہو اور حصول اجر ہی کی نسبت ہو، بالجملہ ہر اس کام میں جو شرعًا قربت ہو، قربانی کی کھال صرف کرنا ہرگز ممنوع نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اضحیہ کی نسبت جیسا تصدقوا فرمایا، صدقہ کرو، یونہیں وائتجروا بھی ارشاد فرمایا، وہ کام کرو جس میں ثواب ہو، رواہ ابوداؤد عن نبیشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ، امام زیلعی شرح کنز میں فرماتے ہیں لوباعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق، معلوم ہوا کہ تعین تصدق لازم نہیں، بلکہ قربت ہونا درکار ہے، تصدق بھی اسی لئے مطلوب ہوا کہ قربت ہے، تو جو قربت ہو سب کی وسعت ہے، ہاں بہ نیت تموّل اپنے صرف میں لانے کو اس کے دام کرنا جائز نہیں، حدیث من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ، رواہ الحاکم والبیھقی عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہی محل ہے، اور حدیث صحیحین میں مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے شتران قربانی حج کی نسبت حکم فرمانا کہ ان کا گوشت پوست تصدق کردیں، جوازِ تصدق کی دلیل ہے، نہ تعیین تصدق کی، ورنہ اکل وادخار بھی ممنوع ہوجائے، حالانکہ بالاجماع جائز ومنصوص ہے، وہ واقعہ حال ہے، اور وقائع حال کیلئے

عموم نہیں، اسی حدیث میں ان کی نکیلیں اور جھولیں تصدق کر دینے کا بھی حکم ہے، تو یہ جواد کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بخشش تھی نہ کہ عام تشریع، ہاں جس نے تمول کے لئے بیچی، وہ ان داموں کو تصدق ہی کرے، کہ اول ان کا حصول بر وجہ خبیث ہے، اور جو مال یوں حاصل ہوا اس کی سبیل تصدق ہے، عبارت ہدایہ کا یہی مطلب ہے، خود ہدایہ میں فرمایا المعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول، اس مسئلہ کی تحقیق تام مع ازاحت اوہام فقیر کے رسالہ" الصافیۃ الموحیہ لحکم جلود الاضحیۃ" میں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ از جیت پور کاٹھیاوار، مرسلہ مولوی نور محمد عرف باوامیاں بن قاضی محمد ہاشم امام مسجد جامع جیت پور
۳ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

بخدمت اقدس عالی جناب فیضمآب اعلم اہلسنت وجماعت مجدد مائۃ حاضرہ، مؤید ملت طاہرہ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی مفتی حاجی شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ برکاتکم ومدفیوضاتکم علینا آمین از جانب احقر العباد نور محمد بن قاضی محمد ہاشم کے، بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے گذارش یہ ہے کہ قربانی کے چمڑوں کو یہاں کے مسلمان اپنے اپنے محلہ کی مسجد میں للہ خیرات دیتے ہیں، اور متولیان مسجد ان کو بیچ کر قیمت جمع رکھتے ہیں، اور حسب ضرورت امام کا پگار اس رقم میں سے دیتے ہیں،

پس یہ قربانی کے چمڑوں کا مسجد میں خیرات دینا اور اس پیسوں کا امام کو دینا یا دوسرے ضروری خرچ مسجد ڈول رسّی وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ قربانی کے چمڑوں کو للہ مسجد میں دیدینا کہ انھیں یا ان کی قیمت کو متولی یا منتظمان مسجد، مسجد کے کاموں مثلاً ڈول رسّی، چراغ بتی، فرش مرمت، تنخواہ مؤذن، تنخواہ امام وغیرہا میں صرف کریں، بلاشبہہ جائز و باعث اجر و کار ثواب ہے، تبیین الحقائق میں ہے جاز لانہ قربۃ کالتصدق، اسی طرح ہدایہ وکافی وعالمگیری وغیرہا میں ہے،

ابوداؤد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کلوا وادخروا وائتجروا، امام اگرچہ غنی ہو اسکی تنخواہ دینے کو متولی یا منتظم ان چمڑوں کو بیچ سکتے ہیں، یا پہلے سے انھوں نے مصارف مسجد کے لئے دام کر رکھے ہیں، تو انہیں سے تنخواہ دے سکتے ہیں، فان الجلد قد وصل موضع التقرب وعطاء وظیفۃ امام المسجد ایضا قربۃ، و ان لم یکن اخذھا قربۃ للغنی بل مباحا علی المفتی بہ، فلم یکن فی معنی البیع بالدراھم لھدیۃ غنی واللہ اعلم

مسئلہ ۔ مسئولہ حافظ محمد ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور، محلہ پٹھان ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی میں امام یا مؤذن مسجد کو دینا یا اس کی قیمت فروخت کرکے دینا جائز ہے یا نہیں، اگر پیش امام تنخواہ پاتے ہیں تو کیا حکم ہے، اور جن کی کوئی تنخواہ بھی مقرر نہیں، صرف عید کو کچھ بطور ہدیہ چندہ کرکے دیدیا، عید الضحیٰ کو قربانی کے چرم وغیرہ دیدیئے، یا محلہ میں نکاح خوانی لیں، اسی پر ان کا گزر اوقات ہے

توالیوں کے واسطے چرم قربانی یا اس کی قیمت دینا کیسا ہے، اور کیا حکم ہے، بینوا توجروا، کانجی ہوس کے نیلام کی راس اور عدالت سے کسی شخص کے قرضہ کی بابت کے نیلام کی راس قربانی کے واسطے علیحدہ علیحدہ کیا حکم رکھتی ہے،

الجواب - (۱) امام و مؤذن غیر تنخواہ دار کو بطور اعانت چرم قربانی یا اس کی قیمت دینے میں حرج نہیں، اور تنخواہ دار کو بھی جبکہ تنخواہ میں نہ دیں، یعنی زید نے امام کو نوکر رکھا اور اس کی تنخواہ اس کے ذمہ ہے، یہ قربانی کی کھال بیچ کر اسے ادا کرے تو اپنا روپیہ بچاتا اور اپنا مطالبہ اس سے ادا کرتا ہے، اور یہ تمول ہے، اور قربانی سے تمول جائز نہیں، ہاں اگر اہل محلہ نے امام و مؤذن کو مسجد کا نوکر رکھا، جس کی تنخواہ ذمہ مسجد ہے، تو چرم قربانی یا اس کی قیمت مسجد میں دیکر اس سے تنخواہ ادا کر سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

(۲) کانجی ہوس کے نیلام کی راس خریدنا جائز نہیں، نہ اس کی قربانی ہو سکے، کہ وہ فضولی کی بیع ہے، یعنی غیر مالک کی بے اجازت مالک، اور ایسی بیع اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے، اور بیع موقوف قبل اجازت مفید ملک نہیں ہوتی اور ملک غیر کی قربانی نہیں ہو سکتی، اسی طرح کچہری کا نیلام جبکہ قیمت اُس مطالبہ سے زائد نہ دی گئی ہو جس میں وہ نیلام ہوا، وہ نیلام بھی بے رضائے مالک ہے، ہاں مثلاً اگر سو روپے کا مطالبہ تھا اور ایک سو ایک کو نیلام ہوا، سو روپے ڈگری دار کو دیے گئے، اور باقی روپیہ اصل مالک کو، اور وہ اس نے لے لیا، تو یہ اس بیع کی اجازت ہو گئی، اب خریدار اُس شیئ کا مالک ہو جائے گا، اور اس کی قربانی صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از موضع سٹیلہ، ڈاکخانہ موانہ کلاں، ضلع میرٹھ، مرسلہ مجید اللہ خاں ۲۹ رصفر ۳۴ھ

حَامِدًا و مُصَلِّیًا، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین مسائل ہٰذا میں:

(۱) کھال قربانی کی اگر ہم لوگ بلا رعایت کسی استحقاق خدا کے واسطے خیال کر کے اگر اپنے امام مسجد کو دیویں تو جائز ہو گا یا نہیں،

(۲) آج ہمارا امام غریب ہے، کل کو خدا کے فضل سے صاحب نصاب ہو گیا، تو کھال قربانی اس صورت میں بھی دینا جائز ہو گا یا نہیں،

(۳) سیّد صاحب کو کھال قربانی، اور مدِ زکوٰۃ سے مسلوک ہونا جائز ہو گا یا نہیں،

(۴) صاحب قربانی اپنی قربانی کی کھال کو اپنے صرف میں لا سکتا ہے، تو کس کس خرچ میں، ڈول، مصلّٰی، مشک وغیرہ کے علاوہ تاڑی سائی وغیرہ بھی بنوا سکتا ہے یا نہیں - فیض اللہ خاں، حبیب خاں، جھنڈو خاں، کالے خاں پسر جنگ باز خاں۔

الجواب - (۱) واجب اضحیہ اراقۃ دم سے ادا ہو جاتا ہے، اس کے بعد لحم و جلد اس کی ملک ہیں، اس میں ہر تصرف مالکانہ کر سکتا ہے، صرف تمول ممنوع ہے، تو کھال بعینہٖ خواہ اس کا ڈول، مشک، کتاب کی جلد وغیرہ بنوا کر

اپنے صرف میں لاسکتا ہے، سیّد کو بھی دے سکتا ہے، ہر غنی کو دے سکتا ہے تو امام نے کیا قصور کیا ہے، عام ازیں کہ صاحبِ نصاب ہو یا نہ ہو، ہاں اُسے داموں سے بیچنا اس غرض سے کہ وہ دام اپنے یا کسی غنی کے صرف میں لائے جائیں، جائز نہیں، وہ غنی امام ہو یا غیر، یونہیں اگر امام اس کا نوکر ہے، اور اس کی تنخواہ کے بدلے کھال دی تو ناجائز ہے، کہ یہ بھی تموّل ہوا یعنی کھال دے کر مال بچانا، اور اگر کھال اس لئے بیچی کہ اس کے دام تصدّق کرے، تو امام غیر صاحبِ نصاب کو دے سکتا وکل ذٰلک مفصل فی فتاوٰنا وفی رسالتنا الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، نہ انھیں لینا جائز، نہ اُن کے دیئے ادا ہو، یہی ظاہر الروایۃ ہے، اور یہی صحیح ہے کما بیناہ فی رسالتنا "النھر الباسم فی حرمۃ الزکوٰۃ علی بنی ھاشم" امامت کے معاوضہ میں بھی چرمِ قربانی دینا ایک صورت میں جائز ہے، وہ یہ کہ متولیانِ مسجد یا اہلِ محلہ نے اسی طرح اسے مقرر کیا کہ تم امامت کرو قربانی کی کھالوں سے تمہاری خدمت کی جائے گی، یہ صورت بھی صورتِ تموّل نہیں، چرمِ قربانی جس طرح مذکور ہوا اپنے مصرف میں مطلقًا لا سکتا ہے، رنگوانے کی شرط محض رنگ آمیزی حماقت ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۳۴ھ: مرسلہ سید محمد حسن علی قاضی، مہدپوا علاقہ اندور، محلہ جمال پورہ، بروز یکشنبہ تاریخ ۲۲ ربیع الثانی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کیسے شخص کو دینا درست ہے اور جائز ہے، اور اگر قربانی کی کھال صاحبِ نصاب کو دیدیں تو قربانی اس کی جائز ہوئی یا نہیں، اگر قربانی کی کھال صاحبِ نصاب کو کہ وہ پیش امام بھی مسجد کا ہے، دیدی، تو قربانی اس کی درست اور جائز ہوئی یا نہیں، اگر قربانی کی کھال مسجد کے پیش امام کا حق سمجھ کر اس کو دیدی جاوے، یا وہ پیش امام اُن کھالوں کو اپنا حق سمجھ کر بزور لیوے، تو اُن کھالوں کا اس شخص کو دینا درست اور جائز ہے یا نہیں؟ اور قربانی ان لوگوں کی درست اور جائز ہوئی یا نہیں، اگر قربانی کی کھالیں کسی مسجد کی تعمیر کے کام میں لاویں، یا ان کو فروخت کرکے مسجد کے جانماز بنوالیں، یا مسجد کے اور کام میں لاویں، مثلاً مسجد کا سقاوا بنوالیں یا مسجد میں اس کی قیمت کا پانی ڈلوائیں، تاکہ سب نمازی وضو کریں، یا مسجد میں آفتابہ بنوائے جائیں، تاکہ نمازی وضو کریں، ان سب صورتوں میں قربانی درست اور جائز ہوئی یا نہیں؟ بحوالۂ حدیث وآیات کتبِ معتبرہ تحریر فرمادیں اجر ملیگا، دن قیامت کے نزدیک اللہ جل شانہٗ کے۔

الجواب: قربانی اراقۃ دم لوجہ اللہ کا نام ہے، واجب اس قدر سے ادا ہوجاتا ہے، پھر اس کے گوشت پوست کے لئے تین صورتیں ارشاد ہوئی ہیں، بعینہٖ اپنے صرف میں لایا جائے، یا وقتِ حاجت کے لئے ذخیرہ رکھا جائے، یا اس سے ثواب کا کام کیا جائے، کلوا وادخروا وائتجروا، ثواب میں وہ مسجد کے سب کام داخل ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے، اجزائے اضحیہ سے صرف تموّل ممنوع ہے، کہ اس کے دام کرکے اپنے کام میں لائے جائیں، من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ، کھال کی جس طرح جانماز یا کتابوں کی جلدیں، یا مشکیزہ اپنے لئے بنوا سکتا ہے، یونہیں کسی غنی کو بھی ہدیہ دے سکتا ہے، اگرچہ وہ غنی امام ہو جبکہ

اس کو تنخواہ میں نہ دی جائے، اور اگر تنخواہ میں دے، تو امام اگر اس کا نوکر ہے جس کی تنخواہ اسے اپنے مال سے دینی ہوتی ہے، تو دینا ناجائز، کہ یہ وہی تمول ہوا، جو ممنوع ہے، اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے جس کی تنخواہ مسجد دیتی ہے، تو جائز ہے کہ یہ مسجد میں دیدی، اور مسجد کی طرف سے امام کی تنخواہ میں دی جائے، قربانی کی کھالوں میں امام کا کوئی حق نہیں، اور اس سے جبرًا لینا حرام ہے، قال اللہ تعالی لَاتَاکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از کیلا کھیڑا، ڈاکخانہ بازپور، ضلع نینی تال، مرسلہ عبدالمجید خاں صاحب، ۱۱؍ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ

اس علاقہ میں یہ رسم ہے کہ بقرعید کی قربانی کی کھال مسجد کے پیش امام کو دیتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ۔ قربانی کی کھال امام مسجد کو دینا جائز ہے، اگر وہ فقیر ہو، اور بطور صدقہ دیں یا غنی ہو، اور بطور ہدیہ دیں، لیکن اگر اس کی اجرت اور تنخواہ میں دیں، تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر وہ اپنا نوکر ہے تو اس کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں، اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے، اور کھال مہتمم مسجد کو مسجد کے لئے دیدی، اس نے مسجد کی طرف امام کی تنخواہ میں دیدی، تو اسمیں کچھ حرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ مسئولہ محمد عبدالحافظ صاحب، میمن سنگھی، مدرس مدرسہ یاکدسر بوست لکھیا ضلع میمن سنگھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی جلد سے مسجد بنانا اور مسجد کے چونا لگانا اور مرمت کرنا، اور چٹائی و فرش خریدنا جائز ہے یا نہیں ؟ بدلائل کتب صافیہ و عبارات صحیحہ سے بیان فرمایا جائے، فقط

الجواب ۔ جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کلوا وادخروا وائتجروا کھاؤ اور اٹھار کھو اور ثواب کے کاموں میں خرچ کرو، رواہ ابوداؤد عن نبیشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ، تبیین الحقائق و فتاوی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے، لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق، ثابت ہوا کہ خاص تصدق ضرور نہیں، بلکہ ہر قربت۔ ہاں اس سے اپنا تمول ممنوع ہے، کہ اپنے خرچ کے لئے روپوں یا کسی ایسی ہی چیز سے بدلے جو خرچ ہو جاتی ہے، بنایہ شرح ہدایہ للامام العینی میں ہے، المعنی فی عدم اشتراء ما لاینتفع بہ الا بعد استہلاکہ انہ تصرف علی قصد التمول، وھو قد خرج عن جھۃ التمول، ظاہر ہے کہ مسجد میں صرف کرنا تمول سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا، بلکہ تصرف[ع] باطل ہے، کوئی ذی شعور ایسا نہیں کہہ سکتا، نہ کہ ذی علم، اُن مدعیوں پر فرض ہے، کہ اولًا شرع مطہر سے اس کا ثبوت دیں کہ جس مسجد کی مرمت پوست قربانی سے ہوئی ہو اس میں نماز ناجائز ہے، جب وہ ثبوت دینے کا ارادہ کرینگے اُن پر کھل جائے گا کہ ان کی دونوں باتیں محض بے اصل و باطل تھیں، اُن پر توبہ فرض ہے، کہ شرع مطہر پر افترا بہت سخت چیز ہے، اللہ تعالٰی ہمارے بھائیوں کو توفیق خیر دے، آمین، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از رنگون مگول اسٹریٹ یونانی ڈسپنسری (یونانی شفاخانہ) مرسلہ حکیم محمد ابراہیم راندیری ۲۰؍ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

[ع] فی الاصل ھکذا العلہ من قلم الناسخ والصحیح بلکہ اسکو تمول کہنا تصرف باطل ہے ۱۲ عبدالمنان الاعظمی

اس بستی میں دستور ہے کہ قربانی کی کھالیں مسجد کے پیش امام کو دیدیتے ہیں، اگر نہ دی جائے تو جھگڑا بھی ہوتا ہے اور پیش امام صاحب بھی یوں فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھالوں کا میں حقدار ہوں، ضرور مجھے دی جائے، اور اہل جماعت یوں کہتے ہیں کہ پیش امام صاحب کو قربانی کی کھالیں تبرعًا دینا جائز ہیں، نہ جبراً، جب تبرعًا دینا جائز ہے تو کچھ حصہ قیمت چرم قربانی کا امام صاحب کو دیں گے، اور کچھ حصہ دیگر مساکین کو دیا جائے تو زیادہ افضل ہے، پس اختلاف طرفین کی جانب سے ایک مولوی صاحب منصف قرار دیئے، منصف مولوی صاحب نے یوں حکم دیا کہ قربانی کی کھال سب کی سب مسجد کے پیش امام صاحب کو دیدو، اور کسی دیگر مساکین کو نہ دو، اس واسطے کہ وہ لوگ تمھاری حیات وممات کے حقدار نہیں، اور پیش امام صاحب پر جبراً لینے سے بھی گناہ نہیں، اگر گناہ واقع ہو تو میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ حشر کے دن اُس گناہ کی جزا سزا میں نے لی، تم لوگ بے خوف قربانی کے سب چمڑے پیش امام صاحب کو دیدو۔

حاضرین محفل میں سے کسی صاحب نے ان مولوی صاحب سے یہ عرض کیا کہ میں نے ایک گائے کی قربانی کی، اور دو مسکینوں نے ایک ساتھ چمڑا مانگا، ان کو دیا جائے یا نہیں؟

مولوی صاحب نے جواب دیا کہ ایک چمڑے کی قیمت یا چمڑہ دو مسکینوں کو دینا مکروہ و منع ہے، اُس نے پھر کہا کہ دوسرا مسکین بھی تو سائل ہے، مولوی صاحب نے کہا کہ دوسرے سائل کا سوال اُس کی دُبر میں جانے دو،

اب سوال یہ ہے کہ ۱؎ اس طرح جبراً قربانی کی کھال پیش امام کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ ۲؎ اگر جبراً لے لیا تو اس پیش امام کے حق میں حکم شرعی کیا ہے؟ ۳؎ اور اسی طرح جو شخص جبراً لینے والے کی مدد کرے، اس مددگار کے حق میں کیا حکم ہے؟ ۴؎ اگر کوئی شخص اس خیال سے کہ امام صاحب کو تنخواہ ملتی ہے، قربانی کی کھال نہ دے تو اس شخص پر امام صاحب کو حاضرین مجلس کے ساتھ غضب خدا پڑنے کی بددعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ۵؎ اُس منصف مولوی صاحب کے حق میں جس نے حشر کے دن مواخذۂ خداوندی کی ضمانت لے لی ہے، کیا حکم ہے، نیز منصف مولوی صاحب ایک مسجد کے پیش امام ہیں، اُن کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ۶؎ جو شخص حق کو باطل کرے، اس کے حق میں حکم شرعی کیا ہے؟ ۷؎ ایک کھال کئی مسکینوں کو صدقہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب - اس شخص نے جھوٹ کہا کہ قربانی کی کھالیں اُس کا حق ہیں، شریعت مطہرہ نے کھالوں میں اتنے اختیار دیئے ہیں، وہ صورت کرے کہ بعینہٖ ان کو باقی رکھ کر استعمال میں لائی جائیں، مثلاً مشک یا ڈول یا کتابوں کی جلدیں بنوالے، یا کسی ایسی ہی چیز سے جو باقی رکھی جاتی ہے بدل لے، مثلاً اُن کے بدلے برتن، یا کتاب خریدلے، یا بعینہٖ کھال اپنے عزیزوں، قریبوں خواہ کسی غنی کو دیدے، یا مسجد یا مدرسہ دینی میں دیدی جائے، یا اُسے تقرب الی اللہ کے لئے بیچکر اُس کے دام فقرا مساکین طلبہ وغیرہم مصارفِ خیر کو دیئے جائیں، خواہ ایک کو یا سو کو، یہ جو اس شخص نے کہا کہ ایک چمڑے کی قیمت یا ایک چمڑا دو کو دینا منع ہے، محض جھوٹ کہا، اور شریعت مطہرہ پر افترا کیا، اور اس کا یہ کہنا کہ پیش امام کو جبراً

لینے سے بھی گناہ نہیں، شریعت پر اس کا دوسرا افترا اور ظلم کو جائز کرنا ہے، اور اُس پر وہ سخت جرأت کہ اُس پر جو سزا ہو وہ اپنے ذمہ لی، عذابِ الٰہی کو ہلکا سمجھنا اور معاذ اللہ کلمۂ کفر ہے، اس کی امامت جائز نہیں، اور یہ پیش امام اگر کھالیں لینے پر جبر کرے اور اس سے باز نہ رہے تو یہ بھی فاسق معلن ہے، اور اس کا امام بنانا گناہ، اور اس جبراً لینے میں جو اس کی مدد کرے وہ سخت شدید گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، حدیث میں ہے من مشی مع ظالم لیعینه وھو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام جو دانستہ ظالم کی مدد کو چلا وہ اسلام سے نکل گیا، اور جو شخص امام کو کھال نہیں دیتے خواہ وہ تنخواہ پاتا ہو، یا نہ پاتا ہو، اس میں ان پر کوئی شرعی الزام نہیں، کہ امام کو دینا شرع نے واجب نہ کیا تھا، نہ کھال امام کا حق تھی، کہ اس کی حق تلفی ہوتی، اس پر جو امام نے اُس مسلمان کو وہ سخت بد دعا دی کہ "وہ خود ہی مستحق غضب ہوا" العیاذ باللہ تعالیٰ کہ اس نے مسلمان کو ناحق ایذا دی، اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں من آذی مسلما فقد آذانی و من آذانی فقد آذی اللہ، جس نے بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو ایذا دی، اُس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے ایذا دی، اُس نے اللہ عزّ وجل کو ایذا دی، والعیاذ باللہ تعالیٰ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ - از سنبھل، محلہ رحمٰن سرائے، مرسلہ احمد خاں صاحب، ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کے جانور کی کھال کے دام صاحب قربانی اپنے صرف میں لائے یا نہیں؟ اور قربانی کا گوشت کس طرح تقسیم کرے، اور قربانی کے چمڑے کو بحق پیش امام دے یا نہیں؟ اور مسجد میں صرف کرے یا مدرسۂ علم قرآن وحدیث میں، اور سری قربانی کی حجام اپنا حق سمجھ کرلے تو دے یا نہیں؟

الجواب - قربانی کی کھال کے دام صاحبِ قربانی اپنے صرف میں نہیں لا سکتا، حدیث میں ہے من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له، جو اپنی قربانی کی کھال بیچے اُس کی قربانی نہ ہوئی، مستحب یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کرے، ایک حصہ اپنا، ایک احباب کا، ایک مساکین کا، پیش امام کا اس میں کوئی حق نہیں دو تو اختیار ہے، لیکن اگر وہ اس کا نوکر ہے، تو تنخواہ میں نہیں دے سکتا، مسجد اور مدرسہ دینیہ دونوں میں صرف کرنا جائز، حجام کا اس میں کوئی حق نہیں دینے کا اختیار ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ - از موضع میونڈی بزرگ، ضلع بریلی، مسؤلہ سید امیر عالم حسین صاحب، ۲۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قیمت جلود قربانی مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ فرش وچھت میں لگانا درست نہیں، یعنی جس جگہ سجدہ کیا جائے، وہ جگہ قیمت جلود قربانی سے نہ بنائی جائے، کہ وہ قیمت صدقہ ہے، اُس جگہ سجدہ کرنا حرام ہے، ہاں اس قیمت سے حدود دیوارِ مسجد یا غسلخانہ وغیرہ بنایا جائے تو درست ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ کنواں وغیرہ بنوا دیا جائے، تو کچھ حرج نہیں، خواہ مسجد میں ہو یا اور کہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ کنواں بھی نہ بنایا جائے، کہ وہ قیمت صدقات سے ہے، کہ اس کے پانی سے وضو جائز نہ ہوگا، اور نہ اُس کا پانی پینے

کے قابل ہوگا، تو جناب قبلہ سے امید وار ہیں کہ اس کا ثبوت غلامان کو کیوں نہ دیا جائے کہ قیمت جلود قربانی کس کام میں صرف کی جائے، آیا مسجد یا کنویں وغیرہ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب - اگر قربانی کی کھال مسجد میں دیدی تو متولی کو اختیار ہے، کہ اُسے مسجد کے جس صرف میں چاہے صرف کرے، اور اگر مسجد میں دینے کی نیت سے خود اس کے دام کئے تو وہ دام بھی مسجد کے ہر کام میں صرف ہو سکتے ہیں، ہاں اگر اپنے خرچ لانے کی نیت سے کھال بیچے، تو یہ دام خبیث ہیں، مسجد میں نہ دے، نہ مسجد کے کسی کام میں صرف ہوں، بلکہ فقیر مسلمان پر صدقہ کئے جائیں، وتحقیق المسئلۃ فی رسالتنا "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ - از جزیرہ، ضلع فرید پور، ڈاکخانہ خاص، مرسلہ مولوی مفیض الدین صاحب قاضی، ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

ماقولکم ونفع المسلمین بعلومکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں کہ تعمیر مسجد از چرم اضحیہ جائز ست یا نہ، وتصدق بچرم اضحیہ از قبیل تطوعات ست یا از واجبات، ودر ادائے صدقہ واجبہ تملیک مشروط است، ہکذا در ادائے صدقہ نافلہ تملیک مشروط است یا نہ؟

الجواب - صدقہ باطلاق عام در گرو تملیک نیست، کما نطقت بہ الاحادیث الکثیرۃ وحققناہ فی فتاوٰنا منہا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما اطعمت زوجتك فھولك صدقۃ، وما اطعمت ولدك فھولك صدقۃ، وما اطعمت خادمك فھولك صدقۃ، بلکہ کفارہ صوم وظہار و یمین، خود واجب ست، وشک نیست کہ از قسم صدقہ است. ولہٰذا غنی را روا نیست، مع ہذا تملیک لازم نکردہ اند، اباحت اباحت دارد، کما نصوا علیہ قاطبۃ بر چرم اضحیہ را اُں ہیچ وظیفہ از شرع معین نیست، رواست کہ باستعمال خود دارد، یا بغنی ہدیہ کند، پس او بمعنی مطالبہ شرعیہ اصلا صدقہ نیست، نہ واجبہ، نہ نافلہ، نہ عامہ، نہ خاصہ، پس شرط تملیک فقیر زیادت بر شرع است آری اگر بفقیر بخشد صدقہ خاصہ نافلہ شود، وایں معنی موجب آں نبود کہ جزیں کار آنجا ہیچ روا نیست، نہ بینی کہ زرے کہ بنائے مسجد یا تکفین میت صرف کنی، اگر بفقیرے دہی، نیز صدقہ خاصہ نافلہ بود، وایں معنی منع نہ کند از صرف زر در کار خود یا در کار خیر، بلکہ آنجا خود مطالبہ شرعیہ بود کہ بنائے مسجد بمحل حاجت، وتکفین میت، ہر دو واجب ست، وبصرف اضحیہ یا چرم او بکارد گر اصلا مطالبہ نیست تا گوئید کہ مطلوب شرع صدقہ او ہست، ومصرف صدقہ جز محل تملیک نباشد، بہ صدقہ اش زنہار از شرع مطالبہ نیست، بلکہ ایں جاسہ کار فرمودہ اند کلوا وادخروا واتجروا خورید، وبرائے حاجت بردارید، وبکار ثواب صرف کنید، رواہ ابوداؤد عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ایں سوم خود جمیع مبرات ومثوبات را شامل ست، تعمیر مسجد نیز از آن ست، پس بالیقین رواست، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ - از ملا محمد اسمٰعیل ابن محمد رمضان در مسجد رنگریزاں پالی، تاریخ ۱۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ہم لوگ سب محلہ قربانی کی کھالیں ہمارے محلہ کی مسجد میں دیتے ہیں تا کہ مسجد کی ڈول رسّی وچراغ وبتی میں امداد پہنچے، اور اگر کوئی سوائے ہماری مسجد کے اور جگہ اُن کھالوں کو صرف

کردے، تو اس کو ہم محلہ سے خارج کردیتے ہیں، عندالشرع ایسا کرنا کس حکم میں داخل ہے؟

الجواب - مسجد میں چرم قربانی صرف کردینا جائز ہے، مگر واجب نہیں، دوسرا اگر اور کسی جائز صرف میں خرچ کرے اُس پر کوئی مواخذہ نہیں، اس بنا پر اُسے محلہ سے خارج کردینا ظلم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ - از انبیٹھہ تحصیل نکوڑ، ضلع سہارنپور، مسئولہ سید مظفر صاحب، ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

علمائے ذی شان مسئلہ محررہ ذیل میں کیا ارشاد فرماتے ہیں، زید پوست قربانی بعینہٖ مسجد میں دینے کو اور اسکی ضروریات میں خرچ کرنے کو خواہ تنخواہ مؤذن ہو، یا دیگر حوائج مسجد، جائز کہتا ہے، اور نیز قربانی کرنے والے کو اپنے استعمال میں لانا، خواہ ڈول بناکر یا دیگر کسی طریقہ سے شئے متعمد اپنے لئے تیار کرانے کو شرعاً جو جائز کہا گیا، تو اُسی ڈول کو جو اُس نے اپنے استعمال کے لئے تیار کرایا تھا مسجد میں اگر دیدے تو زید مذکور اس کو جائز رکھتا ہے، اور عمرو ان دونوں امر کو ناجائز کہتا ہے، اور استدلال ہر دو کا کتب فقہ مثل ہدایہ و شامی کی عبارت سے جیسا کہ عبارت ہدایہ مطبوعہ اصح المطابع صفحہ ۴۴۳ میں ہے ویتصدق بجلدھا لانہ جزء منھا او یعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت کالنطع والجواب والغربال ونحوھا، الخ زید کہتا ہے جبکہ پوست قربانی کی اشیاء قربانی کرنے والا اپنی ذات کے لئے تیار کراکر استعمال کرسکتا ہے، تو وہ ان کو مسجد میں بھی دیدے تو کیا حرج ہے، عمرو کہتا ہے کہ صدقۂ فطر کے معنی تملیک بلا عوض ہے، تو مسجد میں پوست قربانی دینا جائز نہ ہوگا، کیونکہ مسجد تملیک کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی، ایسے ہی شارع علیہ السلام نے پوست قربانی کی اشیاء تیار شدہ کو اپنے نفس کے لئے اپنے گھر میں استعمال کرنے کے لئے حکم فرمایا نہ کہ مسجد میں، اُسی شئی کو اپنی طرف سے دیدینے کو دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کسی گائے وغیرہ کے سینگ کے اوپر کا حصہ نیچے تک ٹوٹا ہو تو ہدایہ میں تو مطلقاً مکسورۃ القرن کو جائز لکھا ہے اور شامی میں تفصیل اس طرح کہ اگر کسر مخ تک پہنچی تو ناجائز ہے، و نیز مشائخ یعنی رؤس عظام تک اگر کسر پہنچے تو ناجائز تو جس جانور کا اوپر والا حصہ نیچے تک اُکھڑ گیا، وہ جائز ہوگا یا جائز ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب - (۱) زید کا قول صحیح ہے، بیشک اسے امور بر وخیر میں صرف کرسکتے ہیں، اور اپنے لئے ایسی چیز جو باقی رکھ کر استعمال کی جائے، جیسے ڈول، مشک، کتاب کی جلد وغیرہ بنا سکتے ہیں، اور اسے بدرجۂ اولیٰ مسجد میں دے سکتے ہیں تصدق جس میں تملیک فقیر ضرور ہے، صدقات واجبہ مثل زکوٰۃ میں ہے، ہر صدقہ واجبہ میں بھی نہیں، جیسے کفارۂ صیام و ظہار و یمین کہ انکے طعام میں تملیک فقیر کی حاجت نہیں، اباحت بھی کافی ہے کما فی فتح القدیر وغیرہ عامۃ الکتب، چرم قربانی کا تصدق اصلاً واجب نہیں، ایک صدقہ نافلہ ہے، اس میں اشتراط تملیک کہاں سے آیا، بلکہ ہر قربت جائز ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کلوا وادخروا وائتجروا کھاؤ اور ذخیرہ رکھو اور ثواب کا کام کرو، کیا مسجد میں دینا ثواب کا کام نہیں، امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں لانہ قربۃ کالتصدق کیا مسجد میں دینا قربت نہیں، اور عجیب منطق یہ ہے کہ مسجد میں دینا تو جائز نہیں، کہ تملیک فقیر نہ ہوگی، اور غنی کا اپنے صرف میں رکھنا جائز اس میں تملیک فقیر ہوگئی، وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ، واللہ تعالٰی اعلم، (۲) قرن اوپر ہی کے حصے کو کہتے ہیں، جو ظاہر ہوتا ہے، وہ اگر کل ٹوٹ گیا حرج نہیں ولہٰذا ہدایہ میں مکسورۃ القرن کو جائز فرمایا، ہاں اگر اندر سے اس کی جڑ نکل آئی کہ سر میں جگہ خالی ہوگئی، تو ناجائز ہے کہ ردالمحتار کا یہی مفاد ہے، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ - از تلہر ضلع شاہجہانپور، محلہ ہندو پٹی، مرسلہ مولوی ضیاء الدین صاحب، ۲۰ رمضان ۱۳۳۶ھ

مفتیان کرام ذوی الاحترام کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے، زید کہتا ہے کہ جلد قربانی وعقیقہ مسجد و مدرسہ کے صرف میں آسکتی ہے؟ بکر کا قول ہے کسی فقیر کو دی جائے وہ خرچ کرسکتا ہے، کیونکہ یہ صدقہ ہے۔ اور صدقات کی تفصیل کلام الٰہی نے فرمادی اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ الآیہ، سورہ توبہ، اور حکم باری تعالٰی ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ، لہٰذا کلام ربانی کی طرف رجوع کی گئی، نیز بکر کا بیان ہے کہ بر تقدیر صحت قول زید اس کا ماخذ کہاں سے ہے، امید کہ مسئلہ کی توضیح مع نقل عبارات فرمائی جائے فقط

الجواب - بیشک ہر منازعت میں اللہ و رسول ہی کی طرف رجوع لازم ہے، مگر ہر ایک کو بلا واسطہ رجوع کی لیاقت کہاں، یہیں دیکھئے آیۃ کریمہ میں صدقات سے زکوٰۃ مراد کہ اسی میں ارشاد ہوتا ہے "وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا" اور بکر نے اس میں قربانی وعقیقہ کو شامل کردیا، یہ بھی نہ دیکھا کہ اس کے تو گوشت کی نسبت خود قرآن عظیم میں ارشاد ہے فَکُلُوْا مِنْھَا۔ اس میں سے خود بھی کھاؤ، اب کہاں رہی صدقات کی وہ تفصیل جو اس آیۃ کریمہ میں بالحصر ارشاد ہوئی تھی کہ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ الآیۃ، یہ بھی نہ سمجھا کہ عوام تک اس کو قربانی کہتے ہیں نہ صدقہ، تو ہر کار تقرب اس میں روا، لہٰذا امام زیلعی نے شرح کنز الدقائق میں فرمایا، لانہ قربۃ کالتصدق، ہاں ہم نے خاص مسئلہ قربانی میں اللہ عزوجل کی طرف رجوع کی تو اس کا ارشاد پایا، فَکُلُوْا مِنْھَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ خود اس میں سے کھاؤ اور ضرورتمند فقیر کو کھلاؤ۔ اطعام کے لفظ نے بتایا کہ تصدق ہی واجب نہیں، اباحت بھی کافی ہے، جو محض ایک قربت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف رجوع کی، تو حضور کا ارشاد پایا فَکُلُوْا وادخروا وائتجروا کھاؤ اور اٹھا رکھو اور ثواب کا کام کرو رواہ ابوداؤد وغیرہ عن نبیشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ

مسجد و مدرسہ دینیہ اہلسنت میں دینا بھی ثواب کا کام مثل اطعام اور اسی ائتجروا کے حکم میں داخل ہے، ہاں اگر کوئی شخص اس کی جلد اپنے صرف میں لانے کی نیت سے روپوں پیسوں کو بیچے تو بیشک قیمت اس کے حق میں خبیث ہوگی لانہ جزء من التمول کما نصوا علیہ وفی حدیث المستدرک من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ، وہ قیمت نہ مسجد میں دے نہ مدرسہ میں فان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب بلکہ فقراء پر تقسیم اور تصدق کرے کما ھو حکم مال الخبیث، اور اگر نہ اپنے لئے بلکہ مسجد و مدرسہ یا کسی فقیر ہی کو دینے کے لئے روپوں پیسوں کو بیچے، خود یہ خواہ متولی مسجد و مدرسہ و وکیل فقیر، بہر صورت جائز ہے، اور وہ دام مدرسہ و مسجد میں صرف ہوسکتے ہیں، کہ ممنوع تمول ہے نہ تقرب

وقد مر عن التبیین انه قربة کالتصدق وتمام التحقیق فی رسالتنا "الصافیة الموحیه لحکم جلود الاضحیة"، واللّٰہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ انجمن اسلامیہ راناواڈکاٹھیاوار، ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

مجدّد مائۃ حاضرہ، امام اہلسنت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی،

بعد تسلیم بصد تکریم و قدمبوسی عرض ہے : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ

(۱) قربانی کے چمڑے کے پیسے جو معلّم کہ مدرسہ کی دینی اور دنیاوی تعلیم پر مقرر کئے گئے ہیں، ایا اُن کو بطور ماہانہ تنخواہ دے سکتے ہیں یا نہیں،

(۲) قربانی کے چمڑے کے پیسے سے غریب اور تونگر کے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے مدرسہ کے لئے عمارت بنانے کے کام میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں،

(۳) قربانی کے چمڑے کی آمد سے عمارت بنا کر اس کا سود یا کرایہ کہ آوے، اس کو بچّوں کی تعلیم میں صرف کرسکتے ہیں یا نہیں،

(۴) قربانی کے چمڑے کی آمد سے غریب یا تونگر طلبار کو کتاب دے سکتے ہیں یا نہیں، مانند قرآن شریف وغیرہ، بیّنوا توجروا۔

الجواب ۔ اقول وباللّٰہ التوفیق اغنیار جو ایام نحر میں قربانی کرتے ہیں کہ ابتدار شرع مطہر نے اُن پر واجب فرمائی، اس کی کھال میں یہ احکام ہیں :-

(۱) وہ اُسے باقی رکھ کر اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں، مثلاً اُن کے مشک، ڈول یا کتابوں کی جلدیں بنوالیں لقوله صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وادخروا۔

(۲) اپنے استعمال کے لئے اُس سے وہ چیزیں خرید سکتے ہیں، جو باقی رکھ کر استعمال ہوتی ہیں، جیسے برتن کتابیں وغیرہا فان قیام البدل کقیام المبدل منه، درمختار میں ہے یتصدق بجلدها، او یعمل منه نحو غربال وجراب وقربة وسفرة ودلو اویبدله بما ینتفع به باقیاً کما مر۔

(۳) اسے اپنے لئے داموں کو نہیں بیچ سکتے، اگر بیچیں، تصدق کریں لانه سبیل ماحصل بوجه خبیث ردالمحتار میں ہے تصدق بالدراهم لو ابدله بها، یہاں تک کہ اگر داموں کو بیچے پھر چاہے کہ اُن داموں سے کوئی چیز ایسی خریدے جس کی خرید جائز تھی، جیسے برتن وغیرہ، تو اب اُس کا اختیار نہیں، وہ دام تصدق ہی کرنے ہوں گے، طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے قوله بما ینتفع بعینه، ظاهرہ انه لا یجوز بیعه بدراهم ثم یشتری بها ماذکرہ ردالمحتار میں ہے ویفیدہ ماذکرہ عن البدائع۔

(۴) یوہیں اپنے لئے کسی ایسی چیز سے بیچیں جو خرچ ہو کر کام میں آتی ہے، جیسے کھانے پینے کی چیزیں، یہ ناجائز ہے، اور اُن کی قیمت تصدق کرنی ہوگی، درمختار میں بعد عبارت مذکورہ ہے لابمستھلك کخلّ ولحم ونحوہ کدراھم فان بیع اللحم او الجلد بہ ای بمستھلك او بدراھم تصدق بثمنہ،

(۵) اسے باقی رکھ کر یا باقی رہنے والی چیز سے بدل کر اسے کرائے پر نہیں دے سکتے، مثلاً کھال کی مشک بنائی یا اُس سے کوئی برتن خریدا، اور اس مشک یا برتن کو کرایہ پر دیا، یہ ناجائز ہے، اس کرائے کو تصدق کرنا ہوگا درمختار میں ہے لایؤجرھا فان فعل تصدق بالاجرۃ، حاوی الفتاوی، فتاوی ظہیریہ، پھر درمنتقی پھر ردالمحتار میں ہے لو عمل الجلد جرابا وأجرہ لم یجز، وعلیہ التصدق بالاجرۃ

(۶) اپنے اوپر کسی آتے ہوئے کے بدلے میں، مثلاً نوکر کی تنخواہ یا کسی کام کی اجرت میں نہیں دے سکتے فانہ ایضا فی معنی البیع للتمول، درمختار میں ہے لایعطی اجر الجزار منھا لانہ کبیع، کفایہ، پھر ردالمحتار میں ہے لان کلا منھما معاوضۃ لانہ انما یعطی الجزار بمقابلۃ جزرہ، والبیع مکروہ فکذا ما فی معناہ.

(۷) یوہیں اپنی زکوۃ کی نیت سے فقیر کو نہیں دے سکتے لانہ ایضا معنی البیع بالدراھم، اور اگر دیں گے فقیر اس کا مالک ہو جائے گا، اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، قنیہ پھر شرح نقایہ، قہستانی پھر ابن عابدین علی الدر میں ہے اذا دفع اللحم الی فقیر بنیۃ الزکوۃ لایحسب عنھا فی ظاھر الروایۃ.

(۸) فقراء کو دینے کی نیت سے داموں کو بھی بیچ سکتے ہیں، کہ یہ اپنے لئے تمول نہیں، تبیین الحقائق پھر عالمگیریہ میں ہے لایبیعہ بالدراھم لینفق الدراھم علٰی نفسہ وعیالہ، ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق

(۹) غنی کو ہبہ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنا تمول نہیں، پھر اُس غنی کو اختیار ہے چاہے داموں کو بیچ کر اپنے خرچ میں لائے، چاہے کسی کی اجرت یا تنخواہ میں دے، چاہے اپنی زکوۃ میں دے، اور اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، کہ اب حکم اضحیہ منقطع ہو گیا، وہ اس کی ملک ہے جو چاہے کرے، لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لھا صدقۃ ولنا ھدیۃ قنیہ، پھر جامع الرموز، پھر ردالمحتار میں بعبارت مذکورہ ہے، لکن اذا دفع لغنی ثم دفع الیہ بنیتھا یحسب اھ ای دفع الموھوب لہ بنیۃ الزکوۃ جاز واجزأ.

(۱۰) مسجد میں دے سکتے ہیں لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وائتجروا، رواہ ابوداؤد عن نبیشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ، پھر مہتممان مسجد کو اختیار ہے کہ اسے بیچ کر مسجد کے جس کام میں چاہیں لائیں اگرچہ امام یا مؤذن یا فراش کی تنخواہ میں، لانہ صار ملك المسجد کمسألۃ الغنی المذکور فانقطع حکم

الاضحیۃ، واقعات امام حسام الدین، پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے یمکن تصحیحہ تملیکا بالھبۃ للمسجد و اثبات الملك للمسجد علی ھذا الوجہ صحیح، فیتم بالقبض، فتاوٰی عتابیہ، پھر عالمگیریہ میں ہے یصح بطریق التملیك اذا سلمہ للقیم۔

(۱۱) یونہی ہر قربت کے کام میں صرف کرسکتے ہیں، جیسے مدرسۂ دینیہ کی اعانت لاطلاق عموم قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واتجروا، امام زیلعی سے گزرا لانہ قربۃ کالتصدق۔

(۱۲) اُس کار قربت مثل مسجد، یا مدرسہ دینیہ، یا تعلیم یتیماں میں صرف کرنے کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ خود اُس نیت سے بیچکر اُس کارخیر میں صرف کرنے والوں کو دیدیں، لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی، وتقدم فرق الامام فخر الدین بین ما اذا باع بالدراھم لینفقھا علی نفسہ وعیالہ، واما اذا باعھا لاجل الفقراء۔

جب یہ احکام معلوم ہولئے، بعونہٖ تعالٰی سوال کی چاروں صورتوں کا حکم واضح ہوگیا،

(۱) مدرسہ دنیوی میں نہ دیں کہ وہ قربت نہیں، اور مُدرّسان مدرسۂ دینی اگر اس کے نوکر ہیں جن کی تنخواہ اُس پر واجب ہوتی ہے، اس میں نہیں دے سکتا کہ یہ اس پر آتا ہوا ہے، ورنہ مہتمم مدرسہ کو دیدے، وہ تنخواہیں دے، یا جس کار دینی مدرسہ دینیہ میں چاہے صرف کرے،

(۲) مدرسہ دینیہ کی عمارت میں خرچ کرسکتا ہے کہ قربت ہے۔

(۳) لاالٰہ الا اللہ سود حرام قطعی ہے، صحیح حدیث میں ہے کہ سود کھانا ستر بار اپنی ماں سے زنا کرنے سے بدتر ہے، ہاں جو عمارت کارخیر مثل تعلیم علم دین کے لئے وقف کریں، کہ اُس کے کرایہ سے وہ کارخیر جاری ہو، اس کی تعمیر میں صرف کرسکتا ہے،

(۴) اُسے کتابوں سے بدل کر طلبہ کو دے سکتے ہیں، اگرچہ وہ طلبہ غنی ہوں کہ کتاب باقی رہ کر کام میں آتی ہے، اور ایسی چیز کے عوض اپنے لئے بیچنا جائز ہے، طلبہ کے لئے بدرجۂ اولٰی، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ مرسلہ حافظ محمود حسین صاحب مدرس، تلمیذ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، ہفتم ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت پوست قربانی کو تنخواہ مدرسین میں دینا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ جو مدرسہ تعلیم علوم دینیہ کے لئے چندہ سے مقرر ہوا، اس میں قربانی کی کھال خواہ بیچکر اُسکی قیمت بھیجنا کہ مصارف مدرسہ مثل تنخواہ مدرسین وخوراک طلباء وغیرہ میں صرف کی جائے، مذہب صحیح پر جائز ہے کہ ایسے مدارس کی اعانت قربت ہے، اور قربات میں صرف کرنے کے لئے گوشت و پوست قربانی بیچنے کی مطلقاً

اجازت ہے، فی الھندیۃ لا یبیعہ بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسہ وعیالہ، واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح، ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق، کذا فی التبیین وھکذا فی الھدایۃ والکافی، اھ ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از بنارس محلہ کنڈی گڈ ٹولہ، مسجد بی بی راجی شفا خانہ، مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مال زکوٰۃ و چرم قربانی سے اعانت مدرسہ کی کیجائے یا نہیں مصارف مدرسہ میں تنخواہ مدرسین کے لئے اور وہ اپنی اجرت لیتاہے، اور یہ امر ظاہر ہے کہ اجرت میں مال زکوٰۃ یا چرم قربانی دینا جائز نہیں،

الجواب ۔ زکاۃ میں تملیک بلاعوض بہ نیتِ زکوٰۃ درکار ہے، بے اس کے اور وجوہ تقرب مثل مسجد و مدرسہ و تکفین موتٰی وغیرہا میں اس کا صرف کافی نہیں، ہاں مثلاً جو طلبۂ علم مصرف ہوں، انھیں نقد یا کپڑے یا کتابیں بروجہ مذکور دیکر اعانت مدرسہ ممکن، کما یظھر من الدر وغیرہ، چرم قربانی میں تصدق بمعنی مسطور اصلاً ضرور نہیں ــــ منسک متوسط میں ہے لا یجب التصدق بہ، مسلک متقسط میں ہے لا بکلہ ولا ببعضہ، مطلق تقرب رواہے، حدیث میں ہے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں واتجروا، رواہ ابوداؤد عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ، امام زیلعی نے شرح کنز میں فرمایا، لانہ قربۃ کالتصدق، ظاہر ہے کہ مدارس دینیہ بھی وجوہ قربت واتجار سے ہیں، اور وہ تنخواہ حق مدرس میں اجرت ہونا حق معطی لاعانۃ علم الدین میں قربت ہونے کے منافی نہیں، جیسے سقائے سقایہ، و مؤذن مسجد کی اجرت، وقد فصلنا القول فیھا فی فتاونا فی المسئلۃ برسالۃ کافلۃ کافیۃ سمینٰھا "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از طالب پور، ضلع مرشد آباد، کوٹھی راجہ صاحب، مرسلہ محمد جان صاحب محمد، ۸ رمضان مبارک ۱۳۱۵ھ

چہ می فرمایند علمائے شریعت غرّا، اندریں مسئلہ کہ اگر چرم اضاحی بمتولیان مدارس دینیہ تملیکاً دادہ شود و ایشاں بصوابدید خود یا باشارۃ استشارۂ دہندگاں چرم او را در ضروریات مدرسہ صرف نمایند سمتے از جواز دارد یا نہ بیّنوا توجروا،

الجواب ۔ در جواز بعد اراقتِ دم و اقامت قربت صورت مذکورہ جائے سخن نیست، متولیان اگر فقرا باشند ایں تملیک تصدق باشد ورنہ ہدیہ، و ہیچ یک ازینہا در اجزائے اضحیہ ممنوع نیست، فی النقایۃ وشرحھا للبرجندی یھب من یشاء علی سبیل التملیک فقیرا او غنیا، انچہ کہ ممنوع و مکروہ است بیع بروجہ تمول ست لحدیث من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ، رواہ الحاکم فی المستدرک والبیھقی فی السنن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، و پیداست کہ ہدیہ از بیع چیزے نباشد، بالجملہ

ایں معنی خود در لحم اضحیہ رواست، و جلد بالاتر از و نیست، بالاتفاق، وفی الھدایۃ والکافی والتبیین وغیرھا اللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح، باز آں گاہ کہ جلد بتملیک مضحی در ملک متولی آمد، حکم اضحیہ منتہی شد، متولیان را ہر گونہ تصرف در و روا باشد لحصول المطلق وانتھاء الحاجز، وذلک قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی اللحم المتصدق بہ علی بریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا ھو علیہا صدقۃ ولنا ھدیۃ، رواہ عن ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا، ازینجاست کہ اگر کسے لحم اضحیہ خودش بہ نیت زکوٰۃ بر فقیر تصدق کند زکاۃ ادا نشود، واگر بغنی ہدیہ داد و او از زکوٰۃ خویش بدست فقیرے نہاد، زکاتش ادا شود، زیراکہ حکم اضحیہ بآں ہدیہ بپایاں رسید، حالا ایں چیز یست از آنِ آں غنی در رنگ سائر مملوکات او کہ بآنہا ہر چہ خواہد کند، فی ردالمحتار اذا دفع اللحم الی فقیر بنیۃ الزکوٰۃ لایحسب عنہا فی ظاہر الروایۃ، لکن اذا دفع لغنی ثم دفع الیہ بنیتہا یحسب،

پس اگر ایشاں در غیر صور قرب استہلاک کردندے ہیچ بالغ نبودے کہ آنکہ تمول کرد مضحی نبود و آنکہ مضحی بود تمول کرد، کما اذا تصدق بہ علی فقیر فباعہ بدراھم لنفقتہ، ایں جا کہ صرف ہم بامور قربت ست، و قربت خود یکے از مصارف اضحیہ است، لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وائتجروا رواہ ابوداؤد عن نبیشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ، و من فقیر در فتاوٰی خودم بقدر کفایت، و در رسالہ "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" بما لا مزید علیہ تحقیق نمودہ ام، کہ اگر مضحی بخودی خود بے تخلل تملیک بدیگرے جلد اضاحی را نہ بنحو امور قربت صرف نماید محذورے نیاید، لاجرم ایں صورت اولی بجواز ست کما لایخفی علی اولی النھی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم،

مسئلہ - از سہسرام ضلع، مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب، ۳ رجمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

قیمت کھال قربانی جو پہلے سے بیوہ وبیکس، یتیم وبے بس، مساکین سکنائے جار واقربائے دیار پر تقسیم ہوتی ومساجد کے فرش، جانماز روشنی، ڈول، رسّی وجھاڑو وغیرہ کے مصارف میں صرف ہوا کرتی تھی، جس کو اہالیان ناجائز مشہور کراکے اب مسلم کھال یا کُل قیمت باغوائے اہلیان مدرسہ باغوائے بیان واعظین داخل مدرسہ ہوجاتی ہے اور مسکینان محروم رہتے ہیں، ستم ہے یانہیں؟ اور اہلیان وہتمان مدرسہ کو اس رقم کا لینا درست ہے یانہیں،

الجواب - چرم قربانی کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اُسے بغیر بیع اپنے کسی صرف میں لائے تو لاسکتا ہے، مثلاً کتابوں کی جلدیں بنائے، یا مشک، ڈول بنوائے، اور ایسے ہی کاموں کے لئے کسی غنی کو ہدیہ بھی دے سکتا ہے، اور بہتر یہ ہے کہ اُسے مصارف خیر میں صرف کرے، مثلاً یتامی وبیوگان ومساکین کو دیں یا مساجد کے مصارف مستحبہ میں صرف کرنا، یا سنی مدارس دینیہ میں امداد علم دین کے لئے دینا، یہ سب صورتیں جائز ہیں، لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وائتجروا، ان میں سے جن میں زیادہ مناسب اور حاجت وقت کے ملائم جانے صرف کرے کسی صورت کو ظلم نہیں کہہ سکتے، ہاں یتیموں اور بیواؤں اور مسکینوں کو دینا جو ناجائز بتائے وہ ظلم کرتا ہے، کہ یہ اس کا

شریعت مطہرہ پر افترا ہے، یونہیں اگر کچھ لوگ اپنے یہاں کی کھالیں حاجتمند یتیموں بیوؤں، مسکینوں کو دینا چاہیں کہ اُن کی صورت حاجت روائی یہی ہو، اُسے کوئی واعظ یا مدرسہ والا روک کر مدرسہ کے لئے لے لے تو یہ اُس کا ظلم ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ ۱۱ر ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، کہ ایک غریب شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی، اور اس قابل نہیں ہے کہ عقیقہ کرے ساتھ قربانی کے، مگر بسبب سنت ادا ہونے کے اس کو کسی شخص نے کچھ عطیہ کیا تھا، اس کو فروخت کرکے اُس نے قربانی کی، اور اس کے پاس کسی طرح کا مقدور نہیں ہے، اور اس قربانی کی کھال کے دام اپنے خرچ میں لانا جائز ہے یا ناجائز، بیـنوا توجروا،

الجواب ۔ عقیقہ کے احکام مثل اضحیہ ہیں، اس سے بھی مثل اضحیہ تقرب الی اللہ عزّ وجلّ مقصود ہوتا ہے، اور جو چیز تقرب کے لئے رکھی گئی، وہ تمول یعنی اپنا مال بنانے سے محفوظ رکھنا چاہیئے، کھال بھی جانور کا جزہے، تو دام مول کو بیچ کر اپنے صرف میں لانا جیسا کہ اضحیہ میں ناجائز ہے، یہاں بھی ضرور نامناسب ہونا چاہئے، کہ رجوع عن التقرب نہ ہو، ہاں اُس سے کتاب کی جلد یا مشک، ڈول بناکر اپنے صرف میں لاسکتا ہے، یا اُسے کسی محتاج کو دیدے پھر اس سے خفیف قیمت کو اُس کی مرضی سے خرید کر دوسرے کے ہاتھ پوری قیمت کو بیچے، ھذا ما ظھرلی واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۔ از تلہر، محلہ ہندو پٹی، ضلع شاہجہاں پور، مرسلہ مولانا مولوی ضیاء الدین صاحب مدظلہ ۲۵ر رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت جلد قربانی یا عقیقہ براہ راست مسجد یا مدرسہ دینیہ میں صرف کی جاسکتی ہے، یا تملیک مسکین کی ضرورت واقع ہوگی، بیـنوا بالدلیل و توجروا بالاجر الجزیل،

الجواب ۔ ہاں جلد براہ راست صرف کی جاسکتی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واتجروا اور اگر مسجد و مدرسہ میں دینے کے لئے داموں کو فروخت کی تو دام بھی براہ راست صرف کئے جاسکتے ہیں، تبیین الحقائق میں ہے، لانہ قربۃ کالتصدق، ان صورتوں میں تملیک مسکین ضروری جاننا شرع مطہر میں زیادت کرنا ہے، جس پر کوئی دلیل نہیں، تو اپنی طرف سے ایجاد ایجاب ہوا، مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ، ہاں اپنے خرچ میں لانے کے لئے داموں کو بیچے تو اس کی سبیل تصدق ہے، کہ ملک خبیث ہے، براہ راست مدرسہ و مسجد میں نہ دے، فان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب، اس سوال کا جواب پہلے فتویٰ میں نظر نہ آنا عجیب ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ از کانپور، مرسلہ مولوی سلیمان صاحب ۔

قربانی کے چمڑہ کا روپیہ مسکینوں کو نہ دے، بلکہ اس روپیہ سے فوائد عوام کے واسطے کتب خانہ میں قرآن شریف و کتب عربیہ و فارسیہ و انگریزی و بنگلہ وغیرہ خرید کرکے رکھنا جائز ہے یا نہیں،

الجواب - جائز ہے جبکہ وہ دینی کتابیں ہوں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ - از بارہ بنکی، مسئولہ ریاض حسین، ناظم انجمن نورالاسلام، ۱۶ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کی قیمت ایک ایسی انجمن میں جس کے اغراض ومقاصد دستور العمل منسلکہ سے واضح رائے عالی ہوں گے، صرف ہوسکتی ہے۔

الجواب - مقاصد کے عام الفاظ ہمیشہ دل خوش کُن ہوتے ہیں، اعتبار واقع کا ہے، اگر یہ انجمن حقیقۃً اہلسنت کی ہے، جن کے عقائد وہابیت و دیوبندیت وغیرہما ضلالات سے پاک ہیں - اور بچوں کو اسی مذہب حق کیمطابق تعلیم ہوتی ہے، تو بیشک چرم قربانی اس میں صرف کرنے کو دیا جاسکتا ہے، اور اس کے مصارف کے لئے بیچ کر قیمت بھی اس میں دی جاسکتی ہے، تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے، لانہ قربۃ کالتصدق، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از پٹنہ سیٹی، اشرف منزل، مرسلہ سید محمد فریدالدین صاحب، ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے شہر پٹنہ میں ایک انجمن جس کا نام حفظ المساجد ہے، قائم ہوئی ہے، اس کا مقصد محض مرمت مساجد وتعمیر منہدم مسجدوں کی ہے، اس انجمن میں تمامی امراء وغرباء علی قدر مراتب دامے، درمے امداد کرتے ہیں، اب یہ انجمن چاہتی ہے کہ چرم قربانی عیدالضحیٰ بھی اس کی مد میں شامل کیا جائے، اگر چرم قربانی عیدالضحیٰ یا قیمت چرم اس انجمن میں دیا جائے تو جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب - جائز ہے، قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وائتجروا۔ زیلعی وعالمگیری میں ہے، لانہ قربۃ کالتصدق، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از قصبہ کٹرہ، تحصیل تلہر، ضلع شاہجہانپور، محلہ مڑہی، مرسلہ عبدالغفار خاں، ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں نے اگلے سال گائے قربانی کی تھی، اس کی کھال فروخت کرکے اور وہ روپیہ میں نے خدا کی راہ میں اس طرح پر خیرات کیا کہ کھانا پکایا اور بھوکوں کو تقسیم کیا، اور مجھ کو محرم میں چھٹی ملی، اور ادھر اُدھر نہیں ملی، تو مجھ سے دو چار لوگوں نے کہا، یہ بیکار خرچ کیا، اس کا عذاب تاقیامت تجھکو ہوگا، اس واسطے کہ تم نے محرم میں اماموں کو خیرات دی، تم کو چاہیئے کہ مسجد میں یا اسلامیہ مدرسہ میں فرش دیئے ہوتے، یا یہاں ایک فقیر صاحب ایک پیر کا عرس کرتے ہیں، اُن کو دیا ہوتا، تو تم کو تاقیامت ثواب ہوتا، ورنہ تم عذاب میں داخل ہوگئے یا حضرات کو بھجوادیئے ہوتے تو ثواب ہوتا،

جناب! یہاں اسلامیہ مدرسہ میں سرکاری انتظام ہے، اور مسجد میں بھی بہت فرش تھے، اس وجہ سے بھوکوں کو کھلا دیا، میں نے اچھا سمجھ کر، اور آپ کا حال نہیں معلوم تھا کہ جناب کو کٹرہ والے روپیہ روانہ کردیا کرتے ہیں، خیر مجھ سے خطا ہوئی، اب جو حضرت ارشاد فرمائیں وہ فدیہ کرے، یا تو اگلے سال کا حرج دے، یا اِس سال کا بھی ویسے ہی خرچ

کردے، مجھکو محرم میں چھٹی ہوگی، بینوا توجروا۔ (فدویہ مدرسہ نسواں اسلامیہ کٹرہ)

الجواب ۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ مساکین کو کھانا کھلا دیا، یہ بہت بڑے ثواب کی بات ہے نہ کہ عذاب کی، اُن لوگوں کا کہنا محض غلط ہے، خیرات مولیٰ تعالیٰ کے نام پر ہوتی ہے، اور اُس کا ثواب اماموں کی ارواح پاک کو پہنچا سکتے ہیں، اور وہ اُن پر تصدّق نہیں، بلکہ اُن کی نذر ہے، یہ فقیر بفضلہ تعالیٰ اغنی ہے، اموال خیرات نہیں لے سکتا، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ احباب اچھے مصارف میں صرف کرنے کے لئے زکوٰۃ وصدقات کے اموال بھی بھیجتے ہیں، کہ اپنی رائے سے مصارف خیر میں صرف کروں، اور وہ بفضلہ تعالیٰ صرف کر دیئے جاتے ہیں، زکوٰۃ اُس کی جگہ، اور دیگر صدقات اُن کی جگہ یوں یہ فقیر بھی اُن احباب کا شریک ثواب ہوجاتا ہے، کہ صدقہ اگر سو ہاتھوں پر نکلے گا سب کو ثواب ملے گا، ایک روٹی کا ٹکڑا کہ زید کے مال سے پکا، اور زید کی بی بی نے خادمہ کے ہاتھ دروازہ کے سائل کو بھیجا، تو زید جس کا مال ہے، اور بی بی جس نے بھیجا، اور خادمہ جس نے جاکر فقیر کو دیا، تینوں یکساں شریکِ ثواب ہیں، اور مولیٰ تعالیٰ کا فضل بہت بڑا ہے، وہو تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سلطان روم کے ساتھ اور غیر قوم ملکی جو لڑ رہا ہے، یہ اظہر من الشمس ہے اور اس لڑائی کے خرچہ کے بابت اس دیار کے بڑے بڑے آدمی مل کر مجلس کر رہا ہے، کہ اس سال قربانی کا چمڑا کی قیمت جتنا ہوگا، وہ سب وہاں بھیجنا ہوگا، اور وہاں بھیجنے سے ہم لوگوں کا ثواب بہت ہوگا، اور جہاد کا رتبہ ملے گا، اور ہم لوگ وہاں جاکر سلطان کی لشکر کے ساتھ ہمراہ ہونے کا کچھ تو سرانجام نہیں رکھتا ہوں یہ ہی ہم لوگوں کے واسطے بس ہے، بعد اس کے کہئے کہ اس دیار کا فقراء وغرباء لوگ یہ کہہ رہا ہے کہ اس برس سلطان کی جہت سے ہم لوگ سب کے سب شاید مارا جاوے گا، یہ سب آہ وزاری انھوں کا سن کے کوئی بیچارہ تھوڑا ہی کچھ علم رکھتا تھا، وہ اپنی زبان سے یہ کلام باہر کیا کہ یہ جو بڑے آدمی اور بعض دو عالم، سلطان کی خیر خواہی کے واسطے جو کمیٹی کیا ہے شاید یہ خیر خواہی نہ ہوگا، بلکہ یہ بد خواہی ہوگا، کیونکہ ہر سال جو یہاں کا فقراء وغرباء مساکین لوگ یہ سب چمڑہ کا قیمت اپنے دو زن و فرزند لیکر خوشی سے اوقات بسر کریں گے، اس سال وہ لوگ غم میں دو اوقات بسر کرتے ہیں، اور یہ سب روپیہ اچھا نہیں ہے، کیونکہ یہ فقیروں کا حق ہے، اور مجھکو خوف ہے کہ میرے سلطان المعظم کو کچھ نقصان آجائے اب بڑے دو آدمیوں کو اور بڑے دو عالموں کو جنھوں نے یہ رواج کیا ہے، یہ سزاوار ہے کہ گاؤں بگاؤں مجلس کرکے ہر ایک مسلمان سے دوطاقت کے مطابق کچھ چندہ وغیرہ مقرر کرکے سب کو ملا کر وہاں بھیجنے سے اولیٰ ہوگا، اور وہ مسکین لوگ اپنی حصہ پاکر اگر خوشی سے دیوے تو بھی بہتر ہوگا، جیسے کہ اور جگہ کے فقیر لوگ دے رہا ہے، اور یہ بھی بہتر ہوگا کہ اس موسم میں ہم لوگوں کو اپنے دو حصہ کے مطابق فقیروں کو اور غریبوں کو کچھ للہ دیویں، اور بواسطہ اس کے میرے سلطان مدظلہ العظیم کے لئے خدا عزّوجلّ سے مدد چاہوں، یہ بات اُن بیچارے کا کوئی بڑے آدمی سنتے

عہ سوال میں جگہ جگہ "دو" کا لفظ سائل کا تکیہ کلام ہے ۱۲ عبدالمنان

ہے، وہ بیچارے کو لعن طعن کر رہا ہے، احقر حضور سے یہ امید کرتا ہے کہ کون حق پر ہے، اور کون ناحق پر ہے، اور اگر وہ آدمی ناحق پر ہے تو اس کا کیا حکم ہے،

الجواب - قربانی کا چمڑا کچھ خاص حق فقرا نہیں، ہر کارِ ثواب میں صرف ہوسکتا ہے، حدیث میں فرمایا کلوا وادخروا وائتجروا، اور واقعی جہاں تک معلوم ہے مجاہدین کو اس وقت امداد کی بہت ضرورت ہے، اور اس میں دین کی بڑی منفعت ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ اور اسی جگہ حکم ہے کہ وہی کام اختیار کریں جس کی حاجت شدید ہو، اور شک نہیں کہ وہاں کی حاجت شدید ہے، فقرا کی خبرگیری جہاں تک شرعاً ضروری ہے، اہل مال پر لازم ہے، وہ اگر نہ کریں اُن کی بے سعادتی ہے، مگر یہ کھالیں جن میں شرع نے فقرا کا کوئی حق معین نہ فرمایا، یہ اگر نہ دی جائیں دوسرے کارِ اہم میں صرف کی جائیں، تو اس پر اُن کی ناراضی کی کوئی وجہ نہیں، نہ اس پر اُن کا رزق موقوف ہے، نہ عام طور پر یہ کھالیں ان کو دی جاتی تھیں بلکہ مدارس کو دی جاتی تھیں، اور شریعت میں ضررِ عام کا لحاظ ضررِ خاص سے زیادہ اہم ہے، یہاں تک کہ ضررِ عام کے دفع کے لئے ضررِ خاص کا تحمل کیا جاتا ہے، کما فی الاشباہ والنظائر وغیرہ، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - مسئولہ عنایت بیگ، مینجر کارخانہ گلاب کمپنی، سکندرہ راؤ، ضلع علی گڑھ بروز شنبہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ناصرانِ شرع متین کہ ہمارے قصبہ سکندرہ راؤ میں مدرسہ اسلامیہ ہے، اس میں قرآن شریف، اردو انگریزی پڑھائی جاتی ہے، اُس کی امداد کے لئے چرم قربانی دینا موجبِ ثواب ہے یا نہیں، بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس میں انگریزی کی تعلیم ہے اس لئے اس کی امداد ٹھیک نہیں ہے۔

الجواب - مصرف قربانی میں تین باتیں حدیث میں ارشاد ہوئی ہیں کلوا وادخروا وائتجروا کھاؤ اور ذخیرہ رکھو اور ثواب کا کام کرو، انگریزی پڑھنا بیشک کوئی بات ثواب کی نہیں، اگر یہ احتیاط ہوسکے کہ اُس کے دام صرف قرآن مجید و علم دین کی تعلیم میں صرف کئے جائیں تو دے سکتے ہیں، ورنہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - از شاہجہانپور تاجر خیل، افضل المدارس، مرسلہ مولوی محمد الدین صاحب، ۸ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

تاج العلماء، افضل الفضلاء حضرت! یہ استفتا نہایت ضروری ہے، مخالفین کا مقابلہ ہے، بہت جلد جواب سے مطلع فرمائیے گا،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں بعض جگہ دستور ہے، چند گائے جمع کرلی گئیں، اور اُن میں حصے مقرر کردیئے، اور مالک حصص سے کہدیا کہ یہ گائے تمہاری طرف سے کی جاتی ہے، اس شرط پر کہ یہ چرم فلاں مدرسہ میں دینا ہوگا یا فلاں کام میں صرف کرنا ہوگا، اس قسم کے شرائط عند الشرع جائز ہیں یا ناجائز، بینوا توجروا

الجواب - جبکہ کوئی شخص اُن میں کسی معین گائے کا ایک حصہ یا چند حصص خریدے اور اُن لوگوں کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت دے، اور یہ شرط ٹھہرے کہ اس کی کھال مدرسہ دینیہ یا فلاں نیک کام میں صرف کرنا ہوگی

تو یہ جائز ہے، اس میں حرج نہیں، وھو ان کان بیعا بشرط فلیس شرطا فیہ نفع احد المتعاقدین، او المعقود علیہ الصالح للاستحقاق، واللہ تعالٰی اعلم۔

الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم، ماقولکم دام فضلکم فیمن باع جلد اضحیتہ لیصرف ثمنہ فی وجوہ القرب کاعانۃ المدارس الاسلامیۃ وشراء حصر المساجد وزیت قنادیلہ، وغیر ذلک من القربات التی لاتملیک فیہا، فھل ھو جائز، والصرف الی تلک الوجوہ سائغ ام لا، بل یکون صدقۃ واجبۃ لایصرف الا فی مصارفہا افیدونا رحمکم اللہ تعالٰی۔

الجواب - الحمد للہ وبہ نستعین۔ والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین، ماتقرب الی اللہ تعالٰی بالقرابین، نعم اذا باعہ بالدراھم لاللمال یتمول، اوربح یتحصل، بل لیصرفہ الی وجوہ القرب، ومرضات الرب، جازلہ ذلک وان لم یوجد تملیک ھنالک، فان المطلوب فی الاضاحی مطلق التقرب دون خصوص التملیک من الفقیر، ولذا اجازت الاباحۃ ولو لغنی والمعنی المانع فی البیع انما ھو التصرف علی قصد التمول کما نص علیہ الائمۃ الاعلام۔ قال فی الھدایۃ لایشتری بہ مالاینتفع بہ الا باستھلاکہ کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراھم والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول اھ وفی مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر لایبیعہ بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسہ وعیالہ والمعنی انہ لایتصرف علی قصد التمول اھ ومثلہ فی البنایۃ شرح الھدایۃ للعلامۃ البدر وغیرہ من اسفار العلماء الغر، وظاھر ان البیع للقرب لیس من التمول فی شیئ فلا وجہ لمنعہ بل ھو قربۃ لکونہ فعل لاجل قربۃ، فیکون اقامۃ للمطلوب الشرعی لادخولا فی الوجہ المنھی، الاتری الی ماقال الامام العلامۃ فخر الدین الزیلعی فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق لوباعہا بالدراھم لیتصدق بہا جاز لانہ قربۃ کالتصدق اھ فانما علل الجواز بکونہ قربۃ، ومانحن فیہ ایضا کذلک، فیکون مثلہ فی حکم الجواز، ویالیت شعری من این یحکم بوجوب التصدق مع انہ لم یکن متعینا فی القربان راسا ولاحدث اٰخر مایوجبہ عینا بخلاف مااذا باع بالدراھم لینفقہا علی نفسہ وعیالہ حیث یجب التصدق لحدوث التمول المنھی عنہ **اقول** والسر فی ذلک علی مایستفاد من کلمات العلماء الکرام ان اصل القربۃ فی الاضحیۃ انما تقوم باراقۃ الدم لوجہ اللہ تعالٰی فما لم یرق لایجوز الانتفاع بشیئ منہ حتی الصوف واللبن وغیر ذلک، لانہ نوی اقامۃ القربۃ بجمیع

اجزائہا فاذا اقیمت وحصل المقصود ساغ الانتفاع علی جمیع الوجوہ، بید انہ لما کان شیئا تقرب بہ الی المولی سبحنہ وتعالٰی، والتقرب والتمول ضدان متبایان لایلتئمان، فقد خرج بذلک عن جہۃ التمول بحیث لاعود لہ الیہ ابدا فاذا قصد بشیئ منہ التمول فقد خالف واورث ذلک خبثا فی البدل، وایما مال حصل بوجہ خبیث فسبیلہ التصدق، اما القربات فلا تنافی التقرب بل تحققہ، ولا تورث خبثا بل تزھقہ فمن این تحرم ویجب تصدقہ، قال الامام العینی فی البنایۃ المعنی فی عدم اشتراء ما لاینتفع بہ الا بعد استہلاکہ انہ تصرف علی قصد التمول وھو قد خرج عن جہۃ التمول فاذا تمولہ بالبیع وجب التصدق لان ھذا الثمن حصل بفعل مکروہ فیکون خبیثا، فیجب التصدق اھ وبہ تبین وان کان[1] بینا بنفسہ ان لیس کل تبدل بمستہلک تمولا والا لما جاز البیع بالدراھم بنیۃ التصدق ایضا لصدق التمول علیہ حینئذ فیکون تصرفا ممنوعا خبیثا وھو خلاف المنصوص علیہ ویکون التصدق اذ ذاک لازالۃ الخبث والخروج عن المآثم لا لاکتساب الثواب والتقرب الی رب الارباب ولا یجوز لہ فیہ رجاء القبول، فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب، ولو رجا الباء باثم علی اثم فان ارتجاء القبول فی مال خبیث اثم یحیالہ کما صرحوا بہ وھذا کلہ باطل بالبداھۃ فثبت ان لیس کل تبدل بمستہلک تمولا وان البیع للتصدق خارج عنہ فکذا السائر القرب اذ لا فارق یقضی بکون ھذا تمولا وذاک غیرہ ومن ادعاہ فلیات ببرھان علی دعواہ ولم یقدر علیہ ان شاء اللہ فان قال قائل انما جاز البیع للتصدق لان للوسائل حکم المقاصد فالبیع للتصدق مثل التصدق والتصدق جائز فکذا البیع لہ۔

قلت کذلک البیع للتقرب مثل التقرب والتقرب جائز فکذا البیع لہ بل یلزم علیہ جواز البیع للاکل ایضا لجواز الاکل بنص القرآن العظیم فالحق فی التعلیل ما قدمنا عن الامام الزیلعی من انہ قربۃ وحینئذ لابد من کلیۃ الکبری القائلۃ بان کل قربۃ تجوز ھھنا ینتج ان البیع للتصدق یجوز ھھنا وبہ یتضح جواز سائر القرب وضوح الشمس فی رابعۃ النہار ھذا وللعبد الضعیف لطف بہ القوی اللطیف تقریر آخر اشمل واظہر لبیان الفرق تظہر بہ المسائل جمیعا ان شاء اللہ تعالٰی۔

فاقول وباللہ التوفیق الجہات ثلث، الاکل والادخار والائتجار وھو طلب الاجر بای وجہ کان فقد اخرج ابوداؤد فی سننہ بسند صحیح رواتہ کلہم من رجال الصحیحین ماخلا مسددا فثقۃ حافظ من شیوخ البخاری عن نبیشۃ الخیر الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] فان نفس لفظ التمول یدل بعبارتہ علی المال وبھیئاتہ علی تحصیلہ لنفسہ کما لایخفی ۱۲ منہ قدس سرہ

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انا کنا نھیناکم عن لحومھا ان تاکلوھا فوق ثلث لکی تسعکم جاء اللہ بالسعۃ فکلوا وادخروا واتجروا الا وان ھذہ الایام ایام اکل وشرب وذکر اللہ عزوجل اھ وا لا ئتجار باطلاقہ یشمل التصدق وسائر وجوہ التقرب کما لا یخفی فان فسرہ مفسر بالتصدق فلیکن التصدق فی کلامہ بالمعنی الاعم علی ماسیأتیک تحقیقہ ان شاء اللہ تعالٰی فان قلت الوارد فی حدیث احمد والبخاری ومسلم وغیرھم عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وتصدقوا فلیحمل الائتجار علی التصدق لاتحاد الحکم والحادثۃ۔

قلت کلا فان الامر ھھنا لیس للوجوب باجماع عامۃ علماء الامۃ منھم سادا تنا الائمۃ الاربعۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم، وقد نصوا فی غیر ما کتاب ان لو اکلہ کلہ ولم یتصدق بشیئ منہ لا شیئ علیہ ومعلوم ان الترخیص والترغیب فی مقید لا ینافی الترغیب والترخیص فی مطلق، فلا معنی للحمل ولا داعی الیہ۔

وسر المقام ان الحمل عند ناضروری لا یصار الیہ الا لضرورۃ وھو ان یتمانعا بحیث لایمکن العمل بھما، اما حیث لا تمانع فنحن نجری المطلق علی اطلاقہ حملا للفظ علی ظاھرہ وعملا بالدلیل بتمامہ، قال المولی المحقق علی الاطلاق محمد بن الھمام قدس سرہ فی فتح القدیر اجیب عنا بانا انما نحمل فی الحادثۃ الواحدۃ للضرورۃ الخ وقال فی تشیید ھذا الجواب تحقیقہ ان الحمل لما لم یجب الا للضرورۃ وھی المعارضۃ بین المطلق والمقید الخ۔

فالمناط عند التنقیح ھو التمانع دون اتحاد الحکم والحادثۃ یجزم بذلک من عاشر عرائس نفائس عباراتھم فقد حکموا ان لا حمل ان وردا فی السبب اذ لا تجاذب فی الاسباب ولان کانا منفیین لامکان الجمع بالامتناع مطلقا، وانہ یجب الحمل ان اتیا فی حکمین مختلفین یوجب احدھما تقیید الاخر بتوسط لازم، وذلک کان ینفی المقید لازم اطلاق المطلق فینتفی بانتفائہ فیتقید لا محالۃ کما فی اعتق عنی رقبۃ ولا تملکنی رقبۃ کافرۃ فان النھی عن تملیک کافرۃ ینفی جواز اعتاقھا عنہ، اذ لا اعتاق عنہ بدون تملیکھا عنہ۔

وقد اجابوا القائلین بالحمل فی الاسباب واختلاف الحوادث بعدم التعارض کما فی التلویح وغیرہ، وعللوا وجوب الحمل عند الاتحاد بامتناع الجمع ممثلین لہ بقولہ تعالٰی فصیام ثلثۃ ایام مع قرأۃ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ بزیادۃ متتابعات، قالوا فان المطلق یوجب

اجزاء غیر المتتابع والمقید یوجب عدم اجزائه کما فی التوضیح وغیرہ فقد افادوا ان الحمل خاص بالایجاب دون الجواز والاستحباب، ولذا قال المولی بحر العلوم ملک العلماء عبد العلی اللکنوی قدس سرہ فی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، فیه اشارۃ الی ان الحمل انما هو اذا کان الحکم الایجاب دون الندب او الاباحة اذ لاتمانع فی اباحة المطلق والمقید بخلاف الایجاب فان ایجاب المقید یقتضی ثبوت المؤاخذۃ بترک القید وایجاب المطلق اجزاءہ مطلقا اھ قول الامام السغناقی فی النهایة علی ما نقله فی البحر مقرا علیه بل متمسکا به من ان الاصح انه لایجوز لا فی حادثة ولا حادثتین حتی جوز ابو حنیفة رضی اللّٰه تعالٰی عنه التیمم بجمیع اجزاء الارض بحدیث جعلت لی الارض مسجدا وطهورا ولم یحمل هذا المطلق علی المقید وهو حدیث التراب طهور اھ فلعله اراد نفی زعم من زعم ان مذهب اصحابنا رضی اللّٰه تعالٰی عنهم وجوب الحمل عند اتحاد الحادثة مطلقا، فافاد ان لیس هذا من المناط فی شیئ بل لایجوز فی حادثة ایضا ای ما لم یتمانعا فیضطر الیه لدفع التعارض، الا تری ان امامنا الاعظم رضی اللّٰه تعالٰی عنه لم یحمل الارض علی التراب مع اتحاد الحادثة وعلی هذا التقریر لایتجه ما اورد علیه العلامة المحقق محمد بن عابدین الشامی قدس سرہ السامی فی رد المحتار کما اوضحته فیما علقته علیه وللعبد الضعیف ههنا بحث شریف لولا غرابة المقام لاتیت به۔

علی ان لقائل ان یقول ان الاتجاه ههنا لو حمل علی التصدق لکونه معه کالمطلق مع المقید فکذلک یجب حمل الاطعام الوارد عند احمد والشیخین وغیرهم فی حدیث سلمة بن الاکوع رضی اللّٰه تعالٰی عنه کلوا واطعموا وادخروا وعند احمد ومسلم والترمذی من حدیث بریدۃ رضی اللّٰه تعالٰی عنه کلوا ما بدالکم واطعموا وادخروا وعند مسلم وغیرہ من روایة ابی سعید الخدری رضی اللّٰه تعالٰی عنه کلوا واطعموا واحبسوا وادخروا[1] فان الاطعام ایضا مع التصدق کالاتجار مع انه باجماع العلماء علی اطلاقه جار للاتفاق علی اباحة الاباحة وعدم قصر الامر علی التملیک فافهم والمتأمل الموفق اذا نظر حدیث اُمّنا رضی اللّٰه تعالٰی عنها مع هذه الاحادیث الاربعة القی فی روعه ان المراد ثمه بالتصدق المعنی الاعم الشامل لجمیع انواع القرب المالیة کما سیرد علیک تحقیقه ان شاء اللّٰه تعالٰی کیما تلتئم وترد موردا واحدا، والاحادیث یفسر بعضها بعضا وباللّٰه التوفیق، وناهیک قول الامام الجلیل صاحب الهدایة فیها یستحب ان لاینقص

[1] ای احادیث نبیشة وسلمة وبریدۃ وابی سعید رضی اللّٰه تعالٰی عنهم ۱۲ منه قدس سرہ۔

ع ه ظنی انه لابد ههنا من لفظ علیه (ای یجب حمل الاطعام الواردۃ فی الاحادیث علی التصدق۔

الصدقة عن الثلث لان الجهات ثلثة الاكل والادخار كما روينا والاطعام لقوله تعالٰى وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ، فانقسم عليها اثلاثا اھ، ومعلوم ان الاطعام لايقتصر على التمليك لا لغةً ولا شرعًا وقد اجمعوا ههنا على جواز الاباحة بل نصوا ان كل ما شرع بلفظ الاطعام جاز فيه الاباحة لما سيأتى فاين تعيين التمليك تدعون، ثم رأيت العلامة الاتقانى فى غاية البيان قال فى شرح هذا الكلام و ذلك لان الأية والخبر تضمنا جواز الاكل والتصدق والادخار فكانت الجهات ثلثا فانقسمت عليها اثلاثا اھ ومعلوم ان ليس فى الأية الا لفظ الاطعام المجمع على شموله للاباحة، وقد عبر عنه بالتصدق فعلم ان التصدق المذكور ههنا هو المحمول على الاتجار دون العكس والله الموفق،

ثم ان الحاكم روى فى تفسير سورة الحج من مستدركه بطريق زيد بن الحباب عن عبدالله بن عياش المصرى عن الاعرج عن ابى هريرة رضى الله تعالٰى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم من باع جلد اضحيته فلا اضحية له ورواه البيهقى ايضا فى سننه الكبرى، قال الحاكم صحيح الاسناد ولم يخرجاه

قلت وهذا وان رده الذهبى فى التلخيص فقد تلقاه العلماء بالقبول، وبهذا يتقوى الحديث وان ضعف سندا، بيد انهم كما ترى لايجرون على اطلاقه، فقد اتفقوا على جواز البيع للتصدق و نص ائمتنا فى الصحيح عندهم على جواز البيع بما يبقى، فكان الشان فى تنقيح معنى الحديث.

وانا اقول وبالله التوفيق من تأمل نظم الحديث وامعن النظر فى القواعد الفقهية، الجأه ذلك الى الجزم بان المراد بيع خاص لا مطلق التبدل كيفما كان، كيف وان التصدق من مقاصد الاضحية المأذون فيها شرعا، وان للبدل حكم المبدل، وقد ثبت شرعا جواز دفع القيمة فى زكوٰة وفطرة ونذر وكفارة كما نص عليه فى الهداية والكافى والكنز والتنوير وغيرها عامة كتب المذهب فاذا جاز هذا، والصدقات واجبة، فلأن يجوز وهى نافلة اولٰى فافهم، اما عدم جواز ذلك فى الهدايا والضحايا بان لايريق الدم ويعطى القيم، فان القربة فيها بالاراقة دون التصدق وهى غير معقولة، فلا تستبدل ولا تتقوم، كما افاده فى الهداية والبحر وغيرهما، ثم انا نجد الجزاء اى فلا اضحية له اعظم شاهد على عدم الاطلاق، فان من باع للتصدق فقد اتى بما كان مندوبا اليه فى الاضاحى، فكيف يجازى بانتفاء قربته مع انه لم يزد على القربة الا قربة مطلوبة فى خصوص المحل، وقضية الجزاء ترتبه على فعل ينافى التضحية وينفى الاضحية على ما فيه من التاويل لكونه فى معنى الرجوع عن القربة، فلا يمكن ان يكون من باب القربة، بل ولا

من باب الاکل والادخار فان الشرع قد رخص فیھما ایضا مثل الائتجار، ولوکان فیھما ماینافی الاضاحی ویصح ان یترتب علیہ نفی الاضحیۃ، لما اذن فیھما، فعند ذٰلک رأینا ان المراد ھو البیع بحیث یخرج عن جمیع مارخص لہ الشرع فیہ، وماھو الا البیع بمستھلک لا لان یصرف الٰی قربۃ فان الاکل وھو الانتفاع بہ عاجلا قد ذھب بنفس التبدل، والادخار[1] لکونہ لاانتفاع بہ ببقائہ، والائتجار لعدم التقرب تخرج عن الوجوہ الثلثۃ الشرعیۃ، فکان ھو الملحوظ بالنھی المورث للخبث الموجب للتصدق، اما اذا باع بماینتفع بہ باقیا فالاکل وان فقد والائتجار وان لم یکن فالادخار باق، لان البدل ینوب المبدل وھومبقی فیکون مدخرا، وکذا اذا باع بمستھلک لقربۃ فالاکل والادخار وان ذھبا فالائتجار حاصل، وھو افضل الوجوہ فلامعنی للمنع وبہ ظھر ان مانحن فیہ اولی بالجواز من البیع بباق وھو مصرح بجوازہ فی عامۃ کتب المذھب فانکار جواز ھذا ان لیس تحکما فماذا، وانت اذا تأملت ما القیت علیک، واخذت الفطانۃ بیدیک وجعلت الانصاف بین عینیک، لعلمت ان ھذا ھو المعنی المفھوم من الحدیث، فی اول النظر کما بعد الطلب الحثیث فان المتبادر من سیاق اللفظ ان یکون بیعہ[2] للانتفاع لانہ عقد موضوع لذٰلک وھو الغالب فیہ وان یکون بالدراھم لانہ البیع المطلق، والبیع من کل وجہ اما المقایضۃ فتستوی فیہ جھتا البیع والشراء، اما سائر المستھلکات ففی حکم الدراھم، ولذا جعلھا فی الھدایۃ ھی الاصل، وقال فی سائرھن اعتبارا بالبیع بالدراھم ھذا کلہ ماخطر بالبال مستعجلا، فانعم الفکر منصفا متأملا، فان وجدت شیئا یعرف وینکر فلم اٰل جھدا فی اتباع الغر من ائمۃ النظر والله الھادی الٰی عوالی الفکر۔

(تنبیہ نفیس) اقول ولھذا التحقیق استبان والحمد لله معنی قول الھدایۃ لو باع

[1] الادخار والائتجار کلاھما بالنصب عطفا علی الاکل ۱۲ منہ قدس سرہ۔ [2] ثم بعد زمان لما من المولٰی سبحٰنہ وتعالٰی علیّ بشراء غایۃ البیان للعلامۃ الاتقانی رأیتہ نقل عن الامام شیخ الاسلام بکر ما یشیر الٰی ھذا الذی نحوت الیہ حیث قال قال شیخ الاسلام خواھر زادہ رحمہ الله تعالٰی فی مبسوطہ اما اللحم فالجواب فیہ کالجواب فی الجلد ان باعہ بالدراھم تصدق بثمنہ وان باعہ بشیئ اٰخر ینتفع بہ جاز کما فی الجلد انما ذکر محمد رحمہ الله البیع فی حق الجلد دون اللحم لانہ بنی الامر علی ماھو الغالب وفی الغالب کما ینتفع بعین الجلد یباع بشیئ اٰخر ینتفع بہ وفی اللحم فی الغالب ینتفع بہ ولایباع اھ فاشار ان المراد بالبیع ھو الذی یقصد بہ الانتفاع ۱۲ منہ قدس سرہ،

الجلد اواللحم بالدراھم اوبما لاینتفع بہ الابعد استھلاکہ تصدق بثمنہ اھ فانما معناہ اذا باع بھا لاجل الانتفاع لا البیع بھا مطلقا، فانہ رحمہ اللہ تعالٰی ونفعنا ببرکاتہ فی الاولٰی والاخرٰی قال اولا یعمل منہ اٰلۃ تستعمل فی البیت ثم قال ولاباس بان یشتری بہ ماینتفع بہ فی البیت بعینہ مع بقائہ ثم قال ولایشتری بہ مالاینتفع بہ الابعد استھلاکہ وقال فی تعلیلہ اعتبارا بالبیع بالدراھم قال والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول، ثم قال ولوباع الجلد اواللحم الخ فکلامہ کلہ، بدؤہ و ثناؤہ وفتحہ وانتھاؤہ فی البیع لاجل الانتفا لا مطلق البیع، کیف ولواریدالمطلق لماساغ قولہ ولایشتری بہ مالاینتفع بہ الخ فان شراء ذلک لاجل التصدق جائز قطعا ولما صح قولہ اعتبارا بالبیع بالدراھم لمثل مابینا وبطل تعلیلہ بانہ تصرف علی قصد التمول فلیس کل بیع بالدراھم مما یصدق علیہ ذلک کما اسلفنا تحقیقہ، وقولہ ولوباع الجلد الخ انما ھو متفرع علی تلک المسئلۃ فلایراد بہ الاما ارید بھا، کانہ لمابین عدم جوازہ نشأ السؤال فقیل اذالم یجز ھذا، فان فعلہ فاعل فماذا علیہ، فاجاب بانہ یتصدق بثمنہ ثم نشأ السؤال بان قولکم ھذا یفید صحۃ البیع فکیف بحدیث من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ، فاجاب بانہ الحدیث انما یفید کراھۃ البیع اما البیع جائز لقیام الملک والقدرۃ علی التسلیم اھ، وھذا دلیل اٰخر علی ان لیس الکلام فی مطلق البیع بالدراھم، فان البیع بھا لاجل التصدق لایکرہ اصلا، وقد بیّن ھذا، فأبین من ھنا مو لانا العلامۃ العلائی صاحب الدر، حیث قال بعد قول المولی الغزی رحمہما اللہ تعالٰی، تصدق بثمنہ اھ مفادہ صحۃ البیع مع الکراھۃ، وعن الثانی باطل لانہ کالوقف مجتبی اھ فقد نص ان قول التنویر کالھدایۃ تصدق بثمنہ یفید کراھۃ البیع، فمحال ان یکون الکلام فی مطلق البیع بالدراھم، بل فی الصورۃ المکروھۃ فقط، وھی المارۃ فی قولہ لایشتری بہ مالاینتفع بہ الٰی قولہ تصرف علی قصد التمول، ومن اوضح الدلائل علی ذلک ایضا تعلیل الکافی فی شرح الوافی لمسئلۃ الھدایۃ بقولہ لان معنی التمول سقط عن الاضحیۃ فاذا تمولھا بالبیع انتقلت القربۃ الٰی بدلہ فوجب التصدق اھ فافادان الکلام انما ھو فی صورۃ التمول لاغیر، ولذاجاء تصویر المسئلۃ فی التبیین ومجمع الانھر وغیرھما من الاسفار الغر بلفظۃ لایبیعہ بالدراھم علی نفسہ وعیالہ، فقد اوضحوا المرام، وازاحوا الاوھام، وھذا دلیل رابع علی ماذکرت و الخامس الموتر واللہ وتر یحب الوتر، ان نقل کلام التبیین فی الھندیۃ ثم قال وھکذا فی الھدایۃ والکافی اھ فقد افصح بملأ فیہ ان معنی کلام التبیین والھدایۃ واحد، ثم بعد زمان

لما من المولٰی سبحٰنہ وتعالٰی علی عبدہ الضعیف بشراء غایۃ البیان شرح الھدایۃ للعلامۃ الاتقانی رحمہ اللہ تعالٰی، رأیتہ شرح کلامہ بما المریق للوھم مجالا حیث قال یرید بہ ان القربۃ فاتت عن الجلد بما باعہ ولکن الاضحیۃ ساقط عنھا معنی التمول، فلما باعہ بالدراھم وجب علیہ التصدق بھا، لئلا یلزم التمول بشیئ من الاضحیۃ او بدلھا، اھ فافاد کالکافی وغیرہ ان المنھی عنہ ھو البیع للتمول، وزاد ان المراد بیع یفوت القربۃ فخرج البیع لاقامۃ قربۃ، فانہ لایفوتھا بل یحصلھا وھو تقرب لاتمول، فاتضح الصواب وزال الارتیاب، والحمد للہ فی کل باب، ھکذا ینبغی التحقیق اذا ساعد التوفیق، ومن المولٰی تعالٰی ھدایۃ الطریق، فقد بان بنعمۃ اللہ جل وعلا ان البیع بالدراھم لیس مما یمنع مطلقا بل اذا کان علی جھۃ التمول، وھو الذی یورث الخبث وعلیہ یتفرع وجوب التصدق، اما اذا باع بھا لیصرفھا فی القربات، فذلک سائغ وسائر وجوہ القرب مطلقۃ حینئذ لاحجر فی شیئ منھا، بذلک افتیت غیر مرۃ وکتبت فیہ فتوی مفصلۃ، اذ سئلت عنہ لتسع بقین من ذی الحجۃ عام الف وثلثمائۃ وخمس من ھجرۃ من لولاہ ما صلیت الخمس، ولا لاح قمر ولا بزغت شمس، ولا قبل غد ولا ادبر امس علیہ وعلی الہ الغر الکرام افضل صلاۃ واکمل سلام واخری مجملۃ اذ ورد علی السؤال لسبع خلون من ذی القعدۃ الحرام فی العام الذی یلی ذلک العام وھما مثبتتان فی المجلد الرابع من مجموعۃ فتاوی المبارکۃ انشاء اللہ تعالٰی الملقبۃ بالعطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ جعلھا اللہ نافعۃ للمسلمین ومقبولۃ لدی العالمین وحجۃ لعبدہ یوم الدین اٰمین الٰہ الحق اٰمین۔

فعند ذلک نازعنی شرذمۃ من الھندیین اکثرھم من الوھابیۃ المبطلین زاعمین ان البیع بالدراھم مطلقا ولو للقربات یوجب التصدق حتی لایجوز لہ الصرف الی ما نوی من القرب بل لایخرج عن العھدۃ الا بالاداء الی الفقیر علی وجہ التملیک، واحتج الاصاغر منھم علی ذلک بعبارتی الدرایۃ والدر المذکورتین، وقد بینا ما ھو المراد بھما واثبتنا عرش التحقیق علی انہ لامساس لشیئ منھما بمزعوم القوم، فاغنانا ذلک عن الاسترسال مرۃ اخرٰی فی رد کلامھم، فانہ لتشدد وھن نفسہ غنی عن ایھان غیرہ، فلئن سألتھم ھل الکلام ھھنا اعنی فی قول الھدایۃ والدر فی بیع یکرہ لا فی غیرہ، لیقولن نعم، ولئن سألتھم ھل البیع بالدراھم یکرہ مطلقا لیقولن لا، قل فانی تذھبون، ولئن قالوا فی الاول لا، لقضت علیھم حجتھم نفسھا بالخطأ والجھالۃ ولئن قالوا فی الاخر نعم، فکلامھم انفسھم منادٍ علیھم بالبھت والبطالۃ، فانھم ایضا

معترفون بجواز البیع للتصدق من دون کراھۃ، وان لم یعترفوا لاتیناھم بجنود من نصوص العلماءؑ لاقبل لھم بھا، فناھیک بھذا القدر مشبعا لھم، ومزیلا لوھم عرض بالھم،

ولکنی اقول لاغرو من نفر قاصدین لایکادون یمیزون بین الغث والسمین والرخیص والثمین والمدین والضمین والشمال والیمین، انما العجب من کبیرھم الگنگوھی المدعی طول الباع وعظم الذراع علی ما فیہ من انواع الابتلاع حیث زاد غباوۃ علی الاتباع واخذ یتشبث بما نقلنا من انہ تصرف علی قصد التمول، الی قولہ فیکون خبیثا فیجب التصدق، وانہ اذا تمولھا بالبیع، الی قولہ فوجب التصدق فان کلامی الھدایۃ والدرر وان کانا حجتین علیھم لا لھم، لکن لاکھاتین الناصتین بان الکلام فی صورۃ التمول لا مطلق التبدل، لاسیما کلام الامام البدر المبین کالبدر، ان وجوب التصدق لاجل الخبث والخبث لکراھۃ البیع، وکراھۃ البیع لقصد التمول، فیالیت شعری افیظن الرجل ان کل تبدل بمستھلک تمول، فیحکم بکراھۃ البیع بہ مطلقا، ام لایدری الفرق بین التمول والتقرب حتی یحتج علی الضد بالضد ام یجیز قیاس المباین علی المباین، والخبیث علی الطیب، والمنھی عنہ علی المأذون فیہ، بل المندوب الیہ فھل ھذا الا شیئ نکرا، وامرا امرا، وایاما کان فالی اللہ الضراعۃ لنخ البراعۃ ومنع الشناعۃ۔

عبارۃ العینی والکافی ۲

قال الرجل ھداہ اللہ تعالٰی الی مسلک اھل السنۃ والجماعۃ، اذا باع المضحی جلد اضحیتہ بالدراھم سواء کان البیع للتمول او بنیۃ التصدق تعین تصدق ثمنہ کالنذر وھذا ھو معنی الصدقۃ الواجبۃ، قال العینی فی شرح الھدایۃ انہ تصرف علی قصد التمول وھو قد خرج عن التمول فاذا تمولہ بالبیع وجب التصدق لان ھذا الثمن حصل بفعل مکروہ، فیکون خبیثا فیجب التصدق اھ و فی الکافی فاذا تمولھا بالبیع انتقلت القربۃ الی بدلہ فیجب التصدق اھ معربا ملخصا۔

اقول دلنا کلامک ھذا علی تعیین الشق الاخیر من الشقوق الثلثۃ المارۃ فی قولی، یالیت شعری فعرفنا بتردیدک ان لیس کل بیع بمستھلک تمولا عندک، وانک مائز بین التمول وغیرہ، وان بدلت التقرب بالتصدق جھلا منک او تجاھلا مع علمک ان الکلام فی سائر القرب دون التصدق فاذن لا اجد لاحتجاجک بکلام الکافی مثلا، الا کمن ادعی ان من صلی اثم سواء کانت صلاتہ للہ تعالٰی اولغیرہ واحتج علیہ بقولہ عزوجل قُلْ یٰۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ فان کان

ؑ ھذا کان اذ ذاک ثم ترقی بہ الحال فی الغوایۃ والضلال فوقع فی الکفر البواح واختار الارتداد الصراح واستحب العمی علی الھدی نعوذ باللہ من الھلاک والردی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم العزیز الحکیم قدس سرہ العزیز

الدلیل یتم بان یکون اخص من المدعا مع عدم المساس بالجزء المقصود منه المتنازع فیه اصلاً فلا اری احداً من المبطلین یعجز عن اقامة الف دلیل علی دعواہ ھذا احتجاجك بالکافی، اما التمسك بکلام البدائع فبرأك اللہ من ان تنقص درجة عمن یدعی وجود اللیل البھیم مُسْبلَ الاستار یحتج علیه بوجود الشمس فی وسط السماء بازغة تبھر الابصار۔

قال فقد اتضح بھاتین الروایتین وجوباً لتصدق واذا وجب الصدقة فکونھا صدقة واجبة واضح بنفسه فلا یکون مصرفھا الا مصرف الصدقة الواجبة کما ھو ظاھر، فلا یجوز صرفه الی بناء المنارة والمدارس، اھ بالتعریب۔

اقول ان ارید الوجوب عند التمول فنعم، ولا کلام فیه، او عند التقرب فلا ولا کرامة، وای اثر له فی دلیلك فما ثبت بھما لا نزاع فیه، وما فیه النزاع لم یثبت بھما، وان کان بحسبك ان یقع فی کلام الاصحاب۔ لفظ وجوب التصدق فی ای مسألة من ای باب، فنعم لدعواك فی کل کتاب، دلائل عدد الرمل والتراب۔

قال والصدقة مطلقا لابد فیھا من التملیك سواء کان اباحة او تملیکا تاما۔

اقول یالیتك اذلم تھتد الی الصواب قنعت، بما من قبل صنعت، ونفسك عن الاسترسال منعت ولکنك احببت ان تزید فی الطنبور نغمة۔ وفی الشطرنج بغلة۔ فابتدعت القول بان الاباحة من التملیك وانھا تجزئ فی الصدقة مطلقا، فجعلت القسیم قسما، والضد ندا، مع ان کلمات العلماء فی مسائل الاباحة غیر قلیلة ولا خفیة، بل دائرة فی کثیر من ابواب الفقه، منھا الطھارات، ومنھا الزکوٰۃ، ومنھا الطلاق ومنھا اللقطة، ومنھا الھبة، ومنھا الکراھیة وغیر ذلك وھذا شرح الوقایة للامام الجلیل صدر الشریعة اول کتاب نتدارسه فی الفقه، افاد فیه رحمه اللہ تعالٰی فی اول کتبه کتاب الطھارات من باب التیمم، ان القدرة تثبت بطریق الاباحة، وبطریق التملیك، فان قال صاحب الماء لجماعة من المتیممین لیتوضأ بھذا الماء ایکم شاء، والماء یکفی لکل واحد منفردا ینتقض تیمم کل واحد لثبوت القدرة لکل واحد علی الانفراد، اما اذا قال ھذا الماء لکم وقبضوا لا ینتقض تیممھم لانه یبقی علی ملك الواھب ولم تثبت الاباحة لانه لما بطل الھبة بطل ما فی ضمنه من الاباحة اھ ملخصا، ونحوہ فی الفتح والبحر وغیرھما، فانظر کیف باینوا بینھما، واسمع کیف اثبتوا الاباحة لکل منفردا، بقول المالك لیتوضأ به ایکم شاء، مع بداھة انه لا یثبت بقوله ھذا شیئ من الملك لکل منھم، ولا لاحد ھم، افما کنت درست ھذا، أو ما دریت ولا وعیت ضابطالھم، ان ما شرع بلفظ طعام واطعام جاز فیه

الاباحۃ، وما شرع بلفظ ایتاء واداء شرط فیہ التملیک، کما فی ظہار الدر ومجمع الانہر وغیرہما فافتح العین، هل هما قسیمان، او احدهما قسم من الاخر، اَوَ ما علمت ان مولی الغزی لما قال ان الزکاۃ تملیک الخ قال المحقق العلائی خرج الاباحۃ، او ما عرفت ان الامام صدر الشریعۃ لما قال فی النقایۃ تُصرف تملیکا، یعنی الزکاۃ قال العلامۃ الشمس محمد فی شرحها فیہ اشارۃ الی انہ لایجوز صرف الاباحۃ الخ اَوَ ما عقلت ما افاد العلامۃ البحر فی لقطۃ البحر، اذ قال انما فسرنا الانتفاع بالتملک لانہ لیس المراد الانتفاع بدونہ کالاباحۃ، او ما وقفت علی قول السید الشامی فی لقطۃ رد المحتار التصرف علی وجہ التملک احتراز عن التصرف بطریق الاباحۃ علی ملک صاحبها اھ اَوَ ما سمعت العلماء یصرحون فی غیر ما موضع ان المباح لہ، انما یتصرف علی ملک المبیح لاحظ لہ من الملک اصلا، حتی لم یثبتوا لہ ملکا بعد زوال ملک المالک، ایضا قال المولی زین بن نجیم فی شرح الکنز فان قیل المباح یستهلکہ المباح لہ، علی ملک المبیح او علی ملک نفسہ، قلت اذا صار ما کولا زال ملک المبیح عنہ، ولم یدخل فی ملک احد اھ وآثرہ عنہ العلامۃ الطحطاوی فی حاشیۃ الدر، هذا وکم اسرد لک یا هذا من نقول الاسفار۔ وهی فی الوفور والاستکثار، ما تنتهی دون نقلہ الاعمار، وانا بحمد اللہ عالم بمناط غلطک، ومثار لغطک وسأنبهک علیہ عن قریب، ان شاء المولی القریب المجیب، وأما ما اوهمت من اجزاء الاباحۃ فی الصدقات مطلقا، فواضح البطلان عند کل من یعلم ان الزکاۃ وصدقۃ الفطر لاتغنی فیهما الاباحۃ علی المذهب الصحیح المفتی بہ، وقد قدمنا نصوص النقایۃ والتنویر والدر، وضابط الدر وشرح ملتقی الابحر، وسیأتی زیادۃ علی ذلک ان اراد المالک،

وبالجملۃ کلام الرجل ککلام مدهوش، من قرنہ الی قدمہ مخدوش، ونحن اذ قد اوضحنا المرام وازحنا الاوهام بتوفیق ربنا الملک العلام، فلا علینا ان نقصر الکلام، ونطوی بساط الرد والابرام و الحمد للہ ولی الانعام۔

تذییل جلیل :۔ قال العبد الذلیل بعد هذا، وقفت علی تحریر آخر لبعض جلۃ العصر من افاضل اهل السنۃ جنح فیہ نحو ما جنح اولئک القوم، وحکم ان لابد ههنا من التملیک متمسکا بما تعریبہ حکم جلود الاضاحی ان یتصدق بها او ینتفع بها بنفسہ او یستبدلها بما ینتفع بہ مع بقاء کالغربال والسجادۃ وغیرهما، ففی صورۃ التصدق لابد من التملیک، اھ حاصلہ معربا۔

اقول هذا کلام کما تری لایکاد یرجع الی طائل، فان لزوم التملیک فی التصدق لایستلزم لزومہ

فی التقرب، ولم یلُمّ کلامکم بایجاب التصدق ھٰھنا عینا ونفی سائر وجوہ التقرب شیئا فالصغری المطویۃ ھی التی کانت محتاجۃ الی البیان وقد طویتموھا وطویتم الکشح عن بیانھا فاختلّ البرھان، وکانّ ملحظ ھذا الفاضل ومحطّ نظرہ ان حکم الجلود اذا کان دائرا بین الاشیاء الثلثۃ، وبالبیع بالدراھم ولو لاجل التقرب انتفی الاخیران، فتعین الاول، وھو لابد فیہ من التملیک ھذا غایۃ مایقال فی تقریر کلامہ۔ علی حسب مرامہ ھنّأہ ربہ بلطفہ واکرامہ فالاٰن **اقول** وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق۔ اعلم ان للصدقۃ اطلاقات:۔

الاول اخصھا تملیک المال من الفقیر مجانا، فخرج الاعارۃ والاباحۃ وھدیۃ الغنی، والاقراض وھذا ھو المراد فی الزکوٰۃ وصدقۃ الفطر، وبھذا المعنی یقال ان الصدقۃ لابد فیھا من التملیک وحینئذ لاتدخل فیھا الکفارات لجواز الاباحۃ فیھا[1] قطعا، ولذا قال فی ظھار التنویر، صحت الاباحۃ فی طعام الکفارات والفدیۃ دون الصدقات والعشر، اھ قال السیدان الفاضلان احمد الطحطاوی ومحمد الشامی (قولہ دون الصدقات) ای الزکاۃ وصدقۃ الفطر اھ فانظر کیف اخرج الکفارات من الصدقات

الثانی تمکین الفقیر من المال مجانا وھنا یقطع النظر عن التملیک ویکتفی باطلاق الانتفاع، والتصرف والاستھلاک الصادق بہ، وبالاباحۃ، وبھذا المعنی تشمل الکفارات فتعد من الصدقات الواجبۃ کما قال القھستانی والشامی وغیرھما فی مصرف الزکاۃ انہ ھو مصرف ایضا لصدقۃ الفطر والکفارۃ والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبۃ اھ وبہ علم ان ھذین المعنیین لاتبعدا ھما الواجب من الصدقات والخلط بینھما کانّہ ھو الذی حدا ذاک الرجل الوھابی ان جعل الاباحۃ من التملیک، وذلک انہ رأی فی الفتح مایقصر الصدقۃ علی التملیک ورأی فی ردالمحتار مانقلنا اٰنفا وھو یفید ان الکفارۃ ایضا من الصدقات، وقد نقل العبارتین فی فتواہ فأظن انہ نظم منھا شکلا واستنتج منہ ان الکفارۃ لابد فیھا من التملیک وکان داریا ان الاباحۃ تسوغ فیھا، فلم یتالک نفسہ ان حکم بکون الاباحۃ قسما من التملیک لانہ اضطربت لدیہ الاقوال، وضاق علیہ میدان المجال، ولم یدر التفصی عن الاشکال الا بالداء ھذا المحال۔ ولم یعرف المسکین فرق الحال، و

---

[1] ای فی نوع الطعام منھا اما الکسوۃ فی کفارۃ الیمین فلاتکفی فیھا الاباحۃ کما فی البحر وغیرہ فلیحفظ ھذا المراد، وانا اقول خروج الکسوۃ ضروری فان الاباحۃ انما تکون فی ماینتفع بہ باستھلاکہ کالماکولات والمشروبات والکسوۃ لیس ھکذا کما لایخفی، والحاصل ان عندی فرقا بین الاباحۃ والاعارۃ مطلقا، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز

ان تغیر الاوسط یھدم الاشکال فان التی یجب فیھا التملیک ھی الصدقۃ بالمعنی الاخص الوارد فیھما لفظ الایتاء او الاداء او ما یؤدی مؤداھما، والکفارات لیست من الصدقات بھذا المعنی، فلا شکل ولا اشکال۔ والحمد ﷲ المھیمن المتعال، علی انہ ان قطع النظر عن ھذا التحقیق النفیس الانیس الدقیق، فکان السبیل ان یقال باستثناء الکفارات من حکم وجوب التملیک کما فعل الفاضل القھستانی حیث قال تحت قول النقایۃ تصرف تملیکا یستثنی منہ اباحۃ الکفارۃ اھ لا ان یرتکب مثلک ھذا المحال، وباللہ العصمۃ عن الزلل والضلال ھذا ما وعدناک فلنعد الی شرح اطلاقات الصدقۃ،

الثالث وربما یقطع النظر عن الفقر ایضا، فتشمل التملیک والاباحۃ للفقیر والغنی، قال فی التوسط شرح سنن ابی داؤد الصدقۃ ما تصدقت بہ علی الفقراء ای غالب انواعھا کذلک فانھا علی الغنی جائزۃ عندنا یثاب بہ بلاخلاف اھ وقال فی ردالمحتار عن البحرالرائق الصدقۃ تکون علی الاغنیاء ایضا وان کانت مجازا عن الھبۃ عند بعضھم وصرح فی الذخیرۃ بان فی التصدق علی الغنی نوع قربۃ دون قربۃ الفقیر اھ وروی احمد والطبرانی فی الکبیر عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما اطعمت زوجتک فھولک صدقۃ وما اطعمت ولدک فھولک صدقۃ، وما اطعمت خادمک فھولک صدقۃ، ولہ فیہ عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما انفق الرجل فی بیتہ واھلہ وولدہ وخدمہ فھولہ صدقۃ۔

الرابع ربما تطلق حیث لاتملیک ولا اباحۃ اصلا وانما ھو تصرف مالی قصد بہ نفع المسلمین کحفر الاٰبار وکری الانھار وبناء الربط والجسور والمساجد والمدارس وغیر ذلک، وعن ھذا نقول انھا صدقات جاریۃ، ومن ذلک قولھم فی الاوقاف صدقۃ مؤبدۃ، وعلیہ جاء قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذ اتاہ سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال یارسول اللہ ان امی ماتت فای الصدقۃ افضل قال سقی الماء فحفر بیرا وقال ھذہ لام سعد کما اخرجہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان والحاکم عن سعد وابویعلی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فقد سمی سقی الماء بحفر البئر صدقۃ، ومعلوم ان لاتملیک فیہ ولا اباحۃ، فان من شرطھا ان یکون الماء فی ملک المبیح کما لایخفی علی احد وقد قال صدرالشریعۃ انھم لما لم یملکوہ لاتصح اباحتھم اھ وقد نص علماؤنا ان ماء البئر غیر مملوک لصاحبھا، ففی الھدایۃ البئر ونحوھا ما وضع للاحراز ولایملک المباح بدونہ وفی فتاوی العلامۃ خیرالدین الرملی فی الولوالجیۃ وکثیر من الکتب لو نزح ماء بئر رجل بغیر اذنہ

حتی یبست لاشیئ علیہ[1] لان صاحب البئر غیر مالك للماء اھ فاذن لایکون الا تقربا الی اللہ تعالٰی بتصرف فی مالہ لنفع المسلمین وعلی ھذا سائر القرب المالیۃ سواء فی دخولھا فی معنی الصدقۃ، وقد قال الامام فقیہ النفس قاضی خاں فی الخانیۃ قریۃ فیھا بئر مطویۃ بالاجر خربت القریۃ، وانقرض اھلھا وبقرب ھذہ القریۃ قریۃ اخری فیھا حوض یحتاج الی الاجر فارادوا ان ینقلوا الاجر من القریۃ التی خربت ویجعلوھا فی ھذا الحوض، قالوا ان عرف بانی تلك البئر لایجوز صرف الاجر الا باذنہ، لانہ عاد الی ملکہ وان لم یعرف البانی قالوا الطریق فی ذلك ان یتصدق بھا علی فقیر، ثم ذلك الفقیر ینفقھا فی ذلك الحوض، لانہ بمنزلۃ اللقطۃ والاولی ان ینفق القاضی فی ھذا الحوض، ولاحاجۃ فیہ الی التصدق علی الفقیر اھ، وفی الھندیۃ عن الواقعات الحسامیۃ، فیما اذا لم یعلم الغارس الحکم فی ذلك الی القاضی ان رأی بیعھا وصرف ثمنھا الی عمارۃ المقبرۃ فلہ ذلك اھ، وقال فی الخانیۃ قبلہ نبت الاشجار بعد اتخاذ الارض مقبرۃ فان علم غارسھا کانت للغارس وان لم یعلم فالرأی للقاضی ان رأی ان یبیع الاشجار وتصرف ثمنھا الی عمارۃ المقبرۃ فلہ ذلك، وتکون فی الحکم کانھا وقف اھ

قلت ای فی انہ مال مصروف الی وجوہ البر، اما الوقف فلا لما فی الخانیۃ ایضا رجل جعل ارضہ مقبرۃ، وفیھا اشجار عظیمۃ، قال الفقیہ ابوجعفر رحمہ اللہ تعالٰی وقف الاشجار لایصح، فتکون الاشجار للواقف، ولورثتہ ان مات، وکذا البناء فی الدار التی جعلھا مقبرۃ اھ، ومعلوم ان حکم اللقطۃ ھو التصدق الا ان یکون الملتقط فقیرا، فیصرفہ الی نفسہ، وھو ایضا من باب التصدق من المالك، بل قال فی الدر المختار عن العمدۃ وجد لقطۃ وعرفھا ولم یرد بھا فانتفع بھا لفقرہ ثم ایسر یجب علیہ، ان یتصدق بمثلہ، اھ وان کان المختار خلافہ کما فی البحر والنھر عن الولوالجیۃ والقنیۃ وجامع الرموز عن الظھیریۃ قلت لان الصدقۃ اصابت محلھا فلا تتغیر بتغیر حالہ، کفقیر اخذ الزکوٰۃ ثم ایسر لیس علیہ ردھا، وبالجملۃ الحکم ھٰھنا التصدق، وقد نصوا علی جواز صرفہ الی عمارۃ المقبرۃ واصلاح الحوض، ومن ذلك ما فی الرحمانیۃ عن الاجناس، اذا خرب مسجد ولا یعرف بانیہ وبنی اھل المسجد مسجد آخر ثم اجمعوا علی بیعہ، واستعانوا بثمنہ فی ثمن المسجد الاخر فلا باس بہ، وھذا قول محمد خلافا لابی یوسف فانہ مسجد ابدا عندہ اھ وفی السراجیہ مسجد عتیق لایعرف بانیہ خربت فاتخذ بجنبہ مسجد اخر، لیس لاھل المسجد ان یبیعوہ ویستعینوا بثمنہ فی مسجد اخر، عند ابی یوسف خلافا لمحمد وعلیہ الفتوی وذلك ان المسجد اذا خرب والعیاذ باللہ واستغنی عنہ یعود عند محمد الی ملك البانی، کما فی

[1] قلت ای لازمان لان الاتلاف صادف مبلغا غیر مملوك لاحد اما التعزیر فینبغی ان یکون فیما یظھر اذا فعلہ لمحض الاضرار ردو عصی ولا ضرار فی الاسلام ۱۲ منہ

التنویر وغیرہ فاذا لم یعرف بانیہ صار لقطہ، وقد قال الامام محمد رحمہ اللہ صرفہ الی مسجد اٰخر فعلم ان التصدق المامور بہ فی اللقطہ ھو بھذا المعنی الرابع الداخل فیہ الصرف الی المقابر والحیاض والمساجد وھذہ الاطلاقات کلہا فقھیۃ کما تری،

الخامس قد یتوسع فیقطع النظر عن قید المال ایضا، ویطلق علی کل نفع للغیر بایصال الخیر اودفع الضیر کیفما کان، ومن ذلک حدیث تکرار الجماعۃ المروی فی جامع الترمذی وغیرہ الارجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل سلامی من الناس علیہ صدقۃ کل یوم تطلع فیہ الشمس تعدل بین الاثنین صدقۃ بینہما، وتعین الرجل علی دابتہ فتحمل علیہا، اوترفع لہ علیہا متاعہ صدقۃ والکلمۃ الطیبۃ صدقۃ ودل الطریق صدقۃ وتمیط الاذی عن الطریق صدقۃ، اخرجہ احمد والشیخان، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مامن رجل مسلم یصاب بشیئ فی جسدہ فیتصدق بہ الارفعہ اللہ بہ درجۃ وحط عنہ خطیئتہ، اخرجہ احمد والترمذی وابن ماجۃ عن ابی الدرداء واحمد والضیاء نحوہ عن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما باسناد صحیح،

السادس قد یستقصی فی التوسع فیقطع النظر عن الغیر ایضا ویطلق علی کل فعل حسن محمود فی الشرع فانہ ان لم یکن تصدقا علی غیرہ، فتصدق علی نفسہ، ومن ذلک قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی حدیث ابی ھریرۃ، المار کل خطوۃ تخطوھا الی الصلاۃ صدقۃ۔ وجاء فی حدیث کل تکبیرۃ صدقۃ، وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل معروف صدقۃ، اخرجہ احمد والبخاری وآخرون عن جابر، واحمد ومسلم وابوداؤد عن حذیفۃ والطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، والبیہقی فی الشعب عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم، زاد عبد بن حمید والحاکم، وصححہ فی حدیث جابر ھذا وما انفق المسلم من نفقۃ علی نفسہ واھلہ کتب لہ بہا صدقۃ وتتمۃ حدیث المقدام المقدم ذکرہ، وما اطعمت نفسک فھو لک صدقۃ، اتقن ھذا فلعلک لاتجد بیان تلک الاطلاقات الافی ھذہ الوریقات واللہ سبحٰنہ واھب العطیات،

ثم ان المراد بالتصدق فی قولہم فی الاضاحی یتصدق بالثلث وقولہم یندب ان لاینقص الصدقۃ عن الثلث، لیس ھو المعنی الاخص الاول، کیف وقد اجمعوا علی اباحۃ الاباحۃ فی القربان، فلایمکن تعیین الاخص المنحصر فی التملیک، ویتضح ذلک فی قول مجمع الانھر وغیرہ الجہات ثلث الاکل والادخار والتصدق اھ فاین الاطعام العام الغیر المخصوص بالتملیک المنصوص علیہ فی قولہ عزّ

مجلدہ وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ، وقد استدل فی الهدایة بالاٰیة علی قول البدایة یستحب ان لاینقص الصدقة عن الثلث، قائلا لان الجهات ثلث الاکل والادخار لما روینا والاطعام لقوله تعالٰی وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ والقسم علیها اثلاثا اھ، فلوکان المراد بالصدقة هو المعنی الاخص لما انطبق الدلیل علی المدعی کما لایخفی، واذ قد علمت ان الصدقة لها اطلاقات وان لزوم التملیک انما هو فی المعنی الاول وانه غیر مراد ههنا، وجب ان لایکون مرادا ایضا قولهم یتصدق بجلدها فان التصدق ههنا هو عین التصدق فی قولهم یتصدق بالثلث، یرشدك الیه تعلیل الهدایة بقوله لانه کجزء منها فثبت ان لیس تصدق الجلد مما یقتصر علی التملیك حتی لوصنع منه دلواً او وقفه علی بئر مسجد لیستقی به المتوضئون جاز قطعا[1] فسقط الاحتجاج راسا بقی انه اذ لیس المراد الاول فایّ البواقی یراد

اقول لیس تعیینه علینا، بل مجرد الاحتمال یکفینا، فمن زعم بعدم الجواز فهو المدعی وانما البینة علی من یدعی، نعم ان سألتنا التبرع، فنقول حدیث نبیشة الخیر الهذلی رضی الله تعالٰی عنه یهدینا الٰی مطلق الائتجار الحاصل بسائر وجوہ القرب، فلیکن المراد هو المعنی الرابع، وهو الغالب فی الصدقات النافلة، علی انا قد بینا ان معنی المنع لیس ترك التصدق المامور به فانه غیر المامور به ههنا راسا بل النهی قطعا لتمول المنهی عنه فی کل ما تقرب به الی المولی سبحٰنه وتعالٰی وهو لایتحقق فی شیئ من القرب، فلا یضرنا عند التحقیق، ارادة شیئ من المعانی اصلا، کما لایخفی علی من رزق العقل السلیم والفهم المستقیم، والله سبحٰنه بکل شیئ علیم، هذا وجه فی الجواب، عن احتجاج هذا الفاضل المستطاب،

اقول ثانیا مبناہ عن حصر السائغ فی الاوجه الثلٰثة، ولادلیل یدل علی الحصر، وعدم الذکر لیس ذکر العدم، وهذا الامام القدوری مقتصرا فی مختصرہ علی شیئین التصدق وعمل اٰلة حیث قال ویتصدق بجلودها او یعمل منه اٰلة تستعمل فی البیت اھ فترك التبدل بما یبقی ایضا، افیظن کلامه هذا معارضا لکلام من ثلث، وهذا المحقق الحلبی قال فی ملتقاہ، وهو من متون المذهب المعتمدة کما نص علیه العلامة الشامی یاکل من لحم اضحیته ویطعم من شاء من غنی وفقیر ویندب ان لاینقص الصدقة عن الثلث اھ فلم یذکر التبدل بالباقی فی مسئلة اللحم مع جوازہ قطعا علی المذهب الصحیح، وان اختیر ما صححه فی الظهیریة وغیرها من جواز تبدل الماکول بالماکول

[1] ای علی المفتی به من جواز وقف المنقول حیث تعورف وقد تعارف المسلمون وقف الدلو والرشا علی اٰبار المساجد اھ، منه قدس سرہ العزیز

کاللحم بالحبوب واللبون وغیرہ بغیرہ کالجلد بالکتاب والجراب لاعکسہ فی الصورتین، فقد ترك هذا الوجه فی اللحم، وعلی کل فلم یحط بکل ماھو سائغ فیہ، ونظائر ذلك ان تتبعت اعیاك عدّھا کثرا واذ لاحصر فلامساغ لان یقال اذا انتفی الاخیران تعین الاول وقد لوحنا ببعض من ھذا فی مطاوی کلامنا فی الوجه السابق،

واقول ثالثا ان ابیتم الا الحصر فنبئونی افلا یجوز اھداء غنی، ولیس من الثلثۃ او لایجوز الاعارۃ من فقیر او ملی ولیس منها او لا یجوز البیع بالدراھم للتصدق ولیس البیع للتصدق عین التصدق، فاذ بقیت ھذہ فلیکن البیع بھا لاجل التقرب ایضا من البواقی،

وبالجملة فلادلیل یظھر علی عدم جواز البیع لاجل القرب ولا علی وجوب التملیك اذا فعل ذلك، بل الدلیل ناطق بخلافه فان المانع انما ھو قصد التمول وھذا بمعزل عنه، والمسوغ کما تبین بکلام التبیین قصد القربة وھذا، فلنقتصر علی ھذا القدر، حامدین لربنا فی الورد والصدر، ھذا ما ظھر لفھمی القاصر وفکری الفاتر، ومعاذ اللّٰه ان ابرئ نفسی من الخطأ والزلل واصرّ علی رائ بعد وضوح الخلل وسبحٰن اللّٰه الیش انا والیش رأیی، وانما النقص بضاعتی والخطأ صناعتی، والجھل صفتی، والعجز سمتی، فان اصبت فبتوفیق ربی، وله الحمد فی کل آن وحین، وان اخطأت فبشؤم ذنبی، واسأل التوبة ارحم الراحمین، والحمد للّٰه العزیز الوھاب۔ والصلٰوۃ والسلام علی النبی الاواب، وآله وصحبه خیر آل واصحاب، واذا انتھت الرسالة بحمد ذی الجلالة وددت ان اسمیھا بعلم لطیف، یکون علما علی عام التالیف، کما ھو دأبی فی جمیع التصانیف وقد جاءت بحمد اللّٰه تعالٰی مختصرۃ، ومع الاختصار مطھرۃ مظھرۃ، فناسب ان اسمیھا "الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة" وکان ذلك ضحوۃ الخمیس للیلة بقیت من ذی القعدۃ الحرام سنة الف وثلثمائة وسبع من ھجرۃ المولی سید الانام افضل صلٰوۃ واکمل سلام واجمل تحیة من الملك المنعام علیه وعلی آله وصحبه الکرام علی مر اللیالی والایام، والحمد للّٰه ذی الجلال والاکرام

کتبه العبد المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه بمحمد ن المصطفٰی النبی الامی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم

خلاصہ "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ"

مسئلہ علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، کہ قربانی کی کھال کو راہ ثواب میں خرچ کرنے کے لئے بیچنا جیسے مدارس اسلامیہ کی اعانت، مسجد کے لئے چٹائی، روشنی وغیرہ کار ثواب جس میں کسی خاص فقیر کو مالک نہیں بناتے

جائز ہے یا ناجائز ؟ اور ایسا پیسہ ان مصارف میں صرف ہوسکتا ہے ، یا وہ صدقہ واجبہ ہے اور اس کا فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے ۔ بینوا توجروا ۔

جواب اللہ تعالیٰ کے لئے تعریف ہے ، اور ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں ، درود وسلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل واصحاب پر ، جبتک لوگ خدا کے لئے قربانی کرتے ہیں ،

قربانی کی کھال کو تمول کی غرض سے نہ بیچا ہو ، بلکہ کار ثواب میں صرف کرنے کی غرض سے بیچا ہو ، تو یہ بیع بھی جائز ہے اور ان مصارف میں اس کا صرف کرنا بھی جائز ہے ، اگرچہ وہاں فقیر کو مالک نہ بنایا گیا ہو ، کیونکہ قربانی کا مقصد مطلق کار ثواب ہی ہے ، فقیر کو مالک بنانا نہیں ، اسی لئے قربانی کا گوشت وغیرہ مالدار کو دینا بھی جائز ہے ،

اصل میں قربانی کی کھال کی بیع اُس وقت منع ہے ، جب اُس کو اپنی ذات کے تمول کے لئے بیچا ہو ، اسی کی علماء اعلام کے کلام میں تصریح ہے ، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :-

مسئلہ کے جزئیات " قربانی کی کھال سے ایسی چیز نہ خریدے ، جس کو فنا کئے بغیر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکے ، جیسے سرکہ یا غلہ سے بدلنا (کہ ان کو ختم کر کے ہی ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے) دراہم کے ساتھ بیع کرنے کی ممانعت کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس نے کار ثواب کی چیز کو اپنی ذات کے نفع اور مالداری کے لئے برتا ۔"

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے :-

" روپیہ کے بدلے بیچا اس وقت منع ہے کہ وہ روپیہ اپنے اور بال بچوں پر صرف کرے ، کہ یہی "تصرف علی وجہ التمول" ہے

یہی بات بنایہ وغیرہ کتب کبار میں ہے ، تو ثابت ہوا کہ کھال کی وہی بیع منع ہے ، جو اپنی ذات کے نفع کے لئے دراہم یا برتنے سے ختم ہوجانے والی چیز کے بدلے میں ہو ، اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ کار ثواب کے لئے بیچنے کا اس سے کچھ علاقہ نہیں ، تو ایسی بیع ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے ؟ بلکہ یہ تو اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے ، جس کے لئے قربانی ہوئی ، تو اس کو تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہونا چاہئے ،

علامہ فخر الدین زیلعی اپنی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں :-

" اگر کھال کو صدقہ کرنے کی نیت سے بیچا ، تو جائز ہے ، کیونکہ یہ کار ثواب ہے ، جیسے گوشت ہی صدقہ کر دیتا ۔"

امام زیلعی نے اپنے کلام میں بیع بالدراہم کے جواز کی وجہ مطلقاً کار ثواب بتایا ، بیع مسئولہ بھی کار ثواب کے لئے ہی ہے ، پھر اس کو ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے ، یہ بلاشبہہ جائز ہے ،

ایسے پیسوں کا صدقہ واجب قرار دینا بالکل بے اصل بات ہے ، جب خود قربانی کے گوشت اور کھال کا صدقہ کرنا واجب نہیں تو اس کے دام کا صدقہ کس طرح واجب ہوگا ، جبکہ صدقہ کو واجب کرنے والی کوئی نئی بات پیدا بھی نہ ہوئی ،

ہاں وہ بیع بالدراہم جو اپنی ذات کے انتفاع کے لئے ہو ، وہ ضرور بیع منہی عنہ ہے ، کہ اس بیع کا مقصد مال حاصل کرنا ہے ۔ اور یہ شرعاً منع ہے ، اس کا بھید یہ ہے کہ قربانی میں اصل کار ثواب اللہ کے لئے خون کا بہانا ہے ، اسی لئے جبتک جانور سے یہ اصل غرض حاصل نہیں

ہوتی، اس سے ہر قسم کا انتفاع مطلقاً منع ہے، حدیہ ہے کہ اون اور دودھ سے بھی انتفاع جائز نہیں، نہ قربانی کرنیوالے کو نہ غیر کو، اور جب اصل غرض حاصل ہوگئی، تو اس کے تمام اجزاء سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہوگیا، لیکن قربانی شدہ جانور کو کلاً یا بعضاً کسب زر کے لئے بیچنا، اس کو قربت اور کار ثواب سے پھیر کر کار دنیا کی طرف موڑ دینا ہے، اور کار ثواب اور حصول زر میں منافات ہے، اس لئے اس طرح بیع ناجائز اور منع ہوگی۔ اور جو پیسہ اس طرح حاصل ہوگا، وہ مال خبیث ہوگا، اور مال خبیث کا شرعی حکم صدقہ کرنا ہی ہے،

اور صدقہ کی غرض سے بیچنے اور قربانی میں کوئی منافات نہیں، کہ یہ بھی کار ثواب اور وہ بھی کار ثواب، تو یہ ایک طرح سے اسی کی تکمیل ہے، تو اس سے حاصل شدہ رقم خبیث نہ ہوگی، لہذا یہ بیع حرام بھی نہ ہوگی، اسی بات کو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بنایہ میں ارشاد فرمایا:-

"جس چیز سے انتفاع اس کے فنا کے بغیر نہ حاصل ہو، ایسی چیز سے بیع حرام ہونیکی وجہ یہ ہے کہ اس قربانی کے جانور میں تمول کی غرض سے تصرف ہوا، حالانکہ وہ جانور تمول کی جہت سے نکل کر ہمیشہ کے لئے تقرب کی جہت میں داخل ہوگیا ہے، تو جب اسے بیع کرکے کسب زر کیا، اس کا صدقہ واجب ہوا، اس لئے کہ یہ قیمت فعل مکروہ سے حاصل ہوئی، تو وہ خبیث ہوئی، اور اس کا صدقہ واجب ہوگیا"

سوال وجواب یہاں اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات توسب کے نزدیک مسلم ہے، کہ کھال کی بیع بطور تمول ناجائز ہے، اور حاصل ہونیوالی قیمت خبیث ہے، ہمارا یہ کہنا ہے کہ کسی ایسی چیز کے بدلے بیچنا جو برتنے سے ختم ہوجائے یہ بھی بیع بطور تمول ہے، تو کار ثواب کے لئے بھی اسطرح بیچنا بطور تمول ہوا، جس کو ناجائز ہونا چاہئے، اور قیمت کا صدقہ واجب ہونا چاہئے،

جواب یہ ہے کہ اس خیال کی تردید امام عینی کا کلام کر رہا ہے، کیونکہ انھوں نے تصدق کے لئے مستہلک سے بھی بیع کو جائز قرار دیا، حالانکہ اس پر بقول آپ کے بیع برائے تمول صادق آنا چاہئے، اور اس کو حرام ہونا چاہئے، اور اس کا تصدق بلانیت ثواب ضروری ہونا چاہئے، جو مال خبیث کا حکم ہے، اس سے ثواب کی امید رکھنا گناہ بالائے گناہ ہونا چاہئے، اور یہ سب باطل ہے، کیونکہ یہاں تصدق اور طلب ثواب کی نیت سے یہ بیع ہوئی، پھر بھی امام عینیؒ نے اس کو جائز قرار دیا، تو ثابت ہوگیا کہ مستہلک سے بیع مطلقاً تمول کے لئے نہیں ہوتی،

ایک اور سوال وجواب اگر کوئی یہ کہے کہ صدقہ کی غرض سے بیع جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیع صدقہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور جو حکم مقصد کا ہوتا ہے، و سیلہ کا بھی ہوتا ہے، صدقہ جائز ہے، تو اس کا وسیلہ بیع بھی جائز ہوگا،

اس کا جواب یہ ہے کہ ی ل بعینہ دیگر کار ثواب میں بھی جاری ہے، کہ یہ سارے کار ثواب جائز ہیں، تو اس کے لئے بیع بھی جائز ہونا چاہئے، بلکہ اس توجیہ سے تو اشیائے مستہلکہ کے عوض بیچنا بھی جائز ہونا چاہئے، مثلاً غلہ کے عوض کھال بیچیں اور غلہ کو اپنے استعمال میں لائیں، کہ قربانی کو کھانا جائز اور بیع اس کے حصول کا ذریعہ، اور جو حکم مقصد کا وہی ذریعہ کا، تو یہ بیع بھی

...لانکہ اس بیع کے ناجائز ہونے کا جزئیہ کلام ائمہ میں موجود ہے،
تو ثابت ہوا کہ اصل علت جواز یہ نہیں کہ وسیلۂ مقاصد کے حکم میں ہے، بلکہ اصل علت وہی ہے، کہ حصول زر اور ...ی کی غرض سے بیع ناجائز ہے۔ اور مقاصد خیر کی غرض سے جائز، جیسا کہ امام ذیلعی نے اس کے جواز کی علت میں فرمایا "لانھا قربۃ" (اس لئے کہ یہ کار ثواب ہے) اور منطق کی زبان میں یہ قول قیاس کا صغریٰ ہوا، اور نتیجہ دینے کے لئے کبریٰ کا کلیہ ہونا ضروری ہے، جو اس طرح ہوگا، "ہر قربت جائز ہے"، تو بات نصف النہار کی طرح واضح ہوگئی، کہ ہر قربت اور کار ثواب کیلئے بیع جائز ہے، وللہ الحمد،

ایک دوسری تقریر شرعاً قربانی کے مصرف کی تین جہتیں ہیں:۔ اکل (کھانا)، ادخار (جمع کرنا) ایتجار (کار ثواب) میں صرف کرنا چاہے کوئی بھی کار ثواب ہو، جیسا کہ ابوداؤد نے ایک ایسی سند سے جس کے تمام راوی بخاری اور مسلم کے رواۃ میں ہیں ایک حبان حضرت مسدد ایسے نہیں، تو وہ ثقہ ہیں، حافظ ہیں، اور امام بخاری کے اساتذہ میں ہیں، الغرض یہ حدیث صحیح حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے،

"حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم تم کو قربانی کا گوشت تین دن سے زائد روکنے سے منع کرتے تھے، اس کا مقصد مسکینوں پر آسانی تھی، اب اللہ تعالیٰ نے کشادگی فرمادی، تو اب "کھاؤ" "جمع کرو" اور کار ثواب میں صرف کرو، سنو یہ دن ہی کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں"

تو اس حدیث سے مطلقاً ہر کار ثواب کے لئے بیچنا جائز ہوا،

سوال وجواب اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ کار ثواب سے مراد وہی فقراء پر صدقہ کرنا ہے، تو ہمیں اصرار ہے کہ حدیث شریف کا لفظ ایتجار تمام امور خیر کو عام ہے، اس کو تملیک فقراء والے صدقہ میں منحصر کرنا تحکم ہے،

ہوسکتا ہے کہ کوئی صاحب حدیث عام کو صدقہ خاص پر محمول کرنے کی یہ دلیل دیں، بخاری و مسلم وغیرہ کتب احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے، جس میں ایتجار کے بجائے تصدقوا کا لفظ ہے، تو ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دینے کے لئے کیوں نہ ہم لفظ ایتجار (کار ثواب) کو صدقہ پر محمول کریں، کیونکہ اصول کا مسئلہ یہ ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے، اور یہاں پر ایسا ہی ہے، کہ واقعہ دونوں حدیثوں میں قربانی کے جانور کا ہے اور حکم بھی دونوں جگہ ایک ہی ہے، بس فرق یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں صدقہ عام کا حکم ہے، اور صحیحین کی حدیث میں صدقہ خاص کا، لہذا یہاں ایتجار سے مراد صدقہ ہی ہے،

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہی ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا، لیکن یہ حکم عمومی نہیں کہ ہر واجب و مستحب کو عام ہو، بلکہ صرف حکم وجوبی کے ساتھ خاص ہے، کہ احکام واجبہ میں اتحاد حکم و واقعہ کے وقت عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا، اور قربانی کے مصرف کے سلسلہ میں جو حکم ہے استحبابی ہے، اس بات پر چاروں اماموں کا اجماع ہے، لہذا مطلق

کو مطلق، اور مقید کو مقید رکھا جائے گا، ایک کو دوسرے پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں، تو جس حدیث میں تصدق کا لفظ ہے وہی مراد لیں گے، اور جس میں مطلقاً کارِ ثواب کا لفظ ہے اس سے جمیع وجوہ خیر مراد لیں گے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بار ی دونوں ہی امور کی طرف رغبت دلائی۔

اس کا رمز یہ ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بدرجہ مجبوری ہے، یعنی جب مطلق اور مقید دونوں کو اپنے اپنے محل پر حمل کرنا ممکن نہ ہو، اور جہاں ایسا ممکن ہو حمل کرنے کی بالکل ضرورت نہیں، امام ابن ہمام فرماتے ہیں:۔

"حادثہ واحدہ میں مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بضرورت ہے، جب مطلق اور مقید کے حکم میں تعارض ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے کہ مجبوری ہے۔"

تو ثابت ہوا کہ اصل مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا سبب مطلقاً اتحاد حکم وحادثہ نہیں، بلکہ دونوں حکموں کا تعارض اور منافاۃ ہے، مزید وضاحت کے لئے ہم کلام علماء سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں:۔

(الف) تلویح وغیرہ میں ہے:۔

"مطلق اور مقید اگر اسباب کے بیان میں وارد ہوں، تو مطلق کو مقید پر حمل نہیں جاسکتا۔ اس لئے کہ ایک شیٔ کے چند اسباب ہوسکتے ہیں، تو تعارض نہیں، تو حمل کی ضرورت نہیں۔"

(ب) تلویح میں اسباب متعدد اور اختلاف حوادث کی صورت میں بھی مطلق کو مقید پر حمل کرنیوالوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا

"اگر ایک ہی حادثہ میں ایک حکم میں مطلق کی نفی ہو، اور دوسرے میں مقید کی نفی، تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا، کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، اصل مراد دونوں کی نفی ہے۔

ہاں دو ایسے منفی احکام میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، جہاں ایک حکم دوسرے کی تقیید کو مستلزم ہو جیسے کسی نے کسی سے کہا: ہماری طرف سے ایک غلام آزاد کرو، اور مجھے کسی مشرک غلام کا مالک نہ بنانا، ایسی صورت میں آمر کی طرف سے صرف مسلمان غلام خرید کر ہی آزاد کیا جائے گا، اگرچہ حکم مطلقاً آزاد کرنے کا ہے لیکن مشرک غلام کی ملکیت کی نفی نے تملیک کو صرف مسلم غلام تک خاص رکھا، اور اُسے مالک بنائے بغیر اُس کی طرف سے آزاد نہیں ہوسکتا، تو جس کا مالک بنا سکتا ہے، یعنی مسلمان کا، اُسی کو آزاد بھی کرے گا، آزادی کا حکم لاکھ عام ہو۔"

(ج) توضیح وغیرہ میں تعارض کے وقت مطلق کے مقید پر محمول ہونے کی مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا:۔

"اللہ تعالیٰ نے کفارہ میں مطلقاً تین روزہ رکھنے کا حکم دیا، متفرق طور پر ہو یا مسلسل، اس سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ صِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ (تین یوم کا روزہ) لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ۔ (مسلسل تین دن) آیا، یہاں ایک حادثہ میں دو متعارض حکم واجب کیا گیا، کیونکہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ متفرق طور پر بھی روزہ رکھے تو کفارہ کے لئے کافی ہوگا، اور "متتابعات" کا تقاضا یہ ہے کہ مسلسل رکھنا واجب ہے، اس لئے یہاں

مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے گا"
توان علماء نے تعارض والی صورت کو وجوب کے ساتھ خاص فرمایا،
(د) یہی بات ملا عبد العلی بحر العلوم رضی اللہ عنہ نے فواتح الرحموت میں فرمائی :-
مصنف کی عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مطلق کو مقید پر حمل کرنا، احکام واجبہ کے ساتھ خاص ہے، احکام مستحبہ
اور مباحہ کے ساتھ نہیں، اس لئے کہ مطلق اور مقید دونوں کے مباح ہونے میں کوئی تعارض نہیں، البتہ احکام واجبہ
میں تعارض ہے، کہ مقید کا تقاضا یہ ہوگا کہ جس نے قید پر عمل چھوڑ دیا، مجرم ہوا، اور مطلق کا تقاضا یہ ہوگا کہ کوئی جرم
نہیں کیا، اس تعارض کو دفع کرنے کی ضرورت ہے، مطلق کو مقید مان لیا جاتا ہے۔
(ہ) امام سغناقی نے "نہایہ" میں فرمایا، اور صاحب بحر الرائق نے ان کے قول کو سند کے طور پر ذکر کیا :-
"صحیح یہی ہے کہ حادثہ چاہے ایک ہو چاہے چند، مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جائے گا، دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک حدیث میں فرمایا: ساری روئے زمین میرے لئے طہور بنائی گئی، یہ مطلق ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا:-
"التراب طھور" (مٹی پاک ہے) یہ خاص اور مقید ہے، ہمارے امام اعظمؒ نے عام کو خاص پر حمل نہیں کیا، اور اسکو سارے
اجزا سے ہی تیمم جائز قرار دیا، اگرچہ حادثہ ایک ہی ہے"
اس عبارت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امام سغناقی ان لوگوں کو جواب دے رہے ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک اتحاد حادثہ وحکم
ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، حالانکہ دار و مدار حادثہ واحدہ یا متعددہ پر نہیں، تعارض پر ہے، اور اسی مجبوری سے عام کو خاص پر یا
مطلق کو مقید پر حمل کیا جاتا ہے، اور اسی سے ہمارے امام اعظمؒ نے ایک حادثہ میں بھی عام کو خاص پر حمل نہیں، کہ ان دو حکموں میں کوئی تعارض نہیں
(یہاں امام شامی کا ایک اعتراض ہے، جس کا جواب ہم نے ان کی کتاب پر لکھے ہوئے اپنے حاشیہ میں دیا ہے)

ایک اور دلیل | یہی حدیث حضرت سلمہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ سے امام احمد و شیخین نے اس طرح روایت کیا :-

(۱) کلو (کھاؤ) اطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو)
اور امام احمد، مسلم، ترمذی نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کی :-
(۲) کلوا ما بدأ لکم (جتنا چاہے کھاؤ) واطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو)
اور امام مسلم وغیرہ کے یہاں ان الفاظ میں مروی ہے :-
(۳) کلوا (کھاؤ) اطعموا (کھلاؤ) احبسوا (روک رکھو) ادخروا (جمع کرو)
حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے ساتھ ملالی جائے، توان چاروں حدیثوں میں "کلوا" اور "ادخروا" کا لفظ مشترک
ہے، صرف حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تیسرا لفظ "ایتجروا" (طلب اجر یعنی کار ثواب کرو) ہے، اور بقیہ تینوں حدیثوں میں
"ایتجروا" کے بجائے اطعموا ہے، اور حضرت صدیقہؓ کی حدیث میں اس مقام پر تصدقوا ہے، گویا ان حدیثوں میں تیسری چیز کو تین لفظوں

سے تعبیر کیا، ایتجروا، اطعموا، تصدقوا، اب اگر سب چھوڑ کر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا لفظ "ایتجروا" عام نہیں، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی طرح اس سے مراد خاص صدقہ تملیکی ہے (یعنی جس میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہوتا ہے) تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ بقیہ تینوں حدیثوں میں لفظ "ایتجروا" کے بجائے لفظ "اطعموا" ہے، تو اس کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث "تصدقوا" سے وہی نسبت ہوئی جو لفظ ایتجروا کو ہے، تو لازم ہوگا کہ اطعام کو بھی تصدقوا پر محمول کیا جائے، اور اطعام میں بھی اباحت کافی نہ ہو، تملیک ضروری ہو، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قربانی کا گوشت اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھلا دے تو یہ ناجائز ہوگا، جبتک کہ فقیر کو اس کا مالک نہ کرے، جبکہ تمام علماء کا اجماع ہے کہ آدمی قربانی کا گوشت جس طرح دوسروں کو دے سکتا ہے، اسی طرح بطور اباحت دعوت بھی کرسکتا ہے، اور اگر حدیث کے لفظ اطعام کو تصدق پر محمول نہیں کرتے تو ایتجار کو کیسے محمول کرتے ہیں،

الغرض ان سب حدیثوں پر جتنا غور کیا جائے گا یہ حقیقت کھلتی جائے گی کہ تصدقوا سے مراد صدقہ خاص نہیں، بلکہ عام طور پر ہر کارِ ثواب مراد ہے، چاہے اس میں تملیک ہو یا نہ ہو،

تائید مزید

اور انصاف پسندوں کے لئے تو صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہی کافی ہے جس میں وہ لفظ اطعام کی تفسیر مفہوم صدقہ سے کرتے ہیں، عبارت ان کی یہ ہے:-

"مستحب یہ ہے کہ صدقہ والا حصہ ایک ثلث سے کم نہ ہو، کیونکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، دو چیزیں تو احادیث ثابت ہیں، کھانا اور جمع کرنا، اور تیسری چیز اطعام، یہ قرآن سے ثابت ہے، ارشاد الٰہی ہے، اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (کھلاؤ صابر اور مانگنے والے فقیروں کو) تو جب مدیں تین ہیں تو گوشت بھی تین حصہ کرلیا جائے"

اس عبارت کے شروع میں جس کو صدقہ والا حصہ کہا ہے، یہ وہی ہے، جس کو بعد والی عبارت میں لفظ اطعام سے بیان کرتے ہیں، اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ اطعام کے لئے تملیک ضروری نہیں، نہ شرعاً نہ لغۃً، بلکہ سب نے بالاتفاق اطعام میں اباحت کو جائز رکھا، بلکہ یہ تصریح کی کہ جہاں لفظ اطعام آئے، وہاں اباحت مراد ہوگی، امام اتقانی اسی عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:-

"قرآن و حدیث نے جب کھانا، صدقہ اور جمع کرنا جائز قرار دیا، تو جہتیں تین ہوئیں، لہٰذا گوشت کا بھی تین حصہ کرنا چاہئے"

ہمارا کہنا ہے کہ آیت میں صدقہ کا لفظ بھی نہیں، اطعام کا لفظ ہے، جس کے لفظ میں اباحت داخل ہے، اور اسی کو یہ علماء لفظ تصدق سے تعبیر کرتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر لفظ تصدق ہی عام معنی میں مستعمل ہے، اور اس سے ہر قسم کا کار خیر مراد ہے،

ایک شبہہ اور اسکا جواب

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں سورۂ حج کی تفسیر میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ

سے ایک روایت نقل کی ہے، امام بیہقی نے بھی سنن کبریٰ میں اسے نقل کیا حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد بتایا، لیکن امام ذہبی نے تلخیص میں اس پر جرح کی، جو کچھ بھی ہو، یہ حدیث علمائے اسلام میں مقبول و متداول ہے، اور یہ چیز ضعیف حدیث کو قوی بنا دیتی ہے، الفاظ حدیث کے یہ ہیں :۔

من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ ۔ جس نے قربانی کی کھال بیچی، اس کی قربانی نہیں۔

اس حدیث سے اگر کسی کو شبہہ ہو کہ امور خیر کے لئے بھی بیع اس حدیث کی رو سے ناجائز ہوئی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے اطلاق پر نہیں، جس کے خارجی، داخلی، اور شرعی سبھی قسم کے شواہد ہیں

خارجی دلیل تو یہ ہے کہ سارے علماء اس امر پر متفق ہیں کہ صدقہ کے لئے کھال کی بیع جائز ہے، اور خاص علمائے احناف تو باقی رہنے والی چیز کے بدلہ میں بھی اس کی بیع جائز قرار دیتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ سب علماء حدیث کے خلاف اتفاق نہیں کر سکتے، اس لئے لامحالہ سب کے نزدیک یہ حدیث مطلق نہیں ہوئی بلکہ مؤول ہے،

شرعی شہادت یہ ہے کہ شریعت نے قربانی کے گوشت وغیرہ کو جو مقاصد قرار دیئے ہیں ان میں صدقہ بنیادی مقصد ہے، اور از روئے شرع بدل پر وہی حکم لاگو ہوتا ہے، جو مبدل کا تھا، چنانچہ زکوٰۃ و فطرہ میں جس طرح اصل (غلہ، چاندی، سونا وغیرہ) ادا کرنا جائز ہے، اسی طرح اس کی قیمت بھی، تو قربانی میں بھی یہی ہونا چاہئے، کہ جس طرح گوشت اور کھال کا صدقہ جائز ہے، اس کی قیمت کا صدقہ بھی جائز ہو،

ایک ذیلی شبہہ اور اس کا جواب

اصل قربانی میں تو ایسا نہیں ہوتا، کیونکہ کوئی شخص قربانی کے بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنا چاہے تو شرعاً جائز نہیں، قربانی ہی کرنی ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ قربانی میں اصل مقصد خون بہانا ہوتا ہے، جو قیمت صدقہ کرنے سے حاصل نہیں ہوتا، اور چونکہ قربانی کا حکم خلاف قیاس ہے، اس لئے اس میں اپنی عقل سے بدلہ مقرر کرنا صحیح نہیں جیسا کہ بحر و ہدایہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے، اور گوشت اور کھال کا مقصد صدقہ ہے، اس لئے قیمت سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔

داخلی شہادت یہ ہے کہ یہ حدیث مبارک بطور شرط و جزا وارد ہوئی، شرط یہ جملہ ہے "جس نے قربانی کی کھال بیچی" اور جزا یہ ہے "اس کی قربانی نہیں ہوئی"

پس اس جزا کا تقاضا یہ ہے کہ شرط ایسی چیز ہو، جس پر قربانی کی نفی مرتب ہو سکے، اور قربانی، قربانی نہ رہ جائے، نہ کہ وہ چیز جس سے قربانی کا مقصد بدرجہ اتم حاصل ہو، یعنی شرط ایسی بیع ہوگی ثواب کے لئے نہ ہو، اور وہ بیع جو حصول ثواب کی غرض سے ہو یا وہ بیع جو باقی رہنے والی چیز سے ہو، یا اس کو کھا لیا جائے، تو یہ افعال لا اضحیۃ لہ (اس کی قربانی نہیں) کی شرط نہیں بن سکتے، کیونکہ ان کی تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے، تو لامحالہ شرط میں وہی بیع مراد ہوگی جس کی کھال یا گوشت کو تمول کے لئے بیچا گیا ہو۔ کیونکہ ایسی بیع سے قربانی کے مقاصد ثلثہ فوت ہو گئے، بیع کی صورت میں کھانا منتفی ہو گیا، یہ ظاہر ہے، ادخار (جمع کرنا) اس لئے منتفی ہو گیا کہ ایسی چیز کے عوض بیچا جو باقی رہنے والی نہیں ہے کہ کہا جائے کہ بدل اصل کا قائم مقام ہے، اور طلب ثواب اس لئے منتفی ہو گیا کہ یہ بیع تمول اور کسب زر کی غرض سے ہوئی تو ایسی بیع کی صورت میں باقی تینوں مقاصد منتفی ہو گئے اور یہ

کہنا بالکل چسپاں ہوگیا کہ لا اضحیۃ لہ (اس کی قربانی نہیں) اور اس بیع سے جو قیمت حاصل ہوئی، خبیث ہوئی، تو اس کا صدقہ واجب ہوگیا،

بر خلاف اس کے اگر باقی رہنے والی چیز سے بدلا، تو اکل و ثواب تو ضرور منتفی ہوا، مگر ادخار باقی رہا کہ بدل کا باقی رہنا اصل کا باقی رہنا ہے، اور ہلاک ہونے والی چیز سے برائے ثواب بیچا، تو اکل و ادخار تو ضرور منتفی ہوا، لیکن طلبِ ثواب اب بھی باقی ہے، اور یہ ان وجوہ ثلثہ میں سب سے افضل ہے، تو یہ جائز ہوگا، اور اس کا انکار زیادتی اور زبردستی ہے،

ایک آسان بات | یہ لمبی اور دقیق بحث ترک بھی کردی جائے، تو یہ ایک آسان اور سامنے کی بات ہے کہ لفظ بیع انتفاع کے لئے بیچنے پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ عقد بیع کی وضع ہی اسی غرض کے لئے ہوئی ہے، اور یہی لفظ بیع بالدراہم کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے، کیونکہ بیع کی یہی صورت اصلی ہے، اور اشیاء سے تبادلہ میں تو بدلین پر قیمت اور بیع دونوں ہونے کا احتمال رہتا ہے، اس لئے صرف لفظ باعَ بھی اس مقصد پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہے، کہ حدیث میں لفظ "من باع" سے خاص وہی بیع مراد ہے، جو دراہم کے بدلے اپنی ذات کے تمول و انتفاع کے لئے ہو،

شبہہ اور اس کا جواب | اگر کوئی یہ کہے کہ دیگر مستہلکات سے بھی تو بقول آپکے بیچنا منع ہے، تو آپ کے اس قول کا کیا وزن رہا کہ لفظ بیع پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بیع ممنوع بالدراہم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر مستہلکات کے ساتھ بیع کی ممانعت دراہم کے ہی تابع ہو کر ہے، اصالۃً نہیں، اسی لئے تو ہدایہ میں دراہم کو ہی اصل قرار دیا، اور بقیہ کو اسی پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا اعتباراً بالبیع بالدراھم (دراہم کی بیع پر قیاس کرتے ہوئے)

عبارت ھدایہ کی تشریح | ہماری اس تحقیق سے ہدایہ کے مندرجہ ذیل قول کے معنی بالکل واضح ہوگئے، اور مانعین کا استدلال باطل ہوگیا،

"اگر جلد یا گوشت کو دراہم یا ایسی چیزوں کے ساتھ بیچا جنھیں ختم کئے بغیر ان سے انتفاع نہ ہو سکے تو اسکی قیمت صدقہ کرے۔"

(۱) اس عبارت میں بیچنے سے مراد اپنی ذات کے لئے بیچنا ہے، مطلقاً بیع نہیں، کیونکہ پہلے انھوں نے یہ فرمایا کہ کھال سے گھریلو کام کے لئے کوئی سامان بنایا جاسکتا ہے، پھر کہا ایسی چیز جسے باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھایا جائے، اس سے بدل بھی سکتے ہیں، تو ان دو مسئلوں میں انتفاع ذاتی ہی کا بیان ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ایسی چیز سے نہ بدلیں جو استعمال میں خرچ ہو جائے، تو یہ ممانعت بھی ذاتی استعمال والی ہی بیع کے لئے ہوئی، اب اسی بیع کی ممانعت کی علت بیان فرماتے ہیں، کہ یہ بیع بالدراہم کی طرح ہے، تو ظاہر ہے کہ اس سے وہی بیع بالدراہم مراد ہوگی، جو ممنوع ہے، صدقہ کے لئے تو دراہم کے عوض بیچنا جائز ہی ہے، اور آگے اسی کے لئے فرماتے ہیں کہ اس میں معنیٰ تمول ہے، تو یہ کلام ابتداء سے انتہا تک پکار پکار کر اعلان کر رہا ہے کہ اس بیع سے مراد ذاتی انتفاع والی بیع ہے، مطلقاً بیع نہیں، ورنہ حضرت کی ان عبارتوں کے کوئی معنیٰ نہ ہوں گے "مالا ینتفع بہٖ

(جس سے نفع نہ اٹھایا جاسکے) اعتباراً بالبیع بالدراھم (بیع بالدراہم پر قیاس کرتے ہوئے) وانہ تصرف علی قصد التمول (یہ تمول کی نیت سے تصرف ہوا) اور اسی کے بعد صاحب ہدایہ کی یہ متنازع عبارت "اگر جلد اور گوشت الخ" تو اس کا مطلب مطلقاً بیع کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ تو اسی حکم پر متفرع ہے، گویا کسی نے پوچھا کہ ذاتی اغراض کے لئے جو بیع بالدراہم ہوئی وہ تو ناجائز ہوئی، اب جو پیسہ اس سے حاصل ہوا کیا کیا جائے، تو فرمایا، وہ مال خبیث ہے، اس کا صدقہ واجب ہے، اس پر گویا پھر کسی نے پوچھا آپ کے حکم "یہ مال خبیث ہے" سے یہ پتہ چلتا ہے، کہ بیع ہوئی مگر فاسد، اور حدیث مبارک "لا اضحیۃ لہ" سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیع باطل ہے، تو اس کا جواب اس طرح دیا کہ "الحدیث انما یفید الکراھۃ" یعنی حدیث سے بھی بطلان ثابت نہیں، مراد کراہت ہی ہے، کیونکہ بیع کے تو تمام ارکان پائے گئے، کہ جانور بیچنے والے کی ملک ہے، اور مشتری کو اس پر قبضہ بھی دلاسکتا ہے، اس لئے بیع تو ہوگئی، مگر قصد تمول اور عدم بقائے بدل کی وجہ سے فاسد ہوئی،

(۲) صاحب ہدایہ کا یہ بعد والا کلام بھی اسی بات کی دلیل ہے، کہ بیع سے ان کی مراد مطلقاً بیع بالدراہم نہیں، کیونکہ تصدق کے لئے بیچنے کو تو سبھی جائز کہتے ہیں،

(۳) یہیں سے "صاحب درمختار" کے کلام کا مطلب بھی واضح ہوگیا، جو انھوں نے امام غزی کے قول "تصدق بثمنہ" کی شرح میں فرمایا ہے، اس کا مفاد یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے، مگر فاسد ہے، البتہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس جانور کو وقف کی طرح قرار دے کر اس کی بیع کو باطل قرار دیا، اس عبارت میں اس بات کی صراحت ہے کہ تنویر کا لفظ تصدق بثمنہ بالکل ہدایہ کی عبارت تصدق بثمنہ کی طرح ہے، جو مطلب اس کا ہے وہی "تنویر" کی عبارت کا بھی ہے، تو ایسی صورت میں محال ہے کہ اس عبارت میں مطلق بیع مراد ہو، بلکہ وہی مراد ہے جو ہدایہ کی عبارت "لا یشتری بہ ما لا ینتفع" سے تصرف علی قصد التمول تک میں مراد ہے،

(۴) اس مقصد پر اس سے بھی واضح دلالت کافی شرح وافی کی ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

"قربانی کے جانور سے تمول کے معنی کی نفی ہو جاتی ہے، لیکن جب اس کو تمول یعنی کسب زر کی نیت سے بیچا تو اب پھر وہ اضحیہ سے نکل گیا، تو اب اس کا صدقہ واجب ہوگا"

تو انھوں نے تو نص ہی کر دیا کہ ممانعت کا حکم صورت تمول میں ہے، کسی اور صورت میں نہیں، اس لئے اس مسئلہ کو تبیین، مجمع الانہر وغیرہ کتابوں میں اس طرح بیان کیا گیا:۔

"کھال کو اپنے اور بال بچوں کے لئے دراہم کے عوض نہ بیچے"

تو انھوں نے تو تسمہ ہی لگا نہ چھوڑا، یہ چوتھی دلیل ہوئی،

(۵) اور پانچویں صاحب ہندیہ کا یہ کلام کہ انھوں نے صاحب تبیین کے کلام کو نقل کرکے فرمایا "یہ مسئلہ اسی طرح ہدایہ اور کافی وغیرہ میں ہے" تو انھوں نے تو منہ بھر کر گواہی دیدی کہ صاحب تبیین اور ہدایہ کی عبارت کا مطلب ایک ہی ہے،

اس کے بعد غایۃ البیان علامہ اتقانی رحمۃ اللہ علیہ دیکھنے کی توفیق ہوئی، تو انھوں نے تو اوہام کے سارے بادلوں کا صفایا کردیا

فرماتے ہیں :-

"ہدایہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کھال کی بیع کے بعد اس سے قربت اور ثواب ہونے کے معنیٰ ختم ہوگئے حالانکہ قربانی سے کسبِ مال اور حصولِ زر کی غرض ساقط ہے، تو جب دراہم سے اس کو بیچ دیا، تو اس کا صدقہ واجب ہے، تاکہ قربانی یا اس کے معاوضہ سے کسی قسم کا تمول نہ لازم آئے"

تو انھوں نے بھی کافی کی طرح یہ بات صاف کر دی، کہ ہدایہ کی عبارت سے مراد وہ بیع ہے، جو تمول کے لئے ہو، اور اتنا اضافہ فرمایا کہ یہ وہ بیع ہے جس سے کارِ ثواب اور قربت ہونے کی نفی ہوتی ہے، تو وہ بیع اس حکم ممانعت سے خارج ہوگئی، جو ادائے قربت اور حصولِ ثواب کے لئے ہو، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تو یہ امر واضح ہو گیا کہ ممنوع مطلقاً بیع بالدراہم نہیں، بلکہ جب تمول کے طور پر ہو، یہی بدل میں خبث پیدا کرتی ہے، اور اسی سے تصدق واجب ہوتا ہے، اور کارِ ثواب کے لئے بیچنے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ وہ کارِ ثواب کسی قسم کا ہو۔

میں نے بارہا یہی فتویٰ دیا، اور اس موضوع پر ایک مفصل فتویٰ ۲۱ رذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کو لکھا، اور دوسرا مجمل فتویٰ آئندہ سال ذی القعدہ میں دیا، یہ دونوں فتاویٰ میرے فتاویٰ کی چوتھی جلد میں ہیں، تو میرے ان فتووں کی مخالفت ہندیوں کی ایک جماعت نے شروع کی جن میں اکثر وہابیہ ہیں، ان کا یہ خیال ہے کہ کھال کی بیع دراہم کے ساتھ مطلقاً ناجائز ہے، خواہ نیت کارِ ثواب کی ہی کیوں نہ ہو، ان کا صدقہ کرنا واجب ہے، وہ بھی اسی طرح کہ فقیر کو اُس کا مالک بنا دے، کسی بھی دوسرے مصرف میں خواہ مصرفِ خیر ہی کیوں نہ ہو، صرف کرنا جائز نہیں، اصاغر نے تو ہدایہ اور درمختار کی انھیں دونوں عبارتوں سے سند پکڑی، جس کا مفصل بیان اوپر گزرا، تو ہم کو دوبارہ ان کی تردید کرنی ضروری نہ تھی، ان کی بات حد درجہ کمزور ہے، کیونکہ ان سے خود پوچھ دیکھو! کہ ہدایہ اور درمختار کی عبارت بیع مکروہ کے بیان میں ہے، یا کسی دوسری کے بیان کے لئے، تو کہیں گے بیع مکروہ کیلئے پھر ان سے پوچھو کیا کھال کی بیع مطلقاً مکروہ ہے تو کہیں گے نہیں، تو اب فیصلہ کے لئے کیا باقی رہ گیا ہے، اور اگر اول میں پلٹ کر جواب دیں کہ صرف بیع مکروہ کی نہیں، تو ان کا نفس انھیں خود جھٹلائے گا، اور ثانی میں اگر کہیں ہاں، تو ان کی بات خود انھیں کو جھٹلا رہی ہے، کیونکہ وہ بھی صدقہ کے لئے بیع جائز قرار دیتے ہیں، اور اگر وہ اس بیع کے جواز کا انکار کریں گے تو ہم ان کو نصوص علماء کے لشکروں سے آسودہ کر دیں گے۔

اگر یہ چھوٹے لوگ غلطی میں پڑ گئے جو موٹے اور دبلے، سستے اور مہنگے، اور دائیں بائیں کی تمیز نہیں رکھتے، تو تعجب کی بات نہ تھی، تعجب تو اس بات پر ہے کہ ان سب کے امام گنگوہی صاحب جو طول باع و وسعت اطلاع کے مدعی ہیں انھوں نے کیسے یہ فتویٰ دیا۔ اور اپنی سابقہ گمرہیوں میں اضافہ نہ کر لیا۔ اور سند میں عینی اور کافی کی عبارت پیش کی۔ ہدایہ اور دُرر کی عبارت ہی انکے خلاف حجت تھیں۔ لیکن عینی اور کافی کی عبارتیں تو ان کا صریحی رد ہیں۔ خصوصاً ہدایہ کی عبارت میں تو تصدق کی علت خبث کو قرار دیا ہے۔ اور خبث کیوجہ، بیع کی کراہت کو تسلیم کیا ہے۔ اور بیع کی کراہت کی وجہ

تمول کو گردانا ہے ۔ تو کیا یہ آدمی دراہم کیساتھ بیع کو مطلقاً بیع تمول گردانتا ہے ۔ یا تمول اور تقرب کا فرق نہیں جانتا۔ یا ضد کو ضد پر قیاس کرنے کو اور خبیث کو طیب پر محمول کرنے کو اور بیع منھی عنہ کو بیع جائز پر اعتبار کرنے کو روا دیتا ہے ۔ یہ کتنی شنیع بات ہے، ہم خدا سے اس سے پناہ مانگ رہے ہیں ۔

رد اللہ تعالیٰ اس شخص کو مذہب اہلسنت وجماعت کی ہدایت دے ۔ ۔ اس نے کہا ۔

"قربانی کرنے والے نے جب جلد دراہم کے عوض بیچ دی تو تمول (کسب زر) کی نیت ہو۔ یا صدقہ کی ۔ اس کے دام کا صدقہ کرنا واجب ہوگیا ۔ جیسے نذر کا صدقہ واجب ہوتا ہے عینی نے شرح ہدایہ میں کہا ۔ یہ قصد تمول پر تصرف ہے ۔ اور قربانی کسب زر کا ذریعہ ہونے سے نکل چکی ہے ۔ تو جب بیچ کر کسب زر کیا تو صدقہ واجب ہوگیا ۔ کیونکہ یہ ثمن فعل مکروہ سے حاصل کیا ۔ تو خبیث ہوگا اور صدقہ واجب "

اور کافی میں ہے ۔

جب اس سے تمول کیا تو قربت کھال سے منتقل ہو کر اس کے بدل میں چلی گئی ۔ تو اس کا تصدق واجب ہوا ۔

اس کلام سے کم از کم یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ شخص تمول اور تقرب کے فرق سے آگاہ ہے تبھی تو بیع تمول اور بیع تقرب کو دو علیحدہ قسمیں قرار دیکر حرف تردید سے بیان کیا کہ تمول ہو یا صدقہ کی نیت دام کا صدقہ واجب ہوگیا" ہاں لاعلمی یا تجاہل عارفانہ میں لفظ تقرب کو تصدق سے بدل دیا ۔ کیونکہ کلام تو مطلقاً کار ثواب کیلئے بیع کرنے سے متعلق ہے ۔

الغرض اس کلام سے اب سمجھ میں آیا کہ بات وہی آخری ہے ۔ کہ اس شخص کے نزدیک ضد مخالف سے استدلال جائز ہے اس استدلال کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے کوئی کہے عبادت خدا کی ہو یا غیر خدا کی سب ناجائز ہے ۔ دلیل اس کی قرآن عظیم میں ہے ۔ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۔ تو ما تعبدون دیکھا ہی نہیں لا اعبد سے استدلال کر دیا ۔ اسی طرح صاحب کافی کی عبارت تو بیع تمول کی ممانعت میں ہے ۔ اور آپ نے مطلقاً بیع حرام کر دی

یہ تو عبارت کافی سے استدلال کا حال ہے ۔ اور عینی سے استدلال کی حالت تو اور ردی ہے ۔ اس لئے کہ وہ نص کرتے ہیں کہ اس کا تصدق اس لئے واجب ہے کہ یہ مال خبیث ہے ۔ اور یہ صورت بیع تمول کے سوا اور کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتی ۔ تو آپ کا اس عبارت سے استدلال اندھیری رات کے ثبوت میں سورج پیش کرنے کے مرادف ہے ۔

اس شخص نے کہا

"کافی اور عینی کی عبارتوں سے ثابت ہوگیا ۔ کہ اس کھال کے دام کا تصدق واجب ہے ۔ تو وہ صدقہ واجبہ ہوا ۔ اور اس کا مصرف وہی ہے جو صدقہ واجبہ کا مصرف ہے ۔ تو اسے مسجد یا مدارس کی تعمیر میں صرف نہیں کر سکتے ۔"

گنگوہی صاحب کی اس عبارت کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان عبارتوں سے یہ ثابت ہے کہ بیع تمول کیلئے ہے تو قیمت کا صدقہ واجب ہے ۔ تو یہ بات صحیح ہے ۔ بیشک اگر بقصد تمول بیع کی تو اس کا تصدق واجب ہے ۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ کسی کار

ثواب کی غرض سے بیع کیا تب بھی تصدق واجب ہے۔ تو یہ بات ان دونوں عبارتوں سے ہرگز ثابت نہیں۔ اور اگر آپ کے استدلال کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ عبارت میں صدقہ واجبہ کا لفظ مل جائے۔ چاہے جس باب اور جس بیان میں ہو، تو یہ دونوں عبارتیں ہی کیا ہیں۔ ہر کتاب میں آپ کے مدعا پر سیکڑوں دلیلیں موجود ہیں۔

اس شخص نے کہا

"صدقہ میں مطلقاً تملیک واجب ہے عام ازیں کہ بطور اباحت ہو یا بطور تملیک"۔

آدمی کو صحیح بات نہ معلوم ہو تو جتنا ہو چکا اسی پر صبر کرنا چاہئے۔ اور درازلسانی سے پرہیز کرنا چاہئے۔ لیکن آپ نے تو ایک نئے سُر کا اضافہ کرنا چاہا۔ اور شطرنج کے کھیل میں گدھے کو بھی داخل کر دیا۔ کیونکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ کہ اباحت بھی تملیک کا ایک حصہ ہے۔ اور صدقہ واجبہ تملیکیہ میں بھی اباحت سے کام چل جائے گا۔ افسوس کہ اس کلام میں قِسیم کو قسم اور ضد کو شریک بنا دیا گیا۔ حالانکہ ان دونوں کی تفریق کے بیان میں کتابوں کے ابواب بھرے پڑے ہیں۔ ابواب طلاق، ولقطہ، وہبہ و کراہیہ وغیرہ میں کثرت سے یہ مسائل ہیں۔

ہم لوگ فقہ میں جو اول کتاب امام صدر الشریعہ کی شرح وقایہ پڑھاتے ہیں، اس میں کتاب الطہارۃ کی ابتدا میں ہی لکھتے ہیں:-

"پانی پر قدرت اباحت سے بھی حاصل ہو جاتی ہے، اور تملیک سے بھی، تو پانی والے نے ایک پوری جماعت سے اگر یہ کہا، تم میں سے جو چاہے اس پانی سے وضو کرے، اور وہ پانی کسی ایک کے وضو بھر تھا، پوری جماعت کا وضو ٹوٹ جائے گا، کیونکہ علی سبیل الانفراد سب کی قدرت ثابت ہو گئی،

اور اگر یوں کہا کہ اس پانی پر تم سب قبضہ کر لو، تو تیمم نہ ٹوٹے گا، کیونکہ اتنا پانی جب سب کو ہبہ کیا اور تقسیم نہیں کیا تو ہبہ مشاع ہونے کی وجہ سے وہ ہبہ باطل ہوا، اور کسی کے لئے اباحت ثابت نہ ہوئی" ایسا ہی فتح، بحر وغیرہ میں ہے،

تملیک اور اباحت کا فرق اس عبارت سے روز روشن کی طرح عیاں ہے، کہ پہلی صورت میں اباحت ثابت فرماتے ہیں، اور دوسری صورت جو ہبہ اور تملیک کی ہے، اس میں اباحت کی نفی فرماتے ہیں، اگر دونوں ایک ہی ہوتے تو ایک کا ثبوت اور دوسرے کی نفی کیسے ہوتی،

درر اور مجمع الانہر میں ایک مشہور و معروف ضابطہ مصرح ہے

"مالک نے کسی کھانے کی چیز کی اجازت لفظ "اطعام" سے دی، کہ "اسے فلاں کو کھلا دو" تو اسمیں اباحت کافی ہے، اور جس کو لفظ "ایتا" سے اجازت دے کہ "اسے فلاں کو دیدو" تو اس میں تملیک ضروری ہے"

تو آنکھ کھول کر دیکھ لیجئے کہ تملیک و اباحت آپسیں قسیم ہیں، یا ایک دوسرے کی قسم؟

امام غزی نے فرمایا:۔

" الزکاۃ تملیك ، زکوٰۃ میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے " علامہ علائی فرماتے ہیں ، اس سے اباحت نکل گئی "

امام صدرالشریعۃ نے فرمایا:۔

" (الزکاۃ) " تصرف تملیکا " زکوۃ تملیک کے طور پر خرچ کی جائے گی ، علامہ شمس محمد نے اس کی شرح میں کہا ، اس میں اشارہ ہے کہ زکوٰۃ کو کسی کے لئے مباح کیا تو زکوۃ ادا نہ ہوگی "

اسی طرح علماء کی تصریح ہے

" جو چیز مباح کیا وہ مباح کرنے والے کی ملک پر باقی رہتی ہے ، جس کے لئے مباح کی گئی ، اس کو اس کی ملک سے کوئی تعلق نہیں رہتا ـــــ وہ تو یہاں تک فرماتے ہیں :۔ مالک کی ملک زائل ہو جائے تب بھی ضروری نہیں کہ مباح لہٗ کی ملک ثابت ہو "

مولانا زین ابن نجیم شرح کنز میں فرماتے ہیں :۔

" مباح کو مباح لہٗ ، مباح کرنے والے کی ملک پر ہی ختم کرتا ہے ، یا وہ چیز خود اپنی ہی ملک پر ہوتی ہے کوئی اس کا مالک نہیں "

مطلب یہ ہے کہ جب مباح لہٗ نے اس چیز کو کھالیا ، تو وہ چیز مباح کرنے والے کی ملک سے نکل گئی ، اور کسی کی ملک میں داخل نہیں ہوئی ، حتیٰ کہ کھانے والے کی ملک بھی نہ ہوئی ، یہی مطلب ہے ملک نفسہٖ کا ، ان کا یہ قول ملا علی قاری ذاہبی کتاب حاشیۂ درمیں پیش کیا ، الغرض اگر میں نقل کرنے پر آؤں تو ایسی نصوص کا انبار لگ جائے ، جو تملیک اور اباحت کے فرق کا اعلان کر رہی ہیں ،

اسی طرح اس کلام کا یہ ٹکڑا کہ " صدقات میں مطلقاً اباحت کافی ہے " یہ بھی غلط ہے ، اتنی بات تو ہر آدمی جانتا ہے ، کہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر میں اباحت کافی نہیں ، ہم نے اس بات کے جزئیات تنویر اور درسے پہلے نقل کیا ، اور در کا ضابطہ بھی نقل کیا آئندہ مزید تفصیل کریں گے ، تو اس قائل کا کلام از تا پا مخدوش ہی مخدوش ہے اور ہمیں مزید رد کی ضرورت نہیں ۔

ایک سنی عالم کا فتویٰ البتہ علمائے اہلسنت میں سے بھی ایک بزرگ نے اسی قسم کی بات کہی جو گنگوہی صاحب سے مذکور ہوئی ، ان کا کلام یہ ہے :۔

قربانی کی کھال کا حکم یہ ہے کہ اس کا صدقہ کیا جائے ، یا اس کو خود استعمال کیا جائے ، یا اس کو باقی رہنے والی چیز سے بدلا جائے ، جیسے چھلنی ، مصلّی وغیرہ ، تو تصدق کی صورت میں تملیک ضروری ہے ،

انھوں نے اپنے کلام سے نہ تو یہ ثابت کیا کہ کھال کا صدقہ، صدقہ واجبہ ہے، نہ یہ ثابت کیا کہ اس کو کسی اور کار ثواب میں نہیں لگایا جاسکتا، حالانکہ یہی دلیل کا صغریٰ ہے، بے اس کے ثبوت کے دلیل ہی بیکار ہے، ان بزرگ کی غلطی کی بنا یہ ہے، کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ قربانی کی کھال صدقہ کرنے، بعینہ اس سے انتفاع حاصل کرنے، یا باقی رہنے والی چیز سے استبدال میں منحصر ہے، اور جب بعینہ انتفاع اور استبدال بالباقی کی صورت نہ پائی گئی، تو تصدق معین ہوگیا، اور اسمیں تملیک ضروری ہے (اللہ تعالیٰ انھیں اپنے لطف سے نوازے) یہ ان کے کلام کی انتہائی توجیہ ہے، لیکن قابلِ غور امر یہ ہے کہ شرع میں صدقہ کا اطلاق متعدد چیزوں پر ہوتا ہے :-

(۱) "تملیك المال من الفقیر" اس صورت میں عاریۃ، اباحۃ، ہدیہ غنی، قرض وغیرہ سب صدقہ سے نکل گئے، اور صدقہ فطر اور زکوٰۃ میں لفظ صدقہ سے یہی مراد ہوتی ہے، اور اسی صدقہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں تملیک ضروری ہے، تو صدقہ کفارہ اگرچہ صدقہ واجبہ ہے، لیکن اس معنی میں وہ صدقہ نہیں کہ اس میں اباحت بھی جائز ہے، تنویر میں ہے

"کفارہ اور فدیہ کے صدقہ میں اباحت جائز ہے، صدقات، اور عشر میں نہیں"۔ لفظ صدقہ کی تفسیر میں شامی اور طحطاوی نے کہا :- صدقات سے مراد زکوٰۃ اور صدقہ فطر ہے"

یہاں کفارہ صدقہ واجبہ ہونے کے باوجود صدقات سے خارج ہے۔

(۲) "فقیر کو مال پر قابو دیدینا" یہاں تملیک سے قطع نظر ہوتی ہے، اور یہ انتفاع، تصرف اور استہلاک سبھی صورتوں کو شامل ہوتا ہے، جو تملیک اور اباحت دونوں صورتوں میں ہوسکتا ہے، صدقہ اس معنی میں کفارہ پر بولا جاتا ہے، جو صدقہ واجبہ سے ہے، اس کو لینے کا اہل وہی ہے جو زکوٰۃ کا اہل ہے، چنانچہ قہستانی وشامی وغیرہ نے کہا :-

"جو فقیر مصرف زکوٰۃ ہے وہی صدقہ فطر، کفارات، اور نذر وغیرہ کا مصرف ہے"

صدقہ کے یہ دونوں معنی صدقات واجبہ میں ہی متحقق ہوں گے، شاید اسی بات نے اس وہابی آدمی کو یہ جرأت دلائی کہ اس نے اباحت کو بھی تملیک میں شمار کیا کہ انھوں نے فتح القدیر میں دیکھا" صدقہ کیلئے تملیک ضروری ہے" اور درمختار کی ابھی نقل شدہ عبارت میں دیکھا کہ کفارہ بھی صدقات میں سے ہے۔ یہ دونوں عبارتیں اس نے اپنے فتوی میں بھی نقل کی ہیں۔ اور اسی سے قیاس ترتیب دے کے یہ نتیجہ نکالا کہ کفارہ کیلئے بھی تملیک ضروری ہے۔ اور یہ جان ہی رہے تھے کہ کفارہ میں اباحت کافی ہے۔ تو اس فیصلہ میں اپنے نفس پر قابو نہ پاسکے کہ اباحت بھی تملیک کا ہی ایک حصہ ہے کیونکہ اقوال انھیں مضطرب نظر آئے اور ان میں تطبیق دے نہ پائے تو یہ محال بات بول دی اور قیاس ترتیب دیتے ہوئے انھیں یہ پتہ نہ چلا کہ حد اوسط مکرر نہ ہونے سے نتیجہ غلط ہوتا فتح القدیر کی عبارت" الصدقۃ یجب فیه التملیك" میں صدقہ سے مراد صدقہ خاص بمعنی اول ہے۔ اور" الکفارات تجوز فیه الاباحۃ" کا صدقہ ہونا بمعنی ثانی ہے۔ حالانکہ قہستانی انکی راہ کشادہ کرچکے تھے۔ وہ فرماتے ہیں" انه تصرف تملیك یستثنی منه الکفارات" صدقات واجبہ میں تملیک ضروری ہے۔ لیکن کفارہ اس سے مستثنیٰ ہے

(۳) صدقہ کا ایک اطلاق یہ ہے کہ تملیک واباحت، اور فقیر وغنی، دونوں کو عام ہو، توسط شرح ابوداؤد میں ہے:۔
صدقہ یہ ہے کہ فقیروں کو دیا جائے (مطلب یہ کہ صدقہ میں عموماً یہ ہوتا ہے) ورنہ صدقہ ہمارے نزدیک مالداروں کو بھی دینا جائز ہے۔

درمختار میں بحرالرائق سے منقول ہے:۔
"صدقہ مالداروں پر بھی ہوتا ہے، کہ مجازاً ہبہ کو صدقہ کہتے ہیں، اور ذخیرہ میں تشریح ہے کہ مالدار کا صدقہ فقیروں کے صدقہ سے کم ثواب والا ہوتا ہے"

احمد وطبرانی نے کبیر میں مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت کی:۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جو بیوی کو کھلایا تو صدقہ، جو اولاد کو کھلایا تو صدقہ، جو خادم کو کھلایا وہ بھی صدقہ۔

طبرانی میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔
"آدمی اپنے گھر میں جو کچھ اہل وعیال اور خادموں پر خرچ کرتا ہے، سب صدقہ ہے"

(۴) اس اطلاق میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، یہ ایک قسم کا تصرف مالی ہے، جس سے مسلمانوں کو نفع پہنچانا مقصود ہوتا ہے، جیسے کنواں بنانا، نہریں تیار کرنا، مسافر خانے اور پل بنانا، مساجد اور مدرسوں کی تعمیر کرنا، اور انھیں امور خیر میں صرف کرنے کو صدقہ جاریہ کہتے ہیں، اور اوقاف کو اسی معنیٰ میں صدقہ موبدہ کہا جاتا ہے، حدیث شریف میں ہے:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت سعد ابن عبادہؓ آئے اور عرض کی یا رسول اللہ میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے، تو کونسا صدقہ اسے مفید ہوگا۔ حضورؐ نے فرمایا، لوگوں کو پانی سے سیراب کرنا انھوں نے ایک کنواں کھدوادیا، اور اعلان کر دیا کہ یہ سعد کی ماں کیلئے ہے،
(احمد وابوداؤد ونسائی، ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان عن ابی یعلیٰ عن ابن عباس)

تو اس حدیث میں پانی کی سیرابی کو صدقہ قرار دیا، جس میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، کیونکہ اباحت کے لئے شرط یہ ہے کہ شئی مباح، مباح کرنے والے کی ملک ہو، صدر الشریعہ فرماتے ہیں:۔
"جب مال موقوفہ پر مالکوں کی ملک، نہ رہی، تو ان کی طرف سے اباحت بھی درست نہیں"
اس طرح علماء نے تصریح فرمائی:۔ "کنویں کا پانی کنویں والے کی ملک نہیں" ہدایہ میں ہے:۔
"کواں اور اس کے مثل جو چیزیں ہیں، قبضہ کرکے نہیں رکھی گئیں، اور قبضہ کے بغیر مباح پر ملک

ثابت نہیں ہوتی۔"

فتاویٰ خیریہ، ولوالجیہ وغیرہ بہت سی کتابوں میں ہے :۔

اگر کسی نے کسی کے کنویں کا پانی نکال کر کنواں خشک کر دیا، تو نکالنے والے پر کوئی تاوان نہیں اس لئے کہ کنویں والا پانی کا مالک نہیں۔"

تو یہ صدقہ اسی معنی پر ہے کہ اللہ کے تقرب کے لئے اپنا مال مسلمانوں کے نفع کے خاطر صرف کر رہا ہے، اور اس معنی میں سارے مالی کار خیر، صدقہ قرار دیئے جانے میں برابر ہیں

اطلاق غیر ہم کی دوسری مثال :۔ امام فقیہ النفس قاضی خاں فرماتے ہیں :۔

" ایک دیہات میں پختہ کنواں تھا، دیہات اجڑ گیا، اور کنواں معطل ہو گیا، اس کے قریب دوسر دیہات والوں نے اس کی اینٹیں اپنے حوض میں لگانی چاہی، اگر کنویں کا بنانے والا موجود ہے تو اس سے اجازت لینی ضروری ہے، کیونکہ تعطل کے بعد اینٹیں بانی کی ملک ہو گئیں، اور بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ اینٹیں فقیر کو دیدی جائیں، اور وہ اپنی طرف سے اس کو حوض میں لگا دے، کیونکہ وہ اینٹیں اب لقطہ (گری پڑی چیز) کے حکم میں ہے، اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ قاضی اپنے حکم سے اُسے حوض میں لگا دے، اس طرح فقیر کو دینے والے حیلہ سے نجات مل جائے گی۔"

عالمگیری اور واقعات حسامیہ میں ہے :۔

" اگر قبرستان میں درخت لگانے والے کا پتہ نہ چلے، تو قاضی اپنے صوابدید پر اس کو بیچ کر اس کی قیمت قبرستان کی درستگی میں صرف کر سکتا ہے۔"

خانیہ میں ہے :۔

" زمین کو مقبرہ بنانے کے بعد اس میں درخت اگ آئے، لگانے والا معلوم ہو تو وہ اسی کا ہے، اور لگانے والا معلوم نہ ہو، تو رائے قاضی کی ہے، اسے بیچ کر قبرستان کی مرمت میں لگا سکتا ہے، اس کا حکم وقف ہی کا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ جس طرح وقف ایک ایسا مال ہے، جو مصارف خیر کے لئے ہی ہے، اسی طرح اس درخت کا مصرف بھی مصارف خیر ہیں۔ وہ درخت خود وقف نہیں ہو جاتا، اسی خانیہ میں ہے :۔

" ایک آدمی نے زمین مقبرہ کے لئے وقف کی جس میں درخت ہیں، فقیہ ابو جعفر کا فرمان ہے کہ چونکہ درختوں کا وقف صحیح نہیں، اس لئے وہ درخت واقف کے ہوں گے، اور وہ مر گیا تو اس کے ورثہ کی ملک ہوں گے۔ اور یہی حکم اس کمرہ کا ہے جو ایسے دار میں ہو جس کو مقبرہ کر دیا گیا ہو۔"

رحمانیہ کا جزئیہ ہے،

" مسجد ویران ہوگئی جس کے بانی کا پتہ نہیں، اور لوگوں نے دوسری مسجد بنالی، پھر ان کی رائے ہوئی کہ ویران مسجد بیچ کر اُس کی قیمت اِس مسجد میں لگائیں، تو امام محمد کے نزدیک اس میں حرج نہیں اور قاضی ابو یوسف کے نزدیک وہ ایسا نہیں کرسکتے، کہ وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی "

سراجیہ میں ہے :-

" پرانی مسجد جس کے بانی کا پتہ نہیں، وہ ویران ہوگئی، لوگوں نے اسی کے قریب دوسری مسجد بنالی، تو قاضی ابو یوسف کے نزدیک ویران مسجد کا سامان بیچ کر آباد مسجد میں نہیں لگاسکتے، اور امام محمد کو اس میں اختلاف ہے، اور فتویٰ قاضی ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ مسجد جب ڈھ کر ناقابل استعمال ہوگئی، اور لوگ مستغنی ہوگئے، تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا مالک بانی ہو جاتا ہے، اور جب بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ لقطہ ہوگئی، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو دوسری مسجد کی تعمیر میں صرف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

تو جب ہر قسم کی اشیاء کا حکم لقطہ کا ہوا، تو یہ بات صاف ہوگئی کہ اس کا حکم صدقہ کرنا ہے، ہاں پانے والا فقیر ہو تو اپنے اوپر خرچ کرے کہ یہ بھی صدقہ ہے، بلکہ درمختار میں عمدہ سے نقل کیا کہ

فقیر نے لقطہ پایا، اور اس کو اپنے اوپر خرچ کیا، پھر مالدار ہوگیا تو اس کا صدقہ کرے، اگرچہ فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ (بہر دنہر عن الولوالجیہ وجامع الرموز من الظہیریہ)

میں کہتا ہوں قرین قیاس بھی یہی ہے، کہ صدقہ اپنے محل کو پہنچ گیا، تو حالت کے بدلنے سے اس کا حکم نہیں بدلے گا، جیسے فقیر مال زکوٰۃ کھاتا رہا، اب مالدار ہوگیا، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ جتنی زکوٰۃ کھائی سب واپس کر اور فقیروں پر صدقہ کر،

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسے مال کا حکم صدقہ کا ہے، اور اسی کو عمارت مقبرہ اور اصلاح حوض میں صرف کا حکم دیتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ صدقہ کا یہ اطلاق اسی چوتھے معنیٰ میں ہے، اور اس کو مقابر، حوض اور مسجد میں صرف کرنا صدقہ ہی ہے، حالانکہ نہ یہاں تملیک ہے نہ اباحت، نہ مالدار نہ فقیر، اور یہ بھی واضح ہوا کہ یہ سارے اطلاقات فقہیہ ہیں،

(۵) کبھی صدقہ سے مال ہونے کی قید بھی ختم کردی جاتی ہے، اور مطلقاً غیر کو نفع پہونچانے، اور اس سے ضرر دفع کرنے کو صدقہ کہا جاتا ہے، اس کی مثال وہ حدیث ہے کہ منفرد کے ساتھ ملکر جماعت کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں حکم دیا :-

" الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ کوئی اس پر صدقہ کرے اسکو ساتھ ملکر نماز پڑھے "

یہ صورت بھی متروک ہوگئی، تو قربانی میں جن جن امور کی اجازت ہے سب کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے، اور جب حصر تام نہیں تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب دو قسمیں متحقق نہ ہوئیں تو تیسری متعین ہے،

اسی طرح مالدار کو ہدیہ کرنا جائز اور فقیر کو عاریۃً دینا ناجائز ہے، یہ دونوں صورتیں بھی تو ان تینوں میں شامل نہیں، کیا صدقہ کی نیت سے دراہم کے بدلے بیع جائز نہیں؟ حالانکہ بیع کرنا صدقہ کرنا نہیں ہے، تو جب اس کار ثواب کے لئے بیع جائز تو دوسرے کار ثواب کے لئے کیوں جائز نہ ہوگی،

المختصر کوئی ایسی دلیل نہیں، جس سے کار ثواب کے لئے بیچنا منع ہو، اور اس کا تصدق بطور تملیک ہونا ثابت ہو اور جس چیز کو ممانعت پر دلیل قائم ہے، وہ بیع بقصد تمول ہے، اور ان دونوں میں بون بعید ہے، اور قربانی کے اجزاء سے قصد تقرب جائز ہے، اور یہ بیع اسی لئے ہے، اس لئے اس کے جائز ہونے میں شبہہ نہیں،

اب ہم اسی پر بس کرتے ہیں، اور ابتدا وانتہا میں اپنے رب کی حمد کرتے ہیں، میں اپنے نفس کو خطا ولغزش سے بری نہیں گردانتا، اور غلطی ظاہر ہونے کے بعد میں اپنی رائے پر اصرار بھی نہیں کرتا، سبحان اللہ! میں کیا، اور میری رائے کیا، نقصان ہی میری پونجی ہے، اور خطا شان بندگی، لاعلمی میری صفت، اور عاجزی میری شان، اگر یہ ٹھیک ہو تو میرے رب کی توفیق سے ہے، اور اسی کے لئے ہردم تعریف، اور غلط ہو تو میری گناہوں کی برائی، میں اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور اس کی حمد بجا لاتا ہوں، اور اسی کی حمد پر یہ رسالہ ختم ہوا،

اس کا ایک لطیف نام (جس سے میرے طریقے کے مطابق کتاب کا سنہ تالیف بھی ظاہر ہو) کی تلاش ہوئی، تو اس کا نام "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" رکھا، اور یہ پنجشنبہ کے روز چاشت کے وقت ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۰۷ھ میں ہوا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل واصحاب پر ہزاروں سلام، جب تک رات دن گزرتے رہیں، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ،

مسئلہ - از ریاست رامپور مدرسہ مطلع العلوم، مرسلہ محمد امام الدین صاحب ۱۵ صفر ۱۳۳۶ھ

دیہات میں قبل صلوٰۃ العید قربانی کرنا یا مرغ وغیرہ ذبح کرنا درست ہے یا نہیں، اور جزار بغیر پوست کش کو قربانی کے چمڑے کی قیمت مل سکتی ہے یا نہیں، اور میانجی اور شاگردجی بغیر طالب علم اس چمڑے کی قیمت کے مصرف ہوسکتے ہیں یا نہیں، اور اس قیمت کو مدرسہ ومسجد وغیرہ کے اسباب میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں، اور قربانی کرنے والا اپنے ہاتھ سے مال یعنی چمڑے کی قیمت تقسیم کرسکتا ہے یا نہیں،

الجواب - مرغ کی قربانی مکروہ وتشبہ بالمجوس ہے، نہ اس سے واجب اضحیہ ادا ہوسکتا ہے، اور جائز قربانی شرعی وہ صبح ہی کرسکتے ہیں، کہ ان پر نماز عید نہیں، اجرت جزار میں اس کی قیمت دینا جائز نہیں کہ تمول ہے، اور قربانی سے تمول ناجائز اس چمڑے کا یہی حکم ہے جو اصل کا، کہ ادخار وانتجار دونوں جائز ہیں، خواہ اس کی مشک بنوالے یا کتابوں کی جلدیں یا اُسے

مسجد یا مدرسہ دینیہ اہلسنت میں دیدے، یا بہ نیت مصارف خیر بیچ کر اس کی قیمت مصرف خیر میں صرف کرے۔ خواہ اپنے ہاتھوں سے یا اور کے ہاتھوں سے، ہاں اگر اپنے لئے اسی داموں سے بیچا تو وہ دام خبیث ہیں، اور انکی سبیل تصدق، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ از سلون ضلع رائے بریلی، مرسلہ محمد طٰہٰ صاحب، ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا ارشاد ہے علمائے کرام کا اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قربانی کی رسّی وجھول صدقہ کرنا چاہئے، اور حسب ذیل حوالہ پیش کرتا ہے:۔

۱ شرح وقایہ جلد اول کتاب الحج باب الاحصار بیان احکام الہدی۔ ۲ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ ۳ درمختار باب الہدی جلد اول، ۴ ہدایہ جلد اول کتاب الحج باب الہدی، ۵ قدوری باب الہدی، ۶ تنقیح الضروری حاشیہ قدوری، بکر کہتا ہے کہ قربانی کی رسّی وجھول صدقہ کرنے کی کتب فقہ میں کوئی دلیل نہیں، اور زید کے پیش کردہ حوالوں پر حسب ذیل اعتراض کرتا ہے، اوّل شرح وقایہ وہدایہ وغیرہ میں مسئلہ مبحوث عنہ کو باب الہدی میں بیان کیا ہے، حالانکہ یہ مسئلہ باب الاضحیہ سے تعلق رکھتا ہے، اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے، دوم علی طریق التنزل یہ ثابت بھی ہوجائے تو لفظ خطام جس سے زید نے اپنا مدعا ثابت کیا ہے، تو کیا اس کے معنی کسی لغوی نے گراؤں یعنی رسّی کے بیان کئے ہیں، ابن اثیر ابوعبیدہ کسی نے تصریح کی ہے، خطام کے معنی گراؤں کے ہیں، سوم کتاب عمدۃ الرعایہ نے خطام کے تصدق کرنے کے لئے ایک حدیث نقل کی ہے، اور کہا کہ اس حدیث کی بخاری اور مسلم نے تخریج کی ہے، تو کیا اس روایت سے خطام کے تصدق کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ فقط تمام ہوا کلام بکر کا، بس دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا نہیں، اور بکر کے اعتراضات کے جوابات کیا ہیں۔

الجواب ۔ انقیاد شتر کے لئے دو طریقے معمول ہیں، ایک یہ کہ وسط بینی کے گوشت یا ایک طرف کے نتھنے میں سوراخ کرکے تانبے، چاندی، سونے کا حلقہ، یا لکڑی، یا بالوں کا بنا ہوا چھلا ڈالیں، اور مضبوط ڈور کا ایک سرا اس میں اور دوسرے سرے میں رسّی یا خود اس میں رسی باندھیں، اس حلقے کو بُرہ بضم موحدہ وفتح رائے مخففہ، اور لکڑی کو خشاش بالکسر، اور فارسی میں مَہار بالفتح، اور بالوں کے چھلّے کو عربی میں حزامہ، اور سب کو زمام بالکسر، نیز اس ڈور کو زمام اور اس رسی کو کہ اس میں باندھی جاتی ہے مقود بالکسر، نیز اسے بھی عربی و فارسی میں زمام و مہار، اور مجموع کو ہندی میں نکیل کہتے ہیں، یہ اُس کے انقیاد کا اکمل طریقہ ہے، اور اکثر ناقہائے سواری میں یہی مستعمل ہے، کہ بے اس کے انقیاد تام نہیں ہوتا، گرا دینے کا احتمال رہتا ہے، دوسرا یہ کہ رسّی کا حلقہ اس کے گلے میں قریب گوشش ہار کی طرح ڈال کر منہ پر ناک کے قریب اس کا پھندا دیتے ہیں، عربی میں اسے خطام بالکسر، اور ہندی میں مُہیر کہتے ہیں، نیز زمام بمعنی سوم بلکہ دوم بلکہ کبھی اول کو بھی خطام بولتے ہیں، تو خطام کے چار اطلاق ہوئے، مگر وہ رسّی کہ گائے بھینس بکری کے گلے میں باندھی جاتی ہے، اُسے خطام کوئی نہیں کہتا، نہ مادۂ خطام اُس کی مساعدت کرتا ہے، کہ وہ خطم بمعنی بینی سے ماخوذ ہے، نہایہ ابن اثیر و مجمع البحار میں ہے خطام البعیر ان یوخذ حبل من لیف اوشعر اوکتان فیجعل فی احد طرفیہ حلقۃ ثم

یشد فیہ الطرف الاٰخر حتی یصیر کالحلقۃ ثم یقلد البعیر ثم یثنی علٰی مخطمہ، واما ما یجعل فی الانف دقیقا فھو الزمام فقہ باب ۲۳ فصل ۳۶ میں ہے الخطام الحبل یجعل فی طرفہ حلقۃ ویقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمہ، مصباح منیر میں ہے خطام البعیر معروف وسمی بذلک لانہ یقع علی خطمہ، تاج العروس میں ہے قال ابن شمیل ھو کل حبل یعلق فی حلق البعیر ثم یعقد علی انفہ کان من جلد او صوف او لیف او قنب، جامع الرموز میں ہے (خطامہ) ھو حبل یجعل فی عنق البعیر ویثنی علی انفہ، قاموس میں ہے الخطم من الدابۃ مقدم انفہا وفمہا، والخطام کل ما وضع فی انف البعیر لیقتادبہ، تاج میں ہے کذا فی المحکم، بحرالرائق میں ہے الخطام ھو الزمام وھو ما یجعل فی انف البعیر، درثمین میں ہے الخطام الحبل الذی یقادبہ البعیر، مجمع البحار میں کرمانی سے ہے بخطامہ[۱] او بزمامہ ھما بمعنی، والشک فی تعیینہ وھو بکسر خاء خیط یشد فیہ الحلقۃ المسماۃ بالبرۃ، ویشد فی طرفہ المقود، نہایہ نیز مجمع میں ہے البرۃ حلقۃ تجعل فی لحم الانف، وربما کانت من شعر، اسی میں شرح جامع الاصول لمصنفہ سے ہے حلقۃ یشد بہا الزمام، نیز امام نووی سے ہے الزمام ما یجعل فی انف البعیر دقیقا وقیل ما یشد بہ رؤسہا من حبل وسیر، مصباح منیر میں ہے قال بعضھم الزمام فی الاصل الخیط الذی یشد فی البرۃ او فی الخشاش ثم یشد الیہ المقود ثم سمی بہ المقود نفسہ، تاج العروس میں ہے الزمام ھو الحبل الذی یجعل فی البرۃ والخشبۃ قال الجوھری او فی طرفہ المقود وقد یسمی المقود زماما، صراح میں ہے خشاش بالکسر چوب کہ در بینی شتر کنند وہرچہ از مس باشد آں را برہ گویند، وانچہ از موئے آں را خزامہ، اسی میں ہے، خطام بالکسر مہار، اسی میں ہے زمام بالکسر مہار، درشتہ کہ در چوب بینی شتر بندند وبروئے مہار بندند، برہان میں ہے مہار بالفتح چوبیکہ در بینی شتر کنند و ریسمان بر اں بندند، قاموس میں ہے الخزامۃ ککتابۃ البرۃ، تاج میں ہے وھی حلقۃ من شعر تجعل فی وترۃ انفہ یشد بہا الزمام کما فی الصحاح وقال اللیث ان کانت من صفر فھی برۃ وان کانت من شعر فھی خزامۃ، سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھدی عام الحدیبیۃ جملا کان لابی جہل فی راسہ برۃ من فضۃ، وفی روایۃ من ذھب یغیظ بذلک المشرکین، مرقاۃ میں ہے (فی راسہ) ای انفہ فان البرۃ حلقۃ من صفر ونحوہ تجعل فی لحم انف البعیر، وقال الاصمعی فی احد جانبی المنخرین لکن لما کان الانف من الراس قال فی راسہ علی الاتساع، مجمع البحار میں طیبی سے ہے جعلہ فی الراس اتساعا، سلمہ بن سحیم کی حدیث میں ہے ان صاحبا لنا

---

[۱] ای فی حدیث البخاری فی کتاب العلم عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ذکر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قعد علی بعیرہ وامسک انسان بخطامہ او بزمامہ الحدیث ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز۔

رکب ناقۃ لیست بمبراۃ فسقط فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غدر بنفسہ، نہایہ میں ہے لیست بمبراۃ ای لیس فی انفہا برۃ یقال ابریت الناقۃ فھی مبراۃ، عمدۃ الرعایہ میں ہے کہ خطام کی تفسیر زمام گردن بعیر کی اگرچہ کلمات اہل فن سے جدا ہے، مگر معنی سوم زمام پر بجا ہے، اور اس سے ہر رسن گردن سمجھنا خطا ہے، اس میں زمام گردن نہیں، بلکہ رسن اور زمام بے تعلق بینی صادق نہیں حدیث کہ اس میں صحیح بخاری ومسلم کی طرف نسبت کی، جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا تصدق بجلالہا وبخطمہا، ولاتعطی اجرۃ الجزار منہا غلط صریح ہے، نہ صحیح بخاری میں اس کا کہیں نشان نہ صحیح مسلم میں، نہ بحیثیت الفاظ نہ بحیثیت مضمون، صحیح بخاری میں بدنۂ ہدی کی جھول تصدق کرنے کی حدیث، پانچ جگہ روایت کی، باب الجلال للبدن، باب التصدق بجلود البدن، باب یتصدق بجلال البدن، باب الوکالۃ، باب لایوتی الجزار من الہدی شیئًا، اور صحیح مسلم میں ایک ہی جگہ پانچ سندوں سے ذکر کی، دسوں جگہ نہ ان الفاظ کا پتہ ہے، نہ اس پورے مضمون کا، موضع اول وخامس میں بخاری کے لفظ امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے ہیں امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اتصدق بجلال البدن التی نحرت وبجلودھا، دوم میں امرنی فقسمت لحومہا ثم امرنی فقسمت جلالہا وجلودھا، سوم میں ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرہ ان یقوم علی بدنہ وان یقسم بدنہ کلہا لحومہا وجلودھا وجلالہا، چہارم میں اھدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مائۃ بدنۃ فامرنی بلحومہا فقسمتہا ثم امرنی بجلالہا فقسمتہا، ثم بجلودھا فقسمتہا، صحیح مسلم میں تین سندوں سے امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اتصدق لحمہا وجلودھا واجلتہا، اور دو سندوں سے مثل لفظ سوم بخاری وزاد فی المساکین، ان میں کہیں ذکر خطام نہیں، یہ مضمون صحیحین پر مبنی ہے، اور نسبت الفاظ میں غلطی یہ کہ صیغہ امر جس طرح عمدۃ الرعایہ میں مذکور صحیحین بلکہ کتب متداولۂ حدیث میں کہیں نہیں، جیسا کہ لامع وارشاد الساری وشرح مؤطا سے ظاہر، علامہ قسطلانی نے فرمایا قال صاحب الکواکب فیہ انہ لایجوز بیع الجلال ولاجلود الھدایا والضحایا کما ھو ظاھر الحدیث، واذ الامر حقیقۃ فی الوجوب انتہی وتعقبہ فی اللامع فقال فیہ نظر فذلک صیغۃ افعل لالفظ امر، شرح علامہ زرقانی میں ہے فیہ استحباب التجلیل والتصدق بذلک الجل، ولفظ امر لایقتضی الوجوب لان ذلک فی صیغۃ افعل لالفظ امر اھ ورأیتنی کتبت علی ھامش الارشاد مانصہ،

اقول لیس قولہ امر الاحکایۃ امرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا ان یقال یمکن ان یکون حکایۃ من مثل علیک بالتصدق، ذکر خطام کے لئے فقیر نے جتنی کتب حدیث اپنے پاس ہیں سب کی مراجعت چاہی، بارہ کتابیں دیکھی تھیں، پھر خیال آیا کہ درایۂ امام حافظ الحدیث ابن عسقلانی دیکھی جائے، اس میں

ضرور اس سے تعرض فرمایا ہوگا، اُسے دیکھا تو انھوں نے صاف فرمایا لم ار فی شیئ من طرقہ ذکر الخطام میں نے اس حدیث کے کسی طریق میں ذکر خطام نہ دیکھا،

بالجملہ صحیحین کی طرف اس کی نسبت لفظاً و معنیً ہر طرح غلط ہے، ہاں ہدایہ باب الہدی میں حدیث انھیں الفاظ سے مذکور، اور کتاب الاضحیہ میں بلفظ تصدق بجلالہا و خطامہا ولا تعط اجر الجزار منہا شیئاً اسی طرح کافی امام نسفی باب الہدی میں یہی لفظ دم ہیں، الا لفظۃ الاجر، نیز بدائع امام ملک العلماء کتاب الاضحیہ میں الا لفظۃ شیئاً،

اقول تو حدیث ضرور کہیں مروی ہوئی، اور حافظ کا اسے نہ دیکھنا نہ ہونے پر دلیل نہیں، امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں دو حدیثیں مذکور مشائخ ذکر کرکے فرمایا قصور نظرنا اخفاہا عنا یونہیں حافظ الشان نے باوصف اس وسعت اطلاع کے نفی نہ فرمائی، یہ ائمہ کے ساتھ علمائے کرام کا ادب ہے، بخلاف جہّال زمانہ یعنی غیر مقلدین کہ کریک سنگ سے بڑھ کر وقوف نہیں، اور ائمہ پر سلب مطلق کے دعوی، وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ،

تو حدیث مذکور میں صدقہ خطام کا عنداللہ حکم ہے، مگر وہ حدیثاً و فقہاً صرف جلال و خطام شتران ہدی کے بارے میں ہے، قربانی کی گائے بکریوں کی جھولوں اور ان کے گلے کی رسیوں کا ذکر درکنار، جہاںتک نظر کی جاتی ہے شتران اضحیہ کے جلال و خطام کا بھی کہیں ذکر نہیں، اب رہا قیاس وہ مجتہد سے خاص اس کا کسے اختیار۔ اور دلالۃ النص اقول اس کی بھی گنجائش نہیں، نہ اضحیہ من کل الوجوہ معنیٔ ہدی میں ہے، نہ یہ جھولیں اُن جلال سے نہ گلے کی رسیاں اُس خطام کے مثل، اوّل تو ظاہر کہ ہدی کے لئے محل خاص ہے یعنی حرم محترم اس کے غیر میں ہدی کو ذبح و نحر نہیں کرسکتے، قال اللہ تعالٰی ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ وقال تعالٰی هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ، اور قربانی ہر جگہ ہوسکتی ہے، تو ہدی میں بہ نسبت اضحیہ خصوصیت خاصہ ہے، اگرچہ اصل مقصود یعنی تقرب باراقۃ دم میں مساوی ہیں، لہذا کیا مستبعد کہ اصل اجزائے متقرب بہ یعنی لحم و جلد میں حکم یکساں ہو، اور زوائد و مضافات کی طرف جو تبرّا صاحب خصوص میں ہوئی، اضاحی میں نہ ہو، و لہذا بدائع و ہدایہ و کافی وغیرہا میں حدیث ہدی سے دربارۂ لحم و جلد اضحیہ استناد کیا، اور جلال و خطام اضحیہ کا کسی نے ذکر نہ کیا، حالانکہ حدیث ہدی میں چاروں حکم موجود تھے، اضحیہ میں اُن دو پر اقتصار اور اُن دو کا ترک، اور اس ترک واقتصار پر اتفاق کتب آخر کس لئے،

دوم یوں کہ وہ جھولیں معمولی سردی وغیرہ کی جھولیں نہ تھیں جو اپنے موسم پر ہر پالے ہوئے جانور کے لئے بنائی جاتی ہیں، اگرچہ وہ گاڑی میں جوتنے کے بیل ہوں، وہ خاص شتران ہدی کے لئے بنتیں، اور رڈائنگی حرم کے وقت اُن پر ڈالی جاتی ہیں، اور اُن کے لئے اُن کا بنانا سنّت ہے، تقلید و اشعار کی طرح شعائر اللہ ہدی کی علامت ہوتی ہے بدنہ ہدی کے گلے میں نعلین وغیرہ یا بٹے ہوئے قلادے ڈالتے، اور بالتخصیص اونٹوں پر قلادے کے ساتھ جھولیں بھی ڈالتے، اور اُن کے کوہان میں خفیف نیزہ مار کر خون نکالتے، یہ اُن کے ہدی ہونے کی علامتیں تھیں،

علمائے کرام نے فرمایا، ان جھولوں کا اپنی حیثیت تمول کے مناسب ہونا مستحب ہے، بدی بھیجنے والا جیسی استطاعت رکھتا ہو ویسی ہی بیش قیمت جھولیں بنائے، کہ مساکین کا زیادہ نفع اور شعائر اللہ کی زیادہ تعظیم ہو، سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما ان پر بیش بہا کپڑوں کی جھولیں ڈالتے، اور مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر اُتار کر تہ کرکے رکھ چھوڑتے، عرفہ کے دن پھر پہناتے، اور بعد نحر انھیں کعبہ معظمہ کا غلاف کرتے، جب سے بیتِ مکرم کا غلاف مستقل تیار ہونے لگا، انھیں مساکین پر تصدق کرتے،

علماء فرماتے ہیں کہ راتوں کو یہ جھولیں اتار کر رکھ لی جائیں، کہ کانٹوں سے اُن میں کھونتا نہ لگے، ان میں سے کونسا حرف قربانی کی معمولی جھولوں پر صادق ہے، کہ یہ اُن کے معنی میں ہوں،

امام اجل ابوزکریا نووی قدس سرہ شرح صحیح مسلم میں زیر حدیث مذکور فرماتے ہیں فی ھذا الحدیث فوائد کثیرۃ، منھا استحباب سوق الھدی وانہ یتصدق بلحومھا وجلودھا وجلالھا وانھا تجلل واستحبوا ان یکون جلاحسنا، قال القاضی التجلیل سنۃ وھو عند العلماء مختص بالابل وھو مما اشتھر من عمل السلف قالوا ان یکون بعد الاشعار لئلا یتلطخ بالدم قالوا ویستحب ان تکون قیمتھا ونفاستھا بحسب حال المھدی، وکان بعض السلف یجلل بالوشی وبعضھم بالحبرۃ وبعضھم بالقباطی والملاحف والازر، قال مالک اما الجلل فتنزع فی اللیل لئلا یخرقھا الشوک، قال واستحب ان کانت الجلال مرتفعۃ ان لا یجللھا حتی یغدو الی عرفات ان کانت بثمن یسیر فمن حین یحرم یجلل،

امام علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں الجلال جمع جل وھو الذی یطرح علی ظھر الحیوان من الابل والفرس والحمار والبغل، وھذا من حیث العرف، ولکن العلماء قالوا ان التجلیل مختص بالابل من کساء ونحوھا، قال ابن بطال کان مالک وابو حنیفۃ والشافعی یرون تجلیل الھدی امام جلیل ابوالبرکات نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں فان کانت بدنۃ قلدھا بمزادۃ اونعل و التقلید احب من التجلیل، ولان التقلید ذکر فی القرآن قال اللہ تعالٰی ولا القلائد ولا ذکر للتجلیل فیہ، وان کان کلاھما ثابتا بالسنۃ لان ھدایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کانت مقلدۃ مجللۃ، ولانہ قد تجلل البدنۃ لا علی وجہ التقرب بخلاف التقلید،

مؤطا شریف میں ہے مالک عن نافع ان عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما کان یجلل بدنہ القباطی والانماط والحلل، ثم یبعث بھا الی الکعبۃ فیکسوھا ایاھا، مالک انہ سأل عبداللہ بن دینار ما کان عبداللہ بن عمر یصنع بجلال بدنہ حین کسیت الکعبۃ عن الکسوۃ، قال کان یتصدق

بہا ابن المنذر نے بطریق اسامہ بن زید نافع سے روایت کی ان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کان یجلل بدنہ الانماط والبرود والحبر حتی یخرج من المدینۃ ینزعہا فیطویہا، حتی یکون یوم عرفۃ فیلبسہا ایاہا حتی ینحرہا ثم یتصدق بہا، قال نافع وربما دفعہا الٰی بنی شیبۃ۔

اقول اور اس پر ایک دلیل واضح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حجۃ الوداع شریف میں سو اونٹ ہدی بھیجے، ان پر جھولیں تھیں کہ بحکم اقدس بعد نحر تصدق کی گئیں کما تقدم عن صحیح البخاری، حجۃ الوداع شریف کھلی بہار کے موسم میں تھا، فقیر نے حساب کیا ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ ہجریہ روز جمعہ کو چھٹی مارچ ۶۳۲ء[ف1] تھی، ولہذا علمائے اسے ماہ تحویل حمل میں بتاتے ہیں، صحیح بخاری میں خطبۂ حجۃ الوداع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دہم ذی الحجہ کو ارشاد فرمایا الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللّٰہ السمٰوٰت والارض، وفیہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای شہر ھذا قلنا اللہ ورسولہ اعلم، قال الیس ذوالحجۃ، قال فای یوم ھذا، قلنا اللہ ورسولہ اعلم، قال الیس یوم النحر، امام ابن حجر نے فتح الباری کتاب بدءالخلق میں، پھر امام قسطلانی نے ارشاد الساری میں نقل کیا کہ یہ ارشاد اقدس تحویل حمل کے مہینے میں تھا، حیث قال زعم یوسف بن عبد الملک فی کتابہ تفضیل الازمنۃ ان ھذہ المقالۃ صدرت من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی شہر مارس، وھو اذار وھو برمہات بالقبطیۃ وفیہ یستوی اللیل والنہار عند حلول الشمس برج الحمل،

اقول مراد یہ ہے کہ اس مہینے میں تحویل حمل ہوتی ہے نہ یہ کہ اس دن تحویل حمل تھی، ہم نے زیج الغ بیگی سلطانی اور زیج احمد بہادر خانی، دو زیجوں سے نصف النہار حقیقی مکہ معظمہ دہم ذی الحجہ ۱۰ھ ہجریہ مطابق یازدہم[ف2] دی الحجہ وسطیہ روز شنبہ کی تقویم شمس نکالی، دونوں سے حوت کے اکیسویں درجے میں آئی اول سے حوت کی بیس

[ف1] یعنی اس وقت کی تعبیر میں، ورنہ آغاز سن عیسوی کے حساب دسویں مارچ تھی جیسا کہ ہم نے اپنے ایک رسالہ متعلقہ "تحقیق سال عیسوی" میں ثابت کیا ۱۲ منہ قدس سرہ۔

[ف2] مطلوب ۱۰ھ کی تقویم ہے، لہذا جدول سالہائے مبسوطہ ناقصہ سے دو سال تلاش کیا کہ اکم کرکے ۳۰ پر صحیح منقسم ہو وہ ۸۵۰ھ تھا، طول سمرقند محط لو طول حرم محترم عرحہ سے ما بین طولین الحہ، وحاصل تفریق ۔ ۴۸

	ج	مرکز				اوج ج				
بازار	ا ی	ط ح	سط نه	لح یح	مو ل	ج ہا ح	ح لط	سط	لح مح	ــ مر
٦٠٠ / ٢٢٠	ہا ط	یح ہا	سک لب	و	لو ط	ح ہا	ہا	لط لبر	ا لد	ح / ح سط
بازار ۵۸ بتفریق آں ازیں بہرغرہ ۱۰	ط ی ط ج	الر لك نا مر	مر لط کا مط	ح ک نت	یح لب	ب	یع	یع	سہ ــہ	یح لط
+ ذی الحجہ ۱۰ یوم ناقص ما بین طولین	ج	یح	ا	ابد نه	و نه	ب	یع	نط	سط	تت
+ تعدیل الایام	ح ح	یح له	ب یح	ث سط	ا					
+ تعدیل المرکز / + اوج	ط	ا ک	لح لد	یح یح	ھ لد					
تقویم	یا یح	ک	لد	یح	مد					

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

درجے سینتیس دقیقے انتالیس ثانیے، دوم سے بیس درجے چھتیس دقیقے پچاس ثانیے، بلاشبہہ اس تقویم کا موسم ان ملکوں خصوصًا مکہ معظمہ اور اس کے قریب العرض شہروں میں نہایت معتدل موسم ہوتا ہے، نہ رات کو برف نہ دن کو لوہ، نہ برسات کی مکھیاں، تو جن حاجات کے لئے جھولیں ڈالتے ہیں، اُن کا اصلا نام ونشان نہ تھا، لاجرم یہ جھولیں وہ نہ تھیں بلکہ خاص تعظیم شعائر اللہ کے لئے تھیں، تو معمولی جھولیں کسی طرح ان کے معنی میں نہیں،

سوم یوں کہ خطام ہدی وہ شئے ہے کہ اُسے سبیل اللہ میں لے جاتی اور حرم محترم میں پہنچاتی ہے، تو قربانی کی رسیاں اس کے برابر نہیں ہو سکتیں، اور گائے بھینس کی جھولوں رسیوں میں اور بھی فرق ہے، شتر نحر کیا جاتا ہے، اس کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں سے کھڑا رکھ کر سینہ پر نیزہ مارتے ہیں، جل وخطام دونوں وقت نحر اُس سے جدا کرنے کی حاجت نہیں، گائے بھینس لٹا کر ذبح کی جاتی ہیں، اُس وقت اُن کی رسی کھول لیتے ہیں، اور اگر جھول تھی وہ بھی اُتار لیتے ہیں، تو وقت تقرب الی اللہ رسی اور جھول اُن کے بدن سے جدا ہوتی ہیں، اور شتر کے بدن سے متصل تو یہ زیر تقرب آتی ہیں، اور وہ نہیں، اگر باوصف انفصال بھی حکم تصدق سرایت کرے تو اُس کھونٹے کے بھی تصدق کا حکم ہو، جس سے وہ جانور بندھا تھا، اور اُس ناند اور طشت کا بھی جس میں اُسے کھانا پانی دیا گیا تھا، بلکہ

(بقیہ حاشیہ ص ۵۳۶)

سکہ ۱۲۵۱ -- ۱۰ = ۱۲۴۱ فاضل بر تضاعیف ۳۰، ۱۲۱۰ وتضاعیف ۱۲۳۰ + ۳۰ = ۱۲۶۰

بازائے ۱۲۰۰

۶۰

بازار ۱۱ سال متصاعدًا

بتفریق آن ازیں بہر غرہ

سنہ ۱۰

+ ذی الحجہ

+ الیوم ناقص

بازار سنہ ندقہ مند ر

بازار ایں وتعدیل ایام دقوم

حصہ اش از وسط لونہ لح

+ حصہ تعدیل ایام زائد

تعدیل المرکز

× وسط

تعویہ مند

ج وسط
ح و م لو لط
ب لو لحہ یا مط

ہ لح ل بر ح
و ما نب لح لب

یا لح لہ کا الہ
ی ک ک ر لح
ط نا لح لح

ج اوج
یا لط ند ی ط
نط مہ ل

یا ک لح نب لط
ح ی مد ن لح

ب لط لہ مہ مط
ند مو
ا ما

ما بین الطولین سنہ ندر

د سنہ مہ
ب لح ی
ی

ب لط ما مہ مر

یا ما لح ما سر لد

ح لح حہ ہ سر
مرکز
لو لح مب
لو سط لد

مط ح
نہ

ا لح ما
سو لح

ا لح ما سر لد
لح نہ لب
ا لح ما سر ند

ا ک لو مط لد

فرق بین ۱۲ منہ قدس سرہ

سکہ خیال ایسا ہی تھا کہ اس مہینہ میں تاریخ وسطی، ہلالی سے ایک مقدم ہے استخراج تقویمات کے بعد دیکھا تو نہ مہینہ مطابقت، پر آیا۔ تو یہ تقویم ۱۱ ہی ذی الحجہ کی ہوئی۔ بہرحال مطلوب حاصل ہے۔ کہ ۱۰ کی تقویم ایک درجہ کم حوت کے بیسویں ہی درجہ میں رہی۔

منہ، قدس سرہ

اُس مکان کا بھی جس میں وہ بندھا تھا، اور اس کا کوئی قائل نہیں، عمدۃ القاری و فتح الباری شروح صحیح بخاری وغیرہما میں تصدق جلال بدی کی یہ وجہ نقل فرمائی، کہ اُس پر اہلال لوجہ اللہ واقع ہوا حیث قالوا قال المھلب لیس التصدق بجلال البدن فرضا و انما صنع ذلك ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما لانہ اراد ان لا یرجع فی شیئ اھل بہ للہ ولا فی شیئ اضیف الیہ، اس اہلال سے اگر تلبیہ مراد ہو جب تو ظاہر کہ قربانی پر لبیک کہاں، اور اگر تکبیر وقت نحر مراد ہو تو یہ بھی اُن اشیاء کو شامل نہ ہوگا جو وقت نحر و ذبح اس کے بدن پر نہ تھیں،

اقول اور اول اَولٰی ہے کہ حکم جل و خطام کی نسبت آیا، قماط جس سے اونٹ کا ایک پاؤں باندھتے ہیں اور حجۃ الوداع شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سَو کے سَو اونٹ یوں ہی نحر فرمائے، ۶۳ بدست انور، اور ۳۷ بدست امیر المومنین حیدر، ان رسیوں کے تصدق کا حکم کہیں نہ آیا، حالانکہ ضرور وقت نحر بُدنوں کے بدن پر تھیں، بلکہ وہی طریقۂ مسنونۂ نحر کی ضامن ہوئیں،

صحیحین میں زیاد بن جبیر سے ہے رأیت ابن عمر اتی علی رجل قد اناخ بدنتہ ینحرھا قال ابعثھا قیاما مقیدۃ سنۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، عمدۃ القاری میں ہے مقیدۃ معناہ معقولۃ الرجل وھی قائمۃ علی الثلاث،

بالجملہ اگر کوئی اپنا گھر تصدق کردے اور اس پر قادر ہو ممانعت نہیں، کلام اس میں ہے کہ قربانی کی جھولیں رسیاں تصدق کرنے کا حکم ہے، اس کا کہیں ثبوت نہیں، نہ حدیث میں نہ فقہ میں، ومن ادعی فعلیہ البیان ولہذا آج تک مسلمانوں میں کہیں اس کا رواج مسموع نہیں، البتہ اگر کوئی شخص تعظیم ضحایا کے لئے اُن پر جھولیں ڈالے اور انھیں حسب حیثیت مزیّن و بیش بہا کرے، اور اُس سے شعائر اسلام کی زینت اور فقرائے مسلمین کی منفعت چاہے تو ضرور اسے اُن جھولوں کے تصدق کا حکم دیا جائے گا، اور اُس سے باز رہنا اُسے شنیع ہوگا کہ اللہ عزوجل سے وعدہ کرکے رجوع نہ ہو، کما بیّنا فی فتاوینا وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم،

باب العقیقہ

مسئلہ ۔ از بریلی مسئولہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب، ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

اگر شخصے عقیقہ دو یا زیادہ طفلان خود ادا کند پس بوقت ذبح شاۃ نیت ہر ہمہ کافی بود یا برائے ہر یک جانور علیحدہ باید،

الجواب ۔ گاؤ و شتر از ہفت بچہ بسندہ کند و بز و گوسفند جز یک را کفایت نیست کما فی الاضحیۃ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ از جتوڑ گڑھ، اودے پور میواڑ، مرسلہ نور محمد ولد عبدالحکیم چھیپہ، ۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عقیقہ کیا، اور اس کے چمڑے کی قیمت کرکے قبل وصول قیمت اتنے ہی روپے کا اپنے پاس سے سامان منگوا کر کھانا پکوا کر کچھ کھانا اباحۃً اپنے مکان پر فقراء اور مساکین پر اور کچھ تملیکاً ان پر صرف کردیا، نیز قیمت چمڑہ کے علاوہ اس گوشت میں زائد سامان شامل کرکے گھر والوں نے بھی کھایا، اور بلا امتیاز غنی و فقیر اپنے خویش و اقارب کو بھی کھلایا، حالانکہ عقیقہ کے چمڑے کے داموں کا فروخت کرنا، یا اشیائے مستہلکہ کے ساتھ مبادلہ کرنا، اپنے تصرف میں لانے کے لئے ناجائز ہے تو اس شخص نے قیمت کی اشیائے مستہلکہ خریدی، وہ مساکین پر تصدق کی، اس کے بعد جب اس نے چمڑے کا دام لیکر اس کا تصرف کرنا ناجائز سنا تو ابھی تک کہ چمڑہ کے دام نہیں لئے تھے، اسی روز بیع چمڑہ فسخ کرکے قیمت سے انکار اور اس کے مبادلہ میں اشیائے غیر مستہلکہ از قسم پارچہ یا ظروف لینا مقرر کیا،

اندریں صورت اس شخص کا چمڑا کی قیمت کرکے بلا اخذ ثمن اپنے داموں سے سامان منگوا کر، پکوا کر مساکین پر تصدق کرنا، اور اس میں زائد سامان پکوا کر خویش و اقارب کو کھلانا، اور اس کے بعد اس کے ناجائز ہونے کے خیال سے بیع فسخ کرکے اب اس کا مبادلہ کرنا جائز ہوا کہ نہیں، بینوا بسند الکتاب توجروا عند اللہ یوم الحساب،

الجواب ۔ چرم قربانی سے تمول ممنوع ہے، فقراء پر صرف ممنوع نہیں لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم کلوا وادخروا وائتجروا، تبیین الحقائق میں ہے لانہ قربۃ کالتصدق، وہ اگر فقراء کے لئے بیچتا، اور اسی قیمت میں اور دام ڈال کر کھانا فقراء اور گھر والوں کے لئے پکاتا تو بُرا کرتا کہ تصدق و تمول کا خلط بلا تمیز تھا، لیکن وہ قیمت ہنوز نہ لی تھی، اپنے ذہن سے اس کے بدلے اور روپیہ لیکر اس کا معاوضہ سمجھا، یہ اس کی جہالت تھی، لیکن اس سے اس کھانے میں کوئی خبث نہ آیا، اور نہ گھر والوں کے کھانے میں کچھ حرج ہوا، وہ دونوں اس کے خاص اپنے مال تھے، اسے اختیار تھا جہاں چاہے صرف کرے، مگر وہ نیت کہ قیمت چرم قربانی میں فقراء کے لئے یہ کھانا اس کا عوض نہیں ہوسکتا، اگر روپے کے عوض بیچتا تو وہ روپے امور تقرب میں ہی صرف کرنے ہوتے، اب کہ وہ بیع فسخ کردی، اور اشیائے باقیہ سے بدلا، اس تبدیل سے ثیاب و ظروف جو حاصل کئے، مباح الاستعمال ہیں، مگر تصدق کی نیت سے عدول ہوا، اور یہ مکروہ ہے، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اسے قربات و فقراء ہی پر صرف کردے،

غایۃ البیان علامہ اتقانی شرح ہدایہ میں شرح مختصر الکرخی للامام القدوری رحمہم اللہ تعالیٰ سے ہے جواز الاشتراک بعد الشراء للاضحیۃ محمول علی ان ملکہ لایزول بالشراء الا انہ یکرہ لانہ قد وعد وعدا فلا ینبغی ان یرجع فیہ، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۔ ۱۴ رجمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عقیقے کے لئے دو راسیں خریدیں، بائع کہتا ہے کہ میرے قیاس میں یہ راس ساڑھے دس مہینے کی ہے، دوسری میں بھی شبہہ ہے، بظاہر فربہ ہیں، ان کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب - سال بھر سے کم کی بکری عقیقے یا قربانی میں نہیں ہو سکتی، اگر مشکوک حالت ہے تو وہ بھی ایسی ہی ہے کہ سال بھر کی نہ ہونا معلوم ہو (لان علم العلم بتحقق الشرط کعلم العدم) خصوصاً بائع کا بیان کہ وہ اس سے زیادہ آگاہ ہے، اور سال بھر سے کم کی ظاہر کرنے میں اس کا کوئی نفع نہیں، بلکہ اس کا عکس متوقع ہے کہ جب مشتری اپنے مطلب کی نہ جانے گا نہ لے گا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ دوم - قصاب سے عقیقے کے لئے ایک بکری خریدی، وہ کہتا ہے سال بھر کی ہے، مگر دیکھنے سے اسکی حالت اس قابل نہیں، سال بھر کا بچہ جو دانت توڑتا ہے، وہ اس نے ابھی نہ توڑے تو اس صورت میں اس کا عقیقہ کیا جائے یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب - جب کہ سال بھر کامل کی ہونے میں شک ہے تو اس کا عقیقہ نہ کریں، اور قصاب کا قول یہاں کافی نہیں کہ بکنے میں اس کا نفع ہے، اور حالت ظاہرہ اس کی بات کو دفع کر رہی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ - کیا حکم ہے شرع مطہر کا دربارہ عقیقہ کے :-

عـ۱ جانور ذبح کئے جائیں اُن کی عمر کیا ہونا چاہئے، اور اگر کسی عضو میں نقصان رکھتے ہوں، وہ کام میں آسکتے ہیں یا نہیں۔ عـ۲ گوشت کی تقسیم کس طرح کی جائے، آیا کھانا پکا کر کھلوانا افضل ہے، یا گوشت کا تقسیم کر دینا عـ۳ گوشت میں کوئی حصہ والدین کا بھی ہے یا نہیں۔ عـ۴ دایہ کسی عضو کی مستحق ہے، اور حجام وسقہ و خاک روب دھوبی وغیرہ؟ عـ۵ پوست کے دام قیمت جانور میں مُجرا کرنا، اور خانگی خرچ میں ملانا جائز ہے یا نہیں، کیا طریقہ افضل ہے، عـ۶ اور جانور کو ذبح کس کو کرنا چاہیے، اور دعائے عقیقہ کس طرح اور کس کو پڑھنا چاہیے۔ عـ۷ ہڈیاں توڑنا چاہیئے یا نہیں، اور دفن کرنا چاہیئے یا نہیں، عـ۸ اور مدت اور روزِ عقیقہ کیا ہونا چاہیئے، عـ۹ لڑکے اور لڑکی کے عقیقے میں تعداد جانوروں کی دو دو ایک ہونی چاہیئے یا ایک ایک، عـ۱۰ اجرت قصاب کی داموں میں مجرا ہو سکتی ہے یا نہیں، عـ۱۱ اگر دو جانور ہوں تو ان کی سِری دیا یے ایک حجام کو، ایک سقہ کو دی جا سکتی ہے یا دونوں حجام کو، بینوا توجروا،

الجواب - عـ۱ ان امور میں احکام عقیقہ مثل قربانی ہیں، اعضا سلامت ہوں، بکرا بکری ایک سال سے کم کی جائز نہیں، بھیڑ مینڈھا چھ مہینہ کا بھی ہو سکتا ہے، جبکہ اتنا تازہ و فربہ ہو کہ سال بھر والوں میں ملا دیں تو دور سے متمیز نہ ہو، عـ۲ گوشت بھی مثل قربانی تین حصے کرنا مستحب ہے، ایک اپنا، ایک اقارب، ایک مساکین کا، اور چاہے تو

سب کھالے خواہ سب بانٹ دے، جیسے قربانی، اور پکا کر کھلانا، کچا تقسیم کرنے سے افضل ہے۔ ۳ حصہ ضروری کسی کا بھی نہیں، استحبابی حصہ میں تہائی اپنا رکھا گیا ہے، والدین کھا سکتے ہیں، اس کی ممانعت جو مشہور ہے، صحیح نہیں، ۴ دائی یعنی جنائی کو ایک ران دی جائے، جبکہ وہ مسلمان ہو، جاہلوں میں جو ہندو جنائیاں یا مِس ڈاکٹریں بلائی جاتی ہیں، یہ حرام ہے، حجام، سقا، خاک روب، دھوبی کا کوئی خاص حق نہیں۔ ۵ پوست داموں کو بیچ کر اپنے صرف میں لانا منع ہے، اور قیمت میں مُجرا کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ جانور پہلے خرید کر ذبح کر لیا، اب پوست قصاب نے مول لے لیا، اُس کے آتے ہوئے داموں میں یہ دام وضع کر لئے، یوں اپنے صرف کے لئے بیچنا گناہ ہوا، مگر جانور کی خریداری میں خلل نہ آیا، دوسرے یہ کہ خریدتے وقت شرط کر لی کہ کھال اتنے کو تجھے لینی ہوگی، یہ سِرے سے جانور کی خریداری ہی کو حرام و فاسد کر دے گا، اُن پر فرض ہوگا کہ اُس عقد کو فسخ کر دیں، پھر از سرِ نو عقد صحیح سے اسے خرید کر عقیقہ میں ذبح کرے، ہاں بعینہٖ پوست کی جلد یا ڈول یا جانماز وغیرہ بنا کر اپنے صرف میں لا سکتا ہے، یونہیں برتن کپڑے وغیرہ اُن اشیاء کے عوض بیچ سکتا ہے، جو قائم رکھ کر استعمال میں آتی ہیں، نہ دام یا اناج وغیرہ جن کا استعمال اُن کو فنا کرنے سے ہوتا ہے، اور کارِ خیر میں دیدینا اپنے صرف میں لانے سے افضل ہے، ۶ باپ اگر حاضر اور ذبح پر قادر ہو تو اُسی کا ذبح کرنا بہتر ہے، کہ یہ شکرِ نعمت ہے جس پر نعمت ہوئی وہی اپنے ہاتھ سے شکر ادا کرے، وہ نہ ہو یا ذبح نہ کر سکے تو دوسرے کو قائم کرے یا کیا جائے، اور جو ذبح کرے وہی دعا پڑھے، عقیقہ پسر میں کہ باپ ذبح کرے دعا یوں پڑھے:-

اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ عَقِیْقَۃُ اِبْنِیْ فُلَانٍ دَمُھَا بِدَمِہٖ وَلَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَعَظْمُھَا بِعَظْمِہٖ وَجِلْدُھَا بِجِلْدِہٖ وَشَعْرُھَا بِشَعْرِہٖ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا فِدَاءً لِّاِبْنِیْ مِنَ النَّارِ ط بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، فلاں کی جگہ پسر کا جو نام رکھا ہو لے، دختر ہو تو دونوں جگہ اِبْنِیْ کی جگہ بِنْتِیْ، اور پانچوں جگہ ہٖ کی جگہ ھَا کہے، اور دوسرا شخص ذبح کرے تو دونوں جگہ اِبْنِیْ فُلَانٍ یا بِنْتِیْ فُلَانٍ کی جگہ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ یا فُلَانَۃَ بِنْتِ فُلَانٍ کہے، بچے کو اس کے باپ کی طرف نسبت کرے، ۷ ہڈیاں توڑنے میں حرج نہیں، اور نہ توڑنا بہتر، اور دفن کر دینا افضل، ۸ عقیقہ ساتویں دن افضل ہے، نہ ہو سکے تو چودھویں، ورنہ اکیسویں، ورنہ زندگی بھر میں جب کبھی ہو، وقت دن کا ہو، رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے، ۹ کم سے کم ایک تو ہے ہی، اور پسر کے لئے دو افضل ہیں، استطاعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے، ۱۰ گوشت بنانے کی اجرت داموں میں مُجرا کر سکتا ہے، ۱۱ سِرے پائے خود کھائے، خواہ اقرباء، مساکین جسے چاہے، خواہ سب حجام یا سب سقا کو دیدے، شرع مطہر نے اُن کا کوئی خاص حق اس میں مقرر نہ فرمایا فقط، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ - از پچرو کھی، ضلع گیا، ڈاک خانہ اکبر پور، مسئولہ سید محمد ولی عالم،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۱ چلّہ کے اندر عقیقہ کرنا جائز ہے یا تاخیر، ۲ ایک خصی سے عقیقہ ہوگا یا نہیں، ۳ گوشت عقیقہ کا آبار و اجداد کو کھانا چاہئے یا نہیں، اور ہڈی مذبوح کی توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ۔ عقیقہ ولادت کے ساتویں روز سنّت ہے، اور یہی افضل ہے، ورنہ چودہویں، ورنہ اکیسویں دن، اور خصی عقیقہ اور قربانی میں افضل ہے، اور عقیقہ کا گوشت آبار و اجداد بھی کھا سکتے ہیں، مثل قربانی اُس میں بھی تین حصے کرنا مستحب ہے، اور اُس کی ہڈی توڑنے کی ممانعت میں علماء تفاؤلاً نہ توڑنا بہتر جانتے ہیں، پسر کے عقیقہ میں دو جانور درکار ہیں، اور یہی کافی ہے، اگرچہ خصی نہ ہو،

عقود الدریہ میں ہے قال فی السراج الوھاج اذا اراد ان یعق عن الولد یذبح عن الغلام شاتین و عن الجاریۃ شاۃ، ولو ذبح عن الغلام شاۃ جاز لان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم عق عن الحسن والحسین رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما کبشا کبشا، ولو قدم الذبح قبل یوم السابع او اخرعنہ جاز الا ان یوم السابع افضل والمستحب ان یفصل لحمھا ولا یکسر عظمھا تفاؤلا، بسلامۃ اعضاء الولد، و یاکل و یطعم و یتصدق، اُسی میں ہے وحکمھا کاحکام الاضحیۃ، ردالمحتار میں ہے فی البدائع افضل الشاۃ ان یکون کبشا املح اقرن موجوء، واللّٰہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ مرسلہ احمد شاہ خاں　　از موضع نگریا سادات　　ضلع بریلی

عید الاضحی کے روز عقیقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ۔ جائز ہے، واللّٰہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از مرسنیا تھانہ جہاں آباد، ضلع پیلی بھیت، مرسلہ شیخ ممتاز حسین صاحب ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، زید نے اپنے لڑکے کا عقیقہ کیا، سر کے بال منڈوا کر چاندی وزن کرکے حجام کو دیدی، مسکین کو دینی چاہئے تھی، اور بکری کا سر حجام کو، اور ایک ران بھنگن کو، کہ وہی دائی تھی، اسطرح عقیقہ ہوا یا نہیں، جوانی یا بڑھاپے میں عقیقہ کر سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ بھنگن یا کسی کافرہ کو جنائی بنانا سخت اشد حرام ہے، نہ کافرہ کو ران دی جائے، اور بالوں کی چاندی مسکین کا حق ہے، نائی مسکین ہو تو مضائقہ نہیں، اصل حکم یہ ہے پھر جس نے اس کے خلاف کیا بھنگن کو ران، غنی نائی کو چاندی دی، تو بُرا کیا، مگر عقیقہ ہوگیا، سری کے بارے میں کوئی حکم خاص نہیں، جسے چاہے دے، جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو وہ جوانی بڑھاپے میں بھی اپنا عقیقہ کر سکتا ہے، واللّٰہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از موضع خورد مئو ڈاکخانہ بدوسرائے، ضلع بارہ بنکی، مرسلہ صفدر علی صاحب، ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :۔

(۱) حکم ہے کہ عقیقہ میں سرنائی کو، اور ران دائی جنائی کو دی جائے، فی زمانا جنائی اکثر چارن یا ڈومن ہوتی ہے اور ان کا مذہب ظاہر ہے تو کیا ران مذکور بموجب حکم جنائی کو جو چارن ہے یا ڈومن ہے دی جائے،

(۲) گوشت عقیقہ کا صاحب عقیقہ یا اس کے والد کے کھانے کی نسبت اکثر بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ درست ہے، اور بعض بزرگ تجویز فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے، اور نہ کھانا انسب ہے، تو اب قطعی حکم معلوم ہونا چاہئے کیا کیا جاوے جو طریقہ وسنت نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو،

(۳) اکثر دیکھا گیا کہ لوگ بکرا منگا کر اور اس کو لڑکے یا لڑکی کے نام ذبح کرکے کچھ گوشت چیل، کوّا کو کھلاتے ہیں، اور کچھ فقرار کو تقسیم کرتے ہیں، یہ فعل کس حد تک صحیح ہے؟

الجواب - (۱) سرنائی کو دینے کا نہ کہیں حکم، نہ ممانعت، ایک رواجی بات ہے، جنائی کو ران دینے کا حکم البتہ حدیث ہے، مگر کافرہ سے یہ کام لینا حرام ہے، کافرہ سے مسلمان عورت کو ایسے پردے کا حکم ہے، جیسے مرد سے کہ سوا منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں اور تلووں کے کچھ نہ دکھائے، نہ کہ خاص جنائی کا کام،

مجتبٰی شرح قدوری وتنویر الابصار ودرمختار میں ہے الذمیۃ کالرجل الاجنبی فی الاصح فلا تنظر الی بدن المسلمۃ، غایۃ البیان میں ہے لیس للمؤمنۃ ان تتجرد بین یدی مشرکۃ اوکتابیۃ، سراج وہاج، نصاب الاحتساب، وشرح الدرر للعلامۃ اسمٰعیل، وشرح ہدایہ ابن العماد للعارف عبدالغنی، ورد المحتار میں ہے لا یحل للمسلمۃ ان تنکشف بین یدی یھودیۃ او نصرانیۃ اومشرکۃ الا ان یکون امۃ لھا، پھر اگر کسی نے اپنی حماقت سے اس گناہ کا ارتکاب کیا، اوکان صحیح الاضطرار الیہ تو اس کو ران وغیرہ کچھ نہ دیں کہ کافروں کا صدقات وغیرہ میں کچھ حق نہیں، نہ اس کو دینے کی اجازت، غایہ سروجی وبحرالرائق ودرمختار وغیرہا میں ہے اما الحربی ولو مستأمنا فجمیع الصدقات لایجوز لہ اتفاقا، درایہ میں ہے صلتہ لایکون برا شرعا، ولذا لم یجز التطوع الیہ۔

(۲) عقود الدریہ وغیرہا کتب میں تصریح ہے کہ احکامھا احکام الاضحیۃ، عقیقے کے احکام وہی ہیں جو قربانی کے، وہی تین حصے اس میں مستحب ہیں، ایک اپنا، ایک عزیزوں دوستوں کا، ایک مسکینوں کا، خود بھی کھائے، ماں باپ بھی کھائیں، ممانعت محض بے اصل ہے،

(۳) مساکین کو دیں، چیل، کوّں کو کھلانا کوئی معنی نہیں رکھتا، یہ فاسق ہیں اور کوّں کی دعوت رسم ہنود ہے واللہ اعلم

مسئلہ - ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ عقیقے کے جانور کی استخواں توڑنا اور گوشت کے ساتھ پکانے کو عدم جواز کہتے ہیں، اور جواز کی دلیل چاہتے ہیں، اور استخواں اور پوست زمین میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب ۔ ہڈیاں توڑنے میں کوئی حرج نہیں، ناجائز کہنے والا دلیل بیان کرے، کہاں سے ناجائز کہتا ہے، یہ شافعیہ کے یہاں ہے، وہ بھی مستحب طور پر نہ کہ واجب کہ توڑنا ناجائز ہو، خود بلا دلیل ناجائز کہہ دینا، اور جواز پر الٹے دلیل مانگنا حماقت ہے، اور استخوان خالی دفن کریں، پوست دفن کرنا گناہ ہے، کہ مال کو ضائع کرنا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۔ از شہر پونہ، جامع مسجد، مسئولہ محمد ابراہیم صاحب، بروز شنبہ ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع مبین، کہ بچے کا عقیقہ کیا جاوے، لڑکے کے ماں باپ، نانا نانی و دادا ماموں وغیرہ گوشت عقیقہ کا کھاویں یا نہیں؟

الجواب ۔ سب کھا سکتے ہیں، یہ مسئلہ لوگوں میں غلط مشہور ہے کلوا وتصدقوا وائتجروا، عقود الدریہ میں ہے احکامہا احکام الاضحیۃ، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ از کیمپ میرٹھ، لال کرتی بازار، بنگلہ سول سارجن، مرسلہ شیخ احمد بخش ملازم کرنل۔

۲۸ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ میں جانور کی ہڈی توڑنا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب ۔ توڑنے میں حرج نہیں، اور نہ توڑنا بہتر ہے قال الشیخ المحقق فی شرح المشکوٰۃ انہ مذھب الامام مالک، والکسر مذھب الامام شافعی، قلت وقد صرح علماء نا ان مذھب عالم المدینۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اقرب الی مذھبنا ویصار الیہ حیث لانص من اصحابنا کما فی ردالمحتار وغمز العیون، قلت لاسیما فی مثل مانحن فیہ، فان الکسر لاینبغی عند مالک، ولولم یکسر لم یعاتبہ الشافعی رضی اللہ تعالٰی عن الائمۃ اجمعین، واللہ تعالٰی اعلم،

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ کا گوشت والدین کو کھانا حرام ہے یا جائز بینوا توجروا،

الجواب ۔ جائز ہے اگر سب آپ ہی کھالیں جب بھی حرج نہیں، لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، کلوا وادخروا، ہاں بہتر یہ ہے کہ لااقل بقدر ثلث "خیرات کردے، اور ایک ران حق دائی کا ہے، ایک ثلث عزیز و قریبوں میں تقسیم کریں، ایک ثلث اپنے کھانے کے لئے، بذلک ورد الحدیث واما جواز الاکل فان النسک انما یقوم باراقۃ الدم، والتصدق باللحم خارج عنہ کالاضحیۃ والدم دم شکر لاجبر، وقد صرح العلماء کالشیخ فی اللمعات وغیرہ فی غیرھا ان العقیقۃ کالاضحیۃ فی جمیع الشرائط و الاحکام، ومعلوم ان الاضاحی تقسم لحومہا اثلاثا ثلث طعمہ وثلث ھدیۃ وثلث صدقۃ وھذا ایضا علی وجہ الاستحباب دون الوجوب، حتی لواکل الکل جاز فکذا العقیقۃ، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۔ شیخ احمد حسین صاحب ، ازمقام سید پور ، ڈاکخانہ وزیر گنج ، ضلع بدایوں ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مردہ کے نام پر عقیقہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں ، اور بعض عالم یہ کہتے ہیں کہ مردہ کے نام پر قربانی کرنا درست ہے ، لہٰذا عقیقہ بھی درست ہے ، اگر بچہ پیدا ہوکے سات دن کے پہلے مرے تو کیا حکم ہے ، ایک گائے سے تین یا چار یا سات لڑکی کا عقیقہ دے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب ۔ مردہ کی طرف سے قربانی بلاشبہہ جائز ہے ، اور عقیقہ شکر نعمت ہے ، بعد زوالِ نعمت اُس کا محل نہیں ، ولہٰذا اموات بلکہ اُن کی طرف سے جو اب تک پیدا نہ ہوئے قربانی ثابت ہے ، اور عقیقہ بعد موت کہیں ثابت نہیں ، جو بچہ سات دن سے پہلے مرگیا ، عقیقہ نہ کرنے سے جو الزام آتا کہ وہ شفیع ہوگا ، یہاں نہ ہوگا کہ شرع نے جو اُس کا وقت مقرر فرمایا ، اُس سے پہلے اُس کا انتقال ہوگیا ، اور سات دن بعد مرا اور عقیقہ نہ کیا اور استطاعت تھی تو اُس کی شفاعت کا استحقاق نہیں ، واللہ تعالیٰ اعلم ،

مسئلہ ۔ ازشہر بریلی مدرسہ اہلسنت ، مسئولہ مولوی اسیر الدین بنگالی یکے از طلباء مدرسہ مذکور ۲۴ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

بچہ نابالغ اگر قبل عقیقہ کے مرجائے ، تو بعد مرنے کے اگر عقیقہ کیا جائے تو ثواب عقیقہ ملے گا یا نہیں ، اور یہ عقیقہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ۔ بچہ کی موت کے بعد عقیقہ نہیں ہوسکتا ، واللہ تعالیٰ اعلم ،

مسئلہ ۔ مسئولہ محمد یعقوب علی خاں ، ازمقام کٹھری ، ضلع گوڑگاؤں ڈاکخانہ ڈھینہ ، اسٹیشن حاٹون ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بتاریخ ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ

جو بچہ پیدا ہوا ، اور کسی سبب سے اُس کی زندگی میں عقیقہ نہ ہوا ، تو بعد مرنے بچہ کے اس کے نام سے عقیقہ کرنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب ۔ عقیقہ بعد موت پر نہیں کہ وہ شکرِ ولادت ہے ، واللہ تعالیٰ اعلم ،

مسئلہ ۔ از بریلی ، محلہ سوداگران ، مسئولہ سردار احمد صاحب ، ۱۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں :-

(۱) مُردے کے نام سے عقیقہ دے سکتا ہے یا نہیں ؟ اور بعض عالم کہتے ہیں کہ مُردے کے نام پر قربانی کرنا درست ہے ، لہٰذا عقیقہ بھی درست ہے ، اگر بچہ پیدا ہوکے سات دن کے پہلے مرے تو کیا حکم ہے ، اور سات دن کے بعد مرے تو کیا حکم ہے ، اور نر یعنی بکرا لڑکے کے لئے خاص ہے یا نہیں ،

(۲) ایک گائے سے تین یا چار یا سات لڑکے کا عقیقہ دے سکتا ہے یا نہیں ، اور ایک گائے کے گوشت سے دو حصّہ لیکر ایک لڑکے کا عقیقہ دیا جائے تو درست ہے یا نہیں ؟

الجواب - (۱) مردے کا عقیقہ نہیں کہ وہ شکرِ ولادت ہے، بخلاف قربانی کہ ایصال ثواب ہے، سات دن سے پہلے مرگیا تو ابھی عقیقہ کا وقت ہی نہ آیا تھا، اور بعد کو مرا تو عقیقہ گیا، اُس بچے کی شفاعت کا مستحق نہ ہوگا اگر بلا وجہ با وصف استطاعت نہ کیا، افضل یہ ہے کہ پسر کے لئے دو نر ہوں، اور دختر کے لئے ایک مادہ کہ اِس میں مقابلہ اعضا اکمل ہے، اور اگر نر و مادہ میں عکس ہو جب بھی کوئی حرج نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

(۲) ایک گائے میں ایک سے سات تک کا عقیقہ ہو سکتا ہے، اگر عقیقہ کے سوا دوسرا حصہ ایک یا دو یا کتنا ہی خفیف غیر قربت مثلاً اپنے کھانے کی نیت کو رکھا تو عقیقہ ادا نہ ہوگا، ہاں اگر وہ حصے بھی قربت کے ہوں مثلاً ایک حصہ عقیقہ، ایک حصہ قربانی عید اضحیٰ تو جائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - مسئولہ ہادی حسین صاحب، از شہر بریلی، محلہ ذخیرہ، ۳۰ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ

علمائے کرام اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید و ہندہ کے آپس میں ناجائز تعلق تھا، ہندہ کو اس ناجائز تعلق کی وجہ سے حمل رہا، افشائے راز کے باعث زید و ہندہ کا باہم نکاح کر دیا، اب ہندہ نے وضع حمل کیا، زید اس کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے، آیا یہ عقیقہ درست ہوگا، اور گوشت یا طعام عزیز و اقربا کو کھانا مباح ہوگا یا نہیں، اور نکاح زید صورتِ مسطورہ میں صحیح ہے یا نہیں، علاوہ ازیں زید کوئی کام بھی آئندہ اُس مولود کا، مثل ختنہ و مکتب وغیرہ کے کرے، اس میں شرکت دینا، اور شیرینی اور طعام دعوت ان امور کی لینا اور کھانا اعزا کو جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب - سائل کے بیان سے معلوم ہوا کہ عورت کنواری تھی، اور بچہ نکاح کے کوئی دو مہینے بعد پیدا ہوا ایسی صورت میں زید اگر جانتا ہے کہ واقع میں یہ حمل نکاح سے پہلے کا ہے، تو اسے اس کا عقیقہ کرنے کے کوئی معنی نہیں، کہ عقیقہ شکرِ نعمت ولادت ہے، اور بچہ کی ولادت زانی کے لئے نہیں ہوتی، بلکہ صرف ماں کے لئے، قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم للعاھر الحجر، اس کا عقیقہ اگر کرے تو اس کی ماں کرے، اس میں شرکت میں حرج نہ ہوگا، اور ختنہ اور شادی اگر زید بھی کرے تو حرج نہیں، اور شرکت بھی جائز ہوئی جبکہ کوئی محذور شرعی نہ ہو، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ - مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب حنفی قادری رضوی، از آرہ شاہ آباد، مدرس فیض الغربار بروز پنجشنبہ بتاریخ ۷ر ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

۱ - قیاس عقیقہ قربانی پر صحیح ہے یا نہیں، اگر صحیح ہے تو ان دونوں کا جامع علت مشترکہ کیا ہے،

۲ - قربانی کی طرح عقیقہ میں شرکت جائز ہے یا نہیں،

۳ - سات لڑکیوں یا تین لڑکے اور ایک لڑکی کے نام سے ایک گائے عقیقہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب۔ عقیقہ میں بھی شرکت اسی طرح جائز ہے جیسے قربانی میں جبکہ سب کی نیت خالص لوجہ اللہ ہو، اگر ایک کی نیت بھی قربت کی نہ ہوگی اور باقی سب تقرب چاہیں گے، کسی کی قربت ادا نہ ہوگی، کہ وہ سب گوشت ہوگیا، لان اللہ تعالٰی لایقبل الشرکۃ وھو اغنی الاغنیاء عن الشرکۃ لہ ولغیرہ فکلہ لغیرہ، عقیقہ اور قربانی دونوں اراقتِ دم لوجہ اللہ ہیں، اور اسی کلیہ میں داخل کہ ما کان لہ ولغیرہ فھو لغیرہ، وما کان خالصا لہ فھو لہ، وان تعددت الوجوہ، ولذا جاز التصدق علی فقیرین بالاشتراک ولامشاع، لان المقصود وجہ اللہ تعالٰی وھو واحد، بخلاف الھبۃ، لہٰذا حاجت قیاس نہیں فان المندرج تحت العمومات غیر مسکوت عنہ لیقاس، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ۔ از قصبہ امریا، ڈاکخانہ امریا پاس محمد اکبر یار خاں، بروز چہارشنبہ بتاریخ ۱۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو بچہ لڑکا یا لڑکی پیدا ہوکر ہفتہ سے کم یا ہفتہ بھر کی عمر یا ہفتہ سے زاید میں انتقال ہوا اب ان کے والدین کو اُن مُردہ بچّوں کا عقیقہ چاہئے یا نہیں، اور ہفتہ سے کم عمر میں جو مرے، اُن کا عقیقہ کیا جائے یا نہیں، اور قربانی بھی اُن بچّوں کی جانب سے ہوتی ہے یا نہیں، اور والدین جو انتقال کرچکے ہوں، ان کی جانب سے کرنا جائز ہے یا نہیں، اس کی بابت جو جوابات ہوں واضح طور پر تحریر فرمائے جائیں، سخت ضرورت ہے، جواب جہاں تک ممکن ہو بہت جلد، اور ہفتہ کی عمر سے زائد جہاں تک حد ہو اپنی صِغر سنی میں، اُس کے واسطے کیا حکم ہے، اور وہ بچہ جن کا ذکر ہوا عقیقہ نہ کرنے میں مواخذہ کریں گے یا نہیں، اگر عقیقہ کردیا جائے گا تو شفاعت بروز حشر کرادینگے یا نہیں، فقط

الجواب۔ جو مرجائے کسی عمر کا ہو اُس کا عقیقہ نہیں ہوسکتا، بچہ اگر ساتویں دن سے پہلے ہی مرگیا تو اسکے عقیقہ نہ کرنے سے کوئی اثر اُس کی شفاعت وغیرہ پر نہیں، کہ وہ وقت عقیقہ آنے سے پہلے ہی گزر گیا، عقیقہ کا وقت شریعت میں ساتواں دن ہے، سات دن سے پہلے مرجانا درکنار، حدیث میں ہے کہ کچا حمل جو گر جاتا ہے، وہ روزِ قیامت اپنا نال کھینچتا ہوا آئے گا اور اپنے ماں باپ کے لئے (جبکہ وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ گئے ہوں) مولٰی عزّ وجلّ سے ایسا جھگڑا کرے گا جیسے قرضخواہ اپنے قرضدار سے، یہانتک کہ حکم ہوگا کہ او کچے بچے اپنے رب سے جھگڑنے والے اپنے ماں باپ کا ہاتھ پکڑلے، اور جنت میں لے جا، ہاں جس بچّے نے عقیقہ کا وقت پایا یعنی سات دن کا ہوگیا اور بلاعذر باوصف استطاعت اُس کا عقیقہ نہ کیا، اُس کے لئے یہ آیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی شفاعت نہ کرنے پائے گا، حدیث میں ہے الغلام مرتھن بعقیقتہ لڑکا اپنے عقیقہ میں گروی ہے، تیسیر میں ہے یعنی اذالم یعق عنہ فمات طفلا لا یشفع فی ابویہ، اشعۃ اللمعات میں ہے، امام احمد علیہ الرحمۃ می گوید معنی آنست

کہ فرزند محبوس وممنوع ست از شفاعت درحق والدین تاعقیقہ او راندہند، واعتماد برقول آں امام اجل ست وظاہر آن ست کہ وی شنیدہ است از سلف کہ معنی این ست، جو بچہ قبل بلوغ مرگیا، اور اُس کا عقیقہ کردیا تھا، یا عقیقہ کی استطاعت نہ تھی یا ساتویں دن سے پہلے مرگیا، ان سب صورتوں میں وہ ماں باپ کی شفاعت کرے گا، جبکہ یہ دنیا سے باایمان گئے ہوں،

اس بارے میں متواتر حدیثیں ہیں، قربانی جو اپنے نابالغ بچہ کی طرف سے بعض کے نزدیک واجب ہے، وہ اسکی زندگی ہی میں ہے، بعد مرگ کسی کے نزدیک لازم نہیں، ہاں ان کی طرف سے کرے تو ان کو ثواب پہنچے گا، یونہی ماں باپ کی طرف سے بعد موت قربانی کرنا اجر عظیم ہے، اس کے لئے بھی اور اس کے والدین کے لئے بھی، وھو سبحٰنہ تعالٰی اعلم

صفحہ	مضمون	متفرق
۳۸	تنویر الابصار سے مسئلہ کا جزیہ	
"	ماں کا نابالغ کی جائداد ولایۃً ہبہ کرنے، اور لڑکے کے بالغ ہوکر اس کی تصدیق کرنے اور اسے برقرار رکھنے سے "سوال"	
۳۹	"جواب" ماں کے معاملہ میں ماں لڑکے کی ولی نہیں۔	ولایت
"	ولی یعنی باپ کو بھی نابالغ کے مال سے ایک ہبہ کسی کو دینے کا اختیار نہیں (درمختار)	
"	نابالغی کے ایسے تصرفات کو صغیر بالغ ہوکر جائز کرے تو جائز نہیں۔	
"	عقد فضولی میں مجیز عقد کا اجازت کا اہل ہونا ضروری ہے	
"	حالت بلوغ میں مجیز کی ایسی اجازت جو ابتداء کی صلاحیت رکھے نافذ ہے (عقود الدریہ، جامع الفصولین)	
۴۰	جس ہبہ نامہ میں نسلاً بعد نسلٍ قابض و دخیل رہیں لکھا ہو وہ وصیت نہیں ہوسکتی۔ (درمختار)	
"	جائداد کی آمدنی کا ہبہ صحیح نہیں۔ مشاع کا ہبہ صحیح نہیں (فتاوی خیریہ)	
"	موہوب لہ کو مشاع پر قبضہ بھی دلادیا۔ تو اس کی ملک نہ ہوگی۔ نہ اسمیں اس کے تصرفات نافذ ہونگے تنویر الابصار، مغنی المستفتی، جوہرہ، بحر الرائق، امام زیلعی عن الطحاوی، امام قاضی خان، ابن رستم، نور العین عن الوجیز، محمد فی المبسوط، ھو قول امام ابی یوسف ومذہب ابوحنیفہ، قہستانی ھو الصحیح، المفردات والحمادیہ ہو المختار، وہو ظاہر الروایۃ (درمختار)	
"	ایسے ہبہ میں خود واہب اور اسکے ورثہ کو رجوع کا اختیار رہتا ہے۔ قبضہ اور رشتہ اسکا مانع نہیں	
۴۱	ہبہ صحیح بھی بے قبضہ کامل تمام نہیں ہوتا، اور بعد موت واہب اسمیں وراثت جاری ہوگی (درمختار)	
"	ایسے ہبہ میں اگرچہ یہ تحریر ہو کہ مجھکو اور میرے ورثہ کو اسمیں کوئی حق نہ ہوگا۔ بے کار ہے، ہبہ صحیح نہیں۔	
"	ہبہ بلا قبضہ میں واہب کو قبضہ دلانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا	
"	ہبہ میں جہاں رجوع جائز ہے، اس سے مراد قبضہ کے	

صفحہ	مضمون	متفرق
	بعد ہے۔ (درمختار)	
۴۲	رجوع کا حق شرعی ہے۔ واہب اپنے قول یا تحریر سے اسے باطل نہیں کرسکتا۔ (قاضی خان)	
"	ایسی جائدادوں سے "سوال" جسکو زید نے اپنے اور دیگر مختلف ناموں سے خریدا۔ مگر زندگی بھر سب پر خود قابض اور متصرف رہا۔	
۴۳	"جواب" زید نے جو جائداد اپنے نابالغ بچہ کے نام سے خریدی، اس کا مالک لڑکا ہوگیا گو تصرف باپ کا رہا ہو۔ (تنقیح فتاوی الحامدیہ)	
"	نابالغ کی جائداد پر ولی کا قبضہ بربنائے ولایت ہے۔	
"	نابالغ کو ہبہ صرف عقد سے ہی مکمل ہوجاتا ہے۔ باپ کا قبضہ نابالغ کا قبضہ ہے۔ (مجمع الانہر)	
۴۴	بلوغ کے بعد لڑکے کا بے اختیار ہونا۔ اس کے ملک کا مانع نہیں۔ جیسے سعادتمند بیٹوں کو باپ کے قابض اور متصرف بنا دینے سے جائداد اور مال باپ کی ملک سے نہیں نکلتا۔ (خیریہ، قنیہ)	
"	"فع" فتاوی العصر کی طرف اشارہ ہے	فوائد فقہیہ
"	"ظم" امام ظہیر الدین مرغینانی کا رمز ہے	"
.	"بخ" امام بکر خواہرزادہ کا اشارہ ہے	"
"	نابالغ لڑکے کے نام جائداد خریدی اور بعد میں کہا کہ یہ جائداد میری ہے۔ لڑکے کے نام اسم فرضی تھا باپ کا قول غلط جائداد لڑکے کی ہوگی (خیریہ)	
"	ایسی زمین جو زید نے نابالغ لڑکوں کے نام خریدی اسمیں وراثت جاری نہ ہوگی ایسے ہی اس زمین میں بھی جو نابالغ نے بالغ ہوکر اپنے لڑکوں کے نام خریدی	
"	مشترک مال سے کسی نے اپنے نام جائداد خریدی، اس کا مالک خریدار ہوگا۔ البتہ شرکاء کے حصہ کا تاوان اس پر لازم ہے (شامی)	شرکت
"	ہبہ بلا قبضہ سے "سوال"	
۴۵	"جواب" ہبہ بلا قبضہ باطل ہے (عالمگیری درمختار)	
"	رجوع عن الہبہ کا سوال۔	

صفحہ	مضمون	متفرق
۱۲۵	اجیر نا کو اجرت مثل ملے گی۔ اور وقت معین نہ کیا ہو تو مچھلیاں پکڑنے والوں کی ہوئیں۔ اور زمینداروں کا نصف لینا ظلم ہوگا۔	
″	تنویر الابصار اور درمختار سے مسئلہ کا جزیہ	
۱۳۶	(۲) ایسے تالابوں کی مچھلیاں بیچنا۔ یہاں بھی وہی تین صورتیں ہیں۔	
″	تیسری صورت میں کہ مچھلیاں زمینداروں کی نہیں۔ انکی بیع ناجائز اور وہ پکڑنے والوں کی ملک ہیں۔	
″	پہلی دو صورتوں میں کہ مچھلیاں زمینداروں کی ہیں۔ اگر جال وغیرہ کے بغیر شکار ممکن تو بیع جائز ورنہ ناجائز اور بطلان بیع میں ائمہ کا اختلاف ہے۔	بیع
″	شیخ الاسلام و مشائخ بلخ اور اساتذہ امام سرخسی وغیرہ ایک جماعت کے مذہب پر یہ بیع باطل ہے۔ اور یہی امام ثلجی کا فتویٰ، یہی مختار ہدایہ، اور یہی ظاہر الروایہ (ہندیہ، درمختار، شامی)	
″	ایسی صورت میں مچھلیاں زمینداروں کی، اور قیمت خریداروں کی دونوں ایک دوسرے کو واپس کریں۔ اور اگر خریداروں نے مچھلیاں خرچ کر دیں تو انکی قیمت بازار بھاؤ سے ادا کریں۔ اور بیچ دی ہوں تو وہ بیع زمینداروں کی اجازت پر موقوف ہوگی زمینداروں کو اختیار چاہے مچھلیاں واپس لیں چاہے یہ بیع فضولی جائز کریں۔	
۱۳۷	زمینداروں نے بیع جائز نہ کی تھی کہ مشتریان ثانی نے مچھلیاں خرچ کر دیں۔ تو زمیندار دونوں مشتریوں میں سے جس سے چاہیں قیمت وصول کریں۔ الخ	بیع
″	بیع باطل ہونے کی صورت میں عوام پر بڑی دقتیں لازم آتی ہیں	
″	امام صاحب اور امام محمد سے ایک روایت یہ کہ بیع فاسد ہوتی ہے	
″	یہی قاضی اسبیجابی اور دیگر اساتذہ امام سرخسی اور امام ابوالحسن کرخی کا مختار۔ امام ابن ہمام نے اسی کو ترجیح دی اور تنویر میں اسی کو مقدم رکھا۔ (درمختار، شامی) یہی من حیث الدلیل اظہر ہے (فتح القدیر) اس قول پر	

صفحہ	مضمون	متفرق
	عقد ناجائز و ممنوع اور قابل رد لیکن مچھلیاں جب مشتریوں کے قبضہ میں آگئیں تو بیع صحیح ہوگئی۔	
۱۳۷	دونوں قول قوت پر ہیں، دونوں طرف اصحاب ترجیح و فتویٰ ہیں پہلا قول من حیث الروایت اقویٰ۔ دوسرا من حیث الدرایت اجلیٰ۔ اول پر رد نہیں لازم اور ثانی پر سب مرتفع۔	
۱۳۸	مسلمانوں پر آسانی کا حکم ہے لہذا دوسرا قول ہی انسب اور اقیس ہے	رسم مفتی
″	(۳) بنجر زمین کی گھاس بیچنا۔ اگر زمینداروں نے وہ گھاس اگائی۔ یا خودرو کی رکھ رکھاؤ اور نگرانی کرائی، تو گھاس اس کی اور بیع جائز۔ ورنہ وہ گھاس سب کے لئے مباح اور جو قیمت لوگوں سے وصول کی واپس کریں (عالمگیری)	بیع
۱۳۹	بلا طلب نذرانہ رشد و ہدایت کا "سوال"	
″	"جواب"۔ جو حقیقی شرک میں مبتلا ہو وہی مشرک ہے	کلام
″	بدعت کی تعریف	″
″	واعظ میں کیا کیا صفات ہونا چاہیئے۔	
″	حقیقی واعظ اس زمانہ میں اخیار میں سے ہے۔ اس کی خدمت اللہ و رسول کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔	
″	قبولیت تحفہ کی حدیث	
″	وعظ کو طلب دنیا کا ذریعہ بنانے پر سخت وعیدیں آئی ہیں	
″	خلاصہ، تاتارخانیہ، اور عالمگیری سے مسئلہ کا جزیہ۔	
″	بعض علماء نے وعظ پر اجرت کو بھی بحکم ضرورت جائز رکھا۔	
″	بیشتر کتابوں میں صرف تعلیم قرآن کا استثنا ہے (شامی)	
۱۴۰	مجمع، ملتقی، اور درر البحار میں اذان، اقامت، اور وعظ کا اضافہ ہے	
″	یہ متاخرین مشائخ بلخ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ علت سب کے نزدیک ضرورت ہے۔	
″	مسئلہ وعظ کا جزیہ قاضیخان سے۔	
″	علماء دین کی تحقیر کے احکام	سیر
″	ایام تعطیل کی تنخواہ کا "سوال"	
۱۴۱	تعطیل معہودہ کی تنخواہ دیجائے گی (الاشباہ)	

صفحہ	مضمون	متفرق
۱۵۸	علامہ شامی کی لغزش قلم کا بیان	متعلق علامہ الشامی
"	جامع المضمرات میں شرب (آبپاشی) کیلئے نہر کے اجارہ کو جائز بتایا اور بزازیہ میں خود حق شرب کے اجارہ کو اس سے متعلق آراضی کے کرایہ کے ساتھ علامہ شامی کو غلط فہمی ہوئی، کہ یہ دونوں حکم ایک ہی صورت مسئلہ کے ہیں اور دونوں جگہ نہر کے اجارہ کا ہی حکم بتایا ہے۔ مضمرات میں مطلقاً اور بزازیہ میں مقید بہ اجارہ ارض۔	
"	مصنف کی تحقیق کہ دونوں جگہ دو چیزوں کے اجارہ کا حکم دیا گیا ہے، جامع مضمرات میں نہر کے اجارہ کا۔ اور بزازیہ میں حق شرب کے اجارہ کا۔	
"	دعویٰ مصنف کے دلائل۔	
۱۵۹	طاعات پر اجارہ سے «سوال»	
"	متاخرین نے جن عبادات پر اجارہ کو مستثنیٰ کیا ہے انکے علاوہ جملہ عبادات کا حکم وہی ہے کہ اجارہ ناجائز ہے۔	
"	ایصال ثواب اور میلاد خوانی انھیں طاعات میں سے ہے جن کا اجارہ ناجائز ہے۔	
"	علامہ شامی کے حاشیہ اور رسالہ شفاء العلیل کا ذکر اور علامہ طحطاوی کی مدح کا تذکرہ۔	تاریخ
	جو عرفاً معہود ہو۔ وہ قولاً مشروط ہی کی طرح ہے۔	
"	زبان سے لینے دینے کا ذکر نہ ہو۔ اور وہاں اسکی رسم بھی نہ ہو۔ تو پڑھوانے والے کیلئے بطور حسن سلوک دینے میں حرج نہیں۔	
۱۶۰	اور جہاں اسکا رواج ہو، وہاں جواز کی یہ صورت ہے۔ کہ پڑھنے والے صاف کہدیں کہ ہم کو معاوضہ نہیں لینا ہے اور پڑھوانے والے بھی انکار کر دیں کہ دینا نہیں۔ اسکے بعد پڑھوانے والے بطور سلوک کچھ دیں تو حرج نہیں۔	
"	پڑھنے والے انکو اتنے وقت کیلئے مزدور رکھ لیں۔ کہ ہم تمہیں اپنے کام کاج کیلئے مزدور رکھتے ہیں۔ اور وہ جب ان کے مزدور ہو گئے۔ تو ان سے کسی اور کام کے بجائے تلاوت یا تقریر کرالیں۔	
"	ایک عقد میں رہن و اجارہ جمع کرنے کا «سوال»	

صفحہ	مضمون	متفرق
۱۶۰	«جواب» ایسا ناجائز ہے۔	
"	مستاجر اجرت کی زمین دوسرے کو اجرت پر دے سکتا ہے لیکن اس دوسرے سے طے شدہ کرایہ سے زائد لینا جائز نہیں	
"	جواز کی تین صورتیں (۱) اسمیں کوئی ایسا تصرف کرے کہ زمین کی حیثیت بڑھ جائے (۲) زمین کے ساتھ ملاکر دوسری چیز بھی کرایہ پر دے (۳) پہلے کرایہ میں روپیہ طے ہوا تھا تو اب اس کی جنس بدل دے مثلاً اشرفیاں کرایہ مقرر کرلے۔	
۱۶۱	مکان سال بھر کے کرایہ پر لیکر درمیان میں اجارہ فسخ کرنے کا «سوال»	
"	«جواب» کرایہ میں اگر ایک ماہ کی تعیین تھی تو ایک ماہ کیلئے اور ایک سال کی تعیین تھی تو ایک سال کیلئے طے ہو گیا، زائد کرایہ مانگنا ظلم ہوگا۔	
"	درمیان میں فسخ کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔	
"	(۱) اصل یا وکیل مختار نے کنجی واپس لیکر فسخ قبول کر لیا ہو	
"	(۲) اجارہ جاری رکھنے سے مستاجر کی جان یا مال کا صریح ضرر ہو۔	
"	ان اعذار کے نہ ہونے کی صورت میں درمیان میں مستاجر کو فسخ کا اختیار نہیں۔ اور اجرت دینی ہوگی۔	
"	نئے مہینہ میں بھی اجارہ متحقق ہو جائے گا۔ اگر نئے مہینہ کا ایک دن اور ایک رات گذر چکا ہو۔	
۱۶۲	کاشتکاری کی زمین کے رہن رکھنے کا «سوال»	
"	ایسی زمین کا رہن زمیندار کی اجازت سے جائز ہے (عالمگیری)	
"	کاشتکار کا مرتہن کو زمین کی لگان کے عوض کاشت کی اجازت دینا۔ فضول کا عقد اجارہ ہوا۔ جو زمیندار کی اجازت پر موقوف ہوگا۔	
"	زمیندار نے اجازت دیدی تو رہن باطل ہو کر اجارہ کا معاملہ ہو گیا۔ اور اب یہی اصل کاشتکار ہو گیا۔ یہ خود بھی کاشت کر سکتا ہے اور دوسرے کو بھی دے سکتا ہے۔	
"	زمیندار نے اجازت نہ دی تو اجارہ باطل۔ اور اس زمین سے اسکو کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں۔	
"	مستاجر نے سال بھر کے کرایہ کی بات کی اور دو سال کا کرایہ	

https://ataunnabi.blogspot.com/

صفحہ	مضمون	متفرق
۲۴۹	غیر کی تقریباً ڈیڑھ گرہ زمین غصب کرلی۔ مغصوب منہ نے اپنی زمین بیچ ڈالی غاصب کس کا جوابدہ ہے۔ مالک کا یا مالک ثانی کا ”سوال“	
”	پہلے مالک اول کا جوابدہ تھا، اور اب مالک ثانی کا ”جواب“	
”	زید کی دیوار میں عمر کا طاق قدیم ایام سے تھا، اور دو کڑیاں بھی اسکی دیوار پر تھیں۔ طاق زید نے بند کر دیا۔ اور عمر کی دیوار میں دو الماری اور آتش خانہ بنوالیا۔ اور کہتا ہے کہ کڑیاں ہٹا لو تو میں یہ چیزیں ہٹا لوں گا۔ بلکہ دیوار بھی بڑھالی ہے۔ کیا حکم ہے ”سوال“	
”	”جواب“ الماریاں اور آتش خانہ فوری ہٹانا ضروری ہے اور ثابت ہو کہ دیوار بڑھائی تو وہ بھی ہٹائے۔ اسی طرح عمر کا طاق اور کڑیاں جب تک زید راضی رہا، عاریۃً رہیں، اب وہ راضی نہ ہو تو ان کا ہٹانا بھی ضروری ایکدوسرے پر بر ٹالنا جائز نہیں۔ عاریت کی چیز کو ہر وقت واپس لینے کا حق عاریت دینے والے کو حاصل ہے۔	
۲۵۰	عالمگیری سے جزیہ۔	
”	زمین مغصوبہ میں سے جو حصہ موجود ہ غاصب کے ورثہ مغصوب منہ کے وارثوں کو دینا چاہتے ہیں۔ بقیہ مبیعہ حصہ اور آمدنی دینا نہیں چاہتے۔ حالانکہ غاصب نے قابل وفا ترکہ چھوڑا ہے۔ ”سوال“	
”	مغصوب منہ کے وارثوں کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ غاصب کے وارثوں سے زمین مغصوبہ کا جو حصہ موجود ہے وہ اور مبیعہ کی جو قیمت روز غصب تھی اسکا تاوان۔ اور زمین کرایہ پر چلنے کیلئے تھی تو موجودہ کے آجتک کے اور مبیعہ کے روز بیع تک کے محاصل غاصب کی جائداد سے وصول کریں۔ ورثائے غاصب کو اس سے منع کرنا حرام ہے۔	
”	ورثا یہ مغصوب منہ یہ بھی کرسکتے ہیں، کہ موجودہ زمین تو غاصب کے وارثوں اور مبیعہ زمین اور اسکے محاصل از روز قبضہ تا ایں دم مشتری سے وصول کریں۔ ”جواب“	
”	عالمگیری سے مسئلہ کا جزیہ	

مضمون	مضمون	متفرق
۲۵۱	چندہ وصول کرنیوالے کی سستی سے چیک کیش نہ ہوسکا اور بنک دیوالیہ ہوگیا۔ تو اس رقم کا ذمہ دار کون ہے مالک کہ چندہ وصول کرنے والا ”سوال“	
”	”جواب“ دیوالیہ بننا بنک والوں کا ظلم ہے۔ اسکا ذمہ دار چندہ وصول کرنے والا نہیں۔ اس پر تکاسل کا الزام بھی نہیں۔ کیونکہ اسکو اس دوران بنک کے دیوالیہ ہونے کا علم نہ تھا۔ جان بوجھ کر سستی کی ہو تب بھی روپیہ ضائع ہونے کا اس پر الزام نہیں۔	
”	اصول فقہ کے دو قاعدے (۱) سبب اور مباشر جمع ہوں تو نسبت مباشر کی طرف ہوگی (۲)، فعل کے صدور میں جب کسی فاعل مختار کا فعل درمیان میں آجائے تو پہلے نسبت منقطع ہوکر دوسرے کے ساتھ قائم ہوجائے گی۔	اصول فقہ ” ” ”
”	روپے چندہ دینے والے کے گئے مگر چندہ امر مستحب ہے اسلئے اس پر جبر نہیں ہوسکتا	
”	دو قاعدے (۱) متبرع پر جبر نہیں (۲) وعدہ کرنیوالے پر ایفائے عہد کیلئے جبر نہیں	اصول فقہ
”	تطوع کرنے کی فضیلت	ترغیب
”	غیر مسلم کا مال زبردستی کھانے کے متعلق ”سوال وجواب“	
۲۵۲	زید نے اپنی جائداد کا جو حصہ بعوض مہر زوجہ کفو کے نام کیا۔ پھر میاں بیوی دونوں کی رضا سے وہ حصہ زوجہ کی اولاد کے نام لکھا گیا۔ قابض اس پر دوسری غیر کفو بیوی کی اولاد ہے۔ ”سوال“	
”	”جواب“ یہ غصب اور ظلم ہے اور انکا اس جائداد میں کوئی حصہ نہیں۔	
۲۵۳	(۱)، شرکت کی چیز استعمال سے ضائع ہوجائے تو کس پر تاوان ہے۔	
”	(۲)، مغصوب منہ غاصب کا مال پائے۔ تو اپنے حق میں اس پر قبضہ کرسکتا ہے یا نہیں۔ ”سوال“	
”	”جواب“ (۱) جسکی زیادتی سے ضائع ہوئی وہ تاوان دے اور جو استعمال سے ضائع ہوئی اس کا تاوان کسی پر نہیں۔ (۲)، اصل مذہب میں اپنے حق کی جنس سے ہو تو لے سکتا ہے۔	

صفحہ	مضمون	متفرق
٤٠٣	جدو جہد کروں گا ۔	
،،	آیات قرآنی سے ثابت ہے ۔ کہ قربانی صرف بہیمۃ الانعام کی جائز ہوگی ۔ اور بھیڑ یقیناً بہیمۃ الانعام میں سے ہے ۔	
،،	معالم التنزیل سے بہیمۃ الانعام کی توضیح اور تفسیر	تفسیر
،،	گھوڑا ، خچر ، گدھا ، بہیمۃ الانعام سے نہیں ۔	،،
،،	مصباح سے بہیمۃ انعام کی تصریح	،،
،،	جس کو بھیڑ کے بہیمۃ الانعام ہونے میں شبہ ہو وہ بھیڑ کی نوع متعین کرے کہ وہ جانور کس قسم میں ہے ۔	مناظرہ
،،	تنبیہ ۲ انعام کی تقسیم کہ آیت قرآن میں حمولۃ سے مراد اونٹ اور بیل ، اور فرشا سے مراد بکری اور بھیڑ ہے ۔ اور آیت اولیٰ سے یہ ثابت ہو چکا ہے ، کہ انعام قربانی کا جانور ہے ۔	تفسیر
٤٠٤	تنبیہ ۳ یہ مسئلہ اتفاقی ہے کہ غنم قربانی کا جانور ہے ۔ اور بھیڑ کا غنم کی نوع ہونا بھی طے شدہ امر ہے ۔	،،
،،	شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ سے بھیڑ بکری کے ایک جنس ہونیکا ثبوت ۔	
،،	تنبیہ ۴ ایسے موقعہ پر قول فیصل علمائے لغت کی بات ہوتی ہے ۔ اور جس کو بھی عربی و فارسی و اردو پر عبور ہو جاتا ہے کہ ہندی زبان میں لفظ بھیڑ وہی ہے جیسے فارسی میں میش اور عربی میں ضان کہتے ہیں ۔	لغت
،،	ترجمہ رفیعیہ ، ترجمہ فارسی شاہ ولی اللہ ، ذخیرہ عقبیٰ ، صراح ، نفائس ، تحفۃ المومنین ، منتخب رشیدی ۔ وغیرہ سے مضمون بالا کا ثبوت ۔	،،
،،	اسلئے اب صورت یہی رہ گئی ہے ۔ کہ ایک بھیڑ لیکر تینوں ملک میں پھرا جائے ۔ اور ایک ایک سے پوچھا جائے ۔ یہ کون جانور ہے ۔	،،
،،	تنبیہ ۵ اس بات پر دلیل تنویری کہ مذکورہ بالا طریقہ ہی اس بات کے حل کا آخری ذریعہ ہے ۔	،،
٤٠٥	تنبیہ ۶ یہ بات ہی سرے سے غلط ہے کہ قربانی میں بھینس کو گائے کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے ۔ اور بھیڑ کو بکری کے ساتھ لاحق نہیں کر سکتے ۔	اصول فقہ
،،	قربانی کا مسئلہ ہی غیر قیاسی ہے ۔ تو اسمیں کسی کو کسی کے	

صفحہ	مضمون	متفرق
٤٠٥	ساتھ لاحق کرنے اور نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔	
،،	علامہ التفالی ، عینی اور طوری کا بیان کہ اراقۃ الدم کا عبادت ہونا خلاف قیاس ہے ، اسلئے اپنے مورد پر مقصور ہوگا ۔	
،،	وحشی جانور کی قربانی اسلئے جائز نہیں ۔	
،،	بھینس بقر کی ایک نوع ہے ۔ اسلئے لفظ بقر اسکو شامل ہے ۔ الحاق کی ضرورت نہیں ۔ (ہدایہ ، خانیہ ، درر ، رمز الحقائق ، تکملہ طوری ، ملتقی الحقائق ، شرح مسکین ، طحطاوی ، شرح نقایہ ، جامع الرموز ، جامع مضمرات ، مجمع الانہر ، فتح اللہ المعین ، بحر الرائق ، ہندیہ ، شامی)	لغت
،،	اگر کنز کے لفظ " الجاموس کا لبقر " سے شبہ ہو ۔ تو ایسے ہی ہے جیسے البخت کالاعراب "	
،،	خود مجیب اول نے شامی ، مفاتیح اور اشعۃ سے ایسے اقوال نقل کئے کہ یہ بقر کی ہی ایک نوع ہے ۔	لغت
،،	مجیب اول نے جان بوجھ کر بھینس کو ایک الگ نوع اور بقر کا مقابل قرار دیا ۔	،،
،،	اگر لاحق کرنے کی ہی بات ہوتی تب بھینس اور گائے میں غیر معمولی فرق ہے ۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ لاحق کرنا عقلاً جائز ہی نہیں ہوتا ۔	اصول فقہ
٤٠٦	دونوں میں تیرہ چیزوں میں فرق کا بیان	،،
،،	بھینس کی قربانی خلاف قیاس جائز ہے (اتقانی ، شرح مختصر الوقایہ ، روضہ)	،،
،،	عرفاً ان دونوں میں فرق ہونے کا بیان ۔	لغت
،،	گائے اور بھینس میں صرف اعضا میں اتحاد ہے ۔ یہ اتحاد تو گھوڑے اور گدھے میں بھی ہے ۔ لیکن یہ دونوں متباین نوعین ہیں ۔	اصول فقہ
،،	گائے اور بھینس کے اعضا میں بھی فرق کا بیان ۔	،،
،،	ہندی بھیڑ عربی مینڈھے کے ساتھ ملحق ہونے کی بھینس سے بھی زیادہ مستحق ہے ۔	،،
،،	بھیڑ اور دنبہ کے تشابہ کا بیان ۔	،،
،،	ان دونوں میں صرف اتنا فرق ہے ۔ کہ ایک کی دم چوڑی اور دوسرے کی گول ہوتی ہے ۔	،،

خلاصہ رسالہ ھادی الاضحیۃ

https://ataunnabi.blogspot.com/

صفحہ	مضمون	متفرق
۴۴۳	گوشت میں سے پہلے کھائے۔ مگر یہ روزہ نہیں۔	
۴۴۳	انفس الفکر فی قربان البقر	
، ،	گائے کشی سے "سوال" کہ واجب یا مباح ہے اور قربانی اونٹ کی یا گائے کی بہتر ہے۔ جہاں فتنہ ہو وہاں گاؤکشی سے باز رہا جائے۔	
، ،	"جواب" شریعت کے ہر حکم میں دقائق اور مصالح ہیں۔	اسرار شریعت
، ،	مصالح عرف سے بدل جاتے ہیں تو حکم بھی بدل جاتا ہے۔	اصول فقہ
، ،	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان برکت نشان میں عورتوں پر پردہ واجب نہ تھا عورتیں بیخوف جماعت میں حاضر ہوتی تھیں	صلوٰۃ
، ،	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ کے زمانہ میں رنگ بدلا، تو انھوں نے فرمایا، اگر حضور ہوتے، عورتوں کو مسجد سے روک دیتے۔ پھر زمانہ مابعد میں اور حالت خراب ہوئی تو ائمہ نے جوان عورتوں کو روک دیا۔ جب اور زمانہ بدلا تو مطلقاً ممانعت ہوگئی۔	، ،
۴۴۴	شامی اور فتح القدیر سے مسئلہ کا حکم۔	
، ،	ان حدیثوں کا ذکر جن میں عورتوں کو حضور جماعت کی اجازت ہے۔	
، ،	موجودہ احکام حدیث کے خلاف نہیں، بلکہ وہی کہ زمانہ بدلنے کے سبب حکم بدلا۔	اصول فقہ
، ،	ستر و حجاب کے کچھ ایسے ہی اور مسائل۔	حظر واباحت
، ،	واجب و حرام، بعینہ و لغیرہ کا بیان مع امثلہ	اصول فقہ
، ،	انگرکھے کا سیدھا پردہ مسلمانوں کا شعار اور الٹا پردہ کافروں کا۔ تو الٹے پردہ کا انگرکھا پہننا حرام ہے۔	حظر واباحت
، ،	گاؤکشی اپنے اصل اور ذات کے اعتبار سے واجب نہیں۔ نہ اباحت کے اعتقاد کے ساتھ اسکا تارک گنہگار، نہ ہماری شریعت میں کسی چیز کا بالتعیین کھانا فرض۔	ذبائح
۴۴۵	اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس کا کرنا واجب، بعینہ اور ترک حرام بعینہ نہیں۔ لیکن واجب لغیرہ و حرام لغیرہ تو ہو سکتا ہے۔	اصول فقہ
، ،	اسکے یک لخت ترک میں اسلام اور اہل اسلام کی توہین اور ذلت ہے۔ اور یہ شرعاً حرام ہے۔	

صفحہ	مضمون	متفرق
۴۴۵	سائل نے لفظ ترک لکھا ہے۔ حالانکہ ترک اور کف میں فرق ہے	اصول فقہ
، ،	ترک کے نقصانات کی تفصیل	، ،
، ،	گوشت طبعاً اہل اسلام کی غذا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسکا احسان جتایا ہے۔	حظر واباحت
۴۴۶	گوشت کی فضیلت کی احادیث۔	، ،
، ،	بکری کا گوشت گراں ہے۔ سبکو روزانہ میسر نہیں	، ،
، ،	فطرۃ کا قانون یہ ہے۔ کہ عناصر نباتات کی غذا، نباتات حیوانات کی غذا اور حیوانات انسان کی غذا۔	قانون فطرت
، ،	اسمیں بدن انسان کیلئے غیر معمولی فوائد و مصالح ہیں۔	، ،
، ،	سائل کا یہ کہنا کہ گاؤکشی پر کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ غلط ہے۔	مناظرہ
، ،	اونٹ، اور گائے اور بکری میں گائے کی وجوہ ترجیح۔	فوائد فقہیہ
، ،	ہمارے یہاں یہ ذبیحہ اصل مذہب میں داخل، اور غیر مسلموں نے یہ پابندی بعد میں اپنے سر ڈال لی ہے۔ انکے قدیم مذہبی پیشوا اسکو خود کھاتے تھے تو دونوں کا حکم ایک ہوگا۔	تقابل ادیان
۴۴۷	اسکے حرمت کی دو وجہ قرار دی گئی (۱) ہتھیا، تو دوسرے جانوروں کی ہتھیا ان حضرات میں عام ہے	مناظرہ
، ،	اگر اس کی وجہ سے جان لینا حرام ہو تو سانپ کا مارنا بھی حرام ہوگا۔	، ،
، ،	جینیوں کے طرز عمل سے استدلال کہ وہ مطلقاً ہتھیا کو شدید حرام سمجھتے ہیں۔ مگر انھیں کے دیگر ہم قوم ان کی اس ہتھیا کا خیال کئے بغیر ہتھیا کرتے ہیں پھر ہم پر پابندی کیوں۔	، ،
، ،	دوسری وجہ تعظیم۔ سو اس پر بھی خود یہ حضرات پورے نہیں اترتے۔ مثالوں سے اسکی وضاحت۔	، ،
، ،	بیل اور گائے میں وجہ فرق کیا ہے۔	، ،
۴۴۸	جہاں قانوناً بندش ہے وہاں شریعت بھی مجبور نہیں کرتی کہ ضرور کرو اور مورد آفات بنو۔	
، ،	خلاصۂ حکم۔	
، ،	"سوال" کیا قرآن میں قربانی گاؤ منع ہے۔	
، ،	"جواب" قرآن و حدیث سے قربانی گاؤ ثابت ہے۔	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

المجلد السابع من

العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ

رسائل	کتاب	مکتوب (تا ۲۷ رجب ۲۹)	سادہ
۲	وکالت	۱	۱۵
۴	اقرار	۱۱	۲۸۰
۴	صلح	۴	۲۴
۰	مضاربت	۹	۱۸
۰	امانات	۷	۹
۶	ھبہ	۸۹	۱۰۶
۲۵	اجارہ	۶۸	۳۲
۴	اکراہ حجر	۱۶	۲۲
۴	غصب	۳۴	۲۲
۴	شفعہ	۶۱	۳۲

رسائل	کتاب	مکتوب	سادہ
۲	قسمت	۳	۶
۰	مزارعت	۷	۵
۶	صید و ذبائح	۱۱۴	۲۴
۱۲	حصۃ الحظر	۱۴۸	۰
۷۳	۱۴	۵۷۱	۱۶۳

۵۶۰ جز

یہ فہرست اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ترتیب دی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

المجلد الثامن من

العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ

نمبر	کتاب	مکتوب (تا ۲۷ رجب ۱۳۲۹ھ)	سادہ
۰	بقیۃ الحظر	۳۸۳	۱۲۹
۴	اشربۃ	۵۱	۱۶
۲	مداینات	۳۰	۱۸
۲	رہن	۲۳	۱۰
۳	جنایات	۲۰	۱۶
۰	وصایا	۱۱۹	۳۳
۱	۶	۶۲۷	۲۲۲

۶۰

یہ فہرست اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ترتیب دی ہے۔